12

رحمۃ القدوس

ترجمہ شرح بخاری

بهجة النفوس

یعنی بخاری شریف کی ایک سو احادیث کی مکمل اور مستند شرح

معہ استنباط مسائل فقہ و تصوف و سلوک و فوائد عجیبہ

جس کو حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے حکم سے

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی نے نہایت محنت و جانکاہی کیساتھ

اردو زبان میں منتقل فرمایا ہے

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

قیمت کامل دو جلد ۹ روپے

Marfat.com

رحمۃ القدوس

ترجمہ شرح بخاری

بھجۃ النفوس

یعنی بخاری شریف کی ایک سو احادیث کی مکمل و مستند شرح

معہ استنباط مسائل فقہ و تصوف و سلوک و فوائد عجیبہ

جس کو حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے حکم سے

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی نے نہایت محنت و جانکاہی کیساتھ

اردو زبان میں منتقل فرمایا ہے

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

قیمت کامل دو جلد ۹ روپے

Marfat.com

DATA ENT

Marfat.com

DATA ENTERED

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمۃ القدوس (ترجمہ بہجۃ النفوس)

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد ولا نعبد الا ایاہ و اشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ الذی اتخذہ اللہ خلیلا و حبیبا و اصطفاہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلی آلہ واصحابہ وکل من تبعہ و اقتفاہ ۔

اما بعد جب یہ احقر کتاب البحر المورود مؤلفہ قطب ربانی علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی کے ترجمہ سے فارغ ہوگیا جو رسالہ شہریہ النور میں الدر المنضود کے نام سے عرصہ تک شائع ہوتا رہا اور ماہ رجب سنہ ۱۳۵۴ھ میں تکمیل کو پہونچ گیا ہے تو دل میں خود بخود خیال آیا کہ اسکے بعد کسی دوسرے مفید مضمون کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ مختلف خیالات دل میں گذرتے رہے مگر کسی ایک پر دل کو قرار نہ ہوا، اسی اثنا میں میری منجھلی لڑکی جو ۸-۹ مہینہ سے بعارضہ حمی لازمہ علیل تھی شعبان سنہ ۱۳۵۴ھ میں زیادہ علیل ہوگئی اور ۲۶ شعبان سنہ ۱۳۵۴ھ کو اتوار کے دن ۷-۸ بجے صبح کے درمیان اس نے اس دار فنا سے دار البقا کی طرف انتقال کیا اور اپنی مفارقت کا صدمہ والدین کے دل و جگر پر چھوڑ دیا فانا للہ و انا الیہ راجعون، غفر اللہ لھا و رفع درجاتھا و تقبل حسناتھا و رزقنا الصبر الجمیل،

اس صدمۂ جانکاہ سے قرار و سکون رخصت ہوا تو وہ خیال جو پہلے ہی غیر مستقر تھا عدم استقرار مدت کے ساتھ مضمحل ہی ہوگیا کہ دفعۃً ایک روز جبکہ یہ ناچیز مجلس بابرکت سراپا خیر و رحمت میں بجد حضرت اقدس سیدی سندی مولائی و مرشدی ملاذی و معتمدی ظل اللہ علی العالمین حکیم الامۃ مولانا محمد **اشرف علی** صاحب تھانوی دامت برکاتہم حاضر تھا حضرت نے کتاب **بہجۃ النفوس** مؤلفہ امام مقتدیٰ محدث شہیر حافظ ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرۃ الازدی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے جسمیں علامہ موصوف نے احادیث نبویہ کی شرح کرتے ہوئے

Marfat.com

احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط فرمایا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی اس کتاب کا ترجمہ کر دے"، حضرت کے اس ارشاد دسراپا رشاد سے قلب مضطر میں داعیہ پیدا ہوا کہ الدر المنضود کے اختتام کے بعد جو مضمون جدید لکھنے کا خیال تھا اُسکے لئے اسی مبارک کتاب کو متعین کر لینا چاہئے جسمیں چند فائدے ہوں گے اولاً حضرت اقدس کی تمنا پوری ہوگی جنکی شان یہ ہے ۵

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دھد یزداں مراد متقیں،

حضرت کی تمنا مجھ جیسے ناکارہ کے ہاتھوں پوری ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ٹھکانے لگا دے۔

ثانیاً یہ کہ اہل اللہ کی تمنا جسکے ہاتھوں پوری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اُسکی ساتھ ہوتی ہے تو اس تالیف میں انشاء اللہ غیبی امداد میرے ساتھ ہوگی اور امید ہے کہ دولت اخلاص بھی نصیب ہو جائیگی جس پر مدار کار ہے"،

ثالثاً یہ کہ صدمۂ جانکاہ کے سکون میں اس سے مدد ملے گی کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ شغل قرآن و حدیث اور ارشادات اہل اللہ سے قلب کو سکون ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ۴

رابعاً یہ کہ حضرت حکیم الامۃ دامت برکاتہم نے کتاب عنوانات التصوف کے آخر میں بعنوان تبصیر و تبشیر جو ایک اعلان فرمایا ہے اُس سے ناظرین کتاب مذکور کو کتاب بہجۃ النفوس کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوگا اور عربی نہ جاننے والوں کو اُسکے ترجمہ کا انتظار ہوگا تو اس کتاب کے ترجمہ کی تقدیم بہت سے اصحاب قلوب کے اشتیاق کی تکمیل اور کلفت انتظار کی رافع ہوگی"، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیمناً و تبرکاً اس مقام پر حضرت کے اُس اعلان کو بلفظہ نقل کر دیا جائے تاکہ ناظرین میں سے اگر کسی کی نظر سے نہ گذرا ہو تو وہ بھی حضرت کے ارشاد سے اس کتاب کی عظمت و جلالت کا اندازہ کر لیں، وہذا لفظہ ادام اللہ ظلہ۔

(تبصیر و تبشیر) ایک کتاب بہجۃ النفوس نظر سے گذری جو مختصر البخاری کی شرح ہے جو حضرت ماتن نے خود لکھی ہے متن بحذف اسانید و تکرارات احادیث بخاری کی تلخیص ہے اور شرح میں احادیث سے اور کہیں کہیں آیات سے بھی مثل مسائل علم ظاہری کے بکثرت مسائل علم باطنی بھی مستنبط کئے ہیں فتح الباری میں کتاب کا جا بجا حوالہ اُس کے مستند ہونے کیلئے کافی دلیل ہے، چونکہ عنوانات التصوف

Marfat.com

کے ماخذ اور اس کتاب کا ایک حصہ ہم تک ہیں اسلئے اس فن کے شائقین کیلئے اس کا اعلام کر دیا
کیا۔ اشرف علی ثامن ربیع الاول ۱۳۵۳ھ
اب خدا کا نام لیکر ترجمہ شروع کرتا ہوں اور بطور مقدمہ کے چند امور سے ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا
ہوں جن کا ترجمہ میں التزام کرنے کا ارادہ ہے۔
(اول) یہ کہ اسوقت پوری کتاب کے ترجمہ کا ارادہ نہیں بلکہ صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا جائیگا
جسمیں مسائل تصوف کا استنباط احادیث نبویہ یا آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے۔
(دوم) یہ کہ ترتیب ترجمہ کی اس طرح ہوگی کہ اولاً حدیث متن کا مع حوالہ باب کے ترجمہ ہوگا اسکے
بعد بعنوان شرح اس حصہ شرح کا ترجمہ ہوگا جسمیں مسائل تصوف کا استنباط مذکور ہے، اور ترجمہ
کے بعد اگر کسی مضمون کی تفصیل و توضیح کی حاجت ہوگی تو اسکو بعنوان ف لکھا جائیگا۔
(سوم) یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس میں جتنے مسائل حدیث سے مستنبط کئے گئے ہیں مصنف رحمۃ اللہ
علیہ نے ان کو نمبر وار ذکر کیا ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی ہر مسئلہ کو نمبر وار بیان کیا جائیگا مگر چونکہ ترجمہ
میں صرف مسائل تصوف کو لیا گیا ہے اسلئے ترجمہ کا نمبر اصل کتاب کے نمبر کے موافق نہو گا مگر ہر مسئلہ ۳
کے بعد اصل کتاب کا نمبر لفظوں میں مع ابتداء و انتہاء عبارت اصل کے مختصراً لکھدیا جائیگا تاکہ اگر
کوئی اصل سے مراجعت کرنا چاہے تو اسکو دشواری پیش نہ آئے"
(چہارم) یہ کہ احادیث متن کی صحت کے متعلق اتنا لکھدینا کافی ہے کہ یہ سب احادیث صحیح بخاری
کی احادیث ہیں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے لقب سے ممتاز ہے اور اس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا
کہ جو لوگ باوجود سب کچھ پڑھ لینے کے بھی علم تصوف کے منکر ہیں وہ بخاری شریف کو بھی سمجھکر نہیں
پڑھتے صرف دورہ ہی کر لیتے ہیں اگر وہ قرآن و حدیث کو سمجھکر پڑھتے تو ہرگز اس علم کا انکار نکرتے نہ اہل
تصوف پر اعتراض کرتے
(پنجم) یہ کہ کتاب **بہجۃ النفوس** جو مختصر البخاری کی شرح ہے اسکے مصنف بہت بڑے امام
ہیں جن کا تذکرہ خاتمۃ الحفاظ علامہ سیوطی رحمہ نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں اور علامہ ابو العباس سیدی
احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقیت نے کتاب نیل الابتہاج بتطریز الدیباج میں (جو کتاب الدیباج المذہب
فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (المالکی) کا تکملہ ہے اور اسی کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے) اور علامہ

Marfat.com

عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الطبقات الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے،، چونکہ تراجم اسماء رجال کا علم جماعت علماء کے ساتھ مخصوص ہے اسلئے ان کتابوں کی اصل عبارت اس جگہ عربی میں بلا ترجمہ نقل کیجاتی ہے،، اگر ناظرین اہل علم میں سے کسی کو مصنف کا تذکرہ کسی اور کتاب میں بھی ملجائے تو درخواست ہے کہ مترجم کو اُس سے مطلع فرمائیں تاکہ اُسکو بھی خاتمۂ کتاب میں ملحق کردیا جائے۔

قال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ فی ذکر من کان بمصر من الصلحاء والزھاد والصوفیۃ، الامام ابو محمد بن ابی جمرۃ المقرئ المالکی العالم البارع الناسک قال ابن کثیر کان قوالا بالحق اماراً بالمعروف توفی بمصر فی ذی القعدۃ سنۃ خمس وتسعین وستمأۃ اھ (حسن المحاضرۃ ج۱ ص۲۲۴) وقال العلامۃ ابو العباس افیت فی نیل الابتہاج عبداللہ بن ابی جمرۃ ابو محمد الولی القدوۃ العارف باللہ الزاھد الصالح الامام العلامۃ المقرئ المشھور مؤلف مختصر البخاری وشرحہ بھجۃ النفوس فی سفرین لہ کرامات عدیدۃ رأیتھا مجموعۃ فی کراریس مع اخبارہ عن اکابر ارباب القلوب وناھیک من حالہ وکراماتہ ما ذکرانہ قال یوما بحمد اللہ تعالی انہ لم یعص اللہ قط اخذ عنہ صاحب المدخل ونقل عنہ کثیرا فی کتابہ توفی نفعنا اللہ بہ سنۃ تسع وتسعین وستمأۃ اھ ملخصا (ص۱۴۰)

وقال القطب الربانی العلامۃ عبدالوھاب الشعرانی فی الطبقات لہ ومنھم الشیخ عبداللہ بن ابی جمرۃ الاندلسی المرسی رحمہ اللہ،، الامام القدوۃ الربانی رضی اللہ عنہ قدم مصر ولہ زاویۃ بخط جامع المقسم وکان ذا تمسک بآثار النبی صلے اللہ علیہ وسلم وحالۃ وجمعیۃ علی العبادۃ وشھرۃ کبیرۃ بالاخلاص والاستعداد للموت والفرار من الناس وانجماع عنھم الا فی الجمع وابتلی بالانکار علیہ حین قال انہ یری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقظۃ ویشافھہ وقام علیہ بعض الناس فانقطع فی بیتہ الی ان مات سنۃ تسع وتسعین وستمأۃ (ج۱ ص۱۶۳)

کتاب بہجۃ النفوس کے مستند ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس کے مضامین جابجا ذکر فرماتے ہیں اور صاحب مدخل نے جابجا حضرت

Marfat.com

مصنف کے اقوال مدخل میں نقل فرمائے ہیں بلکہ کتاب مدخل کی تصنیف کا سبب بھی حضرت مصنف کا امر وارشاد ہی بتلایا ہے وھذا لفظہ۔

وبعد فانی کنت کثیرا ما اسمع سیدی الشیخ العمدۃ العالم العامل المحقق القدوۃ ابا محمد عبد اللہ بن ابی جمرۃ یقول وددت انہ لو کان من الفقہاء من لیس لہ شغل الا ان یعلم الناس مقاصدھم فی اعمالھم ویقعد الی التدریس فی اعمال النیات لیس الا" او کلاما ھذا معناہ فانہ ما اتی علی کثیر من الناس الا من تضییع النیات فقد رآنی ذکرت بعض ما کان یجری عندہ من بعض الفوائد فی ذلک لبعض الاخوان فطلب ان اجمع لہ شیئا لکی یعرف تصرفہ فی نیتہ وعبادتہ وعلمہ وتسببہ الخ (ج ۱ ص ۲)

(ہفتم) حضرت مصنف نے ایک مقدمہ تو متن مختصر البخاری کا تحریر فرمایا ہے دوسرا مقدمہ بہجۃ النفوس کا تحریر فرمایا ہے جو شرح ہے" ان دونوں مقدموں میں سے اول کا تو پورا ترجمہ کیا جائیگا اور دوسرے کا پورا ترجمہ نہیں کیا جائیگا بلکہ مختصر طور پر ضروری مضامین لیلئے جائیں گے جنکی ضرورت عام ہے اور جو مضامین اہل علم کیلئے مخصوص ہیں اُن کو ترک کر دیا جائیگا کہ وہ اصل کتاب سے خود معلوم کر سکتے ہیں ۵

(ہشتم) اسوقت تک ہمارے پاس کتاب بہجۃ النفوس کی صرف دو جلدیں پہونچی ہیں جنمیں سو حدیثوں کی شرح ہے، اور مقدمہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ متن مختصر البخاری میں تین سو احادیث کے قریب ہیں اگر بقیہ شرح بھی دستیاب ہوگئی تو انشاء اللہ اسکے بھی حصہ تصوف کا ترجمہ کر دیا جائیگا ورنہ جسقدر موجود ہے وہ بھی انشاء اللہ بہت کافی ہے وھا انا اشرع فی المقصود متوکلا علی ربی انہ رحیم ودود وبیدہ ازمۃ التوفیق والخیر والجود" رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر۔

ترجمہ مقدمہ مختصر البخاری

الحمد للہ حق حمدہ۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الخیرۃ من خلقہ۔ وعلی لصحابتہ المختارین لصحبتہ، وبعد" چونکہ حدیث (نبوی) اور اُس کا حفظ اللہ تعالے

Marfat.com

کی (رضا کی) طرف قریب تر وسیلہ ہے جیسا کہ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے جو اسکے متعلق وارد ہیں منجملہ ان کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت تک ایک حدیث پہونچا دے جس سے کسی سنت کو رواج دے یا بدعت کو رد کر دے اسکے لئے جنت ہے"

نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "جو شخص میری امت (کو پہونچانے) کیلئے ایک حدیث یاد کرلے اسکے لئے اکھتر نبیوں صدیقوں کا ثواب ہے" اس بارہ میں اور بھی بہت آثار ہیں اور میں نے دیکھا کہ باوجود کتب احادیث کی کثرت کے ہمتیں ان کے حفظ سے بوجہ سندوں (کی طوالت) کے قاصر ہیں تو میں نے سوچا کہ کتب احادیث میں سے ایسی کتاب کو لوں جو سب سے زیادہ صحیح ہو اور اس میں سے حسب ضرورت کچھ حدیثیں منتخب کروں اور سندوں (کو حذف کر کے اس) کا اختصار کر دوں بجز (صحابی) راوی حدیث کے (نام کے) کہ اس سے تو چارہ ہی نہیں، اس طرح اس کا یاد کرنا آسان ہوگا اور ان شاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا" تو میرا ارادہ یہ ہوا کہ وہ کتاب (جس کا اختصار کیا جائے صحیح) بخاری ہو کیونکہ وہ (حدیث کی) سب کتابوں میں زیادہ صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بزرگوں میں سے ہیں" اور مجاب الدعوۃ بھی تھے (انکی دعا قبول ہوتی تھی) اور انھوں نے اس کتاب کے پڑھنے والے کے لئے دعا بھی کی ہے" ٦

مجھسے ایک قاضی نے جو صاحب معرفت اور (طلب حدیث میں) صاحب رحلت (وسیاحت) تھے ان بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے جنکی فضیلت (وبزرگی) مسلم تھی بوقت ملاقات فرمایا کہ امام بخاری کی کتاب کسی مصیبت کے وقت پڑھی جائے تو مصیبت ضرور دور ہو جاتی ہے اور کشتی میں ساتھ لیکر سوار ہوا جائے تو کبھی غرق نہیں ہوتی" پس میں نے برکت حدیث کیساتھ ان برکتوں کو بھی لینا چاہا کیونکہ (اسوقت) دلوں کو زنگ لگ گیا ہے کیا عجب ہے کہ اللہ کا فضل ہو جائے اور تاریکی زنگ دور ہو جائے" اور شاید (نفسانی) خواہشوں کی مصیبتیں جو اوپر تلے دلوں پر چھائی ہوئی ہیں جاتی رہیں اور امید ہے کہ ان عظیم الشان حدیثوں کے محفوظ کر لینے سے (دلوں کی کشتیاں بدعتوں اور گناہوں کے سمندروں میں غرق ہونے سے بچ جائیں گی" پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب منتخب حدیثیں پوری ہوگئیں تو (شمار میں) کچھ کم تین سو حدیثیں تھیں" جنمیں سب سے اول یہ حدیث تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا کس طرح ہوئی اور سب سے آخر وہ حدیث تھی جسمیں

Marfat.com

جنتیوں کے جنت میں جانے اور اللہ تعالی کا اُن پر اپنی دائمی رضا کے ساتھ انعام فرمانے کا ذکر ہے“ تو میں نے اس ترتیب کے موافق اُس کا نام جمع النہایۃ فی بدأ الخیر والغایۃ رکھا (جو بعد میں مختصر البخاری کے نام سے مشہور ہوئی) اور میں نے ان حدیثوں کو عنوانات ابواب مقرر کر کے الگ الگ نہیں کیا اس امید پر کہ اللہ تعالی مجھے اور اس کے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو خیر کی ابتدا مع انتہا کے کامل طور سے عطا فرمائیں“ بس اب ہم خداوند کریم مالک عرش عظیم سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے فضل سے ان حدیثوں کو ہمارے دلوں کیلئے جلا اور دین کی بیماریوں سے شفاء بنادیں کہ اُن کے سوا (ہمارا مالک اور) پروردگار کوئی نہیں وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین والحمد للہ رب العالمین“

خلاصۂ مقدمۂ بہجۃ النفوس،

امابعد ہمنے اپنی کتاب مسمی بہ جمع النہایۃ فی بدأ الخیر والغایۃ کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے اُسمیں اس طرف اشارہ تھا کہ اس کتاب کے فوائد بہت زیادہ ہیں اور اس کی خوبیاں عام ہیں، اور میں نے اس خیال سے کہ ایک خیر کے بعد دوسری خیر حاصل کروں، ان فوائد کے بیان کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا تاکہ وہ کتاب بمنزلہ اصل کے ہو اور یہ (شرح) بمنزلہ شاخ اور پھل کے ہو کیونکہ پھلوں سے پورا فائدہ اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ اُن کو توڑ لیا جائے“ اور تاکہ اُس کتاب کے یاد کرنے والوں کو فائدہ کی بلکہ اُن فوائد کی قدر معلوم ہو جو اس کے اندر موجود ہیں“ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو ہر ہر فائدہ کیلئے جس پر ایک حدیث دلالت کرتی ہے الگ باب باندھا ہے اور اسی واسطے وہ ایک حدیث کو بعض دفعہ چند ابواب میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور بعض دفعہ حدیث کے ٹکڑے کر کے ہر باب میں بقدر ضرورت ایک حصہ لاتے ہیں، اگر میں نے یوں مناسب سمجھا کہ ان حدیثوں میں سے جو (مختصر میں) جمع کیگئی ہیں ہر حدیث کو ایک باب قرار دوں اور (واقعی) وہ باب ہی ہے اور بڑا باب ہے جسکی کنجی ظاہر حدیث (اور اسکے الفاظ) ہیں اور جو ابواب (فقہیہ) اُس سے نکلتے ہیں وہ سب راستے ہیں جو اسی دروازہ کے تابع ہیں۔ پھر میں نے حدیث کے (پورے) الفاظ کو تلاش کیا تاکہ ان شیریں اور نہایت درجہ شیریں الفاظ کی برکتوں سے وہ نور حاصل کروں جس سے

Marfat.com

دل کی جہالتوں کی پیاس بجھے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی لفظ کی زیادتی یا کمی کسی مفید معنی ہی کے واسطے ہوتی ہے، کیونکہ آپ خواہش (نفس) سے نہیں بولتے تھے، اسی لئے اکثر علمار نے فرمایا ہے کہ حدیث کو فار اور واو کیساتھ نقل کرنا چاہئے (کہ جہاں واو ہو وہاں واو لایا جائے جہاں فا ہو وہاں فار ایک کی جگہ دوسرا حرف نہ لایا جائے گو معنی نہ بدلیں) جیسا کتاب عزیز (قرآن شریف) کو نقل کیا جاتا ہے، اور ایک جماعت نے علمار میں سے یہی فرمایا ہے کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا بھی جائز ہے (کہ معنی محفوظ رہیں گو الفاظ بدل جائیں) لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب اُن کو کسی لفظ کے صیغہ میں کچھ شبہ ہو جاتا اگرچہ اُس سے معنی پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا اسکو بھی یہ کہکر ظاہر کر دیتے تھے کہ میرا گمان یوں ہے میرا خیال یہ ہے" (کہ حضور نے اس طرح فرمایا یا اس طرح) اور اس کا سبب بجز دو باتوں کے اور کچھ نہ تھا ایک تو نقل کی سچائی، دوسرا اُس خاص لفظ کی برکت کو محفوظ رکھنا (جو حضور کی زبان سے نکلا ہے) تاکہ وہ برکت فوت نہو، اسی کی نظیر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حکایت ہے کہ
انھوں نے حج کے راستہ میں ایک مقام پر اپنی اونٹنی کو چکر دیا کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا ۸
کیوں کیا؟ فرمایا وجہ تو میں بھی نہیں جانتا مگر میں نے (اس مقام پر) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے تو میں نے بھی وہی کیا جو آپ نے کیا تھا، غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور آپ کے جملہ افعال صحابہ کے نزدیک سراپا برکات و انوار تھے اور کیوں نہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اسکی ترغیب دی اور تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائیگا، (اسمیں عموم کیساتھ اتباع کا حکم ہے) اور عموم کیساتھ حکم اتباع کا مقتضی یہ ہے کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں خواہ فعل ہو یا قول پورا اتباع کیا جائے، اور حضرات صحابہ سے اس قسم کے واقعات بہت منقول ہیں جو تلاش کرنے والے کو مل جائیں گے، رہے ائمہ دین سو وہ بھی حدیث نبوی کا بڑا احترام فرماتے تھے حتی کہ وہ اُن کے نزدیک قرآن ہی کے مثل تھی اُسکے الفاظ و حروف سے بھی (قرآن کی طرح) احکام کا استنباط فرماتے تھے اور کیسے احکام کا؟ (جتنے دفتر بھرے ہوئے ہیں اور اسی پر اپنے مذاہب کی بنیادیں قائم فرماتے تھے۔ احترام حدیث کا تو یہ حال تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ

Marfat.com

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

کی حکایت ہے کہ (ایک دفعہ) خلیفہ (وقت) اُن کے مکان پر حاضر ہوا تو آپ نے گھر سے نکلنے میں دیر کی، جب باہر تشریف لائے تو خلیفہ نے عرض کیا اے مالک! تم ہمیشہ امراء (وخلفاء) کو ذلیل ہی کرتے ہو، فرمایا نہیں بخدا، مگر (دیر کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے آپ کی آواز سنی تو یہ سمجھا کہ آپ کا میرے پاس آنا صرف اسلئے ہوا ہے کہ حدیث (نبوی) کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا ہے، اور میں اسوقت بے وضو تھا مجھے گوارا نہوا کہ حدیث (نبوی) کے متعلق بے وضو گفتگو کروں، اسلئے میں نے وضو کی اور فوراً باہر آگیا اسکے سوا مجھے کچھ خبر نہیں (کہ دیر ہوئی یا سویر) نیز امام مالک رحمہ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب طلبہ اُن کو درس دینے کیلئے (گھر سے) بلاتے تو دریافت فرماتے کہ تم کیا (پڑھنا) چاہتے ہو؟ اگر وہ یہ کہتے کہ فقہ (پڑھنا) چاہتے ہیں تو اُسی حالت میں باہر آجاتے جس حالت میں اسوقت ہوتے اور اگر یہ اطلاع دی جاتی کہ حدیث (پڑھنا) چاہتے ہیں تو اچھی طرح وضو کرتے خوشبو لگاتے، عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، مشک و اگر کی دھونی لیتے پھر حدیث (پڑھانے) کیلئے بیٹھتے، اس قسم کے واقعات اُن سے بکثرت منقول ہیں اور چونکہ وہ حدیث نبوی کی (اسدرجہ) تعظیم کرتے تھے اسی لئے اُن کا نام امیر المؤمنین فی الحدیث رکھا گیا۔ رہا حدیث کے الفاظ سے احکام کا استنباط کرنا اور اسکے فوائد کی تلاش میں رہنا تو اسکی مثال یہ ہے کہ امام مالک[۹] رحمہ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة سے تین مسئلے مستنبط فرمائے ہیں (جنکو اہل علم اصل کتاب سے سمجھ سکتے ہیں) اور اس قسم کی مثالیں امام مالک سے اور اُن کے سوا دوسرے ائمہ سے بکثرت منقول ہیں جو تلاش کرنیوالے کو مل سکتی ہیں غرض میرا دل ہمیشہ اس بات کا مشتاق رہا جسکو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ (مختصر البخاری کی شرح کروں اور فوائد حدیث کو بیان کروں اور) ایک خبر کو دوسری خبر کے ساتھ ملاؤں، اسی سوچ اور فکر میں دن گذرتے گئے یہانتک کہ مجھ سے ایک شخص نے جو اصل (کتاب) کو پڑھ چکا تھا درخواست کی کہ ان معانی و مطالب کو ظاہر کردوں جو دل میں چھپے ہوئے ہیں، تو میں نے اُسکی درخواست اس امید

ع۹ چونکہ مصنف رحمہ مالکی ہے اس لئے امام مالک ہی کے استنباط کو مثال میں بیان فرمایا ورنہ تمام ائمہ مجتہدین کی یہی حالت ہے کہ حدیث نبوی کے لفظ لفظ سے مسائل کا استنباط فرماتے اور اُن کے اشارات و دلالات سے احکام کا استخراج کرتے ہیں ۱۲ ظ

Marfat.com

منظور کی کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اور اُسے اور جو اس کتاب کو بعد میں پڑھے اور تصدیق و رقت (قلب) سے پڑھے اسکے ذریعہ نفع دیں،، (پس اب معلوم کرو کہ) یہ کتاب شریعت کے فرائض وسنن و مستحبات و آداب و احکام کے بہت سے موتیوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، نیز اسمیں علم حقیقت پر حقیقت (وواقعیت) کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، اور علم حقیقت و شریعت کو جمع کرنے کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے (کیونکہ جو حقیقت شریعت پر منطبق نہ ہو وہ زندقہ ہے) نیز اُن طرق ناجیہ کو بھی بیان کیا گیا ہے جنکی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس ارشاد میں) اشارہ فرمایا ہے (کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جنمیں نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو اُس راستہ پر چلے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب) اوران کے مخالف طریقوں پر بھی اشارہ کیا گیا اور اُن سے ڈرایا گیا ہے،، اور بعض دفعہ میں نے اُن مسائل پر جو ایک حدیث سے معلوم ہوئے آیات (قرآنیہ) اور اُسکے مناسب دوسری احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اسکی مؤید ہیں، جنمیں سے بعض کے تو الفاظ ہی سے تائید ہوتی ہے اور بعض کے معانی سے،، اور اسکے بعد کچھ حکایات بھی بیان کردی ہیں تاکہ (ناظرین کا) ذہن تیز ہو اور مقصود واضح ہوجائے۔ 10

اور بعض دفعہ کسی کسی جگہ میں نے نفس کو غفلت پر (زجرو) توبیخ کرنے کی بھی ہدایت کی ہے کہ شاید گمراہی سے باز آجائے۔ نیز میں نے اس کتاب میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ اور اُن کے آداب اور حسن عبارت اور نقل کی احتیاط اور حسن خطاب پر بھی تنبیہ کی ہے اور اس سے جو آداب شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں اُن کو بھی بتلایا ہے جبکہ الفاظ حدیث میں ان امور سے تعرض ہو، کیونکہ ان امور میں سے کسی کو غفلت کے ساتھ چھوڑ دینا مناسب نہیں اسلئے کہ یہی حضرات (اللہ کے) برگزیدہ اور مقرب بندے اور منتخب و بلند درجے والے ہیں، علماء نے حق تعالیٰ کے ارشاد ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّٰی (جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد ازیں کہ ہدایت اُس پر واضح ہوچکی اور مؤمنین کے راستہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کرے گا ہم اُسکو اُسی حالت پر چھوڑ دیں گے جو اُس نے اختیار کی ہے اور جہنم میں جھونک دیں گے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مؤمنین سے مراد حضرات صحابہ اور قرن اول (کے مسلمان) ہیں، دوسرے یہ کہ یہی وہ حضرات ہیں جنسے بلا واسطہ رسول اللہ علیہ وسلم کا خطاب بالمواجہ ہوا ہے اور انھوں نے

Marfat.com

خوبصورتی کے ساتھ سوال کرکے اُن اشکالات سے تسلی حاصل کی جو ان کے دلوں میں واقع ہوئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو بہترین جواب دیا اور اچھی طرح حقیقت کو واضح فرمادیا صحابہ نے اسکو سنا اور سمجھا، اُس پر عمل کیا اور اچھی طرح عمل کیا، محفوظ کیا اور ضبط کے ساتھ یاد رکھا پھر (دوسروں کے سامنے) نقل کیا اور سچائی کے ساتھ نقل کیا، پس اُن کیلئے بڑی فضیلت ہے کیونکہ اُنہی کے ذریعہ سے ہمارا سلسلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے پھر حق جل وعلا کے سلسلہ سے ملا پس اُن کا ہم پر بڑا احسان ہے اُن کے حق کے لحاظ سے بھی اور سبقت کی وجہ سے بھی ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی محسن کو عطا کیگئی ہو۔ اور اُن کے الفاظ کیونکر چھوڑے جاسکتے ہیں حالانکہ ہم نے اُن کے حق واجب کا دسواں حصہ بھی نہیں بیان کیا، اور اگر کوئی ملحد (بددین) اُن پر اعتراض کرے اور اُس نعمت کی ناشکری کرے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ذریعہ سے ہمکو عطا فرمائی ہے تو اس کا منشا اُس کا جہل اور سوء فہم اور قلت ایمان ہے (اور کچھ نہیں) کیونکہ اگر اُن پر بھی تنقیص کا کوئی شائبہ پہونچ سکتا ہے تو دین کا کوئی پایہ قایم نہیں رہ سکتا، وہی تو ہم تک (دین کے) پہونچانے والے ہیں اگر یہ مقدس ناقل ہی مجروح ہوگئے تو احادیث و آیات کا معاملہ خطرناک ہوجائیگا جس سے تمام مخلوق تباہ ہوجائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور وحی نہیں آسکتی (اب اگر اس وحی میں بھی شک وشبہ کو دخل ہوگیا تو مخلوق کا کہاں ٹھکانا رہے گا) حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں لانذرکم بہ ومن بلغ (کہ اے رسول فرمادیجئے کہ یہ قرآن مجھ پر اسلئے نازل کیا گیا ہے کہ تمکو بھی ڈراؤں اور اُن لوگوں کو بھی جنکے پاس یہ پہونچ جائے) اور مبلغ (وناقل) کا عادل (ومعتبر) ہونا تبلیغ کی صحت کیلئے (پہلی) شرط ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے جسکے بھی پیچھے ہوگے راستہ پالوگے) اور ظاہر ہے کہ ہر ستارہ میں چمک اور روشنی ضرور ہے (تو ہر صحابی کا صاحب نور ہونا لازم ہے) اللہ تعالے ہمکو صحابہ کے ساتھ محبت رکھنے والوں اور اُن کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے کرے (آمین) اور

۱۱

عے اس تقریر سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حضرات صحابہ اور محدثین کرام کی محنت ومشقت کا احسان نہیں مانتے ۱۲ ظ

Marfat.com

بایں ہمہ میں اپنے کو لغزشوں سے بری نہیں سمجھتا اگرچہ میں نے اس (تصنیف کے) معاملہ میں اپنا پیشوا (اور رہنما) حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک ارشاد کو بنایا ہے جب اُن سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو مہینہ بھر تک آپ نے جواب نہ دیا لوگوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپ کے سوا اس مسئلہ کا جواب دینے والا ہمارے پاس کوئی نہیں۔ فرمایا اب جبکہ تم نے تقاضا کیا ہے تو میں (جواب دینے کی) کوشش کرونگا اگر درست ہوا تو اللہ کیطرف سے فضل ورحمت سمجھو اور غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو سچے ہیں (ہماری غلطی کو آپ کی طرف منسوب نہ کرو) پس میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اُن کے اصحاب کو اپنے مقصود کیلئے اللہ کی طرف وسیلہ بنالیا ہے اور اس کتاب کا نام بھجۃ النفوس وتحلیھا بمعرفۃ مالھا وما علیھا تجویز کیا ہے اور میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل وصلے اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وسلم افضل التسلیم“

۱۲ (اول) **حدیث بدأ الوحی** حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اولاً وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی کہ آپ سوتے ہوئے جو خواب بھی دیکھتے اس کا ظہور ایسا ہوتا جیسا صبح کی پو پھٹتی ہے پھر آپ کو خلوت سے محبت دیگئی، آپ غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور اس میں کئی کئی رات مسلسل عبادت کرتے اور اس (زمانۂ خلوت) کیلئے توشہ (کھانے پینے کا سامان) ساتھ لے آتے پھر سامان ختم ہوجاتا) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس واپس جاتے اور اتنے ہی دنوں کیلئے اور توشہ لے آتے یہانتک کہ آپ کے پاس غار حرا ہی میں (پیغام) حق آپہونچا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور اُس نے کہا پڑھیے، آپ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ حضور فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) فرشتہ نے مجھے پکڑا اور (سینہ سے لگاکر) زور سے دبایا یہانتک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیے میں نے (وہی جملہ اب بھی) کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) مجھے پھر اُس نے پکڑا اور دوبارہ زور سے دبایا یہانتک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیے میں نے پھر وہی کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اُس نے اس دفعہ بھی پکڑا اور سہ بارہ

Marfat.com

زور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق ۰ خلق الانسان من علق ۰ اقرأ وربک الاکرم ۰ الذی علم بالقلم ۰ علم الانسان مالم یعلم ۰ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو اس حالت میں لیکر واپس ہوئے کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا اور حضرت خدیجہ کے پاس پہونچکر فرمایا مجھے کمبل اڑھا دو کمبل اڑھا دو، چنانچہ انھوں نے کمبل اڑھا دیا (اور آپ کمبل اوڑھے کچھ دیر لیٹے رہے) یہانتک کہ گھبراہٹ دور ہو گئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے (کیونکہ وحی کا ثقل بہت ہوتا ہے حضور نے عمر بھر اس کو محسوس کیا ہے تو پہلے دن جسقدر ثقل ہوا ہوگا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ حضور کو اس ثقل ہی کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہوا) حضرت خدیجہ نے عرض کیا ہرگز نہیں خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی رسوا نہ کریگا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے، ناداروں کو کمانے (کھلانے) کے قابل بناتے، مہمان کی میزبانی کرتے، اور قابل امداد حادثات میں مدد فرماتے ہیں، اسکے بعد حضرت خدیجہ آپ کو ساتھ لیکر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی بنگئے تھے، عبرانی زبان میں لکھنے پر قادر تھے چنانچہ انجیل کا جتنا حصہ مقدر ہوتا عبرانی میں لکھ لیتے تھے، اسوقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ نے ان سے کہا اے ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ تو سنو! ورقہ نے حضور سے کہا میرے بھتیجے (کہو) تم کیا دیکھتے ہو، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا جس پر ورقہ نے کہا یہ تو وہی معزز فرشتہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا کاش! میں اس وقت جوان ہوتا (جبکہ آپ کو تبلیغ کا حکم دیا جائیگا) کاش میں اسوقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کو آپ کی قوم (مکہ سے) نکالدے گی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا کیا یہ لوگ مجھے نکالنے والے ہیں؟ (حالانکہ اسوقت تک وہ بیحد احترام کرتے اور صادق امین کے نام سے پکارتے ہیں) ورقہ نے کہا ہاں، (آجتک) کوئی بھی (اپنی قوم کے پاس) یہ چیز نہیں لایا جو آپ لائے ہیں مگر اس کے ساتھ دشمنی ضرور کیگئی اور اگر میں نے وہ دن پالیا جو آپ کو پیش آنے والا ہے تو آپ کی پوری مدد کروں گا مگر ورقہ کو اسکے بعد زیادہ دن نہ گذرے کہ وفات پاگئے، اور (کچھ دنوں کیلئے) وحی رک گئی (تاکہ آپکو اس کا اشتیاق بڑھے)۔

Marfat.com

ابوسلمہ بن عبدالرحمن حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فترۃ وحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن میں چلا جا رہا تھا اچانک آسمان کی طرف سے میں نے ایک آواز سنی، اوپر کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو (غار) حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے،، مجھے (یہ منظر دیکھکر) ڈر لگا تو (گھر کو واپس ہوا اور (حضرت خدیجہ سے) کہا مجھے گرم کپڑا اڑھا دو کمبل اڑھا دو،، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اسکے بعد وحی کا دریا جوش میں آگیا اور پے درپے آنے لگی،،

شرح۔ یہ حدیث فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے، جنمیں احکام بھی ہیں، آداب بھی اور قواعد ایمان میں سے بہت سے قواعد اور سلوک و ترقی، مقامات کی معرفت بھی،، اور ان مطالب و معانی ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ وسلم نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے بیان فرمائی تاکہ وہ دوسروں تک اسے پہونچا دیں اور اُن کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کا طریقہ معلوم ہو،، اور ان فوائد

۱۴ کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو بیان فرمایا۔ اور لوگوں نے اُن سے روایت کی، اور ہم انشاءاللہ حسب توفیق الٰہی ان میں سے کسی قدر پر تنبیہ و اشارہ کریں گے۔

(ہدایت امر وہبی ہے کسبی نہیں)

(۱) حدیث کا یہ لفظ کہ،، پھر آپ کو خلوت کی محبت دی گئی،، (اس بنا پر کہ یہ صیغہ اس پر دال ہے کہ یہ محبت کسی دینے والے نے دی خود نہیں ہوگئی) اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کسی انسان وغیرہ کا اسمیں دخل نہیں،، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں ابتدا ہی سے یہ بھلائی رکھدی گئی تھی، آپ کی ساتھ کوئی بھی اسکی ترغیب دینے والا نہ تھا، اور

(خلوت کی حقیقت)

خلوت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اکیلا رہے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی چیز کی محبت دیگئی جو آپ کی شریعت میں عبادت کی جڑ اور عبادت کا اعلیٰ فرد ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلوت بڑی عبادت ہے،، غرض خلوت خود ایک عبادت ہے اور اگر اسکی ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے (مثلاً ذکر و فکر وغیرہ) تو وہ تعبد ہے اور نور علی نور ہے،، (الوجہ الثالث قولها ثم حبب الیہ الخلاء الی قولہ فھو نور علی نور)

ف ہدایت کی دو قسمیں ہیں ایک راستہ معلوم کرنا دوسرے راستہ پر چڑھ جانا پہلی قسم اختیاری ہے

Marfat.com

جو انسان کو اسباب و دلائل میں غور کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور دوسری وہبی ہے حضرت مصنف نے اسی دوسری قسم کے متعلق فرمایا ہے کہ کسی انسان کو اسمیں دخل نہیں مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ جو شخص صدق طلب اور کوشش کے ساتھ راستہ معلوم کر لیتا ہے اُسکو راستہ پر چلنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ، اور عالم اسباب میں جملہ اسباب کی یہی حالت ہے کہ اسباب پر تو انسان کو کچھ اختیار حاصل ہے مگر مسببات پر اختیار حاصل نہیں وہ محض وہبی ہیں جیسے زراعت کرنا انسان کے اختیار میں ہے مگر بیج کا بار آور ہونا اسکے اختیار میں نہیں مگر عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جو زراعت باقاعدہ کرتا ہے اُسکو ثمرہ مل ہی جاتا ہے **ف** حضرت مصنف کا یہ ارشاد کہ خلوت خود عبادت ہے اور اگر اسکے ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے" یہ وہ بات ہے جو حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے بارہا بیان فرمائی ہے کہ "اگر کسی سے کچھ بھی کام نہ ہو سکے تو کم از کم ایک وقت روزانہ ایسا مقرر کرے جسمیں سب سے الگ ہو کر خاموش بیٹھا رہا کرے انشاء اللہ یہ بھی اسکو راستہ پر لگا دے گا"

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کہ "پھر حضرت خدیجہ کے پاس واپس جاتے اور اتنے ہی دنوں کیلئے اور توشے لے آتے" اس بات کی دلیل ہے کہ (مخلوق سے) بالکل الگ ہو جانا اور (بیوی بچوں سے) ہمیشہ کیلئے بے تعلق ہو جانا سنت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غار (حراء) میں اس طرح گوشہ نشینی اختیار نہیں کی کہ گھر والوں کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہو بلکہ آپ صرف چند دنوں کیلئے عبادت کرنے وہاں جاتے پھر گھر والوں کی ضروریات کیلئے واپس آجاتے پھر (کچھ دنوں) کے لئے وہاں تشریف لے جاتے"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں تبتل (وانقطاع کلی) سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے (کہ نکاح ہی نہ کیا جائے اور مخلوق سے بالکل الگ تھلگ رہا جائے) اور یہ ممانعت اُن لوگوں سے متعلق ہے جو رہبانیت کو سنت (اور ثواب) سمجھکر اختیار کریں" اور جو شخص اسلئے بے نکاح رہے کہ اُسکو نکاح کی قدرت ہی نہیں یا تو اسوجہ سے کہ اسکے پاس (نان ونفقہ کی) گنجائش نہیں یا اسوجہ سے کہ نکاح اُسکو موافق نہیں وہ اس ممانعت کے تحت میں داخل نہیں" (الوجہ الثامن قولہ فیہ دلیل علی ان

Marfat.com

المنبتل الکلی والانقطاع الدائم الی قولہ فلا یدخل تحت ھذا النھی)۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بیوی بچوں کے تعلق کو تصوف کے خلاف سمجھتے اور ان سے بے تعلقی کو خلوت اور یکسوئی کے لئے شرط سمجھتے ہیں ۱۲۔

(۳) یہ ارشاد اسکی بھی دلیل ہے کہ عبادت حقوق واجبہ کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد ہی ہوسکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس ان کے حقوق ادا کرنے ہی کو (خلوت سے) واپس آتے تھے اسی طرح دوسرے حقوق واجبہ کا ادا کرنا اور پوری طرح ادا کرنا بھی ضروری ہے اسکے بعد مستحبات میں مشغول ہونا چاہیئے (الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان العبادۃ لا تکون الا بعد اعطاء الحقوق الی قولہ وحینئذ یرجع الی المندوبات)۔

ف خلاصہ یہ کہ حقوق واجبہ کو تلف کرکے خلوت و عبادت کرنا حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ ہلاکت ہے گو ظاہر میں اسکو عبادت سمجھتے ہوں ۱۲۔

(۴) اس ارشاد میں اسکی بھی دلیل ہے کہ مرید کیلئے (طریق) تربیت (کہ تدریجاً ترقی کرے) دوسرے طریقوں سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول (سچے) خواب سے ہوئی پھر ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہونچ گئے اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں پس اگر تربیت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ افضل ہوتا تو آپ اسکے زیادہ مستحق تھے۔ (الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی ان التربیۃ للمرید افضل من غیرھا الی قولہ کان اولی بہ من غیرہ)۔

ف اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو شیخ کی ایک نظر میں صاحب نسبت ہونے کے متمنی ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کا یہ طریقہ افضل نہیں بلکہ افضل یہی ہے کہ تربیت کے طریقہ سے کامیابی حاصل ہو (وھذا ھو ذوق مشائخنا لاسیما حکیم الامۃ منھم)۔

(۵) اس ارشاد میں اسکی بھی دلیل ہے کہ مبتدی کیلئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابتداء امر میں اکیلے ہی رہتے تھے اور جب اس انتہا پہونچ گئے جو آپ کیلئے مقدر تھی پھر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھر والوں کے درمیان رہ کر ہی عبادت کرتے تھے اب آپ کی یہ حالت ہوگئی کہ سجدہ کے وقت گھر والوں کا پیر دبا دیتے تاکہ وہ اپنا پیر سمیٹ لیں۔

Marfat.com

(اور سجدہ کیلئے جگہ ہو جائے) اور ابتدا میں آپ نے اس پر قناعت نہیں فرمائی کہ گھر میں رہ کر گھر والوں سے مانوس رہیں بلکہ غار کی طرف تشریف لے جاتے تھے جیسا اوپر گذرا۔ (الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاولى باهل البداية الخلوة والاعتزال الى قوله حتى خرج الى الغار)

ف خلاصہ یہ کہ خلوت درانجمن مبتدی کیلئے مناسب نہیں بلکہ اسکو خلوت کاملہ کی ضرورت ہے خلوت درانجمن منتہی کا درجہ ہے اسکو اہل وعیال واحباب کی صحبت توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوتی" مگر منتہی کو بھی دن رات میں ایک وقت خلوت کاملہ کیلئے مقرر کرنا چاہئے (لقوله تعالى للنبي صلى الله عليه وسلم بعد بلوغه درجة الكمال واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا بعد قوله ان لك في النهار سبحا طويلا)

(۶) اس حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ خلوت سے انسان کو کمال عبادت اور دین کی درستی میں مدد ملتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہوگئے اور خلوت میں رہنے لگے اسی وقت آپ کو یہ خیر عظیم (یعنی نبوت) حاصل ہوئی پس جو شخص بھی آپ کے موافق عمل کریگا اسکو خیر حاصل ہوگی اور مقامات ولایت میں سے اللہ تعالیٰ نے جو درجہ بھی اسکے لئے مقدر فرمایا ہے اسپر پہونچ جائیگا" (الوجه الرابع عشر فيه دليل على ان الخلوة عون للانسان على تعبده الى قوله بحسب ما قسم الله من مقامات الولاية)-

(۷) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ جائے اعتکاف یا خلوت گاہ یا مقام مراقبہ میں داخل ہوتے وقت توشہ ساتھ لینے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خلوت کی عبادت کیلئے کھانے پینے کا اتنا سامان ساتھ لیجایا کرتے تھے جس سے مدت قیام میں زندگی کا سہارا ہو" اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ توشہ ساتھ لیکر جانے میں صفت عبدیت اور اپنی احتیاج وضعف کا اظہار ہے" کیونکہ انسان کو ان امور کی طاقت بجز اللہ سبحانہ کی اعانت کے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی" اور بدون توشہ کے جانے میں ایک گونہ دعوی کی شان ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے اور نہ دل سے نیت کی جائے۔ تو ایسا کرنے والے پر اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو اسی کی ذات کے حوالہ نہ کردیں پھر وہ اپنا ارادہ پورا کرنے سے عاجز ہو جائے جو اس راستہ میں اس نے کیا تھا" اسی لئے بعض حضرات صوفیہ شدت اتباع سنت کی وجہ سے اپنی خلوت گاہ اور عبادت گاہ میں داخل ہونے کے وقت ایک روٹی ساتھ لیلیتے تھے

Marfat.com

اور اسکو اپنے تکیہ کے نیچے رکھدیتے، اور کبھی کئی دن تک مسلسل روزہ رکھتے اور روٹی میں سے کچھ بھی نہ کھاتے "کسی مرید نے اُن کی یہ حالت دیکھ لی تو اس نے تکیہ کے نیچے سے روٹی نکال لی" ایک دن شیخ نے روٹی کو تلاش کیا اور (تکیہ کے نیچے) نہ پایا تو مریدوں پر بہت جھلائے اور اُن کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے"، انھوں نے عرض کیا کہ جب آپ کو اسکی ضرورت نہیں (اور بدون کچھ کھائے پئے مسلسل روزے رکھ لیتے ہیں) تو اس روٹی کو یہاں کس لئے رکھتے ہیں؟ فرمایا کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ یہ قوت جو میرے اندر دیکھتے ہو میری ذاتی قوت ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، اب بتلاؤ اگر میں (اپنی اصلی حالت کو بھول جاؤں اور) حالت بشریت ہی کی طرف لوٹا دیا جاؤں تو (اسوقت) میں کیا کروں گا؟ (کیا اسوقت بھی بدون کھائے پئے روزہ رکھ لوں گا ہرگز نہیں غرض وہ (بزرگ) اپنے ضعف کی حالت کا اور عادۃً جتنی قدرت انسان کو دیگئی ہے اُس کا لحاظ کرکے کام کرتے اور اسکے سوا جو کچھ (ظاہر) ہوتا اسکو اپنے اوپر اللہ کا فضل (و احسان) سمجھتے تھے، اور ان سب حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے جیسا کہ ہمنے اسکی طرف اشارہ کردیا ہے"

۱۸ نیز اس میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ توشہ ساتھ لیکر جانے میں (پریشانی کا) سدباب ہے، کیونکہ جب توشہ اپنے سامنے ہوگا تو نفس کو کوئی انتظار اور تعلق (باقی) نہ رہے گا، حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان کے پاس قوت ہوتی ہے تو اسکو اطمینان ہو جاتا ہے" یہ حکم اسوقت ہے جبکہ حلال طریقہ سے روزی مل سکے ورنہ اللہ روزی دینے والا اور بڑی قدرت والا ہے (وہ غیب سے روزی دیں گے اور اس صورت میں توشہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں) چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب قاعدے کے موافق روزی نہ ملتی تو اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے تین تین پتھر باندھ لیتے اور توشہ کا سامان کرنے کی اصلا کوشش نہ فرماتے بلکہ اسکا خیال بھی نہ فرماتے"۔ (الوجہ الخامس عشر فیہ دلیل علی التسبب فی الزاد الی قولہ ولا ینظر الیہ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ترک اسباب کو شرط تصوف سمجھتے اور مشغولی اسباب کو مانع طریق سمجھتے ہیں ۱۲

(۸) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ انسان جب عبادت کیلئے باہر جائے تو اپنے گھر والوں اور متعلقین کو اس جگہ کی اطلاع کردے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غار (حرا) کی طرف

Marfat.com

جاتے تو آپ کے گھر والوں کو جگہ کی ہی خبر ہوتی تھی اور اس بات کی بھی کہ آپ کس لئے وہاں جارہے ہیں
اور اسمیں چند حکمتیں ہیں (ایک) یہ کہ اسکو اور اس کے گھر والوں کو کسی بیماری یا حادثہ وغیرہ کا پیش
آجانا ہر وقت ممکن ہے تو اگر گھر والوں کو اسکی جگہ معلوم ہوگی تو ایسے عوارض پیش آنے کے وقت اُن کو
اسکے پاس جانے میں سہولت ہوگی (دوم) یہ کہ گھر والوں کو اپنی جگہ (اور اپنا ارادہ) بتلانیسے اُن کو
خوشی پہونچے گی اور پریشانی دور ہوگی ورنہ وہ مختلف مقامات کی طرف خیال دوڑائیں گے جہاں اُسکا
جانا ممکن (ومحتمل) ہے تو اُن کو خبر کردینے میں اس پریشانی کا ازالہ ہوجائیگا، اور خوشی اس واسطے
ہوگی کہ اُن کو معلوم ہوجائیگا کہ یہ عبادت کیلئے سب سے الگ رہنا چاہتے اور عبادت میں مشغول ہونا
چاہتے ہیں (کسی دشمن وغیرہ کے خوف سے جنگلوں میں نہیں چھپتے) اور مسلمان کو (خصوصاً گھر والوں کو)
خوش کرنے میں جسقدر ثواب واجر ہے معلوم ہے، (سوم) یہ کہ اسمیں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو بھی
خلوت وعبادت کی دعوت (اور ترغیب) ہے اگرچہ (صراحت کیساتھ) اُن سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ
جو کام بار بار کسی کے سامنے کیا جاتا ہے تو عام عادت یہ ہے کہ اسکے دل کو بھی حرکت ہوتی (اور اس کا
شوق اور رغبت پیدا) ہوتی ہے (چہارم) یہ کہ جب لوگوں کو معلوم ہوجائیگا کہ یہ عبادت کیواسطے
گوشہ نشین ہے اور اسی میں لگا ہوا ہے تو جو کوئی اس سے تعلق رکھنا چاہے گا اسی قاعدہ کیموافق
تعلق رکھے گا اور اسکے کام میں خلل انداز نہوگا، اور جو کوئی اس طریقہ پر نہ رہنا چاہے گا وہ اس سے
تعلق ہی نہ رکھے گا تو یہ اُس سے بچا رہے گا اور اُسکے اختلاط (اور صحبت) سے جو تشویش لاحق ہوتی
وہ بھی نہ ہوگی، (الوجہ السادس عشر فیہ دلیل علی ان المرأ اذا خرج لتعبدہ ان یعلم
اھلہ الی قولہ وزال عنہ ما یلحقہ من التشویش فی مخالطتہ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ذکر وشغل میں مشغول ہوکر اپنے گھر والوں کو پریشان
کرتے ہیں اور اُنکی راحت کا سامان نہیں کرتے اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا تصوف جوگیوں کا تصوف
ہے شریعت اسلامیہ اور سنت محمدیہ کے ہرگز موافق نہیں،

(۹) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ ضروریات (بشریہ) میں تھوڑی ہی مشغولی عبادت کیلئے قاطع
(اور مضر) نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت روز
تک مسلسل عبادت کرنے کیلئے باہر تشریف لیجاتے اور واپسی کے متعلق یہ نہیں بیان کیا کہ بہت

۱۹

Marfat.com

دنوں کیلئے واپس ہوتے تھے ۱۲) جس سے معلوم ہوا کہ واپسی تھوڑی مدت کیلئے ہوتی تھی اور قلیل کثیر کے تابع ہوتا ہے ،، پھر آپ کا عبادت کیلئے دوبارہ لوٹ جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس ضرورت میں مشغول رہتے ہوئے بھی جسکی وجہ سے گھر تشریف لائے تھے آپ کا دل عبادت ہی میں اٹکا رہتا تھا تو آپ ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے ،، جیسے معتکف حاجت بشریہ کیلئے نکلتا اور کھانا خریدنے جاتا ہے مگر اعتکاف کی حرمت (وعزت) اسکی ساتھ قائم رہتی ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ وہ (مسجد سے باہر جانے کے وقت بھی) معتکف اور (اللہ کی طرف) متوجہ ہے اگرچہ اس وقت وہ دوسرے کاموں میں مشغول ہے جنکا ابھی ذکر ہوا ،،

ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جبکہ سایہ عرش کے سوا اور کسی جگہ سایہ نہ ہوگا ،، منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے ،، تو (دیکھو) اس شخص کو (ضرورت کے وقت) مسجد سے باہر جانا مضر نہیں ہوا کیونکہ دل اسی سے اٹکا ہوا تھا اور اسکو کتنی بڑی خیر (اور کیسا درجہ اور کیسی عزت) دیگئی ،، اسی وجہ سے اہل تصوف ہر حال میں اپنے دلوں کو حضور (دائم) اور ادب کیساتھ آباد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کسی مباح کام میں مشغول ہوں یا خلوت میں (بیٹھے) ہوں ،، پھر چونکہ ان کا باطن صاف ہوگیا ہے تو ان کا نام بھی صوفیہ (یا صوفی) ہوگیا جو کہ صفا سے مشتق ہے ،، (الوجہ السابع عشر فیہ دلیل علی ان الشغل الیسیر الضروری لایکون قاطعا للعبادۃ الی قولہ وھو مشتق من الصفاء) ۲۰

(۱۰) حدیث کا یہ لفظ کہ ،، فرشتہ نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا ،، اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو (سینہ) سے لگا کر دبانا اس کے باطن میں ایک نورانی قوت پیدا کر دیتا ہے جو تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اور جو چیز القا کی جائے اسکے تحمل میں معین ہوتی ہے (جبکہ دبانے والا صاحب نور اور صاحب قوت روحانیہ ہو) کیونکہ جسوقت جبریل علیہ السلام کا بدن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے مل گیا تو آپ کے اندر اس کے اثر سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ آپ نے اس (وحی) کا تحمل کر لیا جو آپ پر القا کیگئی ،، اور فرشتہ کی باتیں سننے کیلئے (استقلال کے ساتھ) کھڑے رہے اور اس دولت کو آپ کے وارثوں میں سے اہل تصوف نے پالیا ہے جو (حضور کے) متبع اور محقق ہیں

Marfat.com

چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ اُن کے پاس کچھ لوگ اعتراض کی غرض سے آئے تو اُنھوں نے جواب دینے سے انکار کیا۔۔۔ اور اُسوقت اُن کے پاس ایک عامی آدمی بکریاں چرانے والا موجود تھا شیخ نے اُسکو بلاکر سینہ سے لگایا پھر کہا تم ان لوگوں کے سوالات کا جواب دیدو، چنانچہ اس شخص نے جواب دیا اور بلیغ جواب دیا لوگوں نے پھر اُسکے سامنے کچھ سوالات پیش کئے وہ انکا جواب بھی تفصیل و منع اور ایجاز کے ساتھ دیتا رہا یہانتک کہ تمام علماء کو جو اُسوقت موجود تھے گفتگو میں بند کردیا، شیخ نے اُسکو پھر بلایا اور سینہ سے لگالیا تو جیسا پہلے (جاہل) تھا ویسا ہی ہوگیا کہ کسی بات کا بھی علم نہ رہا، وہ کہنے لگا اے حضرت! اہل اللہ تو جب کوئی چیز دیدیا کرتے ہیں اسکو واپس نہیں لیا کرتے فرمایا ہاں بات تو یہی ہے مگر تجھکو اس طریق سے کچھ مناسبت نہیں یعنی تجھکو یہ دولت تیری طلب پر نہیں دیگئی تھی بلکہ علماء کی تنبیہ کیلئے بلا طلب دیگئی تھی اسلئے ضرورت رفع ہوجانے کے بعد واپس لیلی گئی) پھر اُسکو (اُسکے درجہ کے مناسب) خیر کی بشارت دی اور جو فرمایا تھا وہی ہوا، تو جب ایک انسان کے دوسرے انسان کو گلے لگانے میں یہ اثر ہوا حالانکہ

۲۱ وہ (حضور کا) وارث تھا تو جس وقت خود مورث (اعلیٰ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم) کا بدن روح الامین کے بدن سے ملا ہوگا کیسا کچھ اثر ہوا ہوگا (اسکو خود ہی سمجھ لو) (الی حیہ الثلاثون وفیہ دلیل علی ان انضمام جرم الغاط بالغط الی قولہ بجسد الروح الامین)

ف قلت وھذا ھو الحق فی حکمۃ غط جبرئیل للنبی صلے اللہ علیہ وسلم وضمہ الیہ واما ما قیل من انہ علیہ السلام ضمہ الیہ تادیبا لہ وان شدۃ الغط کان مبالغۃ فی التادیب فلدعوی مجردۃ لادلیل علیہا فی لفظ الحدیث لاحتمال ان یکون الضم لان یحدث فی باطنہ صلی اللہ علیہ وسلم قوۃ نورانیۃ منعشۃ تکون عونا علی حمل مایلقی الیہ وشدۃ الغط تدریجا لحمل الثقل لان کلام اللہ تعالی حین نزولہ ثقیل یشہد لذلک قولہ عزوجل انا سنلقی علیک قولا ثقیلا، واذا کان الفعل محتملا لوجہین یجب حملہ علی الوجہ الذی یلیق بشان الرسول علیہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ ماھیت الادب والقبول ومن این لنا ان نقول ان جبرئیل کان معلما ومؤدبا لہ صلے اللہ علیہ وسلم ولم یدل علی ذلک دلیل والذی ثبت بالایات والاثار انما ھو کونہ رسولا وسفیرا محضا وان اللہ تعالی کان ھو معلما لرسول اللہ صلے اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم ومؤدبا لہ کما ورد فی الحدیث علمنی ربی فاحسن تادیبی والعجب من الشارح انہ مع علمہ بان حکمۃ الغط انما ھو احداث قوۃ نوریۃ فی باطنہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اتبع غیرہ من الشراح فی حملہ ذلک علی التادیب فی الوجہ الخامس والعشرین من فوائد ھذا الحدیث وقد کنت ترجمت ھذین الوجہین اولا ثم ضربت علیہما ولم ارض بان یقف علی ذلک العوام فیتوحشوا منہ وقد امرنا بان نکلم الناس علی قدر عقولھم فافھم واللہ یتولی ھداک ۱۲ ظ۔

(۱۱) حدیث میں صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تحلیہ[عہ] (بالحاء المہملہ) تخلیہ[عہ] (بالخاء المعجمہ) کے بعد ہی ہوا کرتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاً تخلیہ (اور مجاہدہ) اختیار فرمایا یہاں تک کہ آپکی کوشش اور طاقت ختم ہوگئی، پھر چونکہ آپ کا تحلیہ دوسروں کے تحلیہ سے افضل واشرف تھا اور انسان اس (درجہ) کے مناسب تخلیہ سے عاجز ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے (سینہ) سے چمٹا (کر دبا) یا یہاں تک کہ آپ کو اس تحلیہ کے لائق تخلیہ حاصل ہوگیا (جو آپ کو عطا ہونے والا تھا) اسی واسطے آپ فرماتے ہیں حتی بلغ منی الجھد (کہ فرشتہ نے مجھکو اتنا دبایا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی) غرض جبریل کا آپ کو دبانا تخلیہ (کی تکمیل) ہی (کیلئے) تھا یہاں تک کہ آپ مجاہدہ نفس کے انتہائی مقام پر پہونچ گئے اور وحی کا آپ کی طرف القا ہونا یہ تحلیہ تھا (اور چونکہ آپ کی وحی دوسروں کی وحی سے افضل ہے جسکی دلیل قرآن کا اعجاز اور قیامت تک اس کا محفوظ رہنا ہے تو آپ کا تحلیہ دوسروں کے تحلیہ سے افضل واکمل واشرف ہے) ۲۲

اور یہ اس بات کی دلیل ہے جو ہمنے اوپر بیان کی ہے کہ جو شخص طریق (باطن) میں تربیت اور تدریج کے ساتھ داخل ہوا ہو وہ اس شخص سے افضل ہے جو دوسرے طریقوں سے داخل ہوا کیونکہ یہ سب معاملات جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے تربیت اور تدریج ہی کے طور پر تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اسی وقت ترقی فرماتے تھے جبکہ پہلے مقام کے ادب کو مستحکم فرما لیتے اور اسکی حقیقت کو (اچھی طرح) سمجھ لیتے،، اور جن فوائد پر وہ مشتمل ہے اس سے بخوبی واقف ہو جاتے،، اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اسی شخص سے زیادہ نفع پہونچا ہے جس نے تربیت کے طریقہ پر کمال حاصل کیا اور جو شخص اس طریقہ کے سوا کسی اور طریق سے چلا ہو

عہ یعنی کامیابی اور وصول الی الشئ ۱۲

عہ مجاہدہ نفس ۱۲

مجاہدہ نفس کے بعد ہی کوئی منصب حاصل ہوتا ہے

Marfat.com

اُس سے بہت کم لوگوں کو فائدہ ہوا "(الوجہ الثانی والثلاثون فیہ دلیل لاھل الصوفیۃ حیث یقولون ان التحلی لایکون الابعد التخلی الی قولہ وقل من ینتفع علی من یکون دخولہ بغیر ذلک)

ف تخلیہ اور تحلیہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ ہیں، تخلیہ مجاہدۂ نفس کو کہتے ہیں اور تحلیہ مشاہدہ اور حصول مقامات کو، پھر طریق باطن میں داخل ہونے والوں کی تین قسمیں ہیں بعضے اولاً مجاہدہ کرتے ہیں پھر مشاہدہ سے کامیاب ہوتے ہیں یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے مشابہ ہے اور چشتیہ کا طریقہ یہی ہے بعض لوگ اولاً مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر مجاہدہ کرتے ہیں یہ طریقہ نقشبندیہ کا ہے اور بعضے تخلیہ وتحلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور آجکل کے محققین طریق کا دستور العمل یہی ہے جسکو اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ آجکل لوگوں کی عمریں کم ہیں اور اذکار و اشغال زیادہ ہیں، تخلیہ وتحلیہ کی الگ الگ تکمیل کا اُن کو وقت نہیں ملتا اور مقصود تمام طرق سے حاصل ہوجاتا ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ چشتیہ کا اصلی طریقہ سنت نبویہ کے زیادہ موافق ہے ۱۲

۲۳ (۱۲) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تخلیہ (یعنی مجاہدہ) کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی (اختیاری) دوسرے وہ جو اللہ سبحانہ کی طرف سے (بلا اختیار عبد) فائض ہو۔ تخلیہ کسبیہ تو جیسا اوپر گذر چکا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غار میں خلوت وعبادت اختیار کی،، اور تخلیہ وہبیہ وہ ہے جسکے متعلق اسوقت گفتگو ہورہی ہے یعنی (جبریل علیہ السلام کا آپ کو) سینہ سے لگانا اور دبانا،،

پھر سالکین میں سے بعض تو وہ ہیں جنکا تخلیہ کسبی ہی ہوتا ہے وہبی نہیں ہوتا اور بعض وہ ہیں جنکا تخلیہ صرف وہبی ہوتا ہے کسبی نہیں ہوتا جیسے ابراہیم بن ادہم اور فضیل بن عیاض وغیرہما، اور بعضوں کیلئے دونوں قسم کا تخلیہ جمع ہوجاتا ہے وہ اپنے اختیار سے بھی مجاہدہ کرتے ہیں اور غیب سے بھی اُن پر مجاہدہ فائض ہوتا ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ کیساتھ (معاملہ) کیا گیا اور ایسے بہت سے ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں (الوجہ الرابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان التخلی علی ضربین مکتسب وفیض عن اللہ سبحانہ الی قولہ وھو فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)۔

ف خلاصہ یہ کہ مجاہدہ اس طریق میں لازم ہے بدون اسکے کامیابی نہیں ہوتی خواہ مجاہدہ باختیار

Marfat.com

خود کیا جائے یا غیب سے فائض ہو یا دونوں طریقے جمع ہو جائیں، پس اگر کسی کو بدون مجاہدہ کے کامیاب دیکھا جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس پر غیب سے مجاہدہ فائض ہوا ہے۔

(۱۳) جبرئیل علیہ السلام کا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیئے یعنی اپنے رب کا نام لیا کیجئے (جسنے آپ کو پیدا کیا اور انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب سے اولاً ایسی گفتگو کرنا چاہیئے جو اسکی سمجھ میں جلدی آجائے جسکے سمجھنے میں دشواری نہو اور بحث (وتامل) کی حاجت نہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ خود اپنی پیدائش میں غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا (اور کیسی حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ قطرۂ آب سے جیتا جاگتا آدمی بنا دیا) اور یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے آسمانوں، زمینوں، اور ستاروں وغیرہ کو پیدا کیا، بلکہ ان باتوں کو بعد میں بیان فرمایا جبکہ حضور کو اپنی ذات اور اپنے حالات کا پوری طرح علم ہو گیا اور مدد الٰہی سے وہ بات حاصل ہو گئی جس سے تمام چیزوں پر (عقل کو) تسلط ہو جاتا ہے (کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو اپنی ذات کو پہچان لیتا ہے اسے سب چیزوں کا پہچاننا سہل ہے اپنی ذات کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ۲۷
اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد جملہ عالم کی معرفت آسان ہے (الوجہ الخامس والثلاثون قول جبرئیل للنبی صلے اللہ علیہ وسلم اقرأ باسم ربك الی قولہ وحصل لہ من المادۃ الالٰھیۃ ما یتسلط بہ علی ذلك)۔

ف۔ اس سے صوفیہ کی تائید ہو گئی جو مراقبات کی بہت تعلیم کرتے ہیں اور فہم مخاطب کی پوری رعایت کرتے ہیں اگرچہ مراقبۂ خلقتِ انسان کی تعلیم آجکل کم کی جاتی ہے مگر ضرورت ہے کہ اسپر توجہ کیجائے کیونکہ معرفت کا یہ بہت بڑا دروازہ ہے۔

(۱۴) اس میں اسکی بھی دلیل ہے کہ فکر (اور سوچ) تمام اعمال (ذکر روح اور سب) سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد خلق الانسان من علق (کہ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) ایسے مضمون پر مشتمل ہے جسکے اندر غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ مخاطب کو اسکے ذریعہ سے (وجود باری کا) علم قطعی اور پختہ یقین اور سچا ایمان حاصل ہو جائے، اور (ظاہر ہے کہ) غور و فکر کے بعد جو ایمان و تصدیق حاصل ہو وہ سرسری ایمان جیسا نہیں (بلکہ اس سے افضل و اکمل ہے) اسی حقیقت کی طرف

(باقی آئندہ)

مخاطب سے اولاً ایسی گفتگو کی جائے جو جلدی اسکی سمجھ میں آجائے

فکر تمام اعمال سے افضل ہے

Marfat.com

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے "تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ" کہ ایک ساعت کی غور وفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے "خیر من عبادۃ الدہر" کہ زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے، کیونکہ انسان جب غور وفکر سے کام لیتا ہے تو اُس کا ایمان قوی ہوجاتا اور حق ظاہر و واضح ہوجاتا ہے اور جسقدر فکر گہرا ہوگا اُسی قدر ایمان قوی ہوگا بعض سے بعضے بزرگوں نے (اپنے مریدوں سے) فرمایا ہے کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خلوت (اور یکسوئی) کیساتھ آئینۂ فکر پر ہمیشہ نظر جمائے رکھنا اسی وقت تمھارے سامنے حق ظاہر ہوگا۔

(الوجہ السادس والثلاثون فیہ دلیل علی ان الفکرۃ افضل الاعمال الی قولہ فہمنا لک یبیّن لک الحق)

ف اس میں بھی صوفیہ کی تائید ہے کیونکہ اُن کو فکر کا اہتمام بہت زیادہ ہے اور اسی سے اُن کو علمائے اہل ظاہر کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے، علماء ظاہر عبادات واذکار میں فکر سے کام نہیں لیتے اسی طرح مبدأ و معاد کا مراقبہ نہیں کرتے اور صوفیہ بدون فکر اور توجہ قلب کے کسی عمل کو صحیح نہیں سمجھتے، اور یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو طریق باطن میں داخل ہونے کے بعد بھی بیفکری اور بے پرواہی سے کام لیتے اور مشائخ کو پریشان کرتے ہیں، اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس طریق میں تیقظ اور بیداری شرط اولین ہے بیفکری کے ساتھ یہ راستہ طے نہیں ہوسکتا۔

طرق العشق کلہا آداب   ادبوا النفس ایہا الاصحاب

رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع الطالبین الفکر والحضور الدائم والتیقظ والادب وختم لنا بالحسنی ۱۲

(۱۵) اسمیں اسکی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال میں تفکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم اور احسان کو بھی سوچنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد خلق الانسان من علق کے معنی تو اوپر گذر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمیں جس مضمون کو بیان فرمایا ہے اسمیں غور کیا جائے اور یہ (فکر) عظمت وجلال (کے غلبہ) کو مقتضی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اقرأ وربک الاکرم پڑھئے اور آپ کا رب بڑا اکرم ہے، اور یہ نام اُن تمام ناموں کے معانی پر مشتمل ہے جو (اللہ تعالیٰ کے) لطف واحسان کو ظاہر کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فضل کے صدقہ ہمارے ساتھ اسی کے موافق معاملہ فرمائیں، اور تنہا اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکر کرنا اور اسکے مقابل

Marfat.com

صفات کو نہ سوچنا جو ممنوع ہے اسکی حکمت یہ ہے کہ جو شخص تنہا عظمت ہی میں فکر کرتا ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ فکر اسکو ہلاکت کے سمندر یعنی یاس اور ناامیدی میں نہ پہونچادے ،، اور جب اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت واحسان کو بھی سوچے گا تو اس سے مامون رہیگا ،، (الوجہ السابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان المتفکر فی عظمۃ اللہ الی قولہ امن من ذلک)

ف صوفیہ محققین کو اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے کہ صفات عظمت وجلال اور صفات لطف وکرم دونوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا جائے تاکہ نہ دلیری اور بیباکی پیدا ہو نہ یاس اور ناامیدی ۱۲

(۲۶) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ جسکو کوئی تکلیف پیش آئے اسکو اپنی عادت کے موافق دوا (اور تدبیر وعلاج) کرنا جائز ہے جب تک کہ اسمیں کوئی حرام چیز نہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب خوف کا اثر ہوا تو آپ نے گرمی حاصل کرنے کی تدبیر کی جسکے (ایسے وقت میں) آپ عادی تھے چنانچہ فرمایا مجھے کمبل اڑہادو کمبل اڑہادو ،، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (یہی) ارشاد فرمایا ہے تداوی کل نفس بما اعتادت ،، ہر شخص اپنی عادت کے موافق علاج کرے ،، (الوجہ الثامن والثلاثون فیہ دلیل علی ان من اصابہ امر فلہ ان یتداوی الی قولہ تداوی کل نفس بما اعتادت)

تکلیف کے وقت دوا کرنا سنت ہے۔ ۲۶

ف بعض لوگ دوا اور علاج کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہوسکتا جب آپ نے دوا اور علاج سے پرہیز نہیں کیا تو اسکو خلاف توکل ہرگز نہیں کہا جاسکتا ،،

(۲۷) حدیث کا یہ لفظ کہ ،، آپنے جو کچھ دیکھا تھا ورقہ سے بیان فرمادیا ،، اس بات کی دلیل ہے کہ کلام میں اختصار ہی مطلوب اور بہتر ہے ،، کیونکہ حضرت عائشہ نے فرشتہ کے ساتھ جو قصہ آپ کو پیش آیا تھا پہلے بیان کردیا تھا پھر اس کی طرف ضمیر لوٹا کر اشارہ فرمادیا اور قصہ کا دوبارہ ذکر کرنے اور گفتگو کو طول دینے کی ضرورت نہیں سمجھی ،، اور یہ جملہ اہل عرب کی فصیح گفتگو میں سے ایک ہے (رہا یہ کہ اہل عرب کی فصیح گفتگو کا یہی طریقہ ہے) (الوجہ الاربعون قولہا فاخبرہا الخبر الی قولہ وھو من فصیح کلام العرب)

کلام میں اختصار مطلوب ہے۔

Marfat.com

ف صوفیہ کو آداب کلام کا بہت اہتمام ہے فضول اور زائد از کار باتوں سے بہت احتیاط کرتے اور اختصار کلام کی تاکید کرتے ہیں بشرطیکہ ایسا اختصار نہو جو مقصود ہی کو ادا نکرے ۱۲۔

(۱۸) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ آدمی کو جب کوئی امر مہم (یعنی مہتم بالشان واقعہ) پیش آئے تو اسکو جائز ہے نہ اُس کو اپنے گھر والوں اور عقیدت مند دوستوں سے بیان کردے بشرطیکہ وہ دیندار اور صاحب عقل ہوں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ (فرشتہ کے آنے اور دہلنے اور وحی لانے کا) پیش آیا تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اسکو بیان فرمادیا، اور حضرت خدیجہ کا درجہ دین اور درستی رائے اور عقل میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں (الوجہ الخامس والاربعون فیہ دلیل علی ان المرأ اذا اصابہ امر مھم الی قولہ بحیث لا یخفی)

(۱۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو جب کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اہل علم اور اہل عقل سے اسکو دریافت کرے (اگرچہ وہ اپنے سے چھوٹے ہی ہوں) چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ ورقہ کے پاس تشریف لیگئے جو اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ عالم اور سب سے افضل تھے (الوجہ السابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان المرأ اذا وقع لہ واقع الی قولہ وافضلھم بعد النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

ف اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ورقہ حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھے کیونکہ جسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تشریف لیگئے اسوقت تک حضرت صدیق کو آپ نے اسلام کی دعوت ہی نہ دی تھی پھر جسوقت حضرت صدیق کو اسلام کی دعوت دیگئی اور وہ ایمان لے آئے تو وہ سب سے افضل ہوگئے کیونکہ ورقہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ انھوں نے حکم تبلیغ سے پہلے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کی ہے وہ ایمان کیلئے کافی تھی یا نہیں؟ اور حضرت صدیق کے کمال ایمان پر اور اس بات پر کہ وہ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں علماء امت کا اتفاق ہے **ف** اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا اور اہم واقعات میں اُن سے رجوع کرنا حضرات صوفیہ کا خاص طریقہ ہے۔

(۲۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کی تعریف کی جائے تو انہی صفات حمیدہ کو بیان کیا جائے جو اسکے اندر موجود ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے، چنانچہ حضرت عائشہ رضنے ورقہ کے اُسی قدر محامد بیان فرمائے جو اُن کے اندر موجود تھے زیادہ کچھ نہیں فرمایا (الوجہ التاسع

Marfat.com

والاربعون فیہ دلیل علی ان من وصف امرأ الی قولہ ولم تزد علیہا)

ف اہل طریق نے اسکی بہت تاکید کی ہے کہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے

(۲۱) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کسی بزرگ کے پاس جانے کی حاجت ہو تو کسی رہنما کو آگے کرے اگر مل سکے،، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تنہا نہیں تشریف لیگئے بلکہ حضرت خدیجہ کو ساتھ لیا جنکی ورقہ سے قرابت تھی (الوجہ الحادی والخمسون فیہ دلیل علی ان المرأ اذا عرضت لہ حاجۃ الی قولہ التی ھی من قرابۃ ورقۃ)

ف اسمیں حکمت یہ ہے کہ رہنما کے ذریعہ سے گفتگو میں سہولت ہوگی اور کوئی بات خلاف مزاج پیش نہ آئے گی،،

(۲۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط کیساتھ گفتگو کرنا اور سب کے درجہ اور رتبہ کا حق ادا کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت خدیجہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ کا لحاظ کر کے ورقہ سے یوں کہا کہ،، اپنے بھتیجے کا قصہ تو سنو! اسمیں آپکے منصب کو محفوظ رکھا گیا،، کیونکہ عرب کا (عام) قاعدہ یہ ہے کہ بڑے کو باپ اور برابر والے کو بھائی اور چھوٹے کو بیٹا کہا کرتے ہیں مگر (حضرت خدیجہ نے اس قاعدہ کو چھوڑ کر) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے بھتیجے کا لفظ اختیار کیا کیونکہ اسمیں آپ کی زیادہ عزت تھی، اگر وہ (عام قاعدہ کے موافق) یوں کہتیں کہ اپنے بیٹے کی بات سنو! تو ورقہ کا درجہ آپ کے درجہ سے بہت بڑھ جاتا کیونکہ بیٹے کا درجہ باپ کے درجہ سے بہت کم ہے اور اگر یوں کہتیں کہ اپنے بھائی کی بات سنو! تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوتا کیونکہ محاورہ عرب میں بھائی کا لفظ برابر والے کیلئے بولا جاتا ہے (اور ورقہ عمر میں حضور سے زیادہ تھے) تو (دیکھو) حضرت خدیجہ نے کلام میں (کیسی) احتیاط کی اور ہر ایک کے درجہ کا حق (کس خوبی سے) ادا کیا کیونکہ خطاب کے موقعہ پر اہل عرب کی عادت یہ ہے معزز کم عمر کو بھتیجا کہکر پکارتے ہیں (اسمیں اسکی عزت کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور کم عمری کا بھی) کیونکہ چچا کا حق بھتیجے پر اتنا نہیں ہوتا جتنا باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے (الوجہ الثانی والخمسون فیہ دلیل علی ان من کان صغیرا بین اھل الفضل الی قولہ لان العم لیس لہ حق علی ابن اخیہ مثل ابنہ)

ف صوفیہ کو بھی گفتگو میں احتیاط کا بہت اہتمام ہے اس سے اہل ظاہر کو سبق لینا چاہیئے ۱۲

۲۸ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط سے لفظ کہنا چاہئے

Marfat.com

(۲۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو واقعہ پیش آیا ہو عالم کے سامنے وہ خود ہی اسکو بیان کرے دوسرا بیان نہ کرے کیونکہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے یوں کہا، ذرا اپنے بھتیجے کی بات توسنو! حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے واقعہ بیان فرما چکے تھے (اُن کو سب کچھ معلوم تھا اگر بیان کرنا چاہتیں تو کرسکتی تھیں مگر) انھوں نے خود نہیں بیان کیا بلکہ (اس کام کو) صاحب واقعہ کے حوالہ کیا (چنانچہ اس کے بعد ورقہ نے حضور سے دریافت کیا تو آپ نے خود سارا واقعہ بیان فرمایا- (الوجہ الرابع والخمسون فیہ دلیل علی ان الواقع اذا وقع لامرئ الی قو و احالت علی صاحب القضیۃ)

ف یہ بھی آداب کلام میں سے ایک ادب ہے کہ صاحب واقعہ خود واقعہ کو بیان کرے-

(۲۴) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کرسکتا ہے کیونکہ ورقہ نے اس بات کی تمنا کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت (اور تبلیغ) کے وقت جوان ہوتے (الوجہ السادس والخمسون فیہ دلیل علی ان الانسان یتمنی الخیر لنفسہ ثم ذکر اختلاف العلماء فی ایمان ورقۃ فمن قائل یقول لم یحصل لہ الایمان بعد لانہ لم یبلغ عمرہ زمن الرسالۃ ومن قائل یقول قد حصل لہ الایمان وھو الاظہر الی آخر ما قال)

ف اور یہ تمنا آیت لاتتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض کے خلاف نہیں کیونکہ مقصود جوانی کی تمنا نہ تھی (جو کہ غیر اختیاری ہے) بلکہ نصرت رسول کی تمنا تھی جو کہ امر اختیاری ہے،، اور تمنا کے احکام کی تفصیل بیان القرآن سے آیت مذکورہ کے تحت میں ملاحظہ ہو ۱۲

(۲۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی چیز سے واقف ہوتا ہے وہ قانون عادت کیموافق اُسکے انجام کو پہچان لیتا ہے، اور اُسکو جائز ہے کہ مقدمات (اور مبادی) کو دیکھکر انجام کے متعلق حکم لگا دے، کیونکہ ورقہ کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رسالت (ونبوت) عطا ہوئی ہے تو وہ سمجھ گئے کہ آپ (وطن سے) ضرور نکالے جائیں گے،، انھوں نے مقدمات کی صحت سے انتہا (اور انجام) کی حقیقت کو معلوم کرلیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ تھی جو کسی رسول میں متخلف نہیں ہوئی جیسا ورقہ نے بیان کیا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (قانون) عادت کے موافق حکم لگا دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے کسی امر دینی میں اختلال واقع نہو ذکرہ الشارح فی الوجہ

Marfat.com

الرابع والاربعین ثم اعادہ فی الوجہ السابع والخمسین ھھنا)

ف حضرات صوفیہ کبھی کسی کی کامیابی یا ناکامی کے متعلق مقدمات کو دیکھکر حکم لگادیتے ہیں جیسا طالبین سے مخفی نہیں پس اُن پر اعتراض کی گنجائش نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ مشائخ کے ایسے احکام ظنی ہوتے ہیں قطعی نہیں ہوتے"۔

واقعات ملکوت کا انکشاف ترقی ایمان اور تربیت کا سبب ہے

(۲۶) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ کی قدرتوں میں سے ایک قدرت کا اظہار ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اُس سے کہدیتے ہیں ہوجا وہ ہوجاتا ہے" تو جیسا اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنی آدم کیلئے (فرش) بنایا ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں اسی طرح فرشتوں کیلئے ہوا کو (فرش) بنا دیا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں جس نے زمین کو زمین پر چلنے والوں کیلئے تھام رکھا ہے وہی ہوا کو اور اسکے اوپر چلنے والوں کو تھامتا ہے" اُسکی قدرت میں علت اور معلول کچھ نہیں مگر یہ حقیقت (لوگوں کی) نگاہ سے مخفی ہے" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر صرف آپ کی تربیت اور ترقی کیلئے دکھلایا ۳۰ گیا تھا تاکہ آپ کا ایمان اور یقین قوی ہوجائے اور علم الیقین عین الیقین بنجائے"۔ اور یہی طریقہ حضور کے مبارک وارثوں کیلئے جاری ہے" جب وہ اس قسم کے واقعات (بطور کشف کے) دیکھتے ہیں اُن کا ایمان قوی ہوجاتا اور یقین کو ترقی ہوجاتی ہے جس سے اُنکی تربیت اور مقامات ولایت میں ترقی ہوتی ہے"۔ (الوجہ الثانی والستون قولہ علیہ السلام فرفعت بصری الی قولہ و ترقیا فی مقامات الولایۃ)

ف مگر ایسے انکشافات کے درپے ہونا اور اُن کے نہونے سے غمگین ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے نہیں ہیں اور نہ انسان کے اختیار کو ان میں کچھ دخل" اور غیر اختیاری امور کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے" اگر کسی کو اس قسم کے واقعات پیش آجائیں وہ ان کے وقوع کو نعمت سمجھے اور جسکو پیش نہ آئیں وہ عدم وقوع کو نعمت سمجھے اور کام میں لگا رہے" اور صدا غم نکرے کیونکہ مقصود اُنپر موقوف نہیں[۱۲]

(۲۷) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولا تمنن تستکثر میں (ایک تفسیر پر) صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ (ہر وقت) کام میں لگا رہنا اور توجہ اور حضور دائم کے ساتھ رہنا چاہیئے ادھر اُدھر التفات نکرنا

Marfat.com

چاہئے کیونکہ جب اپنے عمل کی کثرت (وزیادت) پر نظر کرنا سستی (اور کسل) پیدا کردیتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا (یعنی ۶۷ میں جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) تو عمل کے سوا اور چیزوں پر نظر کرنا کیا کچھ ہوگا اُس سے تو یقیناً سستی اور کوتاہی زیادہ ہوگی) اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ الوقت سیف (وقت ایک تلوار ہے) مطلب یہ ہے کہ وقت کو کام کرکے ختم کرو اسکو (بیکار) ٹالوگے تو وہ تمکو ختم کردے گا"، اور ادہر اُدہر التفات کرنا) اسواسطے (بھی منع ہے) کہ خطوظ (نفس) اور کثرت عمل وغیرہ پر نظر کرنا ہلاکت ہی اور جب سالک اسباب ہلاکت کی طرف متوجہ ہوتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے"۔ (الوجہ الثامن والستون فیہ دلیل لاہل الصوفۃ فی قولہم باستصحاب العمل الی قولہ کان ھالکا ۱۲)

ف آیت ولا تمنن تستکثر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو زیادہ سمجھکر احسان نہ جتلاؤ"، ایک قول یہ ہے کہ اس غرض سے کسی کو ہدیہ نہ دو کہ اسکے عوض میں زیادہ آوے گا ایک قول یہ ہے کہ اپنے عمل کو زیادہ سمجھکر عبادت کو قطع نکرو"، شارح نے وجہ سابع وستون میں ان سب اقوال کو بیان فرمایا ہے"، اور صوفیہ کا یہ قول جو یہاں مذکور ہوا تیسری تفسیر سے
۳۱ مؤید ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) حدیث حلاوۃ الایمان۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں جسمیں ہوں اُس نے ایمان کی حلاوت پالی، (ایک) یہ کہ اللہ اور اُس کا رسول سب سے زیادہ اسکو محبوب ہوں اور (دوسرے) یہ کہ جس آدمی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کیواسطے محبت کرے اور (تیسرے) یہ کہ کفر کی طرف لوٹنے (اور اسمیں مبتلا ہونے) سے ایسا گھبرائے جیسا آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہی

شرح یہ حدیث صاف طور سے بتلاتی ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو حلاوت کیساتھ ہو دوسرے وہ جو بدون حلاوت کے ہو"، اور اسی کے قریب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنیوالا جہنم میں داخل نہوگا اور (دوسرا) وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیگا (یا لیتنی عرفت من اخرجہ) پس جس ایمان کا حاصل کرنیوالا جہنم میں داخل ہی نہوگا یہ وہی ایمان ہے جو حلاوت کیساتھ ہو اور جس ایمان کا حاصل کرنے والا جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت کے ہو (اب ہم حدیث

Marfat.com

کے فوائد پر گفتگو کرتے ہیں)۔

(۲۸) جس حلاوت کا یہاں ذکر ہے علماء میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ حلاوت حسی ہے یا معنوی"۔

ایک جماعت نے جو کہ فقہا ہیں اسکو معنوی (اور غیر محسوس) پر محمول کیا ہے اور ایک جماعت نے لفظ (حدیث) کو ظاہر پر رکھا اسمیں تاویل نہیں کی اور حلاوت کو حسی (حلاوت ہی) پر محمول کیا ہے یہ (حضرات) صوفیہ ہیں اور اس مسئلہ میں حق ان ہی کیساتھ ہے واللہ اعلم کیونکہ (حلاوت اور شیرینی سے محاورات میں حسی حلاوت ہی متبادر ہوتی ہے تو) انھوں نے جو مطلب سمجھا ہے اُسمیں حدیث کے لفظ کو ظاہر پر رکھا (گیا) ہے کوئی تاویل نہیں کی (گئی) اور جب تک ظاہر لفظ کے خلاف کوئی دلیل نہو اُسوقت تک بہتر یہی ہے کہ حدیث کو ظاہر پر رکھا جائے تاویل نہ کیجائے"، اور صوفیہ نے جو مطلب بیان کیا ہے اُسکی تائید حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اور اہل معاملات کے احوال سے ہوتی ہے چنانچہ اسکے متعلق جو حکایات منقول ہیں اُن میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب اُن کو کفر پر مجبور کرنے کیلئے گرم پتھر پر لٹا کر سخت سے سخت تکلیف دی گئی تو وہ احد احد ہی کہتے رہے کیونکہ عذاب کی تلخی ایمان کی حلاوت کے ساتھ مل (کر فنا ہو) گئی تھی (وہ حلاوت ایمان کی چاشنی میں ایسے مست تھے کہ عذاب کی تلخی محسوس نہوئی) اسی طرح ان کے انتقال کے وقت گھر والے تو واکرباہ (ہائے مصیبت) پکار رہے تھے اور وہ واطرباہ (ہائے خوشی) کہہ رہے اور یوں فرما رہے تھے"، غدا نلقی الاحبۃ۔ محمدا وحزبہ، کل کو میں (اپنے) دوستوں سے ملونگا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کی جماعت سے ملاقات کرونگا، تو (دیکھو) موت کی تلخی حلاوت لقاء سے جو کہ حقیقت میں ایمان کی حلاوت تھی مل گئی (اور فنا ہوگئی) تھی (اسلئے وہ موت کے وقت خوش تھے اور دوسرے رو رہے تھے) دوسرا ایک اور صحابی کا واقعہ (حدیث میں آتا) ہے کہ رات کو چور نے اُن کا گھوڑا کھول لیا اسوقت وہ نماز میں تھے اور چور کو گھوڑا لیجاتے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا مگر نماز کو نہیں توڑا، لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں جس (مزہ) میں تھا وہ اس سے زیادہ قیمتی تھا اور وہ (مزہ) کیا تھا؟ وہ حلاوت ہی تو تھی جو اسوقت انکو

(باقی آئندہ)

Marfat.com

(نماز میں) محسوس ہو رہی تھی، تیسرے دو صحابیوں کا واقعہ ہے (جو صحیح حدیث میں وارد ہے) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو ایک غزوہ میں (ایک گھاٹی پر) لشکر اسلام کی حراست (اور پہرہ) کیلئے متعین فرمایا تھا تو ان میں سے ایک تو (اپنے ساتھی کی اجازت سے) سو گئے اور دوسرے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، یہ نماز ہی میں تھے کہ دشمن کی طرف سے جاسوس آیا اور اس نے کمان میں تیر رکھکر ان کے مارا جو (ٹھیک نشانہ پر لگا اور) صحابی کے بدن میں پیوست ہو گیا صحابی نے (تیر کو نکال کر پھینکدیا مگر) نماز کو قطع نکیا بدستور اسی میں مشغول رہے، جاسوس نے دوسرا تیر مارا وہ بھی ان کے بدن میں پیوست ہو گیا، مگر نماز کو نہ توڑا، اسنے تیسرا تیر مارا وہ بھی ان کے لگا تو اسوقت (نماز ختم کی اور اب) انھوں نے اپنے ساتھی کو جگا کر فرمایا اگر مجھے مسلمانوں پر خطرہ کا اندیشہ نہوتا تو میں نماز کو (ابھی) ختم نکرتا (بلکہ اور طول دیتا) اس کا سبب بھی اسکے سوا اور کیا تھا کہ ان کو نماز میں بہت زیادہ حلاوت محسوس ہو رہی تھی جس نے تیروں کی (سوزش اور) کلفت کو زائل کر دیا تھا اور اہل معاملات سے تو اس قسم کے بہت واقعات منقول ہیں جنکے ذکر سے کلام طویل ہو جائیگا اور جتنے واقعات ہمنے بیان کر دیئے ہیں (اثبات مدعی کیلئے) بھی (بہت) کافی ہیں (اسلئے ہم کلام کو طول دینا نہیں چاہتے)۔

الوجہ الاول لحلاوۃ المذکورۃ ھل ھی محسوسۃ الی قولہ وفیما ذکرناہ کفایۃ۔

ف حضرات صوفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ بدیہی اور نہایت بدیہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین دنیا کو اس دولت کا پتہ لگ جائے جو ہمارے پاس ہے تو وہ تلواریں لیکر ہم پر چڑھ آئیں اور اسکو چھیننے کی کوشش کریں، ان کو ذکر اللہ اور حضور دائم اور معرفت الٰہی میں ایسی حلاوت محسوس ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی چیز میں وہ حلاوت نہیں ملتی، ذکر اللہ اور طاعت ان کی طبیعت ثانیہ اور غذاء جانی ہے پس یہ حدیث ہی طریق تصوف کے اثبات میں تنہا کافی ہے کیونکہ حلاوت ایمان کے مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور یہ حلاوت بدون طریق تصوف اور صحبت صوفیہ کے نصیب نہیں ہوتی جسکو شک ہو وہ ہر دروازہ پر جا کر دیکھ لے یہ دولت اسکو صوفیہ کے سوا کسی کے پاس نہ ملے گی اسوقت وہ اس قول کی تصدیق کریگا ؎

بس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی   کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(۲۹) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو تین باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب (در حقیقت

Marfat.com

پہلی ہی بات کی طرف راجع ہیں کہ" اللہ اور اُس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں" کیونکہ اللہ اور رسول کی محبت کو وہ باتیں لازم ہیں جو بعد میں ذکر کیگئی ہیں، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے بعد جو دو باتیں بیان فرمائی ہیں اُن کے ذکر سے فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول کی محبت کا دعوی کرے اُسکو ان دو موقعوں پر اپنے نفس کا امتحان کرنا چاہئے" اگر کسی سے محبت ہو تو دیکھے کہ اُس سے کیوں محبت کرتا ہے؟

اور (یہ سوچے کہ) اگر اسکو کفر پر مجبور کیا (نعوذ باللہ منہ) تو اسوقت اس کے نفس کی کیا حالت ہوگی؟ کیونکہ بعض دفعہ نفس میں اللہ ورسول کی محبت کا دعوی پیدا ہو جاتا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دو علامتیں بیان فرمادی جو دعویٰ اور حقیقت میں فرق کو ظاہر کرتی ہیں اور اسکی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مؤمن ہو" (یہاں بھی توکل کو بطور علامت ایمان کے بیان کیا گیا ہے) کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ مؤمن اپنے پروردگار پر جملہ امور میں بھروسہ اور اعتماد رکھے" اگر یہ بات نہیں تو وہ محض دعوی ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرے اور ان دو علامتوں میں سچا نہ نکلے تو اسکی محبت نرا دعوی ہے (جسمیں) حقیقت نہیں ہے" (الی ان قال) الثانی قولہ علیہ السلام ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ الی قولہ فحبہ دعوی لا حقیقۃ) - ۳۴

ف یہ بات مشاہد ہے کہ صرف اللہ کیلئے کسی سے محبت کرنا صوفیہ کرام میں زیادہ ہے ورنہ عام طور سے لوگوں میں جو محبت دیکھی جاتی ہے وہ کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے، حب فی اللہ کا وجود زیادہ تر صوفیہ ہی میں ہے پس اس سے بھی صوفیہ کے طریق کی تائید ہوئی -

ف جب اللہ اور رسول کی محبت کی علامت حب فی اللہ ہے تو شیخ کو لازم ہے کہ کسی کو سلسلہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کو جانچ لے کہ اُسکو شیخ سے محض اللہ واسطے تعلق محبت ہے یا اور کسی غرض کی وجہ سے ہے، کیونکہ بعض لوگ مقاصد دنیا میں کامیاب ہونے کیلئے بھی سلسلہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں" اگر کسی کو محض اللہ کیلئے شیخ سے تعلق محبت نہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو اُسکو داخل سلسلہ نکرنا چاہئے کیونکہ وہ اللہ ورسول کا طالب بنکر نہیں آیا بلکہ دنیا کا طالب ہو کر آیا ہے

Marfat.com

(۳۰) حلاوتِ ایمان کی حقیقت کمالِ ایمان ہے اور کمالِ ایمان کی علامت وہی ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے (یعنی کسی سے محض للہ واسطے محبت کرنا اور کفر سے ایسا گھبرانا جیسا آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے) اور پھل میں شیرینی اُسی وقت آتی ہے جب وہ پختہ ہوجائے پس ایمان کا پھل تو عمل ہے اور عمل کی پختگی اتباع سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک پختہ نہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور عمل کی پختگی کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اسکو ریا اور بدعت سے پاک وصاف رکھے پس عمل کا خلاف سنت ہونا اُسکے لئے ایک آفت ہے جو پختگی سے مانع ہے اور جب پھل پختہ ہی نہو گا تو ظاہر ہے کہ شیرینی کے درجہ تک بھی نہ پہونچے گا۔ غرض جب عمل میں کوئی آفت آجائیگی (خواہ ریا سے یا مخالفت سنت سے) تو وہ پختہ نہو گا (اور جب پختہ نہو گا) تو قبول بھی نہو گا، چنانچہ بعض عوام اسی دائرہ کے اندر ہیں کیونکہ وہ سنت سے جاہل ہیں اگرچہ ان میں سے بعضوں کو علوم کا دعویٰ ہے مگر جس علم کا عالم سنت (نبویہ) سے جاہل ہو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے، "ان من العلم لجہلا"، کہ بعض علم بھی جہل ہے، اور پوری پختگی (اور عمدگی) تو خاص ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور عمل کی کمال عمدگی یہ ہے کہ محض اللہ اور رسول کی محبت کی وجہ سے عمل کیا جائے اور کوئی غرض نہو جیسا اس حدیث میں وارد ہوا، اسوقت اسکے عمل کی (اللہ تعالیٰ کے یہاں) قدر کیجائیگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ (اپنے خاص بندوں کی نسبت) فرماتے ہیں انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا، (کہ وہ مسکینوں یتیموں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے اور یوں کہتے ہیں کہ ہم تمکو صرف اللہ کیلئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے) (الوجہ الثالث یرد علی الحدیث سوال وفیہ حلاوۃ الایمان عبارۃ عن کمالہ الی قولہ انما نطعمکم لوجہ اللہ، وترجمۃ ملخصاً)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بدون عمل ہی کے کمال ایمان کے مدعی ہیں، نیز انکی غلطی بھی واضح ہوگئی جو عمل میں اتباع سنت کا اہتمام نہیں کرتے، ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان کا پھل عمل ہے، اور درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے جس درخت پر پھل نہ آئے گو وہ بالکل بیکار نہیں مگر زیادہ کارآمد بھی نہیں پس ایمان بلا عمل دوسری قسم کا ایمان ہے جس سے یہ شخص

ایمان کا پھل عمل ہے اور عمل کی پختگی اتباع سنت ہے اور پختگی کے بعد ہی پھل میں حلاوت آسکتی ہے۔

۳۵

Marfat.com

ہمیشہ کیلئے تو جہنم میں نہ رہے گا مگر یہ بھی ضرور نہیں کہ جہنم میں داخل ہی نہو الا ان یشاء اللہ اور جو عمل سنت کے موافق نہو وہ پختہ اور شیریں نہیں ہو سکتا اسلئے جسکو حلاوت ایمان حاصل کرنا ہو اسکو اتباع سنت کا اہتمام کرنا اور بدعات سے بچنا چاہیئے آجکل بہت کم لوگ ہیں جو بدعات سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرات سلف کا ایمان امر و نہی شریعت کی وجہ سے کامل تھا۔ ۳۶

(۳۱) حضرات سلف کا ایمان اسی وجہ سے کامل تھا کہ وہ (شریعت کی) امر و نہی کا اتباع کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے اور باہم ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے تھے چنانچہ جب وہ کسی سے ملتے تو یوں کہتے تھے "آؤ ایمان حاصل کریں" (وہ آپسمیں باتیں کرنے کو ایمان سمجھتے تھے) تو ان کے ایمان کا درخت عمدگی اور شیرینی میں انتہائی درجہ کو پہونچ گیا تھا" اور آجکل تو یہ باتیں مفقود ہوگئیں اور اسی بات کا ظہور ہوگیا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی (کہ آدمی اسوقت تو ایسے ہیں جیسے پھل والا درخت اور عنقریب ایسے ہوجائیں گے جیسے کانٹوں والا درخت) واقعی وہ کانٹوں والے درخت ہی ہوگئے" کیونکہ انھوں نے امر و نہی کا اتباع چھوڑ دیا اور آپسمیں ایک دوسرے کی خیر خواہی چھوڑ دی، ان کے دلوں میں کھوٹ آگیا، اب خیر خواہی کی جگہ کھوٹ نے اور اتباع شریعت کی جگہ مخالفت نے لیلی، اور لوگوں کی عام حالت یہ ہوگئی کہ ان میں سوائے کلمہ گو ہونے کے ایمان کی کوئی شان باقی نہ رہی، کلمہ پڑھ لینے کے سوا ان کے جتنے بھی کام ہیں مقتضائے ایمان کے خلاف نہیں ہیں بس جڑ تو باقی رہ گئی مگر پھل یعنی عمل ضائع ہوگیا جیسے پھل والے درخت کی جگہ جھڑبیری کا درخت رکھدیا گیا ہو کہ پہلا درخت تو پھل دیتا اور حلاوت بخشتا تھا اور دوسرا کانٹے ہی اگاتا ہے آجکل عام مسلمانوں کی تو یہی حالت ہے بجز شاذ و نادر تھوڑے سے آدمیوں کے (کہ وہ سلف کے طریقہ پر قائم ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم کا ارشاد ہے لایزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق الی قیام الساعۃ لایضرھم من خالفھم "میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی کسی کی مخالفت سے ان کو نقصان نہ پہونچے گا" پس یہ جماعت جسکی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کے ایمان کا درخت ہمیشہ بار آور اور اس کا پھل غایت درجہ شیریں رہیگا جیسا حضرات سلف رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا، اور اگر (دنیا میں) ان کا وجود نہوتا تو آسمان (بارش کا) ایک قطرہ نہ برساتا اور (زمین سے) ذرا سی بھی سبزی نہ اگتی" اور ان لوگوں کی وجہ سے جنکا اوپر

Marfat.com

ذکر آیا ہے (عالم میں) تباہی آجاتی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کی خاطر سے اور اُن کی رفعت ظاہر کرنیکے لئے ان سچے ایمان والوں کی وجہ سے دوسروں کو بھی مہلت دیدیتے ہیں خدا تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہمکو بھی اپنے اولیا میں داخل کردیں (قولہ لان من تقدم من السلف کان ایمانهم کاملا بتتبعهم الامر والنهی الی قولہ جعلنا اللہ من اولیائہ بمنہ ویمنہ)

ف کمال اتباع شریعت ہی کا دوسرا نام طریقت ہے، کیونکہ طریقت کا مقصود عمل کو ریا وغیرہ سے پاک کرکے اخلاص کی دولت حاصل کرنا اور حلاوت ایمان سے کامیاب ہونا ہے، اور معلوم ہوچکا کہ حلاوتِ ایمان بدون اتباع شریعت اور کمال اتباع سنت کے حاصل نہیں ہوسکتی، پس یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو طریقت کو شریعت سے اور شریعت کو طریقت سے جدا سمجھتے ہیں"

(سوم) حدیث البیعۃ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کی ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے چوری نکروگے، زنانکروگے، اپنی اولاد کو قتل نکروگے، اور (کسی پر) ایسا بہتان نہ باندھوگے جو گھڑے گھڑے گھڑ لیا جائے، اور اچھی باتوں میں میری نافرمانی نکروگے، پس جو کوئی اس (عہد) کو پورا کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کریگا اگر دنیا ہی میں اُسکو سزا دیدی گئی تو وہ اسکے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور جس نے ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُسکی پردہ پوشی کی تو اُس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے خواہ اُسکو معاف کردیں یا عذاب کردیں، پس ہم نے اسی پر آپ سے بیعت کی"

۳۷

(۳۲) **شرح** بیعت ایک قسم کا عہد ہے اور اسکی ۲ دو قسمیں ہیں ایک بیعت عامہ دوسرے بیعت خاصہ، بیعت عامہ کی پھر ۲ دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بدون کسی شرط کے صحیح ہے دوسرے وہ جو چند شرطوں کے بعد صحیح ہے،، جو بیعت بدون کسی شرط کے صحیح ہے اُسکی مثال باپ کی ولایت ہے بیٹے پر، مرد کی اپنی بیوی اور غلاموں پر (کیونکہ بیٹے کا بیٹا ہونا عورت کا بیوی ہونا غلام کا غلام ہونا باپ اور شوہر اور آقا کی ولایت کو مستلزم ہے پس یہ بھی ایک عہد ہے جسکے حقوق کا ادا کرنا اُن کے ذمہ ہے اور یہ ولایت (باپ اور شوہر اور آقا کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاصل ہے اسلئے اسمیں شرطوں کی

Marfat.com

ضرورت نہیں،، اور اس کا بیان حدیث کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کی شرح میں آئیگا
اور جو بیعت عامہ بدون شرطوں کے صحیح نہیں اُسکی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو بذات خود ثابت ہے
اور شرطوں سے اسکی تاکید ہو جاتی ہے اور کسی وجہ سے حکمت الٰہی اسکی مقتضی ہوئی دوسری وہ جو
بذات خود ثابت ہو اور شرطوں سے حق کی تاکید ہو جاتی اور دوسرا حق بڑھ جاتا ہے اور تیسری وہ جو
بدون شرطوں کے صحیح نہیں بلکہ شروط ہی سے اُس کا وجود ہوتا ہے، پہلی قسم کی مثال بیعت الست
بربکم ہے (جو عالم ارواح میں تمام آدمیوں سے لیگئی ہے) کیونکہ خود ربوبیت ہی سے بندگی کا حق
بندوں) پر ثابت ہو چکا تھا (عہد لینے کی ضرورت نہیں تھی) مگر اس بیعت سے جو اُسوقت لیگئی حق
مؤکد ہو گیا، اور کسی وجہ سے حکمت (الٰہی) اسکی مقتضی ہوئی اور وہ حکمت (ایک تو) یہ تھی کہ اس
بیعت پر بندوں کا مکلف ہونا موقوف تھا کہ احکام کی بجا آوری پر (اُن کو) ثواب دیا جائے اور
مخالفت پر عذاب دیا جائے (رہا یہ کہ بندوں کا مکلف ہونا اس پر کیوں موقوف رکھا گیا تو اسمیں)
محض شرعی علت ہے عقلی یا منطقی نہیں،، (اسکے سوا جو اور حکمتیں ہوں گی ہم اُن کا احاطہ نہیں کر سکتے)
دوسری قسم کی مثال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا ہے،، کیونکہ جب آپ کو اللہ تعالےٰ ۳۸
نے رسول بنا کر بھیجا تو اسی سے آپ کی بیعت (سب پر) ثابت ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم کہ نبی کا مسلمانوں پر اُن کی جانوں سے زیادہ حق ہے تو
(دیکھو) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کی جانوں سے بھی مقدم کر دیا ہے (تو آپ کا حق خود بخود ہم پر
ثابت ہو چکا) پھر (لوگوں کا) حضور سے بیعت کرنا آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے احکام
کا انقیاد (ظاہر کرنے کیلئے) تھا اور لوگوں کا آپ کی تصدیق کرنا اسی بیعت کی تاکید ہے جو اللہ
تعالیٰ نے اپنے فضل سے (تمام بندوں کے ذمہ) آپ کیلئے ثابت کر دی ہے،
اور تیسری قسم کی مثال خلیفہ اسلام کی بیعت ہے اور اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ خلیفہ کسیکو
اپنے بعد خلافت کیلئے نامزد کر دے جیسا حضرت صدیق نے حضرت عمر کو نامزد کر دیا تھا دوسرے یہ کہ
خلیفہ کی موت کے بعد مسلمان کسی پر اتفاق کر لیں جیسا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان پر اتفاق کیا اور یہ حکم قیامت تک کیلئے ثابت ہے کیونکہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میری سنت کو اور

Marfat.com

خلفاء راشدین کی سنت کو مضبو طپکڑو ،، (یہ تو بیعت عامہ کی تفصیل تھی) اور بیعت خاصہ وہ ہے
جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کی) ہر جماعت کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ جب
وہ سفر کیا کریں تو کسی کو اپنا امیر بنالیا کریں اور اسی کے حکم میں ہر وہ کام ہے جو اسکے مشابہ ہو ،،
کیونکہ یہ بیعت ایک خاص وجہ سے ہے اور اس کا نفع جو کچھ ہے بیعت عامہ کے منافع سے معلوم
ہوجائیگا جنکو انشاء اللہ ہم بیان کریں گے ،، کیونکہ بیعت خاصہ کو بیعت عامہ کیساتھ (خاص)
مشابہت ہے ،، رہی بیعت کی حقیقت تو (ظاہر ہے کہ) یہ منجملہ (معاملات) بیوع کے ایک بیع
ہے (جسکے معنی ہیں بیچنا فروخت کردینا) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بایعونی فرمایا ہے
عاھدونی نہیں فرمایا اور اس لفظ کے معنی ہیں غلامی کے کسیقدر اوصاف پائے جاتے ہیں جنکو
ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور جب یہ بیعت منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اب اسکی ضرورت
ہے کہ مبیع کو متعین کیا جائے اور ثمن کو بتلایا جائے (کہ بیعت میں کس چیز کو بیچا جاتا ہے اور اسکے
عوض میں ثمن کیا ملتا ہے ؟)

۳۹ پس (معلوم کرنا چاہئے کہ) اس جگہ مبیع تو نفس کا اختیار ہے کہ (بیعت کرنے والا) اپنے اختیار
(وارادہ) کو فنا کردے اور جس سے بیعت کررہا ہے اپنے کو اسکے حوالہ کردے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے
موافق اسمیں جو چاہے تصرف کرے اور یہ ایک قسم کی غلامی ہے کیونکہ آقا غلام کی ذات کا مالک
بنجاتا ہے جسکے بعد غلام کا کوئی اختیار اور تصرف باقی نہیں رہتا کیونکہ جو شخص کسی کی ذات کا
مالک اسکے تمام منافع کا مالک ہوجاتا ہے ، پس بیعت کرنیوالا اطاعت وانقیاد میں غلام
کے مشابہ ہے ، مگر اس کا مال اسی کی ملک رہتا ہے صاحب بیعت کی ملک نہیں ہوجاتا کیونکہ یہ
شخص صرف اطاعت وانقیاد ہی میں غلام کے مشابہ ہے ،، جملہ احکام میں نہیں ، رہا ثمن (اور
معاوضہ) تو وہ جنت ہے بشرطیکہ بیعت (کے حق) کو پوری طرح ادا کردیا جائے کیونکہ بیعت عقبہ
کے موقعہ پر جب صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اُن کو اس بیعت کے
عوض میں کیا ملے گا ؟ تو آپ نے فرمایا جنت ،، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم (اس پر) راضی ہیں اور
بیعت کو نہیں توڑینگے (بلکہ اس کا حق ادا کرینگے) غرض شارع علیہ السلام نے بیع اور مبیع اور ثمن سب
کچھ بتلادیا ہے اور یہی حکم ہر اُس بیعت کا ہے جو حضور کے بعد (کسی سے) شریعت کے موافق کیجائے

Marfat.com

کہ اس کا ثمن بھی جنت ہی ہے،، جبکہ اسکو توڑا نہ جائے کیونکہ ہر بیعت، بیعت رسول کی تجدید وتاکید ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ عزوجل سے بیعت کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا بیعت الست بربکم کا ایفار اور اُسی کی تاکید ہے (قولہ فی الوجہ الاول فاما انواعہا فعلی ضربین الی قولہ وفاء وتاکید لبیعۃ الست بربکم ملخصا)

ف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ مسافرین کو جو حکم دیا ہے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنا لیا کریں یہ بیعت صوفیہ کی دلیل ہے کیونکہ سالکین طریق بھی ایک سفر میں ہیں اور بڑے سفر میں ہیں جو سفر ظاہر سے اہم اور بیعت اہم ہے، پس جب سفر ظاہر میں کسی کو امیر بنانا سنت ماموربہا ہے تو اس سے اہم سفر میں کسی کو امام بنانا خلاف سنت کیونکر ہوسکتا ہے؟

ف جب بیعت کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ وہ منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیعتِ طریق کیلئے ہاتھ میں ہاتھ لینا ضرور نہیں بلکہ مرید اور شیخ کی طرف سے زبانی معاہدہ کافی ہے جیسا بیع میں بائع ومشتری کا زبانی معاہدہ کافی ہے،، باقی اسمیں شک نہیں کہ حضور نے صحابہ سے جسوقت بھی بیعت لی ہے خواہ بیعت اسلام ہو یا بیعت جہاد یا بیعت اتباع احکام وہ ہاتھ میں ہاتھ لیکر واقع ہوئی ہے اسلئے مشائخ نے بھی یہی صورت اختیار کی مگر صورت بیعت کو لازم اور مقصود سمجھ لینا اور اصل مقصود کو پس پشت ڈالدینا سخت غلطی ہے جسمیں آجکل بہت لوگ مبتلا ہیں۔ ۴۰

ف جب یہ معلوم ہوچکا کہ بیعت ایک قسم کی غلامی ہے تو ضرور ہے کہ اسمیں جلدی نکی جاوے، مرید کو اُسوقت بیعت کا ارادہ کرنا چاہیے جب اس کا نفس شیخ کی غلامی کیلئے پوری طرح تیار ہوجائے اور شیخ کو اسوقت بیعت لینا چاہیے جب اسکو اطمینان ہوجائے کہ یہ شخص اطاعت وانقیاد کیلئے آمادہ ہوچکا ہے،،

ف شیخ کو مریدیں تصرف کا حق شریعت کی حدود کے اندر ہے اس سے زیادہ نہیں پس جو لوگ مریدوں کے مال کو اپنا مال اُنکی بیبیوں کو اپنی باندیاں سمجھتے ہیں وہ جاہل اور گمراہ کن ہیں،،

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ف جب یہ معلوم ہو چکا کہ سالکین کی بیعت شیخ کے ہاتھ پر ایسی ہے جیسے جماعت مسافرین اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیتی ہے تو ضرور ہے کہ بیعت ہونے والا یہ بات جانتا ہو کہ وہ کس لئے شیخ کو اپنا امام بنا رہا ہے اور بیعت لینے والا طریق سے پوری طرح واقف ہو، اسکی منازل و ضروریات کو اچھی طرح جانتا ہو تاکہ جماعت کو سیدھے راستہ پر چلائے قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحٰن اللہ وما انا من المشرکین۔

(۳۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے" عام لفظ ہے کیونکہ شیٔ ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے، اور اس لفظ (کے عموم) کو خاص کرنے ہی سے بہت فرقے (اسلام میں) پیدا ہو گئے، اور اس لفظ کے عموم پر عمل کرنے ہی سے فرقہ ناجیہ محمدیہ کو دوسرے فرقوں سے امتیاز حاصل ہوا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں تو بہتر فرقے ہوئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جنمیں سے سوا ایک کے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا اور سب جہنمی ہیں، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقعہ پر اس فرقہ کی علامتیں بتلا دی ہیں تاکہ حضور کا اور آپ کے اصحاب کا طریقہ واضح ہو جائے کیونکہ (اولاً) حضرات صحابہ ہی کو اس بیعت (کی شرائط) کا مخاطب بنایا گیا ہے (تو یقیناً وہ اسی راستہ پر تھے جو یہاں بیان کیا گیا ہے) پس اس سے فرقہ ناجیہ کا پتہ لگ گیا کہ جس نے اس لفظ کو حقیقی عموم پر باقی رکھنے میں صحابہ کا اتباع کیا وہ تو ان کے راستہ پر ہے اور اگر اسمیں کچھ بھی تخصیص کی خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ ان کا مخالف ہے اور جس درجہ کی تخصیص ہو گی اسی درجہ کی مخالفت ہو گی (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً ھذا لفظ عام الی قولہ قلیلاً کان او کثیرا)۔

ف شارح نے اس مقام پر بہت تفصیل کے ساتھ ان تمام فرقوں کا رد کیا ہے جو توحید اسلامی میں فلسفہ کے اثر سے خلل ڈالتے ہیں اسکے بعد توحید اسلامی اور عقیدۂ اہل سنت کو وضاحت سے بیان فرمایا اور دلائل سے اسکو ثابت کیا ہے ہمنے اس تفصیل کو سر دست چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہمارا مقصود اسوقت صرف مسائل تصوف کا انتخاب ہے مگر خلاصہ کے طور پر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ محققین صوفیہ کامل توحید کی تعلیم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی برابر اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ وہ حلول کے قائل

Marfat.com

ہیں نہ اتحاد کے، نہ وہ جبریہ ہیں نہ قدریہ، نہ معتزلہ اور فلاسفہ کی طرح عقل پرست ہیں وہ بھی صاف اور سیدھے راستہ پر چلتے ہیں جو حضرات صحابہ کا طریقہ ہے۔

ف بعض لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اولیاء اللہ میں ایسی قدرت مانتے ہیں کہ وہ بدون اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی کے بھی جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں گویا کارخانہ قدرت اُن کے ہاتھ میں ہے یہ سب توحید سے دور اور شرک سے قریب ہیں لیس کمثلہ شیٔ و من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ وما تفعلون الا ان یشاء اللہ۔ ان کو تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی کیونکہ تصوف کمال اتباع شریعت کا نام ہے، اور شریعت نے کمال توحید کی تعلیم کی ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

(چہارم) حدیث قتال المسلمین

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر لڑنے پر آمادہ ہوں تو قاتل اور مقتول (دونوں) جہنم میں جائیں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل (کا) یہ (حال تو ظاہر) ہے مگر مقتول کا یہ حال کیوں ہے؟ فرمایا اسلئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص (اور آمادہ) تھا۔ ۴۲

(۳۷) **شرح** حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اپنی حرص اور فساد نیت کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حرص بھی ایک عمل ہے جسمیں (بعض دفعہ) فساد نیت شامل ہوجاتی ہے (اور بڑے وبال کا سبب بنجاتی ہے) پس مقتول قاتل کیساتھ ان دونوں صفتوں میں برابر ہوگیا (یعنی قاتل ہونے میں بھی اور جہنمی ہونے میں بھی) کیونکہ انسان کی قدرت میں جتنا تھا وہ دونوں کر چکے رہا کسی کی عمر کو باقی رکھنا یا ختم کردینا یہ انسان کی قدرت میں نہیں اور مقتول بھی تو قاتل کی عمر ختم کر چکا کیونکہ وہ اُسکے قتل پر حریص (اور آمادہ) تھا (اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ظلم کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جو محسوس طریقہ پر فعل سے ظاہر ہو دوسرے معنوی جو نیت اور ارادہ کے درجہ میں ہو ظلم حسی کے احکام تو فقہ میں مذکور ہیں اور شارح نے بھی اُس سے کسیقدر تعرض کیا ہے) ہاں ظلم معنوی کے متعلق گفتگو باقی ہے اور وہ اس مقام کے مناسب ہے تو (سمجھنا چاہئے کہ) اُسکی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ محض نیت ہی کا درجہ ہو عملاً ظلم کا صدور نہوا ہو نہ ظلم کا سبب بنا ہو

ف: نیت اور اعمال قلبی پر بھی مواخذہ ہونا ہے۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ نیت کی ساتھ عملاً بھی ظلم کا صدور ہوا یا اُس کا سبب بنا (اگر ظلم محسوس نہیں ہوتا)
قسم اول کی مثال حسد اور بغض اور تمام بُری نیتیں ہیں جیسے شرعاً منع کیا گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ
اخوانا، باہم حسد اور بغض نہ کرو ایک دوسرے سے منہ موڑ کر نہ چلو اور اے اللہ کے بندو بھائی
بھائی بنکر رہو"، تو یہ بری نیتیں، مال و آبرو کی طرح نہیں ہیں کہ ظالم و مظلوم دونوں کا حساب کرلیا
جائے اور جسکی زیادتی ہو اُس سے بدلہ لیلیا جائے بلکہ یہ (باہم حسد و بغض رکھنے والے) دونوں
قاتل و مقتول کی طرح ہیں ان دونوں کو معاً عذاب ہوگا اور ایک کا عذاب دوسرے کے عذاب
کو کچھ کم نہ کریگا کیونکہ خیر و شر میں باطنی امور (اور قلبی ارادہ و نیت) کا اثر ظاہری افعال سے
زیادہ ہے اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے
اگر وہ درست ہوجائے تو سارا بدن درست ہوجاتا ہے اور وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے
سنلو وہ دل ہے (اگر دل خراب ہوگا تو بدن کے سارے افعال بگڑ جائیں گے) اور دل سے مراد
۴۳ یہ عضو نہیں (جسکو اطبا دل کہتے ہیں) بلکہ وہ (نیت و ارادہ مراد ہے) جو دل کے اندر ہوتا ہے"
اسکی زیادہ توضیح و تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کرتا ہے جو آپ نے ابن عباس
(رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ اگر تم سے ہوسکے کہ ہر صبح اور ہر شام تمہارے اوپر ایسی حالت میں آئے
کہ دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہو تو ایسا (ضرور) کرو پھر فرمایا برخوردار من یہ میری سنت ہے
اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے گویا مجھے زندہ کردیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میری ساتھ
جنت میں ہوگا، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اس حال میں صبح اور شام
کی کہ کسی پر ظلم کی نیت نہیں رکھتا اُس کے سب گناہ بخشدیئے جاتے ہیں"، اور اسکی ضد
(اور خلاف صورت) کے متعلق ارشاد ہے من غشنا فلیس منا جس نے ہمسے (یعنی مسلمانوں
سے) فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں"، اور جو کسی مسلمان کو ضرر پہونچانا چاہے گا اللہ تعالی اُسکو
ضرر پہونچائیں گے اور جو کسی مسلمان سے فریب کریگا اللہ تعالی بھی اُسکی ساتھ ایسا ہی معاملہ
فرمائیں گے اس بارہ میں آیتیں اور حدیثیں بہت ہیں"، اور جو ظلم نیت اور عمل (دونوں) کیساتھ
ہو اسکی مثال قطع رحم ہے (یعنی رشتہ قرابت کو توڑنا) کیونکہ جب دو آدمی باہم قطع رحم کریں گے

Marfat.com

تو ہر ایک اُس وعید کا مستحق ہو گا جو اس کے متعلق وارد ہے " اور یہ عذر نہیں چل سکتا کہ پہلے دوسرے نے قطع تعلق کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تصل من قطعک و تعطی من حرمک جو تم سے قطع تعلق کرے اُس سے ملو جو تمکو نہ دے اُسکو دو " اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم نے عرض کیا کہ قطیعت (یعنی قطع تعلق) سے پناہ مانگنے والے کا ٹھکانا آپ ہی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھکو ملائیگا میں اُسکو (اپنے سے) ملاؤں گا جو تجھکو قطع کرے گا میں اُسکو (اپنے سے) الگ کردوں گا " کہا بیشک اے پروردگار! (میں اس پر راضی ہوں) فرمایا تو بس تیرے واسطے یہی ہے "

اور جو ظلم نیت سے ہوا ور (عمل سے نہو مگر ظلم کا) سبب بنا ہو اسکی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کیساتھ دھوکہ اور فریب کرنے کی کوشش کرے یا اُسکو رنج دینا (اور تکلیف پہونچانا) چاہے اگرچہ اسکو وہ تکلیف نہیں پہونچی جس کا اس نے قصد کیا تھا، کیونکہ نیت کا فاسد کرنا اور (ظلم کا) سبب بنتا دونوں یکساں ممنوع (اور حرام) ہیں خواہ کسی کو تکلیف پہونچے یا نہ پہونچے تو یہ بھی انھی کے برابر ہے جن کا ذکر اوپر گذرا کسی کا ظلم دوسرے کم نہیں کیونکہ ہر ایک نے اپنے بھائی (مسلمان کو ایذا دینے) ۴۴
کیلئے در پردہ ایسی کوشش کی جس سے شرعا منع کیا گیا ہے یعنی نیت فاسد کی اور برائی کا سبب بنا " اسی لئے اُن بزرگ علماء عاملین نے جنکو نور بصیرت عطا ہوا ہے گنہگاروں کی ذات سے بغض نہیں رکھا بلکہ وہ صرف اُن کے افعال سے بغض رکھتے تھے جنسے شریعت نے منع کیا اور مذمت کی ہے اور گنہگاروں کی ذات پر اُن کو ترس آتا تھا کہ تقدیر سے وہ ان گناہوں میں مبتلا ہو گئے " اور اپنی ذات پر اندیشہ رکھتے تھے کہ مبادا اُن کو یہ ابتلا پیش نہ آجائے (کیونکہ انبیاء کے سوا معصوم کوئی نہیں ہر شخص کا ہر گناہ میں مبتلا ہو جانا محتمل ہے) پس یہ حضرات بغض بھی رکھتے تھے کیونکہ اس کا اُن کو (شریعت کی طرف سے) حکم کیا گیا ہے، اور ترس بھی کھاتے تھے کیونکہ گنہگاروں کی شرست ہی میں یہ گناہ رکھا ہوا تھا اور اس اندیشہ سے کہ کبھی خود اُن میں مبتلا نہ ہو جائیں ڈرتے بھی تھے اور اس (مضمون) پر تنبیہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے ولا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ (کہ تمکو زناکاروں پر حد قائم کرنے میں شفقت مانع نہو) یعنی جو شفقت بوجہ ایمان کے تمھاری طبیعت میں پیدا ہو گئی ہے وہ تمکو اُن حدود کے ضائع کرنے پر نہ ابھارنے پائے جنکے قائم

Marfat.com

کرنیکا تمکو مکلف (وما مور) کیا گیا ہے (سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کی ذات پر شفقت کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ شفقت کی وجہ سے حدود احکام کو ضائع کیا جائے) اور (ان دونوں باتوں کے جمع کرنے کی) توفیق دینے والا اللہ ہی ہے (بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق + ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن) قولہ الوجہ فی الوجہ الرابع فاعلم ھم انہ استوجب ذلک بجرصہ وقولہ فی الوجہ الثامن وبقی الکلام ھنا علی النظم المعنوی الی قولہ واللہ الموفق۔

ف یہ امراض قلوب ہی تو وہ ہیں جن کے ازالہ کا اہتمام صوفیہ کرام فرماتے ہیں اور اسی کیلئے مجاہدات کئے جاتے ہیں، کیونکہ فطری امور آسانی سے نہیں بدلا کرتے جبل گردد جبلت نگردد، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تکبر حسد بغض کینہ فساد نیت وارادہ وغیرہ شرعاً حرام ہیں اور آیات احادیث میں بکثرت ان پر وعید وارد ہے، پھر حیرت ہے کہ ان کے ازالہ کے طریق کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ بدون اُس طریق کے بھی جو صوفیہ نے بیان فرمایا ہے ان امراض کا ازالہ ہو سکتا ہے تو وہ بیان کرے، اور بتلائیے کہ وہ کون سا طریقہ ہے یقیناً وہ کوئی طریقہ نہ بیان کر سکیگا اور مجبوراً طریق صوفیہ کی تصدیق کریگا'' 45

ف الفاظ حدیث بظاہر عام ہیں مگر بالاجماع مراد خاص صورت ہے جبکہ قاتل و مقتول دونوں ناحق پر ہوں اور عمداً قتل پر آمادہ ہوئے ہوں کیونکہ اگر دو مسلمان طریقہ جنگ سیکھنے کیلئے تلواروں سے مشق کر رہے ہوں اور غلطی سے ایک قتل ہو جائے تو یہ صورت وعید حدیث میں داخل نہیں بلکہ اسکو قتل خطا کہا جاوے گا اسی طرح اگر ایک حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر مثلاً چور یا ڈاکو نے کسی کا مال چھیننے یا چرانے کیلئے حملہ کیا اور دوسرے نے اپنے مال کی حفاظت کیلئے مقابلہ اور مدافعت سے کام لیا تو اگر چور یا ڈاکو مارا گیا تو وہ بدترین مقتول ہوگا اور قاتل پر وعید نہ ہوگی اور دوسرا مارا گیا تو وہ شہید ہوگا اور قاتل جہنمی ہوگا''

اسی طرح اگر خلیفۂ اسلام سے کسی نے بغاوت کی اور بغاوت کی کوئی معقول وجہ نہیں اس صورت میں اگر خلیفۂ اسلام باغی کو قتل کردے تو قاتل پر کوئی الزام نہیں اور مقتول گنہگار ہے، اور اگر بغاوت کی معقول وجہ ہے اور باغی کے نزدیک خلیفۂ اسلام کی خلافت شرعاً صحیح نہ تھی اور خلیفۂ اسلام کے

Marfat.com

نزدیک اسکی خلافت شرعاً صحیح تھی اس صورت میں دونوں اس وعید میں داخل نہوں گے جو یہاں مذکور ہے جیسا حضرات صحابہ کرام میں باہم جنگ ہوئی ہے اور دونوں جماعتیں شہادت حدیث کے مطابق جنتی تھیں تو ان کا قتال عموم حدیث کے تحت میں داخل نتھا ، غرض حدیث میں قتال کی وہ خاص صورت مراد ہے جبکہ قاتل و مقتول دونوں نے ایک دوسرے کے قتل کا ارادہ محض ظلم اور تعدی کی وجہ سے بدون کسی حق یا تاویل و شبہ کے کیا خوب سمجھ لو ،، (وھذا التفصیل مما قد نبہ علیہ الشارح وانما ذکرناہ فی الفوائد لخروجہ عما نحن بصددہ من مسائل التصوف ولم نر بدا من التنبیہ علیہ لکونہ من مزال الاقدام ۱۲)

(پنجم) حدیث لیلۃ القدر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں بوجہ ایمان اور طلب ثواب کے قیام کرے اسکے اگلے گناہ بخشدئے جائیں گے

شرح یہ حدیث صاف طور سے شب قدر کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے اور اسکے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں ،،

(۳۵) حدیث کا یہ لفظ ،، جو لیلۃ القدر میں قیام کرے ،، اسمیں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ پوری رات کا قیام مراد ہو، یا کسی خاص حصہ کا، اگر خاص حصہ کا قیام مراد ہے تو اسمیں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قیام رمضان کی طرح اول شب کا قیام مراد ہو جو نماز عشا کے بعد ہوتا ہے (کیونکہ احادیث میں قیام رمضان کی جو فضیلت و تاکید وارد ہے حضرات صحابہ نے اسکو اول شب میں بعد عشا کے تراویح کی صورت سے ادا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد نماز پڑھنے کو بھی قیام لیل کہا جاتا ہے کیونکہ صحابہ سے زیادہ حضور کی مراد کون سمجھ سکتا ہے) دوسرے یہ کہ آخر شب کا قیام مراد ہو جسے تہجد کہتے ہیں اور حضور نے توسعا (ومجازاً) اسکو قیام سے تعبیر فرمادیا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قم اللیل الا قلیلا کہ رات کو قیام کیا کیجئے سوائے تھوڑے حصہ کے ،، اور اس (قیام) سے مراد تہجد ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام (کچھ دیر) سونیکے بعد ہی [۵]

۵ قلت ولی فیہ نظر لحدیث عائشۃ فی الصحیح من کل اللیل قد اوتر کان یوتر اولہ واوسطہ ثم انتہی وترہ الی السحر ای آخر اللیل اوکما قالت والمراد بالایتار قیام اللیل وکان صلی اللہ علیہ وسلم یجعل آخر صلوٰۃ باللیل وترا کما امر بہ فافہم ۱۲ ظ

Marfat.com

ہوتا تھا اور لغت میں اسی کا نام تہجد ہے اور جس قیام میں اس وقت بحث ہو اس میں یہ سب احتمالات (جاری) ہیں مگر زیادہ ظاہر واللہ اعلم یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے جو سونے کے بعد ہوتا ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور آپ کا دائمی عمل یوں ہی تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہی صورت اختیار فرماتے تھے جو افضل واولیٰ اور سب سے راجح ہو، اگر اس کے سوا کوئی صورت افضل ہوتی تو آپ اسی کو اختیار فرماتے اور مفضول (وادنیٰ) کو چھوڑ دیتے"

(الوجہ الاول قولہ علیہ السلام من یقم الی قولہ وترك المفضول)

ف اس سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد کچھ نماز نفل پڑھ لینے سے بھی قیام لیل ادا ہو جاتا ہو اسپر حضرت حکیم الامت نے بارہا تنبیہ فرمائی ہے اور بہت لوگ اس سے غافل ہیں اور یہ غفلت بعض دفعہ ان کو ثواب تہجد سے محروم کر دیتی ہے جبکہ رات کو آنکھ کھلنے کا بھروسہ نہو ۱۲

(۳۶) (تہجد میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات کیساتھ باختلاف روایات ثابت ہوا ہے آپ نے رمضان یا غیر رمضان میں اس پر زیادتی نہیں فرمائی تو اب سوال یہ ہے کہ شب قدر میں اتنا قیام کفایت کا ادنیٰ درجہ ہے یا انتہائی (ا درجہ ہے) سو ظاہر یہ ہے کہ قیام (شب قدر) کا انتہائی درجہ بھی ہے (جو حضور سے ثابت ہے) جسکی دو دلیلیں ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ کیلئے اعلیٰ اور بہتر (صورت) ہی اختیار فرماتے تھے اعلیٰ درجہ کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ اختیار نفرماتے تھے، دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کیساتھ قیام کرے تو وہ دونوں اسکو کافی ہیں اور ایک روایت میں سورہ آل عمران کے آخر کا ذکر ہے اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو آیتیں قیام لیل سے کفایت کریں گی اور اس شخص کو تہجد گذار کہا جائیگا، اور جب ہمنے یہ مان لیا کہ اسکو تہجد حاصل ہو گیا جسکو (حدیث میں) قیام لیل کہا گیا ہے تو (ان دو آیتوں کو دو رکعتوں میں پڑھنے ہی سے) اسکو وہ ثواب مل گیا جو اسے ہزار مہینوں (کی عبادت) سے افضل ہے جنمیں شب قدر نہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے (پس قیام شب قدر کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہوا کہ سورہ بقر یا آل عمران کی دو آیتوں سے دو رکعتیں پڑھی جائیں اور جو درجہ حضور نے اختیار فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ ہی اگر کسی کو

Marfat.com

یہ شبہ ہو کہ گیارہ یا تیرہ رکعتیں انتہائی درجۂ کمال کو کیونکر پہونچ سکتی ہیں حالانکہ بعض لوگ اس سے زیادہ بھی (قیام) کرتے اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں، تو رات بھر قیام کرنے والے سے وہ شخص کیونکر افضل ہو جائیگا جس نے گیارہ یا تیرہ رکعت ہی سے قیام کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک گیارہ یا تیرہ رکعت سے قیام کرنے والا رات بھر نماز پڑھنے والے سے فضل ہے جسکی دلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے (جو آئندہ آئے گی) اور اس حدیث کی شرح میں بھی اس سوال کا جواب آئیگا جسکو شوق ہو اس مقام کا مطالعہ کرے،،

اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت، آپ کا درجہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسقدر بلند ہے اور آپ کی وجہ سے آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے (شب قدر میں) تہجد کی دو رکعتوں کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی دشوار تر عبادت یعنی (ہزار مہینے تک) جہاد (کرنے) سے بھی افضل کر دیا ہے جنکی مقدار تیس ہزار دن اور تیس ہزار رات ہوتی ہے جسکا مجموعہ ۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار کا زمانہ ہے اللہ تعالیٰ ہمکو اور تمکو اپنی نعمت کے شکر کی توفیق دے اور اس نعمت کا اہل بنائے اور اپنے فضل سے اس نعمت (کے حاصل کرنے) پر ہماری مدد فرمائے (آمین) اور اسی کے مثل امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا (ایک) فضل و احسان جس (کے حاصل کرنے) میں کچھ بھی دقت نہیں یہ ہے،، خدا ہمکو اس امت کے صلحا میں داخل فرمائے،، کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو گے،، اور (دوسرا) ارشاد (یہ) ہے لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں کو) زیادہ کروں گا اسمیں اللہ تعالیٰ نے نعمت کے بڑہانے کا وعدہ شکر پر موقوف رکھا ہے (اور بیشمار نعمتوں کا شکر ادا کرنا بہت دشوار تھا تو) اسکے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہر صبح اور ہر شام یوں کہہ لیا کرے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللھم ما اصبحت بی او مسیت بی من نعمۃ فمنک وحدک لا شریک لک لک الحمد ولک الشکر اس نے اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کر دیا جو اس پر (فائض) ہوئی ہیں تو اس فضل عظیم کو (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہمارے تھوڑے سے لفظوں کو بیشمار نعمتوں کا شکر قرار دے لیا اور اسی پر ہمارے لئے نعمت بڑہانے کا ذمہ لے لیا،، ۴۸

(باقی آئندہ)

Marfat.com

(قولہ قیام النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان کما ثبت عنہ من الاحدی عشرۃ رکعۃ الی قولہ وضمن لنا المزید)

ف کیا اب بھی کسی کا منہ ہے جو صوفیہ کے طریق کو خلاف سنت کہہ سکے ہمنے دیکھا کہ محققین صوفیہ رات بھر نماز پڑھنے سے گیارہ یا تیرہ رکعت کے ساتھ تہجد کو افضل سمجھتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا اور بعض روایات ہیں جو اس سے زیادہ کا ثبوت ہے وہ بطور معمول کے نتھا جیسا اُن روایات کے الفاظ سے واضح ہے ۱۲-

(۳۷) **ف** حدیث کا یہ لفظ " بوجہ ایمان اور طلب ثواب کے " اس باب کی دلیل ہے کہ ایمان کا استحضار ہر جزو عمل کے ساتھ مطلوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر یہ شرط بیان فرمائی ہے کہ شب قدر کا قیام تصحیح نیت کے ساتھ کیا جائے (یعنی صرف ایمان اور طلب ثواب کی وجہ سے قیام ہو اور کوئی غرض نہو) پھر علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے کہ یہ استحضار ہر وقت ضروری ہے اور بعض کا قول ہے کہ صرف عمل شروع کرنے کے وقت ضروری ہے اور عمل کے ہر جزو کیساتھ استحضار ہونا کمال (عمل) کی شرط ہے جمہور اس پر ہیں اور یہ لفظ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ (عمل کے وقت) ایمان کے استحضار سے ایمان کو ترقی ہوتی ہے کیونکہ (مسلمان کو تو) پہلے ہی سے ایمان حاصل ہے پس عمل کے وقت اسکو نیت میں حاضر کرلینا ترقی کا قائم مقام ہے

(قولہ الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی ان استصحاب الایمان مطلوب والوجہ الخامس عشر فیہ دلیل علی ان استحضار الایمان زیادۃ الی قولہ قام مقام الزیادۃ)

ف صوفیہ کو تصحیح نیت کا بہت اہتمام ہے اور اسی سے اُن کو علماء ظاہر سے امتیاز حاصل ہے " علماء ظاہر کو افعال قلب کا اہتمام نہیں پس یہ حدیث صوفیہ کی مؤید ہے۔ **ف** اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلب ثواب صحت نیت کے منافی نہیں اس باب میں جمہور صوفیہ بھی نصوص کے خلاف چلے ہیں چنانچہ عام طور سے اُن کے کلام میں یہ مضمون ملتا ہے کہ عارف کو طالب ثواب اور طالب جنت نہونا چاہیئے صرف طالب رضا ہونا چاہیئے " مگر جبکہ جنت محبوب کی ایک نعمت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ بندے اس نعمت کی طرف رغبت کریں جیسا لمثل ھذا فلیعمل العاملون وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون ۰ سے ظاہر ہے تو جنت کی طلب عین محبوب

Marfat.com

کی طلب ہے، ہاں اگر جنت کی طلب محض حظ نفس کیلئے ہو محبوب کی نعمت سمجھکر نہو تو بیشک یہ طلب معرفت کے منافی ہوگی"،

(۴۸) حدیث کا یہ لفظ کہ" اُسکے اگلے گناہ بخشدیئے جائیں گے" اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا اصل ثواب (اور اعلیٰ ثمرہ) مغفرت ہے (کہ گناہ معاف ہوجائیں) کیونکہ شب قدر کے قیام کا ثواب مغفرت ہی کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ قیام ہزار مہینوں کے اُس عمل سے افضل ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کی صورت سے ہو پس اگر مغفرت سے بڑھکر کوئی ثواب ہوتا تو اتنے بڑے عمل پر اُسی کو مرتب کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی ثواب نہیں) کیونکہ مغفرت ہی (سب کی) اصل ہے اور ہلاکت سے نجات دینے والی یہی ایک چیز ہے" اور اگر کسی وقت رحمت کے ساتھ مغفرت نہو تو (بندے کا) ہلاک ہونا ممکن ہے" اور یہی وجہ ہے کہ مغفرت میں یہ خصوصیت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مغفرت ہی کے ساتھ مخصوص (وممتاز) فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لیغفر اللہ لك ماتقدم من ذنبك وما تأخر اسکے سوا اور کوئی ثواب بیان نہیں فرمایا۔ غرض عقل ونقل (دونوں) اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں بھی عطا ۵۰
کیجائیں اُن میں سب سے افضل مغفرت ہے"، کیونکہ اگر اُسکی نیکیاں زیادہ ہوجائیں تو پھر بھی یہ احتمال رہے گا کہ نجات ہوگی یا نہوگی"، اور جسکی مغفرت ہوگئی اُس پر کسی قسم کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہیگا

(الوجہ السابع عشر قولہ علیہ السلام غفرلہ ماتقدم الی قولہ لم یبق علیہ شئ یخاف منہ)۔

اعمال کا بڑا ثواب مغفرت ہے اس سے بڑھکر کوئی ثواب نہیں۔

(۴۹) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ ایمان تمام اعمال سے اعلیٰ (اور برتر) ہے کیونکہ اگر شب قدر کا قیام انوار ایمان سے خالی ہوا تو یہ ثواب نہ ملیگا جس کا اوپر ذکر آچکا اور جب ایمان کے انوار بھی اُسکی ساتھ شامل ہوں تو اسکے عوض میں اعلیٰ درجہ کا ثواب ملیگا جو کہ مغفرت ہے اللھم اجعلنا ممن غفرت لہ فی الدارین بلا محنۃ انك جواد کریم (قولہ الوجہ الثامن عشر فیہ دلیل علی ان الایمان اعلی الاعمال الی قولہ جواد کریم)

ایمان سب اعمال سے اعلیٰ ہے۔

ف صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے وہ دولت ایمان کو سب سے بڑھکر سمجھتے اور اسکی تکمیل کا اہتمام کرتے ہیں ف اس مقام سے علماء ظاہر کو بھی سبق لینا چاہیئے اور طالبان سلوک کو بھی، کہ اصل چیز

Marfat.com

مغفرت ہے بندہ کو اسی کا طالب ہونا چاہیئے درجات عالیہ کا طالب نہونا چاہیئے جسکو مغفرت حاصل ہوگئی اُسکو سب کچھ مل گیا، حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ درجات کی تمنا اہل درجات کو مبارک ہو، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے نجات ہو جائے پھر چاہے جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے"

ششم (حدیث ان الدین یسر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص سختی (اور مبالغہ) کے ساتھ دین پر غالب ہونیکا ارادہ نکریگا مگر دین ہی اُسکو ہرادیگا"، پس سیدھے چلو، قریب قریب رہو، اور خوشخبری حاصل کرو، اور صبح وشام کے وقت سے اور کسیقدر رات کے آخری حصہ سے (کام میں) سہارا لو۔

(۴۰) **شرح** رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "دین آسان" چند وجوہ کو محتمل ہے اور ہر وجہ کے لحاظ سے حدیث کی شرح اخیر تک مختلف ہوگی پس ہم ہر وجہ پر الگ کلام کریں گے اور ایک وجہ کے موافق حدیث کی شرح پوری کرکے دوسری وجہ پر کلام کریں گے وعلیٰ ہذا القیاس چنانچہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور نے جو دین کو آسان فرمایا ہے تو ممکن ہے کہ دین سے ایمان مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام مراد ہو اور ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں۔ ایمان تو تصدیق کا نام ہے (کہ دل سے توحید ورسالت کو مان لے) اور اسلام انقیاد (اور اطاعت) کا نام ہے (کہ احکام شرعیہ کو بجالائے) اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولکن قولوا اسلمنا اور اسکے بعد فرمایا ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (کہ جب تک ایمان دل کے اندر نہو ایمان کا دعویٰ نکرو بلکہ اسلام کا اقرار کرو) تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر (اسلام) کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ باطن میں تصدیق نتھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہے تو باوجودیکہ منافقین نے ظاہر میں اطاعت کرلی تھی جس کا نام اسلام ہے مگر اُن کے پاس ایمان نتھا اسلئے اسلام نے اُن کو کچھ نفع نہ دیا اسی طرح اس کے عکس کو سمجھ لو (کہ ایمان بھی بدون اسلام کے نافع نہیں ہوتا)

ناخن ایمان ۔۔۔ ۵۱

Marfat.com

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام اور ایمان آپس میں لازم وملزوم ہیں تو دین سے یہاں دونوں ہی مراد ہیں، اب اسکی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی سہولت کو بیان کیا جائے " بس ایمان کے آسان ہونے کیلئے تو جاریہ کی مشہور حدیث کافی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پھر پوچھا اور میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں"، اس پر حضور نے اسکے مالک سے فرمایا اسکو آزاد کر دو یہ مؤمنہ ہے"، تو (دیکھو) حضور نے اسکو اتنی بات پر مؤمنہ قرار دیا کہ اس نے آپ کے رسول ہونیکا اقرار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کو موجود اور قاہر وحاکم مان لیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا اور اہل عرب بلندی ورفعت کو اسی طرح ظاہر کیا کرتے ہیں اور بلندی ورفعت کیلئے قہر وغلبہ لازم ہے (تو آسمان کی طرف اشارہ کرکے اس نے اللہ تعالیٰ کے قاہر وغالب ہونے کا اقرار کیا تھا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان میں ہیں جیسا بعض ملحدوں نے سمجھا ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا، اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہیں
کیونکہ لغت (اور محاورہ) عرب کے موافق حدیث کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا، اور ۵۲
اسی حدیث کی بنا پر بعض اہل سنت نے فرمایا ہے کہ جو شخص (اللہ تعالیٰ کی) بعض صفات سے ناواقف ہو وہ کافر نہیں اور یہ بات صحیح اور (بہت) صاف ہے کیونکہ اگر اس قول کو نہ مانا جائے تو عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آئے گی اور صحابہ وسلف صالحین کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نحن امۃ امیۃ لا نقرأ ولا نکتب، ہم ان پڑھ امت ہیں لکھے پڑھے نہیں ہیں" (اور جب آپ کی امت ان پڑھے ہے تو وہ ان علوم کی مکلف نہیں ہوسکتی جو پڑھے لکھوں کو بھی دشواری سے حاصل ہوتے ہیں) اور اسکے تحت میں وہ لوگ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اسکے لئے زیبا نہیں (کیونکہ ان پڑھ ہونے کا یہ اثر تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا علم نہو اور یہ اثر نہیں ہوسکتا کہ ذات باری کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جو اسکی شایان شان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت تمام قلوب میں بالخصوص مسلمانوں کے دلوں میں فطرۃً موجود ہے اسلئے جاہل سے جاہل بھی تمام عیوب سے ذات باری کو منزہ سمجھتا ہے)

Marfat.com

غرض جب ایمان کیلئے اتنی بات کافی ہے (جو حدیث جاریہ میں مذکور ہے) تو بلاشک وہ آسان ہے۔ رہا اسلام تو اسکے آسان ہونے کیلئے ضمام (بن ثعلبہ) کی مشہور حدیث کافی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اسلام کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا رات دن میں پانچ نمازیں (پڑھنا) کہا کیا میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ (نماز) ہے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے پڑھو (تو اختیار ہے) پھر حضور نے فرمایا اور رمضان کے روزے (رکھنا) کہا کیا میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ (روزے) ہیں فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے رکھو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور زکوٰۃ (دینا) کہا کیا میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ (صدقہ) ہے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے دو (اور حج کا ذکر اسلئے نہیں فرمایا کہ اسوقت تک حج فرض نہوا تھا لیکن حدیث جبرئیل میں اسلام ہی کے بیان میں حج کا ذکر موجود ہے) راوی کہتے ہیں کہ یہ شخص یوں کہتا ہوا لوٹا کہ خدا کی قسم میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ اسمیں کمی کروں گا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اپنی بات کا سچا نکلا تو فلاح کو پہونچ گیا، اور فلاح پانے والا وہ ہے جو آخرت میں اپنی مراد کو پہونچ جائے، تو جب اسلام کیلئے اتنی ہی مقدار کافی ہے ۵۳ اور اتنا کام کرنے والا بھی فلاح کو پہنچنے والا ہے تو بلاشک اسلام آسان ہے۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو دین کو دشوار سمجھتے ہیں اور اُن واعظوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو بال کی کھال نکال کر عوام کے سامنے دین کو دشوار طریقے سے بیان کرتے ہیں، باقی اسکا یہ مطلب نہیں کہ دین میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے سوا اور کوئی حکم نہیں ہے، کیونکہ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ نماز کیلئے وضو لازمی ہے اور پاکی ناپاکی کے مسائل جاننے کی بھی ضرورت ہے، نیز نماز کیلئے بدن ڈھانکنا ضروری ہے جسکے واسطے کپڑا خریدنا ہوگا تو بیع وشرار کے احکام جاننا بھی ضروری ہیں کیونکہ حرام کمائی کے لباس سے نماز قبول نہیں ہوتی، اسی طرح حج اور زکوٰۃ مالدار پر واجب ہیں اسکے لئے بھی احکام مال کا جاننا ضروری ہے کیونکہ حرام مال سے نہ حج قبول ہوتا ہے نہ زکوٰۃ، مگر ان احکام کا جاننے کچھ دشوار نہیں ہے کیونکہ بحمد اللہ ہر زمانہ میں علما موجود رہتے ہیں اور ہر بستی کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی بستی میں ایک عالم ضرور رکھیں تو اس سے پوچھ پوچھ کر سارے احکام معلوم ہوسکتے ہیں ہر شخص کو کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں، اور اگر کوئی یوں چاہے کہ بدون علما سے دریافت کیے ہی دین آجائے

تو اس طرح تو نماز بھی نہیں آسکتی،، بلکہ دنیا کا کوئی کام بھی بدوں کسی اُستاد کے نہیں آسکتا،، اگر پوچھنے اور سیکھنے ہی کا نام دشواری ہو تو دین سے زیادہ دنیا دشوار ہے خوب سمجھ لو۔

ف محققین صوفیہ بالخصوص مجددین امت کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ دین کو آسان سے آسان صورت میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی دامت برکاتہم وطال بقاءہم نے دین کے ہر شعبہ کو بالخصوص طریق سلوک کو جس آسان صورت میں ظاہر فرمایا ہے غالباً اسکی نظیر صدیوں سے نہ دیکھی گئی ہوگی۔

ف اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے درحقیقت انہی میں سارا دین موجود ہے بشرطیکہ ان کو صحیح طور سے ادا کیا جائے، اگر ایمان کامل کے ساتھ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و حج ہی کو ہم اچھی طرح ادا کرنے لگیں تو بخدا انہی سے ہمارے اخلاق بھی مہذب ہو جائیں معاملات بھی درست ہو جائیں اور دلوں کے کھوٹ بھی نکلجائیں، مگر افسوس یہ ہے کہ ہم ان کو اچھی طرح ادا نہیں کرتے صرف نام کر دیتے ہیں تو ہمارا دین بھی برائے نام ہی ہوتا ہے،، ان ہی چیزوں کو اچھی طرح ادا کرنیکا نام تصوف ہے جسکو نہ معلوم لوگوں نے کیا سے کیا سمجھ لیا ہے،، ۵۴

(۱۴) حدیث کا یہ لفظ کہ،، ہرگز کوئی سختی کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کریگا مگر دین ہی اسکو ہرا دیگا،، اس بات کو بتلاتا ہے کہ جو شخص دین میں اتنی محنت کرے جو مبالغہ کی حد کو نہ پہونچے تو وہ اس ممانعت سے خارج اور قسم محمود میں داخل ہے کیونکہ یہ تو (درحقیقت) دین کی مضبوطی اور ہمت اور درجات کی بلندی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیر،، مضبوط مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں،، اس حدیث نے بتلا دیا کہ ضعیف کا درجہ قوی سے کم ہے، اگرچہ ضعیف کو بھی اتنی خیر حاصل ہے جو اُسکی خلاصی کیلئے کافی ہے جبکہ ایمان کی اُس مقدار کو پورا کر دے جسکے بدون چارہ نہیں،، جیسا اوپر بیان کیا گیا،، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی باوجود ضعیف ہونے کے افضلیت (اور بہتری) سے خارج نہیں کیا، مگر اس مضمون سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ (دین میں) مطلوب کمال ہی ہے جس کا نام قوت اور ترقی ہے،، ہاں اگر کوئی شخص درجۂ کمال سے عاجز ہو تو اُسکو کسی قدر نیچے درجہ کی طرف لوٹنا چاہیے جو اُسکی طاقت (اور

مجاہدہ اگر مبالغہ اور مغالبہ کی حد تک نہ ہو تو ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے

Marfat.com

ہمت) کے مناسب ہو، اور درجۂ کمال حاصل کرنے میں مبالغہ اور مغالیہ کی حد سے بچنا چاہیے کیونکہ (اس صورت میں) دین اسکو ہرادیگا جیسا اوپر بیان کیا گیا، مثلاً اگر کوئی شخص ایمان اور اسلام میں جو کہ دین کے دو پہلو ہیں تعمق (اور تکلف) سے کام لے تو یقیناً دین اسکو عاجز کردیگا کیونکہ اسکی عمر ختم ہوجائیگی اور دونوں میں سے کسی ایک کا دسواں حصہ بھی پورا نکر سکیگا، مثال کے طور پر ایمان ہی کو لیلو اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ بغیر تقلید کے (اپنی عقل سے) ایمان حاصل کرنا چاہیئے اور اسکے بعد وہ استدلال واستنباط (اور دلائل ومقدمات کی چھان بین) میں مشغول ہو تو اسکی عمر ختم ہوجائے گی اور مقصود تک نہ پہونچ سکے گا، چنانچہ اس مقام پر رئیس المحققین ابوالمعالی (ابن الجوینی) رحمۃ اللہ نے بھی عجز کا اقرار کرلیا ہے، معتبر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اہل اسلام کو اور ان کے علوم (نقلیہ) کو (ایک طرف) چھوڑ کر بڑے سمندر میں قدم ڈالا (یعنی تحقیق عقلی کے سمندر میں داخل ہوا) اور اس مقام پر غوطہ لگایا جس سے مسلمانوں کو (شریعت میں) منع کیا گیا ہے (یعنی ذات وصفات باری کی تحقیق عقل سے شروع کی) اور یہ سب کچھ اسلئے کیا کہ میں تقلید سے بھاگتا اور خود (اپنی عقل سے) حق کو پانا چاہتا تھا مگر اب میں ان سب باتوں سے ہٹکر سچی بات کی طرف واپس آگیا ہوں (کہ تحقیق عقل سے حق کو کوئی نہیں پاسکتا بلکہ اتباع رسول ہی سے پاسکتا ہے) اور ابن جوینی کا ناس ہو (یہ خود اپنی بابت فرمارہے ہیں کہ میں نے فضول وقت ضائع کیا) تو جب رئیس المحققین کا یہ قول ہے جس نے بغیر تقلید کے حق کو معلوم کرنا چاہا تھا اور اسکو اپنے عجز کا اقرار ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ان کے بعد اس قسم کا ارادہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے جو حقوق بندوں پر ہیں۔ ان کو پوری طرح ادا کرنا چاہیے تو اسکی عمر ختم ہوجائے گی اور اس کا دسواں حصہ بھی نہ ادا کرسکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتے ہیں یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا ان سے ڈرنے کا حق ہے، اور یہ وہ چیز ہے کہ انسان اس کا تھوڑا سا حصہ ہی ادا کرکے رہ جاتا ہے (پورا تو اس سے کیا ادا ہوگا) اور اسکی توضیح کیلئے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ انھوں نے رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اسکی

55

Marfat.com

طاقت نہیں، یہ تو دین کی دو باتوں کی حالت ہے (کہ انسان ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا) تو دین کے بقیہ اجزاء کو عظمت (خداوندی) کے لائق کیونکر ادا کر سکے گا، پس لامحالہ اس پر یہ بات صادق آگئی کہ دین اسکو ہرا دیگا، تو خلاصی کا طریقہ اور بہتر صورت یہی ہے کہ (دین کا) درجۂ کمال اس طرح حاصل کیا جائے کہ زیادہ مبالغہ نہونے پائے، چنانچہ ایمان میں تو اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے یقین اور تصدیق کے ساتھ شریعت کے موافق ایمان حاصل کیا جائے اور (دل سے) تمام شکوک (وشبہات) کو دور کیا جائے، جب یہ بنیاد مضبوط اور پختہ ہو جائے تو اسکے بعد دلائل (توحید) میں اس طریقہ سے غور و فکر کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم کیا ہے کہ آسمان اور زمین کی مخلوقات میں تامل کرے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل قائم ہو، اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کو انکی مختلف حالتوں کو سورج کو اور چاند کو اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کو اور اسکے سوا دوسری باتوں کو (جو ان کے اندر پائی جاتی ہیں) غور سے دیکھیے، نیز زمین کے
مختلف حصوں میں غور کرے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کے مختلف قطعات آس ۵۶
پاس ہیں اور انگوروں کے باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جنمیں سے بعضی اوپر جاکر دو تنے والی ہو جاتی ہیں اور بعضی ایک ہی تنہ کی رہتی ہیں (تو کیا یہ قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں کہ ایک ہی زمین سے کہیں کچھ پیدا ہو رہا ہے کہیں کچھ؟ یہی زمین کی مٹی کہیں انگور بنجاتی ہے، کہیں انار؟ کسی جگہ پھول بنجاتی ہے کسی جگہ گیہوں اور جو کوئی زمین عمدہ ہے کوئی بنجر) اسیطرح پانیوں کو دیکھو کوئی شیریں ہے کوئی شور، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا عذب فرات سائغ شرابہ وھذا ملح اجاج، ومن کل تاکلون لحما طریا وتستخرجون حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک فیہ مواخر، یہ ایک پانی تو میٹھا ہے اور بہت شیریں جسکا پینا خوشگوار ہے اور دوسرا پانی نمکین ہے اور بہت تلخ اور ہر ایک سے تم (مچھلی کا) تازہ گوشت کھاتے اور (موتیوں کا) زیور نکالتے ہو جو تمھارے پہننے کے کام آتا ہے اور تم اسمیں کشتیوں کو پانی چیرتے ہوئے چلتی دیکھتے ہو، اسی طرح زمین کے پھلوں میں غور کرو اور ان کے مزوں کا اختلاف دیکھو حالانکہ انکو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ایک ہی قطعہ میں اگتے ہیں (مگر اسپر بھی کوئی پھل میٹھا ہے کوئی کھٹا

(باقی آئندہ)

Marfat.com

کسی کا رنگ کیسا ہے کسی کا کیسا ؟) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تسقیٰ بماء واحد ونفضل بعضھا علیٰ بعض فی الاکل کہ بعضے پھل ایک ہی پانی سے (ایک ہی قطعہ زمین میں) سیراب کئے جاتے ہیں مگر ہم ایک کو دوسرے پر مزے میں فوقیت دیدیتے ہیں، استدلال ونظر (وفکر) کا یہ طریقہ کمال ایمان (حاصل کرنے) کیلئے کافی ہے جیسا ہمنے اوپر اشارہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل (ابراہیم) علیہ السلام کو علم الیقین عطا کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا چنانچہ فرماتے ہیں وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین اور ہم اسی طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات دکھلاتے تھے تاکہ (وہ ان میں غور کریں) اور یقین والوں میں سے ہوجائیں، اور اسی علم کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے تعلموا الیقین فانی اتعلم یقین کا درجہ حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں۔ اب جو شخص اس حد سے جو علم الیقین تک پہونچا دینے کیلئے کافی ہے آگے بڑھنا چاہے وہ مبالغہ کی حد میں داخل ہوگا جو اسکی طاقت سے باہر ہے پس

۵۷ لامحالہ دین اسکو ہرا دیگا، یا تو اس وجہ سے کہ دلائل بکثرت ہیں اور (عمر کا) زمانہ کم ہے، یا اس وجہ سے کہ اسکو (دلائل میں) شک اور شبہ پیش آجائیگا (تو علم الیقین حاصل نہ کرسکے گا) اور اسلام میں (مبالغہ کی حد سے بچنے کی) صورت یہ ہے کہ اول فرض کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کرے، جب اسمیں کامیاب ہوجائے تو اپنی ہمت کے موافق مستحبات میں مشغول ہو اور کسی ایک واجب یا ایک مستحب میں اتنا غلو نہ کرے کہ دوسرے میں خلل ڈالدے، کیونکہ اعمال میں مبالغہ کی یہی صورت ہے جس کا انجام خسارہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے دستگیری فرمائیں اور توبہ کی توفیق دیدیں"

اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک دن ملے اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں ؟ فرمایا میں عقل کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں (یعنی مجھکو ایسی شریعت دیگئی ہے جسپر چلنے کیلئے عقل وفہم کی ضرورت ہے) عرض کیا یارسول اللہ! اور ہمارے پاس (اتنی) عقل کہاں ہے ؟ فرمایا عقل کی تو کوئی حد نہیں ہے (اور عقل کامل کا حاصل کرنا واقعی دشوار ہے) لیکن جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اسکو عاقل کہا جائیگا، پھر اگر اسمیں کوشش کرتا رہا تو اسکو عابد

Marfat.com

کہا جائیگا، اور اگر عبادتمیں کوشش کرتا رہا تو اسکو جواد (اور باہمت) کہا جائیگا (اس سے معلوم ہوا کہ عبادتمیں کوشش اُسی وقت محمود ہے جبکہ علم اور عقل کیساتھ ہو) اب اگر کوئی شخص بدون عقل کی رہنمائی کے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے اتباع و احتیاط کا پتہ دیتی ہے عبادتمیں کوشش کرنے اور نیک کاموں میں جوانمردی دکھلانے لگے تو یہ اُن لوگوں میں داخل ہوگا جنکی کوشش دنیوی زندگی ہی میں برباد ہو گئی ہے مگر وہ یہی گمان رکھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں" (کیونکہ ایسا شخص اپنی بیعقلی کی وجہ سے یقیناً عبادتمیں گڑبڑ کریگا اور بعض دفعہ کسی ایک مستحب کیلئے بہت سے فرائض و واجبات کو برباد کر دیگا) اسی طرح اگر کوئی یہ چاہے کہ تمام عبادات کو ہر پہلو سے پوری طرح حد کمال پر پہونچا دے تو یہ بھی مبالغہ اور غلو میں مبتلا ہو کر دین سے ہار جائیگا دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ بندہ اس سے عاجز ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت دوڑنے والا نہ راستہ طے کرتا ہے نہ سواری کو زندہ چھوڑتا ہے،، کیونکہ طاقت بشریہ اسکی متحمل نہیں ہے (کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں ایک ہی حالت پر رہے تو یقیناً زیادہ محنت سے اسکی صحت
برباد ہو گی اور ایک دن بالکل بیکار و معطل ہو جائیگا) دوسرے یہ کہ بعض دفعہ ایک ہی وقت ۵۸
یا اکثر اوقات میں بہت سے واجبات اور متعدد مستحبات اسکے سامنے جمع ہو جائیں گے اور یہ اُن سبکو ادا نکر سکے گا بلکہ کسی ایک ہی کو بجالائیگا اسوقت اسوجہ سے کہ اس نے اپنے دل میں ایک بات ٹھان لی تھی (کہ دین کا پورا حق ادا کرونگا) دین اس (پر غالب ہوگا اور اس) کو ہرا دے گا بس دین میں کمال کی یہی صورت ہے کہ اول اُن چیزوں کو لے جنکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور بقیہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا جائیگا، انشاء اللہ تعالیٰ،، اُس کے موافق عمل کرے (قولہ الوجہ الثانی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولن یشاد الدین احد الی قولہ علی ما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو مجاہدہ کو مطلقاً مذموم سمجھتے اور صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں، اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ مجاہدہ اُسی وقت مذموم ہے جبکہ حد اعتدال سے خارج اور مبالغہ میں داخل ہو ورنہ محمود اور مطلوب ہے، اور بدون مجاہدہ کے کمال دین حاصل نہیں ہو سکتا جیسا حدیث اول کی شرح میں تفصیل سے بیان ہوا ہے،،

Marfat.com

ف نیز اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو دلائل عقلیہ فلسفیہ سے ذات وصفات باری کو معلوم کرنا چاہتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ اس طریقہ سے ایمان کامل حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ سیدھا راستہ وہی ہے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ اول تقلید سے شریعت کے موافق عقائد کو پختہ اور صحیح کیا جائے اسکے بعد ملکوت سموات ومخلوقات ارض میں تامل وتفکر کیا جائے، اور واقعہ یہ ہے کہ جب سے اسلام میں فلسفہ آیا ہے اسی وقت سے مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری آگئی اور وہ جوش مذہبی ٹھنڈا ہوگیا جو اسلاف میں کامل درجہ پر تھا،

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے، مگر سلامت عقل فلسفہ یا سائنس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عقلاء کی صحبت اور شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جب انسان شریعت پر چلنا شروع کرتا ہے تو عمل کی برکت سے اُس پر تمام احکام کی حکمتیں منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں، جسکو شک ہو وہ اہل عقل یعنی حضرات صوفیہ کرام کی صحبت میں رہ کر اور اُن کی تعلیم پر عمل کر کے تجربہ کرلے۔

۵۹ **ف** انسان کو اسکی کوشش نکرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے لائق عبادت ہو بلکہ یہ کوشش کرنا چاہیے کہ اپنی ہمت اور طاقت اور شان بشریت کے مطابق کام ہو جائے، شان خداوندی کے لائق کون کام کر سکتا ہے؟ اور کس سے یہ حق ادا ہو سکتا ہے؟ **۵**

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش، عذر بدرگاہ خدا آورد،

ورنہ سزاوار خداوندیش، کس نتواند کہ بجا آورد،

حدیث میں ہے اللّٰھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک، اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام طاقت وہمت کے موافق کام کرنے کے بعد بھی اپنی عبادت کو کسی درجہ میں شمار نکرتے تھے بلکہ ہمیشہ تقصیر کا اعتراف کرتے رہتے تھے کیونکہ شان ربوبیت کا پورا حق کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا، اور یہی وہ چیز ہے جس نے بڑے بڑے عابدین وزاہدین کو حد تواضع وعجز سے باہر نہیں جانے دیا، ہاں کوئی ابلیس کی طرح نادان ہو تو وہ بیعقلی اور حماقت کی وجہ سے اپنی عبادت پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ ناز اسکو برباد وتباہ کر دیتا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

(**۶۲**) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فسددوا وقاربوا سیدھے چلو اور قریب

قریب رہو، اسمیں دو احتمال ہیں، ممکن ہے کہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہو اور ممکن ہے کہ ہر لفظ جدا
معنی کیلئے ہو، پہلی صورت میں تو دونوں کا حاصل یہ ہے کہ متوسط حالت کو اختیار کیا جائے اور دوسری
صورت میں سیدھا چلنے کا تو یہی مطلب ہوگا کہ درمیانی حالت پر رہا جائے اور درمیانی حالت یہی
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی کہ، روزہ
بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو اٹھو بھی اور سوو بھی، کیونکہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور
تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، اسکے بعد عموم کیساتھ یوں فرمایا واعط لکل ذی حق حقہ
ادہر حقدار کو اس کا حق پہونچاؤ، پس سیدھا چلنا تو یہ ہوا کہ انسان تمام امور میں اسی قاعدہ پر چلے جو
فرائض و مستحبات کیلئے مقرر ہے نہ کسی ایک جانب میں فنا ہو نہ دوسری جانب میں کوتاہی کرے اور
قریب قریب چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حد اعتدال پر نہ رہ سکے اور کسی عذر کی بنا پر اس سے عاجز
ہو تو وہ اس کے قریب قریب ہی رہے، کیونکہ قریب کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہے مگر شرط یہ
ہے کہ قریب قریب رہنے کی حالت میں کسی واجب کے اندر خلل واقع نہ ہو کیونکہ واجب میں کوتاہی
کرنا کسی حال میں) جائز نہیں اور کوئی مستحب اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا بلکہ کسی کو حد اعتدال ۶۰
کے قریب اسی وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ واجبات کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کر چکا ہو اسکے بعد اپنی
استطاعت کے موافق کسی مستحب میں مشغول ہوا ہو، مگر کسی عذر کیوجہ سے جیسے بیماری وغیرہ حد
اعتدال تک پہونچنے سے رہ گیا ہو، اس صورت میں کہا جائیگا کہ یہ اعتدال کے قریب ہے،، اللہ تعالیٰ
شانہ نے اپنی کتاب میں ان دونوں جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی ان کا بھی جو حد اعتدال پر قائم
رہتے ہیں اور ان کا بھی جو قریب قریب چلتے ہیں، چنانچہ پہلی جماعت کے بارہ میں ارشاد ہے۔
والسابقون السابقون اولئک المقربون اور سبقت کرنے والے تو سبقت ہی کرنے والے
ہیں یہ لوگ مقرب ہیں،، اور دوسری جماعت کے متعلق جو اس درجہ کو نہیں پہونچ سکے مگر قریب
قریب رہے ارشاد ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا
کریما اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو جنسے تمکو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی خطاؤں سے
چشم پوشی کریں گے اور تمکو عزت کے درجہ پر پہونچا دیں گے۔ ہم اس مضمون کو یعنی درجۂ اعتدال
اور اس کے قریب درجہ کو ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتے ہیں تاکہ جلدی سمجھ میں آجائے، مثلاً

Marfat.com

کوئی طالب طلب علم کیلئے آوے اور اس بات کی کوشش کرے کہ عالم بنکر علماء میں داخل ہوجائے، تو اگر وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوگیا تو سبحان اللہ، وہ تو اہل کمال میں داخل ہوگیا یہ تو حد اعتدال ہے، اور اگر اسمیں ناکام رہا تو اسکو علم کا کچھ حصہ اپنی ہمت کیموافق حاصل کرلینا چاہئے جاہل نہ رہنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس صورت میں یہ شخص حد اعتدال سے تو عاجز رہا مگر اسکے قریب رہا، اسیطرح نفل عبادت میں فرائض کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد مشغول ہو، اب اگر اتنی ہمت ہو کہ عابدین میں شامل ہوجائے تو ہمت کرے (اور عابد زاہد بنجائے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالی کی طرف سے فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے. یہانتک کہ میں اسکو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں ~~جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ~~ بنجاتا ہوں جس سے کام کرتا ہے (یعنی اب میں اس کے تمام اعضا کی حفاظت کرتا ہوں کہ ان سے

۶۱ کوئی کام میری مرضی کے خلاف ہونے نہ پائے بلکہ جو کام ہو میرے حکم کے تحت میں ہو)، اور اگر عابدین کے درجہ میں داخل ہونے سے عاجز ہو تو نفل عبادت کیلئے کچھ حصہ ... اپنے کو اس سے بالکل کورا نہ رکھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کی نماز کو (اول) دیکھا جائیگا اگر پوری ہوئی تو خیر اور اگر کچھ کمی رہی تو اللہ تعالی (فرشتوں سے) فرمائینگے دیکھو اگر اسکے پاس کچھ نفل نمازیں ہوں تو فرائض کی کمی کو ان سے پورا کردو. اسی طرح تمام فرائض کے ساتھ معاملہ ہوگا کہ جس فرض میں کمی رہی ہوگی اسکی ہم جنس نفل سے کمی کو پورا کردیا جائیگا، تو جو شخص محض فرائض ہی پر اکتفا کرے اور قرب کے اس مرتبہ کو بالکل چھوڑدے جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے تو اسکو یہ اندیشہ ہے کہ (قیامت میں) فرائض کی کمی پوری نہو اور عذاب کا مستحق ہوجائے، اس مضمون پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خواب دیکھا (جو حدیث میں پورا بیان کیا گیا ہے) جس کا ایک جزو یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جا رہا ہے (یا اس کے سر کو لوہے کی کنگھی سے چیرا جا رہا ہے) حضور نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا گیا یہ وہ شخص ہے جسکو اللہ تعالی نے قرآن کا علم دیا تھا تو یہ رات کو اس سے (غافل ہوکر) سوتا رہا اور

Marfat.com

اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کرتے ہیں اور اسکی رضا کے طالب ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی (سیکویہ) ارشاد فرمایا ہے اذکرنی ساعۃ بعد الصبح وساعۃ بعد العصر اکفک ما بینھما، کہ اے ابن آدم! تو مجھے کچھ دیر صبح کے بعد اور کچھ دیر عصر کے بعد یاد کرلیا کر! تو ان دونوں کے درمیانی حصہ کا تیرے لئے میں خود ضامن ہونگا اور رات کا آخری حصہ بھی ایسا ہی ہے کہ اسوقت ہمیشہ بدن میں زیادہ قوت ہوتی ہے کیونکہ نیند اور غذا (کے ہضم) سے راحت (وآرام) لے چکتا ہے (اور اسوقت دل کو یکسوئی اور نشاط بھی زیادہ ہوتا ہے) اور اسکی فضیلت بھی بہت وارد ہوئی ہے، جسمیں سے ایک یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا پروردگار ہر رات اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان اول کی طرف نزول فرماتا اور (بندوں کو اس طرح خطاب) فرماتا ہے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کردوں، کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اسکی توبہ قبول کروں پس جب اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں اس طرح (بندوں کو) پکارتے ہیں تو اب یہ محال ہے کہ اسوقت کوئی دعا کرے یا توبہ یا استغفار کرے اور اسکی درخواست رد ہوجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے،، اور یہاں نزول سے مراد فضل واحسان ورحمت کیساتھ متوجہ ہونا ہے حلول یا انتقال (مکانی) کیساتھ نزول مراد نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں) اور استعانت بالعمل کا یہ مطلب ہے کہ ان اوقات کو مختلف قسم کی طاعات سے آباد کیا جائے، اور جب یہ اوقات طاعات میں مشغول ہوں گے تو اب صرف وہی اوقات باقی رہ جائیں گے جو راحت کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے یاایھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلوۃ العشاء ثلث عورات لکم اے ایمان والو! تمھارے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو تین وقتوں میں اجازت لیکر آنا چاہیئے۔ (۱) فجر کی نماز سے پہلے (۲) اور جب دوپہر کو تم اپنے کپڑے اتاردو، (۳) اور عشا کی نماز کے بعد یہ تین اوقات تمھارے پردہ کے ہیں،، پس اب اس حدیث کا مطلب ایسا ہی ہوا جیسا رسول اللہ

(باقی آئندہ)

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے روحوا القلوب ساعۃ بعد ساعۃ کہ (اپنے) دلوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد راحت دیا کرو، مگر اس حدیث میں جسکی ہم شرح کر رہے ہیں حضور نے اُن اوقات کی تعیین بھی فرمادی ہے جو عبادت کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں یعنی ان کی عبادت دوسرے اوقات کی عبادت سے افضل قرار دی گئی ہے (قولہ فی الوجہ الاول لوجہ الخامس قولہ علیہ السلام واستعینوا بالغدوۃ الی قولہ ای جعلت العبادۃ فیہا افضل من سائر الاوقات)

ف حضرات صوفیہ کو ان اوقات میں عبادت وذکر کا خاص اہتمام ہے جیسا جاننے والے جانتے ہیں کیا اب بھی طریق صوفیہ کا انکار کیا جائیگا ؟

ف - اس حدیث سے اور اسکی شرح میں جو احادیث مذکور ہوئی ہیں اُن سے محققین صوفیہ کی تائید ہوتی ہے جو عبادات ومجاہدات میں اعتدال کی تعلیم فرماتے اور مبالغہ اور غلو سے منع فرماتے ہیں کیونکہ غلو کا انجام تعطل ہے یا ایک مستحب کیلئے بہت سے واجبات وفرائض کو برباد کرنا"

(۴۴) ہماری تقریر سے دو باتیں مستنبط ہوئیں ایک یہ کہ نفس کے نشاط اور فراغ (و یکسوئی) کو غنیمت سمجھنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ایک حدیث میں اسکو صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اغتنم خمسا قبل خمس وعد فیہا فراغك قبل شغلك وصحتك قبل سقمك کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو انہی میں یہ ہے کہ فراغت کو مشغولی سے پہلے اور تندرستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو دوسرے یہ کہ وقت کے حسن واعتدال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے کیونکہ اس سے عبادت میں مدد ملتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابردوا بالصلوٰۃ (کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کی) نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو" (قولہ فی الوجہ الخامس من الوجہ الاول فعلی ماذکرنا من التعلیل یترتب علیہ من الفقہ وجہان الی قولہ ابردوا بالصلوٰۃ)

ف - فراغ ویکسوئی اور اوقات نشاط کو غنیمت سمجھنا اور اس کا اہتمام کرنا حضرات صوفیہ کا خاص مذاق ہے ؎ بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے + بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے ۱۲

(۴۵) اسوقت تک پہلی وجہ کے موافق گفتگو تھی اب دوسری وجہ کے موافق حدیث کی شرح کرتے ہیں وہ یہ دین کے آسان ہونے سے یہ مراد ہو کہ جن اعمال کے بجالانے پر نجات کا وعدہ اور خلاصی پانے کی ضمانت ہے وہ آسان ہیں (کیونکہ یہ اعمال صرف وہ ہیں) جو تم پر فرض کئے گئے ہیں اس بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے اس ارشاد کا ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کہ سختی کے ساتھ ہرگز کوئی دین کا مقابلہ نہ کرے گا مگر دین اسکو ہرا دیگا ، یہ مطلب ہوگا کہ مستحبات میں اتنا غلو نہ کرو کہ فرائض میں خلل واقع ہو جائے تو (اس صورت میں) دین تمکو ہرا دیگا (اور دینداری کا درجہ نہ پا سکوگے) جیسا بعض لوگ ایک طرف سے کسی ایک مستحب ہی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور دوسری طرف واجب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اسی طرح بعض کو پاکی (ناپاکی) میں ایسا وسوسہ (اور وہم) دامنگیر ہو جاتا ہے کہ آخر کار فرائض میں کوتاہی ہونے لگتی ہے (مثلاً نماز کا وقت جا رہا ہے یا جماعت فوت ہو رہی ہے اور اس وہمی کا وضو ہی پورا نہیں ہوتا) اسی طرح بقیہ عبادات نافلہ کا حال ہے کہ اگر ان میں تعمق (اور تکلف) سے کام لیا گیا تو فرائض میں خلل واقع ہوگا اس صورت میں دین اس پر غالب ہوگا (اور یہ ہار جائیگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جو اصل چیز تھی اسی کو اس نے بگاڑ رکھا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ جڑ کو کمزور کر کے شاخ سے قرب حاصل کیا جائے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں کہ قرب حاصل کرنے والے کسی چیز سے بھی ہرگز میرے مقرب نہیں بن سکتے جو فرائض سے زیادہ مجھے محبوب ہو اسکے بعد بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ۶۶
اور جب اسکو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ بنجاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے ،،

اسمیں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ (طالب کو) سلوک اور ترقی (باطن) میں تدریج کیساتھ بڑھنا چاہیئے ، اور پہلے ہی (قدم پر) رات دن عبادات نافلہ میں سختی کیساتھ مشغول ہونے سے روکنا چاہئے جو شخص ابتدائی حالت میں ایسا کریگا یقیناً دین اسکو ہرا دیگا ، کیونکہ جو راستہ اس نے اختیار کیا ہی (نفس) ابھی اس کا عادی نہیں ہوا ہے ، چنانچہ روایت کیا گیا ہے کہ (حضرت) عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ایک دن) صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ (رضی اللہ عنہ) کو نہ پایا دوسرے دن انکی والدہ ام شفا پر گذر ہوا تو ان سے دریافت کیا کہ میں نے سلیمان کو صبح (کی نماز) میں نہیں دیکھا (کیا بات ہے) کہا وہ رات بھر نماز پڑھتے رہے پھر نیند غالب ہو گئی (اسلئے جماعت سے رہ گئی) حضرت عمر رضی نے فرمایا کہ مجھے تو صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنا قیام لیل سے زیادہ محبوب ہے ، تو دیکھو حضرت عمر نے جماعت کی نماز کو رات بھر کے تہجد سے افضل قرار دیا حالانکہ قیام لیل میں جتنی مشقت ہے معلوم ہے مگر

Marfat.com

چونکہ رات کو اٹھنا مستحب تھا اور اسکی وجہ سے فرض کی ایک فضیلت[۵] میں خلل واقع ہوا تو حضرت عمرؓ نے اسکو پسند نفرمایا (بلکہ کراہت ظاہر کی) اگر وہ رات کے ایک حصہ میں نفلیں پڑھتے اور ایک حصہ میں سورہتے اور نماز جماعت سے ادا کرتے تو درجہ کمال حاصل کرلیتے اور کسی (ضروری) فضیلت میں نقصان واقع کرکے مغلوب ہوتے، غرض جب آدمی اپنے نفس کیساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور عبادات نافلہ کا (تدریجاً) اپنے کو عادی بنائے یہانتک کہ جتنا کام اُس نے اختیار کیا ہے وہ اسکی عادت (اور طبیعت ثانیہ) بنجائے تو عبادت اسکے لئے آسان ہوجائے گی اور انتہائی درجہ پر پہونچکر بھی اسے کچھ مشقت (معلوم) نہوگی بلکہ ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا اس نے کچھ بھی زیادہ کام نہیں کیا۔ چنانچہ (حضرت) سماد رحمۃ اللہ سے جو (مؤلف) رسالہ کے مشائخ میں سے ہے منقول ہے کہ اُن کی نفل عبادت اس درجہ کو پہونچ گئی تھی کہ وہ اپنی دکان میں خرید و فروخت کرنے کیساتھ روزانہ ہزار رکعتیں پڑھ لیتے تھے"

اور اس بنا پر فسددوا و قاربوا میں قاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمت کے قریب رہو یعنی جان توڑ کے کوشش نکرو جو مبالغہ کی حد کو پہونچ جائے ورنہ دین تمکو عاجز کردیگا، اور سددوا ٦٧ کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کی کوشش اپنی جسمانی طاقت و ہمت اور مزاج کے موافق ہونا چاہیئے اور اسی بات (کی رعایت نکرنے) کی وجہ سے بہت سے عابد تباہ ہوگئے ہیں" کیونکہ وہ شروع ہی سے اُن اہل نہایت (کاملین) کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں جو ان کے مثل نہیں ہیں (بلکہ ان سے اعلیٰ درجہ پر ہیں مگر یہ لوگ) انہی جیسے کام کرتے اور اُنہی کے طریقہ پر چلنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی ہی (کام کو جواب دیکر) رہ جاتے ہیں کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جسکی مشابہت (اور برابری) کا اُنھوں نے ارادہ کیا تھا وہ طاقت جسمانی اور اعتدال مزاج میں ان سے بڑھا ہوا تھا اور (اگر برابر یا کم بھی تھا تو) اُس نے تدریجی ترقی سلوک کیساتھ اپنے کو اس درجہ کا عادی بنایا تھا جو اسوقت اسکو حاصل ہے یہانتک کہ عبادت کا یہ درجہ اُس کی عادت (ثانیہ) اور مزاج بنگیا جیسا حضرت سماد کا واقعہ ہمنے بیان کیا ہے اور اسی لئے یمین بن رزق رحمہ اللہ نے جو دونوں طریقیں

---

[۵] حنفیہ کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ قریب واجب کے ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک سنت ہے، چونکہ شارح مالکی ہیں اسلئے جماعت کو فضیلت کے درجہ میں رکھا ورنہ حنفیہ کے نزدیک اس کا درجہ فضیلت سے زیادہ ہے ۱۲ ظ۔

Marfat.com

کے امام تھے فرمایا ہے کہ اے مبتدیو! تم منتہیوں کی مشابہت (اور برابری) سے بچو اور بہت بچو کیونکہ وہاں ایسے مقامات ہیں کہ تم اُن میں (ابھی) پختہ نہیں ہوئے ہو۔

پس اب وہ طریقہ جس سے مبتدی انشاء اللہ مقصود کو پہونچ سکتا اور کامیاب بن سکتا ہے یہ ہے کہ اول پانچ نمازوں کو جو اس پر فرض ہیں اور آسان بھی ہیں واجبات اور مستحبات کی ساتھ پختگی سے ادا کرے، اُنکی (پوری) محافظت (اور مداومت) کرے، جب یہ اُسکی طبیعت ثانیہ بنجائے تو اسکے بعد نرمی اور اعتدال کے ساتھ نوافل شروع کرے جیسا ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ (قولہ فی الوجہ الثالث من الوجہ الثانی ولن یشاد الدین احد الا غلبہ ای لا تو غلوا فی المندوبات الی قولہ فی الوجہ الرابع منہ علی ما اشرنا الیہ فی النوافل)

ف - بعض لوگ صوفیہ کے مجاہدات وریاضات وکثرت عبادات کو دیکھکر اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ یہ مبالغہ کی حد میں داخل ہے اور بدعت ہے اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ حد مبالغہ اور بدعت میں وہ کثرت عبادت وریاضت داخل ہے جو نفس پر زیادہ مشقت کا سبب ہو اور اگر کوئی تدریجاً عبادت میں ترقی کرے کہ نفس کو زیادہ مشقت نہو اور حقوق واجبہ میں بھی خلل نہو تو یہ ہرگز بدعت نہیں کیونکہ ۶۸
حضرات صحابہ اور تابعین میں بھی بعض حضرات نے بہت زیادہ عبادت وریاضت کی ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے بھی ایسے واقعات منقول ہیں، بھلا جسکی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہو، جسکو عبادت میں بجائے مشقت وکلفت کے حلاوت وطمانینت حاصل ہوتی ہو اور حقوق واجبہ کا ادا کرنا راحت قلب کا سبب ہو اور اُسمیں کوتاہی کرنے سے دل بےچین ہو جاتا ہو اسکے لئے کثرت عبادت وریاضت کو کیونکر مذموم کہا جا سکتا ہے؟

(۴۶) اس تفسیر کی بنا پر حضور کے ارشاد وابشروا (خوشخبری حاصل کرو) کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جب کسی نے فرض کے بعد بقدر ہمت نفل کو بھی اختیار کیا تو اُسکو ترقی کی خوشخبری حاصل کرنا چاہئے یعنی اُسکو خوش ہونا چاہئے کہ آئندہ اعمال میں اور ترقی ہوگی اسی حد پر نہ رہے گا) کیونکہ بشارت کا اول درجہ یہی ہے (کہ ترقی کی بشارت دیجائے) یہانتک کہ احوال رفیعہ اور مقامات بلند پر اپنی امید کے موافق پہونچ جائے، حقیقی بشارت وہی ہے جو آئندہ کے متعلق ہو اور (حالت موجودہ پر) جس بات کا وعدہ کسی حال پر ہوا اور حصول پر موقوف ہو وہ بشارت نہیں ہے۔

Marfat.com

کیا گیا ہو اُس کا بیان کرنا مجازاً بشارت ہے حقیقۃً بشارت نہیں ،، حقیقی بشارت کی مثال یہ ہے جو
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) کعب بن مالک کو دی تھی جبکہ (وہ غزوہ تبوک سے پیچھے
رہ جانے پر معتوب ہوئے تھے) اُن کی توبہ قبول کیگئی تو حضور نے فرمایا اے کعب! خوشخبری حاصل کرو ایسا
دن نصیب ہونے کی جو تمھاری زندگی کے تمام دنوں سے بہتر ہے ،، کیونکہ اسوقت حضور کو معلوم ہو گیا
تھا کہ اسکے بعد ان سے کوئی گناہ سرزد نہوگا اسلئے فرمایا کہ یہ دن تمھاری زندگی کے تمام دنوں سے
افضل ہے چنانچہ اسکے بعد اُن سے کوئی خطا یا مخالفت سرزد نہیں ہوئی بلکہ صدق (حال) اور عباد
(و اعمال) پر جمے رہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین حالت پر اُن کو اٹھا لیا (اور حسن مآل بدرجہ
کمال نصیب ہوا) اور اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر پہونچکر ادب کی ساتھ
اُس پر جما رہے تو وہ اُس سے اعلیٰ مقام پر ترقی کرتا ہے، اور جب تک اُسکی یہ حالت رہے گی (کہ ہر مقام
کے ادب کو محفوظ رکھے) ہمیشہ ترقی کرتا رہیگا یہانتک کہ مقامات عالیہ کی انتہا پر (اپنی لیاقت کے
موافق) پہونچ جائیگا، صوفیہ کا یہ ارشاد اس بشارت ہی پر مبنی ہے جیسا ہم نے بیان کیا ہے۔
۶۹ دوسرے یہ کہ جب آدمی فرض کو پوری طرح ادا کرتا اور جتنی نفل میسر ہو اس پر اپنے کو جمائے رکھتا اور مداومت
کرتا ہے تو خود یہ مداومت بھی ترقی ہے اور اسی پر (وہ بشارت کا مستحق) ہے، اس مطلب کی تائید رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے ارشاد سے ہوتی ہے جبکہ آپ کو دو بھائیوں کی اطلاع دیگئی جن میں
ایک دوسرے سے چالیس دن پہلے (جہاد میں شہید ہو کر) مر گیا تھا (اور دوسرا چالیس دن بعد اپنے گھر میں
بستر پر مر گیا) تو لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے کی فضیلت ظاہر کی (اور یوں کہا
کہ خدا اسکو بھی پہلے کیساتھ ملا دے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے نے جو (پہلے کے بعد)
بہت سی نمازیں پڑھی ہیں تمکو کیا خبر کہ ان نمازوں نے اُسکو کہاں پہونچا دیا نماز کی مثال ایسی ہی جیسے
کسی کے دروازہ پر آب شیریں کی لبریز نہر بہتی ہو اور وہ اُسمیں روزانہ پانچ دفعہ غوطہ لگاتا ہو تو کیا تمھارا
یہ خیال ہے کہ اُس کے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائیگا؟
اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ کسی حال پر مداومت رکھنا بھی ترقی اور زیادتی ہے اُن کا یہ ارشاد
اسی حدیث پر مبنی ہے جو ہم نے (ابھی) بیان کی ،،
(قولہ الوجہ الخامس من الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام وابشر والی قولہ عملاً یا لحق الذی ادرنا)

Marfat.com

ابتدا میں کام کا جوش ہوتا ہے پھر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

(۴۷) اس تفسیر کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ صبح کے وقت سے مدد لو یعنی چاشت کی نماز پڑھو اور شام کے وقت سے سہارا لو یعنی ظہر و عصر کے درمیان نفلیں پڑھو اور کسیقدر رات کے آخری حصہ سے مدد لو یعنی آخر رات میں تہجد پڑھا کرو اور حضور نے رات کے متعلق کسیقدر اسلئے فرمایا کہ رات کا آخری حصہ ایک ایسا جزو ہے جسکی کوئی حد مقرر نہیں کیجا سکتی، اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے درجۂ افضلیت کی تعیین ایک حدیث میں کردی ہے کہ بہترین نماز (تہجد) داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی میں نماز پڑھتے اور چھٹے حصہ میں پھر سو رہتے، تو یہ حد (اور تعیین) تو درجۂ فضیلت کی ہے (کہ جسکو فضیلت کا درجہ لینا ہو وہ ایسا کرے) مگر اسوقت درجۂ کفایت میں گفتگو ہے جس سے استعانت (اور مدد) حاصل ہو سکے (اور اس درجہ کو محدود نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رات کا اتنا حصہ ہے دسواں یا بیسواں یا کم زیادہ) اب اگر کوئی فضیلت کی صورت اختیار کر سکے تو سبحان اللہ، ورنہ درجۂ کفایت ہی کیلئے جس سے مدد اور سہارا مل سکے (حضور کا اس درجہ کی تعیین نہ فرمانا) بہت پر توسع (اور آسانی کیلئے) ہے کیونکہ یہ وقت نیند اور عذر کا وقت ہے (اس میں اگر درجۂ کفایت کو محدود کر دیا جاتا تو ہر شخص کو عمل آسان نہ ہوتا) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور ان اوقات کو مختلف قسم کی عبادات سے معمور رکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں کیونکہ اس سے مدد اور سہارا ملتا ہے اور جس چیز سے مدد ملتی ہو اسکو چھوڑنا نہیں چاہئے ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ شخص مراد کو نہ پہونچ سکے گا، اسی لئے بہتر یہ ہے کہ اول آسان (اور سہل طریقہ سے) کام شروع کرے اور اسی طرح کام کرتا رہے تاکہ استعانت اور مدد سے محروم نہ رہے پھر اگر درجۂ کمال کی ہمت پائے تو اسکو بھی ہاتھ سے نہ دے اور اگر کوئی شغل یا مرض اس سے مانع ہو تو درجۂ کفایت کو ہرگز نہ چھوڑے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لکل عابد شرۃ ولکل شرۃ فترۃ فطوبی لمن کانت فترتہ الی سنتہ، ہر عابد کو (ابتدا میں کام کا) ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش (کسی وقت) ٹھنڈا پڑجاتا ہے، پس مبارک ہے وہ جس کا جوش سنت کے موافق ٹھنڈا ہو، اور سنت کے موافق جوش کا ٹھنڈا ہونا یہی ہے جسکی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ ان تھوڑے سے وقتوں میں کچھ نفل عبادت کرلیا کرے پس اے سبحان اللہ! حضور کے ذریعہ اور

آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیسا احسان فرمایا ہے ؟
اور ہمیں اہل سلوک واہل تربیت (کے اس معمول) کی دلیل ہے کہ وہ ابتدا میں رات اور دن
کی نفلوں کو دو دو رکعت سے شروع کرنا پسند کرتے ہیں اسکے بعد جتنی ہمت اور نشاط پائے
بڑھاتا رہے (مگر ابتدا میں اپنے ذمہ دو رکعت سے زیادہ لازم نکرے) تاکہ درجہ استعانت (وکفایت)
سے محروم نہ رہے جیسا ابھی بیان ہوا،، یہانتک کہ تدریجاً مراد کو پہونچ جائے کیونکہ جو شخص ان
اوقات میں اپنی ہمت کے موافق عبادت اختیار کریگا وہ جتنا چاہے مراتب عالیہ میں ترقی
کرسکے گا اور اسکو کچھ تعب بھی نہوگا اور اس طرح وہ ہمیشہ زیادت (عبادت) کیساتھ ترقی کرتا
اور نقصان کو چھوڑتا رہیگا یہانتک کہ اس انتہائی درجہ پر پہونچ جائیگا جو انسانی حالت کا مقتضا ہے

(قولہ الوجہ السادس من الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام واستعینوا بالغدوۃ الی قولہ
الی نہایۃ ما تقتضیہ حال البشریۃ ملخصا)

ف سالکین طریق کو اس مقام سے سبق لینا چاہئے کہ ابتدا میں کام کا جتنا جوش ہوتا ہے وہ
ہمیشہ نہیں رہا کرتا، پس لازم ہے کہ ابتدا میں سہل و آسان طریقہ اختیار کیا جائے اور تدریجاً
ترقی کیجائے،، ابتدا میں زیادہ جوش سے کام کرنا اور بعد میں کم کردینا بہتر نہیں ہے،، اور اگر کبھی
کوئی عذر لاحق ہو تو ان خاص اوقات میں جنکا حدیث میں ذکر آیا ہے کم از کم دو رکعتیں نفل کی ضرور
پڑھ لیا کریں کہ اس سے ترقی میں مدد ملتی ہے۔

۱۷ (۴۸) تیسری توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدین یسر کا یہ مطلب ہو کہ
جو دین تمکو دیا گیا ہے وہ ادیان سابقہ کی نسبت سے آسان ہے تمکو انہی احکام کا مکلف کیا گیا ہے
جو تمھاری طاقت کے موافق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وہ دشواریاں اٹھادی ہیں
جو پہلی امتوں کے اوپر تھیں چنانچہ ان کیلئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنادیا گیا ہے، مثال کے
طور پر یہ (دیکھو) کہ ہمارے واسطے (گناہوں سے پاک ہونے کیلئے) توبہ کو مشروع کیا گیا ہے جسکی
حقیقت ندامت اور استغفار اور (آئندہ کو) گناہ سے رک جانا ہے، اور پہلی (بعض) امتوں کیلئے توبہ کا
طریقہ قتل تھا، اسی طرح نجاست (ظاہرہ) سے پاک ہونیکے لئے ہمارے واسطے دہونا اور نہانا مقرر کیا گیا ہے اور پہلے لوگوں کو

[illegible]

۱۔ قلت ولفظ الشارح نصہ وکذلک ایضا النجاسۃ طہارتہا لنا بالغسل ولمن قبلنا بالقطع والقراض الخ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

(بقیہ صفحہ گذشتہ) وصلہا ورد فی الحدیث عند ابن ماجۃ عن عبد الرحمن بن حسنۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کان بنو اسرائیل اذا اصابہم البول قرضوہ بالمقاریض فنہاہم رجل منہم فعذب فی قبرہ واخرج الحاکم وصححہ عن ابی موسی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بنی اسرائیل کان اذا اصاب احدہم البول قرضہ بالمقاریض کذا فی الخصائص الکبری للسیوطی (ص ۲۱ ج ۲) وحدیث عبد الرحمن بن حسنۃ رواہ ابن حبان فی صحیحہ ایضاً کما فی الترغیب (ص ۳۶) وکل ذلک لا دلالۃ فیہ علی کونہم مامورین بقرض ما تنجس من البدن واعضاءہ بل الظاہر حملہ علی قطع ما تنجس من الثیاب واشباہہا یؤیدہ ما رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی مرفوعاً فی حدیث طویل فقال ان صاحب بنی اسرائیل کان اشد علی البول منکم کان معہ مقراض فاذا اصاب ثوبہ شیئ من البول قصہ ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد (ص ۸۵ ج ۱) وقال فیہ علی بن عاصم وکان کثیر الخطاء والغلط وینبہ علی غلطہ فلا یرجع اھ قلت ومع ذلک فقد اثنی علیہ یعقوب بن شیبۃ وقال قد کان رحمہ اللہ من اہل الدین والصلاح والخیر البارع وشدید التوقی وقال وکیع ما زلنا نعرفہ بالخیر وقال الذہلی قلت لاحمد فی علی بن عاصم وذکرت لہ خطاءہ فقال احمد کان حماد بن سلمۃ یخطئ خطاء کبیراً اوما احمد بیدہ ولم یر بالروایۃ عنہ باساً کذا فی تہذیب التہذیب (ص ۳۴۵ ج ۷) فالرجل حسن الحدیث ولیس بمتروک ولا
ممن اجمع علی جرحہ، وقد اختار صاحب التفسیر المظہری رحمہ اللہ تعالیٰ حمل القطع والقرض علی قطع الثیاب وقرضہا
۷۲ کما یظہر من ترجمۃ تفسیرہ بالہندیۃ (ص ۶۶ ربع ۲) نعم قد ورد عند ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن عائشۃ قالت دخلت علی امرأۃ من الیہود فقالت ان عذاب القبر من البول قلت کذبت قالت بلی انہ لیقرض منہ الجلد والثوب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقت کذا فی الخصائص الکبری (ص ۳۱ ج ۲) قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا حدیث فی عذاب القبر غیر ہذا اخرجہ الشیخان بطریق مسروق عنہا ان یہودیۃ دخلت علیہا فذکرت عذاب القبر فقالت لہا اعاذک اللہ من عذاب القبر فسألت عائشۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلاۃ الا تعوذ من عذاب القبر وجمع الحافظ طرقہ فی الفتح (ص ۱۸۶ و ۱۸۷ ج ۳) فلم یذکر ہذہ الزیادۃ التی وقعت عند ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ، فان صح الحدیث فلیس فیہ ما یوجب حملہ علی قرض الجلد من الجسم لاحتمال ان یکون المراد بہ قطع الجلد من النعل ومن الفرو والذی ہو من جنس اللباس حملہ علی ذلک شیخ شیخنا مولانا السید احمد الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ مدرس المدرسۃ العالیۃ بدیوبند ویتعین حملہ علی ذلک لوجوہ الاول ان قرض الجلد لم یرد مرفوعاً فی حدیث غیرہ ولم یرد فیہ ایضاً من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ورد من قول الیہودیۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقت راجع الی اخبارہا بعذاب القبر فقط کما یدل علی ذلک ما فی لفظ الصحیح من قولہ نعم عذاب القبر لا الی جمیع ما اخبرت بہ والثانی ان الجلد لم یرد سببا فی حدیث ما علی ما ادی الیہ نظری بان المراد بہ جلد البدن وقد ورد فی حدیث ابی موسی (بقیہ برصفحہ آئندہ)

(باقی آئندہ)

Marfat.com

کیلئے ناپاک چیز کترنا اور کاٹنا تھا "
اسی طرح قسم کا کفارہ ہمارے واسطے مشروع ہوا ہے پہلی امتوں کے واسطے نہ تھا " اسی طرح حالت اضطرار میں (جب جان کا خطرہ ہو) مردار کھانا (اور حرام چیزوں کا استعمال کرلینا) ہمارے واسطے جائز ہے پہلی لوگوں کیلئے جائز نہ تھا " اسکے سوا اور بہت سے احکام ہیں (جنمیں اس امت پر بہت آسانی کیگئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ ہمکو طاقت سے زیادہ کا مکلف کردیتے تو یہ بھی جائز تھا کیونکہ وہ حاکم اور قاہر ہیں اُن کے حکم کو رد کرنے والا کون ہے؟ لیکن محض اپنے فضل واحسان سے اللہ تعالیٰ نے ہمکو عافیت (اور راحت) عطا فرمائی کہ اُنہی احکام کا مکلف کیا جو ہماری طاقت کے موافق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اللہ تعالیٰ کسی کو اُسکی وسعت (وہمت) سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے " اور جو شخص قدر وسعت (وہمت) سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے " اور جو شخص قدر وسعت کا مکلف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) التصریح بان صاحب بنی اسرائیل انما کان یقص ثوبہ من البول فینبغی حمل الجلد علی ما یلائم الثوب وہو ما ذکرناہ من جلود النعال والفرد ونحوہا والثالث ان حملہ علی جلد البدن غیر معقول المعنی لکونہ واخلا فی تکلیف ما لا یطاق کما ہو الظاہر وقال الجصاص فی تفسیر قولہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا فیہ نص علی ان اللہ تعالیٰ لا یکلف احدا ما لا یقدر علیہ ولا یطیقہ ولو کلف احدا ما لا یقدر علیہ ولا یستطیعہ لکان مکلفا لہ ما لیس فی وسعہ، ولم تختلف الامۃ فی ان اللہ لا یجوز ان یکلف الزمن المشی والاعمی البصر والاقطع الیدین البطش لانہ لا یقدر علیہ ولا یستطیع فعلہ ولا خلاف فی ذلک بین الامۃ وقد وردت السنۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من لم یستطع الصلاۃ قائما فغیر مکلف للقیام فیہا ومن لم یستطع القعود فیہا فغیر مکلف للقعود بل یصلیہا علی جنب یومی ایماء لانہ غیر قادر علیہا الا علی ہذا الوجہ ونص التنزیل قد اسقط التکلیف عمن لا یقدر علی الفعل ولا یطیقہ، وزعم قوم جہال نسبت الی اللہ فعل السفہ والعبث فزعموا ان کل ما امر بہ احد من اہل التکلیف او نہی عنہ فالمامور بہ غیر مقدور علی فعلہ والمنہی عنہ غیر مقدور علی ترکہ وقد اکذب اللہ قیلہم بما نص علیہ من انہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا مع ما قد دلت علیہ العقول من قبح تکلیف ما لا یطاق وان العالم بالقبیح المستغنی عن فعلہ لا یقع منہ فعل القبیح اھ (ص ۵۳۷ و ۵۳۸ ج ۱) قلت ویمکن ان یحمل قول ہذا القائل علی نفی القدرۃ الحقیقیۃ المرادۃ فی قولہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ فیستقیم الکلام ولا یرد علیہ ما اوردنا فافہم وبالجملۃ فان اللہ تعالیٰ قد نفی التکلیف بما لا یطاق عن کل نفس علی ما یقتضیہ عموم قولہ نفسا الواقع فی حیز النفی فلا یجوز القول بکون الامم السالفۃ مکلفۃ بما لیس فی وسعہا ظاہرا ویجب حمل کل ما ورد فی تفسیر الاصر الذی کان علیہم علی ما یمکن دخولہ فی الوسع (بقیہ صفحہ آئندہ)

Marfat.com

کیا گیا ہو (یقیناً) وہ اُس کیلئے آسان ہوگا دشوار نہوگا، اسکی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بھول چوک اور دل کے وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے اسی طرح کوئی زبردستی ہمسے ناجائز کام لے (تو گناہ زبردستی کرنے والے پر ہوگا ہمارے اوپر نہوگا) اسی طرح نماز میں کھڑا ہونیکی طاقت نہو تو بیٹھنے کی اجازت ہے بیٹھنے کی طاقت نہو تو لیٹ کر پڑھنے کی اور اسکی بھی طاقت نہو تو اشارہ سے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے اسی طرح پانی نہ ملے تو تیمم کی اور سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے اور نماز میں قصر کرنیکی اجازت ہے اسکے سوا اور بہت (سی سہولتیں) ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سہولتوں کے متعلق) فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی چاہتے ہیں کہ اُن کی رخصتوں پر عمل کیا جائے" (یہ نعمت پر نعمت ہے ورنہ قیاس کا مقتضا یہ تھا کہ رخصت پر عمل کرنا صرف جائز ہوتا مستحب اور محبوب نہوتا کیونکہ اسکو ہماری سہولت کے واسطے مقرر کیا گیا ہے حکم اصلی کے طور پر مقرر نہیں کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کو ہماری راحت بھی محبوب ہے اسلئے عذر کے وقت رخصت پر عمل کرنا بھی اُن کو محبوب ہے) اس تفسیر پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص اپنے اوپر سختی کرے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والطاقۃ، نعم کانوا قد کلفوا احکاما ہی اشد واثقل مما کلفنا بہ ولکنہا کانت فی وسعہم لکونہم اقویاء منا واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا ریب ان الدین الذی تدینا بہ یسر لا حرج فیہ اصلا فان نبینا صلے اللہ علیہ وسلم قد جاءنا بالحنیفیۃ السمحۃ البیضاء التی لیلہا ونہارہا سواء وقال تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج، فالحمد للہ الذی بنعمتہ وعزتہ وجلالہ تتم الصالحات وصلے اللہ تعالیٰ علی افضل الکائنات واشرف المخلوقات سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وذریتہ وازواجہ الطیبات الطاہرات صلوۃ دائمۃ مؤیدۃ تسبق الغایات، ۱۲ ظ

۵ قلت واصلہ ما ورد فی الحدیث عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورہا ما لم تعمل بہ او تکلم متفق علیہ (مشکوۃ ص۹) وفی لفظ لہما ان اللہ تجاوز لی عن امتی ما حدثت بہ انفسہا ما لم تتکلم او تعمل بہ کذا فی الخصائص للسیوطی (ص ۲۱ ج ۲) وفیہ ایضاً اخرج احمد وابن حبان والحاکم وابن ماجہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرہوا علیہ"۔

وفیہ ایضاً اخرج الفریابی فی تفسیرہ عن محمد بن کعب قال ما بعث اللہ تعالیٰ من نبی ولا ارسل من (البقیہ بر صفحہ آئندہ)

ل زبردستی کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کیجائے اور یہ بھی کہ زبردستی کی صورت میں انسان کونسے ناجائز کام کر سکتا ہے اسکو عام نہ سمجھا جائے ۱۲ ظ

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسول انزل علینا الکتاب الا انزل اللہ علیہ ہذہ الآیۃ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ الآیۃ ، وکانت الامم تأتی علی انبیائہا ورسلہا ویقولون لواخذ بما تحدثت بہ انفسنا ولم تعملہ جوارحنا فیکفرون ویضلون فلما نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتد علی المسلمین ما اشتد علی الامم قبلہم فقالوا یا رسول اللہ ایؤاخذ بما تحدثت بہ انفسنا ولم تعملہ جوارحنا قال نعم فاسمعوا واطیعوا واطلبوا الی ربکم فذالک قولہ تعالی آمن الرسول الآیۃ فوضع اللہ عنہم حدیث النفس الا ما عملت الجوارح لہا ما کسبت من خیر وعلیہا ما اکتسبت من شر اھ (ص ۲۱ / ج ۲) والکلام ہہنا من وجوہ ، الاولی ان التجاوز عن الوسوسۃ و الخطأ والنسیان مختص بہذہ الامۃ ام یعمہا وغیرہا من الامم والثانیۃ ان کان ذلک مما اختصت بہ ہذہ الامۃ وکانت الامم قبلہا یؤاخذون بما وسوست بہ صدورہا وبما اتت بہ خطأ او نسیانا فہل لیس ذلک منافیا لقولہ تعالی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ، والثالثۃ ان لم یکن ذلک منافیا لہ فہل الاحتراز عن الوسوسۃ والخطأ والنسیان مما یدخل فی اختیار العبد"

والجواب اما عن الاولی فالظاہر اختصاص ہذہ الامۃ بذلک کما یشعر بہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی الخ فان المتبادر منہ عدم التجاوز عن الامم غیرہا ومن ہہنا عدہ السیوطی من الخصائص حیث قال ۷۵
باب اختصاص النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان امتہ وضع عنہم الاصر الذی کان علی الامم قبلہم واحل لہم کثیرا مما شدد علی من قبلہم ولم یجعل علیہم فی الدین من حرج ورفع عنہم المؤاخذۃ بالخطأ والنسیان وحدیث النفس (ص ۲۰۹ / ج ۲) واما عن الثانیۃ فان المؤاخذۃ بحدیث النفس والخطأ والنسیان لیس منافیا لقولہ تعالی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا"

واما عن الثالثۃ فان الاحتراز عن حدیث النفس وقرینیہا مما یدخل فی اختیار العبد" اما عن الخطأ والنسیان فلان منشأہما الغفلۃ وعدم التیقظ والاحتراز عن ذلک فی وسع العبد لان التیقظ والذکر لیس خارجا عن اختیارہ ومن ہہنا صرح الشیخ ابن ابی حمزۃ رحمہ اللہ تعالی بان العارفین الکمل قد ارتفعوا عن الخطأ والنسیان ولکن ذلک مما یتعذر علی العامۃ وقت اشتغالہم بامور الدنیا فلا یکادون ان یظفروا بالاستحضار التام والتیقظ والحال ہذہ فلاجل التعذر والحرج تجاوز اللہ عن ہذہ الامۃ الخطأ والنسیان"

واما عن حدیث النفس فلان اعمال القلب لہا درجات عدیدۃ کما ذکرہ الامام الغزالی قدس اللہ سرہ فی الاحیاء (ص ۳۶ / ج ۳) وبینہا شیخنا اطال اللہ بقاءہ فی رسالتہ الحصحصۃ فی حکم الوسوسۃ وہی جزء من رسالتہ المسماۃ بالتشرف باحسن بیان وہذا نصہ قال الحفنی ان المراتب خمسۃ ہاجس وخاطر وحدیث نفس وہم وعزم" فالشیء اذا وقع فی القلب ابتداء ولم یحل فی النفس سمی ہاجسا فاذا کان موفقا ودفعہ من اول الامر لم یحتج الی المراتب

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) التی بعدہ فاذا جال ای تردد فی نفسہ بعد وقوعہ ابتداءً ولم یتحدث بفعل ولا
عدمہ سمی خاطرا فاذا حدثتہ نفسہ بان یفعل بہ او لا یفعل علی حد سواء من غیر ترجیح لاحدہما علی الآخر سمی حدیث
النفس فہذہ الثلاثۃ لا عقاب علیہا ان کانت فی الشر ولا ثواب علیہا ان کانت فی الخیر فاذا فعل ذلک
عوقب او اثیب علی الفعل لا علی الہاجس والخاطر وحدیث النفس، فاذا حدثتہ نفسہ بالفعل وعدمہ مع
ترجیح الفعل لکن لیس ترجیحا قویا بل ہو مرجوح کالوہم سمی ہما فہذا اثاب علیہ ان کان فی الخیر ولا یعاقب
علیہ ان کان فی الشر کما فی الحدیث فاذا قوی ترجح الفعل حتی صار جازما مصمما لا یقدر علی الترک سمی عزما
فہذا اثاب علیہ ان کان فی الخیر ویعاقب علیہ ان کان فی الشر، قلت والوسوسۃ عام لجمیع المراتب الثلثۃ
الہاجس والخاطر وحدیث النفس، فجمیع اقسامہا غیر مؤاخذ بہ وعدم المؤاخذۃ علی حدیث النفس بالحدیث
الصحیح وعلی الباقیین بالاولی لانہ اذا ارتفع حدیث النفس ارتفع ما قبلہ بالاولی، وان خالجک ان الحکم
بارتفاع حدیث النفس یتوقف علی کون المراد بہ فی الحدیث ما اصطلحتم علیہ فما الدلیل علیہ؟ فازحہ بان ہذا
الاصطلاح عین اللغۃ والنصوص محمولۃ علی اللغۃ ما لم یطرأ علیہا اصطلاح شرعی ولم یطرأ فیحمل علی ما ذکرنا فافہم
والسر فی عدم المؤاخذۃ علی الہاجس انہ لیس من فعلہ وانما ہو شیء ورد علیہ لا قدرۃ لہ علیہ ولا صنع، و
الخاطر الذی بعدہ وان کان قادرا علی دفعہ بصرف الہاجس اول ورودہ ولکنہ لما کان دون حدیث النفس
وہو مرفوع بالحدیث کان مرفوعا بالاولی کما ذکر آنفا وبہذا انحل اشکال عویص وہو ان الکلیات الشرعیۃ
والقواعد العقلیۃ تقتضی المؤاخذۃ علی الاختیاری وعدم المؤاخذۃ علی غیر الاختیاری فاختصاص (ہذہ)
الامۃ المرحومۃ من بین الامم ان کان باعتبار غیر الاختیاری من المراتب المذکورۃ یلزم تکلیف الامم السابقۃ
بغیر الاختیاری وان کان باعتبار الاختیاری فما الفرق بین اختیاری واختیاری حیث یؤاخذ علی العزم
ولا یؤاخذ علی حدیث النفس مع اشتراکہما فی کونہما اختیاریین، ووجہ الانحلال ان الاختصاص باعتبار
الاختیاری والفرق بین العزم وبین الخاطر وحدیث النفس ان الخاطر وکذا حدیث النفس وان کان دفعہ
اختیاریا لکنہ یحتاج الی قصد الدفع وکثیرا ما یقع الذہول من ہذا القصد فیجر الاول الی الثانی والثالث
فالمؤاخذۃ علیہ لا ینافی الکلیات الشرعیۃ لکن الرحمۃ الالہیۃ قد خصت ہذہ الامۃ بالعفو عنہ کوضع الاصر
والاغلال التی کانت علی السابقین فہذہ المرتبۃ اختیاریۃ لکن فیہا شدۃ فکانت فرد الاصر والاغلال، و
اما العزم فلا یجر الہاجس الیہ کذلک وانما یجرہ بقصد مستقل، فہذا ہو الفرق بین حدیث النفس والعزم
فمدار العفو ہو الافضاء للذہول ومدار المؤاخذۃ ہو العزم المستقل، فلو حدثتہ نفسہ بالمعصیۃ بعزم مستقل
وان لم یعزم (فعل) تلک المعصیۃ کالالتذاذ بصورۃ الاجنبیۃ قصدا فالظاہر انہ یؤاخذ علیہ بہذا الالتذاذ

(بقیہ صفحہ آیندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) داخل عندی فی عموم حدیث وا لنفس تمنی وتشتہی وفی روایۃ القلب یہوی ویتمنی روی الاول الشیخان والثانی مسلم اھ ملخصا (ص۲۷ و ۲۹) وحاصلہ ان الالتذاذ بصورۃ الاجنبیۃ داخل فی معاصی القلب کالحسد والبغضا والحقد والکبر ونحوہا فانہا توجب الاثم ویؤاخذ علیہا اذا کانت فی درجۃ العزم وان لم یظہر اثرہا فی عمل الجوارح وقال الامام المجتہد ابن دقیق العید فی شرح عمدۃ الاحکام فی قولہ صلے اللہ علیہ وسلم من توضأ نحو وضوئی ہذا ثم صلی رکعتین لایحدث فیہما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ مانصہ قولہ لایحدث فیہما نفسہ اشارۃ الی الخواطر والوساوس الواردۃ علی النفس وہی علی قسمین احدہما مایہجم ہجما یتعذر دفعہ عن النفس، والثانی ماتسترسل معہ النفس یمکن دفعہ وقطعہ فیمکن ان یحمل الحدیث علی ہذا النوع الثانی فیخرج عنہ النوع الاول لعسر اعتبارہ ویشہد لذلک لفظۃ یحدث نفسہ فانہ یقتضی تکسبا منہ وتفعلا لہذا الحدیث، ویمکن ان یحمل علی النوعین معا الا ان العسر انما یجب دفعہ عما یتعلق بالتکالیف والحدیث انما یقتضی ترتب ثواب مخصوص علی عمل مخصوص فمن حصل لہ ذلک العمل حصل لہ ذلک الثواب ومن لافلا، ولیس ذلک من باب التکالیف حتی یلزم دفع العسر عنہ، نعم لابد ان تکون تلک الحالۃ ممکنۃ الحصول اعنی الوصف المرتب علیہ الثواب المخصوص، والامر کذلک فان المتجردین عن شواغل الدنیا، الذین غلب ذکر اللہ عزوجل علی قلوبہم وغمرہا تحصل لہم تلک الحالۃ وقد حکی عن بعضہم ذلک اھ (ص$\frac{۳۹}{ج ۱}$) وحاصلہ ان دفع الوساوس بنوعیہا ممکن الحصول ولکن النوع الاول منہما وینبغی تسمیتہا بدرجۃ الحدوث یتعذر دفعہ عن النفس والعسر یجب دفعہ عما یتعلق بالتکالیف فلا یصح القول بکون الامم السالفۃ مکلفین بہذہ الدرجۃ بل الذی یصح القول بکونہم مکلفین بہ انما ہو الدرجۃ الثانیۃ وہی الوساوس التی تسترسل معہا النفس وینبغی تسمیتہا بدرجۃ البقاء، وہذا ہو ما قالہ شیخنا ادام اللہ ظلہ ان الوسوسۃ فی درجۃ الحدوث لم یکلف بدفعہا احد من الامم لکونہا من غیر اختیار العبد وفی درجۃ البقاء کلفت الامم السالفۃ بدفعہا ولم تکلف بہ ہذہ الامۃ رحمۃ ولطفا ومنا وانما کلفت بان لایعزم علی المعصیۃ ظاہرۃ کانت او باطنۃ واللہ تعالی اعلم۔

وقال الامام الغزالی فی بیان مایؤاخذ بہ العبد من وساوس القلوب وہمہا وخواطرہا ومایعفی عنہ مانصہ اعلم ان ہذا امر غامض وقد وردت فیہ آیات واخبار متعارضۃ یلتبس طریق الجمع بینہما الا علی سماسرۃ العلماء بالشرع فقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عفی عن امتی ما حدثت بہ نفوسہا مالم تتکلم بہ او تعمل بہ (متفق علیہ بلفظ ان اللہ تجاوز لامتی) وقال ابوہریرۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی یقول للحفظۃ اذا ہم عبدی بسیئۃ فلا تکتبوہا فان عملہا فاکتبوہا سیئۃ ومن ہم بحسنۃ لم یعملہا فاکتبوہا حسنۃ فان عملہا فاکتبوہا عشرا اخرجہ البخاری ومسلم، وہو دلیل علی العفو عن عمل القلب وہمہ بالسیئۃ، فاما مایدل علی المؤاخذۃ فقولہ سبحانہ ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ، وقولہ تعالی ان السمع والبصر والفؤاد (بقیہ برصفحہ آئندہ)

Marfat.com

عزیمتوں پر اصرار کرے اور (عذر کے وقت) رخصتوں کو چھوڑ دیگا وہ دین کا مقابلہ کرنے والا ہوگا اور جب دین کا مقابلہ کریگا تو یقیناً وہ اسکو گھبرا دیگا، مثلاً کوئی شخص جائز طریقہ سے قسم نہ کھائے بلکہ مکہ تک پیادہ پا چلنے یا (بیوی کی) طلاق اور (غلام کے) آزاد کرنے کی قسم کھالے یا کمزوری کی حالت میں تیمم نکرے بلکہ پانی ہی سے وضو کرنا چاہے یا بیماری کی حالت میں کھڑا ہوکر ہی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے وغیرہ وغیرہ غرض ہر پہلو میں درجۂ کمال ہی کو اختیار کرنا چاہئے اور رخصتوں کو چھوڑ دے تو یہ شخص دین کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے اور اس صورت میں محض اسوجہ سے کہ اس نے ایک بات دل میں ٹھان لی ہے دین سے عاجز ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جنھوں نے پہلی امتوں میں سے ایسا کیا تھا چنانچہ ارشاد ہے قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم وحرموا ما رزقھم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین وہ لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کل ذلک کان عنہ مسئولا فدل علی ان عمل الفؤاد کعمل السمع والبصر فلا یعفی عنہ و [illegible] الشھادة ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ، وقولہ تعالیٰ ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم والحق عندنا فی ہذہ المسئلة لا یوقف علیہ ما لم تقع الاحاطة بتفصیل اعمال القلوب من مبدأ ظھورھا الی ان یظھر العمل علی الجوارح فنذکر ۷۸
المراتب الخمسة التی ذکرھا الحفنی باختلاف ما فانہ جعلھا اربع مراتب وسمی الاولی بالخاطر مرة وبحدیث النفس اخری والثانیة بالمیل ای ھیجان الرغبة والثالثة بحکم القلب ای الاعتقاد والرابعة بالھم وتصمیم العزم، ثم قال اما الخاطر فلا یؤاخذ بہ لانہ لا یدخل تحت الاختیار وکذلک المیل وھیجان الرغبة وھی المراد ان بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم عفی عن امتی ما حدثت بہ انفسھا فحدیث النفس عبارة عن الخواطر التی تھجس فی النفس ولا یتبعھا عزم علی الفعل فاما الھم والعزم فلا یسمی حدیث النفس واما الثالث وھو الاعتقاد وحکم القلب بانہ ینبغی ان یفعل فھذا تردد بین ان یکون اختیاریا او اضطراریا فالاختیاری منہ یؤاخذ بہ (کالالتذاذ بصورة الاجنبیة عمداً) والاضطراری لا یؤاخذ بہ واما الرابع وھو الھم بالفعل فانہ مؤاخذ بہ الا انہ ان لم یفعل فان کان قد ترکہ خوفاً من اللہ تعالیٰ وندماً علی ھمہ کتبت لہ حسنة وان تعوق الفعل لعائق او ترکہ لعذر لا خوفاً من اللہ کتبت علیہ سیئة فان ھمہ فعل من القلب اختیاری وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم انما یحشر الناس علی نیاتھم (اسنادہ حسن وعند مسلم عن عائشة یبعثھم اللہ علی نیاتھم) ونحن نعلم ان من عزم لیلا علی ان یصبح لیقتل مسلما او یزنی بامرأة فمات تلک اللیلة مات مصراً ویحشر علی نیتہ وقد ھم بسیئة ولم یعملھا، والدلیل القاطع فیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار فقیل یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال لانہ اراد قتل صاحبہ (متفق علیہ) وھذا نص

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

ہلاکت میں مبتلا ہوگئے جنھوں نے اُن چیزوں کو (اپنے اوپر) حرام کرلیا جو اللہ نے اُن کو عطا فرمائی تھیں گمراہ ہوگئے اور (سیدھے) راستہ پر چلنے والوں میں نہ ہوئے"

اسکے بعد قسدّدوا وقاربوا کا یہ مطلب ہوا کہ اول تو کوشش اور ہمت سے درجۂ احتیاط کے قریب ہو اور احتیاط کا درجہ یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دو اور جو کام تمھارے ذمہ ہیں اُن سے فراغت حاصل کرکے مراتب عالیہ اور بہترین حالت کی طرف بڑھتے رہو، پھر اگر کسی وقت کمزوری یا غفلت پیش آئے یا کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو سیدھے ہوجاؤ

یعنی (ایسی حالت سے) خلاصی پانے کے جو طریقے بتلائے گئے ہیں اور (بیماری و کمزوری اور غفلت کے وقت) جو رخصتیں تمکو دیگئی ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی حالت کو درست کرو (اگر گناہ ہوگیا ہو تو توبہ کرو، اگر غفلت طاری ہوئی ہو استغفار کرو اور بیماری کی حالت ہو تو سہولت پر عمل کرو) کیونکہ اللہ تعالی تمپر مہربان ہیں (وہ گناہ اور غفلت کی خطا کو معاف فرمادیں گے) اس صورت میں وابشروا کا یہ مطلب ہوگا کہ (رخصتوں پر عمل کرکے) خوش رہو کہ وہ بھی تمکو نجات دلانیوالی اور رضائے مولی تک پہونچانے والی اور انجام بخیر کرنے والی ہیں (یہ نہ سمجھو کہ یہ باتیں عزیمت ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں رخصت سے حاصل نہیں ہوسکتیں) ۷۹

اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، رب ذنب ادخل صاحبہ الجنۃ بعضا گناہ بھی انسان کو جنت میں پہونچا دیتا ہے"، مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ وہ گناہ توبہ کا سبب بنتا ہے اور خالص توبہ نصیب ہوجاتی ہے تو وہ جنت میں پہونچانے کا سبب بنجاتی ہے" اسکی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک بزرگ پر ایک دن خوف کا غلبہ ہوا کیونکہ اللہ تعالے کے کسی حق میں تقصیر ہوگئی تھی پھر اللہ تعالی کی وسعت رحمت نے (ان پر) تجلی کی تو خوف کی ساتھ وسعت رحمت نے امید کو بھی ملا دیا (اور ان کی حالت درست ہوئی) اس وقت (بطور الہام کی) ان سے کہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فی انہ صار بمجرد الارادۃ من اہل النار مع انہ قتل مظلوما انکل بہم دخل تحت اختیار العبد فہو مواخذ بہ الا ان یکفرہ بحسنۃ ونقضہ بالندم حسنۃ ایضا واما الخواطر وحدیث النفس وہیجان الرغبۃ فکل ذلک لا یدخل تحت الاختیار فالمواخذۃ بہ تکلیف مالا یطاق وکیف لا یواخذ باعمال القلب والکبر والعجب والریاء والنفاق والحسد وجملۃ الخبائث من اعمال القلب بل السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا اھ ملخص (ص ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ ج ۳) وما ذکرہ شیخنا عن الحفنی الصق بالاحادیث واجمع لہا فتدبر"

Marfat.com

دلائے بھی ہیں اور ہم بھی دلاتے ہیں،، (اور جس سے ہم نفرت کرتے ہیں اسکو (اپنے سے) دور کردیتے اور غفلت میں مبتلا کردیتے ہیں،

اس تفسیر کی بناپر واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات میں (یعنی صبح وشام اور اخیر رات میں) اعمال (عبادت) پر مواظبت کریگا اسکو (غیب سے) ان اعمال طاعات پر مدد دیجائے گی جو اس نے اختیار کئے ہیں اور دین کے اندر جو دشواری اسکو پیش آئے گی آسان کردیجائیگی،، اور ایمان میں قوت عطا کیجائیگی، اسوقت معلوم ہوگا کہ اس پر کسقدر لطف کیا گیا اور اسکی ساتھ کس قسم کے معاملہ کا ارادہ کیا گیا اور (جب آدمی کو یہ معلوم ہوجائے کہ خدا کا معاملہ اسکی ساتھ کیسا ہے تو) یہ (عبادت پر) مدد کا بہت بڑا سبب بنجاتا ہے، کیونکہ اس سے کام آسان ہوجاتا اور ہمتیں مقامات عالیہ کی طرف بڑھنے لگتی ہیں، اور اسی وجہ سے کہ ان اوقات کا (عبادت سے) معمور رکھنا ان برکات کا موجب ہے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ میں تمکو خلوت میں آئینۂ فکر پر نظر جمائے رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی وقت تم پر حق واضح ہوگا اور جس پر حق واضح ہوجاتا ہے اس سے اتباع حق کی اور اہل حق بننے کی امید کیجاسکتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حق کو حق (ظاہر) کرکے دکھلادے اور اس کے اتباع کی توفیق دے (آمین) ۸۰

اس مقام کے کچھ مناسب یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویل لمن غلبت آحادہ عشرا تہ بڑی خرابی ہے، اس شخص کی جسکی اکائیاں دہائیوں پر غالب ہوں مطلب یہ کہ گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں کیونکہ نیکیاں تو اللہ کے فضل سے ایک کی دس اور (بعض دفعہ) ستر اور سات سو بھی ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور گناہ ایک کا ایک ہی رہتا ہے،،

(مگر افسوس) اس فضل عظیم کے بعد بھی انسان بیچارہ اپنی ذات سے غفلت کرتا (اور کام کرنے سے گھبراتا ہے اور اپنے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا یا تو اسوجہ سے کہ وہ دین میں غلو کرتا ہے یا اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا اور برباد ہونے والوں کیساتھ اس طرح برباد ہوجاتا ہے کہ اسکو خبر بھی نہیں ہوتی،، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا، اپنے نفس کا خود محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا احساب کیا جائے (کتابوں میں یہ قول حضرت عمرؓ سے منقول ہے حدیث مرفوع نہیں ہے)

(باقی آئندہ)

Marfat.com

توجو شخص اپنی ذات سے غافل ہوجائے اور اپنے ذمہ حد سے زیادہ کام لازم کرلے یا نفس کی نگہداشت میں غفلت کرنے لگے وہ ایسی ہی سخت وعید کا مستحق ہے (جو حدیث میں وارد ہی) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے، پس عاقل کو چاہئے کہ اپنی مدد اُسی طریقے سے کرتا ہے جسکی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے اور میزان شریعت کو سامنے رکھکر محاسبۂ نفس سے غفلت نکرے، اور دین میں غلو بھی نکرے تاکہ ان اسباب ہلاکت سے بچا رہے جن کا ابھی ذکر ہوا،، (قولہ الوجہ الثالث مثہ الی قولہ لئلا یھلك باحد ھذہ الوجوہ)

ف یہاں سے اُن انگریزی خوانوں کی غلطی واضح ہوگئی جنہوں نے الدین یسر کا لفظ ہی یاد کرلیا ہے اور اس کے معنی کی خبر نہیں۔ اُنھوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ دین میں نہ ارادہ کی ضرورت ہے نہ ہمت کی نہ علم کی نہ اسباب اعانت کی، اُن کو اس مقام میں غور کرنا چاہئے کہ علماء نے اس حدیث کے کتنے مطالب بیان کئے ہیں۔ حضرت شارح نے دین کے آسان ہونے کی بارہ ۱۲ تفسیریں بیان کی ہیں جنمیں سے تین کا ذکر ہوچکا باقی آیندہ آئینگی مگر ہم سب کا استیعاب نکریں گے کیونکہ ہمیں اسوقت صرف وہ مضامین لینا ہیں جن سے مسائل تصوف کی تائید ہوتی ہے،، ۸۱

ف۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں کو بھی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرمایا تھا اُنکے قویٰ ہم سے اچھے تھے اسلئے اُن کی شریعت میں اُن کی قوت کے موافق ہم سے زیادہ سخت احکام تھے،، باقی اسمیں شک نہیں کہ امت محمدیہ پر سہولت اور آسانی بہت کیگئی ہے جیسا اوپر معلوم ہوا،،

ف سالکین طریق کو اس مقام سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ امت محمدیہ کو ہر پریشانی اور ضیق سے نکلنے کا راستہ بتادیا گیا ہے پس کسی وقت یاس اور نا اُمیدی کو راہ نہ دینا چاہئے، اگر طریق میں غفلت یا خطا ہوجائے تو نجات کا راستہ معلوم کرکے رخصت پر عمل کرنا اور حالت کو درست کرلینا چاہئے اسکے بعد شوق اور جوش کو تازہ کرکے پھر بدستور کام میں لگنا اور پریشانی کو بھول جانا چاہئے وھذا مما نبہ علیہ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ مراراً،،

Marfat.com

(۴۹) ایک تفسیر حدیث کی یہ ہے کہ دین اُس شخص کو آسان ہے جو اس کو (اچھی طرح) جان لے (پہچان لے) کیونکہ جو دین سے جاہل ہوگا اُسکو دشواری کا سامنا ہوگا، اس تفسیر پر حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تحصیل علوم دین کی ترغیب دے رہے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت کیموافق اسکو حاصل کیا جائے، اور لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت کے سوا محض عقل سے یا اور طریقہ سے اسکو حاصل کرنا چاہے گا دین اُسپر دشوار ہو جائیگا کیونکہ اس صورت میں مقام حق تک پہونچنا دشوار ہے اور مقام حقیقت کا تو احتمال ہی (احتمال) ہے پس یہ شخص خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوگا خسر الدنیا والاخرہ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی،،

اس صورت میں سددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو درست رکھو اور درستی کی صورت یہ ہے کہ دین کو اور اُسکے احکام کو اچھی طرح معلوم کرکے اُسکے موافق عمل اور اتباع کرو" اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے،، علماء محققین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انسان پر جو عمل واجب ہے اُسکا علم حاصل کرنا بھی واجب ہے کیونکہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اُسکو پوری طرح ادا کرنا بدون اُسکی حدود (اور قواعد) جانے ممکن نہیں، اور جو شخص بدون علم کے عمل کرے پھر (اتفاق سے) اُس کا عمل شریعت کے مطابق ہی ہو جائے تو علماء نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، بعض کا قول ہے کہ اسکو عمل کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ اُسنے حکم کو ادا کر دیا اور جو حکم کو بجالائے وہ ثواب کا مستحق ہے،، بعض کا قول ہے کہ اسکو گناہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جہل کے ساتھ کسی کی عبادت قبول نہیں فرماتے،،

اور اسکو علم کے بعد ہی عمل پر پیشقدمی کرنا جائز تھی جہل کیساتھ جائز نہ تھی،، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر تمکو علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو، جب اس نے بغیر علم کے عمل پر پیشقدمی کی تو حکم کے خلاف کیا، اور جو شخص حکم کی مخالفت کرے گنہگار ہے (اسلئے یہ شخص بھی گنہگار ہے گو اتفاق سے اس کا عمل شریعت کے موافق ہو گیا ہے) اور بعض کا قول ہے کہ اسکو نہ ثواب ملیگا نہ عذاب ہوگا،، عذاب تو اسلئے نہیں کہ عملاً اسنے

اللہ تعالیٰ جاہل کی کسی عبادت قبول نہیں فرماتے اسلئے علم حاصل کرنا ضروری ہے ... علماء سے پوچھ کر عمل کرنا

Marfat.com

کسی ممنوع کا ارتکاب نہیں کیا،، اور چونکہ حکم یہ تھا کہ بدون علم کے عمل پر پیشقدمی نکرے اور اس نے ایسا نہیں کیا تو ثواب کا مستحق نہوگا (غرض بدون علم کے عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں اگر عمل شریعت کے خلاف ہو اجب تو اتفاقاً گنہگار ہے اور شریعت کے موافق ہو جب بھی فرض سے سبکدوش ہونے میں کلام ہے پس حالت کی درستی بدون تحصیل علم کے نہیں ہوسکتی)

اور اگر کوئی تحصیل علم کیساتھ اپنی حالت کو درست کرنے سے عاجز ہو تو اُسکو قریب کا درجہ حاصل کرنا چاہئے یعنی اہل علم سے پوچھکر عمل کرنا چاہیے،، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون،، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما شفاء العی السوال کہ ناواقف کو پوچھنے ہی سے شفا حاصل ہوتی ہے،، اسکے بعد ابشروا کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ راستہ اختیار کرے (یعنی تحصیل علم میں مشغول ہوجائے) اُسے خوش ہونا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسکو رفعت دیں گے اور ایسی جگہ سے روزی پہونچائیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ تھا،، بشرطیکہ خالص اللہ کیواسطے (تحصیل علم میں مشغول) ہوا ہو اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے تكفل الله برزق ۸۳
طالب العلم۔ اللہ تعالیٰ نے طالب علم کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے،، اور اللہ تعالیٰ نے تو ساری ہی مخلوق کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے، مگر اس بات کے بیان کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کو بشارت (اور خوشخبری) سنانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکے اوپر سے روزی تلاش کرنیکی مشقت ومحنت دور کردی اور رزق (کا دروازہ) بدون کسی مشقت کے اُسکے لئے کھولدیا ہے کہ اب وہ اسکے پاس خود پہونچیگا اسے کچھ کرنا نہ پڑے گا، اسکی زیادہ وضاحت حضور کے اس قول سے ہوتی ہے اذا ابتدع بدعة في الدين كيد الدين فعليكم بمعالم الدين "واطلبوا من الله الرزق قيل وما معالم الدين قال مجالس الحلال والحرام، جس وقت دین میں بدعتیں داخل کی جانے لگیں اُسوقت دین میں دھوکہ ہونے لگیگا پس تم دین کے نشانات کو لازم پکڑو اور رزق اللہ سے مانگو، عرض کیا گیا کہ دین کے نشانات کیا ہیں فرمایا حرام و حلال (بیان کئے جانے) کی مجلسیں،،

اس تفسیر پر حضور کے ارشاد واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة کا

Marfat.com

مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات (یعنی صبح و شام اور پچھلی رات کے کچھ حصہ) کو نفل عبادت سے اخلاص و صدق کیساتھ معمور رکھیگا اللہ تعالیٰ تحصیل علم میں اُسکی مدد اور علم کے اندر فہم عطاء فرمائیں گے اور اسکی بصیرت کو منوّر کردیں گے جن لوگوں نے اخلاص و صدق کیساتھ اس پر عمل کیاہے، اُنہوں نے اس کا تجربہ کرلیا اور اس دولت کو پالیاہے،، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت کردیتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ اخلاص والوں کیساتھ ہے (قولہ الوجہ الرابع الی قولہ وان اللہ لمع المحسنین)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بدون علم شریعت صوفی بننا چاہتے اور تصوّف کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جہل کیساتھ کسی کی عبادت قبول نہیں فرماتے اسلئے بدون علم شریعت کے تصوّف حاصل نہیں ہوسکتا،،

۴۸ **ف** علم شریعت حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن و حدیث کو باقاعدہ پڑھا جائے کہ اول زبان عربی کے قواعد سیکھے جائیں پھر اُستاد سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا جائے،، دوسرے یہ کہ علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا جائے،، اور تیسری صورت جو آجکل نکالی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھکر بعض لوگ اپنے کو قرآن و حدیث کا عالم سمجھنے لگتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ محض ترجمہ دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوسکتا جیسا قانون یا طب کی کتابوں کا ترجمہ دیکھکر کوئی وکیل یا طبیب و ڈاکٹر نہیں بن سکتا،،

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی ظاہر ہوگئی جو طالبان علم دین پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ کمانے کھانے کا ذریعہ چھوڑ کر قوم کے ٹکڑوں پر پڑے رہتے ہیں، اُن کو جان لینا چاہئے کہ یہ لوگ قوم کے ٹکڑوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر پڑے رہتے ہیں جس کا دل چاہے وہ اپنا ہاتھ روک لے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو رزق دیتاہے یا نہیں۔

ف یہاں سے طالبان علوم دین کو بھی سبق لینا چاہئے کہ تحصیل علم میں غیب سے اسوقت مدد ہوتی ہے جبکہ صبح و شام اور رات کے پچھلے حصہ میں تھوڑی سی عبادت اپنے ذمہ لازم کرلیجائے

Marfat.com

آجکل طلبہ اس سے غافل ہیں،، اسی لئے مدارس میں قلت آمد کی عام شکایت ہے - اور اسی لئے طلبہ کو نور بصیرت بھی پہلے جیسا حاصل نہیں ہوتا فعلیکم بمعالم الدین واطلبوا الرزق من اللہ

ف - یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم میں دنیوی علوم کو بھی داخل کرتے - اور اُن کو بھی علم سمجھتے ہیں، اُن کو جان لینا چاہئے کہ یہ علوم اس حدیث کا ہرگز مصداق نہیں، بلکہ یہ علوم جہل کا مصداق ہیں کیونکہ جو شخص دنیا بھر کی خبر دار ہو اور اپنے سے بیخبر ہو اُسکو عالم نہیں کہا جاسکتا علم وہی ہے جس سے انسان کو اولاً اپنا علم حاصل ہو کہ مبدأ و معاد - اور ذات و صفات خالق کی خبر ہو اور خالق نے جو احکام اسکے متعلق کئے ہیں اُن سے خبر دار ہو، اور یہ بات علوم دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اُن کا خاصہ ہے کہ جتنی اُن میں ترقی کریگا اتنا ہی اپنے سے بیخبر ہوگا جسکو شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے،،

(۵۰) ایک توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ الدین یسر کا مطلب یہ ہو کہ جن احکام کا ہمکو نص قطعی سے مکلف کیا گیا ہے جن میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ آسان ہیں اور (ایسے احکام تھوڑے ہی ہیں) زیادہ تر احکام تو ایسی نصوص سے ثابت ہیں جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں، اور جب ۸۵
تاویل کو قبول کرنیوالی نصوص زیادہ ہیں تو (یقیناً) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر وسعت اور سہولت ہے (اسکے بعد شارح نے چند مسائل بطور مثال کے بیان فرمائے ہیں جو نصوص محتملہ سے ثابت ہیں اور مجتہدین نے اُن کی تاویل میں اختلاف کیا ہے) اور احکام میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا سبب یہی ہے کہ جس آیت یا حدیث سے وہ ثابت ہیں اُسمیں مختلف وجوہ کا احتمال ہے،، اور یہ اختلاف (امت کیلئے) وسعت و رحمت ہے (کہ ضرورت کیوقت اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں) ایک بڑے بزرگ جن سے میں ملا ہوں فرماتے تھے کہ مشہور قول کے سوا کسی قول پر عمل کرنا یا فتوے دینا جائز نہیں اختلاف (علماء) سے اُسوقت فائدہ اُٹھانا چاہئے جب کسی ایسی مہم میں گرفتار ہو جائے جسکی تلافی مشہور قول سے نہ ہو سکے،، اسوقت کسی ایک قول کے موافق اس مہم کو عمل کیا جائے کیونکہ اجماع کی مخالفت (اور حرام قطعی کے ارتکاب) سے یہ صورت پھر بہتر ہے،، اور واللہ اُن بزرگ نے یہ بات بہت اچھی کہی،، کیونکہ اس طریقہ سے تمام تاویلات اور اختلافات پر

Marfat.com

عمل ہو سکتا ہے کہ اول درجہ کمال کو اختیار کیا جائے (جسمیں کسی کا اختلاف نہیں) اسی کا نام قوت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیر،، کہ مومن قوی مومن ضعیف سے افضل ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں،، اور اگر (کسی وقت) درجہ کمال پر عمل دشوار ہو تو اختلافی صورت کو لیلے اور سہولت پر عمل کرے،، اس طرح محرمات کے اور اسکے درمیان بڑی روک ہو جائیگی، کیونکہ اگر کسی وقت درجۂ کمال پر عمل دشوار ہو گا تو اسکے سامنے ایسی صورت بھی ہو گی جسکی طرف رجوع کر سکے اور اجماع کی مخالفت سے بچ سکے،، اور جو شخص پہلے ہی سے رخصتوں پر عمل کرنے کا عادی ہو گا اگر اُسکو کسی وقت دشواری کا سامنا ہوا تو وہ حرام (اور ناجائز) کے ارتکاب سے نہ بچ سکے گا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ یہ محرمات ہیں (جن سے بندوں کو منع کیا گیا ہے) اور جو شخص محفوظ چراگاہ کے آس پاس چکر لگائیگا وہ ایک دن اُسکے اندر بھی پہونچ جائیگا (اسلئے انسان کو محرمات سے دور ہی رہنا چاہئے جسکی صورت یہی ہے کہ بدون مجبوری کے رخصت پر عمل نہ کرے)۔ ۸۶

اس تفسیر پر لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص ہر مسئلہ میں اجماع (اور اتفاق) ہی پر عمل کرنا چاہے گا دین سے گھبرا جائے گا کیونکہ زیادہ مسائل ایسے ملیں گے جنپر اجماع منعقد نہیں ہوا اور سددوا وقاربوا میں سداد کے دو معنی ہوں گے ایک یہ کہ حضرات صحابہ اور قرن اول کے مسلمانوں کا طریق عمل اختیار کرکے حالت کو درست کیا جائے،، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم تمام آدمیوں سے بہتر میرے زمانہ کے آدمی ہیں پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اختلافی مسائل میں دلیل سے جو قول قوی اور راجح ہو اُسکو اختیار کیا جائے اور سختی اور آسانی کی دونوں جانبوں میں شاذ (اور ضعیف) اقوال کی طرف التفات نکیا جائے،، بلکہ درمیانی قول کو لینا چاہئے، جیسا ایک خلیفہ نے (جو غالباً خلیفہ منصور عباسی ہیں) امام مالک سے جبکہ اُنھوں نے کتاب مؤطا لکھنے کا ارادہ

Marfat.com

کیا۔ فرمایا تھا کہ ”عبد اللہ بن عمر رضی کی تشدید اور عبد اللہ بن عباس رضی کی رخصتوں کو چھوڑ دو اسکے
بعد جو چاہو لکھو“ امام مالک فرماتے ہیں کہ (یہ بات سنکر) میں خلیفہ کے پاس سے فقیہ بنکر نکلا۔“
اور قریب قریب رہنے کے یہ معنے ہوں گے کہ اگر کسی وقت بوجہ عذر کے قوی اور راجح قول
پر (یا قرن اول کے طریقہ پر) عمل نہ کرسکے تو (مختلف اقوال میں سے) کسی قول پر عمل کرے،
نہ تو شدت کے پہلو پر اصرار کرے، نہ بلاعذر کے رخصتوں پر عمل (کی عادت) کرے۔“
اس (مضمون کی تائید) کیلئے یہ روایت کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ ایک
شخص مدینہ میں دین کی مشکل باتوں اور مشکل حدیثوں کی تفسیر معلوم کرنے آیا ہے، آپ نے
اُسکو بلایا اور پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے نام بتلایا تو فرمایا اور میرا نام عمر بن خطاب ہے یہ کہکر
کھجور کی ایک قمچی ہاتھ میں لی اور اُسکے سر پر مارنے لگے اتنا مارا کہ سر سے خون بہنے لگا اور
برابر یہ فرماتے رہے کہ میں عمر بن خطاب ہوں“ اُس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر
عطا فرمائے اب میرے سر میں سے وہ بات نکل گئی۔
اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو سزا دینا) یہ صرف اسلئے تھا کہ جو کوئی اس قسم کی ۸۷
باتوں کو تلاش کرتا ہے وہ عموماً (دو حال سے خالی نہیں ہوتا) یا تو شدت کی جانب اختیار
کرلیتا ہے تو دین سے گھبرا جاتا ہے یا رخصتوں کا پہلو لیلیتا ہے تو (یہ محرمات میں مبتلا ہونیکا
ذریعہ بنجاتا ہے اور قریب کا راستہ چھوٹ جاتا ہے“ اس تفسیر پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی
بشارت کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص یہ طریقہ (یعنی حضرات صحابہ اور قرن اول کا طرز عمل) اختیار
کرے اُسکو خوش ہونا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ اُسکو دشواری کے موقعہ پر آسانی اور تنگی کیوقت فراخی
عطا فرمائیں گے۔ اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا
ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ط اور جو اللہ سے ڈریگا
اللہ تعالیٰ اُسکے لئے (دشواری سے) نکلنے کا راستہ بنا دیں گے اور ایسی جگہ سے رزق
دینگے جہاں اس کا گمان بھی نہ جاسکتا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی تائید کرتا ہے ومن
یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ ویعظم لہ اجرا۔ اور جو اللہ سے ڈریگا اللہ تعالیٰ اُسکی برائیوں سے
درگذر فرمائیں گے اور اُسکو بڑا اجر دیں گے اور اس بشارت سے زیادہ دوسری بشارت یہ حاصل

Marfat.com

ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو متقین میں داخل کر دیا اور اس بشارت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہی بعض لوگ دنیوی تنگی پیش آنیکے وقت مکروہات و محرمات میں مبتلا ہوجاتے اور یوں کہنے لگتے ہیں کہ ہم (ان مکروہات و محرمات کے ارتکاب پر) مجبور ہیں (بدون اس کے کام نہیں چل سکتا) کیونکہ وہ اپنے نزدیک کوئی اور ذریعہ (معاش کا) نہیں پاتے سوا اُس (ذریعہ) کے جسمیں سے لگے ہوئے ہیں،، اور یہ باتیں قرب قیامت کا پتہ دیتی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من اشراط الساعۃ طلب الرزق بالمعاصی۔ قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گناہوں کے ذریعہ سے رزق تلاش کیا جائے،، اللہ تعالیٰ ہمکو اس اندھے پن اور گمراہی سے محفوظ رکھے،،

بھلا اس پورے اندھے پن اور لازوال بہرے پن کو تو دیکھو گویا ان لوگوں نے کبھی اس بشارت کو سنا اور سمجھا ہی نہیں، اور شاید اُنھوں نے قرآن کو بھی نہیں دیکھا اور نہ اُن دو آیتوں کو سنا جو اوپر ذکر کیگئی ہیں، اور شاید اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا،، لا ینال ما عند اللہ الا بطاعۃ اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اُسکو اللہ کی طاعت ہی سے لیا جاسکتا ہے (یعنی مسلمان کو تو اللہ کی نعمتیں طاعت ہی سے مل سکتی ہیں معصیت سے نہیں مل سکتیں) یہ سب نصوص اس بات کو بتلاتی ہیں کہ جسنے بدون طاعت کے رزق کو تلاش کیا اُس نے بے طریقے تلاش کیا،، اور جو کسی چیز کو بے طریقے تلاش کرے گا پریشانی میں مبتلا ہوگا اور خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوگا،،

اب ہم سلف کے بعض واقعات بطور نمونہ کے بیان کرتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے پروردگار کی طاعت سے رزق کو تلاش کرتے تھے تاکہ مقصود پر تنبیہ ہوجائے منجملہ ان واقعات کے ایک یہ ہے کہ ایک بزرگ عیالدار تھے کسی وقت انکو تنگی پیش آئی اور کچھ میسر نہوا تو دل میں خیال آیا کہ (اللہ کی) طاعت میں لگنا چاہیئے یہی رزق کا (بڑا) وسیلہ ہے چنانچہ ایک ویران مسجد میں پہونچ اسکی صفائی کی اور وہیں عبادت میں مشغول ہوگئے، صبح کو گھر سے نکلتے اور گھر والوں سے یہ کہہ جاتے کہ روزی کی تلاش میں جارہا ہوں شام کو واپس آتے اور گھر والے پوچھتے کہ مزدوری کہاں ہے تو اُن کو یہ جواب دیتے کہ جس کا میں نے کام کیا ہے وہ بڑا سخی ہے مجھے اُس سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے

Marfat.com

خود ہی دیدیگا، اسی طرح کئی دن گذر گئے، ایک رات عادت کے موافق گھر آرہے تھے کہ قریب پہونچکر عمدہ عمدہ کھانوں کی خوشبو آئی ان کو تعجب ہوا کیونکہ اپنے ہمسایوں کی حالت معلوم تھی کہ وہ ایسے قیمتی کھانے نہیں پکا سکتے جب گھر کے اندر پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہیں سے خوشبو مہک رہی ہے تو اور زیادہ تعجب ہوا، پھر دیکھا تو گھر میں کھانا اور سالن کے علاوہ کپڑا اور روپیہ بھی (بہت کچھ) ہے اور گھر والے بھی عمدہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، ان سے دریافت کیا کہ یہ سامان کہاں سے آیا ہے؟ تو کہا جس کریم کی آپ خدمت کرتے ہیں اس نے ہی یہ سب سامان بھیجا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی کہلا کر بھیجا ہے کہ خدمت موقوف نکرنا (بدستور کام میں لگے رہنا) کہا بہت اچھا، دیکھو جو شخص طریقہ سے کسی چیز کو تلاش کرتا ہے اسکی کوشش کس طرح کامیاب ہوتی اور وہ کیونکر اپنی مراد کو پہونچتا ہے"

پس تفسیر "واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اوقات میں اللہ تعالی کی تجلیات (و توجہات) کا استقبال کرو، اسوقت اپنے اوپر اللہ تعالی کا لطف بہت زیادہ اور احسان بہت عام پاوگے اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے اذا سالت فاسئال اللہ جب مانگو اللہ ہی سے مانگو، نیز آپ کا ارشاد ہے ان تعرضوا لنفحات اللہ اللہ تعالی کی (تجلیات و) توجہات کا استقبال کرتے رہو، نیز اللہ تعالی نے اپنے رسول کی زبانی (حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ اللہ تعالی ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر تجلی فرماتے اور یوں ارشاد فرماتے ہیں، کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اسپر عنایت کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کروں؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اسکی دعا قبول کروں؟ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی خود یہ فرمائیں اور اسوقت کوئی شخص مغفرت کی درخواست کرے یا توبہ کرے یا کچھ مانگے اور محروم رہ جاوے" اللہ تعالی کے فضل و احسان سے پوری امید رکھتے ہوئے تو یہ محال ہے"

ہم چاہتے ہیں کہ اسکے متعلق بھی سلف کے کچھ واقعات پر اشارہ کردیں، تاکہ اس سے ہمارے مقصود پر روشنی پڑجائے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک ظالم مقسد کسی (اسلامی) قلعہ پر پہونچا اور اسکے باشندوں کو اسنے پریشان کیا تو انھوں نے اسے کچھ (رشوت) دینے کا ارادہ کرلیا، مگر

Marfat.com

بعض لوگوں نے کہا کہ جب تک فلاں شخص سے جو اُن کے نزدیک بزرگ اور سید ہے راستہ پر جما ہوا تھا مشورہ نہ کر لیا جائے اُسوقت تک کچھ نہ دینا چاہیئے، چنانچہ اس سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے کہا تمکو یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ اپنی گردنوں کا مالک ایسے شخص کو بناؤ جو شریعت کی مخالفت کرتا اور ناحق خونریزی کرتا ہے، یہ بات اس ظالم تک بھی پہونچ گئی تو اُس نے دھمکی دیتے ہوئے کہلا کر بھیجا کیا تمکو میری پکڑ اور میری جوانی کی خبر نہیں ؟ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا کیا تجکو میرے بڑھاپے کی اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتے اور اخیر رات میں اُس سے دعا کرنیکی خبر نہیں ؟ -

اس جواب کو سُنکر ظالم پر رعب طاری ہوگیا اور اُسوقت ظلم سے باز آگیا، ان اوقات کی بزرگی بڑھانے اور ان پر محافظت کی مزید تاکید کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوة الدنيا، اپنے نفس کو ان لوگوں کی صحبت میں جمائے رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح وشام یاد کرتے ہیں اُسکی رضا کے طالب ہیں، اور (اسے مخاطب) تیری آنکھیں حیات دنیا کی رونق (و نمائش) کی طلب میں اُن سے نہ ہٹنے پائیں (یعنی دنیا کی زینت پر فریفتہ ہو کر اہل اللہ سے منہ موڑ کر اہل دنیا کے ساتھ نہ ہو جانا) تو جو کوئی ان اوقات کا طلبگار اور ان کا نگراں رہیگا وہ (دین کے) جس راستہ پر بھی چل رہا ہوگا (خواہ علم ظاہر ہو یا سلوک باطن) اُس میں اُسکی مدد کیجائیگی، پھر بشارت پر مزید بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والذين اهتدوا زادهم هدى وآتاهم تقواهم اور جو لوگ ہدایت پا گئے اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت میں ترقی دیتے اور (اُن کی لیاقت کے موافق) کمال دین عطا فرما دیتے ہیں (تقویٰ کمال دین ہی کا نام ہے) اے سبحان اللہ! کیسی بشارت ہے جس سے کام کرنے والوں معرفت والوں کے دل خوش ہوگئے، توفیق والوں کی روحیں تازہ ہوگئیں، ڈرنے والوں کا غم دور ہوگیا، اور سبقت کرنے والوں کے قدم آگے بڑھنے لگے،

اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے فضل سے ان نعمتوں کا ایک حصہ اپنے فضل کے مناسب عطا فرمائیں (آمین)، قولہ الوجہ الخامس الی قولہ متعنا اللہ منہا من فضلہ ما یلیق بفضلہ،

Marfat.com

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو دنیوی ترقی کیلئے کفار کے طریقے پر چلنا چاہتے ہیں، اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمان کو معصیت سے ترقی نہیں ہوسکتی اُسکو اطاعت اور اتباع شریعت ہی سے ترقی نصیب ہوسکتی ہے، سود اور رشوت وغیرہ سے مسلمان کو فلاح نہیں ہوسکتی ان کو اپنی ترقی کیلئے شریعت کے وہ اصول اختیار کرنا چاہئیں جنکو انھوں نے چھوڑ دیا تو کمزور ہوگئے اور غیروں نے اختیار کیا تو قوی ہوگئے یعنی باہمی اتحاد و اتفاق، اور پابندی وقت، جفاکشی محنت، تجارت، زراعت، بیکاری سے نفرت صنعت و حرفت سے رغبت، باہمی اخلاص و محبت وغیرہ اسکی ساتھ فرائض الٰہی کی پابندی خدا کی اطاعت کو بھی شامل کر کے دیکھیں کہ ان کو دوسری قوموں سے زیادہ ترقی ہوتی ہے یا نہیں، اس کے سوا جو طریقے بھی ترقی کے ہیں اُن سے کفار کو تو ترقی ہوسکتی ہے مسلمانوں کو نہیں ہوسکتی"۔

(۵۱) ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدین یسر کا یہ مطلب ہو کہ تم سے جس چیز کا مطالبہ ہے یعنی (حکم الٰہی کے سامنے) گردن جھکا دینا اور مان لینا وہ آسان (گو عمل دشوار ہو) اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جسوقت آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمھارے دلوں میں جو کچھ ہو خواہ تم اسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اُسکا حساب لیں گے) تو (یہ آیت) صحابہ پر گراں گذری (کیونکہ وہ یہ سمجھے کہ غیر اختیاری وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا جن سے بچنا آسان نہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو (جنھوں نے کہا تھا سمعنا وعصینا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں) بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ انھوں نے نازل فرمایا اُسکو مان لیا"، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل آمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (جس میں ان حضرات صحابہ کی اطاعت و انقیاد و تسلیم کی تعریف کیگئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین اللہ پر اور اُسکے نازل کردہ حکم پر ایمان لائے سب کے سب اللہ پر اُسکے فرشتوں پر اُسکی کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، اور یوں بھی کہا کہ ہم نے سن لیا

Marfat.com

اور مان لیا، اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما دے آپ ہی کی طرف ٹھکانا ہے"، اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے"، اسمیں صحابہ کا اطمینان کر دیا گیا کہ غیر اختیاری وساوس پر مؤاخذہ نہ ہوگا) تو صحابہ کو اتنی بڑی کامیابی انقیاد و تسلیم ہی کی وجہ سے نصیب ہوئی کہ انھوں نے اپنے پروردگار کے حکم کو مان لیا اور اسکے سامنے گردن جھکا دی"، اور انقیاد و تسلیم بلاشبہ آسان ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف دل سے ہے کچھ ہاتھ پیر چلانا نہیں پڑتے"

اس تفسیر پر لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص تقدیر پر راضی نہو اور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے اسکو نہ مانے اسکے آگے گردن نہ جھکائے اور جن باتوں کا اسکو مکلف کیا گیا ہے انکو مشقت (اور تکلیف) سمجھے تو اس نے دین کو دشوار سمجھا، اور جو دین کو دشوار سمجھے گا وہ دین سے گھبرا جائیگا جیسا بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا انکار کر بیٹھے اور اپنے نبی سے (صاف) کہدیا اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون کہ آپ اور آپ کے پروردگار چلے جائیں اور دونوں خود ہی جہاد کر لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"، جب وہ حکم الٰہی پر راضی نہوئے اور اسکے آگے گردن
نہ جھکائی تو ان پر سختی کی گئی اور وادی تیہ میں چالیس سال تک پھنسے رہے یہانتک کہ بڑی عمر والے 92
سب فنا ہوگئے اور چھوٹی عمر والے بڑے ہوگئے (تو ان کو دولت جہاد سے حصہ ملا) اسکی زیادہ وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیه راجعون اولئك علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون (اور ہم تمکو ضرور ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے اور بشارت دیدو ان صبر کرنے والوں کو جن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں نازل ہوتی ہیں اور رحمت بھی اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں") تو جسکو تقدیر پر یقین اور اس کے ظہور کے وقت صبر نصیب ہو گیا اس کا اجر بڑھ جاتا اور اس کے ساتھ لطف (کا معاملہ) کیا جاتا ہے"، اور اگر دل تنگ اور ناراض ہوا تو گنہگار ہوگا اور مقدر تو ٹل ہی نہیں سکتا، تقدیر میں جو کچھ ہے پورا ہو کر رہیگا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض ہو، اگر راضی رہا تو ثواب ملیگا جو مصیبت کا نعم البدل ہے ناراض ہوا تو اس سے بھی گیا اور

Marfat.com

مصیبت کی مصیبت سر رہی اسی واسطے حدیث میں آیا ہے فانما المحروم من حرم الثواب (پس بے نصیب تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے) اس نے دین کو دشوار سمجھا تو دین سے گھبرا گیا، ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں" اس تفسیر پر سددوا وقاربوا میں سداد کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے دلوں کو تسلیم وانقیاد پر جما کر حالت درست کرو اور قریب رہنے کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس مقام پر نہ پہونچ سکو تو اس کے قریب ہی رہو کیونکہ قریب کا حکم بھی وہی ہے جو وصل کا حکم ہے" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وابشروا میں بشارت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ طریقہ اختیار کرے اور اپنے دل کو تسلیم وانقیاد پر جمائے رکھے اسکو ان نعمتوں کی بشارت حاصل کرنا چاہئے جو آیت مذکورہ کے بقیہ حصہ میں مذکور ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین ۵ (اے ہمارے پروردگار ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے اور ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ لادیئے جو ہم سے پہلوں پر لادا گیا اے ہمارے پروردگار اور ہمارے اوپر ایسی مشقت بھی نہ ڈالئے جسکی ہمکو طاقت نہیں اور ہم سے درگذر کیجئے ہماری مغفرت کر دیجئے ہمارے اوپر رحم کیجئے، آپ ہی ہمارے مولیٰ اور کارساز ہیں پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجئے یعنی جو تسلیم وانقیاد سے کام لیگا اسکو دین میں اصلا دشواری پیش نہ آئے گی دین اسکے حق میں پھول سا ہلکا ہو جائیگا اور عفو ومغفرت ورحمت ونصرت سے نوازا جائیگا)

اور اس صورت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ میں استعانت کے یہ معنی ہوں گے کہ جس شخص کو ان چیزوں پر عمل دشوار معلوم ہو جنکا ذکر کیا گیا ہے تو اسکو رب جلیل کے دروازہ پر ان خاص اوقات میں کھڑا ہونا چاہئے، جو شخص ایسا کرےگا اسکو (غیب سے) نفس کے مقابلہ میں مدد دی جائیگی اور کامیابی اور فتحمندی نصیب ہوگی، اس استعانت کو برباد کرنے کی وجہ سے ہی بعض لوگوں پر ان کا نفس غالب ہو گیا ہے، اسی لئے ان کو انقیاد وتسلیم نصیب نہیں ہوتا جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے، وہ اپنے نفس کے ہاتھوں میں دیدیئے گئے ہیں (جس طرح وہ نچاتا ہے ناچتے ہیں) کیونکہ انھوں نے اس طریقہ سے (اللہ کی) مدد حاصل نہیں کی جو ان کے واسطے مقرر کیا گیا تھا، اور یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

93

نے صحابہ کو ایک دفعہ فتنوں سے خبردار کیا تھا تو انھوں نے دریافت کیا کہ اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ حضور نے فرمایا کہ اسوقت ایمان اور اعمال صالحہ کی پناہ لینا چاہیئے"، اور فتنے تو آجکل بہت بڑھ گئے اور بڑھتے جارہے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے (صحیح) علاج اختیار کیا ہو جو ان سے نجات پانے میں معین تھا، تو لامحالہ (اس کا انجام یہی ہونا تھا کہ) ہلاک ہونے والے زیادہ ہیں اور نجات پانے والے بہت کم کیونکہ جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کم ہورہا ہے پس اے مسکین! عمل میں جلدی کر اور موت کے آنے اور مصیبتوں کے گھیر لینے سے پہلے سستی کو چھوڑدے ورنہ تجھ سے کہا جائیگا کہ تو نے تو گرمی کے زمانہ میں دودھ کو ضائع کر دیا ہے اب جاڑوں میں کیا چاہتا ہے) —— (قولہ الوجہ السادس الی قولہ فی الصیف ضیّعتَ اللبن")

ف جانوروں کا دودھ گرمی میں بڑھتا اور سردی میں کم ہوجاتا ہے اب اگر کسی نے گرمی کے زمانہ میں جانور کو بھوکا مارا اور دودھ سے محروم رہا تو سردی کے زمانہ میں اُسکو ہرگز دودھ کی امید نہ رکھنا چاہیئے اسی طرح زندگی میں انسان کیلئے عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنیکا موقعہ ہے، موت کے بعد عمل نہیں ہوسکتا، جس نے زندگی کو سستی میں برباد کردیا اُسکو موت کے بعد عمل اور ثواب کی امید نہ رکھنا چاہیئے۔ ۹۴

ف اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیئے جو آجکل مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھکر فکرمند ہیں اور ترقی کے وسائل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر اس صحیح علاج کو اختیار نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے"، دوسری قوموں سے مدد کے طالب ہیں، اور اللہ کی مدد حاصل نہیں کرتے"، حالانکہ مسلمانوں کو ہمیشہ اللہ کی مدد سے کامیابی ہوئی ہے، غیروں کی مدد سے کامیابی نہیں ہوئی اور اگر کبھی قرن اول کے مسلمانوں نے غیروں کو اپنی ساتھ لیا ہے تو اپنا ماتحت اور تابع بنا کر ساتھ لیا ہے نہ کہ مساوی یا متبوع بنا کر جیسا آجکل ہورہا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار"

ف جو لوگ دین کو دشوار سمجھتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ اس دشواری کا سبب صرف یہ ہے کہ اُن کو تسلیم و انقیاد حاصل نہیں وہ اللہ و رسول کے حکم کے آگے گردن نہیں جھکاتے اور عقائد اسلام کو دل سے نہیں مانتے اپنر یقین نہیں رکھتے بلکہ شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اگر وہ اذعان و تسلیم و انقیاد سے کام لیتے اور شکوک و شبہات کو دل سے نکال کر ان خاص اوقات میں جن کا حدیث میں ذکر ہے کچھ کام کرتے تو دین ان کیلئے پھول سے ہلکا ہوجاتا اور اصلاً دشواری پیش نہ آتی"

Marfat.com

(۵۲) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تشدید اور رخصت دونوں میں
سے کسی میں غلو نکیا جائے بلکہ (اگر کسی حدیث یا قرآن کی آیت میں مختلف توجیہات ہوں تو) جو ظاہر
اور قریب ہو اسکو اختیار کر کے عمل میں جلدی کرے ادہر ادہر التفات نکرے، اور جب (شریعت کی)
مراد یہ ہے کہ امتثال امر میں جلدی کیجائے ادہر اُدہر التفات نکیا جائے تو وہ بلا شک آسان ہے
(دشواری اُسی وقت پیش آتی ہے جب تعمق اور غلو کیا جائے) اس صورت میں ولن یشاد اللہ
احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی اپنے اوپر سختی کریگا یا تو تعمق (اور تشدد) کر کے یا دین میں
لا پروائی کر کے اُسکے اوپر اللہ تعالی سختی کریں گے، جیسا بنی اسرائیل کی حکایت ہے کہ اُن کو ایک گائے
کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اگر وہ اس حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے اور کوئی سی ایک گائے ذبح کر دیتے اُسکی
کیفیت وغیرہ دریافت نکرتے تو حکم کی تعمیل ہو جاتی مگر انھوں نے (اپنے اوپر) سختی کی اُسکی صفت اور
کیفیت (اور رنگ) دریافت کرنے لگے تو (اللہ تعالی کی طرف سے بھی) اُن پر سختی کیگئی۔ (کہ اُسکی
عمر اور رنگ اور حالت وکیفیت کی تعیین کر دیگئی) پھر جو اُسکو تلاش کیا گیا تو مدت تک وییسی گائے
نہ ملی اور ملی بھی تو ایک آدمی کے پاس ایک ہی ملی، خریدنے کی گفتگو کیگئی تو اُس نے انکار کر دیا بہت ۹۵
اصرار کیا گیا تو بیچنے پر راضی ہوا اور کھال بھر کر سونا اور چاندی دیکر اُس گائے کو خرید لیا ایک روایت
میں ہے کہ دس مرتبہ کھال بھر سونا چاندی دیا گیا، غرض انھوں نے اپنے اوپر سختی کی تو (اللہ کی طرف سے
بھی) سختی کیگئی، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سوالات سے نفرت تھی اور بہت
سوال کرنے والے کی مذمت فرماتے تھے کیونکہ اس صورت میں (اللہ تعالی کی طرف سے) سختی ہونیکا
اندیشہ تھا، اسی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کی تمنا کیا کرتے تھے کہ حضور کے
پاس کوئی اجنبی (مسافر) آئے اور سوال کرے اور ہم (حضور کا) جواب سنیں (کیونکہ اجنبی مسافر
کے سوالات پر عتیب سے سختی نہوتی تھی، اجنبی آدمی آداب سے ناواقف اور احکام سے بیخبر ہوتا ہے
اُسکے زیادہ سوالات سے حضور کو گرانی نہوتی تھی تو اللہ تعالی کی طرف سے بھی سختی کا معاملہ نہوتا تھا)
اور یہ اندیشہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی تک تھا کیونکہ اسوقت نئے نئے احکام رات
دن آتے رہتے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاک صاف اپنے اللہ کے پاس پہونچ گئے یہ اندیشہ
جاتا رہا کیونکہ اب نیا حکم نہیں آسکتا دین مکمل ہو چکا تو ہماری تشدید پر اللہ تعالی کی طرف سے سختی کا

Marfat.com

اندیشہ نہیں رہا) مگر بعض لوگوں میں اس کا کچھ نمونہ باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی بہت ہے، چنانچہ اسی قسم کا ایک شعبہ وسوسہ (اور وہم) ہے جو بعض لوگوں کو کسی عبادت میں اتنا پیش آتا ہے کہ حکم شریعت میں خلل ڈالنے لگتے ہیں ایسا (وہمی) آدمی عبادت میں گمراہی پر جما رہتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں"، (حضرت) یمین بن رزق رحمۃ اللہ نے جو دونوں طریقوں کے امام ہیں فرمایا ہے کہ شیطان جب کسی کے عقیدہ میں شبہ (اور شک) ڈالنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو اسکو گناہوں کی ترغیب دیتا ہے اگر اسمیں کامیاب ہوگیا تو مقصود حاصل ہوگیا اگر اسپر قادر نہ ہوا تو عبادت میں اسقدر وسوسہ (اور وہم) ڈالنا شروع کرتا ہے کہ شریعت کے احکام میں خلل پڑنے لگے اگر اسمیں کامیاب ہوگیا تو اسی پر قناعت کرکے چھوڑ دیتا اور اسکو عبادت کی رغبت دلاتا اور بلند آواز سے بلاتا ہے، اسکے بعد اگر کوئی دوسرا شریر شیطان اسے بہکانے آتا ہے اُس سے کہدیتا ہے کہ تو اسکے پیچھے نہ پڑ، یہ میرا ہی کام کر رہا ہے (اور میری منشا کے مطابق گمراہی میں چل رہا ہے) تو (دیکھو) اس شخص نے دین کو سختی کے ساتھ لیا تو دین سے عاجز ہوگیا اور خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوا اس اندھے پن اور گمراہی سے ہم
اللہ کی پناہ مانگتے ہیں"، اس صورت میں فسددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو کمال ۹۶
اتباع سنت کیساتھ درست کرو، اور اگر بدرجہ کمال اتباع سنت نہ ہوسکے تو اسکے قریب ہی رہو۔ اور یہ بھی نہ ہوسکے تو مجاہدہ کرکے نفس کو اس پر آمادہ کرو، وماذا بعد الحق الا الضلال اور حق کے بعد تو گمراہی کے سوا کچھ نہیں (جو شخص مجاہدہ کرکے سنت کے قریب رہنے کی بھی کوشش نہ کرے وہ کسی طرح گمراہی سے نہیں بچ سکتا) اسکے بعد وابشروا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس حکم پر عمل کرلیا تو خوش رہو اور بشارت حاصل کرو کہ مجاہدہ کے ساتھ ہی خیر اور ہدایت کے راستے تمھارے لئے آسان ہو جائیں گے اس مضمون کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں پر لگا دیتے ہیں"، اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشئ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں دروازہ کھٹکھٹانے کی پابندی کرو اور مصائب و فتن نازل ہونے کے وقت اس کا خیال رکھو کیونکہ نجات کا راستہ یہی ہے اسی (راستہ) سے عالم خفیات (باری تعالیٰ) کی مدد تمھاری دستگیری کرے گی، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے من فتح لہ فی الدعاء

Marfat.com

فقد فتحت لہ ابواب الخیرات جس کا دل دعا میں کھل گیا اسکے لئے خیرات کے دروازے کھل جاتے ہیں، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین جو شخص میری یاد میں مانگنے (اور دعا کرنے) سے رہ جائے (یعنی یادِ الٰہی میں ایسا مشغول ہو کہ دعا کی مہلت نہ ملے) میں اسکو مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں"۔ (قولہ الوجہ السابع الی قولہ افضل ما اعطی السائلین)

(۵۳) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کے آسان ہونیکا مطلب یہ ہے کہ (آئندہ کے متعلق) توقع (اور تجویز) کم کردو (تو دین آسان ہے) کیونکہ توقع (اور تجویز) کم کرنا بھی ان اسباب میں سے ہے جو دین میں معین (و مددگار) ہیں اسکے ذریعہ دین آسان ہوجاتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب توقع (اور تجویز) کم کی جاتی ہے تو حرص کم ہو جاتی اور زہد آسان ہوجاتا اور عمل ہلکا ہوجاتا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں) اس مضمون کو صاف صاف بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح، کہ جب صبح ہو تو اپنے دل سے شام کے متعلق باتیں نہ کرو اور جب شام ہو تو اپنے دل سے صبح کے متعلق باتیں نہ کرو (کہ ایسا کریں گے اور یوں کریں گے کہ اس توقع اور تجویز ہی سے حرص کو ترقی ہوتی اور دل پریشان ہوتا اور دین پر عمل دشوار ہوجاتا ہے) روایت ہے کہ (حضرت سیدنا) عیسی علیہ (وعلی نبینا) الصلوۃ والسلام نے اثنائے سیاحت میں ایک بڈھے کو باغ کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا سیدنا عیسی علیہ السلام کو (اسکی حالت پر) تعجب ہوا کہ بڑھاپا آگیا اور کمائی کی پھر بھی اتنی حرص ہے آپ کو یہ تعجب ہی ہوا تھا کہ اس نے فوراً پھاوڑا ہاتھ سے رکھدیا اور عبادت میں مشغول ہوکر مختلف قسم کے نیک کاموں میں لگ گیا، ایک مدت تک ایسی حالت پر رہا، اسکے بعد پھر باغ کی خدمت میں پہلے کی طرح مشغول ہوگیا (حضرت) عیسی علیہ السلام کو اس حالت پر پہلے سے بھی زیادہ تعجب ہوا تو بڈھے سے دریافت فرمایا کہ تو نے باغ کی خدمت کیوں چھوڑدی تھی اور اب دوبارہ کیوں شروع کردی؟ اس نے کہا کہ پہلے تو میں اسلئے خدمت کر رہا تھا کہ دنیا میں طبعی طور پر انسان کو اپنی ضروریات کیلئے کمانے کھانے کا فکر ہوتا ہی ہے، پھر مجھے اپنے بڑھاپے کا خیال آگیا کہ موت کا وقت نزدیک ہے تو میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ مجھے دوسروں کے واسطے محنت (و مشقت) کرنے کی کیا ضرورت ہے، ۹ اس خیال کے

Marfat.com

آتے ہی میں نے سب کام چھوڑ دیا اور آخرت کی تیاری شروع کی پھر دل میں یہ خطرہ آیا کہ شاید میری عمر دراز ہو جائے تو دوسروں کا محتاج ہونا پڑیگا تو میں پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا اور شغل معاش کو اس شغل (عبادت) پر ترجیح دی جسے اختیار کر چکا تھا (اس واقعہ سے توقع اور تجویز کی حقیقت اور اسکے آثار پر روشنی پڑ گئی ہوگی) اور اللہ تعالی کی عادت اپنے اولیاء کی ساتھ یوں ہی ہے کہ ان پر عمل آسان اور عبادت میں مشغول ہوکر طریق عمل طے کرنا اور اسمیں لگا رہنا اسی واسطے سہل ہو گیا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی توقع (اور تجویز اور امید) کو کم کر دیا ہے، اسی وجہ سے ان کو وہ کام آسان ہے جو دوسروں کو دشوار ہے اور (اسی بات پر متنبہ کرنے کیلئے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جبکہ انھوں نے ایک مہینہ کے ادھار پر کوئی چیز خریدی یا بیچی تھی فرمایا تھا ان اسامۃ لطویل الامل اسامہ کی توقع (اور امید) تو بہت لمبی ہے، اس صورت میں لن یشاد الدین احد الا غلبہ کے یہ معنی ہوں گے کہ جسکی توقع (اور تجویز) لمبی ہوگی وہ سستی (اور کسل) میں مبتلا ہوگا تو دین سے عاجز ہو جائیگا (کیونکہ ایسا آدمی آج کے کام کو کل پر اور کل کے کام کو پرسوں پر ٹالا کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ آج کا کام پورا ہوتا ہے نہ آئندہ کا) ۹۸
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت یہ تھی کہ، اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر، اگر تو زندہ رہا تو اللہ تعالی (کل کو) نیا رزق عطا فرمائیں گے اور مر گیا تو اپنے وقت کو اسی فکر میں مشغول نہ کر جس تک پہونچنا ہی نہ ہوگا،، اور اسی دروازہ (کے کھولنے) سے بہت لوگ برباد ہو گئے ہیں اس صورت میں فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہوگا کہ اپنے دلوں کو توقع (اور امید) کے کم کرنے پر جماؤ کہ یہی پوری درستی ہے اور اگر اس کا درجہ اعلی حاصل نہ کر سکو تو قریب ہی کا درجہ حاصل کر لو، ورنہ جاؤ ورنہ پیچھے رہ جاؤ گے اور پیچھے رہنے والا محروم ہوتا ہے۔ اور ابشروا کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم نے اس نصیحت کو قبول کر لیا (اور اسپر عمل کیا) تو دنیا اور دین (دونوں) کی درستی کی بشارت حاصل کرو اسکے بعد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشئی من الدلجۃ کے معنی وہی ہیں جو پہلے بیان ہوے (کہ ان اوقات میں عمل کا اہتمام کرو کیونکہ اس سے تمکو توقع اور تجویز کے کم کرنے پر مدد ملے گی قولہ الوجہ الثامن الی قولہ کالکلام علی الوجہ قبلہ)

ف بہت لوگوں کو طول امل نے دینداری سے روک رکھا ہے، وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ

Marfat.com

دنیا کے فلاں فلاں کام پورے ہوجائیں تو دین کے کاموں میں مشغول ہوں کسی کو جائداد پیدا کرنے کا انتظار ہے کسی کو بیٹے اور بیٹی کی شادی سے فارغ ہونیکا خیال ہے، کوئی پنشن کا وقت آنے کا منتظر ہے، لیکن ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ موت کا وقت متعین نہیں، نہ معلوم کس وقت پیام اجل آجائے اور ساری تجویزیں دل کی دل ہی میں رہ جائیں، اسلئے عاقل وہ ہے جو صبح کو شام کے متعلق تجویز نکرے اور شام کو صبح کے متعلق کوئی امید قائم نکرے، بلکہ زندگی کا جو لمحہ بھی نصیب ہے اسکو غنیمت جانکر دین کا کام بھی اسمیں پورا کرے اور دنیا کا بھی، اسی کا نام قصر امل ہے اور دوسری حالت کا نام طول امل، حدیثوں میں طول امل کی بہت مذمت آئی ہے کہ آدمی آئندہ کے متعلق توقعات اور تجویزات قائم کرتا رہے حالانکہ اسکو آئندہ کی کچھ بھی خبر نہیں کہ کیا ہوگا"

(۴۵) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین رضا سے آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مقامات عالیہ تک پہونچنے کا بڑا سبب اور سالکین کے درجات میں بڑا مقام ہے جسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ، اے برخوردار! اگر تم اللہ کیلئے کامل رضا کے ساتھ عمل کرسکو تو ضرور کرو، ورنہ ناگوار امور پر صبر ہی کرو کہ اسمیں بھی بڑی خیر ہے"

99

اس صورت میں ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص تقدیر پر راضی نہ ہو بلکہ ناراضی کا اظہار کرے اس نے دین کو دشوار راستے سے لینا چاہا ہے تو دین اسکو ہرا دے گا اسی لئے اہل سلوک میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ تقدیریں تو چلتی رہیں (اور پوری ہوکر رہیں گی) اب اگر تو راضی رہا تو وہ چلیں گی اور تجھکو ثواب دئے جائیں گی اور ناراض ہوا تو وہ پھر بھی چلیں گی مگر تجھکو گناہ دئے جائیں گی، اس صورت میں یہ شخص دین سے عاجز ہوگیا کیونکہ (تقدیر پر) راضی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو گناہ ہوا"

اور فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی حالت کو کمال رضا اختیار کرکے درست کرو، اور اگر ایسا نکرسکو تو اس کے قریب ہی رہو، اور قریب رہنا یہ ہے کہ (تقدیر پر) صبر کرو چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابھی گذرا ہے کہ آپنے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ ناگوار امور پر صبر کرنے میں بھی بہت خیر ہے"، اور (مقام) رضا کا نتیجہ (اور ثمرہ) تکالیف اور مصائب

Marfat.com

کے اجتماع ہی کے وقت ظاہر ہوتا ہے راحت اور امید (برآری) کے وقت ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ
اس پر تو ہر شخص راضی ہوتا ہے (پس تکلیف اور مصیبت کے وقت نفس کا امتحان کرنا چاہئے
کہ اسکو رضا حاصل ہے یا نہیں - راحت و آرام کی حالت میں صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا) اسکے بعد
وابشر وا کے یہ معنی ہیں کہ جس شخص نے طریقہ رضا یا طریقہ صبر کو اختیار کر لیا ہو اسے اپنی کوشش
کی کامیابی اور مراد پر فتحیابی کی بشارت حاصل کرنا چاہیئے ، جو ہر شخص کو اسکی رضا اور صبر کے موافق
نصیب ہوگی ، پھر اسکو اس بشارت کے علاوہ ایک بڑی بشارت اور دیجاتی ہے جو الفاظ حدیث
کی بشارت سے زیادہ ہے ، اور یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اندر مذکور ہے ویزیدھم
من فضلہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انکو اور زیادہ دیں گے ، اور جب یہ زیادتی (اللہ کے
فضل کے موافق ہوگی تو کتنی بڑی بشارت ہوئی (اسکو خود ہی سمجھ لو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے
ہمکو بھی اس (روایت) کا وہ حصہ عطا فرمائیں جو اُن کے فضل کے مناسب ہے ، اور واستعینوا
بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا وہی مطلب ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ ان اوقات
100 میں عمل کا اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ حصول رضا میں غیب سے مدد ہو قولہ الوجہ التاسع الی قولہ
منحنا اللہ سبحانہ منہا من فضلہ ما یلیق بفضلہ))

ف اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دین اُس شخص کو آسان ہے جسے اللہ و رسول کی محبت حاصل
ہے ، کیونکہ محبت کے بعد محبوب کا کوئی حکم اور کوئی فعل ناگوار نہیں ہوتا ، از محبت تلخہا شیریں بود
چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دین کو دشوار کہتے ہیں وہ دنیا مردار کیلئے اتنی مشقتیں برداشت
کرتے ہیں کہ دین میں اس کا دسواں حصہ بھی مشقت نہیں ، اور اگر کسی پر ان کا دل آجائے تو
اُس کیلئے تو سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں مال بھی - آبرو اور عزت بھی ، اور جان بھی
اور اسمیں اُن کو کچھ بھی مشقت محسوس نہیں ہوتی ، ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ دین اُن کو
اسی واسطے مشکل نظر آتا ہے کہ اللہ و رسول کی محبت دل میں نہیں آئی ، اس دولت کو اہل محبت
متبعین سنت کی صحبت میں رہ کر حاصل کریں تو دین بالکل آسان نظر آئیگا ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(۵۵) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اُس شخص کو آسان ہے جسکو یقین حاصل ہو ، کیونکہ یقین بھی درجات

یقین حاصل ہو جائے تو دین ...

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ومقامات عالیہ تک پہونچنے کا بڑا سبب ہے، جسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ، ابوبکر کو زیادہ نماز روزہ کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہیں ہوئی ہے بلکہ اُس چیز کی وجہ سے ہوئی جو اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے اور اُن کے دل میں جو بات جمی ہوئی تھی وہ قوت یقین ہی تو تھی، ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ اسکی وجہ سے اعلیٰ مقام پر پہونچے اور اسی بات سے جو اُن کے دل میں تھی دوسروں پر فضیلت لیگئے اُن کو اعمال بدنیہ میں (زیادہ) مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی" اور یہ بلا شک آسان ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ امت کیلئے دین آسان ہوجائے چنانچہ فرمایا ہے تعلموا الیقین فانی اتعلمہ یقین حاصل کرو کیونکہ میں بھی اُسکو حاصل کرتا ہوں اور جس یقین کے حاصل کرنے کی حضور نے ترغیب دی ہے وہ کسبی ہے کیونکہ یقین کی دو قسمیں ہیں، ایک وہبی۔ دوسرے کسبی، تو حضور نے اس جگہ اُس یقین پر اشارہ فرمایا ہے جسکی تحصیل میں بندہ کی تدبیر (اور کوشش) مفید ہوسکتی ہے، اور اسکی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم وجود میں اپنے احکام (تکوینی) جو کچھ ظاہر فرمائے ہیں اُن میں تامل 101 (اور غور) کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کبھی کسی طرح پر جاری ہوتا ہے کبھی کسی طرح، اور صورت ایک ہی ہوتی ہے (مثلاً دو آدمی ساتھ ہی پڑھتے اور امتحان دیتے اور پاس ہوتے ہیں مگر ایک کو ملازمت ملجاتی ہے ایک کو نہیں، دو آدمی پاس پاس ایک ہی مال کی دکان کرتے ہیں مگر ایک کو نفع ہے ایک کو نقصان وعلی ہذا القیاس) اسی طرح انسان کبھی ایک بات کو ترجیح دیتا (اور پسند کرتا) ہے پھر تھوڑی ہی دیر میں اُسکی ضد کو ترجیح دیتا ہے ان باریکیوں ہی میں غور کرنے کی وجہ سے تو اولیاء صالحین کے یقین میں ترقی اور ایمان میں پختگی ہوئی ہے، چنانچہ ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس بات سے پہچانا فرمایا ارادہ اور عزم کے توڑنے (اور بدلنے) سے اسی طرح ملکوت سموات وارض (آسمان وزمین کی مخلوقات) میں نظر کرکے یقین حاصل کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کیلئے قوت یقین کا سبب قرار دیا تھا، بعض (علماء) نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الدہر، کہ ایک ساعت فکر کرنا زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ ان چیزوں میں جنکا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ دیر فکر کرنے سے ایسا یقین حاصل ہوتا ہے

Marfat.com

جو زمانہ بھر کی عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا (اگر فکر سے خالی ہو) پھر (یقین کے بعد) اسکو دین (کا ہر کام)
آسان ہو جاتا ہے اگرچہ (فی نفسہ) دشوار ہی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل یقین کو اسی صفت
کے ساتھ اپنی کتاب میں موصوف فرمایا ہے (الذین قال لھم الناس) ان الناس قد جمعوا
لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ط فانقلبوا بنعمۃ من
اللہ لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم ٥ جب لوگوں نے ان سے
کہا کہ تمھارے مقابلہ کیلئے دشمنوں نے بہت لوگوں کو جمع کیا ہے اُن سے ڈرو تو اس بات سے
اُن کے ایمان میں (اور بھی) ترقی ہوگئی اور انھوں نے کہا ہمکو اللہ بس ہے اور وہ اچھا کارساز ہے
تو اب وہ اللہ کی نعمت کیساتھ اس حالت میں واپس ہوئے کہ اُن کو ذرا تکلیف نہیں چھوئی اور
اللہ کی رضامندی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے،، تو دیکھو! جب اللہ پر بھروسہ
کرنے سے اُن کا یقین مضبوط ہو گیا تو (دشمنوں کی) خبر کا رعب اُن کے دل سے جاتا رہا اور اس کے
بعد اللہ کے فضل عظیم کے ساتھ دنیا و آخرت کی نعمتیں لیکر واپس ہوئے اور اس ساعت کی برکت سے
جسمیں انھوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور قوت یقین کے ساتھ اُسی پر بھروسہ کیا تھا دونوں 102
جہان میں کامیاب ہو گئے،،

اس صورت میں ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جس کا یقین ضعیف ہو
اور اُسکی تقویت کے اسباب بھی اختیار نہ کرے وہ دین کو دشوار طریقہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے
اور جو دشوار طریقہ سے دین کو لینا چاہے گا وہ اس سے ہار جائیگا،،

اور ہارنے کی صورت یہ ہوگی کہ نفس اور شیطان کے دہوکوں اور اندیشوں میں مبتلا ہو جائیگا، چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی یہی حالت قرآن میں بیان فرمائی ہے یعدھم ویمنیھم وما یعدھم
الشیطان الا غرورا ہ شیطان ان سے وعدہ کرتا اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے
وعدے (وعید) نرے دہوکے ہیں اور کچھ نہیں،،

اسکے بعد فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ یقین کا اعلیٰ درجہ حاصل کرو اور اُسی کے موافق عمل کرو،
اگر درجہ کمال پر قادر نہ ہوسکو تو بالکل محروم بھی نہ ہو قریب کا درجہ ہی حاصل کرلو ورنہ دین تمکو
دشوار ہو جائیگا اور جسکو دین (پر چلنا) دشوار ہو گیا وہ خسارہ اور گمراہی لیکر ہی واپس ہوگا نعوذ

باللہ من ذلک "
اور ابشروا کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے یقین کا وہ درجہ حاصل کرلیا جو کسب و اختیار سے اُن اسباب کے ذریعہ جن کا اوپر ذکر ہوا حاصل ہو سکتا ہے تو یقین وہبی کی بشارت حاصل کرو کہ اسکے بعد تمکو یقین کا وہ درجہ حاصل ہوگا جو محض اللہ کی عطا اور وہب سے ہی مل سکتا ہے کسب و اختیار کو اس میں دخل نہیں)۔
اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کے وہی معنی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے کہ ان اوقات میں عمل کرکے مدد (اور سہارا) لو، ان اوقات میں اللہ کی طرف التجا کرو کیا عجب ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے دل میں ان چیزوں سے عبرت حاصل کرنے کا خیال ڈالدیں جن سے یقین کو قوت حاصل ہوتی ہے " اور توفیق خاص سے تائید فرمائیں، اور اسکے بعد ہمکو دوسری قسم کا یقین عطا فرمائیں جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ فیض (اور وہب) ہی سے عطا ہوتا ہے تو جس شخص پر یقین کا ہر درجہ دشوار ہو جائے اور اُس سے بالکل محروم ہو جائے یا کوئی درجہ حاصل ہو گیا ہو مگر وہ اسمیں ترقی کا طالب ہو تو اسے ان خاص اوقات میں (کریم کے) دروازہ پر کھڑا ۱۰۳
ہونا چاہئے، اُسکی کوشش کامیاب اور مراد پوری ہوگی، کیونکہ خبر دینے والا (رسول) سچا ہے، اور جسکے حوالہ (معاملہ) کیا گیا ہے وہ کریم ہے کہ وعدہ خلافی نہیں کرتا (پھر ناکامی کی کوئی وجہ نہیں قولہ الوجہ العاشر الی قولہ وھو لا یخلف المیعاد)۔

ف. آجکل بہت لوگ دین کو دشوار بتلاتے ہیں اُن کو اس مقام سے سبق لینا چاہئے کہ اس دشواری کا منشا ضعف یقین ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم پر یقین نہیں رہا۔ وہ ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کو ڈھکوسلا سمجھتے ہیں پھر ظاہر ہے کہ جس شخص کو ثمراتِ اعمال کا یقین نہیں اُس کو اعمال شرعیہ دشوار نظر نہ آئیں گے تو اور کیا ہوگا؟ دیکھو اگر کسی شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ فلاں کام کرنے سے مجھے ایک لاکھ روپیہ ملیگا اسکو یہ کام دشوار نہ ہوگا اور جسکو محض احتمال اور وہم ہی ہو یقین نہ ہو اسکو دشواری کا سامنا ہوگا۔ حضرات سلف صالحین کو دین اسی واسطے آسان تھا کہ اُن کو قرآن و حدیث کے وعدے وعیدوں پر پورا یقین تھا، اب اس زمانہ نیچریت میں لوگوں کو وہ یقین نہیں رہا تو دین دشوار نظر آنے لگا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

نفسانی خواہشوں پر غالب آجانا گویا دین کو آسان بنانا ہے

(۵۶) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اُس شخص کو آسان ہے جو نفس کے حظوظ کو چھوڑ کر اپنے مولیٰ کے سامنے اُسکو ڈالدے کیونکہ نفس کا اپنے حظوظ (اور خواہشوں) کو طلب کرنا اور انقیاد (و اطاعت) چھوڑ دینا ہی بڑا حجاب ہے کیونکہ نفس جس چیز کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اُسکو خراب کر دیتا ہے مگر جسکو اللہ تعالیٰ اسکی شر سے محفوظ کر دے (وہ خرابی سے بچ جاتا ہے) پس نفس کو مطیع و منقاد بنا کر دبانا اور اسکی خواہشوں کو پورا نکرنا اُسی کو آسان ہے جسکے لئے اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان کر دیں"

ایک بزرگ سے کسی نے وصول (الی اللہ) کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا اپنے نفس کو چھوڑ دو بس تم واصل ہوگئے (یعنی اسکی خواہشوں کو پورا نکرو بلکہ اسکی مخالفت کرو تو وصول میں دیر نہوگی) اس صورت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خواہش نفس کے موافق کام کرے اور اسکی امیدوں (آرزوں) کو پورا کریگا اور اُسکو مطیع و منقاد نہ بنائیگا وہ دین کو دشوار طریقہ سے لینا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقہ سے دین کو حاصل کرنا چاہیگا دین اُسکو ہرا دیگا کیونکہ حجاب نفس کی وجہ سے یہ شخص اُن ۱۰۴
بھلائیوں سے محروم ہو جائیگا جو اطاعت و انقیاد کی حالت میں لطف و مدد (الٰہی) کی صورت میں اسکے لئے تیار کی جاتیں" اور فسددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ حظوظ نفس کو بالکل چھوڑ کر عمل کرو نفس کو ان باتوں سے ہٹاؤ اور خالق (جل وعلا) کے سپرد کر دو تو کامیاب ہو جاؤ گے" اور اگر اس پر قدرت نہو، اور نفس تم پر غالب ہو تو ریاضات و مجاہدات اختیار کرو تاکہ وہ حالت میسر ہو جائے جسکی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے (یعنی نفس مطیع و منقاد اور اُسکی خواہشیں مغلوب ہو جائیں)۔

اور وابشروا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تم نے اس طریقہ پر عمل کیا تو خوشخبری حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمھارے نفس سے زیادہ مہربان اور اُس سے زیادہ تمھارے واسطے بہتر ہیں وہ یقیناً تمھاری امیدوں (اور آرزوں) کو پورا کر دیں گے، اور کیوں نہو جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں وکان بالمؤمنین رحیما کہ وہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہیں"

نیز فرماتے ہیں یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیھا نعیم مقیم خالدین

Marfat.com

فیہا ابدا ط ان اللہ عندہ اجر عظیم ٥ ان کا پروردگار ان کو بشارت دیتا ہے اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسی جنتوں کی جنمیں ہمیشہ کی راحت ہے اور وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے بلاشک اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے،

نیز ارشاد ہے واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ اور لیکن جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کیا اور (اس خوف کی وجہ سے) نفس کی خواہش کو روک لیا تو بیشک اسکا ٹھکانا جنت ہے،، اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشی من الدلجۃ کا یہ مطلب ہوگا کہ ان اوقات سے مدد لو ان کی نگہداشت رکھو تو جس بات کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے اسمیں تمہاری مدد کیجائیگی اور تم اپنے رب کی رضامندی سے کامیاب ہو جاؤ گے،، تو کیا کوئی مستعد ہے؟ جو مدد کے زمانہ کو پہلے اس سے کہ ہاتھ سے جاتا رہے غنیمت سمجھے (اور اگر اب غنیمت نہ سمجھا تو) پھر اس کے نفس سے جو کچھ کوتاہی اس باب میں ہوگی اس کی تلافی نکر سکے گا (قولہ الوجہ الحادی عشر الی قولہ ثم لا یجد لنفسہ علی ما فرط فیہا قالہ)

۱۰۵ ف۔ نفسانی خواہشیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جو شریعت کے موافق ہیں جیسے بقدر ضرورت کھانے پینے پہننے کی خواہشیں یا نکاح کی رغبت یہ تو حقوق نفس ہیں جنکا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے ان لنفسک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر کچھ حق ہے،، دوسری وہ جو شریعت کے خلاف ہیں ان کا نام حظوظ نفس ہے اور انہی کو قرآن وحدیث میں ہوائے نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کا ترک ضروری ہے اور انہی کے ترک کا حکم ہے،، پس حقوق نفس۔ اور حظوظ نفس کو کسی محقق عالم سے دریافت کر کے حقوق کو ادا کرنا اور حظوظ کو ترک کرنا چاہئے، صوفیہ کرام نے جو مخالفت نفس کی تاکید کی ہے اس سے مخالفت حظوظ ہی مراد ہے نہ کہ مخالفت حقوق، خوب سمجھ لو، اور یہاں سے معلوم ہوا کہ دین تصوف ہی سے آسان ہوتا ہے کیونکہ نفسانی خواہشوں پر قابو یافتہ ہونیکا طریقہ اسی سے معلوم ہوتا ہے اور مشائخ طریق کی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے۔

(۵۷) ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اسوقت آسان ہے جبکہ اللہ کیلئے خالص ہو، اللہ ہی کے واسطے اللہ ہی کی وجہ سے (اسکو اختیار کیا گیا) ہو کہ انسان مولیٰ تعالیٰ شانہ کے حق کی تعظیم کیلئے عمل کرے (اور کوئی غرض نہ ہو) جب ایسا کریگا تو دین اسپر آسان ہوجائے گا کیونکہ اسوقت یہ شخص

Marfat.com

طاعت میں حلاوت پائیگا اور (حلاوت کی وجہ سے) وہ اسپر خفیف (اور آسان) ہو جائیگی، بلکہ
اسکی غذا بنجاویگی (کہ اب بدون طاعت وعبادت کے چین ہی نہ آئیگا) پس وہ باطن میں فرشتہ
اور ظاہر میں انسان ہوگا،، اسی لئے اہل سلوک میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل دنیا
مسکین (اور قابل رحم) ہیں کہ دنیا سے چلے گئے اور اسکی راحت کا مزہ بھی نہ چکھا، کسی نے عرض
کیا کہ دنیا کی راحت کیا ہے؟ فرمایا حلاوت طاعت،، اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی طرف (بندوں کو)
بلایا اور اسکی ترغیب دی ہے چنانچہ ارشاد ہے ایاک نعبد وایاک نستعین (کہ ہمارے سامنے
یوں عرض کیا کرو کہ اے اللہ ہم صرف آپ ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں
اور اخلاص اسی کا تو نام ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اسی کے واسطے اسی کی وجہ سے
کیجائے) پھر اللہ تعالیٰ نے زیادہ ترغیب کیلئے ہر رکعت میں اسکے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ حال بنجائے
اور جب اللہ تعالیٰ مددگار اور ہادی ہوں گے تو لطف وعنایت کیساتھ اسکو (درجات عالیہ
کی طرف) اٹھالیں گے اور کرامت واحسان کا تاج پہنادیں گے،، اور لن یشاد الدین احد
الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص دین میں اپنے ہی نفس پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ ۱۰۶
پیدا نکرے نہ اس سے مدد مانگے وہ دین کو دشوار طریقہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقہ سے
دین کو لینا چاہیگا وہ دین سے ہار جائیگا، کیونکہ اسپر نفس کے عیوب ظاہر ہوں گے اور ان سے نکلنے کا
راستہ نہ ملیگا، پھر اسوقت دو حالتوں میں سے ایک کا سامنا ہوگا اور (یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ
ان میں سے ایک بھی کسی کے اندر پائی جاوے تو اسکی ہلاکت کی علامت ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے
لطف اور درگزر سے کسی کی دستگیری فرمائیں (تو اور بات ہے وہ دو حالتیں یہ ہیں کہ) یا تو اپنی
امید تک نہ پہونچنے کی وجہ سے یاس (اور ناامیدی) میں مبتلا ہوگا اور جب اس صفت سے موصوف ہو
تو اسپر (ہلاکت کا سخت) اندیشہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے
فرمایا ہے لو کنت معجلا عقوبۃ لعجلتہا علی القانطین من رحمتی اگر میں جلدی سزا دیا کرتا تو
اپنی رحمت سے ناامید ہونے والوں پر جلد عذاب بھیجتا، اور یا جس حال میں اسوقت ہے اسی پر
راضی ہوگا اسی پر جمارہیگا، اور اس حالت میں بھی خطرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فما
اصبرھم علی النار کہ یہ لوگ دوزخ پر کیسے دلیر ہیں، مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے

Marfat.com

کہ یہ لوگ اُن اعمال پر جو جہنم میں پہونچانے والے ہیں بڑے دلیر ہیں تو درحقیقت جہنم پر دلیر ہیں" اور یہ ایسا ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم نارا (کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کہاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں (اور کچھ نہیں) حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ وہ تو مزے دار کھانا کھاتے ہیں مگر جب اس کا انجام جہنم میں پہونچنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کھانے ہی کو آگ بتلایا، اسکے بعد فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی نفسانی اور ذاتی حالت کو درست کرو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لگاؤ رکھو اپنے تمام معاملات میں اُسی سے مدد مانگو، اگر یہ درجہ درستی حال کا حاصل نکر سکو تو اسکے قریب ہی کا درجہ حاصل کرلو، اور اس درجہ تک پہونچنے کیلئے ریاضت (ومجاہدہ) اختیار کرو" اور لمبی مہلت (ملنے) سے دہوکہ نہ کھانا (کہ ابھی تو بہت عمر باقی ہے اخیر وقت میں دیندار بنجائینگے) کہیں تمسے (آخرت میں) یوں نہ کہا جائے اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر (کیا ہم نے تمکو اتنی عمر نہ دی تہی جسمیں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا (اور تمھارے پاس ڈرانیوالا بھی پہونچ چکا تھا)" ۱۰۷

اسکے بعد وابشروا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر لیا اور اسکے آگے گردن جھکادی تو خوشخبری حاصل کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی امید کے موافق (مہربان وکارساز) پاؤگے اور کیوں نہو جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندہ کے گمان کیساتھ ہوں جیسا گمان بھی وہ میری ساتھ رکھے" اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان (خاص) اوقات سے مدد لو، ان میں عمل کرنے اور مولیٰ کے دروازہ پر کھڑے ہونے کو غنیمت سمجھو تمھاری مدد کیجائیگی اور دشوار کام آسان ہو جائیگا"

اور جو شخص اس طریقہ پر عمل کریگا اسکو پہلی بشارت سے زیادہ دوسری بشارت حاصل ہوگی کیونکہ امانت خود ایک بشارت ہے، اور ایک بشارت پہلے دیجا چکی ہے، غرض یہاں چند بشارتیں ہیں اور خبر دینے والا سچا ہے اور جسکو طلب کیا جا رہا ہے وہ غنی وکریم ہے کہ نیک کام کرنے والونکی کوشش قبول فرماتا اور برے کام کرنے والوں سے درگذر کرتا ہے، تو کیا کوئی سچا مستعد ہے؟

اور اس جیسی ہی بشارت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں (اشارۃً) مذکور ہے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل ۝ الم یجعل کیدھم فی تضلیل ۝ وارسل علیھم طیرا ابابیل ۝ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ۝ فجعلھم کعصف مأکول ۝ (اے انسان) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کیساتھ کیا کیا؟ کیا ان کی تدبیر کو غارت نہیں کر دیا؟ کہ ان پر پرندوں کی جماعتوں کو مسلّط کیا جو پکی مٹی کی پتھریاں ان پر مارہی تھیں پھر ان کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھوسہ" جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، اسپر فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں ایسے کو (خلیفہ) بنائیں گے جو اسمیں فساد کریگا اور خون بہائیگا، تو حق تعالیٰ ان سے ناراض ہوگئے پس فرشتے (اللہ کے غضب سے) گھبرا گئے اور انھوں نے سات دفعہ عرش کا طواف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی اور خطا معاف کر دی۔ پھر فرمایا کہ زمین میں ایک گھر بناؤ جسکے گرد گنہگار انسان سات دفعہ طواف کیا کریں گے جیسا تم نے عرش کا طواف کیا تو میں انکی مغفرت کر دیا کرونگا اور ان پر رحم کرونگا جیسا تم پر کیا"، فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی (اور مکہ میں خانہ کعبہ فرشتوں کے ہاتھوں تیار ہوگیا) پھر جب طوفان آیا تو اسکو اٹھا لیا گیا اور بنیاد باقی رہ گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو (اس کا حج کرنے کیلئے) بلاؤ، آواز دینا تمہارا کام ہے اور (آواز کا) پہونچانا ہمارا کام ہے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز تمام آدمیوں کو پہونچا دی جنکے متعلق علم الٰہی میں حج مقدر ہو چکا تھا (انھوں نے اس آواز پر لبیک کہی) خواہ ماؤں کے رحم میں تھے یا باپوں کی پشت میں"، پھر جب ہاتھی والے (ابرہہ گورنر حبشہ نے جو اسوقت شاہ حبشہ کی طرف سے یمن پر متعین تھا) اس گھر کے گرانے کا ارادہ کیا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مغفرت و رحمت کا سبب بنایا تھا اور یوں چاہا کہ لوگوں کو بیت اللہ سے ہٹا کر اس گھر کے حج پر مائل کرے جو اس نے بنایا تھا اور (بیت اللہ کے گرانے کو بڑا لشکر ساتھ لیکر مکہ کی طرف بڑھا) اس کا لشکر بڑا زبردست تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسکی ساتھ وہ کیا جو اس سورت میں مذکور ہے جسکی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے جسوقت حد حرم میں ہاتھیوں نے قدم رکھا آگے نہ بڑھ سکے اور خانہ کعبہ

(باقی آئندہ)

Marfat.com

کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئے ادھر لشکر والے ہاتھیوں کو مار مار کر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے ادھر سمندر کی طرف سے ٹڈی دل جانور اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لیکر پہونچ گئے اور لشکر پر برسانا شروع کر دیں جسکے کنکری لگی فوراً ہلاک ہوا اور بدن نیلا پڑ گیا، تمام لشکر میں صرف ایک آدمی زندہ بچا جس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر یمن کا رخ کیا وہاں پہونچکر اس نے خبر دی اور اسی وقت ایک جانور نے اسکو بھی کنکری مار کر ہلاک کر دیا ۱۲) اس خبر دینے کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت رحمت اور مخلوق پر ان کے لطف (وکرم) کو معلوم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس قصہ کے ضمن میں (بطور اشارہ کے) یوں فرما رہے ہیں کہ اے گنہگار مومن! میری قدرت کا نشان دیکھ! کہ جس شخص نے میری رحمت کا اثر تجھسے قطع کرنا چاہا تھا میں نے اسکو کیونکر برباد کیا؟ باوجودیکہ تو میرے ساتھ سرکشی سے پیش آتا اور میری نعمتوں سے نافرمانی میں مدد لیتا ہے، دیکھ! میں اس حالت میں تیری ساتھ کیسا ہوں، اور سمجھ! کہ اگر تو میری طرف متوجہ ہوا ور میرے احکام کو بجالانے لگے میری کتاب کا اتباع کرے، میرے نبی کی سنت پر
109 چلے تو پھر میں تیرے ساتھ کیسا ہوں گا،، کیا (اسوقت) جبکہ تو اپنے کو میرے حوالہ کر دے گا کوئی تجھے ضرر پہونچا سکتا یا کوئی مصیبت تجھ پر ڈال سکتا ہے، یا میں تیری مدد چھوڑ سکتا یا یا تجھے دوسروں کا محتاج کر سکتا ہوں، (ہرگز نہیں)۔

تو میری طرف متوجہ ہو، مجھے اپنے اوپر مہربان، اپنے حال پر کرم فرما، اپنا حامی اور مددگار پائیگا، کیا تو نے میرا یہ خطاب نہیں سنا وکان حقا علینا نصر المؤمنین کہ مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ پر حق ہے،، پس مجھسے مدد مانگ میں تیری مدد کرونگا، میری طرف تضرع (وزاری) کر میں تجھپر رحم کرونگا میں تجھسے زیادہ تجھپر مہربان اور تجھسے زیادہ تیری مدد پر قادر ہوں جس نے اس بشارت میں غور کیا اور اسکو سمجھ لیا اور اسکے موافق عمل کیا اس نے اسکو سچ اور برحق ہی پایا چنانچہ میں نے ایک درویش کو دیکھا جنکی عمر سو برس سے اوپر تھی وہ فرماتے تھے کہ جب سے میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کسی سے کوئی حاجت طلب نہیں کی،، لوگوں نے اسکی حقیقت دریافت کی تو فرمایا کہ میرے شیخ نے مجھے ایک وصیت کی تھی کہ،، اپنی حاجت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا، پس جب میں کسی حاجت کا ارادہ کرتا ہوں دعا کیلئے اپنے ہاتھ پھیلا دیتا اور اللہ سے اسکو مانگتا ہوں، اگر وہ میرے حق میں

Marfat.com

بہتر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُسکو پورا کردیتے ہیں، اور بہتر نہیں ہوتی تو مجھ سے دور کردیتے ہیں۔
(قولہ الوجہ الثانی عشر الی قولہ وان کانت شرا ابعدہا عنی)۔

ف اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو تصوف کے منکر ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ دین اخلاص سے آسان ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ دولت اخلاص صوفیہ ہی کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ تصوف حصول اخلاص ہی کا نام ہے اسی کو نسبت احسان کہتے ہیں اور اسی کے واسطے اہل سلوک اذکار و اشغال و مراقبات کرتے ہیں۔

ف شیخ نے الدین یسر کی جتنی تفسیریں اس مقام پر بیان فرمائی ہیں حدیثیں ان کا مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے، چنانچہ شیخ نے خود اس احتمال کو ظاہر فرمایا ہے پس دین اس شخص کو آسان ہے جسکو یہ باتیں حاصل ہوں جو بارہ تفسیروں میں اوپر مذکور ہوئی ہیں، مگر افسوس ہے کہ لوگ اسباب سہولت کو تو اختیار نہیں کرتے اور خواہ مخواہ دین کو دشوار سمجھتے ہیں، اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر کام کی سہولت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اگر اُن اسباب کو اختیار نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام بھی آسان نہیں ہوسکتا اسی طرح سہولت دین کے بھی اسباب ہیں جو اس مقام پر مذکور ہیں اُن کو اختیار کیا جاوے اسکے بعد فیصلہ کیا جائے کہ دین آسان ہے یا نہیں ۱۱۰

(ہفتم) حدیث وفد عبدالقیس

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (قبیلۂ) عبدالقیس کا وفد جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ کس قوم کے آدمی ہیں یا فرمایا یہ وفد کون لوگ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا (خاندان) ربیعہ (کے افراد) ہیں، فرمایا اس قوم یا اس وفد کو مرحبا ہے کہ نہ ذلیل ہوئے نہ پشیمان (کیونکہ یہ لوگ خود بخود اسلام لے آئے تھے لشکر اسلام کو ان پر جہاد کی نوبت نہیں آئی) انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ آپکے پاس بجز اس ماہ محترم (رجب) کے اور کسی وقت نہیں آسکتے، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ یعنی خاندان قریش کے کفار (حائل) ہیں، اسلئے ہمکو کوئی (ایسی جامع اور) فیصلہ کن بات بتلا دیجئے جس سے ہم دوسروں کو بھی مطلع کردیں اور اُسکی وجہ سے جنت میں پہونچ جائیں، ان لوگوں نے پینے کی چیزوں کو بھی دریافت کیا تھا، تو حضور نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے

Marfat.com

منع فرمایا (سب سے پہلے) اُن کو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا حکم دیا،، (اور) فرمایا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانا کیا ہے؟ -
انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اُسکے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں،، فرمایا (اللہ وحدہٗ پر ایمان لانا) اس بات کی گواہی دینا (ہے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں،، اور نماز کی پابندی کرنا زکوٰۃ دینا، اور رمضان کے روزے رکھنا، اور (اس بات کا بھی حکم دیتا ہوں کہ) غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دیا کرنا، اور اُن کو چار چیزوں سے منع فرمایا (ایک) زرد رنگ کی مٹکی (دوسرا) کدو کا برتن (تیسرے) کھجور کی کھدی ہوئی لکڑی کا برتن (چوتھے) وہ برتن جس پر روغن زفت ملا گیا ہو اور کبھی راوی نے یہ کہا کہ جس پر روغن قار ملا گیا ہو یعنی اُن چیزوں سے منع فرمایا جو ان برتنوں میں پی جاتی ہیں) اور فرمایا کہ ان کو محفوظ کر لو اور اُن لوگوں کو بھی اطلاع کر دو جو تمھارے پیچھے ہیں

شرح: حدیث کی دلالت اس بات پر ظاہر ہے کہ جن چار باتوں کا حکم دیا گیا وہ واجب ہیں اور جن چار چیزوں سے منع کیا گیا اُن کا ترک ضروری ہے، نیز ان باتوں کے محفوظ کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی ترغیب بھی ہے -

(۵۸) حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جسکا ارادہ کر کے کوئی آوے تو سنت یہ ہے کہ وہ آنے والے کی شخصیت دریافت کرے تاکہ اُسکو پہچان لے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے آدمیوں سے جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے دریافت کیا تھا (کہ یہ کس قوم کے آدمی ہیں) یہاں تک کہ آپ نے اُن کو پہچان لیا (قولہ فیہ دلیل علی ان من السنۃ سوال المقصود الی قولہ حتی عرفھا)

ف محققین صوفیہ کا عمل اس حدیث کے موافق ہے مگر آجکل کچھ ایسا مذاق بدلا ہے کہ اس قسم کے سوالات سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور سوال کرنے والے کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو اجنبی سمجھا، ان لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ آنے والے کی شخصیت دریافت کرنا سنت ہے اور اس سے متوحش ہونا سراسر عجمیت ہے،،

(۵۹) حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اُسکے مرتبہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اسی غرض سے تھا (کہ آنے والے کی شخصیت معلوم کرکے اُسکی ساتھ اُسکے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے) ایک دوسری حدیث میں حضور نے اس مضمون کو صاف طور سے ارشاد فرمایا ہے انزلوا الناس علی منازلھم کہ لوگوں کو اُن کے درجہ پر رکھو، حضور نے جس بات کو اس حدیث میں قولاً بیان فرمایا ہے اُسکو اس حدیث میں جسکی ہم شرح کررہے ہیں عملاً ظاہر کردیا، اور جب انسان آنے والے کو پہچانیگا نہیں تو ناممکن ہے کہ اُسکی ساتھ اُس کے درجہ کے موافق برتاؤ کرسکے (اور پہچاننے کی صورت یہی ہے کہ اُس سے اُسکی شخصیت دریافت کیجائے) اسی لئے (حضرات) خلفاء (راشدین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس جب کوئی مسجد میں بیٹھتا تو وہ اُس سے دریافت کیا کرتے تھے کہ تمھارے پاس قرآن (کا) کتنا (حصہ) ہے (یعنی کتنا قرآن یاد ہے) اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ ہر شخص سے اُسکے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے، کیونکہ اُن کے نزدیک فضیلت کا معیار یہی تھا کہ قرآن کا جتنا حصہ کسی کو یاد ہو (اُسی قدر فضیلت حاصل ہوگی) الوجہ الثالث قولہ فی ھذا من الفقہ ان ینزل کل انسان منزلتہ الی قولہ بحسب مایکون عندھم من القرآن۔ ۱۱۴

ف کیا آجکل کے مسلمان اس سے سبق لیں گے؟ کہ حضرات صحابہ کے نزدیک فضیلت کا معیار کیا تھا اور آجکل مسلمانوں کے نزدیک معیار فضیلت کیا رہ گیا ہے؟ افسوس آجکل تو بعضے نام کے مسلمان قرآن کی تعلیم اور اُس کے حفظ کو بیکار ہی سمجھنے لگے، اُن کے دل میں اہل قرآن کی عظمت تو کیا خاک ہوتی اُلٹا اُن کو ذلیل سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک تو معیار فضیلت روپیہ پیسہ ہے جو بڑا مالدار ہے وہ معزز ہے، جو مال میں کم ہے وہ ذلیل ہے، انکو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرات صحابہ وسلف صالحین نے کتاب الٰہی کی عظمت کی تھی تو خدا نے بھی اُنکو وہ عظمت دی جسکی نظیر زمانہ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی، جب سے مسلمانوں نے کتاب الٰہی کی عظمت اپنے دلوں سے کم کردی خدا نے بھی انکی عزت وعظمت لوگوں کے دلوں سے کم کردی فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اگر مسلمان پھر اپنے بھلے دن چاہتے ہیں تو کتاب اللہ کی عظمت کریں۔

(۶۰) حضور کا وفد کو مرحبا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنے والے کو مانوس کرنا چاہیئے مگر مانوس

Marfat.com

کرنے کیلئے ایسی ہی بات کہی جائے جو متکلم کی حالت کے مطابق ہو، تاکہ آنے والے کو بیزبان سے کسی ایسی چیز کی طمع نہو جو اسکی قدرت سے باہر ہے چنانچہ حضور نے ان آنے والوں سے ایسی ہی بات فرمائی جو آپ کے پاس ظاہراً باطناً ہر طرح موجود تھی یعنی مکان (و اخلاق) کی وسعت"،

(قولہ الوجہ السادس قولہ صلے اللہ علیہ وسلم مرحبا بالقوم او بالوفد الی قولہ حسا و معنًی)

ف اس ادب پر حضرات صوفیہ کا عمل سب سے زیادہ ہے وہ آنے والے کو مانوس بھی کرتے ہیں اور اپنی وسعت کے مطابق مانوس کرتے ہیں"

(۶۱) حضور کا یہ ارشاد غیر خزایا ولا ندامی کہ یہ لوگ نہ رسوا ہوئے نہ پشیمان "اس میں ان لوگوں کو بشارت تھی کہ اسوقت بھی ان کے سب مقاصد پورے ہوئے اور آئندہ بھی مسرت (اور خوشی حاصل) ہوگی، کیونکہ ندامت (اور پشیمانی) زیادہ تر آخر میں ہوتی ہے، ابتدا میں تو کسی کام کی رغبت کی وجہ سے اُن چیزوں کا فائدہ (نظر سے) مخفی رہتا ہے جو اسکی وجہ سے چھوٹ گئی ہیں" جب کام پورا ہو جاتا ہے اُسوقت اُن چیزوں پر نظر ہوتی ہے جو اسکی وجہ سے فوت ہو گئی تھیں اب یا ندامت ہوتی ہے (اگر فوت شدہ فائدہ قیمتی نظر آیا) یا خوشی ہوتی ہے (اگر حاصل شدہ فائدہ زیادہ ہوا) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو خیر عاجل اور خیر آجل (دونوں) کی اطلاع دیدی کہ اُن کو بھلائی اور خوشی ہمیشہ حاصل رہے گی"، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی کام کرتا ہے اُسکو اسی طرح ہمیشہ خوشی اور فراخی حاصل ہوتی ہے دنیا میں بھی (اور آخرت میں بھی) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من نزك شیئًا للہ عوضہ اللہ خیرا منہ من حیث لا یحتسب، جو شخص اللہ کے واسطے کسی چیز کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے عوض میں اس سے بہتر چیز ایسی جگہ سے عطا فرماتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہ جا سکتا تھا"، پس جو کوئی کسی ایک جہت کو اللہ کے واسطے چھوڑتا ہے وہ اسکے عوض دوسری جہت کا ارادہ کرتا ہے اور (اللہ کا تو) خوبصورت وعدہ ہی بڑی دولت ہے (اسمیں کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوتا) ندامت اور رنج و ناکامی کا سامنا تو اُسی پہلو میں ہوتا ہے جو اللہ کی جہت کے سوا ہو"،

۱۱۳ اور اسمیں اہل تصوف کے اس عمل کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اسی سے حسن حال نصیب ہوتا ہے اسوقت بھی اور آئندہ بھی (دنیا میں

بھی اور آخرت میں بھی)

(۶۲) وفد کا یہ قول کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ یعنی کفار قریش حائل ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جب کسی حق واجب یا مستحب کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسکی وجہ بتلانا چاہیئے چنانچہ ان لوگوں نے اپنا عذر ظاہر کر دیا جسکی وجہ سے وہ حضور کے پاس (علی العجلہ) نہیں آسکتے تھے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ مؤمن تھے، کیونکہ انھوں نے قریش کو کافر کہا، اگر یہ خود مؤمن نہ ہوتے تو اُن کو کافر نہ کہتے،، (قولہ الوجہ السابع عشر الی قولہ لما سمّوھم کفارًا)

انسان جب کسی حق واجب یا مستحب کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسکی وجہ بتلانا چاہیئے

(۶۳) اسمیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ توفیق کا مدار محض تقدیر پر ہے جسمیں قرب نسب، اور قرب مکان، وقرب زمان کو دخل نہیں، چنانچہ قبیلہ مضر (خاندان قریش حضور سے) زیادہ قریب تھے وہ تو (مدت تک ایمان سے) محروم رہے اور ربیعہ دور تھے وہ (جلدی) کامیاب ہوگئے اسی لئے جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کامیابی صورت شکل سے ہوا کرتی تو بلال حبشی سعادت سے بہرہ ور اور ابولہب قرشی محروم نہ ہوتا (قولہ الوجہ التاسع عشر فیہ ۱۱۴
دلیل علی ان القدرۃ تخصیص بالقدرۃ الی قولہ وحرم ابولہب القرشی،،

توفیق کا مدار محض تقدیر پر ہے

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو اسی بات پر قناعت کئے ہوئے ہیں کہ ہم بزرگوں کی اولاد میں ہیں اور اُن کے طریقہ پر نہیں چلتے، اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کا مدار نسب اور خاندان پر نہیں ہے بلکہ ایمان و اعمال صالحہ پر ہے جسکو یہ دولت عطا ہو جائے وہی کامیاب ہے، اور اسمیں شک نہیں کہ اہل نسب کو یہ دولت عطا ہو جائے تو وہ دوسروں سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں چنانچہ قریش میں سے جن حضرات کو یہ دولت عطا ہوئی اُن کا درجہ دوسروں سے بڑھ گیا حضرات خلفاء راشدین وعشرہ مبشرہ قریش ہی میں سے تھے

(۶۴) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دخول جنت کا سبب اعمال ہی ہیں اور اسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معارض نہ سمجھا جائے لن یدخل احد بعملہ الجنۃ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ بفضلہ ورحمتہ کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی داخل نہ ہوگا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور آپ

دخول جنت کا سبب اعمال ہی ہیں

Marfat.com

بھی نہیں ؟ فرمایا میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت کے دامن میں لیلے
دونوں حدیثوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، وجہ تطبیق یہ ہے کہ جس حدیث کی
ہم شرح کر رہے ہیں اسکے مخاطب عوام ہیں کیونکہ حکمت کا مقتضیٰ یہی ہے (کہ ہر چیز کیلئے
ظاہر میں کوئی سبب ہو) اور اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ عوام کو مقتضائے حکمت
ہی کے موافق خطاب فرماتے ہیں چنانچہ قرآن اس سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون کہ جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے سبب جو تم (دنیا
میں) کیا کرتے تھے کسی جگہ بما عملتم ہے اور کہیں بما کنتم تصنعون، بما کسبتم، بما
اسلفتم، بما کنتم تفعلون، وغیرہ بہت سی آیات ہیں (جن میں عمل کو دخولِ جنت کا
سبب بتلایا گیا ہے)۔

اور دوسری حدیث کے مخاطب خواص ہیں جو توحید میں منہمک اور قدرتِ (حق) کی حقیقت
سے باخبر ہیں، اگر یہ حدیث ان لوگوں کے سامنے بیان کی جائے جو قدرت کی حقیقت سے
بیخبر ہیں تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ مقتضائے حکمت کو چھوڑ بیٹھیں گے، اور مقتضائے 115
حکمت پر عمل چھوڑ دینا بالاجماع کفر ہے اگرچہ قدرت پر بھروسا ہی ہو، اور مقتضائے حکمت
پر عمل کرنا عین ایمان ہے اگرچہ قدرتِ (حق) سے ناواقف ہو، یہ شخص حق تعالیٰ کے اس ارشاد
کا مصداق ہوگا لھم قدم صدق عند ربھم کہ ان کے واسطے ان کے رب کے پاس مقام
صدق ہے، اور درجۂ نہایت (وکمال) یہ ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے یعنی عمل کو درست
کرکے مقتضائے حکمت پر عمل کیا جائے اور عظمت قدرت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ قدرت کے
حوالہ کیا جائے، اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عمل تو اس شخص جیسا کرو جو عمل ہی پر
رہائی کا مدار سمجھتا ہے اور توکل اس جیسا کرو جو توکل ہی کو رہائی کا ذریعہ سمجھتا ہے، اور اس
طریقہ پر عمل کرنے ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یعقوب علیہ السلام کی تعریف کی
ہے چنانچہ ارشاد ہے وانہ لذو علم لما علمناہ اور واقعی وہ ہماری تعلیم کی وجہ سے بڑے
علم والے تھے، کیونکہ انھوں نے حقیقت اور شریعت دونوں کو جمع کر دیا تھا جس کا بیان
اپنے موقعہ پر اسی کتاب میں انشاء اللہ آئیگا۔ (قولہ الوجہ الثالث والعشرون قولھم وما دخل

Marfat.com

بہا الجنۃ الی قولہ وابینہ فی موضعہ من داخل الکتاب انشاء اللہ تعالیٰ)

ف ان دو حدیثوں میں جو شارح نے تطبیق دی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ عمل کو دخول جنت میں ویسا ہی دخل ہے جیسا اسباب کو مسببات میں دخل ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ سبب مسبب کیلئے علت تامہ نہیں ہوتا بلکہ علت تامہ حق تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ بندہ جب اسباب کو اختیار کرتا ہے اسی وقت مسبب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوتا ہے کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے یہاں بعض حکمتوں کی وجہ سے بلا واسطہ اسباب کے ارادۂ حق کا تعلق نہیں ہوتا ہاں کبھی بطور خرق عادت کے ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ مسبب بدون سبب کے پیدا ہو جائے جس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سبب خود مؤثر نہیں بلکہ ارادۂ حق مؤثر ہے مگر خرق عادت کا ظہور شاذ و نادر ہے، عام قاعدہ یہی ہے کہ سبب کے بعد مسبب کے ساتھ ارادۂ حق کا تعلق ہوتا ہے، مثلاً زراعت سے غلہ پیدا ہونا نکاح سے اولاد کا ہونا، تجارت سے سرمایہ کو ترقی ہونا، دوا دارو سے مرض کو شفا ہونا کھانے پینے سے بھوک پیاس کا زائل ہونا وغیرہ وغیرہ یہ اسباب و مسببات کا ایک سلسلہ ہے جو عموماً اسی طرح چل رہا ہے کہ اسباب کے بعد مسببات کا ظہور ہوتا ہے مگر تجربہ اور عقل شاہد ہے کہ یہ اسباب خود مؤثر نہیں ہیں بلکہ مؤثر حقیقی مشیت خداوندی ہے کیونکہ اسباب خود مؤثر ہوتے تو مسببات کا کبھی ان سے تخلف نہ ہوتا حالانکہ بعض دفعہ تخلف بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس پر بھی ان اسباب کو بیکار کوئی نہیں سمجھتا کیونکہ تخلف شاذ و نادر ہے اسی طرح سمجھو کہ دخول جنت کیلئے علت تامہ تو حق تعالیٰ کا ارادہ ہے مگر سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور جیسا دنیا میں کبھی مسبب بدون سبب کے ہو جاتا اور سبب سے مسبب کا تخلف ہو جاتا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی بدون عمل کے جنت میں پہنچ جائے اور کوئی عمل کے بعد بھی نہ پہونچے کیونکہ علت مؤثرہ خود عمل نہیں بلکہ فضل ہے مگر اس حقیقت پر نظر کرکے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عمل کی ضرورت نہیں یا وہ بیکار ہے کیونکہ عام قاعدہ اور عادۃ مستمرہ یہی ہے کہ بندہ عمل کے بعد ہی جنت میں جاتا ہے جیسا کہ اسباب و مسببات کے سلسلہ میں عادۃ اللہ اسی طرح ہے پس جس شخص نے حقیقت کیساتھ اس حکمت کو بھی سمجھ لیا ہے جسکی وجہ سے مسببات کو اسباب کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے وہ نہ عمل کو بیکار سمجھتا ہے نہ اپنے ۱۱۴

(باقی آئندہ)

Marfat.com

عمل پر ناز کرتا ہے یہ تو کلام شارح کی توجیہ اور توضیح تھی، مگر سہل بات یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے دخول جنت کا سبب وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو، اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا اسلئے جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہیں جا سکتا اور فضل و کرم کا قانون یہ ہے کہ بندہ اپنی شان کے لائق عمل کرلے تو جنت میں پہونچ جائے گا اسلئے ہر شخص محض فضل خداوندی سے جنت میں جائیگا خوب سمجھ لو ۱۲ ۔

(۶۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو وہی بات بتلائی جائے جو اسوقت اُس پر واجب ہے اسکے سوا اور کسی بات کا بتلانا ضروری نہیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو وہی باتیں بتلائیں جو اسوقت اُن پر واجب تھیں اُن کے علاوہ کچھ نہیں بیان فرمایا (چونکہ یہ لوگ اہل جہاد تھے اسلئے غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور حج اُن کے ذمہ فرض نہ تھا کیونکہ کفار قریش درمیان میں حائل تھے اسلئے حج کا ذکر نہیں فرمایا) اگرچہ بعد میں وہ اُن کے ذمہ لازم ہوگا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے) کا مطلب یہ ہو کہ جو کام اسوقت اسکے ذمہ ضروری ہے 117
اُس کا علم حاصل کرنا فرض ہے (قولہ الوجہ السادس والثلاثون فی ھذا دلیل علی ان یخبر کل انسان بما ھو واجب علیہ الی قولہ تعلم ما ھو واجب علیہ فی وقتہ)

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں عمل کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ اصل مقصود عمل ہے، اور علم اسی واسطے فرض ہے کہ عمل کا وسیلہ ہے کہ عمل بدون علم کے نہیں ہوسکتا،،

(۶۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اول فرائض کا اہتمام کرنا چاہیے اور فرائض میں سے بھی اول اُن کا جو زیادہ ضروری (اور مؤکد) ہیں پھر اُن کا جو اُن کے بعد ہیں کیونکہ فرائض بہت ہیں جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فرائض کو (جو اس حدیث میں مذکور ہیں) دوسرے فرائض پر فضیلت دی ہے، اور جسکو دوسروں پر فضیلت دیجائے اسکا اہتمام زیادہ ضروری ہے اگرچہ فی نفسہ سب ہی کا اہتمام واجب ہے (حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فروع کا درجہ اصول کے بعد ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایمان کو بیان فرمایا حالانکہ مخاطب

Marfat.com

پہلے سے مومن تھے اس کے بعد اعمال کو بیان فرمایا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ بدون ایمان کے اعمال معتبر نہیں ہوتے قولہ الوجہ التاسع والثلاثون فی ھذا دلیل علی انہ بدأ اولاً بالفرائض الی قولہ مع ان المحافظۃ علی الکل واجبۃ)

ف - یہ ایک بڑا باب ہے تصوف کا جو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے اہم و اقدم کا اہتمام کیا جائے اور فرائض کو واجبات پر اصول کو فروع پر واجبات کو مستحبات و نوافل پر مقدم کرنا چاہیئے آجکل بہت لوگ اس سے غافل ہیں"

(۶۷) حدیث سے علم کی فضیلت بھی دوسرے اعمال پر ثابت ہوئی کیونکہ اس قسم کے احکام (و اصول) علم ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ان کے نہ جاننے ہی سے عمل میں خلل واقع ہوتا ہے اور جب عمل میں خلل ہو یا اسکو چھوڑ دیا جائے تو دخول جنت سے محرومی ہوگی اور ہلاکت (کا سامنا ہوگا) اللہ ہمکو اس سے بچائے"۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا علم تمام علوم سے افضل ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں کتاب و سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور وہی علم قطعی ہے اسی کے ذریعہ خلاصی ہوتی ہے۔ ۱۱۸

ف افسوس ہے کہ آجکل اہل تصوف نے بھی علم کتاب و سنت کی ساتھ بے اعتنائی کر رکھی ہے تم دیکھو گے کہ بہت لوگ تصوف کے مدعی ہیں مگر قرآن و سنت سے جاہل ہیں فالی اللہ المشتکی

(۶۸) حضور کا یہ ارشاد کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور دوسروں کو بھی ان سے خبردار کر دو"۔ اس بات کی دلیل ہے کہ علم کا یاد کرنا ضروری ہے اور اسکی وصیت کرنا چاہیئے نیز اس میں علم کے پھیلانے اور بیان کرنے کی بھی ترغیب ہے اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علم میں نیابت جائز ہے (یعنی احکام شرعیہ پہونچانے کیلئے عالم کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے قولہ الوجہ التاسع و الاربعون قولہ علیہ السلام احفظوھن الی قولہ جواز النیابۃ فی العلم)۔

ف اس سے بعض حضرات صوفیہ کے اس عمل کی اصل معلوم ہوئی جو اپنے ملفوظات و مواعظ کے ضبط کا اہتمام فرماتے ہیں کیونکہ ان کے اقوال کتاب و سنت کے موافق اور اسی کی تشریح کرنے والے ہوتے ہیں"۔

(ہشتم) حدیث احتساب النفقۃ علی الاہل

(عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

سلف و... علم دوسرے اعمال سے افضل ہے۔

حفاظت علم ضروری ہے اور اسکی وصیت کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

فرمایا جب مرد اپنے گھر والوں کو ثواب کی نیت سے (نان و) نفقہ دے تو وہ اسکے لئے صدقہ (اور موجب ثواب) ہوگا"

شرح حدیث کا مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ ثواب سمجھکر خرچ کرنا صدقہ ہے اب ہم دوسرے فوائد پر کلام کرتے ہیں (جو بطور اشارہ کے مفہوم ہوتے ہیں)

(۶۹) (حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کی نیت کرکے عمل کرنے سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا اور ثواب زیادہ ہوتا ہے) اسمیں صوفیہ (کے اس طریقہ) کی دلیل ہے کہ وہ اچھی نیت کرکے اپنے افعال کا درجہ بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، خواہ فرض و واجب ہو یا مستحب، چنانچہ فرض و واجب ہیں تو وہ ایمان و احتساب کو شامل کرلیتے ہیں (یعنی عمل سے پہلے دل میں یہ بات حاضر کرلیتے ہیں کہ ہمیں اس کام کے فرض و واجب ہونیکا یقین اور اس پر ایمان ہے پھر ثواب کی نیت کو بھی اسمیں شامل کرلیتے ہیں) اور مستحب میں اس سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ پہلے اسکی نذر کرلیتے ہیں تاکہ (مستحب کے درجہ سے بڑھکر) ان کے ذمہ واجب ہوجائے، اور نذر کے بعد اسمیں ایمان اور نیت ثواب کو شامل کرلیتے ہیں، اور مباح کو اس نیت سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے طاعات میں مدد ملے گی (مثلاً بیوی بچوں اور دوستوں سے ہنسی مذاق کرنے سے طبیعت کو نشاط ہوگا افسردگی دور ہوگی تو عبادات اور طاعات کیلئے دل تازہ ہوجائیگا) تو وہ مباح مستحب بنجاتا ہے اسکے بعد اسمیں بھی ایمان اور نیت ثواب کو شامل کرلیتے ہیں، اس طرح ان کے اعمال کا درجہ بلند ہوجاتا اور ہمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور اسی حقیقت کی وجہ سے اُن کا قدم دوسروں سے آگے رہتا ہے اگرچہ ظاہر میں اُن کے اور دوسروں کے اعمال یکساں (اور برابر) ہی کیوں نہ ہوں" کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم کہ اللہ تعالیٰ تمھاری (اور تمھارے اعمال کی) صورتوں پر نظر نہیں فرماتے بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتے ہیں"

(قولہ الوجہ الخامس فی ھذا دلیل لاھل الصفۃ الی قولہ ولکن ینظر الی قلوبکم)

ف مستحب کی نذر کرنا اور اسکو اپنے ذمہ لازم کرلینا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں، اسی لئے فقہاء حنفیہ اسکو پسند نہیں کرتے، شارح مالکی ہیں ممکن ہے اُن کے مذہب میں کراہت نہو" مگر بہتری اُسی میں ہے

۱۱۹

Marfat.com

جو سنت کے موافق ہو اسلئے مستحب ہیں صرف ایمان اور نیت ثواب کا شامل کر لینا کافی ہے نذر کی ضرورت نہیں ‘‘

ف بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت سے افضل ہے، اس تقریر سے ان کے ارشاد کی تائید ہوگئی، نیز وہ حدیث بھی اسکی تائید کرتی ہے جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا ایک مد خیرات کرنا (جسکی مقدار تین پاؤ کے قریب ہوتی ہے) دوسروں کے احد پہاڑ کی برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے ‘‘ اس فضیلت کا منشا حسن نیت اور خلوص و معرفت ہی تو ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلوص اور معرفت سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے خوب سمجھ لو ‘‘

(۷۰) صدقہ سے مراد یہاں ثواب ہے کیونکہ خود صدقہ دینے میں تو کچھ فائدہ نہیں بلکہ فائدہ ثواب میں ہے جو صدقہ پر مرتب ہوتا ہے، اور یہ ثواب جسکا یہاں ذکر ہے تنہا اس عمل کا ثواب نہیں بلکہ نفقہ کے ثواب سے زیادہ یہ دوسرا ثواب ہے، کیونکہ (بیوی بچوں کا) نفقہ تو (شرعًا) اسکے ذمہ واجب ہے، اور جو شخص واجب کو ادا کرتا ہے اسے امتثالِ امر (یعنی بجا آوری حکم) کی وجہ سے (ضرور) ثواب ملتا ہے پھر ایمان اور احتساب کے شامل کر لینے سے اسکو دوسرا ثواب زیادہ ملا شاید اس پر کسی کو یہ اشکال ہو کہ ایمان و احتساب کے شامل کر لینے سے یہ ثواب کیوں ملا حالانکہ اسمیں نہ کچھ تعب ہے نہ مشقت نہ اسمیں ہاتھ پیر چلتے ہیں نہ کچھ کرنا پڑتا ہے؟ سو جواب یہ ہے کہ اگر اسکو خلاف قیاس کہا جائے جب تو گفتگو کی ضرورت ہی نہیں ‘‘ اور اگر قیاس کے موافق کہا جائے تو وجہ یہ ہے کہ قلب بھی ایک مستقل عضو ہے اور اسمیں نیت کا ان طریقوں سے (جو اوپر مذکور ہوے) حاضر کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے، اور نفس پر جتنی گرانی[۷۱] ہوتی ہے اسیقدر ثواب بڑھتا ہے جسکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں کی ضرور ہدایت کر دیتے ہیں‘‘

---

۷۱ گرانی سے مراد وہ گرانی ہے جو بضرورت ہو، بلا ضرورت نفس پر گرانی ڈالنے سے ثواب نہیں ہوتا مثلاً ایک مسجد میں جانے کے دو راستے ہیں ایک قریب دوسرا بعید تو خواہ مخواہ دور کا راستہ اختیار کرنا موجب ثواب نہوگا ۱۲ ظ

۱۳۰ قولہ حسن نیت ای حسن النیۃ بالاخلاص ... اور حدیث ... بہ یہ وہم ... ۱۲

اور نفس پر تعب و مشقت کی جتنی انواع ہیں اُن میں سے ہر نوع مجاہدہ ہے جیسا پہلے ایک حدیث میں گذر چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ عمل کے وقت ایمان اور نیت ثواب کا حاضر کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الاعمال ما تقدمتہا النیۃ اعمال میں بہتر وہ عمل ہے جس سے پہلے نیت ہو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نیت کرنے کو عمل کیلئے بہتر فرمایا ہے اور جب یہ بہتر ہے تو بدون نیت کے بھی عمل درست اور صحیح ہے" زیادہ تر علماء کا یہی مذہب ہے، مگر یہ (تمام اعمال کیلئے عام قاعدہ نہیں بلکہ بعض اعمال (بدون نیت کے) صحیح ہیں اور بعض نہیں جیسا قواعد شرعیہ کا مقتضا ہے کیونکہ اعمال مختلف قسم کے ہیں بعض واجب ہیں بعض مستحب پھر مستحب میں بعض وہ ہیں جو صرف اللہ کے واسطے ہی کئے جا سکتے ہیں بعض وہ ہیں جو کبھی اللہ کے واسطے کئے جاتے ہیں کبھی غیر اللہ کے واسطے پس واجب میں تو نیت کا حاضر کرنا ضروری ہے کیونکہ واجبات کے حدود و صفات اور نام وغیرہ مقرر ہیں تو نیت کیساتھ اُن کی تعیین لازم ہے ورنہ عمل باطل ہوگا، مثال کے طور پر فرض نماز کو لیلو، کہ ان کے نام اور صفات و حدود وغیرہ مقرر ہیں پس عمل کے وقت نماز کو متعین کرنا ضروری ہے ۱۲۱
تاکہ دوسری نمازوں سے امتیاز ہو جائے اسی وجہ سے تحریمہ کے وقت نیت نماز ضروری ہے اور امام شافعی رح کے مذہب میں نماز کی نیت پانچ شرطوں سے ہوتی ہے۔

(۱) نماز کی تعیین (۲) اسکے فرض و واجب ہونیکا اعتقاد (۳) نماز ادا کرنے کیلئے عمل (کا ارادہ) کرنا (۴) اسوقت ایمان کو پیش نظر رکھنا (۵) تحریمہ کے ساتھ متصل ہونا، باقی امام مالک رحمہ اللہ سے اس کے متعلق کچھ منقول نہیں، اسی لئے اُن کے اصحاب اس مسئلہ میں بہت اختلاف رکھتے ہیں بعض تو امام شافعی رح کی طرح (ان سب باتوں کو نیت میں) شرط کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اگر تحریمہ سے کچھ پہلے ان اوصاف کے ساتھ نیت ہو جائے تو کافی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ بس اس خاص نماز کا ارادہ کرنا کافی ہے اس سے زیادہ اوصاف کی رعایت کرنا موجب کمال ہے (لازم و ضروری اور صحت کا موقوف علیہ نہیں) اور اس مسئلہ میں امام مالک کا ظاہر مذہب یہی ہے کیونکہ اگر یہ (صورت جو امام شافعی نے نیت کیلئے بیان کی ہے) واجب ہوتی اور وہ اسکو بیان نہ کرتے تو اُن کا امام ہونا درست نہ ہوتا حالانکہ اُن کی امامت پر اجماع ہو چکا ہے اسی طرح رکعات (نماز) او

وقت کی تعیین میں بھی اختلاف ہے (کہ نیت کے وقت اسکی بھی ضرورت ہے یا نہیں حنفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ نیت فرض کے ساتھ وقت کی تعیین تو ضروری ہے رکعات کی تعیین ضروری نہیں، اس سے زیادہ جو اوصاف مذکور ہوئے ہیں اُن کی رعایت بہتر ہے لازم نہیں ہاں نیت کا تحریمہ سے متصل ہونا ضروری ہے) اور یہ سب باتیں کتب فقہ میں مذکور ہیں،، اسی طرح کفارۂ قسم و کفارۂ ظہار - اور صدقہ واجبہ وغیرہ تمام واجبات میں اگر اس واجب کی نیت نہ کیجائیگی تو کچھ نفع نہوگا دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا،،

اور جو مستحب کہ صرف اللہ ہی کے واسطے کیا جاتا ہے اُس کا بدون نیت کے ادا کرنا بھی کافی ہے جیسے کوئی دو رکعت نفل پڑھنے کیلئے کھڑا ہو تو اُسکو ان دو رکعتوں کا ثواب ملجائیگا اگرچہ نیت (دل میں) حاضر نہو (مگر حنفیہ کے نزدیک کم از کم اتنی نیت ضروری ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں گو نفل کی نیت حاضر نہو) ہاں پہلے سے نیت کر لینا افضل ہے، اور جو مستحب کبھی اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی غیر اللہ کے واسطے اُسمیں نیت کا پہلے سے حاضر کرنا ضروری ہے تاکہ عمل اللہ کے واسطے خالص ہو جائے جیسے جمعہ کا غسل اُن لوگوں کے قول پر جو اسکو سنت کہتے ہیں کیونکہ غسل کبھی ثواب کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی ٹھنڈک (اور صفائی) حاصل کرنے کے واسطے،، تو نیت کرنا ضروری ہے تاکہ فعل مباح اور فعل عبادت میں فرق ہو جائے (اگر بدون نیت کے غسل کیا جائیگا تو غسل جمعہ کا ثواب حاصل نہوگا قولہ الوجہ السادس قولہ علیہ السلام فھولہ صدقۃ الصدقۃ ھھنا بمعنی الاجر الی قولہ فی الوجہ الثامن لیفرق بین المباح والتعبد) -

ف نیت کا اہتمام صوفیہ کو جسقدر ہے کسی کو غالبًا نہوگا وہ مباحات کو بھی حسن نیت سے مستحب بنا لیتے ہیں اور اس طرح مباحات میں بھی ثواب حاصل کرتے رہتے ہیں، نماز کی نیت میں امام شافعیؒ نے جن اوصاف کو شرط قرار دیا ہے ان کی رعایت حنفیہ کو بھی کر لینا چاہئے تاکہ نماز بدرجۂ کمال ادا ہو کیونکہ گو ان سب کی رعایت مذہب حنفی میں لازم نہیں مگر مستحب ہونے میں بھی شبہ نہیں اسواسطے میں نے اس قول کا پورا ترجمہ کر دیا ہے حالانکہ اس سے کسی خاص مسئلہ تصوف کی تائید واضح نہیں“

(۱۷) ممکن ہے یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ اعمال باطن میں اتنا بڑا ثواب کیوں رکھا گیا جو اعمال ظاہر کے ثواب سے زیادہ ہے پھر اعمال ظاہر کے صحیح ہونیکا ذریعہ بھی عمل باطن ہی کو مقرر کیا گیا ہے؟

۱۲۴

عمل باطن کا عمل ظاہر سے افضل ہونیکا راز

Marfat.com

جواب یہ ہے کہ اگر یہ امر تعبدی (یعنی خلاف قیاس) ہے تو گفتگو کا موقع ہی نہیں اور اگر قیاسی عقلی ہے تو بیشک (وجہ) بتلانے کی ضرورت ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ ایک حکمت کی وجہ سے ایسا کیا گیا، وہ حکمت یہ ہے کہ تمام نعمتوں اور جملہ عبادتوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان کا ہے اور ایمان کا محل قلب ہے تو جو عمل اس محل سے صادر ہوگا جو ایمان کا ظرف ہے وہ دوسرے اعمال سے برتر (واعلیٰ) ہوگا، اس (بیان) کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوجاتا ہے تمام بدن درست ہوجاتا ہے جب وہ بگڑتا ہے تمام جسم بگڑجاتا ہے، سنلو وہ دل ہے، پس دل کی درستی دوسرے اعضا کی درستی سے زیادہ اہم ہے اور اسکی خرابی دوسروں کی خرابی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ تمام اعضا دل ہی کے تابع ہیں" اللہ تعالیٰ ہمکو اُن لوگوں میں سے کریں جنھوں نے اللہ کے فضل سے اپنا ظاہر بھی درست کرلیا ہے اور باطن بھی (آمین قولہ الوجہ التاسع تعالیٰ ان یقول لم جعل فی اعمال الباطن ھذا الثواب الی قولہ فمن اصلح منہ الظاہر والباطن عینہ)

۱۲۴ **ف** صوفیہ کو صلاح قلب کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے بلکہ تصوف کا جزو اعظم ہی صلاح قلب ہے مگر یہ جان لینا چاہئے کہ صلاح باطن بدون صلاح ظاہر کے نہیں ہوسکتی جیسا اصلاح ظاہر بدون اصلاح باطن کے نہیں ہوسکتی تو جو لوگ بدون اصلاح ظاہر کے صلاح قلب کے مدعی ہیں وہ یقیناً جھوٹے ہیں، اعمال شرعیہ کو چھوڑکر نہ قلب کی اصلاح ہوسکتی ہے نہ تصوف حاصل ہوسکتا ہے،، تصوف یہ ہے کہ اعمال شرعیہ کی پابندی اس طرح کی جائے کہ ہر کام خلوص دل سے اور پوری توجہ سے ادا ہو محض رسم یا عادت یا دنیوی غرض سے نہ ہو عمل کے وقت اور عمل کے بعد دل میں تواضع پیدا ہو تکبر یا عجب وریا پیدا نہو خوب سمجھ لو ۱۲ ۔

(۴۳) حدیث من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

بخاری رضی اللہ عنہ نے (تعلیقاً[ف]) روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ

ف تعلیق یہ ہے کہ کسی حدیث کو بلا سند بیان کیا جائے، امام بخاری نے تراجم ابواب میں بعض احادیث بلا سند بیان فرمائی ہیں انکو تعلیقات بخاری کہا جاتا ہے ان میں جن احادیث کو صیغہ جزم کے ساتھ روایت کیا گیا ہے وہ تو صحیح ہیں اور جنکو صیغہ جزم سے نہیں بیان کیا گیا ان میں بعض صحیح ہیں بعض حسن اور کوئی ضعیف بھی ہے ۱۲ ط

جسکے ساتھ بھلائی چاہتے ہیں اُسکو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں اور علم تو طلب سے (اور سیکھنے سے) ہی حاصل ہوتا ہے۔

شرح حدیث کا ظاہری مدلول تو یہ ہے کہ خیر (کا حاصل ہونا فقہ پر موقوف ہے، اور یہ کہ علم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور اس (کے فوائد) پر گفتگو چند وجوہ سے ہے "

(۱) فقہ کے معنی (لغۃً) سمجھنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فقہ فلان یعنی وہ سمجھ گیا ہے، نیز حق تعالی فرماتے ہیں فمال ھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایک بات بھی نہیں سمجھ سکتے" اور یہاں فقہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ فہم فی احکام اللہ مراد ہو (یعنی احکام الٰہی کو سمجھنا) دوسرے یہ کہ فہم عن اللہ مراد ہو (یعنی اللہ تعالی کی طرف سے فہم حاصل ہونا) اگر معنی اول مراد ہیں تو حدیث کے اگلے جملہ میں اس اجمال کی تفسیر ہو گی کیونکہ اُس میں بتلایا گیا ہے کہ علم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے، اور (قاعدہ ہے کہ) جب (کلام میں) مطلق و مقید جمع ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے اور یہ فہم (یعنی احکام الٰہی کی فہم) سیکھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اگلے جملہ میں بیان فرمایا ہے پس (طالب کو چاہئے کہ) اول کتابوں کا صحیح مطالعہ اور حفظ و ضبط اختیار کرے، جب ایسا کریگا تو خود اسی عمل پر اُسکو ثواب ملیگا بشرطیکہ عمل خالص اللہ کیواسطے ہو کسی اور کو اُسمیں شریک نکیا جائے اور (اس صورت میں) اس کا ثواب وہ ہوگا جو معتبر ناقل کا ثواب ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ کہ بعضے فقہ کے یاد کرنے والے اپنے سے زیادہ سمجھدار کو فقہ پہونچاتے ہیں" اسی طرح حج وداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا فلیبلغ الشاھد الغائب فلعل بعض من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض من سمعہ، سنلو! جو (یہاں) حاضر ہے اُسکو چاہئے کہ غائب کو پہونچا دے کیونکہ ممکن ہے جن لوگوں کو یہ علم پہونچایا جائیگا وہ بعضے سننے والوں سے زیادہ اُسکی نگہداشت کرنے والے ہوں" یعنی وہ اس پر زیادہ عمل کرنے والے ہوں پھر ان چیزوں کی تحصیل کے بعد جنکی طرف ہم نے اشارہ کیا اور ان پر عمل کرنے کے بعد اسکو (حقیقی) فقہ حاصل ہوگا اور وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالی دل میں ڈالدیتے ہیں

فقہ کی حقیقت اور اسکی فضیلت ۔ ۱۲۴

(باقی آئندہ)

Marfat.com

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ رمضان ۱۳۵۷ ہجری

جسکی ساتھ یا اُسکے ذریعہ اللہ کی قدرت سے (دین کی) فہم حاصل ہوتی ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈالدیتے ہیں کیونکہ قلت فہم کے ساتھ (روایات حفظ کرلینے والوں میں عمل بہت کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے مثل الحمار یحمل اسفارا (کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے گدھے پر کتابیں لدی ہوں) اور اسی شرط کے فوت کرنے کی وجہ سے جو اس فقہ (حقیقی) کے حصول کا سبب ہے بہت لوگوں کی جو اپنے زعم میں چند کتابیں یاد کرلینے یا شروح کا مطالعہ کرنے سے علم کے مدعی بنگئے ہیں یہ حالت ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مطلب سنتے ہیں جو اپنی یاد کی ہوئی یا مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں منقول نہ دیکھا ہو تو اس کا بالکل ہی انکار کردیتے ہیں اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ ہمنے تو کسی کو اس کا قائل نہیں سنا، اور اگر کسی کتاب میں ایسا مسئلہ دیکھ پائیں جسکے یہ خود قائل ہیں تو اگرچہ نقل میں غلطی ہوگئی ہو یا (مصنف کو) اشتباہ ہوگیا ہو اسکو (فوراً) قبول اور تسلیم کرلیتے، اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ تو منقول ہے فلاں کتاب میں لکھا ہوا (اور فلاں مصنف کا بیان کیا ہوا) ہے یہ سب کچھ محض اسوجہ سے ہے

۱۲۵ کہ ان کو (خود) وہ نور حاصل نہیں جس سے (قرآن وحدیث) کو سمجھتے (بس دوسروں ہی کے سہارے چلتے ہیں) کیونکہ انھوں نے وہ فضا حاصل نہیں کی جس پر نور چمکتا ہے، اور گو بعضوں نے ظاہر میں یہ فضا حاصل کی ہے یعنی علم منقول جسکا اوپر ذکر ہوا مگر پھر بھی (نور سے) اسلئے محروم ہیں کہ یا تو اُنکا عمل غیر اللہ کیلئے تھا اور اس صورت میں نور اُن کیلئے حرام ہے (یعنی دشوار ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ، جو شخص اعمال میں سے کوئی عمل متاع دنیا حاصل کرنے کیلئے اختیار کریگا وہ جنت کی خوشبو نہ پائیگا، حالانکہ جنت کی خوشبو پانچسو برس کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے یا اُن کو اپنی نقل (اور روایت) ہی سے عجب ہونے لگا، کہ وہ اسی کو علم کی غایت سمجھ گئے اور اپنے کو علما میں شمار کرنے لگے اور اس دعوی کی وجہ سے (نور سے) محروم رہ گئے، اگر اس مسکین (مدعی) کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی (اور اپنا درجہ پہچان لیتا) کہ وہ صرف ناقل کے خطاب کا مستحق ہے بشرطیکہ اس کی صحیح نقل بھی ہوتی ہو تو اپنے نقص حال اور کمزوری کا اعتراف کرلیتا اور اس اعتراف پر یہ امید کیجا سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کچھ نور اپنے فضل سے عطا فرمادیتے اور جسکو نور سے کچھ حصہ ملجاتا اُسکے لئے توفیق مزید (اور ترقی) کی بھی امید ہے یہانتک کہ ان اہل خیر کے ساتھ ملحق ہوجائے جن کا اوپر

Marfat.com

ذکر ہوا، غرض آجکل کے مدعیانِ علم کی حالت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے سب کا سب منقول ہی ہے اصول بھی کتابوں ہی میں ہیں اور شروح بھی کتابیں ہی ہیں جو ان پر لدی ہوئی ہیں، اور یہی تو وہ چیز ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مذمت فرمائی ہے جسکی ساتھ توفیق شاذو نادر ہی شامل ہوتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں (اس) اندھے پن اور گمراہی سے، اور اگر فقہ سے مراد دوسری صورت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم کا حاصل ہونا تو یہ حدیث (اپنے مفہوم میں) مستقل ہوگی اور دوسری حدیث جو بعد میں آتی ہے مستقل ہوگی، کیونکہ اس سے فہم عن اللہ مراد ہے اور دوسری سے احکام الٰہی کی فہم مراد ہے، اور دو حدیثوں کا الگ الگ دو معنوں پر محمول ہونا ایک معنی پر محمول ہونے سے زیادہ مفید اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ جس حدیث سے ہم اسوقت بحث کر رہے ہیں اس میں فقہ سے مراد دونوں معنی ہوں اور اگلی حدیث ان دونوں میں سے ایک کی مؤکد ہو، اور یہ صورت بھی ظاہر و واضح ہے۔ کیونکہ احکام الٰہی کا سمجھنا زیادہ ضروری ہے اور یہ فہم نور و الہام سے حاصل ہوتی ہے اور نور سنت سے حاصل ہوتا ہے جیسا حدیث بیعت کی شرح میں ہم نے اس پر اشارہ کر دیا ہے، اور یہ نور اہل تحقیق ہی کو حاصل ہوتا ہے جو صدق و اخلاص اور ہدایت و نور اور حکمت و برہان سے آراستہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھایا تو سمجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چاہا تو انھوں نے ارادہ کیا، یہی اللہ کے برگزیدہ مکرم ہیں اور زمین میں خدا کی آنکھیں ہیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق فرمایا تھا کہ زمین کی مخلوقات میں سے کچھ لوگ اللہ کی آنکھیں ہیں انہی میں سے علی بھی ہیں نیز حضرت عمر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایسی مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس کے (حل کرنے کے لئے علی رضی اللہ عنہ موجود نہوں، حالانکہ حضرات خلفاء کے سب ہی سراپا عیون تھے مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو (اپنے سے) بڑھاتا تھا کیونکہ وہ اپنے کو سب سے کم سمجھتے اور اپنے ساتھیوں کی ان فضائل کی بنا پر جنسے اللہ نے ان کو مخصوص کیا تھا تعظیم کرتے تھے، یہی شان حضرات تابعین کی ہے جنھوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اور قیامت تک کرتے رہیں گے، غرض جس شخص کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فہم حاصل ہوگیا وہ اللہ کے احکام کو بھی سمجھ لیتا ہے مگر اس کا عکس (لازم) نہیں (کہ جس کو احکام کی فہم حاصل ہو اسکو فہم عن اللہ بھی حاصل ہو) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق میں سے منتخب کیا تو انھوں نے ۱۲۶

Marfat.com

بھی اللہ کو تمام مخلوق اور جملہ ماسوا پر ترجیح دی پس وہ اللہ کی ساتھ ہیں اور بلا شرکت غیرے اسی کے واسطے ہیں اور کسی پر التفات نہیں کرتے، ہم اللہ سے ان بزرگوں کی حرمت کے طفیل درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے حال پر بھی کرم فرمائیں جیسا اُن پر کرم فرمایا ہے، اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں (اور حقیر کو عزیز کر دینا اُن پر کچھ دشوار نہیں) (قولہ الوجہ الثالث الفقہ ھو الفھم یقال فقہ فلان اذا فھم الی قولہ ان یمن علینا کما من علیھم لا رب سواہ)

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم کتابی لفظی۔ دوسرے علم وہبی حقیقی، علم کتابی پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے اور علم وہبی اتباع سنت اور تقوی و اخلاص سے حاصل ہوتا ہے، مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ علم وہبی کے واسطے علم کتابی کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ امر عادۃ اللہ کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہی ہے کہ علم وہبی اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے اول علم کتابی حاصل کیا ہو اور سنت کے موافق خلوص و تقوی کے ساتھ اسپر عمل کیا ہو، بدون اسکے علم وہبی عادۃً حاصل نہیں ہوتا الا نادرا والنادر کالمعدوم، پس جو لوگ بدون علم کتابی کی تحصیل کے اپنے لئے علم وہبی کے مدعی ہوں ان کے
۱۲۷ علوم کو کتاب و سنت اور سلف صالحین کے علوم سے ملا کر دیکھنا چاہیے، اگر سلف کے علوم سے موافق ہوں اور کتاب و سنت کے خلاف نہوں تو ان کو اولیاء امیین میں شمار کیا جائیگا جنکی شان یہ ہوتی ہے کہ احکام الٰہیہ کو علماء سے دریافت کرتے اور اُن کی تعظیم کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور جس جاہل کے اقوال کتاب و سنت کے خلاف ہوں علوم سلف کے موافق نہوں اور اعمال میں اتباع سنت کی بجائے ابتداع کی شان ہو اسکو علم وہبی کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی، اسکی باتوں کو مجنون کی بڑ اور جاہل کی بکواس سمجھنا چاہیے۔ ایسے ہی لوگوں نے اپنی بکواس کو علوم و اسرار بنانے کیلئے عوام کے دلوں میں یہ غلط خیال جمانے کی کوشش کی ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان رہزنان ایمان سے بچائے آمین"

(۲۷) اس تقریر پر یہ بات بھی مرتب ہوئی کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک قسم کیساتھ احسان فرمایا ہو (خواہ علم کتابی عطا فرما دیا ہو یا علم وہبی) اسکو خوش ہونا چاہیے کہ خیر عظیم اور فضل عمیم عطا ہوا، کیونکہ شارع علیہ السلام نے عطائے علم و فقہ کو اس بات کی علامت قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور خیر کو اسکے لئے مہیا کر دیا ہے، اور یہ لوگ بشارت کے

Marfat.com

کیوں مستحق نہوں؟ جبکہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش بھیجتے اور قحط کو رفع کرتے اور بستیوں اور بندوں پر رحم فرماتے ہیں (قولہ الوجہ الرابع یترتب علی ھذا من الفقہ الی قولہ وعمر البلاد والعباد)۔

ف۔ انقلاب زمانہ تو دیکھو کہ آجکل علماء کو بعض انگریزی خوانوں نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سبب قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے تو اس بات کا بیڑا اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو علماء سے متنفر کرکے بالکل ان سے منقطع کردے،، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ علماء سے جنگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ ہے صحیح حدیث میں وارد ہے من آذی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب جو میرے ولی کو ایذا دے میں اسکو اپنی طرف سے اعلان جنگ دیتا ہوں،، اور جس کو اللہ تعالیٰ اعلان جنگ دیں اسکو اپنا ٹھکانا ڈھونڈھ لینا چاہئے،، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ آجکل بعض جہلا بھی عمامہ اور جبہ اور سند لیکر علماء بنگئے ہیں لیکن چند مکاروں کی وجہ سے ساری جماعت کو بدنام کرنا کہاں کا عدل وانصاف ہے؟ جھوٹے اور سچے ہر جماعت میں ہوا کرتے ہیں اور ہوتے آئے ہیں مگر جھوٹوں کی وجہ سے سچوں کو بدنام کرنا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ فالی اللہ المشتکی ۱۲۸
اگر وہ کسی عالم کو خلاف شریعت عمل کرتے دیکھیں تو خاص اسی کو الزام دیسکتے ہیں کہ یہ شخص عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، ساری جماعت کو الزام دینا یقیناً عقل ونقل وقانون انصاف کے سراسر خلاف ہے۔ ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ چاند کے طلوع ہوتے پر کتے ہمیشہ بھونکا کرتے ہیں مگر اس سے چاند کو کچھ نقصان نہیں پہونچتا، کتے ہی اپنا گلا پھاڑ کر رہ جاتے ہیں ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

(۴ے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انما العلم بالتعلم میں حصر کے لئے حرف انما اس واسطے لایا گیا تاکہ بتلا دیا جائے کہ علم تک رسائی سیکھنے (اور حاصل کرنے) ہی سے ہوسکتی ہے اسکے سوا اور کوئی طریقہ نہیں جو شخص اس کے سوا کوئی طریقہ اختیار کریگا وہ راستہ سے کھویا جائیگا نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علم اور تعلم پر الف لام اسلئے داخل فرمایا تاکہ بتلا دیا جائے کہ علم وہی ہے جو خیر کی علامت ہو (یعنی نیکی کی طرف رہنما ہو) کیونکہ (دنیا میں) علوم بہت ہیں آپنے الف لام داخل فرماکر جو تعیین اور تخصیص کیلئے (لغت میں موضوع) ہے اس خاص علم نافع پر تنبیہ

سلم فرمایا یعنی وہ علم جو خیر کی طرف رہنمائی ہو۔

Marfat.com

فرمادی جس کا ہم سے ارادہ کیا گیا ہے، اگر کوئی یوں کہے کہ الف لام تو کبھی جنس کیلئے بھی ہوتا اس سے کہا جائیگا کہ یہاں جنس کیلئے ہونا جائز نہیں، کیونکہ علوم شرائع (وعلوم انبیا) آدم علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیا علیہم السلام تک پہونچے ہیں خواہ فرشتہ کے واسطہ سے پہونچے ہوں یا بلا واسطہ جیسا کبھی حکمت کا تقاضا ہوا چنانچہ قواعد شرائع سے سب باتیں معلوم ہو چکی ہیں پھر افراد امت ان علوم کو انبیا علیہم السلام سے لیتے اور حاصل کرتے رہے، پس علوم انبیا کی اصل اور بنیاد نقل پر ہے، اور جب اسکی بنیاد نقل پر ہے تو الف لام یہاں عہد وتخصیص کے سوا کسی اور معنی کیلئے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے اور علم شرعی کے سوا جو اور علوم ہیں انکی اصل اور بنیاد نقل پر نہیں بلکہ رائے اور فکر پر ہے جسمیں سے بعض رائیں تو شرعاً جائز ہیں اور بعض شرعاً ممنوع ہیں اسی علت کی وجہ سے کہ (دنیا میں) علوم بکثرت ہیں اور ان میں سے بعض ممنوع بھی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ (شارع کے اس کلام میں) الف ولام جنس کیلئے ہو بلکہ

۱۲۹ تخصیص وتعیین کے لئے ہونا ضروری ہے) اور جس علم پر یہاں اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اسکو صاف طور سے بیان فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی میں نے تمھارے پاس دو قیمتی چیزیں چھوڑیں جب تک ان کو مضبوط تھامے رہوگے کبھی گمراہ نہوگے کتاب اللہ، اور میرا اہل بیت میرا خاندان (کیونکہ خاندان نبوت کے ذریعہ سے حضور کے ارشادات ومعمولات وحالات کا علم ہوگا جس سے کتاب اللہ کی شرح میں مدد ملتی ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چند علوم کی تصریح بھی فرمادی ہے جو ثقلین سے مستفاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے تعلموا الفرائض فانھا من دینکم وھی اول ما ینسی فرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمھارے دین کا جزو ہے، اور یہی سب سے پہلے بھلا دیا جائیگا، نیز ارشاد ہے تعلموا الفرائض وعلموھا الناس فانی امرأ مقبوض فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ کیونکہ میری وفات ہونے والی ہے، نیز ارشاد ہے وان العلم یقبض من بعدی حتی ان الاثنین یختلفان فی الفریضۃ ولا یجدان من یفصل بینھما علم میرے بعد سمیٹ لیا جائیگا

Marfat.com

(یعنی فنا ہوجائے گا) یہانتک کہ دو آدمی کسی معاملہ میں جھگڑیں گے اور کوئی فیصلہ کرنیوالا نہ پائیں گے "۔

غرض علم خاص وہی ہے جو شریعت سے معلوم ہوچکا ہو یا (اہل اسلام کی ایسی) عادت سے جسمیں شرعاً کوئی خرابی نہیں جو علوم شریعت سے پہچانے جاتے ہیں وہ تو وہ ہیں جنکی تبلیغ کا حج وداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے، اور جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یسروا ولا تعسروا آسانی کرو سختی نکرو جسمیں تعلیم کے اندر نرمی کرنے کا حکم ہے نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما انا قاسم واللہ یعطی میں تو تقسیم کرنیوالا ہوں اور اللہ ہی دیتا ہے جسکی شرح اگلی حدیث میں آئیگی "

اور جو علوم عادت سے معلوم کئے جاتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے بچوں کا اُستاد اُنکو ہجا سکھلاتا ہے حروف کی پہچان بتلاتا ہے اسکے بعد قرآن پڑھاتا پھر لغت بتلاتا ہے تاکہ لوگ اپنے پروردگار کا کلام اور اپنے رسول کی حدیث پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں، اور اسکے سوا جو علوم اور اصطلاحات
١٣٠ ایجاد کیگئی ہیں جنکو دلائل شریعت جائز نہیں کہتے وہ سب ممنوع ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی تصریح فرمادی ہے چنانچہ ارشاد ہے یأتی فی آخر الزمان قوم یحدثونکم بما لا تعرفون انتم ولا آباءکم فخذوا ما تعرفون ودعوا ما تنکرون آخر زمانہ میں بعض لوگ تمھارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے جو تمنے اور تمھارے باپ دادوں نے کبھی نہیں جانی ہیں اُن باتوں کو لیلو جنکو تم پہچانتے ہو اور اُنکو چھوڑ دو جنکو نہیں پہچانتے "، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ (اور فہم حقیقی) علم منقول کی تحصیل کے بعد یا اُسکی ساتھ ساتھ ہی حاصل ہوسکتا ہے (بدون اُس کے حاصل نہیں ہوسکتا) جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ اصل تو وہی ہے (فقہ اور فہم اُسکی فرع ہے) اسی لئے (حدیث میں) ایک کو دوسرے پر واو کی ساتھ عطف کیا گیا جو کہ دو چیزوں میں مساوات اور شرکت کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ ہمکو دونوں کا پورا حصہ اپنے فضل سے عطا فرمائیں (آمین قولہ الوجہ السادس قولہ علیہ السلام وانما العلم بالتعلم الی قولہ فی الوجہ السابع اوزعنا اللہ من کلیہما ادفر انصیب بمنہ)۔

ف اس مقام سے ہمارے اُس قول کی تائید ہوگئی جو فائدہ سابقہ میں گذرچکا ہے کہ علم وہی بدون

Marfat.com

علم منقول کے عادۃً حاصل نہیں ہو سکتا۔ **ف۲** اس مقام سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو فضائل علم کی احادیث کو مطلق علم کی فضیلت پر محمول کر کے علوم دنیا کیلئے بھی ان فضائل کو ثابت

کرتے اور تعلیم انگریزی وغیرہ کی تاکید و ضرورت کیلئے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و اطلبوا العلم ولو بالصین پڑھ دیا کرتے ہیں، اُن کو جان لینا چاہئے کہ شارع کی زبان پر علوم دنیا کے حق میں لفظ علم نہیں آسکتا بلکہ ان کی نسبت تو شارع علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے ان من العلم لجھلا کہ بعض علم جہل ہوتا ہے، علم وہی ہے جو انسان کو خدا کی طرف لیجائے اور معرفت حق کی رہنمائی کرے اسکے سوا جتنے علوم اہل دنیا کے نظر میں علم ہیں شارع کے نزدیک سراسر جہل ہیں ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست　　جز حرف عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

سعدی بشوی نقش دوئی از لوح دل　　علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت ست

(دہم) (حدیث من سلک طریقا یطلب علما)

۱۳۱ البخاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم من سلک طریقا یطلب به علما سھل اللہ له طریقا الی الجنۃ (ترجمہ) بخاری رضی اللہ عنہ (تعلیقا) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی راستہ میں طلب علم کی غرض سے داخل ہو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے، **شرح** حدیث کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کام کا اس غرض سے ارادہ کرے کہ اُس سے طلب علم میں مدد و اعانت ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت تک پہونچنا آسان کر دیں گے۔

(**ف۵**) یہاں سلوک سے مراد دخول ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ما سلککم فی سقر اور ارشاد نبوی لو سلکوا حجر ضب لسلکتموہ میں سلوک سے مراد دخول ہے اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ جو ثمرہ مذکور ہے وہ طلب علم کے طریق میں داخل ہونے کیلئے مخصوص ہے یا اسکے سوا ہر نیک کام کو عام ہے، ظاہر عموم ہے کیونکہ شریعت میں اسکی نظائر بہت ہیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یقضی القاضی حین یقضی وھو غضبان، قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا چاہئے (یہ حکم قاضی ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر فیصلہ کرنے والے کیلئے عام ہے) نیز رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ینفق علی عیاله

Marfat.com

یحتسبہا جو شخص اپنے بال بچوں پر طلب ثواب کی نیت سے خرچ کرے (وہ اسکے لئے صدقہ ہے یہ حکم بھی جملہ ابواب بِر کو عام ہے) جیسا پہلے اس پر کلام گذر چکا، اور جب یہ حکم عام مان لیا گیا تو اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جو چیز خیر میں معین ہو وہ بھی خیر ہے،، اسکی تصریح بعض نصوص میں آچکی ہے چنانچہ مجاہد کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ اسکی نیند بھی عبادت ہے کیونکہ اس سے جہاد میں مدد ملتی ہے، مگر یہ حکم کلی نہیں بلکہ دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے، ایک یہ کہ جس چیز سے مدد و اعانت لی جا رہی ہے وہ شرعاً جائز ہو، حرام و مکروہ نہو، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے جبکہ آپ سے ایک شخص نے اپنے لئے وصیت کی درخواست کی تو حضور نے فرمایا ایسی بات (کبھی) نہ کہو جس سے قیامت کے دن معذرت کرنا پڑے،،

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو تنگدستی کی وجہ سے فاقہ کی نوبت پہونچی اور عبادات میں تعب ہونے لگا پھر ان کو کچھ دودھ ہدیہ میں ملا جو حلال طیب طریقہ سے نہیں آیا تھا، یہ اسکے پینے سے رک گئے ان کی والدہ نے فرمایا کہ دودھ پی لو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمکو بخشدیں گے فرمایا مجھے اسکے نہ پینے ہی
میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے تو دیکھو یہ بزرگ اس دودھ کے پینے سے کس طرح باز رہے؟ ۱۳۴
حالانکہ اس سے ان کے مقصود میں (بظاہر) مدد مل سکتی تھی مگر چونکہ اس میں کسیقدر کراہیت بھی تھی اسلئے اقدام نکیا کیونکہ بہ نسبت فائدہ کے اس میں خسارہ زیادہ تھا بلکہ (درحقیقت) وہ فائدہ سے بالکل ہی خالی تھا کیونکہ طاعت پر تو حلال (خالص) ہی سے مدد ملتی ہے دوسری شرط یہ ہے کہ اس معین کو اختیار کرتے ہوئے طلب علم یا اور کسی نیک کام میں مدد و اعانت حاصل کرنے کی نیت بھی ہو، کیونکہ فعل مباح سے نہ کچھ ثواب ہوتا ہے نہ جنت کی طرف قرب ہوتا ہے جب تک اس سے طاعت پر مدد و اعانت کی نیت نہ کیجاوے،،

پس جس چیز سے طلب علم وغیرہ میں مدد حاصل کرنے کی نیت کیجاوے خواہ فرض ہو یا مستحب اس سے مستحب کا ثواب بھی ملیگا اور جنت کی طرف قرب بھی زیادہ ہو جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طریقا کو نکرہ استعمال فرمایا ہے اور نکرہ فرض و مستحب اور مباح سبکو عام ہے اور چوتھی صورت (یعنی حرام یا مکروہ سے مدد لینا) تو ممنوع ہے (پس وہ اس عموم سے خارج ہے)۔

اور کیا فرض میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس سے طلب علم یا کسی نیک کام میں مدد کی نیت کیجائے

(باقی آئندہ)

Marfat.com

توفرض کا بھی ثواب ملے اور اس نیت کی وجہ سے جنت کی طرف زیادہ قرب بھی حاصل ہو؟ فقہاء کا مشہور مذہب تو اس صورت کو منع کرتا ہے، مگر حدیث کا لفظ عام جواز کو مقتضی ہے، تو جو شخص اختلاف سے بچنا اور نص حدیث پر عمل کرنا چاہے تاکہ زیادہ ثواب ملے وہ اس صورت میں اسی طرح نیت کرے جس طرح جمعہ کے دن جنابت کا غسل کرنے والا نیت کرتا ہے تو وہ اختلاف سے بچنے کیلئے یوں نیت کرتا ہے کہ میرا غسل تو جنابت کیلئے ہے اور امید ہے کہ غسل جمعہ کی طرف سے بھی یہ صحیح کافی ہوجائیگا، اس طریقہ (سے نیت کرنے) میں اختلاف سے بھی بچاؤ ہوجاتا ہے اور لفظ حدیث کا اتباع اور اس پر عمل بھی ہوجاتا ہے (قولہ الوجہ الاول قولہ علیہ السلام من سلک طریقا السلوک بمعنی الدخول الی قولہ ویکون متبعا اللفظ الحدیث عاملا علیہ)

(۷۶) یطلب بہ علما میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ طلب علم سے تحصیل علم اور اسمیں مشغول ہونا مراد ہو، دوسرے یہ کہ علم کا اہتمام اور اسمیں کوشش کرنا مراد ہو جسکی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے تعلموا العلم فان تعلمہ للہ حسنۃ وطلبہ عبادۃ علم حاصل کرو کیونکہ اللہ کیواسطے علم حاصل کرنا نیکی ہے اور اسکی طلب عبادت ہے" اس ارشاد میں حضور نے تعلم اور طلب علم میں فرق کیا ہے اور نفس طلب کو تعلم محض سے اعلی قرار دیا ہے کیونکہ حضور نے طلب کو تو عبادت سے تشبیہ دی ہے اور تعلم کو جبکہ اللہ کیلئے ہو حسنہ قرار دیا ہے، اور حسنہ کو عبادت متضمن ہوتی ہے (اسلئے عبادت حسنہ سے اعلی ہے) اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں وسیلہ مقصود سے کیوں افضل ہوگیا حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیئے تھا جیسا قواعد شریعت وقوانین عادت سے معلوم ہوچکا ہے (کہ مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے) جواب یہ ہے کہ مقصود کو وسیلہ سے کم رتبہ یا اسکے مساوی نہیں کیا گیا (بلکہ دو وسیلوں میں سے ایک کو اعلی ایک کو ادنی بتلایا گیا) ہے کیونکہ (علم) مقصود تو وہ نور ہے جو اللہ تعالی قلوب میں القا فرماتے ہیں جیسا علماء سے ہمنے (اوپر) نقل کیا ہے، اور پڑھنا پڑھانا، روایت اور نقل تو اس نور کی تحصیل کا سبب ہے جس سے علم (حقیقی) حاصل ہوتا ہے جیسا امام مالک کا ارشاد پہلے گذرچکا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں خلاصہ یہ کہ یہاں جن دو چیزوں کا ذکر ہے وہ دونوں اس نور کی تحصیل کے اسباب میں سے ہیں (مقصود ان میں سے ایک بھی نہیں) اور چونکہ ان میں ایک نفس پر زیادہ گران اور دشوار ہے

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۵۶ھ

طلب علم اور تحصیل علم دونوں علم کی تحصیل کے اسباب ہیں ۔

۱۳۳

یعنی کوشش اور اہتمام، اُسکو عبادت کا درجہ دیا گیا جسمیں نفس پر مشقت اور مجاہدہ ہے،
اور دوسرا آسان ہے یعنی پڑھنا پڑھانا اسکو حسنہ قرار دیا گیا اور شارع علیہ السلام کا یہ ارشاد
اس باب میں صریح ہے جو علماء سے اوپر نقل کیا گیا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں حدیث کا بقیہ
حصہ یہ ہے ومذاکرتہ تسبیح وتعلیمہ لمن لا یعلمہ صدقۃ وبذلہ لاھلہ قربۃ، لانہ
معالم الحلال والحرام ومنازل سبل اھل الجنۃ، والانیس فی الوحشۃ، والصاحب
فی الغربۃ، والمحدث فی الخلوۃ والدلیل علی السراء والضراء، والسلاح علی الاعداء
والزین عند الاخلاء، یرفع اللہ بہ اقواما، ویجعلھم فی الخیر قادۃ وائمۃ تقتبس
اثارھم ویقتدی بافعالھم وینتھی الی رأیھم، ترغب الملائکۃ فی خلتھم وبا
جنحتھا تمسحھم ویستغفر لھم کل رطب ویابس، حتی الحیتان فی البحر وھوامہ
وسباع البر وانعامہ، لان العلم حیاۃ القلوب من الجھل، ومصابیح الابصار من
الظلمۃ، بالعلم تبلغ منازل الاخیار والدرجات العلیا فی الدنیا والآخرۃ، والتفکر
۱۳۴ فیہ یعدل بالصیام، ومدارستہ بالقیام وبہ توصل الارحام، ویعرف الحلال و
الحرام والعلم امام العمل والعمل تابعہ، فیلھمہ السعداء ویحرمہ الاشقیاء علمی مذاکرہ
تسبیح ہے (یعنی علمی مذاکرہ وتکرار کا وہی ثواب ہے جو ذاکر شاغل کی تسبیح ذکر کا ثواب ہے پس یہ نہ سمجھو کہ تحصیل علم میں مشغول
ہونے والے ذاکر نہیں یا وہ ذاکرین سے کم ہیں بشرطیکہ نیت خالص ہو) اور جاہلوں کو علم
دینا صدقہ ہے، اور جو اسکے اہل ہیں ان پر اچھی طرح علم کی بارش کرنا قربت (وطاعت) ہے،
کیونکہ علم ہی حلال وحرام کے نشان قائم کرنے والا ہے اور اہل جنت کے راستوں کی منزل
ہے، علم وحشت (وپریشانی) کا انیس، اور غربت (وبیکسی) کا ساتھی اور خلوت میں باتیں
کرنے والا اور راحت وغم کا بتلانے والا ہے،، دشمن کے مقابلہ میں (زبردست) ہتیار
اور دوستوں کے سامنے زینت بخشنے والا ہے، اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ سے بعض لوگوں کو بلندی
(ورفعت) عطا فرماتا اور انکو خیر کا مقتدا وامام بنا دیتا ہے جنکے آثار سے روشنی حاصل کیجاتی
اور افعال کی اقتدا کیجاتی اور ان کی رائے پر (معاملات مہمہ کا) آخری فیصلہ کیا جاتا ہے،
ملائکہ ان کی دوستی کی خواہش کرتے اور اپنے پیروں کو ان سے چھواتے ہیں، اور تمام خشک و

Marfat.com

تر (مخلوقات) ان کیلئے استغفار کرتی ہیں حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے اور جنگل کے درندے اور چوپائے بھی، کیونکہ علم (موت) جہل سے دلوں کو زندہ کرنا اور تاریکی دور کرکے بصیرتوں کو روشنی بخشتا ہے، علم ہی سے نیک بندوں کے مقامات تک رسائی ہوتی اور دنیا وآخرت میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں، علمی باتوں میں فکر وغور کرنا روزہ کے برابر اور ان کا پڑھنا پڑھانا شب بیداری کے مساوی ہے، علم ہی سے صلہ رحمی کیجاتی اور حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے، علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا مقتدی اسلئے نیک بختوں ہی کے دل میں علم (کا شوق) ڈالا جاتا ہے بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں،، (ترجمہ حدیث کا پورا ہوا) اور یہ تمام خوبیاں اور یہ نعمتیں اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ وہ دو شرطیں پائی جائیں اور پوری طرح پائی جائیں (یعنی اول تحصیل علم کیلئے اہتمام اور کوشش کرنا پھر تحصیل علم میں لگ جانا) اسکے بعد یہ تمام بھلائیاں (خود ہی) ان دو شرطوں کے پیچھے پیچھے ہوں گی،، اس حدیث کو صاحب حلیہ نے روایت کیا ہے اور اگر کوئی حجتی اس حدیث کے ضعف کا بہانہ ڈھونڈے تو اس سے کہدیا جائے
۱۳۵ کہ استاذ سمرقندی رحمہ اللہ نے اسکی سند کو صحیح بتلایا ہے،، (قولہ الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام یطلب بہ علما الی قولہ فی الوجہ الرابع صحح اسنادہ الاستاذ السمرقندی رحمہ اللہ)

(۷۷) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیں گے، کسی ثواب یا حسنہ کا ذکر نہیں فرمایا جیسا اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جسکو ہم نے (بروایت حلیہ) ذکر کیا ہے، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر حسنہ سے مراد ثواب ہے اور تسہیل سے مراد حصول علم کا راستہ آسان کرنا (جو دخول جنت کا سبب ہے) تو اس صورت میں حسنہ کا درجہ (تسہیل سے) بڑھا ہوا ہے اور اگر تسہیل سے مراد وصول جنت کا آسان کرنا ہے تو اس صورت میں تسہیل کا درجہ حسنہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ جنت کے قریب بندہ جبھی پہونچ سکتا ہے جبکہ جہنم سے بچا لیا جائے، اور جہنم سے بچ جانا بہت سی حسنات سے افضل ہے جنکی ساتھ جہنم میں جانا پڑے، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر اور کچھ بھی نہو صرف جہنم سے نجات ہو جائے تو یہی بڑی کامیابی ہے، پس تسہیل جنت کا درجہ

Marfat.com

حسنہ سے بلند و برتر ہوا (الوجہ الخامس قولہ علیہ السلام سہل اللہ علیہ طریقا الی الجنۃ الی قولہ فیکون التسہیل ارفع من الحسنۃ وافضل)۔

ف۔ ہمارے حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کا مذاق بعینہ یہی ہے فرماتے تھے کہ مجھے درجات عالیہ کی ہوس نہیں بس اتنا چاہتا ہوں کہ جہنم سے نجات ہوجائے پھر چاہے اہل جنت کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے الحمد للہ کہ اس مذاق کی تائید حدیث سے بھی ہوگئی۔

(۷۸) یہ ثواب جو اس عمل (یعنی طلب علم) پر مرتب کیا گیا ہے اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ صرف آخرت کیساتھ مخصوص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کو عام ہو، اگر ہم اس حدیث کے لفظ کو دیکھیں تو یہ ثواب آخرت ہی کیساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے اور اگر دوسری احادیث پر نظر کریں تو اسکو دنیا و آخرت دونوں کیلئے عام کہہ سکتے ہیں، اور زیادہ ظاہر یہی ہے جسکی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے من خرج الی المسجد لیعلم خیرا او لیتعلمہ کان فی ذمۃ اللہ فان مات ادخلہ اللہ الجنۃ وان رجع کان کالمجاھد رجع

۱۳۶ بالاجر والغنیمۃ جو شخص مسجد کی طرف اس واسطے جائے کہ اچھی باتیں بتلائیگا یا اچھی باتیں سیکھے گا وہ اللہ کی پناہ میں ہوگا، اگر (اس حال میں) مرجائے تو اللہ اسکو جنت میں داخل کریگا اور اگر واپس آئیگا تو مجاہد کی طرح ثواب و غنیمت لیکر لوٹے گا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی ہے کہ اسکو دنیا میں بھی (یہ) ثواب ملیگا (کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہوگا) تو اب اس کے سوا کچھ کہنے کی گنجائش نہیں (کہ طلب علم پر جو ثواب عطا ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو عام ہے) اگر یہ اسیوقت ہے جبکہ علم مخصوص (یعنی علوم شریعت) کو طلب کیا جائے جسکی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (الف لام عہد سے) اشارہ فرمایا ہے اور طلب بھی اللہ کیلئے خالص ہو اور اخلاص و حقیقت فقہ کا حاصل ہونا ہی تو بڑی چیز ہے جسکی طرف ہم نے اشارہ کردیا ہے، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کا مجموعہ حاصل ہوجائے تو حقیقی سعادت نصیب ہوگئی، کیونکہ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ اگر یہ وصف کسی میں پایا جائے تو اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کے ساتھ استدراج کا برتاؤ نہ ہوگا اور نہ پیچھے کو لوٹے گا (بلکہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا اور بے کھٹکے جنت میں جائیگا) اسی کے قریب وہ بات ہے جو ہرقل نے کہی تھی اور وہ سچی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایمان جب دل کے

[علم ضروری کا طالب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے]

Marfat.com

اندر پیوست ہوجاتا ہے پھر اس میں سے نہیں نکلتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے یہ دونوں باتیں ہمکو عطا فرمائیں (قولہ الوجہ السابع ہذا الثواب المذکور علی ہذا الفعل احتمل ان یراد بہ الآخرۃ الی قولہ من اللہ علینا بمجموعہما بمنہ وعینہ)

ف اس مقام سے اہل علم کو سبق لینا چاہیئے کہ جب وہ اللہ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہیں پھر معاش کی طرف سے کیوں پریشان ہوتے ہیں ان کو اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرنا اور علم حقیقی کیلئے سعی کرنا چاہیئے اور امر معاش کی طرف سے بیفکر رہنا چاہیئے ۱۲ ظ

ف ۔ طلب علم میں اخلاص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ امر معاش کے متعلق پریشانی نہو جس شخص کو معاش کے متعلق پریشان دیکھا جائے سمجھ لو کہ اس نے اخلاص نیت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا،،

ف ۔ اخلاص فی العلم کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسکے وسیلہ سے بارگاہ آلہی میں عرض معروض کرسکے جس شخص نے اخلاص کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا وہ اپنے علم کے وسیلہ سے دعا کی جرأت
۱۳۷ نہیں کرسکتا قالہ العلامۃ عبدالوہاب الشعرانی ۔

ف ۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد تعلیم وتعلم کی خاص جگہ ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تعلیم باجرت نہو اور علوم شرعیہ کے سوا کسی اور علم کی تعلیم نہو ۔

(یازدہم) حدیث قیام الامۃ المحمدیۃ علی الحق الی یوم القیٰمۃ

(حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوے سنا کہ اللہ تعالیٰ جسکی ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسکو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی کوئی مخالف اسکو ضرر نہیں پہونچا سکے گا یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے ۔

شرح ظاہر حدیث تین احکام پر دلالت کرتا ہے ایک خیر کا فقہ فی الدین پر معلق (وموقوف) ہونا، دوسرے اعطا کا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے بلاشرکت غیری مخصوص ہونا، تیسرے یہ کہ اس امت میں سے کچھ لوگ قیامت تک حق پر رہیں گے یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے انکی مخالفت

Marfat.com

کرنے والا اُن کو نقصان نہیں پہونچا سکے گا"، اور اسمیں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۷۹) حضور کا یہ ارشاد کہ "میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ ہے" حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبہ کی (عظمت و) بلندی کی بڑی دلیل ہے کیونکہ جس خیر عظیم سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا ہے اس (کی تقسیم) کو آپ کے ہاتھوں میں دیدیا گیا ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے خیر کو پیدا کیا اور اسکے اہل (اور قابل طبائع) کو بھی پیدا کیا پس مبارک ہیں وہ جنکو میں نے خیر کیلئے پیدا کیا اور خیر کو ان کیلئے پیدا کیا، اور اُن کے ہاتھوں سے خیر (کے سلسلہ) کو جاری کیا، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں میں جنکے ہاتھوں خیر (کے سلسلہ) کو جاری کیا گیا ہے سب سے افضل اور برتر ہیں"۔ (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام انما انا قاسم الیٰ قولہ ھو اجل من اجری الخیر علیٰ یدایہ)۔

(حاشیہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے خیر کا سلسلہ جاری ہوا)

ف پس جس کے ہاتھ سے کوئی سلسلہ خیر ظاہری یا باطنی جاری ہو اسکو اللہ کی اس نعمت سے خوش ہونا چاہئے مگر ناز نکرے اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ جان لینا چاہیے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے ۱۳۸
اگر وہ بجائے اسکے دوسرے کو خیر کیلئے پیدا کر دیتے تو جو سلسلہ اس کے ہاتھ سے جاری ہوا ہے دوسرے کے ہاتھ سے جاری ہو جاتا وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم"

(۸۰) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم کیوں رکھا؟ حالانکہ قاسم اسکو کہتے ہیں جو کوئی محسوس شئی خاص لوگوں پر تقسیم کرتا ہو"، جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم اسی حقیقت کی وجہ سے رکھا ہے جس کا بیان اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر کو آپ کے ہاتھوں سے تقسیم کیا ہے جس سے مسلمانوں پر رحمت نازل ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو پوری طرح (واضح طور پر) بیان فرمادیا پھر حدود کی تعیین فرمائی، اور (اچھے کاموں کی) ترغیب دی اور (برے کاموں سے) ڈرایا کہ جو ایسا کریگا اسکو یہ صلہ ملیگا، اور جو ایسا کریگا اس پر یہ وبال ہوگا جیسا احادیث میں وارد ہے اور محسوس اشیا کی تقسیم کرنے والا بھی یہی کرتا ہے"، جیسا فرضی (ترکہ تقسیم کرنے والا) ہر شخص کا حصہ مقرر کر دیتا اور اس کے حق کی مقدار اور جملہ لوازم کو بیان کر دیتا ہے، تو حضور کا یہ کلام عجیب وغریب تشبیہ اور

(حاشیہ: عطاء مرتبت کے حصول میں رسول اللہ اور خلفاء رسول کا حصہ تقسیم کرنے والے ہیں)

Marfat.com

فصیح تر تمثیل پر مشتمل ہے، پھر دیکھو جس طرح قرضی کے ذمہ حقدار کو حق پہونچا دینا نہیں (صرف حق کی مقدار بتلانا ہے) اور پہونچانا اس کا کام ہے جسکے ہاتھ میں امر و نہی (حکومت و سلطنت) ہے اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کے متعلق خبر دی ہے کہ آپ تو تقسیم کرنے والے ہیں اور اس تقسیم کو نافذ کرنے والے اور دینے والے اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہیں، وہی معطی ہیں وہی مانع ہیں (جسکو چاہتے ہیں دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں) کیونکہ تمام معاملات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ کی قضا (و قدر) ہی سے سب کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جا بجا اس حقیقت کی تصریح فرمائی اور صاف صاف بیان فرما دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے لیس علیک ھداھم ولکن اللہ یھدی من یشاء آپ کے ذمہ ان کو راستہ پر لگا دینا نہیں بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے راستہ پر لگا دیتا ہے (آپ کا کام راستہ بتلانا ہے) نیز ارشاد ہے انما انت نذیر بس آپ تو ڈرانے والے ہیں نیز ارشاد، ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم اگر آپ کا پروردگار

۱۳۹ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی طریقہ پر کر دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوا ان کے جنپر آپ کے پروردگار نے رحم فرما دیا، اور اس (اختلاف) ہی کے واسطے ان کو پیدا کیا ہے، نیز ارشاد ہے ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سبکو ہدایت پر جمع کر دیتے، اسکے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں،،

یہ حقیقت ظہور میں آچکی اور حسی طور سے اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو ہدایت کے راستہ یکساں طریقہ پر بیان فرمائے ہیں کسی خاص جماعت کیساتھ اسکو مخصوص نہیں فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جسکو چاہا تصدیق و اتباع کی توفیق دی اور اپنے عدل سے جسکو چاہا محروم کر دیا اور اپنی حکمت سے جسکو چاہا ایک حصہ کے قبول کی ہدایت کی اور ایک حصہ سے محروم کر دیا۔ (قولہ الوجہ الثالث لقائل ان یقول لم سمی علیہ السلام نفسہ الی قولہ والاعراض عن بعض)

ف۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو القاء نسبت کو مشائخ کے اختیار میں سمجھتے ہیں کہ وہ جسکو چاہیں ولی بنا دیں جسکو چاہیں محروم کر دیں،، ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب سیدنا رسول اللہ

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں یہ بات نہیں تو اوروں کا کیا ذکر؟ بات یہ ہے کہ مشائخ کے اختیار میں راستہ بتلانے سے زیادہ کچھ نہیں، مگر سنت اللہ یہ ہے کہ جو لوگ مشائخ کا اتباع کرتے اُن کو راضی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کیلئے راستہ کھولدیتے ہیں من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ» اور اتباع مشائخ کی ضرورت اسلئے ہے کہ اتباع رسول بدوں اسکے حاصل نہیں ہوتا، مشائخ کا تعلق رسول کے ساتھ ایسا ہے جیسا جج کلکٹر اور کمشنر کا تعلق وسیرا سے ہے جس طرح وسیرائے کی اطاعت اسکے ماتحت حکام کی مخالفت کرکے حاصل نہیں ہوسکتی اسی طرح رسول کی اطاعت خلفائے رسول کی مخالفت کرکے حاصل نہیں ہوسکتی امید ہے کہ یہ مثال اہل فہم کیلئے کافی ہوگئی ہوگی»

(۸۱) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عالم کو احکام کی تقریر کرتے ہوئے مثالیں بیان کرنا چاہئے یہانتک کہ مخاطب مراد کو سمجھ جائے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کو قاسم سے تشبیہ دی ہے (جسمیں چند حقائق کی طرف اشارہ ہے) جیسا ابھی بیان ہوا اور اسی وجہ سے امام مالک نے فرمایا ہے بالمعانی استعبدنا لا بالالفاظ ہمکو معانی سے غلام بنایا گیا ہے نہ الفاظ سے، اور اسی لئے ذات النطاقین (حضرت اسماء رضی اللہ عنہما) نے معلم سے فرمایا جب اپنے بچہ کو تعلیم قرآن کیلئے اسکے حوالہ کیا ادبہ واحسن تادیبہ والرحمن علمہ القرآن اسکی نگہداشت کرو اور اچھی طرح نگہداشت کرو اور قرآن تو (جسکو سکھلایا) رحمٰن ہی نے سکھلایا ہے یہ لوگ (اس حقیقت کو) سمجھتے ہوئے تھے کہ دینے والا کون ہے؟ اور حکمت کا معاملہ اشیاء میں کس طرح ہے؟ (پس اولاد کو معلم کے حوالہ کرنا مقتضائے حکمت ہے یہ نہیں کہ علم کا عطا کرنا معلم کے ہاتھ میں ہے) اور جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ (ہمیشہ) بچے کی قلت حفظ (اور ہر کوتاہی) کو معلم (کے قصور) کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اُن کا یہ خیال صحیح نہیں (یہ بھی ممکن ہے کہ معلم نے تعلیم میں کوتاہی نکی ہو اور بچہ کو علم نہ آتا ہو) کیونکہ محروم کرنیوالا اور دینے والا تو تمام اشیاء کا خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی رزق ہو یا علم اللہ جل جلالہ ہے بس بندہ کا فرض منصبی یہ ہے کہ حکمت کا اتباع کرکے اسباب کو کام میں لائے اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرے، الوجہ الرابع فی ھذا دلیل علی ان للعالم ان یضرب الامثال۔

مثال کے ذریعہ سے تفہیم ۱۴۰ — [illegible]

Marfat.com

ف حضرات صوفیہ امثال کے بادشاہ ہیں وہ غامض سے غامض علوم ومعارف کو مثالوں میں اسطرح بیان کرتے ہیں کہ معانی معقولہ محسوس ومشاہد معلوم ہونے لگتے ہیں، اور یہ میراث اُن کو کمال اتباع رسول سے حاصل ہوئی ہے۔

(۸۲) حدیث سے دو علمی مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اسباب میں بالذات خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ قدرت کی مشیت نے جتنا اثر اُن میں رکھدیا اُتنا ہی ہے دوسرے یہ کہ اسباب (کے اختیار کرنے) کی ضرورت ہی کیونکہ مقتضائے حکمت (یہی) ہے اور حکمت کو چھوڑنا مخالفت وعناد (میں داخل) ہے۔

ف یہی وہ بات ہے جسکو متکلمین اشاعرہ نے علم کلام میں بیان فرمایا ہے اور یہ مسئلہ اشاعرہ کے کمال ایمان اور کمال اتباع نصوص کی دلیل ہے مگر افسوس بعض لوگوں نے جن کے ایمان پر فلسفہ نے غلبہ پالیا ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے اشاعرہ کا بہت مضحکہ اڑایا اور یہ کہا کہ اشاعرہ سلسلۂ اسباب ومسببات وعلل ومعلولات ہی کے منکر ہیں، پھر اُن کی توہین وتحقیر کیلئے جو منہ میں آیا کہا اور جو دل میں آیا لکھ مارا، حالانکہ یہ حضرات نہ سلسلۂ اسباب ومسببات کے منکر ہیں نہ سلسلۂ علل ومعلولات کے، اُن کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ جسکو تم سبب یا علت کہتے ہو اسمیں خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ سبب یا علت پر مسبب یا معلول کا ترتب حق تعالیٰ کے حکم وارادہ سے ہوتا ہے، یہ نہیں کہ خلق علت وسبب کے بعد مسبب ومعلول خود بخود پیدا ہو جائے جیسا فلاسفہ کا دعویٰ ہے کہ اُن کے نزدیک تخلل جعل بین اللازم والملزوم باطل اور جعل سبب وعلت ہی وجود مسبب ومعلول کیلئے کافی ہے،، حضرات اشاعرہ اگر سلسلۂ اسباب وعلل کے منکر ہوتے تو اختیار اسباب کو ضروری اور ترک اسباب کو ناجائز اور داخل عناد ومخالفت کیوں کہتے؟

الیس منکم رجل رشید؟

(۸۳) اس جگہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ شریعت نے اعمال صالحہ کی تو تاکید کی اور رغبت دلائی چنانچہ تفقہ فی الدین بھی اُن کا ایک فرد ہے، اور دنیا کی مذمت کی اور اُس کے اسباب سے بے رغبتی کی تعلیم دی اور زہد کی بہت تاکید کی چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لن تموت نفس حتی تستکمل رزقہا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب کوئی شخص ہرگز نہ مرے گا جب تک اپنا رزق پورا نکرلے پس اللہ سے ڈرو اور طلب دنیا میں اجمال سے کام لو (جب اسباب کا اختیار کرنا حکمت کا مقتضا ہے تو اسباب دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم کیوں دی گئی؟) جواب یہ ہے کہ (حضور نے ترک

Marfat.com

اسباب دنیا کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسباب دنیا میں اجمال سے کام لو زیادہ حرص وانہماک سے کام نہ لو کیونکہ) اس عالم میں رزق مقسوم (اور مقدر) ہو چکا اور اسکی ذمہ داری (اللہ تعالیٰ نے لیلی ہے جیسا آیات واحادیث سے معلوم ہو چکا ہے تو شارع علیہ السلام نے اسی وجہ سے اسباب دنیا میں بے رغبتی کی تعلیم دی کہ ایمان کا مقتضیٰ یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں مسلمانوں کی صفت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرماتے ہیں یؤمنون بالغیب کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور اسباب دنیا میں حرص کرنا ایمان کیلئے آفت اور تصدیق کی کمزوری اور تحصیل حاصل ہیں (بلا وجہ) مشقت وتعب (کا سبب) ہے اور (ثمرات آخرت کی ذمہ داری نہیں کیگئی بلکہ اُن کو اختیار اسباب پر موقوف رکھا گیا ہے اور) اسباب (آخرت یعنی) اعمال صالحہ کے اختیار کرنے میں ایمان کو قوت اور حکم الٰہی کی موافقت ہے اور اسکے ساتھ (دنیا سے محرومی بھی نہیں ہوتی بلکہ) جتنا رزق دنیا میں اس کیلئے مقدر ہو چکا ہے وہ یقیناً اس کے پاس پہونچکر رہیگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، من بدأ بحظہ من آخرتہ نال من آخرتہ ما ارادہ ولم یفتہ من دنیاہ ما قسم لہ جو شخص اپنی آخرت کے حصہ کو (دنیا پر) مقدم کریگا وہ آخرت سے اپنی مراد پالیگا اور دنیا سے جتنا حصہ اسکے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ بھی فوت نہوگا، آیات واحادیث اس مضمون میں بکثرت وارد ہیں، اور اس میں رغبت کرنا حقیقی ایمان ہے اور جو چیز ایمان کی حقیقت یا اسکے لوازم میں سے ہو اُسکا اختیار کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے کام کی قدر کیجائے گی، اور اسکی مثال مجتہد جیسی ہوگی کہ اگر اسکا اجتہاد صحیح ہو جائے تو دوہرا ثواب ملتا ہے اور اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو ایک ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ (اپنی طرف سے) اسباب اجتہاد میں کوشش خرچ کر چکا پھر بھی خطا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُسکی محنت کو ضائع نہیں فرماتے کیونکہ اس نے اپنی سی کوشش میں کوتاہی نہیں کی بخلاف اُس شخص کے جو جہالت کے ساتھ کام کرتا ہے کہ اُسکو ثواب نہیں ملتا گو عمل درست ہی ہو جائے، ظاہر اور صحیح قول یہی ہے الوجہ السادس لقائل ان یقول قد حضت الشریعۃ وندبت فی اعمال البرالی قولہ علی اظہر الوجوہ واولاھا،

ف یہاں سے سالکین طریق کو سبق لینا چاہئے کہ طالب آخرت کسی حال میں محروم نہیں اگر کامیاب ہوا تو دوہرے ثواب کا مستحق ہے، ناکام ہوا تو ایک ثواب کہیں نہیں گیا، مگر شرط یہ ہے کہ طلب قاعدہ ۱۴۴

Marfat.com

کے موافق ہو، جہل کے ساتھ طلب میں کچھ ثواب نہیں، اسلئے طالب آخرت کو لازم ہے کہ جو کام بھی کرے پہلے اُس کا علم حاصل کرلے، اور یہاں سے اُن جہلا، صوفیہ کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو طلب آخرت کیلئے علم کی ضرورت نہیں سمجھتے "

(۴۸) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زہد بدون تقویٰ کے آسان نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب اللہ سے ڈرو اور دنیا کی طلب میں اجمال سے کام لو۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ اللہ سے ڈرو اور اللہ تمکو تعلیم دیگا دونوں جگہ واوٴ حالیہ ہے"، (جس سے معلوم ہوا کہ علم بھی بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا، اور جو علم بدون تقویٰ کے حاصل ہوتا ہے وہ علم رسمی ہے حقیقی نہیں کیونکہ حقیقی علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا کر دیتے ہیں اور وہ بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا) پس (تمام اعمال صالحہ کی) اصل تقویٰ ہے جب یہ کسی کا حال بنجاتا ہے تو زہد خود بخود شوق سے آجاتا ہے، اسی وجہ سے صوفیہ دوسروں سے زیادہ زاہد...... اور زیادہ تارک اسباب ہیں کیونکہ
۱۴۳ اُن کا تقویٰ (دوسروں سے) بڑھا ہوا ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمکو اس طرح رزق دیتے جس طرح پرندوں کو دیتے ہیں کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے آتے ہیں"، اس پر بعض لوگوں نے جن پر طلب دنیا کی حرص غالب تھی یہ کہا کہ پرندوں کا ہوا میں اُڑنا بھی رزق حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے تو اس حدیث میں اختیار اسباب کی ترغیب ہے (نہ ترک اسباب کی) اور یہ گفتگو محض لچر ہے بعض اہل تحقیق نے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے اور وہی حق ہے جس میں کچھ شبہ نہیں، اُنھوں نے فرمایا کہ پرندہ کا اڑنا (اس کا طبعی فعل ہے طلب رزق کے واسطے نہیں پس اس کا یہ فعل) ایسا ہی جیسا رعشہ والے کے ہاتھ کی حرکت دونوں میں کچھ فرق نہیں اسلئے اس پر کوئی حکم لگانا صحیح نہیں، اس محقق نے اس بات کو سمجھا ہے کہ شارع علیہ السلام نے تمام حیوانات میں سے پرندوں کا ذکر خاص طور سے کیوں کیا؟ وجہ یہ ہے کہ دیگر حیوانات یعنی وحوش وحشرات اسباب معاش کی تلاش میں رہتے ہیں چنانچہ چرنے والے جانوروں کو تم ہمیشہ اس حال میں دیکھو گے کہ وہ سرسبز زمین کو تلاش کرتے اور خشک

Marfat.com

زمین کو چھوڑتے ہوں گے خشک زمین میں اُن کو کبھی نہ دیکھو گے، اور شکاری جانوروں کو شکار کی تلاش میں پاؤ گے کہ خوشبو سونگھ کر اُسکے پیچھے لگے رہتے ہیں یہانتک کہ شکار ہاتھ آجائے، تو چونکہ اور حیوانات تلاش اسباب میں بنی آدم کے مشابہ ہیں اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو چھوڑ کر پرندوں کا ذکر فرمایا جو ہوا میں اُڑتے ہیں، اور (ظاہر ہے کہ) ہوا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جسکا قصد کیا جائے نہ دانہ ہے جو چگ لیا جائے نہ کوئی چیز ہے جسکو چر لیا جائے وہاں تو ہوا اور روشنی کے سوا کچھ نہیں، پرندے اسی میں پھرتے اور گشت لگاتے رہتے ہیں یہانتک کہ اُن کا رزق اُن کے پاس پہونچ جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ اُن کو رزق کے پاس پہونچا دیتا ہے اسی حقیقت کی وجہ سے حضور نے پرندوں کو ذکر کیلئے مخصوص فرمایا۔ دوسرے حیوانات کا ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ بھی سب کے سب صبح کو بھوکے (جنگل) جاتے اور شام کو پیٹ بھرے آتے ہیں" الوجہ السابع فی ھذا دلیل علی ان الزھد لا یسھل الا بالتقویٰ الی قولہ تغدو اخماصا وتروح بطانا،،

ف اس جواب میں چند اشکالات ہیں جو اہل فہم پر مخفی نہیں اسلئے یوں کہنا چاہئے کہ بیشک طیران
۱۴۴ بھی ایک درجہ میں تسبب ہے مگر وہ اس درجۂ اجمال سے زیادہ نہیں جس کا حدیث میں حکم ہے، حضور کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو توکل کما حقہ حاصل ہوتا تو رزق کی طرف سے ایسے بیفکر ہو جاتے جیسے پرندے بیفکر ہیں کہ اُن کو کل کے واسطے ذخیرہ جمع کرنے کی حرص نہیں وہ اللہ کے بھروسے صبح کو بھوکے اُڑتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آجاتے ہیں اور گو یہ بات دوسرے حیوانات کے اندر بھی موجود ہے مگر اُن میں جو انسان سے مانوس ہیں اُن کی غذا انسان خود مہیا کرتا ہے اور جو وحشی ہیں وہ انسان کے سامنے نہیں رہتے اسلئے اُن کی حالت کا پورا مشاہدہ نہیں ہوتا،، اور پرندے خواہ مانوس ہوں یا وحشی اُنکی حالت کا انسان کو مشاہدہ ہے اسلئے خصوصیت کے ساتھ اُن کا ذکر کیا گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸۵) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی" دو احتمال ہیں کہ امت سے مراد عام امت ہو یا خاص افراد اگر خاص افراد مراد ہیں تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ اہل عرب بعض سے کل اور کل سے بعض کا قصد کیا کرتے ہیں، دوسرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے فتنوں سے جو خبر دی ہے کہ علم اُٹھ جائیگا جہالت اور ظلم کا غلبہ ہوگا وغیرہ وغیرہ وہ سب اخبار کی جنس سے ہیں اور یہ حدیث بھی جس کی ہم شرح کر رہے ہیں خبر ہی ہے اور اخبار میں نسخ نہیں ہو سکتا

Marfat.com

اب اگر اس حدیث کو خصوص پر محمول کیا جائے تو اسکے معارض جتنی احادیث ہیں سب اپنی جگہ پر صحیح رہیں گی منجملہ ان کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے افترقت بنو اسرائیل علی ثنتین و سبعین فرقۃ وستفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین فرقۃ کلہا فی النار الا واحدۃ کہ بنی اسرائیل تو بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوا ایک کے اور سب جہنم میں جائیں گے ،، تو یہی ایک فرقہ جسکی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے وہی اس امت کا مصداق ہے جسکے متعلق یہاں گفتگو ہو رہی ہے (کہ وہ قیامت تک اللہ کے حکم پر رہے گی) بعض روایات کے الفاظ اس مطلب میں صریح ہیں چنانچہ آپ کا ارشاد ہے لاتزال طائفۃ من ھذہ الامۃ کہ اس امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی ،، جس کا مطلب بعض علما نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت اللہ کی مرضی کے موافق علم کا حق ادا کرتی رہے گی، اسی طرح اہل حقیقت میں ایک جماعت ہوگی (جو حقیقت کا حق ادا کرے گی) اور ایسے ہی اعمال صالحہ بجا لانے والوں کی ایک جماعت ہوگی غرض انواع خیر میں سے خواہ علم ہو یا حال ہو (یا حقیقت ہر ایک) ہر نوع کو بجا لانے والی مسلمانوں کی ایک جماعت ہوگی جو اس نوع کے بجا لانے میں مشغول ہوگی کوئی مخالف اُن کو ضرر نہ پہونچا سکے گا یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے ،، اور اگر امت سے مراد عام امت ہو جب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ (اس صورت میں امت سے حقیقی امت مراد ہے اور) امت حقیقیہ وہی ہے جو اس صفات سے موصوف ہو جس کا حدیث میں ذکر ہے اور وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہے ، امتی کلہا فی الجنۃ ، کہ میری ساری امت جنتی ہے ، یعنی امت حقیقیہ جو آپ کے راستہ اور طریقہ پر چلتی رہے ان کے علاوہ جو اور لوگ آپ کی امت کہلاتے ہیں وہ اللہ کی مشیت (اور مرضی) کے حوالہ ہیں جن میں سے بعض تو آپ کی امت میں اصلا نہوں گے یہ وہ ہیں جنکو خاتمہ کے وقت بدلدیا جائے (اور اسلام سے ہٹا دیا جائے) گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے ،، اور بعض وہ ہیں جنکو قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سحقا سحقا (دور ہو جا دور ہو جاؤ) فرمائیں گے ، ان کے اندر ایمان کا کوئی (ظاہری) حصہ ہوگا اسی لیئے وہ اس امت کی علامت پر اٹھائے جائیں گے ،، (اور ان کے باطن میں ایمان نہوگا اسلیئے حضور ان کو دُتکار دیں گے اور غالبا یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لے آئے تھے اور حضور کی وفات کے بعد

۱۴۷

مرتد ہو گئے) اور بعض وہ ہیں جنکی دستگیری حضور کی شفاعت کرے گی بعد ازاں کہ وہ اپنی قسمت کے موافق سخت پریشانی برداشت کر چکیں گے (شفاعت کی وجہ سے عذاب سے بچ جائیں گے) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اختبأت شفاعتی لاھل الکبائر من امتی میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے بڑے گنہگاروں کے واسطے چھپا کر رکھا ہے، اور بعض وہ ہیں جنکو ان کے گناہوں کے موافق قسم قسم کے عذابوں کا سامنا ہوگا (پھر شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جائیں گے) کیونکہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ گناہوں کی ہر نوع کیلئے جدا عذاب ہے جو اسکے ساتھ مخصوص ہے یا اسکے قریب کچھ اور الفاظ ہیں،، الوجہ الثامن قولہ علیہ السلام ولن تزال ھذہ الامۃ الی قولہ او ما فی معناہ،،

ف. لایزال طائفۃ من امتی کی شرح میں علماء نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تقسیم عمل پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ہر نوع خیر کا حق ادا کرنے والی ایک ایک جماعت علیحدہ علیحدہ ہوگی، یہ نہیں کہ ہر جماعت تمام انواع خیر میں مشغول ہوگی، پس یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو علماء اور مشائخ کو بھی
سیاسیات میں شریک ہونے کا مشورہ دیتے ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر جماعت سب کاموں میں 147
مشغول نہیں ہو سکتی، اگر ایسا ہوگا تو کوئی کام بھی پوری طرح انجام کو نہ پہونچے گا، تقسیم عمل ترقی کا معیار ہے بدون اس کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی،، اور یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ سیاسیات ملکیہ شریعت اسلامیہ کے موافق ہوں، اور شریعت کے خلاف ہوں تو ان کو انواع بر میں شمار کرنا ہی حماقت ہے،، جیسا آجکل سیاسیات ہند میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مفتی اور مولانا ایسے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں جنمیں ہندوؤں کی نوجوان لڑکیاں ساڑھیاں باندھے گلے کھولے ہوئے اسٹیج پر تقریریں کرتی اور گانا گاتی ہیں، اور بڑے بڑے مدرسوں کے علماء اور طلبہ ہندو لیڈروں کے استقبال کو اسٹیشن پر جاتے اور جب وہاں ملاقات کا موقعہ نہیں ملتا تو فرودگاہ پر چلے جاتے ہیں۔ ایبتغون عندھم العزۃ فللہ العزۃ جمیعا ○ پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی،،

(۲۹) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ باطل کو غلبہ ہوگا اور اہل باطل کی کثرت ہوگی کیونکہ جب ایک جماعت کے سوا حق پر کوئی نہ ہوگا تو باقی سب گمراہی پر ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس جماعت

Marfat.com

کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں (الا الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت) وقلیل ماھم کہ ایمان والے تھوڑے ہی ہوں گے اور ارشاد ہے فماذا بعد الحق الا الضلال کہ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ جب (ایک جماعت میں) حق پایا گیا تو اسکے سوا جو کچھ ہے باطل ہی باطل ہے، اب اگر تو عقل رکھتا ہے تو کثرت سے بھاگ اور قلت کی طرف مائل ہو، سلامتی سے کامیاب ہو جائیگا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء من امتی، اسلام بے سروسامانی کے ساتھ شروع ہوا ہے اور اخیر میں بھی بے سروسامان ہو جائیگا پس میری امت میں بے سروسامان جماعت کیلئے خوشخبری ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کی امت کے یہ غربا (اور بے سروسامان لوگ) کون ہیں؟ فرمایا وہ جو لوگوں کے بگڑنے کے وقت درست رہیں گے،،

ف اس مقام پر اہل سیاست کو غور کرنا چاہئے جو کثرت کا راگ گاتے پھرتے اور کثرت رائے کو اصول شریعت میں ٹھونستے اور اسپر فیصلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں، وہ دیکھیں کہ احادیث نبویہ سے کیا معلوم ہوتا ہے اور علماء سلف نے اُن سے کیا سمجھا ہے؟ فھل من مدکر؟ -

۱۴۷ (۸۷) قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لا یضرھم من خالفھم کہ اُن کا مخالف اُن کو ضرر نہ پہونچا سکے گا،، تین احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ قائم بالامر کی ذات مراد ہو کہ کوئی شخص ان کی ذات کو ضرر پہونچانے پر قادر نہ ہوگا،، دوسرے یہ کہ اگر وہ مخالفین کے پاس یا اُن کے درمیان رہتے ہوں (اور اس وجہ سے ان کی اصلاحی کوششیں پوری طرح کامیاب نہ ہوتی ہوں تو) مخالفین کی مخالفت سے اُن کے عمل کو ضرر نہ پہونچیگا، اُن کا عمل مقبول ہوگا اور ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی (بلکہ اجر میں ترقی ہوگی کما دلت علیہ النصوص) تیسرے یہ کہ اس مخالفت سے نہ اُن کو ضرر ہوگا نہ اُنکے عمل کو نقصان پہونچیگا، اور یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وکان حقا علینا نصر المؤمنین مؤمنین کی مدد ہمارے ذمہ ہے،، نیز ارشاد ہے لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ ہونے والے تمکو ضرر نہیں پہونچا سکتے (ع اگر گیتی سراسر باد گیرد ✢ چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد) - اور اسمیں اُن لوگوں کیلئے بڑی بشارت ہے جو اس صفت سے موصوف ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اُن کو ضرر کا کچھ اندیشہ نکرنا چاہئے اگرچہ مخالفین کتنے ہی زیادہ ہوں اس شخص کا دل ہمیشہ مطمئن اور سینہ ہمیشہ منشرح ہوگا، کیونکہ مخبر صادق ہے، اور جسکی طرف سے

Marfat.com

خبر دے رہا ہے وہ عالم وقادر ہے، اس مضمون پر اللہ تعالیٰ نے بھی متنبہ فرمایا اور صراحۃً اسکو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المؤمنین جیسا ابھی ذکر ہوا، اور جن مومنین کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کو محض اپنے فضل سے لازم کیا ہے وہ وہی ہیں جنکی صفت اس حدیث میں بیان کیگئی ہے (یعنی اللہ کے حکم پر قائم رہنے والے) اسی لئے بعض بزرگوں نے یعنی یمین بن ازق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اذا وافقت الشریعۃ ولاحظت الحقیقۃ فلا تبالی وان خالف رأیک جمیع الخلیقۃ جب تم شریعت کے موافق چل رہے ہو اور حقیقت تمہارے پیش نظر ہو پھر کچھ پروا نکرو اگرچہ تمام مخلوق تمہاری رائے کی مخالفت کرتی ہو۔" الوجہ الثالث عشر قولہ علیہ السلام لا یضرھم من خالفھم والوجہ الرابع عشر فی ھذا اشارۃ عظیمۃ الی قولہ وان خالف رأیک جمیع الخلیقۃ"۔

ف اس مقام سے سالکین وعارفین کو سبق لینا چاہئے کہ جب وہ شریعت کے موافق چل رہے ہوں اور حقیقت پیش نظر ہو پھر کسی مخالف کی مخالفت کی آنکو پروا نہونا چاہئے، انشاء اللہ وہی کامیاب اور غالب ہوں گے اور مخالفین ناکام اور مغلوب ہوں گے"۔ ۱۴۸

(۸۸) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حتی یأتی امر اللہ یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے" دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ حکم الٰہی سے مراد قیامت ہو، دوسرے یہ کہ بڑی بڑی نشانیاں مراد ہوں جو قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کے ذریعہ اس دین کو زندہ کریں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ زندہ رہیں گے اور وفات پاکر مسلمانوں کے درمیان دفن ہوں گے پھر اُن کے بعد تھوڑے عرصہ تک مسلمان باقی رہیں گے پھر اُن (کی حالت) میں خلل واقع ہونے لگے گا اور ترقی کریگا جب یہ خلل حد سے گذر جائیگا تو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک نرم ونازک ہوا بھیجیں گے جو تمام مسلمانوں کی روحیں قبض کرلے گی قرآن کو اٹھا لیا جائیگا اور اسوقت بجز بدترین مخلوق کے (دنیا میں) کوئی نہ رہے گا، شیطان ان کے پاس آئیگا اور گمراہی میں مبتلا کرکے جاہلیت سابقہ کی طرف لوٹا دیگا، اور صوفیہ نے بطور اشارہ کے حدیث سے یہ بھی سمجھا ہے کہ امر اللہ عام ہے مگر مراد خاص ہے یعنی یہانتک کہ اللہ کا وہ حکم آجائے جو ہر ایک کے ساتھ بلا شرکت غیری الگ متعلق ہوتا ہے یعنی موت تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مخالف کی مخالفت اُن کو

مومن کا خوش ہونا اور ابتلاؤں کے ساتھ اس کا انتقال کر جانا

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ضرر نہ دیسکے گی یہانتک کہ بہترین حالت پر انکو موت آجائے اسوقت اللہ کے وعدہ جمیل سے اُن کے سینے کھلے ہوئے (اور قلوب مطمئن) ہوں گے اور خوشی کے ساتھ موت کا اس طرح انتظار کریں گے جیسا کوئی غائب اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے (اور گھر والے اُس کا انتظار خوشی کے ساتھ کرتے اور اُس کے اشتیاق میں گن گن کر دن گذارتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہمکو بھی موت سے خوشی عطا فرمائیں اور اپنے فضل و کرم سے اس دن کو تمام دنوں سے اچھا اور بہتر بنادیں (آمین)" الوجہ الخامس عشر والوجہ الثامن عشر الیٰ قولہ وجعل یومہ خیرا یاما ممنا وعینا"۔

ف حدیث میں ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ جو اللہ سے ملنے کا اشتاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں" اور مشاہدہ ہے کہ یہ اشتیاق لقاء صوفیہ کرام میں سب سے زیادہ ہے"، گو جان دینے پر اُن سے زیادہ دوسرے لوگ آمادہ ہوں، مگر اس کا نام اشتیاق لقاء نہیں ورنہ خود کشی کرنے والے اور وطن و ناموس پر جان دینے والے کافر بھی اسی صف میں داخل ہو جائیں گے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ان لوگوں کو اشتیاق لقاء کی ہوا بھی نہیں لگی، پس جان دینے پر آمادہ ہونا اشتیاق لقاء کی دلیل نہیں بلکہ اسکی بڑی دلیل وہ عشق و معرفت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دل کو متوجہ رکھتی اور دنیا کو جیل خانہ اور آخرت کو وطن اصلی کی صورت میں دکھلاتی ہے، اور عشق و معرفت الٰہی کی دلیل کثرت ذکر اللہ و کمال اتباع سنت نبویہ ہے اور بس قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللھم اجعل خیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ یا ولی الاسلام واھلہ ثبتنی بہ حتی القاک امین امین۔

149 **ف**۔ اس حدیث سے امت محمدیہ کا تمام امتوں سے افضل ہونا بھی معلوم ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امت کو قیامت تک اپنے دین پر قائم رکھیں گے۔ دین میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوگا اور نہ یہ امت شریعت الٰہیہ کے سوا کسی دوسری شے کو دین قرار دے گی"، بخلاف دوسری امتوں کے کہ وہ اپنے دین کو بدلتی رہیں اور ایک امت کا دور ختم ہونے کے بعد دوسری امت اسکی جگہ لیتی رہی، نیز اسمیں سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور علو منزلت عند اللہ پر بھی دلالت ہے کیونکہ امت

Marfat.com

کے شرف اور فضیلت کا سبب آپ ہی کا شرف اور رفعت قدر ہے آپ ہی کی وجہ سے امت کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہمکو آپ کا سچا امتی بنائیں اور آپ کی سنت کے اتباع کی کامل توفیق عطا فرمائیں انہ ولی کریم، وھذہ الفائدۃ قد نبہ علیھا الشارح قدس سرہ ادخلتھا فی الفوائد لخروجھا عما نحن بصددہ فی ترجمۃ الکتاب واللہ الموفق للصواب۔"

دوازدہم ۱۲ (حدیث سوال القبر وفتنتہ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور اسکی ثنا بیان کی پھر فرمایا کہ جو کچھ بھی (ابتک) نہیں دکھلایا گیا تھا آج میں نے اس مقام میں اسکو دیکھ لیا ہے یہانتک کہ جنت اور دوزخ کو بھی (دیکھ لیا) پھر میری طرف وحی کیگئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے مثل یا قریب فتنۂ مسیح دجال کے (راوی کا بیان ہے کہ) میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ فرمایا، کہا جائیگا کہ اس شخص کے متعلق تو کیا جانتا ہے؟ تو مؤمن یا موقن (میں نہیں جانتا ۱۵۰ کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ فرمایا) کہے گا وہ محمد رسول اللہ ہیں ہمارے پاس روشن آیات اور ہدایت لیکر آئے تو ہم نے آپ کی بات کو مانا اور آپ کا اتباع کیا تین بار کہیگا وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں تو اس سے کہا جائیگا تو چین سے سو تا رہ ہمکو معلوم تھا کہ بیشک تو آپ پر یقین رکھنے والا ہے رہا منافق یا شک کرنے والا (میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ فرمایا) وہ کہیگا میں کچھ نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا تھا۔"

شرح ظاہر حدیث فتنۂ قبر اور سوال قبر پر دلالت کر رہا ہے، اور اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے

(۸۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ امور مہمہ کو اللہ کی حمد سے شروع کرنا چاہیے کیونکہ یہ تقریر جسکو آپ نے حمد سے شروع کیا تھا بہت مہتم بالشان تھی اسوقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز کسوف سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف وعظ و نصیحت کیلئے متوجہ ہوئے تھے، اور مہتم بالشان امور میں آپ کی یہی عادت تھی کہ ان کے شروع میں اول حمد الٰہی کرتے تھے چنانچہ خطبۂ نکاح میں بھی یہی سنت ہے کیونکہ وہ بھی مہتم بالشان کام ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی اس کا ثبوت ہے اور صحابہ کے طرز عمل سے بھی۔"

امور مہمہ کو حمد و ثنا اور درود شریف سے شروع فرمانا چاہیے

Marfat.com

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حمد کے بعد ثنا بھی سنت ہے حضورؐ نے اس کی ترغیب دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہی تھا آپ کا اور صحابہ کا دائمی معمول اسی پر مستقر تھا، اور حمد و ثنا پر اکتفا کرنا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص کیلئے ہے۔ اور دوسروں کیلئے اسکی ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کا اضافہ بھی ضروری ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء من بعدی، میری سنت کو مضبوطی سے تھامو اور اُن خلفاء کی سنت کو بھی جو میرے بعد ہوں گے" اور حضرات خلفاء اور تمام صحابہ اللہ عز وجل کی حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھی بھیجتے تھے الوجہ الاول قولہا احمد اللہ والوجہ الثانی قولہا واثنی علیہ الی قولہ بعد الحمد والثناء علی اللہ عز وجل"

ف اس سنت کی طرف سے نو تعلیمیافتہ جماعت نے تو اعراض کلی اختیار کیا ہی تھا تم دیکھو گے کہ اپنی کتابوں اور رسالوں کو حمد و ثنا اور درود شریف کیساتھ شروع کرنے سے اُن کو عار ہے، مگر افسوس کہ اُن کی تقلید علماء نے بھی شروع کردی ہے، اب اُن کے مقالات و رسائل بھی اس سنت سے خالی ہونے لگے فالی اللہ المشتکی۔

(۹۰) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما من شیئ لم اکن اُریتہ الا رأیتہ فی مقامی ھذا سے معلوم ہوا کہ اسوقت سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جملہ مغیبات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ بعض کا مشاہدہ کیا تھا، اور اسوقت اس مقام میں آپ کو تمام مغیبات کا پورا مشاہدہ ہوگیا، اسپر سوال یہ ہوتا ہے کہ ما من شیئ لم اکن اریتہ الا رأیتہ فی مقامی ھذا سے آپ کی مراد (حقیقۃً) تمام مغیبات ہیں یا وہ جنکے بتلانے کی امت کو ضرورت یا آپ کی ذات مقدسہ کو اُن کے مشاہدہ کی حاجت تھی، جواب یہ ہے کہ لفظ حدیث تو دونوں کو محتمل ہے مگر بظاہر مراد دوسری صورت ہے، اور پہلا احتمال صحیح نہیں جسکی (عدم صحت کی) دلیل کتاب اللہ (کی آیات) اور سنت نبویہ (کی دوسری احادیث میں موجود) ہے، کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کہدیجئے کہ جتنے لوگ آسمان و زمین کے اندر ہیں اُن میں سے غیب کو کوئی بھی نہیں جانتا سوا اللہ کے"، اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مفاتیح الغیب خمس لا یعلمھن الا اللہ لا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم متی یأتی

Marfat.com

المطواحد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت الا اللہ، ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ۔

غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جنکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کسی کو خبر نہیں کہ (عورت کے) رحم میں کیا کمی ہوتی ہے اور کیا بیشی، اور کل کو جو کچھ ہوگا اسکی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی (یعنی قطعی اور یقینی علم کسی کو نہیں ہو سکتا، باقی آثار سے تخمینہ اور حساب لگا لینا دوسری بات ہے) اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں اسکو موت آئے گی، اور کسی کو پتہ نہیں کہ قیامت کب آئے گی سوا اللہ کے،، (اور یہ تو غیب کی کنجیاں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ غیب کا دروازہ ان کے بعد کھلتا ہے، اور جب ان پر خدا کے سوا کسی کا دسترس نہیں تو ثابت ہوا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، انبیاء و رسل کو جو کچھ مغیبات کا علم ہوتا ہے اسمیں ایک حصہ تو وہ ہے جو واقع میں غیب نہیں بلکہ محسوس و مشاہد ہے جیسے جنت و دوزخ، فرشتے اور عالم ملکوت کے عجائبات کہ یہ سب در اصل محسوس و مشاہد ہیں مغیب نہیں مگر عوام کی نظروں سے اسلئے پوشیدہ ہیں کہ ان کا نور بصیرت ناقص ہے انبیاء و رسل کا نور بصر اور نور بصیرت کامل ہوتا ہے وہ ان کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص کے پاس دوربین ہے وہ اسکے ذریعہ سے دور کی چیزوں کو صاف دیکھ لیتا ہے دوسروں کے پاس دوربین نہیں وہ ان کو نہیں دیکھ سکتے، مگر ظاہر ہے کہ دوربین والا بھی محسوس و مشاہد ہی کو دیکھتا ہے مغیب کو نہیں کو دیکھتا،،۔ 152

اور ایک حصہ وہ ہے جو واقعی غیب ہے، اس کا علم انبیاء و رسل کو صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے خود ان کے حواس عقلیہ و قلبیہ بصریہ ان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اس کا نام علم غیب نہیں ہے بلکہ تعلیم غیب ہے وشتان بینہما)۔

دوسرے اس قول کو تمام غیوب پر محمول کرنا ممکن بھی نہیں کیونکہ اس سے خالق اور مخلوق کی مساوات (صفت علم میں) لازم آتی ہے جو عقلاً محال ہے، نیز اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کل یوم ھو فی شان ہر دن وہ ایک نئی شان میں ہے اور اشیاء (مخلوقہ میں) بعض تو بنی آدم کی پیدائش سے بھی پہلے واقع ہو چکی ہیں، اور بعض ان کی موت کے بعد واقع ہونگی تو ان سب کا مجموعی یا تفصیلی) علم (کسی مخلوق کیلئے ثابت ہونا) عقل و نقل دونوں اعتبار سے محال ہے، الوجہ الثالث قولہ

Marfat.com

علیہ السلام ما من شیء لم اکن ارتیہ الی قولہ مستحیل من طریق العقل والنقل"

ف اس زمانہ کے جاہل صوفیوں کو اس مقام سے سبق لینا چاہیے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کہتے ہیں اور صوفیہ محققین کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول کا ادب نہیں کرتے" ان جاہلوں کے نزدیک رسول کا ادب یہ ہے کہ ان کو خدا کے برابر کر دیا جائے تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا" ان لوگوں کو آنکھیں کھولکر دیکھنا چاہیے کہ محققین سلف کا عقیدہ اس باب میں کیا ہے؟ علامہ ابن ابی جمرہ کا درجہ صوفیہ محققین اور علما محدثین میں جو کچھ ہے وہ اُن کے ترجمہ سے ظاہر ہے جو کتاب کے شروع میں لکھدیا گیا ہے اتنا بڑا محقق اور محدث صاف کہرہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے جملہ مغیبات کا علم حاصل ہونا عقلاً اور نقلاً ہر طرح محال اور ناممکن ہے آپ کو صرف بعض غیوب کا علم حاصل تھا جسکی امت کو یا ذات مقدسہ کو حاجت تھی جملہ غیوب کا علم حاصل نہ تھا، یہی وہ بات ہے جسکی ہمارے اکابر نے تصریح فرمائی تو ایوان بدعت میں زلزلہ آگیا اور تکفیر
۱۵۳ کے گولے برسنے لگے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"

(۹۱) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جسقدر مغیبات کا مشاہدہ کرایا گیا تھا اُن سب کی خبر امت کو دینا آپ کے ذمہ ضروری نہ تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ سب کو بیان کر دیں یا بعض کو بیان کریں اور بعض کو بیان نہ کریں بخلاف وحی کے کہ اُس کا تمامہ بیان کرنا آپ کے ذمہ لازم تھا، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جن چیزوں کا مشاہدہ اس مقام پر ہوا تھا آپ نے اُن میں سے صرف بعض کا پتہ دیا یعنی جنت و دوزخ کا، باقی سے سکوت کیا اور وحی میں آپ ایسا نہیں کر سکتے بلکہ اُسکو کامل و مکمل جسطرح نازل ہوتی اُسی طرح بیان فرماتے تھے، اور اسمیں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ مشاہدات غیبیہ میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر کسی اور کا مطلع ہونا ممکن نہیں نہ کسی اور میں اتنی طاقت ہے بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ اللہ نے خاص قوت و مدد سے آپ کی امداد فرمائی ہے، بخلاف وحی کے کہ وہ اُسی انداز پر نازل ہوتی ہے جسکی تلقی (اور تحصیل) کی امت کو قدرت ہے۔

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ علوم کشفیہ کو قرب میں دخل نہیں ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام مشاہدات غیبیہ کو امت سے بیان کر دیتے کیونکہ آپ نے قرب الٰہی کے تمام طرق بیان فرما دیئے ہیں کسی بات

Marfat.com

مخفی نہیں رکھا، قریب میں علوم وحی کو دخل ہے اسی لئے آپ نے علوم وحی کو تمامہ بجنسہ بیان فرمادیا ہے بس سالکین کو علوم وحی کا اہتمام کرنا چاہیئے علوم کشفیہ کے درپے نہونا چاہیئے جب علوم وحی کے اتباع سے بندہ کو قرب حاصل ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسکو اسکی استعداد کے موافق علوم کشفیہ بھی عطا فرمادیتے ہیں، اور یہ بھی لازم و ضروری نہیں کیونکہ باتفاق امت صحابہ تمام امت سے افضل ہیں مگر حضرات صحابہ سے علوم کشفیہ منقول نہیں صرف علوم وحی منقول ہیں علوم کشفیہ زیادہ تر اولیاء متاخرین سے منقول ہیں خوب سمجھ لو۔

(۹۴) حدیث میں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ قدرت نہ عقل (انسانی) کی پابند ہے نہ (اس کے) قیاس پر چلتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کو یہاں سے (یعنی دنیا سے) تو دیکھ لیا اور شب معراج میں نہیں دیکھا، اُسوقت صرف سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جو جنت میں (داخل) نہیں جیسا معراج کی حدیث میں اس کا بیان آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ، نیز اُن دو نہروں کو دیکھا جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی اور جنت کی طرف جاتی ہیں، تو یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ قدرت جس چیز کو چاہتی ہے چھپا دیتی ہے خواہ (اسکے درمیان کوئی) واسطہ (اور فاصلہ) ہو یا نہو اور جس چیز کو چاہتی ہے ظاہر کردیتی ہے خواہ وہ حجاب میں ہو یا بےحجاب ہو، اور اس حقیقت کے اظہار پر فائدہ یہ مرتب ہوا کہ (اس کے جاننے سے) عادات پر التفات چھوٹ جاتا اور ایمان مضبوط ہوجاتا ہے اور جب آدمی قدرت (الٰہی) کی عظمت کا یقین کرلیتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اُسی کا ایک نمونہ ہے تو کسی چیز کے حاصل ہونے یا جاتے رہنے سے غم اور ناز کرنا چھوڑ دیتا ہے اسوقت مومن کا دل اپنے مولیٰ کی بارگاہ سے لو لگانے اور ماسوا سے بے التفات ہوجانے کیلئے کھلجاتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے اشیاء میں جو کچھ تصرف کرتا ہے اُس پر (اصلا) بھروسہ نہیں کرتا بلکہ (محض) مقتضائے حکمت کو باقی رکھنے کیلئے (اسباب سے کام لینا اور اپنے ہاتھوں سے) تصرف کرتا ہے الوجہ العاشر والوجہ الحادی عشر الی قولہ بل بقاءً لاثر الحکمۃ"

ف: عظمت قدرت کا انکشاف بڑی دولت ہے جو سالکین کا مقصود اعلیٰ ہے اور اس کا طریقہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ حدیث و قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے ذکر اللہ کی کثرت کیجائے بالخصوص لا الٰہ الا اللہ اور سنت نبویہ کا اتباع کیا جائے اسکی برکت سے عظمت قدرت کا انکشاف بہت جلد ہوجاتا ہے

قدرت الٰہی نہ عقل کی پابند ہے نہ قیاس کی پابند ۱۵۴

Marfat.com

(۹۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فیقال ما علمك بهذا الرجل کہا جائیگا کہ اس شخص کی نسبت تو کیا جانتا ہے "اس شخص" سے مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے اور (مردہ کو) آپ کا دیدار معاینہ (اور مشاہدہ) سے ہوگا، اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت کی دلیل ہے کیونکہ لوگ ایک ہی وقت میں مختلف اور دور دراز اطراف عالم میں مرتے ہیں اور سب کے سب حضور کو اپنے پاس دیکھیں گے کیونکہ اہل عرب لفظ ھذا کو اشارہ قریب ہی کے واسطے استعمال کرتے ہیں نیز اس میں اُن لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایک وقت میں مختلف اقطار عالم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مختلف صورتوں میں دیکھنا ممکن نہیں کیونکہ اول تو جیسا ہم نے ابھی بیان کیا قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں دوسرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من رآنی فی المنام فقد رأنی حقا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے سچ مچ مجھے ہی دیکھا ہے (کیونکہ شیطان آپ کی صورت نہیں بنا سکتا) تو جو شخص حضور کی رویت کا منکر ہے وہ اس حدیث کی تکذیب کرتا اور قدرت کو پابند کرتا ہے جو (کسی چیز کی) پابند نہیں نہ کسی حد اور قیاس کی تابع نیز اس میں اُن لوگوں کی دلیل ہے جو ایک وقت

۱۵۵ میں مختلف اطراف عالم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو ممکن اور جائز سمجھتے ہیں اُن کی دلیل نقل سے تو یہی حدیث ہے جسکو ہم بیان کر رہے ہیں، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ آئینہ کے مشابہ ہے جسمیں ہر شخص اپنی اچھی بری شکل دیکھ لیتا ہے، اور آئینہ اپنے اُس حسن پر رہتا ہے جو اُسکے اندر ہے اُس میں تغیر نہیں آتا" الوجہ العشرون الی قولہ فی الوجہ الثانی والعشرین علی حالتہا من الحسن لم تتبدل"

ف اس حدیث سے ہمارے بزرگوں نے اشتیاق موت کا سبق بھی حاصل کیا ہے کہ جب مرنے کے بعد قبر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی اور آپ کا دیدار نصیب ہوگا تو ایسی موت پر ہزار زندگیاں قربان، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو پڑھاتے ہوئے جب یہ مضمون بیان فرماتے تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

کشتگانِ عشق دارد گذار دستہ بدین ساں + بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد،

(۹۴) اس حدیث میں کرامت اولیا (کے حق ہونے) کی بھی دلیل ہے کہ وہ دور دراز کی اشیاء پر مطلع ہو جاتے اور کھلی آنکھوں اُن کو اپنے پاس دیکھتے ہیں اور چند قدم اٹھا کر لمبی (سے لمبی) مسافت

Marfat.com

کوطے کر لیتے ہیں کیونکہ جس قدرت نے یہ سب کچھ کر دکھلایا جس کا حدیث میں بیان ہے (کہ حضور نے اس عالم میں رہتے ہوئے جنت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا اور انکو اپنے سامنے قریب دیکھا حالانکہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے عرش الٰہی اسکی چھت ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں بحر اعظم کے نیچے ہے) وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اولیاء کو اشیاء بعیدہ یا مسافت طویلہ تک (ذرا سی دیر میں) پہونچا دیا ہے اسی واسطے بعض اولیاء نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا ایک قدم ہے، اسی طرح باوجود کثافتِ بدن کے اُن کا قلوب پر مطلع ہوجانا (بھی ممکن) ہے (کیونکہ حدیث سے ثابت ہوچکا ہے کہ جواہر اجسام خود اپنی ذات سے کسی شے کی رویت سے حاجب نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہتے ہوئے جنت و دوزخ کو کیونکر دیکھ لیتے جنمیں سے ایک ساتوں آسمانوں کے اوپر چہار دیواری گھری ہوئی ہے اور ایک اسفل السافلین میں بحر اعظم کے نیچے ہے جیسا ابھی بیان ہوا نیز میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں کیونکر دیکھ سکتا حالانکہ آپ کے اور میت کے درمیان زمین اور پہاڑوں کی دیواریں حائل ہیں اور زمین تمام جواہر سے زیادہ کثیف ہے وھذا مما نبہ علیہ الشارح فی الوجہ
التاسع) ایک بزرگ کی جو اس کرامت سے ممتاز تھے حکایت ہے کہ وہ اپنے احباب کی ساتھ ایک 156
مقام پر بیٹھے ہوئے تھے مجلس میں ایک عامی شخص بھی آگیا جو ان کی جماعت میں داخل نہ تھا بزرگ کے خدام میں سے ایک شخص نے اس عامی کے قلب پر نظر کی تو کچھ اچھی حالت نہ دیکھی جب یہ عامی مجلس سے چلا گیا تو بزرگ نے اس خادم سے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسکو واپس کرو کیونکہ تمھارے سوا دوسر نے بھی (تمھاری اس حرکت کو) دیکھ لیا ہے، اور اگر اس شخص کو یہاں برداشت نکیا جائیگا تو مردان طریق میں اور کہاں اسکی قدر ہوگی؟ (مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو کشفِ قلوب کی کرامت حاصل ہو اسکو بڑا حوصلہ مند ہونا چاہیئے کہ اگر کسی کے دل کی حالت اچھی نہ معلوم ہو تو اسکو حقیر سمجھکر نظروں سے نہ گرائے بلکہ اسکی حالت درست کرنے کی کوشش کرے توجہ سے بھی اور دعا سے بھی اور تبلیغ و نصیحت سے بھی اور جس کا حوصلہ اس درجہ کا نہ ہو وہ اس کرامت کا اہل نہیں اسی لئے بزرگ نے اس مرید کی کرامت کو سلب کرلیا جس کے بعد وہ کشفِ قلوب کے قابل نہ رہا ۱۲)

اس حدیث سے بہت سی مجمل احادیث اور مشکل مسائل کی تفسیر و توضیح ہوگئی جو سننے کے ساتھ بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن موت کو اہل جنت

(باقی آئندہ)

Marfat.com

واہل جہنم کے سامنے لایا جائیگا اور وہ سب اسکو پہچان لیں گے اسی طرح قیامت کے دن مسلمان خاص تجلی سے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے وہ فرمائیں گے میں تمھارا رب ہوں تو یہ کہیں گے بیشک آپ ہمارے رب ہیں حالانکہ بہتوں نے اسوقت سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا نہ پہچانا تھا (توجس طرح مومن قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیگا اسی طرح یہاں سمجھ لو) اور اس معرفت کی فرع یہ بھی ہے کہ بعض اولیاء کو (اکثر) ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل فقہیہ (کا جواب سوال) سنتے ہی معلوم کر لیتے ہیں حالانکہ پہلے سے ان مسائل کا اُن کو کچھ بھی علم نہیں ہوتا پھر کتابوں میں دیکھا جاتا ہے تو بعینہ اُن کے قول کے موافق (جواب) نکلتا ہے، اور اس قسم کے بہت سے اشکالات ہیں (جو اس حدیث سے حل ہو گئے) یہ سب کے سب اسی قاعدہ کے موافق جس کا ذکر ہو چکا قدرت کے تحت میں ہیں (اسلئے ان میں کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ قدرت جو چاہتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے کرتی ہے)

الوجہ الخامس والعشرون والسادس والعشرون الی قولہ لان القدرۃ تصنع ماشاءت کیف شاءت۔

157 ف بحمد اللہ ہم نے اپنے اکابر میں اس شان کا مشاہدہ کیا ہے کہ سوال سنتے ہی جواب اُن کے دل میں آجاتا ہے پھر کتابوں میں وہی نکلتا ہے جو اُن کے دل میں آیا تھا، حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم فرماتے تھے کہ جس شخص کو یہ دولت نصیب ہو جائے کہ اس کے دل میں سوال سنکر وہی جواب آئے جو کتابوں سے تلاش کے بعد نکلتا ہے اسکو اجتہاد سے کچھ حصہ مل گیا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجتہد ہو گیا بلکہ اسکو اجتہاد کا ایسا ہی جزو سمجھنا چاہئے جیسا حدیث میں رؤیائے صادقہ کو نبوت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے کیونکہ اجتہاد بھی اسی قوت کے کمال کا نام ہے جب اسکی ساتھ دیگر آلات اجتہاد بھی پوری طرح میسر ہوں"

اجتہاد محض حفظ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک سا نور ہے جو مجتہد کے دل میں اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ ہر مسئلہ کا صحیح جواب اول اپنے ذوق سے معلوم کر لیتا ہے مگر اس پر اسوقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک حدیث مرفوع یا قول صحابی یا اقوال سلف سے موافقت نہو مولانا فرماتے ہیں

ع بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معین و اوستا

ف یہ دولت تقوی اور اتباع سنت اور کثرت ذکر و صحبت مشائخ اہل قلوب سے جلد میسر ہوتی ہے

Marfat.com

محض درس وتدریس اور کتب بینی سے یہ دولت حاصل نہیں ہوتی مگر یہ کہ استاد جامع بین الظاہر والباطن ہو تو اُسکی صحبت سے کبھی یہ نور میسر ہو جاتا ہے۔

(۹۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سچی بات بدلا نہیں کرتی گو صاحب حق کا کتنی ہی بار امتحان کیا جائے کیونکہ (حدیث میں کہا گیا ہے کہ میت سے تین بار سوال کیا جائیگا تو) مومن چونکہ حق پر ہوگا وہ فرشتوں کے تین بار سوال لوٹانے سے گھبرائیگا نہیں بلکہ ایک ہی جواب پر جما رہیگا کیونکہ اسکو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوگا اگر جواب صحیح نہ ہوتا تو دوسری بار یا تیسری بار سوال کے دوہرانے سے گھبرا جاتا اور (گھبرا کر پہلے) جواب سے ہٹ جاتا کہ شاید یہ جواب ٹھیک نہیں تھا اس لئے سوال دوبارہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا، اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اسمیں بہت اختلاف پاتے (کیونکہ اس صورت میں قرآن کا بنانیوالا جھوٹا ہوتا اور جھوٹے کی باتیں ضرور مختلف ہوتی ہیں دروغ گو را حافظہ نباشد ۱۲) غرض جو بات اللہ کے پاس سے (اللہ کی طرف سے) ہوگی وہ حق ہوگی اور حق مختلف ہوتا ہے نہ متبدل ومتغیر" الوجہ الثانی والثلثون فی ھذا دلیل علی ان الحق لا یتبدل الی قولہ والحق لا اختلاف فیہ ولا یتبدل" ۱۵۸

ف۔ ایک حدیث صحیح میں جسکی حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے کسی قوم کے مبتلائے فتنہ ہونیکی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ جس چیز کو پہلے حلال سمجھا جاتا تھا اسکو حرام سمجھنے لگیں اور جسکو پہلے حرام سمجھتے تھے اسکو حلال سمجھنے لگیں پس علمائے اہل سیاست کو ان احادیث سے سبق لینا اور اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے کہ مسائل واحکام میں یہ اختلاف وتبدیل جو اُن کے ہاتھوں ہو رہی ہے کس بات کا پتہ دے رہی ہے؟۔

ف۔ اس حدیث سے سالکین کو بھی سبق لینا چاہئے کہ حالات وواردات میں سے اُسی کو رحمانی سمجھیں جو قائم رہے متبدل ومتغیر نہو یعنی اُس کا اثر باقی رہے گو غلبہ نہ رہے کیونکہ حال یا وارد کا غلبہ جیسا ابتدا میں ہوتا ہے بعد میں ویسا نہیں رہتا اور اسمیں بھی حکمت ہے ورنہ انسان دوسرے کاموں سے معطل ہو جائے لیکن جو حال یا وارد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ زوال غلبہ کے بعد اپنا اثر چھوڑ جاتا اور مقام بنجاتا ہے اور کیفیات نفسانیہ زوال غلبہ کیساتھ اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتیں" اہل بصیرت اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ حالت قبض میں کیفیات نفسانیہ ہی زائل ہوتی ہیں حالات وواردات

سچی بات بدلا نہیں کرتی

Marfat.com

رحمانیہ کو زوال نہیں ہوتا اُن کا اثر باقی رہتا ہے رزقنا اللہ وایاکم الثبات علی الحق ورزقنا الصدق فی الاقوال والاحوال والاعمال کلہا بمنہ وکرمہ انہ جواد کریم"

(۹۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (فہم و) تمیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے جسکو چاہتے ہیں کسی مقدمہ (یا سبب) کے ذریعہ یا بدون مقدمہ (اور سبب) کے عطا کر دیتے ہیں کیونکہ اس امت میں زیادہ افراد وہ ہیں جو علم سے اسقدر سیراب نہیں ہوئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو علم کے ذریعہ پہچان لیں، (چنانچہ مشاہدہ ہے کہ) ایسے افراد بہت کم ہیں، پھر بھی باوجود حضور کی صفات وذات سے ناواقف ہونے کے مسلمان جب حضور کو (قبر میں) دیکھیں گے (دیکھتے ہی) کہدیں گے یہ محمد (رسول اللہ) ہیں، اُن سے تین دفعہ سوال کیا جائیگا پھر بھی وہ اس بات سے نہ ہٹیں گے اُن کو یقین ہوگا کہ (جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں) وہی حق ہے، یہ اُس بات کی بڑی دلیل ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ اس حدیث سے بعض احادیث اور بعض مسائل بلکہ بعض آیات سے بھی اشکال رفع ہو گیا کیونکہ جس قدرت کے تحت میں یہ بات داخل ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ اس قسم کی سب باتوں پر قادر ہے

۱۵۹ اس حدیث سے اہل سنت کے اس قول کی بھی تائید ہو گئی کہ اتباع امر و نہی کے ساتھ بعض صفات الٰہیہ سے جاہل ہونا مضر نہیں اور ترک اتباع امر و نہی کے ساتھ دلیل و برہان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت مفید نہیں کیونکہ مسلمانوں میں بعض تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات سے واقف ہیں اور بعضے ناواقف ہیں مگر سب حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور خوب پہچان لیں گے کہ تین دفعہ اُن سے سوال کیا جائیگا اور ہر دفعہ وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں" اس جواب سے نہیں ہٹیں گے" اور منافقوں میں سے بعض نے دنیا میں حضور کو دیکھا تھا اور اچھی طرح پہچان لیا تھا مگر جب اس معرفت کے فائدہ کا وقت آیا تو معرفت (جہل سے) بدل گئی، اس کا سبب بجز اسکے اور کیا تھا کہ مسلمانوں نے حضور کے طریقہ کا اتباع کیا تھا اور منافقوں نے اتباع نکیا تھا تو اُن کا علم جہل سے بدلگیا (اور ظاہری معرفت نے کچھ بھی نفع نہ دیا اسی طرح جو لوگ فلاسفہ کی طرح دلائل و براہین سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور شریعت کا اتباع نہیں کرتے قیامت میں یہ معرفت اُن کو نفع نہ دے گی بلکہ بہت سے جاہل مسلمان اتباع شریعت کی بدولت اُن سے اعلیٰ وارفع ہوں گے) بس کوئی ہے جو غفلت سے بیدار ہو کر تحصیل (اخلاص و) صدق پر آمادہ ہو اور اپنی رہائی کا راستہ اختیار کرے؟ الوجہ الثالث

Marfat.com

والثلاثون والرابع والثلاثون فی ھذا دلیل لاھل السنۃ الی قولہ لیسلک محجۃ خلاصنۃ،،

ف۔ اس سے سالکین و عارفین کو سبق لینا چاہئے، کسیکو اپنی فہم و معرفت پر ناز نکرنا چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسکو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں،، اور یہی معرفت وہ ہے جو مرنیکے بعد قبر میں اور حشر میں کام دے جسکی دنیا میں کسی کو خبر نہیں ؎ تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔

(۹۷) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین والے سوال (قبر کے) موقعہ پر جواب میں (غلطی سے) محفوظ اور اس مقام پر جن خطرات و فتن کا اندیشہ ہے اُن سے مامون رہیں گے (پس مقام یقین حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ صوفیہ اس مقام میں دوسروں سے زیادہ راسخ ہیں) رہا مومن (کا حال) تو وہ بقیہ حدیث (کی شرح) میں آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ (جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) الوجہ الحادی والاربعون فی ھذا دلیل علی ان الموقنین محفوظون الی قولہ واما المومن فسیأتی بیانہ فی باقی الحدیث انشاء اللہ تعالیٰ۔

ف اہل یقین غلطی سے محفوظ اور خطرات سے مامون رہیں گے

(۹۸) مجموعہ حدیث پر دو علمی فائدے مرتب ہوئے ایک یہ کہ اس سے ایمان کو قوت اور یقین کو رسوخ (اور کمال) حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں عظمت قدرت اور عظمت قادر پر بہت زیادہ دلالت ہے جیسا کئی بار ہم نے بتلایا ہے۔ دوسرے کوچ کیلئے سامان کرنے اور اپنی نجات کا راستہ اختیار کرنے اور دنیا میں جتنی بھی فرصت انسان کو ملے اسکے لئے کوشش کرنے کی ہدایت ہے کیونکہ اس حدیث میں موت کی خبریں اور نجات وغیرہ کے طریقوں کا بیان بہت کچھ ہے پس کیا کوئی اپنی جان چھڑانے کو مستعد ہے؟ قبر میں اترنے سے پہلے، کیونکہ جب پہلے ڈرا دیا گیا ہے تو پھر کسی قسم کا عذر نفع نہ دیگا۔ الوجہ السادس والاربعون یترتب علی مجموع ھذا الحدیث الی قولہ لانہ لاینفع الاعتذار مع تقدم الانذار،،

ف ایمان کو قوی یقین کو مضبوط اور سفر آخرت کا سامان کرنا چاہئے۔

ف۔ اس حدیث اور اس قسم کی تمام احادیث سے یہ فوائد صوفیۂ اہل باطن ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور وہی سفر آخرت کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں ظاہر بینوں یا سیاست دانوں کو ان فوائد کی ہوا بھی نہیں لگتی اور یہ دلیل ہے حضرات صوفیہ کے حق پر ہونے کی کہ اُن کو حدیث و قرآن کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جعلنا اللہ وایاکم من حزبہ وحزب حبیبہ،،

ف۔ حدیث سے صحابہ و تابعین کی احتیاط فی الروایۃ ظاہر ہے کیونکہ فقط مثل اور قریب اور

Marfat.com

لفظ مؤمن و موقن اور منافق و مرتاب کے معانی میں کچھ تفاوت نہیں ہے مگر چونکہ راوی کو اسمیں شک تھا کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ اختیار کیا تو اُس نے اپنے تردد کو ظاہر کر دیا کہ یہ لفظ تھا یا وہ ان دونوں میں سے ایک تھا"، کیا اب بھی کسی کو رواۃ حدیث کی عدالت اور حدیث کی حجیت میں کچھ کلام ہو سکتا ہے؟ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

سیزدہم (حدیث اسعد الناس من قال لا الہ الا اللہ)

(حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب کون ہوگا؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں جانتا تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی مجھ سے نہ پوچھے گا کیونکہ میں حدیث کے ساتھ تمہارے شوق (اور شغف) کو دیکھ رہا ہوں"، قیامت کے دن میری شفاعت سے زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے لا الہ الا اللہ خالص دل سے کہا ہوگا۔

۱۶۱ **شرح** ظاہر حدیث اس بات کو بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے خالص دل سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا اور اس کے متعلق چند ضروری باتیں (قابل ذکر) ہیں"

(۹۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال سے پہلے مخاطب (مسئول) کا نام لینا چاہیے اور اگر اُسکے نام (والقاب) متعدد ہوں تو جو اُن میں سب سے اعلیٰ اور اُسکو سب سے زیادہ محبوب ہو اُسی کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ نام شریعت کے موافق ہو، کیونکہ صحابی نے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہا تو پہلے آپ کا نام لیکر آپ کو پکارا پھر سوال کیا (چھوٹتے ہی سوال شروع نہیں کر دیا) اور چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام (اور القاب) متعدد تھے تو اُن میں جو سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ حضور کو محبوب تھا یعنی رسول اللہ اُس سے آپ کو پکارا (اور اس طرح سوال سے پہلے حضور کو اپنی طرف متوجہ کیا)۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (شیخ یا مربی سے) کوئی بات دریافت کرنے کے وقت التماس اور چاپلوسی (اور تکلف) نکرنا چاہیے کیونکہ صحابی نے حضور کا اسم گرامی لینے کے بعد اپنی حاجت ہی بیان کر دی

Marfat.com

اور بات التماس یا تکلف کی نہیں کی "

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت (آپ کے) اتباع میں ہے باتوں میں نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جسقدر محبت تھی وہ معلوم ومتیقن ہے اور اتباع (رسول) میں بھی جو درجہ اُن کا ہے کسی سے مخفی نہیں مگر (باایں ہمہ) اس موقعہ پر انھوں نے جب حضور کو پکارا تو آپ کے مشہور نام پر کچھ اضافہ نہیں کیا، اور اسی صفت میں تمام صحابہ یعنی مہاجرین والانصار اور حضور کے خاص عشاق سب ایسے ہی تھے (سب یارسول اللہ کے سوا کچھ نہ کہتے تھے) باوجود اسقدر کامل محبت کے کسی سے منقول نہیں کہ انھوں نے ایک دن بھی حضور کے نام میں مبالغہ کیا ہو، اور یہ بات اُن کے حالات سے بالیقین معلوم ہو چکی ہے کہ یہ حضرات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نکرتے تھے (پس ثابت ہوا کہ سادگی سے نام لینا خلاف ادب نہیں اور نام لینے میں مبالغہ کرنا تعظیم وتکریم کیلئے لازم نہیں)۔

حدیث میں صوفیہ کے اس طرز کی بھی دلیل ہے کہ وہ محبوب کے ذکر سے کلام شروع کرنے کو پسند کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس طرح کلام شروع کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت ہوتی ہے ١٦٣
اور اس سے ہمیشہ فائدے حاصل ہوتے اور خوشیاں نصیب ہوتی ہیں، کیونکہ جب آدمی اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیگا تو اس سے اسکی مسرت دوچند اور بشارت ترقی پذیر ہوگی جیسا آئندہ (مفصل بیان) آئے گا "

اس مضمون کی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ یا پیر میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی جسکی وجہ سے وہ اسکو دراز نہیں کر سکتے تھے کسی طبیب سے حال بیان کیا تو اس نے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیکر اسکو دراز کرو کھل جائیگا چنانچہ انھوں نے اسی وقت محمداہ کہا تو فوراً ہاتھ کھل گیا (جب اطبا ظاہر امراض ظاہرہ میں محبوب کے نام کی تاثیر کے قائل ہیں تو اطبائے باطن اگر شفائے ظاہر و باطن میں اسکے قائل ہوں تو کیا تعجب ہے ؟) - الوجہ الاول والثانی والثالث والرابع الی قولہ فنادی وامحمداہ فامتدت یدہ "

(۱۰۰) حدیث سے (حضرات) صحابہ کی قوت ایمان اور فضیلت بھی معلوم ہوئی کیونکہ شفاعت سے کامیاب اور کامیاب وہی دریافت کر سکتا ہے جس کا ایمان شفاعت پر کامل اور تصدیق مضبوط ہو

بیان فضیلت قوت ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم

Marfat.com

اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما فضلکم ابوبکر بصوم و لا صلوٰۃ ولکن بشیٔ وقر فی صدرہ ابوبکر (صدیق) کو تم پر نماز روزہ سے فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس چیز سے جو اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے"

اور صدیق (اکبر) کے دل میں جو بات تھی وہ قوت ایمان اور یقین ہی تو ہے، اسی طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسروں پر اسی چیز سے فضیلت حاصل ہے جو اُن کے دل میں تھی، اور جو کوئی محروم یا مرتد ہوا وہ ایمان اور تصدیق کی کمزوری ہی سے محروم و مرتد ہوا کیونکہ جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ معاملات آخرت اور قدرت (حق) کی کیفیت دریافت کرنے کے درپے ہوتا ہے، اور (جب کیفیت سمجھ میں نہیں آتی تو) دین سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا تیر نشانہ سے اور اس بیچارہ کو اپنی (اس حالت کی) خبر بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہمکو اپنے فضل سے آزمائش (اور ابتلاء) سے بچائے"

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سعادت کی طلب اور اس کا اہتمام کرنا، اور اسکے (حصول کے) طریقوں کو کام میں لانا چاہئے کیونکہ جو شخص سعادت کا راستہ معلوم کریگا اور اسکے سوا (دوسرے راستوں) کو چھوڑ دیگا اور اسی واسطے وہ اس راستہ کو دریافت کریگا، الوجہ السابع والثامن فیہ دلیل علی قوۃ ایمان الصحابۃ الی قولہ فلذلک یسأل عنہا" ۱۶۱۳

ف یہاں سے قوت ایمان اور یقین کا درجہ معلوم ہو گیا کہ اسی پر مدار فضیلت ہے، اسی لئے حضرات صوفیہ اعمال ظاہرہ سے زیادہ تقویت ایمان اور تکمیل یقین کا اہتمام کرتے ہیں، تم دیکھو گے کہ محققین صوفیہ عام زاہدوں عابدوں سے زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے مگر اُن کی قوت ایمان دوسروں سے زیادہ ہے" منہ

(۱۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات آخرت میں قیاس اور عقل واجتہاد کو دخل نہیں کیونکہ قیاس کی دونوں شفاعتوں کا علم تھا اور یہ بھی (دلائل سے انکو معلوم تھا کہ شفاعت سے زیادہ کامیاب کون ہے اور ناکام کون ہے کیونکہ (شفاعت کا علم حاصل ہونے کے بعد) اس کا علم ضروری ہے لیکن انھوں نے اس علم پر التفات نہیں کیا جو ان تمام (واقعات) سے دلالۃً حاصل تھا بلکہ شارع علیہ السلام سے صراحۃً اسکو دریافت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک یہ بات طے شدہ تھی کہ اس باب میں نقل کے سوا کسی شئے کو دخل نہیں۔ الوجہ الحادی عشر فی ھذا دلیل علی ان امور الآخرۃ لا تؤخذ بالعقل الی قولہ لا یسوغ فیہ غیر النقل کما تقدم"

Marfat.com

ف ۔ پس امور آخرت کے اثبات میں دلائل عقلیہ سے کام نہ لینا چاہیئے بلکہ دلائل نقلیہ سے ان کو ثابت کرنا چاہیئے۔

جواب سے پہلے سائل کا دل خوش کرنا سنت ہے

(۱۰۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جواب دینے سے پہلے سائل کا دل خوش کرنا بھی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب سے پہلے یہ فرمایا کہ اے ابوہریرہ میں جانتا تھا (کہ تم سے پہلے اس حدیث کو مجھ سے کوئی نہ پوچھے گا) اور اس بات سے صحابی کا دل خوش ہونے میں راز یہ ہے کہ یہ بات حضور اسوقت تک نہیں فرما سکتے جب تک صحابی کے شوق (وشغف) کا مشاہدہ نہ فرمائیں اور شوق حدیث کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ حضور ہمیشہ ان کی طرف متوجہ رہتے اور ان کے اقوال وافعال پر نگاہ رکھتے ہوں، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی کو ایک نگاہ دیکھ لینا ہی صحابہ کیلئے خوشی کا بڑا سرمایہ تھا توجس پر رات اور دن (ہر وقت) حضور کی توجہ ہو اسکی خوشی کا کیا پوچھنا؟ الوجہ الرابع عشر فی ھذا دلیل علی ان من السنۃ ادخال السرور الی قولہ فکیف بھا فی مرور اللیالی والایام۔

۱۶۴ **ف** ۔ یہ حکم اسوقت ہے جبکہ سائل نے کام کی بات پوچھی ہو اور اگر فضول بات پوچھی ہو تو اسکے متعلق دوسری سنت یہ ہے کہ ناراضی کا اظہار کیا جائے چنانچہ حدیث میں ہے کان یکرہ المسئلۃ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سوال سے ناگواری ہوتی تھی یعنی فضول سوال سے۔ خوب سمجھ لو۔

خوشی پر خوشی کا اضافہ کرنا سنت ہے

(۱۰۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوشی پر خوشی کا اضافہ کرنا زیادہ مناسب ہے اس سے مسرت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتنی ہی بات پر سکوت فرماتے کہ (میں جانتا تھا کہ) تم سے پہلے (اس حدیث کو کوئی نہ پوچھے گا) تو صحابی کے خوش ہونے کو اتنا بھی کافی تھا مگر جب آپ نے اس کا سبب بھی بتلا دیا کہ میں تمھارے شوق کو دیکھ رہا ہوں تو اس سے مسرت پر مسرت کا اضافہ ہو گیا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سردار وفد عبد القیس سے فرمایا تھا فیک خصلتان یحبھما اللہ ورسولہ قال یارسول اللہ خلق شیء انتحلتھما او شیء جبلنی اللہ علیہ قال بل شیء جبلک اللہ علیہ فقال الحمد للہ الذی جبلنی علی خصلتین یحبھما اللہ ورسولہ تمھارے اندر دو خصلتیں ہیں جنکو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں، انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ان خصلتوں کو بہ تکلف

(باقی آئندہ)

Marfat.com

اپنے اندر پیدا کرتا ہوں، یا اللہ تعالیٰ نے میری فطرت میں اُن کو رکھدیا ہے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں ان کو رکھا ہے، کہا اللہ کا شکر ہے جس نے میری فطرت میں ایسی دو خصلتیں رکھدی ہیں جنکو اللہ اور اُس کا رسول پسند کرتے ہیں،، اسی کی نظیر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنین کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اُن سے کہا جائیگا، ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعلمون، بما کنتم تکسبون، بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ، کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اُن اعمال کے سبب جو تم نے کئے تھے، جو تم اپنے اختیار سے کرتے تھے، جو تم نے گذشتہ ایام میں پہلے سے (ذخیرہ) کئے تھے،، یہ سب باتیں اُنکی خوشی بڑہانے اور مسرت کو ترقی دینے کیلئے کہی جائیں گی، ہم اللہ تعالیٰ سے اسکے فضل و احسان کے صدقہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اپنے کرم سے یہ دولت عطا فرمائیں،

الوجہ السادس عشر فیہ دلیل علی ان اتباع المشرع بالمسرۃ اولی، الی قولہ نسأل اللہ عنہ ان یمن علینا بذلک بکرمہ،،

ف یہاں سے اُن مشائخ کے طرز تربیت کی تائید ہوگئی جو سالکین کی ہمت بڑھاتے اور اُن کے حالات محمودہ پر مسرت ظاہر کرکے ترقی کی طرف لیجاتے ہیں، اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ طرز زیادہ مفید ہے،،

(۱۰۴) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جواب دیتے کے وقت سائل کا نام لینا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب سے پہلے حضرت ابوہریرہ کا نام لیکر اُن کو خطاب فرمایا، اسمیں بظاہر دو فائدے ہیں ایک یہ کہ نام لیکر خطاب کرنیسے مخاطب کی طبیعت مجتمع (اور یکسو) ہو جاتی ہے (عام خطاب میں یہ بات نہیں ہوتی) اسکے بعد جو کچھ اُس سے کہا جائیگا اُسکو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریگا، اسی کی نظیر یہ واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ بن جبل حضور کیساتھ اونٹنی پر سوار تھے تو آپنے تین دفعہ انکو یا معاذ کہکر پکارا (جسکے جواب میں ہر دفعہ وہ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک کہتے رہے) تین بار پکارنے کے بعد آپ نے وہ بات ارشاد فرمائی جو اُن سے کہنا چاہتے تھے، یہ کیوں کیا گیا محض اسلئے کہ جو بات اُن سے کہنا تھی وہ اُسکے سننے کو اچھی طرح تیار ہو جائیں اور کان لگا کر سنیں،

دوسرے نام لیکر پکارنے میں مخاطب کا دل خوش کرنا ہے کیونکہ بزرگ جب اپنے چھوٹے کو نام لیکر پکارتے ہیں تو اس سے اسکو فرحت اور نشاط ہوتا ہے (کیونکہ یہ خاص تعلق کی دلیل ہے) پھر سید الاولین و الآخرین کا ان مبارک ہستیوں کو پکارنا جنکی محبت حضور کیساتھ تواتر سے ثابت ہے جو حضور کی ایک

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالۃ النور بابتہ ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

۱۶۵ سلسلہ کیلئے دیکھو رسالۃ النور بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ

Marfat.com

ایک نگاہ اور ادنیٰ سی توجہ کو بھی باعث برکت سمجھتے تھے کیا کچھ (موجب نشاط وسرور) ہوگا؟ اس کا اندازہ عشاق ہی کر سکتے ہیں) اسکی تائید اس قصہ سے ہوتی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے ہاتھ یا پیر میں تکلیف ہوگئی تھی (تو طبیب نے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیکر اسکو کھولو اُنھوں نے وامحمداہ کہا اور ہاتھ کھل گیا) الوجہ السابع عشر فیہ دلیل علی تسمیۃ السائل عند رد الجواب الی قولہ وقد تقدم ذکرھا فی الحدیث قبل ھذا،،

ف بزرگوں کے مختلف مذاق ہیں بعضے اپنے خدام کو نام لیکر نہیں پکارتے بلکہ القاب سے پکارتے ہیں اور خطوط میں بھی تعظیمی القاب تحریر فرماتے ہیں مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے چھوٹوں کا نام لیا کرتے اور تعظیمی القاب استعمال نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا ہے نام نہ لینے اور تعظیمی القاب سے یاد کرنے میں اجنبیت مترشح ہوتی ہے حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کا بھی یہی مذاق ہے اور بحمد اللہ یہ مذاق سنت کے موافق ہے +

(۱۰۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ سائل کے حق میں جو بات زیادہ مفید ہو اُسے مقدم کرنا چاہئے اگرچہ
اس نے اسکو دریافت بھی نہ کیا ہو نیز معلوم ہوا کہ جو بات کسی شخص کیساتھ مخصوص ہو اسکا جاننا عام ۱۶۶
احکام کے جاننے سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جواب سے پہلے جو سائل وغیرہ سب کیلئے عام تھا۔ اُس بات کو بیان فرمایا جو سوال کنندہ کے ساتھ مخصوص اور اس کے حق میں زیادہ مفید اور اسکیلئے باعث مسرت تھی۔ الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی تقدیم الاولیٰ فی حق السائل الی قولہ وما یسر بہ،،

(۱۰۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے (حسن) حال پر اسکے افعال سے استدلال کرنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی حالت (حسنہ) پر ان کے عمل ظاہر سے استدلال فرمایا یعنی حرص (وشوق حدیث) سے اور حرص منجملہ اعمال کے ایک عمل ہے پس ثابت ہوا کہ اعمال سے (حسن حال پر) استدلال کرنا استدلال بالقول سے اولیٰ ہے کیونکہ قول میں تو مجاز کا بھی احتمال ہے اور فعل میں یہ احتمال نہیں (دوسرے قول میں تصنع اور بناوٹ بھی ہوسکتی ہے اور عمل میں تصنع مدت تک نہیں چل سکتا) الوجہ العشرون فیہ دلیل علی جواز الاستدلال علی حال المرء بفعلہ الی قولہ والفعل لیس کذلک،،

جو بات زیادہ مفید ہو اسکو مقدم کیا جاوے۔ حسن افعال سے حسن حال پر استدلال درست ہے۔

Marfat.com

ف حضرات مشائخ کی تعلیم یہی ہے کہ شیخ کامل کو اُس کے عمل سے پہچانو، باتوں سے نہ پہچانو، کیونکہ باتیں تو سن سنا کر یا کتابوں سے یاد کر کے بھی بیان ہو سکتی ہیں مگر عمل بر سنت تصنع اور بناوٹ سے نہیں ہو سکتا جب تک دل میں اتباع سنت کا اہتمام نہو، بناوٹ کا قلعہ زیادہ دیر پا نہیں ہوتا اسلئے جلوت وخلوت میں ہر طرح شیخ کے عمل کو دیکھکر انتخاب کرے نیز اولیا معروفین کی شہادت کو بھی دیکھے کہ وہ اس کے بارہ میں کیسا گمان رکھتے ہیں"

(۱۰۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ علوم حکمت کو اہل (اور لائق ہی) سے بیان کرنا سنت ہو اور یہ کہ اس قسم کی باتیں وقت ہی پر بیان کیجائیں بے وقت نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کی فضیلت کو اُسی وقت ظاہر فرمایا جب انھوں نے اس حدیث کو جس سے بہت سے بزرگان کرام غفلت کرجاتے ہیں دریافت کیا، الوجہ الثانی والعشرون فیہ دلیل علی ان السنۃ فی الحکمۃ ان تلقی الا لاھلھا الی قولہ قد یغفل عنہ کثیر من السادۃ الفضلاء +

ف حضرات مشائخ کا اس سنت پر عمل ظاہر ہے +

(۱۰۸) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب عمل کے عمل کی تعریف کرنا بہتر (اور مستحب) ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی تعریف فرمائی اور اُن کو اس حدیث کا زیادہ مستحق بتلایا اس عمل کی وجہ سے جو اُن سے صادر ہوا تھا یعنی (حدیث کا) شوق، بخلاف مدح ذات کے کہ وہ ممنوع ہے اور فرق دونوں میں یہ ہو کہ عمل کی مدح سے تو صاحب عمل کو اس عمل کا شوق اور اہتمام زیادہ ہوجاتا ہے اور ذات کی مدح سے عجب اور خود رائی (پیدا ہونے) کا اندیشہ ہو الوجہ السادس والعشرون فیہ دلیل علی ان مدح العمل لصاحبہ مندوب الیہ الی قولہ یخاف منہ العجب والالتفات

ف حضرات صوفیہ کا عمل اسی کے موافق ہے +

(۱۰۹) یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے شوق کے ساتھ ان صحابی کو ہی کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ حدیث کا شوق تو تمام صحابہ کو تھا جیسا (اُن کے حالات و واقعات سے) معلوم ہے کہ سب کے سب حدیث کی بہت حرص اور تعظیم ومحبت رکھتے تھے جواب یہ ہے کہ واقعی سب صحابہ ایسے ہی تھے مگر اس باب میں ان صحابی کو کچھ فوقیت حاصل تھی جسکی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جسمیں خود حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہے کہ میرے انصاری بھائی تو بعض

Marfat.com

اوقات اپنے باغوں کی دیکھ بھال میں رہتے تھے اور مہاجرین بازاروں میں کسب معاش کیلئے مشغول رہتے تھے اور میں اپنا پیٹ بھرنے کیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اسلئے مجھے وہ باتیں یاد کرنیکا موقعہ ملتا تھا جس کا دوسروں کو موقعہ نہ ملتا تھا اسی فوقیت کی وجہ سے کہ وہ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے ان کو یہ بزرگی حاصل ہوئی،، اور ہر چند کہ ان کی طرح دوسرے صحابہ بھی اس امر کے بہت شائق و راغب رہتے (کہ حضور کی باتیں سنیں) چنانچہ تم ان کے واقعات میں دیکھوگے کہ وہ ہر نیک کام کی طرف سبقت کرتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے مگر اس حالت میں اگر کسی کو کسی نیک کام میں دوسروں سے ذرا بھی فوقیت حاصل ہو جاتی تو اس (نیک کام کے) طریقہ کو اُسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا اور اسی کو اس طریقہ کا امام کہا جاتا تھا، یہی حال اُن بزرگوں کا ہے جو قیامت تک اخلاص کیساتھ اُن کا اتباع کرنے والے ہیں، اس تقریر کی توضیح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے انا مدینۃ السخاء وابوبکر بابہا انا مدینۃ الشجاعۃ وعمر بابہا وانا مدینۃ
۱۶۸ الحیاء وعثمان بابہا وانا مدینۃ العلم وعلی بابہا میں سخاوت کا شہر ہوں ابوبکر اُس کا دروازہ ہیں میں شجاعت کا مخزن ہوں عمر اُس کا دروازہ ہیں میں حیاء کا منبع ہوں عثمان اُس کا دروازہ ہیں میں علم کا خزانہ ہوں علی اُس کا دروازہ ہیں (اس حدیث کا اخیر جزو انا مدینۃ العلم وعلی بابہا لوگوں کی زبان پر مشہور ہے مگر محدثین کو اسی کی صحت میں کلام ہے پوری حدیث کا جو کچھ حال ہوگا اسی سے سمجھ لیا جائے) پس ہر چند کہ چاروں حضرات کے اندر یہ تمام صفات موجود تھیں مگر ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر کسی ایک صفت میں ذرا سی فوقیت حاصل تھی تو وہ صفت اُن ہی کی طرف منسوب ہو گئی،، اسمیں صوفیہ کیلئے بڑی دلیل ہے کہ چونکہ وہ بھی قطع علائق، اور تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کیطرف مشتاق رہتے ہیں دوسروں سے بڑھے ہوئے اور صفاء باطن سے (بدرجۂ کمال) ممتاز ہیں اسلئے صفاء اور صفوت کی صفت سے مخصوص ہو گئے (اور اُن کا لقب صوفی ہو گیا) حالانکہ سب مسلمانوں میں صفاء (باطن) (کا کوئی درجہ) یقیناً موجود ہے کیونکہ ایمان صفاء کو مقتضی ہے مگر صوفیہ کو اس باب میں خاص درجہ حاصل ہے اسلئے یہ صفت انہی کے ساتھ مخصوص کر دیگئی دوسروں کیلئے نہیں (استعمال کیگئی) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمکو بھی ان کی برکات سے حصہ عطا فرمائے آمین الوجہ الثامن والعشرون والتاسع عشرون من قولہ تعالیٰ ان یقول لہ خص علیہ السلام ھذا یا محرص الی قولہ اعاد اللہ علینا

Marfat.com

من برکتھم ممنہ ودمیتہ"

ف جب حضرات صحابہ واولیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اُن کا ہر فرد تمام صفات محمودہ کا جامع ہوتا ہے تو یقیناً انبیاء کا مقام اس سے بھی اعلیٰ وارفع ہوگا اب اُن لوگوں کی جہالت وحماقت کا اندازہ کرو جو اپنی سیرتوں میں لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام میں رحم کا مادہ تھا موسیٰ علیہ السلام میں طاقت ضبط نتھی عیسیٰ علیہ السلام میں سلطنت وتمدن کا سلیقہ نتھا نعوذ باللہ من ھذہ الھذیانات ونستغفرہ من جمیع السیئات"

(۱۱۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایمان میں کچھ بھی شائبہ (آمیزش کا) ہوگا وہ حضور کی شفاعت (زیادہ) کامیاب نہوگا" کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (زیادہ کامیاب ہونے کیلئے) اخلاص کی شرط بیان فرمائی ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ اسمیں تھوڑی یا بہت کچھ بھی آمیزش نہو۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے دل میں ایمان ہوا اور اُس نے زبان سے ایمان کا اظہار نکیا ہو وہ بھی کامیاب نہوگا نہ اُسکو اس خاص شفاعت سے حصہ ملیگا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان سے تلفظ کی شرط لگادی ہے اور جب شرط نہ پائی جائے مشروط بھی نہ پایا جائیگا قولہ فی الوجہ الواحد والثلاثین والوجہ الثانی والثلاثین فیہ دلیل علیٰ ان من خالط ایمانہ شائبۃ لایسعد بہ وفیہ دلیل علی ان من اعتقد الایمان دون النطق بہ الی قولہ والشرط اذا عدم عدم المشروط۔

ف صوفیہ کرام کو اخلاص عمل کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے کہ اُن کی تمام تر کوشش اخلاص ہی کے واسطے ہے نیز صوفیہ کو ذکر لا الہ الا اللہ کی تکثیر کا بھی اہتمام ہے ذکر نفی اثبات اسی کا نام ہے اور اسی کی تکمیل سے اُن کے نزدیک مقامات کی تکمیل ہوتی ہے پس صوفیہ اس حدیث کے موافق شفاعت نبویہ سے زیادہ کامیاب ہیں جعلنا اللہ وایاکم من اسعد الناس بھا" نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر قلبی تنہا کافی نہیں بلکہ اُسکی ساتھ ذکر لسانی کی بھی ضرورت ہے۔

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو مگر زبان سے اُس نے لا الہ الا اللہ نہ کہا ہو تو وہ حضور کی شفاعت سے حصہ نہ پائیگا" یہ اس پر مبنی ہے کہ **قول** کو تلفظ باللسان کیساتھ خاص کہا جائے اور اگر کلام قلبی کو بھی عام کہا جائے تو ایسے شخص کا شفاعت سے محروم ہونا لازم نہیں ۹

فائدہ ۶۵ لا الہ الا اللہ کا کہنا ... ناقص ایمان ... کی آمیزش ہو حضور کی شفاعت سے محروم ...

Marfat.com

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

اور یہ گفتگو اُس شخص کے بارہ میں ہے جس نے بدون کسی عذر کے اظہار ایمان میں سستی کی ہو اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایمان کو ظاہر نہ کر سکا اور اسی حالت میں مر گیا تو راجح اور ظاہر یہ ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہوگا اور شفاعت نبویہ سے محروم نہ ہوگا وھذا ما نبہ علیہ الشارح نفسہ واحتج بقولہ تعالی الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان -

(۱۴) چہاردہم - حدیث رفع العلم بقبض العلما

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی علم کو اس طرح نہ سمیٹیں گے کہ اُسکو بندوں کے دلوں سے چھین لیں بلکہ علماء کو وفات دیکر علم کو (دنیا سے) سمیٹ لیں گے یہانتک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اُن سے (احکام شرعیہ کے متعلق) سوال کیا جائیگا تو
وہ بغیر علم ہی کے فتوی دیں گے پس خود بھی گمراہ ہوئے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کیا - ۱۷۰

شرح - حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ علم آہستہ آہستہ کم ہوگا ایک دم سے زائل نہ ہوگا، اس کے متعلق چند وجوہ بیان کے قابل ہیں -

(۱) یہاں دو احتمال ہیں کہ علم سے مراد عام ہو یا خاص، مگر قرینہ مقام سے ظاہر ہے کہ خاص علم (یعنی علم شرعی) مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم شرعیہ ہی سے ہدایت ہوتی ہے اُن کے سوا کسی علم کو اطلاق کیساتھ ہدایت نہیں کہا جاسکتا بلکہ قید لگانیکی ضرورت ہوتی ہے، اور اس مقام پر علم سے مراد کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم ہے

یہاں ایک سوال واقع ہوتا ہے کہ یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے معارض ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کے متعلق مروی ہے کہ قرآن دفعۃً اٹھا لیا جائیگا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم نے اُسکو اپنے سینوں میں محفوظ اور مصاحف میں قلمبند نہیں کرلیا اور اپنے بیٹوں وعورتوں کو نہیں سکھلا دیا؟ (پھر اس حالت میں دفعۃً کیسے اٹھ جائیگا؟) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات ایسی آئیگی جسمیں قرآن سینوں اور مصاحف میں سے اٹھا لیا جائیگا نہ سینوں میں

سوائے علم شریعت کے کسی علم کو ہدایت نہیں کہا جاسکتا۔ علم حقیقت تو قلب کا نام ہے اور جب تک قرآن زبان پر ...

Marfat.com

کچھ باقی رہیگا نہ مصاحف میں (یعنی قلوب سے اور کاغذیں سے قرآن کے حروف غائب ہوجائیں گے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو چھین لیں جو آپ کی طرف ہم نے وحی کیا ہے پھر ہمارے مقابلہ میں قرآن کے واپس لانے کیلئے تم کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ"

جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ ہم نے علماء کے حوالہ سے اوپر بیان کیا ہے کہ علم اُس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا کرتے ہیں، اسی نور سے کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم حاصل ہوتی ہے، اس حقیقت سے کتاب اور حدیث ناطق ہے اور دونوں نے اس مضمون کو بیان کیا ہے چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم اگر یہ لوگ معاملہ کو رسول اللہ اور اولی الامر کی طرف واپس کرتے تو ان میں جو لوگ حقیقت تک پہونچنے والے ہیں وہ اسکو سمجھ جاتے"، اور قرآن کے معانی اور اس کے احکام نور ہی کے ذریعہ تو سمجھے جاتے ہیں (ورنہ فہم الفاظ میں تو سب اہل زبان مساوی تھے) اگر یہ نور مفقود ہوجائے تو گمراہی پھیل جائیگی اللہ تعالیٰ ہمکو اس سے بچائے "، اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جسمیں فقہاء (یعنی قرآن کے سمجھنے والے) زیادہ ہیں۔ قراء تھوڑے ہیں اس زمانہ میں قرآن کے حدود (واحکام) کی حفاظت کی جاتی ہے حروف کا (زیادہ) اہتمام نہیں کیا جاتا، پھر فرمایا اور عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں فقہاء (یعنی قرآن کے سمجھنے والے) تھوڑے ہوں گے قراء زیادہ ہوں گے، اُس زمانہ میں قرآن کے حروف کی تو حفاظت کیجائیگی اور اس کے حدود (واحکام) کو ضائع کر دیا جائیگا"، تو دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے لوگوں کو سمجھدار فرمایا اور دوسروں کو ناسمجھ بتلایا حالانکہ یہ دوسرے حروف کے ضبط وحفظ میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں مگر آپ نے اس بات کو اُن کی مذمت میں بیان فرمایا ہے کیونکہ وہ احکام کو نہیں سمجھتے تو اب (بتلاؤ وہ کیا چیز ہے جو اُن کے پاس تھی اور ان کے پاس نہیں؟) اسکے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک نور تھا جو اُن کے پاس تھا اور ان کے پاس نہیں رہا پس یہ مسکین ویسے ہی ناقل وحامل رہ گئے جیسے پہلی امتوں کے بعض لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کمثل الحمار یحمل اسفارا کہ وہ گدھوں کیطرح ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہیں"، افسوس یہ حالت اسوقت بہت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے، کیونکہ آجکل کتابیں

Marfat.com

بھی زیادہ ہیں اور کتابوں کے ناقل بھی بہت ہیں، مگر ایسا شخص شاذو نادر ہی ملیگا جسکے پاس اس علم کا
کچھ حصہ ہو جس کا نام نور ہے، پس یہ علم وہ ہے جو آہستہ آہستہ سمیٹا جائیگا، بروز بروز تھوڑا تھوڑا اٹھتا
جائیگا یہانتک کہ (ایک دن) مصحف بھی اٹھا لیا جائیگا، اور جب مصحف اٹھ جائیگا تو نور کا وہ حصہ بھی
(دنیا سے) اٹھ جائیگا جو (کم ہوتے ہوتے) ان کے پاس باقی رہ گیا تھا اسکے بعد مخلوق گمراہی میں بھٹکتی اور
راہ حق سے بھٹکتی رہے گی، حالانکہ احکام ان کے پاس کتابوں میں لکھے ہوئے ہوں گے (کیونکہ مصحف کے اٹھنے
سے تمام کتابوں کا اٹھ جانا لازم نہیں) مگر نور کے فقدان اور اصل کے جاتے رہنے سے وہ ان احکام کو سمجھ
ہی نہ سکیں گے، پس اصل کے باقی رہنے تک اس بات کی بشارت ہے کہ نور بھی (دنیا میں) باقی رہے گا
گو تھوڑا ہی ہو» الوجہ الثانی الالف واللام فی هذا العلم المذکور یحتمل ما والوجہ الثالث
لقائل ان یقول ظاهر الحدیث معارض لما روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتاب العزیز
الی قولہ فہی بقاء الاصل بشارۃ ببقاء ذلك النور وان قل»

ف اصل سے مراد قرآن ہے پس جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے، علم حقیقی یعنی نور بھی دنیا میں باقی
رہیگا، اس نور کو کبھی روحانیت سے اور اس کے مقابل کو مادیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، آجکل تمام مسلمانوں کا ۱۷۲
اس پر اتفاق ہے کہ قلوب میں وہ روحانیت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی بلکہ مادیت غالب ہو رہی ہے مگر
کسی کو اصل حقیقت کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ روحانیت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ سو معلوم کر لینا چاہئے
کہ روحانیت اور نور کا سرچشمہ قرآن ہے مسلمانوں کو قرآن کی طرف متوجہ ہونا اور اسکے احکام و حدود پر
کاربند ہونا چاہئے جسقدر اس سے غفلت کی جائیگی اسی قدر روحانیت میں کمی اور مادیت کا غلبہ ہوگا،
عوام کی کیا شکایت کیجائے افسوس تو یہ ہے کہ آجکل خواص کو بھی قرآن کی طرف توجہ کم ہے ایک زمانہ
میں تو قرآن کے سمجھنے والے زیادہ تھے قرا کم تھے اسوقت کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس کے بعد دوسرا زمانہ
آیا جس میں سمجھنے والے کم اور پڑھنے والے زیادہ تھے اسوقت بھی مسلمانوں کی حالت اسوقت سے بہتر تھی
اب تیسرا زمانہ ہے کہ قرآن کے سمجھنے والے بھی کم ہیں اور پڑھنے والے بھی کم، اس کے بعد کس چیز کا انتظار
ہے؟ کیا ہم لوگ اپنی اس بے توجہی اور غفلت سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت نہیں
رہی اسکو اٹھا لیا جائے؟ اللہ اللہ! اس وقت کے تصور سے ہی کلیجہ نکلا جاتا اور جان لبوں پر آئی
جاتی ہے، مسلمانو! اللہ کی کتاب سے غفلت اور بے توجہی کا اظہار نہ کرو، بخدا اگر یہ قرآن اٹھا لیا گیا تو

(باقی آئندہ)

Marfat.com

دنیا میں مسلمانوں کی کچھ بھی ہستی اور قیمت نہ رہے گی،" سنبھلو سنبھلو اور اللہ کی کتاب کی طرف متوجہ ہوجاؤ،"

(۱۱۲) اگر ایک عالم کی وفات ہوجائے اور اس کی جگہ دوسرا لیلے تو کیا وہ پہلے کی مثل ہوگا؟ اور اس کمی کو پورا کر دیگا جو پہلے کی وفات سے (عالم) اسلام میں آگئی تھی یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں (نہ یہ اُسکے مثل ہوگا نہ کمی کو پورا کریگا) مگر بظاہر اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اذا مات العالم ثلمت فی الاسلام ثلمۃ لایسدھا الا عالم آخر، جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پیدا ہوجاتا ہے جسکو کوئی دوسرا عالم ہی بند کرسکتا ہے،" مگر درحقیقت دونوں میں کچھ تعارض نہیں، کیونکہ پہلے کے مرنے کے بعد جب دوسرا اس کا قائم مقام بنکر رخنہ کو بند کریگا تو بداہۃً معلوم ہے کہ وہ ہر حیثیت سے پہلے کی برابر نہ ہوگا کیونکہ پیوند لگا کپڑا سالم کپڑے کی برابر نہیں ہوسکتا اگرچہ ستر بدن دونوں سے حاصل ہوجاتا ہے اور گو پیوند لگانیوالے میں کچھ نقصان (اور کمی) بھی نہو (اس نے کتنی ہی ہوشیاری سے رفو کیا ہو مگر پھر بھی پہچاننے والے فرق کو محسوس کرلیتے ہیں) یہ ایسی بات ہے جس کا حسا مشاہدہ کیا جاتا ہے، خصوصاً جب ہم یہ کہیں کہ علم ایک نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا فرماتے ہیں جیسا ائمہ دین کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے، تو اس کا نقص تو بداہۃً مشاہد ہے،" کیونکہ حضرات صحابہ کا نور تابعین کے نور جیسا نہ تھا (بلکہ اُن سے کامل و اکمل تھا) اور تابعین کا نور تبع تابعین کے نور جیسا نہ تھا اسی طرح قرناً بعد قرن دیکھتے چلے جاؤ تمکو نظر آئیگا کہ ہر زمانہ میں کوئی چیز اٹھتی اور کم ہوتی رہی ہے،" اور اسی حقیقت کی وجہ سے پہلے علم لوگوں کے سینوں میں تھا،" پھر اوراق وکتب میں منتقل ہوا مگر اسکی کنجیاں لوگوں کے سینوں میں رہیں، پھر کتابیں اور دفتر تو بہت ہوگئے کنجیاں کم ہوگئیں،" اور اگر کوئی کنجی ملتی بھی تو سید ہی شاذونادر ہی ہوتی پھر یہ حال ہوگیا کہ علوم شرعیہ قرآن وحدیث تو سوار کے پیالہ کی طرح (پس پشت) ہوگئے اور تھوڑی سی توجہ بعض علوم فرعیہ میں رہ گئی (یعنی کتب فقہ اور فتاویٰ میں وہ بھی اسلئے کہ مفتی یا قاضی کا عہدہ ملجائیگا) اور زیادہ تر توجہ علم مناظرہ منطق علم نجوم۔ اور علوم سائنس وغیرہ وغیرہ کی طرف منعطف ہوگئی (اس وقت) لوگوں نے ممنوع کا ارتکاب (اختیار) کرلیا اور ان کی رسم بد اسی پر آکر ٹھہر گئی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فرماتے ہیں لا تجعلونی کقدح الراکب مجھے سوار کے پیالہ کی طرح (پس پشت) نہ کردینا (سوار اپنے پیالہ اور لوٹے وغیرہ کو پیچھے ہی لٹکایا کرتا ہے) تو ان لوگوں نے (باوجود ممانعت کے) ایسا ہی کرکے دکھادیا کہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈالدیا (اور دوسرے علوم کے پیچھے پڑگئے) پھر یہ لوگ ان بیہودہ علوم کو حاصل کرکے دین الٰہی میں گفتگو کرنے (اور علماء اسلام پر اعتراض کرنے) کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں (فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

پس (دنیا میں) اگر کوئی رونے والا ہے تو وہ علم اور اہل علم کی موت کا اور دین کے زوال وضعف کا نوحہ کرے فانا للہ وانا الیہ راجعون غرض جب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحمت الٰہی کی طرف انتقال فرمایا ہے اسی وقت سے علم میں نقص شروع ہوگیا ہے اور اسی طرح کمی ہوتی رہے گی یہانتک کہ قرآن اٹھالیا جائے گا،، بعض حضرات صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی فرمادی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے ہم نے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ (اپنے دلوں کو متغیر پایا اور ایک روایت میں ہے کہ) ہم نے اپنے دلوں میں نقصان محسوس کیا،، مگر اس نقص کو اسوقت اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا یہی حال اس صدی کے بعد دوسری ۱۷۴
صدی میں رہا، اسی طرح تیسری صدی میں بھی جنکے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ یہ خیر القرون ہیں،، تو اس خیر القرون میں علم (اندر اندر) گھٹ رہا تھا مگر ظاہر میں بڑھ رہا تھا کیونکہ علماء کی کثرت تھی کتابوں کی تعداد میں (روز افزوں) اضافہ ہورہا تھا اور اس حقیقت کو جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا (عام لوگ مسرور تھے کہ کثرت کتب کثرتِ علماء اور کثرت مدارس مسلمانوں کی علمی اور تمدنی ترقی کا پتہ دے رہی ہے مگر اہل دل دیکھ رہے تھے کہ علم دل سے زبان پر اور زبان سے کاغذ پر آرہا ہے دیکھنے میں سب کچھ ہے مگر دل ویسے نہیں جیسے پہلے تھے) اسی لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (اپنے زمانہ کے علماء سے) فرماتے تھے کہ میں ایک دن میں تمھاری زبان سے بار بار ایسی بہت باتیں سن لیتا ہوں جنکی تمکو پروا بھی نہیں ہوتی مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم اُن کو موبقات (مہلکات یعنی تباہ کن) خیال کرتے تھے یا اس کے قریب کچھ اور فرمایا پھر تیسری صدی کے بعد تو اس نقص کو عام طور پر سب ہی نے محسوس کرلیا اور اب تو ایسا ظاہر وروشن ہوگیا جیسا دوپہر کو آفتاب جسکے

Marfat.com

آس پاس بھی بادل نہو"

ف حضرت شارح کے زمانہ میں جو لوگ بیہودہ علوم حاصل کرنے کے بعد دین الٰہی میں کلام کرنیکی جرأت کرتے تھے وہ کم از کم ان علوم کو عربی زبان میں حاصل کرنے کے بعد ایسی جرأت کرتے تھے کیونکہ اسوقت علم مناظرہ، منطق، سائنس، نجوم، طب وغیرہ تمام علوم کا خزانہ عربی زبان ہی میں تھا، ان علوم کی تحصیل کرنے والوں کو اگرچہ قرآن وحدیث کی فہم ومعرفت حاصل نہوتی تھی مگر عربی زبان پر حاوی ہوجانے کی وجہ سے کسی قدر مناسبت اور قرب حاصل ہوجاتا تھا جب اس پر بھی اُن کو دین الٰہی میں گفتگو کرنے کا حق نہ تھا کیونکہ وہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈالے ہوئے تھے باقاعدہ ان کو حاصل نہ کرتے تھے، تو انصاف سے کہو جن لوگوں نے سائنس وجغرافیہ وغیرہ علوم دنیا کو انگریزی میں پڑھا ہو عربی زبان پر حاوی ہونا تو کیا ادنی مناسبت بھی پیدا نکی ہو ان کو دین میں دخل درمعقول کا کیا حق ہے؟ مگر ہندوستان میں تم دیکھوگے کہ بہت سے ملحد بے دین محض اسوجہ سے کہ کسی انگریزی کالج نے اُن کو بی اے، یا ایم اے کی ڈگری دیدی ہے"
178 یا کسی طرح گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا اُن کو خطاب مل گیا ہے یا اخبار کے اڈیٹر بن گئے ہیں دین میں اجتہاد کے مدعی اور علماء اسلام پر اعتراض کرنے میں پیش پیش ہیں وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون"

(۱۱۳) اس مقام پر یہ سوال بھی وارد ہوتا ہے کہ یہ حدیث اُس حدیث کے معارض ہے جو پہلے گذر چکی کہ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی مخالف اسکو ضرر نہ پہونچا سکے گا یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے"، اور یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ علم سمیٹ لیا جائیگا اور جب علم جاتا رہا تو اسکی جگہ جہل رہیگا جس کا لازمی نتیجہ گمراہی ہے جیسا خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے واضح ہے"، جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی کوئی تعارض نہیں"، کیونکہ حدیث سابق کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت (اس امت میں) ایسی ضرور رہے گی جو اُس حق واجب کو ادا کرتی رہیگی جو (شرعًا) اُس پر لازم ہوگا اُسمیں کوتاہی نہ کرے گی مگر (اداے حق واجب سے) یہ لازم نہیں کہ اس جماعت کا علم سلف کے علم کی برابر ہو کیونکہ) علم جس نور کا نام ہے وہ ان کے پاس ایسا نہوگا جیسا ان سے پہلے بزرگوں میں تھا"، اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ (آپؐ نے صحابہ سے فرمایا) تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں کوئی ماموربہ
(یعنی حکم شرعی) کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا تو ہلاک (وبرباد) ہو جائیگا، اور ایک زمانہ
زمانہ ایسا آئیگا جسمیں کوئی ماموربہ کا دسواں حصہ بھی ادا کر دیگا تو نجات پالے گا،، اور یہ دسواں حصہ
مستحبات کا مراد ہے فرائض (وواجبات) کا نہیں کیونکہ فرض تو اول و آخر ہر زمانہ میں یکساں
مطلوب ہے، پس یہاں ماموربہ سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو فرض (وواجب) کے علاوہ ہیں
کیونکہ دین تو سارا ہی مطلوب ہے فرض بھی، مستحب بھی، آداب بھی اور نفل بھی (پس یہ شبہ نکیا
جائے کہ مستحبات کو ماموربہ کیسے کہدیا گیا؟) اور سلف اول (یعنی حضرات صحابہ) رضی اللہ
عنہم ان تمام چیزوں کو پوری طرح بجالانے کی کوشش کرتے تھے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
بھی اُن سے ایسا ہی چاہتے اور اسی کی اُن کو ترغیب دیتے تھے (کہ ہر فرض کو تمام آداب و مستحبات
وسنن کے ساتھ کامل مکمل ادا کریں) چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک بار)
یہ ارادہ کیا کہ جو لوگ (نماز کی) جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اُن کے گھر پھونک دیں حالانکہ ہر شخص
کیلئے جماعت میں حاضر ہونا مستحب ہے؎ (فرض وواجب نہیں) اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ۱۷۶
سے منقول ہے کہ وہ نماز میں صفوں کے سیدھا کرنے کا بہت اہتمام کرتے اور لوگوں کو اسکی تاکید
کرتے تھے حالانکہ نماز میں صف کا سیدھا کرنا مستحب ہے، غرض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان باتوں کی
دوسروں کو بھی تاکید کے ساتھ ترغیب دیتے اور خود بھی بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے تاکہ ان میں
سے کسی بات میں کمی اور کوتاہی نہ ہو اور جو حد اُن کے واسطے مقرر کیگئی ہے اسکے تارک نہ قرار
پائیں باقی آجکل تو ایسا متصور ہی نہیں کیونکہ اعمال میں بدعات و منکرات (بکثرت) شامل
ہو گئے ہیں جن میں سے دسواں حصہ بھی بڑی کوشش کے بعد خالص نکل سکتا ہے،، اور خالص
ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عمل اسی صورت پر واقع ہو جس صورت سے شریعت نے مقرر اور طلب
کیا تھا کہ اسمیں کسی بدعت اور منکر کا شمول نہو،، (اب تم خود سمجھ لو کہ ایسا عمل آجکل کیونکر ہو سکتا ہے

؎ یہ استدلال شوافع اور مالکیہ کے مذہب پر تام ہے حنفیہ کے مذہب پر تام نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک
جماعت سے نماز پڑھنا ہر شخص پر جسے کوئی عذر شرعی نہو واجب ہے مگر اصل مقصود کو اس دلیل کے تام نہونے
سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ بعض متفق علیہ مستحب کے ترک پر بھی حضور کا عتاب ثابت ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

مثال کے طور پر جنازہ کے ساتھ ہونا، جنازہ کی نماز پڑھنا، یا کسی شادی میں شریک ہونا یا اس کے مشابہ کوئی کام لیلو تو ہر شخص کو بہت کم (شریعت کے موافق) عمل کرنے پر قادر پاؤ گے کیونکہ ان میں بیہودہ بدعتیں اور تباہ کن منکرات بہت کچھ شامل ہو گئے ہیں جیسے شاذو نادر ہی کوئی بچ سکتا ہے پس ان لوگوں کا دس میں نو حصوں کو چھوڑنا اس وجہ سے نہیں کہ ان کو نو حصوں سے اعراض ہے یا ان میں رغبت نہیں اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ ناجی نہ ہوتے بلکہ اس کا سبب وہ ہے جو ہم نے ابھی بتلایا ہے (کہ بدعات و منکرات کا شمول اعمال میں اس درجہ ہو جائے گا کہ اعمال کا اُن سے خالص طریقہ پر ادا ہونا دشوار ہو گا) پس جس جماعت کی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ وہ حق پر رہے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے طرف سے حق واجب میں کمی نہ کرے گی اور اگر ان کو واجب ہی ناقص ملا ہو تو ہمیں اُن کا کیا قصور ؟) الوجہ السادس تقائل ان یقول ھذا الحدیث معارض لقولہ علیہ السلام لن تزال ھذہ الامۃ الی قولہ انھا لا تنقص مما یلزمھا شیئاً"

۱۷۷ **ف** حدیث کی شرح میں علامہ امام نے جو کچھ فرمایا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ دسواں حصہ کمیات کے اعتبار سے مراد نہیں بلکہ کیفیات کے اعتبار سے مراد ہے، یہ مطلب نہیں کہ اخیر زمانہ میں فرائض و واجبات کی مقدار یا عدد پہلے سے کم ہو جائیگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کیفیت کاملہ اور درجہ عالیہ کے ساتھ فرائض کے ادا کرنے کا بندہ سے شریعت نے مطالبہ کیا ہے اُس کیفیت کا دسواں حصہ بھی اخیر زمانہ میں ادا ہو جائے تو نجات کیلئے کافی ہو گا کیونکہ اخیر زمانہ میں قلوب میں نور بھی کم ہو گا مشاغل دنیا سے بیفکری بھی کم ہو گی پریشانی اور فتنہ کی کثرت بھی ہو گی ایسی حالت میں ہر عمل کو اعلیٰ کیفیت پر ادا کرنا دشوار ہو گا وہ اگر دسواں حصہ بھی بجا لائیں تو قبول عمل کیلئے کافی ہو گا"

(۱۱۴) حدیث سے اہل تحقیق کے اس قول کی بھی تائید ہو گئی عدد الطرق الی اللہ عزوجل علی عدد الانفاس کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے راستوں کی شمار مخلوق کے سانسوں کی شمار کے موافق ہے (یعنی ہر شخص کیلئے وصول کا راستہ جدا ہے) کیونکہ ہر شخص کی حالت ہر جہت سے دوسرے کی حالت جیسی نہیں ہوتی اگرچہ دونوں کی حالتوں میں (ظاہر کچھ) مشابہت ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو گا چنانچہ حسًّا یہ امر مشاہد ہے (کہ دو بھائی بھی ہر جہت سے متوافق الحال نہیں ہوتے)

[illegible]

Marfat.com

پس آدمیوں کی شکل وصورت تو پیدائش اور وضع میں یکساں ہے مگر حقیقی مشابہت (اور ہم وافقت) میں یکسانیت نہیں (بلکہ باہم بہت تفاوت ہے) کیونکہ ہر شخص کسی خاص صفت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں دوسروں سے ضرور ممتاز ہوتا ہے اگرچہ اکثر صفات میں اُن کے موافق ہی ہو اور (ایک انسان ہی کیا) تمام حیوانات کا بھی حال ہے کہ ہر نوع کے افراد وضع خلقت میں تو یکساں ہوتے ہیں مگر حقیقی مشابہت و موافقت میں یکساں نہیں ہوتے، پاک ہے وہ جس نے اپنی عظیم الشان قدرت کے آثار عجیبہ و غریب حکمت کے ساتھ تمام مخلوقات میں ظاہر فرمائے ہیں اور اسی حقیقت ہی کی وجہ سے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس مضمون میں تامل اور غور کرنے کا حوالہ دیا ہے کہ اس سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کرنا چاہئے چنانچہ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی تبین لھم انہ الحق، ہم اُن کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھلائیں گے آفاق (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی یہانتک کہ ان پر یہ بات واضح ہوجائے کہ قرآن حق ہے قولہ فی الوجہ السابع بعد
١٧٨ بیان الحکمۃ فی نقص العلم ولذلک قال اھل التحقیق عدد الطرق الی اللہ الی قولہ حتی یتبین لھم انہ الحق"

ف حدیث سے اس مضمون کی تائید اس طرح ہوئی کہ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جسمیں مامور بہ کا دسواں حصہ چھوڑنا باعث ہلاکت ہے اور ایک زمانہ آئیگا جسمیں دسواں حصہ بجا لانا موجب نجات ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ سب کیلئے وصول کا طریقہ ایک نہیں ورنہ ہر زمانہ میں وہی حکم ہوتا جو صحابہ کیلئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے"

ف شیخ محقق وہی ہے جو ہر شخص کو اُس راستہ سے لیجائے جو اُسکے لئے مناسب ہے، یہ نہیں کہ سبکو ایک ہی وظیفہ بتلایا کرے اور ایک ہی سبق پڑھایا کرے"

(۱۱۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک جماعت مذکورہ میں سے (جو ہر زمانہ میں حق پر رہے گی) ایک شخص بھی زندہ رہیگا اُسوقت تک خطرناک گمراہی کا وقوع نہوگا، کیونکہ اس جماعت کی شان یہ ہے کہ وہ علم سے متمسک اور عمل سے متصف ہوگی تو جب تک ایک عالم بھی حق پر رہے گا گمراہی سے ضرر نہ پہونچیگا گو اُس کا کتنا ہی غلبہ ہو کیونکہ (اس ایک عالم کی وجہ سے جو حق پر قائم ہے) گمراہی پر

جب تک ایک عالم بھی صاحب حق رہیگا خطرناک گمراہی سے امن رہیگا۔

Marfat.com

(امت کا) اتفاق نہو سکے گا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لن تجتمع امتی علے
ضلالۃ میری امت گمراہی پر ہرگز اتفاق نکر سکے گی ،، اور گمراہی کے غلبہ میں اور گمراہی پر اجتماع میں
بڑا فرق ہے، کیونکہ اجتماع (علی الضلال) تو جڑ کاٹنے والی چیز ہے ،، اللہ اپنے فضل سے ہمکو اس سے
بچائے رکھے ،، اس مضمون کی توضیح و تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں کا ایک
شخص کسی بستی پر گذرا جسے اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا تھا، اس نے عرض کیا اے رب! آپ نے
ان لوگوں کو کیونکر ہلاک کر دیا حالانکہ ان میں ایک نیک آدمی بھی تھا جسکو میں پہچانتا تھا اور آپکا
قانون ہے کہ جب تک بستی میں ایک بھی اللہ والا ہوگا بستی ہلاک نہ ہو سکے گی) اللہ تعالیٰ نے اسکی
طرف وحی بھیجی (اگر وہ پیغمبر تھے یا الہام کیا اگر ولی تھے) کہ اس نے میرے واسطے کبھی ایک دن بھی غیرت
(ایمان) کا اظہار نکیا تھا اسلئے وہ ظاہر ہی میں نیک تھا واقع میں نیک نتھا کیونکہ جو شخص واقعی نیک
ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانیوں کو دیکھکر خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ یا امر بالمعروف کرتا ہے اور اسکی قدرت
نہیں ہوتی تو بستی کو چھوڑ دیتا ہے اور اسکی بھی قدرت نہیں ہوتی تو اہل باطل کی موافقت اور مخالطت ١٧٩
تو وہ ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ اہل باطل سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار کر کے الگ ہو جاتا ہے ۱۲)
پس حدیث نے بتلا دیا کہ اس شخص کا اہل باطل کے ساتھ موافقت کرنا بستی کی ہلاکت کا سبب ہوا
اگرچہ وہ حق سے واقف تھا ،، اور اگر وہ ان کی مخالفت کرتا تو نہ خود ہلاک ہوتا نہ دوسرے ہلاک ہوتے ،
قولہ الوجہ الثامن قولہ علیہ السلام حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤساجہالا فسئلوا
فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا فیہ دلیل علی ان الضلال المخوف لا یقع مہما یبقی من الطائفۃ
المذکورۃ واحد الی قولہ ولو خالفہم ما ہلک وما ہلکوا ،،
ف پس علم و عمل کا اہتمام کرو اور اظہار حق سے اہل باطل کے سامنے باز نہ رہو باطل کی موافقت کبھی
نکرو، مگر تکبر سے بچو تواضع اور خلوص سے کام کرو ۱۲
(۱۱۶) اس مضمون میں حکمت اور عبرت کا بھی ایک پہلو ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دنیا کو تغیر
و فنا کے واسطے بنایا ہے تو مقتضائے حکمت کی وجہ سے ہر چیز کو اسی نسبت سے محل زوال و نقص بنا دیا،
چنانچہ دنیا میں علم اور ایمان ہی سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں مگر ان کو بھی نقص لاحق ہو رہا ہے
یہانتک کہ (ایک دن) بالکل ہی زائل ہو جائیں گے ،، غرض اس دار کی علت اسکے باشندوں کو

Marfat.com

بھی لگی اور اسکی ہر چیز کو لگ کر رہی "

اس مضمون میں دنیا سے بے رغبتی اور اس سے قطع تعلق کی بھی ترغیب ہے کہ جب دنیا و ما فیہا نقصان اور زوال ہی کیلئے ہے تو اسکی کس چیز میں رغبت کیجائے اور کس چیز کے واسطے تعب برداشت کیا جائے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دار (فانی) کی مصیبت یہاں کی خیر (وراحت) سے زیادہ ہے کیونکہ جب علم اور ایمان ہی میں کمی آنے لگی اور یہی دو چیزیں خیر (وبرکت) کا سرچشمہ ہیں تو ان کی ضد یعنی کفر وجہل کا غلبہ ہوگا اور یہی تمام شرور کا سبب بلکہ (سچ یہ ہے کہ) یہی دونوں عین شر ہیں "

یہاں سے ایک علمی مسئلہ مستنبط ہوا کہ عاقل کو دنیا و ما فیہا کی طرف توجہ و التفات سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے، کیونکہ جب اس کی خیر کم ہوتی جاتی اور شر بڑھتی جاتی ہے تو خیر کا وجود نادر ہوگا اور شر کا وجود بہت زیادہ ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر آخرت اپنے بقا کے ساتھ کچی مٹی سے بنی ہوئی ہوتی اور دنیا اپنے فنا کے ساتھ چاندی (سونے) سے بنی ہوتی تو وہ رغبت کے قابل ہوتی اگرچہ ٹھیکرا تھی کیونکہ باقی رہنے والی ہے اور یہ بے رغبتی کی مستحق ہوتی اگرچہ چاندی تھی کیونکہ فنا ہونیوالی ہے

180 اور جب معاملہ برعکس ہے (کہ دنیا فنا کے ساتھ ٹھیکرا بھی ہے اور آخرت بقا کے ساتھ چاندی سے بھی اعلیٰ ہے) تو اب کیا ہونا چاہیے؟ (اسکو خود ہی سوچ لو) الوجہ التاسع والعاشر والحادی عشر والثانی عشر من قولہ فی ھذا المعنی وجہ من الحکمۃ والاعتبار الی قولہ فکیف والامر بضد ذلک "

ف حدیث سے یہ علوم (اخذ کرنا) صوفیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور زہد عن الدنیا کا بھی جسقدر اہتمام اُن کو ہے کسی جماعت کو نہیں بشرطیکہ صوفی صوفی ہو نقال محض نہو ۱۲۔

(۱۱۷) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی ریاست علم ہی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ علم حقیقی ہو یعنی اللہ کیلئے خالص اور کتاب و سنت کے موافق ہو "اور جاہل کی ریاست حقیقی ریاست نہیں بلکہ اس مصرعہ کی مصداق ہے کہ ؎ ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ جب تک عالم لوگوں کے درمیان رہے گا اسکی وجہ سے خیر باقی رہیگی اور جب اسکی جگہ جاہل لے لیگا گمراہی اور ہلاکت واقع ہوگی " اور اس کا سبب ظاہر ہے کچھ مخفی بات نہیں کیونکہ تمام لوگ (ہر وقت اور ہر حالت میں) عالم کے محتاج ہیں تاکہ اُن کو خدا کا راستہ بتلائے

حقیقی ریاست علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے

(باقی آئندہ)

Marfat.com

اللہ کے اوامر و نواہی اُن کے سامنے بیان کرے (تو جیسا خدا سے بندہ کو کسی وقت استغنا،
نہیں اسی طرح اُسکے احکام بتانے والوں سے بھی استغنا نہیں ہو سکتا ۱۲) بخلاف جاہل کے
کہ اُسکی طرف لوگوں کو ایسی احتیاج نہیں، اُسکی طرف بعض لوگوں کو (کسی وقت) اس کام کی
بنا پر احتیاج ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ سردار بنا ہوا ہے اور (بعضوں کو ذرا بھی احتیاج
نہیں ہوتی اور اہل احتیاج کو بھی) بعض اوقات اُسکی حاجت نہیں ہوتی اور ایسے حالات
(اور ایسے افراد ہی) زیادہ ہیں (کیونکہ جاہل تو کسی دنیوی فوقیت کی وجہ سے سردار بنتا ہے
تو اُسکی طرف دنیا والوں یعنی مالداروں ہی کو احتیاج ہوگی اور مالدار دنیا میں خصوصاً ہمارے ملکوں
میں کم ہوتے ہیں غربا زیادہ ہیں تو زیادہ کو جاہل سے استغنا ہوگا، اور عالم دین کی وجہ سے
سردار بنتا ہے اور دین غریبوں میں زیادہ ہے اور اُنکی تعداد بھی زیادہ ہے پس غربا تو طلب
دین کی وجہ سے سب کے سب عالم کے محتاج ہیں اور اہل دنیا بھی جب ان کے دل میں دین کی
طلب پیدا ہوتی ہے اُسکی طرف محتاج ہوتے ہیں پس عالم سے کوئی مستغنی نہوا اور جاہل سے
181 زیادہ لوگ مستغنی ہیں) اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نعم الرجل
العالم ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ وہ عالم بھی کیسا اچھا
آدمی ہے کہ اگر اُسکی طرف لوگ حاجت لیکر آئیں تو نفع پہونچائے اور اُس سے مستغنی ہوں تو
یہ بھی اپنے کو (اُن سے) مستغنی کر دے غنا سے مراد اللہ عزوجل کی ساتھ غنا ہے (یعنی اللہ پر
نظر کر کے سب سے مستغنی اور بےفکر ہو جائے) یہی ہے اصلی اور حقیقی ریاست، (مگر آجکل علم حقیقی
حاصل کرنے والے کہاں جو کسی کو حقیقی ریاست نصیب ہو الا نادراً والنادر کالمعدوم
اب تو اس بات کا ظہور ہونے لگا ہے جو رسول برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ لوگ
بدون علم کے سردار بنینگے پھر اُن سے فتویٰ لیا جاتا ہے اور وہ بدون علم کے فتویٰ دیکر خود بھی گمراہ
ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، تو اس بیچارہ مسکین کو غفلت سے بیدار اور
مدہوشی سے ہوشیار ہو جانا اور اس سخت مصیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے جو اس کے
سر پر آگئی ہے،، الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان حقیقۃ الریاسۃ لا تکون الا
بالعلم الی قولہ ویحذر من ھذا الامر العظیم الذی حل بہ،،

Marfat.com

ف یہ حقیقی ریاست محض علم کتابی اور رسمی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے " اور علم حقیقی ایک نور کا نام ہے جو دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اور وہ عادۃً بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہوتا پس اس سے طریق صوفیہ کی تائید ظاہر ہے "

(۱۱۸) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو بدون سردار کے چارہ نہیں حکمت اسی کو مقتضی ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ (دنیا سے) عالم کے ناپید ہونے پر لوگ اپنے کو ویسا ہی (بے سرا) نہ رکھیں گے بلکہ جماعت اہل علم کے علاوہ دوسری جماعتوں میں سے جو (ظاہر میں) ان کے مشابہ ہونگی (کسی کو) سردار بنالیں گے اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے (کیونکہ **ع**

اذا کان الغراب دلیل قوم ۔۔۔ سیہدیہم طریق الہالکینا

ع گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ۔۔۔ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند)

جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی ہے "

معیار شرعی کے خلاف جو حاصل ہو گمراہی کا ذریعہ ہوگی

182 حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کو قانون شریعت (اور معیار شرعی) کے خلاف حاصل کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے، کیونکہ عوام تو ان جاہلوں کو اسی فائدہ ارشاد و ہدایت کیلئے اپنا امام (اور سردار) بنائیں گے جو ان علماء سے حاصل ہوتا تھا جنکی صورت اور نقل انھوں نے اتاری ہے، مگر چونکہ ان میں وہ شرطیں موجود نہ تھیں جنکو شریعت نے پختگی کے ساتھ بیان کیا ہے تو اب بجائے مقصود کے اسکی ضد کا ظہور ہوا یعنی گمراہی کا الوجہ الرابع عشر والخامس عشر من قولہ فیہ دلیل علی انہ لا بد للناس من رؤس الی قولہ جاءہم اذ ذاک ضد ما ارادوہ وھو الضلال "

عالم بغیر پوچھے بھی نہیں چل سکتا

(۱۱۹) حدیث سے اُن لوگوں کے قول کی بھی تائید ہو رہی ہے جو یوں کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ قبل سوال (و طلب) کے تعلیم واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فسئلوا فافتوا (کہ اُن لوگوں سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فتویٰ دیا تو) فتویٰ اُس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ سوال واقع نہیں ہوا

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دہوکہ عالم پر نہیں چل سکتا (جاہلوں ہی پر چلتا ہے) کیونکہ

Marfat.com

عوام نے ان جاہلوں کو اسی واسطے سردار بنالیا کہ وہ کتابوں کے پڑھنے اور دیکھنے میں اہل علم کے مشابہ تھے جب لوگوں نے ان کے پاس وہ چیز دیکھی جو عادۃً علم (حقیقی) کی جو ایک نور ہے علامت تھی انھوں نے ان کو بھی حقیقی سردار سمجھ لیا اور ان پر دھوکہ چل گیا (علما کے اوپر اس قسم کی بناوٹ سے دھوکہ نہیں چل سکتا کیونکہ عالم تو باتوں ہی سے پہچان لیتا ہے کہ مخاطب واقعی عالم ہے یا محض صورت وشکل بنا کر نقال ہے ۱۲) اسی واسطے یمین بن رزق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ،، لقلۃ العقلاء لم یعرف الحمقی ،، عقلمندوں کی قلت کی وجہ سے بیوقوف نہیں پہچانے گئے ،، اور یہ حقیقت اسوقت بہت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے، چنانچہ بعض لوگ نحو اصول منطق ۔ علم کلام ، فلسفہ ، طبیعت وغیرہ پڑھ کر، سرداری کا دعوی کرنے لگے اور ان علوم کو حاصل کرکے ہی وہ اللہ کے دین میں فتوی دینا چاہتے ہیں، اُن کی مسخ شدہ عقول میں یہ سودا اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ ان میں سے بعضے بزعم خود اجتہاد کے مدعی ہیں اور پہلے بزرگوں اور اماموں کو خطا پر بتلاتے ہیں ،، جس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے سلف کے کلام کو سمجھا نہیں اور اُن سے بدگمانی رکھتے ہیں اگر اُن کے ساتھ اچھا گمان ہوتا تو اُن کی برکت سے وہ بات حاصل ہوجاتی جس سے ۱۸۳
اُن کا کلام سمجھ لیتے پس اس بیہودہ جماعت اور دوزخی گروہ سے بہت بچو، بہت بچو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت سے (امت کو بہت) ڈرایا ہے اور اُسکی حالت کو بھی پوری طرح بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے یأتی فی آخر الزمان اقوام یحدثونکم بما لم تعرفوا انتم ولا آباءکم او کما قال علیہ السلام آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو تمھارے سامنے ایسی باتیں بیان کرینگے جنکو نہ تمنے کبھی (دینی) جانا تھا نہ تمھارے باپ دادوں نے یا جس طرح بھی حضور نے فرمایا ہو (مضمون یہی ہے) پس جس بات کو تم جانتے ہو اُسی پر رہو اور جو نئی بات معلوم ہو اسکو چھوڑ دو، اور اپنی ذات خاص کا فکر کرو (دوسروں کی فکر میں نہ پڑو کیونکہ آجکل نصیحت کے سننے والے کم ہیں تم کسی کو نصیحت کروگے تو وہ تمکو ہی بدنام کرنے کے درپے ہوجائیگا ،، الوجہ السادس عشر والسابع عشر من قولہ فیہ دلیل لمن یقول ان العالم لا یلزمہ التعلیم قبل السوال الی قولہ وعلیک بخواصۃ نفسک ،،

ف علامہ ابن ابی جمرہ کے زمانہ میں تو لوگ نحو واصول اور منطق وفلسفہ وعلم کلام ہی پڑھ کر

مدعیٔ ریاست علم اور طالب منصب اجتہاد بنتے تھے مگر اس زمانہ کی حالت دیکھو کہ انگریزی کالجوں اور انگریزوں کے دفتروں اور بے دین ماسٹروں کی صحبت میں رہ کر بی اے ایم اے، یا ال ایل بی کی ڈگری حاصل کر کے، یا کسی ماہواری رسالہ یا روزنامہ اخبار کی اڈیٹری کر کے ہی شخص پھولا نہیں سماتا اور جامۂ اجتہاد سے باہر ہوا جاتا ہے، ان کا جادو عوام پر اور زیادہ تر انگریزی طلبا اور انگریزی خواں طبقہ پر خوب چلتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کھرے کھوٹے کے انتخاب کا کوئی معیار نہیں ہے یہ تو کتاب کی دیدہ زیبی اور چکنے کاغذ اور چٹپٹے دار مزہ دار فقروں ہی سے مصنف کی قابلیت کا اندازہ کرتے ہیں، اگر یہ باتیں کسی کافر میں جمع ہو جائیں......
.... تو یہ لوگ اسکو بھی امام بنانے کو تیار ہو جائیں گے، آخر قادیانی کذاب کے ماننے والے کون ہیں؟ اور گاندھی کی تعریف کرنے والے مسلمان کہاں سے آئے تھے، اور گاندھی کے بعد جواہر لال کو امام بنانے والے اسٹیشنوں پر اس کا استقبال کرنے والے مسلمان تو اب بھی آپ کو نظر آتے ہوں گے، جب غلبۂ جہل کی یہ صورت ہے تو سوچو کہ
۱۸۴ سامنے اگر دجال ہی آجائے تو اسکے ساتھ یہ کیا برتاؤ کریں گے؟ غالبا وہی جو قادیانی اور گاندھی
اور جواہر لال کے ساتھ ہوا اور اسوقت ہو رہا ہے، شاید کوئی کہے کہ ان کو علماء کی طرح سردار کس نے بنایا؟ مگر تم مسلمانوں کی حالت دیکھو گے تو خود کہو گے کہ علماء سے بھی زیادہ درجہ ان کو دیدیا گیا تھا اور دیا گیا ہے، سادہ لوح مسلمان ان کو مسلمانوں کا سیاسی خیرخواہ اور خیرخواہی کے راستوں کو علماء سے زیادہ جاننے والا سمجھتے ہیں اور اس دھوکہ میں عوام کو ان علماء نے ڈالا ہے جو ان ہندؤوں کی تعظیم بجالاتے ان کو جلسوں کا صدر بناتے اور اسٹیشنوں پر ان کا استقبال کرتے اور ان کی تعریف میں قصیدہ خوانی کرتے ہیں اور یہی وہ علماء ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ان باتوں کو دین بتلاتے ہیں جنکو آجتک مسلمانوں نے دین نہ سمجھا تھا کوئی سود کو حلال کرنا چاہتا ہے، کوئی بیبیوں کو سربازار نیم عریاں دیکھکر مسلمانوں کی شریف عورتوں کو بھی پردہ سے نکالنا اور کلب گھر میں ساتھ لیجانا چاہتا ہے کوئی تصویر کشی کو جائز کہتا اور قرآن تک میں تصویریں ٹھونسنا چاہتا ہے، کوئی الکشن میں کوشش کرنے اور ووٹروں کے پاس مارا مارا پھرنے کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے، کوئی کھدر پہننے کو واجب اور ولایتی کپڑوں کو

Marfat.com

حرام بتاتا ہے، مگر ولائتی عینک اور ولائتی دوا اور ولائتی موٹر ولائتی جوتہ کو حرام نہیں کہتا اور نہ ولائتی ریل اور تار سے انتفاع کو حرام بتلاتا ہے" کوئی ہندو لیڈروں کے استقبال اور پیشوائی کو یہ کہکر دین کا کام بتلاتا ہے کہ "انگریزوں کا دشمن کتنا اور سور بھی ہوگا تو ہم اسکی عزت کریں گے" گو وہ خدا اور رسول کا بھی سخت دشمن کیوں نہو؟ ہندوؤں کے جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی ترغیب دیتے ہیں گو نیم عریاں عورتوں کی تقریریں بھی سننا پڑے اور اُن سے نظر بچانا بھی دشوار ہو" مسلمان ان باتوں کو دیکھکر خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ باتیں دین اور ثواب کدھر سے ہو گئیں جنکو آجتک وہ گناہ اور حرام سمجھے ہوئے تھے فاعتبروا یا اولی الابصار"۔

(۱۲۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص غلط فتوے پر عمل کرتا ہے اسکو بھی ویسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا مفتی کو ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عوام کو بھی اسطرح گمراہ بتلایا ہے جس طرح اُن کے مفتیوں کو گمراہ (اور گمراہ کن) بتلایا دونوں (اس باب میں) برابر ہیں اسکی تائید اور وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حضور نے اسکی ضد کی بابت ارشاد فرمایا ہے کہ عالم اور متعلم دونوں ثواب میں شریک ہیں الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی ان من عمل بفتوی علی غیر وجہھا یلحقہ من الاثم الی قولہ العالم والمتعلم شریکان فی الاجر

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیر کے گمراہ ہونے سے مرید بھی گمراہ اور گنہگار ہوگا یہ جو مشہور ہے کہ پیر کی پیری سے کام اسکے عمل سے کیا کام یہ پیر جیبوں کی گھڑت ہے جب مرید کو اپنے پیر کا گمراہ بدعتی اور بدعمل ہونا ثابت ہو جائے اُسکے ذمہ لازم ہے کہ اُسکی بیعت کو توڑ کر کسی صحیح متبع شیخ کو تلاش کرے

(۱۲۱) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہل کسی محذور (یا گناہ) میں مبتلا ہو جانے کے وقت اپنے جہل کی وجہ سے معذور نہیں قرار دیا جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم نے ان عوام کو بھی گمراہ بتلایا ہے جنھوں نے فتوے حاصل کرنے کیلئے اہل کو نہیں پایا (بلکہ نا اہلوں سے فتوی لیکر عمل کیا) جیسا ان فتوی دینے والوں کو گمراہ بتلایا حالانکہ یہ عوام بیچارے معاملہ سے ناواقف اور جاہل تھے اُن کو اتنا علم ہی حاصل نہ تھا جس سے صحیح اور غلط فتوے میں امتیاز کر سکتے لیں اے پریشان پھرنے والے ہدایت کے راستہ کی طرف چلا آ پہلے اس سے کہ دروازہ بند ہو جائے اور تو محروم رہ جائے" الوجہ

العشرون فیہ دلیل علی ان الجاھل لا یعذر بجہلہ الی قولہ قیل سبق الحرمان یغلق الباب،

ف عوام کو غلط فتوی پر عمل کرنے سے گناہ اسوقت ہوگا جبکہ وہ دین کی باتیں دریافت کرنے کے واسطے عالم محقق کی تلاش ہی کوتاہی کریں کہ جس سے جی چاہا فتوی لیلیا خواہ وہ عالم محقق ہو یا نہو، رہا یہ کہ عوام کو کسی کا عالم محقق ہونا کیسے معلوم ہو؟ اس کا جواب یہ ہو کہ جیسے طبیب کا حاذق ہونا اور وکیل کا لائق ہونا اُن کو معلوم ہو جاتا ہے، کہ جب کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے تو لوگوں سے دریافت کرتے اور مشورہ کرتے ہیں کہ علاج کس کا کرنا چاہئے، اور جب کوئی مقدمہ درپیش ہوتا ہے تو دوستوں سے مقدمہ بازوں سے مشورہ کرکے لائق سے لائق وکیل اور بیرسٹر تلاش کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مسلمانوں کو دین کا فکر اور تلاش ہو تو تحقیق اور دریافت حال سے عالم محقق اُن کو ضرور دستیاب ہو جائیگا، اور جب تک مسلمانوں کو دین کا فکر ہوگا علماء محققین کا وجود دنیا میں ضرور رہیگا اور جب دین سے عام طور پر بیفکری ہو جائیگی اُسوقت علمائے محققین کا وجود دنیا میں نہ رہیگا جہلا ہی مفتی اور سردار ہوں گے اسوقت مفتیوں کو تو غلط فتوے 186 دینے کا گناہ ہوگا اور عوام کو دین سے بیفکری کا جسکی بدولت جہلاء کو مفتی بننے کا موقعہ ملا، یہیں سے سب گمراہی کے وبال میں مبتلا ہوں گے خوب سمجھ لو، واللہ اعلم بالصواب، یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علم دین کی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھتے صرف دنیوی علوم ہی کے درپے اور اُسی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں یہ کھلی دلیل ہے دین سے بیفکری کی،

پانزدھم۔ حدیث الحساب والعرض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ (محترمہ) ہیں روایت ہے کہ جب وہ کوئی ایسی بات سنتیں جو اُن کی سمجھ میں نہ آتی تو اُسکو دوبارہ دریافت کرتیں یہانتک کہ سمجھ میں آجائے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک بار) فرمایا کہ جس سے حساب لیا جائیگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) کیا اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرماتے فسوف یحاسب حسابا یسیرا (کہ جسکو نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اُس سے حساب آسانی کے ساتھ لیا جائیگا جس سے معلوم ہوا کہ بعضے ایسے

Marfat.com

بھی ہیں جن سے حساب تو ہوگا مگر عذاب نہ ہوگا) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صرف پیشی ہوگی (جسکو برائے نام حساب کہدیا گیا) لیکن جس سے نکتہ چینی کے ساتھ حساب لیا جائیگا (کہ عرفاً اسی کو محاسبہ کہتے ہیں) وہ ہلاک ہو جائیگا" **شرح** ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ ہلاکت مناقشہ کے ساتھ ہوگی اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں"

(۱۲۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس سے حساب لیا جائیگا وہ مبتلائے عذاب ہوگا عام ہے یا خاص؟ ظاہر یہ ہے کہ خاص ہے کیونکہ بعد میں آپ نے اسکو مناقشہ کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے" اور مختلف احادیث کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حساب کی چند قسمیں ہیں جنمیں سے ایک تو عرض ہے جیسا اسی حدیث میں مذکور ہے اور اسکی مفصل کیفیت دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ سے مخفی طور پر حساب لیں گے اپنا دامن (رحمت) اس پر ڈالدیں گے اور فرمائیں گے میرے بندے! تو نے فلاں دن ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا، بندہ کو اقرار کے سوا کچھ چارہ نہ ہوگا یہانتک کہ وہ سمجھ لیگا کہ میں 187
ہلاک ہوا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! میں نے تیرے ان گناہوں کو دنیا میں تو چھپایا اور آج بخشتا ہوں (پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ) میرے بندے کو جنت میں لیجاؤ، اسکو دیکھکر اہل محشر کہیں گے کہ یہ بندہ کیسا اچھا ہے جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی" یہ تفصیل ہے اس پیشی کی جسکو یہاں مجملاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ (واقعی برائے نام) پیشی ہے جس میں عذاب کچھ نہیں" دوسری قسم کا حساب اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے کچھ اچھے کام کئے کچھ برے، تو ان کی نیکیاں برے کاموں کے مقابلہ میں کردی جائیں گی جس سے نیکیاں اور گناہ برابر ہو جائینگے اور ایمان باقی رہ جائیگا جسکی بدولت جنت میں پہونچ جائیں گے یہ بھی پیشی ہی کی ایک قسم ہے ایک قسم حساب کی یہ ہے کہ (نیکیاں گناہوں سے کم رہ جائیں اور) کچھ گناہ ان کے ذمہ رہ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کیلئے کسی کو کھڑا کردیں گے" یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ لطف کا معاملہ ہوگا"

اور اس قسم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنکے اوپر گناہ صغیرہ تھے اُن کے ساتھ بھی لطف کا معاملہ ہوگا

Marfat.com

اور صغائر معاف کردیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ جمیل اس کو شامل ہے چنانچہ ارشاد ہے
ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو جنسے
تمکو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے دوسرے کچھ اور ہیں جنکے اوپر
کبیرہ اور صغیرہ دونوں قسم کے گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کے صغائر
کو نیکیوں سے بدلدو جب وہ یہ معاملہ دیکھیں گے تو اس امید پر کہ کبائر بھی نیکیوں سے بدلدئے
جائیں، عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے تو کچھ بڑے بڑے گناہ بھی تھے جنکو ہم
یہاں (لکھا ہوا) نہیں دیکھتے (اس پر کبائر بھی نیکیوں سے بدلدیئے جائیں گے) ان کے ساتھ وہی
معاملہ ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم
حسنات کہ یہ وہ لوگ ہیں جنکے گناہ نیکیوں سے بدلدیئے جائیں گے،، یہ بھی ان لوگوں میں سے
ہیں جن پر فضل کیا جائیگا،،

دوسرے اور ہیں جنکی نیکیاں گناہوں پر راجح ہونگی یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں، دوسرے اور
ہیں جنسے قبر سے لیکر جنت کے محلوں میں پہونچنے تک اصلا حساب نہوگا جیسا آثار میں وارد ۱۸۸
ہوا ہے مثل شہداء وغیرہ کے، اور بعضے وہ ہیں جنسے (باقاعدہ) مناقشہ کے ساتھ حساب لیا جائیگا
یہ لوگ ہلاک ہوں گے یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے کیونکہ ہلاکت یعنی عدم کا وہاں تحقق نہوگا،
اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ویأتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت
اسکے پاس ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مریگا نہیں،، یعنی اسکو ایسی مصیبت پیش آئے گی کہ
دنیا میں ایسی مصیبت آتی تو مرجاتا لیکن وہاں ہر طرف سے وہ موت کی برابر مصیبت جھیلے گا
اور مرے گا نہیں اسی طرح ہلاکت کو سمجھ لو،،

اور جو لوگ وہاں ہلاک یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے ان کے بھی مختلف درجے ہیں ہر شخص کو اپنی
حالت کے موافق ہلاکت کا سامنا ہوگا الوجہ الاول قولہ علیہ السلام من حوسب عذب
ھل ھو علی عمومہ او علی الخصوص الی قولہ کل شخص بقدر حالہ،،

ف ہرچند کہ اس مضمون میں کوئی مسئلہ تصوف کا مذکور نہیں مگر چونکہ سالکین کو مراقبہ حساب
عموماً نافع ہوتا ہے اسلئے اس کا ترجمہ کردیا گیا اور حدیث صحیح میں وارد ہے انا عند ظن عبدی بی

Marfat.com

میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں یعنی جیسا گمان بندہ اللہ کے ساتھ قائم کرلیگا ویسا ہی معاملہ اسکی ساتھ ہوگا،، علامہ شعرانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ساتھ یہ گمان رکھوگے کہ تمکو بلا حساب جنت میں داخل کردیں گے تو انشاء اللہ تمھاری ساتھ یہی معاملہ ہوگا،، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہمکو بدون حساب ہی کے جنت میں پہونچادینگے

اللھم حقق ظننا بك وتفضل علينا برحمتك يا ارحم الراحمين،،

(۱۲۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سنے جو اسکی سمجھ میں نہ آئے تو اسکو دوبارہ پوچھنا چاہیے یہانتک کہ سمجھ میں آجائے،، یہ بات حدیث کی اس لفظ سے معلوم ہوئی،، کانت لا تسمع شيئا لا تعرفه الا راجعت فيه حتى تعرفه،، کہ حضرت عائشہ کسی بات کو سنتیں اور سمجھ میں نہ آتی تو اسکو دوبارہ دریافت فرماتیں یہانتک کہ سمجھ جائیں،، تو اگر یہ طریقہ سنت اسلام سے نہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو اس پر قرار نہ رکھتے،، اور حضرت عائشہ وہ ہیں جنکی بابت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خذوا عنها شطر دينكم کہ تم عائشہ سے دین کا آدھا حصہ لیلو،، (پس حضرت عائشہ خلاف دین کوئی کام نہیں کر سکتیں) مگر یہ سنت سب کیلئے نہیں ہے بلکہ ان کیلئے ہے جنھیں (مراجعت کی) اہلیت ہو ورنہ عوام کا منصب تو صرف سوال کرنے کا ہے جیسا بعض احادیث کے ضمن میں پہلے گذرچکا (جواب کے بعد مراجعت کا ان کو حق نہیں) الوجه الثاني فيه دليل على ان من السنة ان من سمع شيئا الى قوله وانما العوام وظيفتهم السوال كما تقدم في الاحاديث قبل،،۔

ف یہاں سے ان جاہلوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو علماء کے ذمہ اپنی ہر بات کا جواب لازم سمجھتے ہیں، ان کو جان لینا چاہیے کہ عوام کا منصب اس سے زیادہ نہیں کہ جو بات نہ معلوم ہو اسکو محقق عالم سے دریافت کرلیں اگر سوال ضرورت کا ہوگا اس کا جواب دیا جائیگا اور فضول ہوگا تو کہدیا جائیگا کہ یہ سوال بیکار ہے، اور جواب دینے کی صورت میں عوام کو اسپر اعتراض اور شبہ کرنیکا حق نہیں یہ حق اہل علم کو ہے البتہ اگر کسی عالم کے جواب سے تسلی نہوئی ہو تو دوسرے عالم سے پوچھنا چاہیے،، اور شیخ کے ساتھ بھی مرید کو مراجعت کا حق اسی وقت سے

Marfat.com

جبکہ مرید اہل اور صاحب علم ہو اور شیخ نے اسکو مراجعت کی اجازت دی رکھی ہو ورنہ اسکی ساتھ بحث و مباحثہ نکرے کسی دوسرے محقق سے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلے "

(۱۲۴) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراجعت حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ حضرت عائشہ نے یوں عرض کیا اولیس یقول اللہ تعالیٰ فسوف یحاسب حسابا یسیرا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ (بعض کا) حساب آسان لیا جائیگا " انھوں نے انکار (اور اعتراض) کی صورت ظاہر نہیں کی بلکہ آیت کو پیش کردیا (جس سے بظاہر حدیث کو تعارض تھا) تاکہ اس طرح ان کو فقہ کی بہت سی باتیں معلوم ہوجائیں جنمیں سے ایک تو یہی بات تھی کہ آیت کی تفسیر حضور سے معلوم ہوجائے جو سب سے زیادہ اسکے مطلب کو بخوبی جاننے والے ہیں دوسری آیت میں اور حضور کے ارشاد میں تطبیق کی صورت معلوم ہوجائے چنانچہ انکی مراد پوری ہوگئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آیت کا مطلب بھی بتلادیا اور آیت وحدیث میں تطبیق کی صورت بھی بیان فرمادی " الوجہ الثالث ان تکون المراجعۃ بحسن
۱۹۰ الادب الی قولہ وکیفیۃ الجمع بین الآی والحدیث ۔

(مراجعت بحسن ادب کرنا چاہیئے)

ف مراجعت کا حسن ادب کے ساتھ ہونا ہی شرط اولین ہے اور اسی کے فوت ہونے سے انسان مراجعت کا اہل نہیں ہوتا " بعض لوگ اعتراض اور استخفاف کے ساتھ مراجعت کرتے ہیں جس سے بعض دفعہ عالم یا شیخ کی تحقیر ہوتی ہے اور بعض دفعہ احکام الٰہیہ کی توہین ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے ان کو جواب نہیں دیا جاتا اب یہ لوگ اپنی خطا کو تو دیکھتے نہیں علما اور مشائخ کو بدنام کرنا شروع کردیتے ہیں کہ ان کو جواب دینا نہیں آتا یہ کسی سے نہ کہیں گے کہ ہمکو سوال کرنا نہیں آتا "

(۱۲۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معلم (اور شیخ) کے سامنے خود مستقل بنجانا (اور کسی نئے مسئلہ میں رائے قائم کرلینا) ممنوع ہے تاویل (اور اجتہاد) میں استقلال کا حق معلم کی غیبت میں ہے " یہ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنکر آپ کے سامنے آیت کو پیش کیا اور حضور کے ہوتے ہوئے خود کوئی رائے قائم نہیں کی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شارع بھی ہیں اور معلم بھی، پھر تشریع

(استاد اور شیخ کے سامنے خود مستقل بنجانا ممنوع ہے)

Marfat.com

(کا منصب) تو آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تعلیم کی میراث دوسروں کو بھی پہونچی ہے (پس جو حقوق تشریع کی بناء پر حضور کو حاصل ہیں وہ تو دوسروں کو حاصل نہیں اور جو حقوق معلم ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے ہیں وہ آپ کے خلفاء کے بھی حقوق ہیں جو منصب تعلیم کی وجہ سے اُن کو حاصل ہیں) الوجہ الخامس یوخذ منہ ان الاستبداد مع حضور المعلم ممنوع الی قولہ والتعلیم موروث عنہ،،

ف اسی ادب کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ ہمارے اکابر نے اپنے مشائخ کی حیات میں کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا بلکہ جسکو بیعت کیا وکالۃً شیخ کی طرف سے بیعت کیا، اسی طرح مشائخ کی حیات میں کسی کو خود خلافت نہیں دی بلکہ جسکو اجازت کا اہل سمجھا شیخ کی خدمت میں بھیجدیا کہ اسکو دیکھ لیا جائے اگر اہل ہو خلافت دیدی جائے،، نیز استاد اور شیخ کے ہوتے ہوئے کسی سائل کو مسئلہ بتلانا یا سالک کو ذکر و شغل بتلانا بھی خلاف ادب ہے یہ کام غیبت میں ہونے چاہئیں شیخ یا استاد کے سامنے بدون حکم کے خود پیشقدمی نہیں کرنا چاہئے ۱۲

(۱۲۶) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ جب کوئی ایسی بات سنتیں جو اُن کی سمجھ میں نہ آتی تو اس کے متعلق (دوبارہ) مراجعت (اور تحقیق) کرتیں یہ حکم جملہ امور کو عام ہے خواہ دنیوی ہوں یا اُخروی ؟ یا صرف امور آخرت ہی کے ساتھ خاص ہے،، جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے کیونکہ تحقیق (کا شوق) خصائل حمیدہ اور اخلاق عالیہ میں سے ہے جس سے انسان کو سرداری اور بلندی حاصل ہوتی ہے چنانچہ حضرت سیدہ صدیقہ انہی لوگوں میں سے ہیں جنکو مرتبہ عالیہ اور سرداری کا بلند درجہ حاصل تھا، اور مثل مشہور ہے قیمۃ المرأ ما یحسن آدمی کی قیمت یہی ہے کہ جو کام کرے اچھی طرح کرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ملاقات ایک اعرابی سے ہوئی تو آپ کو اسکی حالت پر تعجب ہوا، اس سے دریافت فرمایا کہ یہ حالت تجھکو کس بات سے حاصل ہوئی اس نے کہا میں جب کوئی ایسی بات سنتا جس کا مجھے علم نہوتا تو اسکی تحقیق کرتا تھا یہاں تک کہ (اچھی طرح) سمجھ جاتا، اور جس چیز کا مجھے علم ہوتا اُسکے ایسے شخص کو نہیں بتلاتا تھا جو اسکے سمجھنے کا اہل نہیں، حضرت علی نے فرمایا کہ (واقعی) تو اسی بات سے سرداری کے درجہ کو پہونچ گیا ہے

Marfat.com

علمار نے فرمایا ہے من درس رأس ومن عرف ارتفع جو پڑھتا ہے وہ سردار بنجاتا ہے اور جو معرفت حاصل کرلیتا ہے بلند ہوجاتا ہے ،، یہاں ایک بات سمجھنے کی یہ بھی ہے کہ حدیث میں مراجعت کا ذکر ہے انکار (واعتراض) کا لفظ نہیں ہے کیونکہ مراجعت کا حاصل تو یہ ہے کہ اُس بات میں تردد اور شبہ کا اظہار کیا جائے تاکہ دوسرا حق اور باطل کو (اچھی طرح) واضح کردے اور انکار یہ ہے کہ اُسکو ایک دم سے رد کردیا جائے ،، اور جسکو عقل ہوگی وہ ایسی بات کو جو اسکی سمجھ میں ہی نہیں آئی ہے مطلقا رد نہ کرے گا جب تک اُسکی تحقیق نہ کرلے اور حق وباطل کو (اچھی طرح) نہ سمجھ جائے کیونکہ ممکن ہے اُس میں کوئی جزو حق ہو یا کوئی منفعت ہو اگر اُسمیں کوئی جزو حق ہوا یا کوئی منفعت ہوئی تو اُسکو مان لیگا ورنہ سمجھنے کے بعد رد کردے گا ،، جہل کی حالت میں کسی بات کو رد کرنا بھی جہل و نادانی کی علامت ہے، کیونکہ بعض دفعہ اُسمیں کوئی مصلحت ہوتی ہے جسکی اسکو خبر نہیں تو اس کا رد کرنا اور حقیقت سے جاہل رہنا اس منفعت سے محرومی کا سبب ہوگا، اسلئے حضرات علمار نے فرمایا ہے من جهل شيئا عاداه (والناس اعداء ماجهلوا) جو جس بات سے جاہل ہوتا ہے اُس کا دشمن ہوتا ہے، یہ تو اُسوقت ہے جبکہ وہ بات کلام نبوت سے نہو (کہ اُسکو بدوں سمجھے بوجھے رد کرنے میں مصلحت اور منفعت سے محرومی اور اپنی نادانی کا اظہار ہے) اور اگر کلام نبوت سے ہو تو اُسمیں مراجعت (اور تحقیق) اسلئے ضروری ہے کہ اُس کے اندر جو فوائد اور حکمتیں و انوار ہیں اُن کا علم ہوجائے کیونکہ وہ تو سراسر خیر ہی خیر ہے (اسلئے اُسکا سنتے ہی رد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سمجھنے کے بعد بھی اُس کا رد جائز نہیں ہاں تحقیق کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور دوسری حدیث اسکے خلاف صحیح ہے یا یہ منسوخ ہے اگر نسخ ثابت ہو یا اس کا محمل یہ ہے اور دوسری حدیث کا محمل یہ ہے خوب سمجھ لو) قوله في الوجه الثامن ويردهنا سؤال الى قوله لانه خير كله ،،

(۱۲۷) حدیث میں اُس بحث و مناظرہ کی ممانعت پر بھی دلیل ہے جو آجکل بعض لوگوں میں رائج ہے کیونکہ ان لوگوں کا قصد سوا اسکے کچھ نہیں ہوتا کہ خصم کو لاجواب (اور خاموش) کردیا جائے چنانچہ اُن کا جواب (خصم کے مقابلہ میں اکثر) یہ ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے یا (دلیل کا فلاں مقدمہ) ممنوع ہے، حالانکہ وہ خصم کے قول کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھتے اور آداب مناظرہ سے

آجکل کے بحث و مناظرہ کا بدعت ہونا

(باقی آئندہ)

Marfat.com

جاہل ہونے کی وجہ سے فائدہ سے محروم رہ جاتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات علماء کا ارشاد ہے کہ ہم کسی سے مناظرہ کرتے ہوئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ حق ہماری ہی زبان سے نکلے بلکہ ہمارا قصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حق کو ظاہر کردیں خواہ ہماری زبان سے ظاہر ہو یا دوسرے کی زبان سے کیونکہ حکمت مسلمان کا گم شدہ مال ہے وہ جس کے ہاتھ سے بھی ملجائے خوشی کی بات ہے اور جو شخص اپنے مقابل کی بات کو بدون سمجھے رد کرتا ہے اس پر فقہ کی رو سے دو مفسدے مرتب ہوتے ہیں کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مقابل کی بات حق تھی جسکو لانسلم اور ممنوع کہکر رد کیا گیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت میں ہے یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور یہ حرام وممنوع ہے، یا اسکی بات غلط اور منکر تھی جسکو بدون سمجھے رد کردیا گیا اور منکر کا بدلنا (یا رد کرنا) معرفت کے بعد ہی جائز ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ منکر کی تغییر (اور تغلیط) اسی وقت جائز ہے جبکہ اس کا منکر ہونا معلوم ہوجائے تو یہ انکار کرنے والا ان دو صورتوں پر کیونکر جرأت کرتا ہے حالانکہ ان میں جو کچھ خطرہ ہے ظاہر ہے
۱۹۳ خصوصاً جبکہ اسکے ساتھ حظ نفس اور غلبہ اور فخر کی طلب بھی شامل ہو، اسوقت تو یہ شقاوت در شقاوت کے سوا کچھ نہیں" اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمکو اس سے بچائیں"۔

اسی کے قریب ایک اور صورت ہے جسکو بعض لوگ آجکل عقلمندی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت بری حالت ہے وہ یہ کہ کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے علم کا کوئی خاص حصہ عطا فرمایا ہو جسکو دوسرے نہیں جانتے ان کے ساتھ بعض لوگ اس علم میں اس غرض سے بحث کرتے ہیں تاکہ ان کو یہ بتلادیں کہ ہم بھی اس فن کو جانتے ہیں اور یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ ان کے سامنے اپنے کو پست کردیں اور یوں کہیں کہ حضرت ہمکو یہ مسئلہ بتلادیجئے"، تو اس میں چند وجوہ سے خطرہ ہے ایک تو جھوٹ بولنے کا کیونکہ یہ بحث کرنے والا زبان حال سے یہ بتلاتا ہے کہ میں اس علم کو جانتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ (ہے کہ اسکو اس علم کی ہوا بھی) نہیں (لگی) دوسرے اپنے سے زیادہ علم والے کی تنقیص تیسرے اس (علم اور اس) مسئلہ کی تحقیر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی علم عطا فرمایا ہے اسکی تحقیر نکرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اسکو علم دیا ہے تو اسکو حقیر نہیں بنایا (بلکہ معظم ومکرم بنایا ہے اور جسکو خدا نے عظمت دی

Marfat.com

اُسکو حقیر کرنا بڑا سنگین جرم ہے) نیز ائمہ دین کا ارشاد ہے کہ جسکو تم تعلیم دو اسکے ساتھ بھی تواضع کرو اور جس سے علم حاصل کرو اسکے سامنے بھی تواضع کرو کیونکہ تواضع علم کا ادب ہے، اور جو شخص علم کے ادب کو چھوڑتا ہے وہ بہت کم کامیاب ہوتا ہے یا علم کو علم کے طریقہ پر حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اس سے محروم رہ جاتا ہے" تو دیکھو حدیث کا یہ جملہ کیسا عمدہ ہے کہ جس بات کو حضرت عائشہ نہ سمجھتیں اس میں دوبارہ مراجعت کرتیں جس سے معلوم ہوا کہ مراجعت انکار کو بھی شامل ہے (اگر مقصود انکار نہیں بلکہ معرفت مقصود تھی) پھر جب وہ مراجعت کے بعد حقیقت کو سمجھ جاتیں تو خاموش ہو جاتیں، غرض اُن کا مقصود تو یہ تھا جو کہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے مگر جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا اُن کے نزدیک تو بس فائدہ یہی ہے کہ لا اسلم اور ممنوع کہکر خصم کو بند کر دیا جائے تاکہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں نے فلاں کو بند کر دیا یا اُسے خاموش اور لاجواب کر دیا فانا للہ وانا الیہ راجعون کیسا قلب حقیقت ہوا ہے کہ معروف منکر ہو گیا اور منکر معروف (اچھی بات بری اور بری اچھی ہو گئی زمانہ ہی بدل گیا حقائق میں انقلاب ہو گیا فالی اللہ المشتکی) الوجہ التاسع فیہ دلیل علی منع بعض البحوث الی قولہ ورد المعروف منکرا و المنکر معروفا"۔ ۱۹۴

ف حضرات صوفیہ کو مناظرہ سے بہت نفرت ہے کیونکہ آجکل مناظرہ مناظرہ نہیں رہا بلکہ مجادلہ بنگیا ہے، جب حضرت مصنف کے زمانہ میں یہ حالت تھی تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا جسمیں خلوص و اخلاص کا نام ہی نام رہ گیا ہے" البتہ اگر کسی جگہ کفار نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا ہو اور اس سے پہلوتہی کرنے میں عوام اہل اسلام کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو حفاظت اہل اسلام کیلئے کفار سے مناظرہ کرنا جہاد میں داخل ہے اور کفار سے مناظرہ کرنے میں خصم کو لاجواب اور خاموش کرنے کی نیت ممنوع نہیں کیونکہ اس قسم کے مناظرہ سے کفار کو تحقیق حق مقصود نہیں ہوتی محض ہارجیت مقصود ہوتی ہے پھر ہارجیت کا فیصلہ عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو وہاں ایسی علمی تحقیقات بیان کرنا فضول وعبث ہے جو عوام کی فہم سے بالاتر ہوں اس موقعہ پر تو ایسی ہی باتیں بیان کیجائیں جو عوام کی سمجھ میں آجائیں اور خصم لاجواب اور خاموش ہو جائے ۱۲ ظ۔

(۱۴۸) اس حدیث میں صوفیہ (کی ایک حالت) پر بھی اشارہ ہے کیونکہ یہ مناقشہ ہی وہ چیز ہے جس نے اُن کو متاع دنیا سے بے رغبتی پر ابھارا ہے (یعنی حساب قیامت ہی کے خوف سے

Marfat.com

وہ دنیا کے تعلقات اور ساز سامان سے الگ تھلگ رہتے ہیں کیونکہ جتنا کوئی دنیا میں پھنسے کا اتنا ہی حساب طویل ہوگا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس طرف (صاف طور سے) اشارہ فرمایا ہے جب ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت کیجئے مگر لمبی چوڑی نہو آپ نے فرمایا" ایسی بات نہ کہو جس سے قیامت میں تمکو معذرت کرنا پڑے"، تو حضرات صوفیہ نے بات کرنے میں اس وصیت پر عمل کیا تاکہ ان کی ہر بات سچی ہو اور ان کا حساب درگذر اور چشم پوشی کے طور پر ہو (مناقشہ اور نکتہ چینی کی صورت سے نہو) اللہ تعالیٰ ہمکو بھی ان لوگوں میں سے کرے جن سے درگذر ہوا اور انہی کے کامیاب راستے اور سیدھے طریقہ میں چلائے (آمین) الوجہ الحادی عشر فی الحدیث اشارۃ صوفیۃ الی قولہ وسلك بنا مسلکھم الرشید وسنتھم السدید"۔

ف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو زبان کی حفاظت کا حکم فرمایا کیونکہ عام طور پر لوگ زبان کے گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے تو جب زبان کی حفاظت کا اسقدر اہتمام ہے تو دوسرے اعضا

۱۹۵ کی حفاظت کو اسی پر قیاس کرلیا جائے"، مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ایسا نکرو جس سے قیامت میں معذرت کرنا پڑے"۔ سبحان اللہ! حضور کو اللہ تعالیٰ نے کیسی بلاغت اور جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں کہ دو لفظوں میں وہ بات ارشاد فرمائی جسکی شرح کیلئے دفتر بھی ناکافی ہیں"

ف حضرات صوفیہ نے جملہ اعضا کی حفاظت کیلئے تین چیزوں کی حفاظت پر زیادہ زور دیا ہے یعنی آنکھ، کان، اور زبان کی حفاظت"، تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص ان تین کو خلاف شرع امور سے بچائے گا وہ تمام اعضا کی حفاظت بخوبی کر سکے گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرتا اس کو ذکر و شغل اور مجاہدات و مراقبات بھی کچھ نفع نہیں دیتے مولانا فرماتے ہیں ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند | گر نہ بینی نور حق بر ما بخند"

۱۶ شانزدہم حدیث القتال فی سبیل اللہ

ابو موسی (اشعری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ ہمارے

Marfat.com

بعض تو (کفار کے ظلم وستم پر) غصہ کی وجہ سے لڑائی میں حصہ لیتے ہیں اور بعض حمیت (قومی) کی وجہ سے لڑتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف سر اٹھا کر فرمایا راوی کہتے ہیں کہ آپ نے سر اسلئے اٹھایا کہ وہ شخص کھڑا ہوا تھا کہ جو شخص اس غرض سے جہاد کرے کہ اللہ کا بول بالا ہو اُسی کا جہاد اللہ کے راستہ میں ہے"

شرح - ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اسی نیت سے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو (اور کسی نیت یا کسی غرض سے نہیں ہو سکتا) اور اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے"

(۱۲۹) حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے کو بڑے کا پکارنا کسی ضرورت یا مشکل کے وقت جائز ہے، کیونکہ اس اعرابی نے صحابہ کے سامنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (کو یا رسول اللہ کہکر پکارا اور آپ) سے سوال کیا اور صحابہ کرام اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل تھے پھر کسی نے بھی اس اعرابی کے سب کے درمیان آواز بلند کرنے پر انکار نہیں کیا، نہ اس بات پر انکار کیا کہ اُس نے سب کو چھوڑ کر خود اپنی حاجت کے متعلق کیوں سوال کیا (کسی مقرب بارگاہ کو واسطہ کیوں نہ بنایا) اگر یہ صورت جائز نہ ہوتی تو شارع علیہ السلام اسکی کسی بات پر سکوت نہ فرماتے (بلکہ جواب دینے سے پہلے غلطیوں پر متنبہ فرماتے کہ بات کرنیکا یہ طریقہ نہیں جو تو نے اختیار کیا) الوجہ الثانی فیہ دلیل علی جواز مناداۃ المفضول للفاضل الی قولہ لما اقرہ الشارع علیہ السلام علی شیء من ذلک"

ف حضرات صوفیہ کا بھی طریقہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اپنے سے بات کرنے کا موقعہ دیتے ہیں کسی واسطہ کے ذریعہ سے بات کرنے پر مجبور نہیں کرتے، نیز وہ اس سے بھی ناراض نہیں ہوتے کہ کوئی انکا نام لیکر اُن کو پکارے یا بلند آواز سے خطاب کرے بشرطیکہ محبت وادب کو ہاتھ سے نہ دے۔

(۱۳۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (اپنے اعمال میں) جو علتیں (اور نفسانی اغراض) واقع ہوتی ہوں جاننے والے کو انہیں ظاہر کرنا چاہئے تاکہ مخاطب اُن میں سے (غرض) فاسد اور (غرض) صالح کو (الگ الگ) بتلا دے چنانچہ اس اعرابی نے اول تو یہ کہا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ اسکے بعد لڑائی کی اُن تمام صورتوں کو ظاہر کر دیا جنکی بنا پر لڑائی کرنے کی عرب کو عادت تھی" الوجہ الثالث قولہ ما القتال فی سبیل اللہ فیہ دلیل علی ابداء العلل الی قولہ کانت

ضرورت کے وقت چھوٹے کا بڑے کو پکارنا جائز ہے

۱۹۶

اپنے اعمال میں جو علتیں اور نفسانی اغراض معلوم ہوں انکو ظاہر کر دینا چاہئے

Marfat.com

عادۃ العرب یقاتلون علیہا"

ف عرب کے ان پڑھ دیہاتی بھی حضور کے زمانہ میں سوال کرنے کا ادب جانتے تھے اور آجکل پڑھے لکھے تعلیمیافتہ بھی بات کرنیکا سلیقہ نہیں رکھتے چنانچہ عموماً ان کا سوال ناقص ہوتا ہے جس سے دوسرے کو یہی معلوم نہیں ہوتا کہ سوال کی وجہ کیا ہے اور اس سوال کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اور بہت لوگ اس جہل میں گرفتار ہیں کہ شیخ کے سامنے امراض نفسانی کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں وہ خود ہی نور بصیرت سے سب کچھ معلوم کرلیں گے، حضرات صحابہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عالم الغیب نہ سمجھتے تھے بلکہ اپنے اعمال کی خرابیاں صاف صاف عرض کرکے احکام معلوم کرتے تھے، یہ لوگ مشائخ کو عالم الغیب سمجھکر بیفکر بیٹھے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یاد رکھو کہ شیخ کے نور بصیرت کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کے عیوب و امراض پر مطلع ہوا کرے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ امراض کا علم ہونے کے بعد ان کی اصلاح کا صحیح طریق اور بہترین علاج تجویز کرے ۱۲ ظ۔

197 (۱۳۱) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال ظاہرہ کی خصوصیت نیت ہی پر مبنی ہے (یعنی اگر نیت درست ہے تو اعمال ظاہرہ درست ہیں ورنہ ظاہر کا اعتبار نہیں) یہ بات اس سے معلوم ہوئی کہ جب سائل نے ان صورتوں کو جن پر لوگ لڑائی میں حصہ لیتے تھے شمار کیا تو حضور نے فرمایا کہ اعتبار نیت کا ہے ظاہری صورت کا اعتبار نہیں۔

یہاں ایک بات قابل تحقیق ہے، وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اس غرض سے لڑتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو کسی اور غرض نہیں لڑتا جن کا حدیث میں ذکر ہے وہی اللہ کے راستہ میں ہے"

تو کیا اللہ کے راستہ میں جہاد اسی وقت ہوگا جبکہ ماسوا کا بالکل قصد نہ ہو مقصود اللہ کے سوا کچھ نہ ہو" یا یہ کہ جب اصل مقصود اللہ کا بول بالا کرنا ہو تو دوسرے مقاصد کی پروا نکی جائے گی اگر کسی درجہ میں ان کا بھی قصد ہو) امام مالک رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکو مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھیں اور یہ نہیں چاہتا کہ اسکو بازار کی طرف جاتا ہوا دیکھیں تو فرمایا کہ یہ خواہش مضر نہو گی جبکہ عمل خالص اللہ کے واسطے شروع کیا جائے پس جواب کا

Marfat.com

حاصل یہ ہے کہ عمل میں چند صورتوں کا احتمال ہے جن میں سے ہر صورت کا حکم جدا ہے، ایک صورت تو جو کہ بالاتفاق سب سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ عمل خالص اللہ کے واسطے ہو اور اللہ کے سوا کسی چیز کا ...... اس میں شمول نہو، دوسرے یہ کہ جہاد کا ولولہ پیدا کرنیوالی تو اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز تھی جن کا حدیث میں ذکر ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بات ہو مثلاً طبعی عادت نے جہاد پر برانگیختہ کیا ہو پھر جہاد شروع کرنے وقت یہ شخص نیت کو تمام خیالات سے خالی کر کے اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کیلئے خالص کرلے تو یہ بھی حدیث کی تصریح کے موافق اللہ ہی کے واسطے ہے کیونکہ ارادہ کو برانگیختہ کرنیوالی چیز پر اسی وقت التفات کیا جاتا ہے جبکہ وہ عمل کے وقت تک موجود رہے یہانتک کہ عمل اسی کی وجہ سے اور اسی کے واسطے ہو (اور اگر عمل کے وقت تک موجود نہ رہی تو اسپر التفات نکیا جائیگا) کیونکہ اعتبار اقرب فالاقرب کا ہے (تو جو نیت عمل سے متصل ہوگی عمل کو اسی کے تابع کیا جائیگا ابعد کے تابع نکیا جائیگا) تیسرے یہ کہ جہاد دوسری اغراض کیلئے بھی ہو اور اللہ کے لئے بھی ہو (دونوں نیتیں عمل کے ساتھ موجود ہوں) تو یہ اللہ کے واسطے کسی درجہ میں بھی نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب عمل میں غیر اللہ کی شرکت ہو تو قیامت کے دن اللہ ۱۹۸
جل جلالہٗ اسکے عامل سے فرمائیں گے کہ میں سب سے زیادہ شرکت سے غنی ہوں جاؤ میرے غیر سے ثواب مانگو (جسکو میرے ساتھ عمل میں تم نے شریک کیا تھا) چوتھی صورت یہ ہے کہ جہاد ان ہی اغراض میں سے کسی غرض کیلئے ہو جن کا اوپر ذکر ہوا ان کے سوا کوئی غرض نہو تو اس شخص کو اسکے فعل اور نیت کے موافق گناہ ہوگا یا اگر قواعد شرع کے موافق نیت مباح تھی تو فعل مباح ہوگا (باقی ثواب کسی صورت میں نہوگا جبکہ اللہ کا بول بالا کرنے کی نیت نہ تھی) الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان تخصیص الظواھر لا یکون الا بالنیات الی قولہ بحسب قواعد الشرع فی کل قضیۃ

ف ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی اول ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت ہو جاتی ہے اھ اور حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم کا ارشاد ہے کہ عمل کے ساتھ نیت کے تین درجے ہیں بشرط شئے، بشرط لا شئے" لا بشرط شئے، تیسرا درجہ بھی خلوص میں داخل ہے مگر ادنیٰ درجہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل کے وقت کوئی نیت حاضر نہو نہ اللہ کیلئے عمل کی نہ ماسوا کیلئے بلکہ خالی الذہن ہو کر بطور عادت کے عمل کیا جائے، اور پہلا درجہ محض ہے

Marfat.com

اگر ماسوا اللہ بشرط شئے کے درجہ میں ہو یعنی ماسوا اللہ کا قصد کیا جائے " اور اگر اللہ کیلئے عمل کا قصد کیا جائے اور وہی بشرط شئے کے درجہ میں ہو اور ماسوی اللہ شروع ہی سے بشرط لا شئے کے درجہ میں ہو یعنی اسکی نفی کردی جائے تو یہ خلوص کا اعلیٰ درجہ ہے، اور اگر ماسوی اللہ اولاً بشرط شئے کے درجہ میں تھا پھر اسکی نفی کردیگئی اور بشرط لا شئی کے درجہ میں ہوگیا تو یہ بھی خلوص میں داخل ہے مگر یہ درجہ متوسط ہے، امید ہے کہ اہل علم اسکو سمجھ جائیں گے " بہر حال خلوص کے منافی صرف ایک صورت ہے کہ ماسوا اللہ مقصود ہو اور عمل کے وقت تک مقصود رہے اور وسوسہ قصد میں داخل نہیں، اگر قصد اللہ کیلئے ہو اور ماسوی اللہ وسوسہ کے درجہ میں ہو وہ اصلاً مضر نہیں کیونکہ وسوسہ غیر اختیاری ہے ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا، پھر فرمایا کہ ریا خود کسی کو نہیں لپٹتی بلکہ لپٹانے سے لپٹتی ہے، اگر کوئی خود ماسویٰ اللہ کا قصد نہ کرے لیکن وسوسہ ماسویٰ اللہ کا آتا ہو تو یہ ریا نہیں خوب سمجھ لو وھذا مما تفرد بتحقیقہ فی

199 هذا العصر فللہ درہ من حکیم واللہ تعالیٰ اعلم ویؤیدہ کلام ابن ابی جمرۃ ایضاً کما لا یخفی علی الفطن العارف "۔

(۱۳۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جس سے کچھ سوال کیا جائے وہ جواب کے وقت سائل کی طرف منہ کرکے بات کرے کیونکہ صحابی نے کہا ہے کہ حضور نے سائل کی طرف سر اٹھا کر دیکھا، پھر صحابی نے اسکی وجہ بتلائی کہ آپ نے سر اسلئے اٹھایا کہ سائل کھڑا ہوا تھا، الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان من السنۃ ان یواجہ المسئول السائل بوجہ الی قولہ انما رفع الیہ رأسہ لانہ کان قائماً "۔

(۱۳۳) حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقار پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ حضرات صحابہ کو حضور کے وقار کا علم تھا کہ آپ بفائدہ بدون ضرورت کے (کسی طرف) التفات نہ فرماتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو راوی کو اس علت کے بیان کی ضرورت نہ ہوتی جسکی وجہ سے حضور نے سر اٹھایا تھا کہ سائل کھڑا ہوا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ (انسان کو) اپنے اعضا کی حفاظت کرنا چاہئے کہ بفائدہ بدون ضرورت کے ان سے کام نہ لیا جائے الوجہ الحادی عشر والثانی عشر فیہ دلیل علی وقار النبی صلے اللہ علیہ وسلم الی قولہ لما تقدم فی تعلیل رفع راسہ علیہ السلام

Marfat.com

ف حضرات صوفیہ کو اس کا بہت اہتمام ہے جیسا مشاہد ہے۔

(۱۳۴) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب خبر دینے والا کوئی ایسی بات بیان کرے جو (انکے نزدیک) معروف نہو تو اسکو اپنی بات پر دلیل قائم کرنا چاہیئے جس کے بعد لوگ انکی تصدیق کر سکیں چنانچہ صحابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سر اٹھانے کی وجہ بیان کردی (کہ سائل کھڑا تھا) اگر وہ ایسا نکرتے تو شاید صحابہ انکی بات کو قبول نکرتے یا مانتے ہیں توقف کرتے کیونکہ ان کا علم اس کے خلاف تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت کے ایسا نہیں کرتے تھے) تو راوی نے علت کو اسلئے بیان کیا کہ ان کی حدیث کی تصدیق سے ایک قاعدہ شرعیہ کی بنیاد قائم ہوئی تھی (کہ اگر سائل نے کھڑے ہوکر سوال کیا ہو تو جواب میں سر اٹھاکر اسکی طرف متوجہ ہونا چاہیئے) پس انھوں نے اس (شرعی مصلحت کی) وجہ سے احتیاط پر عمل کیا تھا اپنے نفس کی وجہ سے (ایسا) نہیں (کیا) الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان المخبر اذا اخبر بشیٔ لا یعرف الی قولہ لا من اجل نفسہ "

(۱۳۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال (یعنی دریافت کرنا) ہر حالت میں جائز ہے بیٹھ کر بھی کھڑے ہو کر بھی، کیونکہ صحابی کا اس جگہ یہ کہنا کہ سائل نے کھڑے ہوکر سوال کیا تھا یا حضور کے سر اٹھانے کی علت میں اسکو ظاہر کرنا بتلا رہا ہے کہ (کھڑے ہوکر دریافت کرنا بھی جائز ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ) عام دستور بیٹھ کر سوال کرنا تھا، بہر حال جب اس موقعہ پر صحابی نے قیام کا ذکر کیا ہے تو اس سے ہر حالت میں سوال کی اجازت معلوم ہوگئی، اور اگر عام دستور کھڑے ہوکر دریافت کرنے کا ہوتا تو اس جگہ قیام کا ذکر بیفائدہ ہوتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے منزہ ہیں (وہ فضول باتیں نہیں کیا کرتے تھے) الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی جواز السؤال علی کل الاحوال الی قولہ والصحابۃ رضی اللہ عنہم منزھون عن ذلک۔

ف لیکن اگر قرائن سے یہ معلوم ہوجائے کہ کھڑے ہوکر بات کرنے سے مخاطب پر گرانی ہوگی تو بیٹھ کر ہی بات کرنا چاہیئے کیونکہ بلا وجہ کسی کے دل پر بوجھ ڈالنا ممنوع ہے۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ فضول باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ جو بات کرتے

(باقی آئندہ)

[حاشیہ: جب کوئی ایسی بات کہی جائے جو معروف کے خلاف ہو تو اس پر دلیل قائم کرنا چاہیئے]

۲۰۰ [حاشیہ: ہر حالت میں سوال کرنا کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر پوچھنا جائز ہے]

[حاشیہ: فضول باتیں نہ کرنا چاہیئے]

Marfat.com

ضرورت اور حاجت کے موافق کرتے تھے، حضرات صوفیہ کو بھی حفظ لسان کا بہت اہتمام ہے بعض اکابر طریق نے ادنیٰ سی فضول بات پر برسوں ندامت و استغفار کیا ہے قال العارف ؂

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

آنکھ کان اور زبان کی حفاظت ثمر انوار و برکات ہے اور ان میں بے احتیاطی سالب انوار و موجب ظلمات ہے اللھم احفظنا"

(۱۳۶) اس جگہ ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے کیونکہ صوفیہ بھی جہاد میں مشغول ہیں یعنی جہاد نفس میں اور یہی بڑا جہاد ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے جب آپ ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ھبطتم من الجہاد الاصغر[۵۰] الی الجہاد الاکبر، کہ تم اب جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف اتر آئے ہو غرض جہاد اکبر نفس سے جہاد کرنا ہے، پس ان کا یہ جہاد بھی اسی واسطے ہونا چاہئے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اسکی صفات غالب ہوں" جیسا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا بندہ نوافل کے ذریعہ برابر (میرا) قرب حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب اسکو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ لیتا دیتا ہے" (یعنی جب بندہ مراد و محبوب بنجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے تمام اعضاء کو مخالفت و معصیت سے محفوظ کر دیتے ہیں اب اس کے اعضاء سے وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے پس یہ مقام حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ کرنا چاہئے اور اسی کو مقصود بنانا چاہئے) حضرات فضلا (اور محققین) صوفیہ کا یہی طریق ہے، اور بعض جہلا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پے درپے روزے اور مجاہدات اسلئے کرتے ہیں کہ کچھ خرق عادات اور کرامات حاصل ہو جائیں

---

[۵۰] عن جابر قال قدم علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم قوم غزاۃ فقال قدمتم خیر مقدم قدمتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر مجاہدۃ العبد ھواہ رواہ الدیلمی وعن ابی ذرۃ قال قلت یارسول اللہ ای الجہاد افضل قال ان یجاہد الرجل نفسہ وھواہ رواہ ابن النجار کذا فی کنز العمال صـ۲۶۷ ج ۲ قلت وہذا ان لم تعرف صحتہ من حیث الاسناد فلہ مؤید من قولہ صلے اللہ علیہ وسلم والمجاہد من جاہد نفسہ فی طاعۃ اللہ رواہ الحاکم وصححہ کما فی شرح الاحیاء للعراقی صـ۱۷۱ ج ۲ -

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ شعبان ۱۳۵۷ ہجری

یہ لوگ محققین کے نزدیک نرے جاہل ہیں"، اور بعض نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (یعنی اُن کا مقصود اللہ کی عبادت نہیں بلکہ دنیوی غرض ہے اگر وہ حاصل ہو گئی تو خوش ہوتے ہیں اور وہ نہ ملی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو گیا تو الٹے ہی لوٹ جاتے ہیں پھر نہ نماز رہتی ہے نہ روزہ) بھلا اس صورت میں مجاہدہ اور عبادت سے کیا فائدہ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں، ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم، اللہ تعالیٰ تمکو عذاب کرکے کیا لیں گے اگر تم شکر کرتے رہو اور ایمان پر رہو (جس سے معلوم ہوا کہ عذاب سے بچانے والی دو چیزیں ہیں ایمان اور شکر، کشف و کرامات کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں) اسکی ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی پیش نظر رکھو والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کیلئے اپنے راستے کھولدیتے ہیں) تو تم پر اس بات کی حقیقت واضح ہو جائے گی جو میں نے تمکو بتلائی ہے
(جس کا حاصل یہ ہے کہ مقصود تحصیل شکر و ایمان ہے اسی کا قصد کرنا چاہئے اور جو شخص خالص ۲۰۲
اللہ کے واسطے مجاہدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسی پر اپنا راستہ کھولدیتے ہیں یعنی مقامات قرب میں ترقی عطا فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے واسطے مجاہدہ نہ کرے کسی اور غرض سے مجاہدہ کرے اُسکے لئے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے راستے نہیں کھولتے پس طالب خدا کو صرف اُسی کیلئے مجاہدہ کرنا چاہئے کسی اور غرض سے نہ کرنا چاہئے) وفقنا اللہ لذلک بمنہ اھ الوجہ السابع عشر هنا اشارۃ صوفیۃ لان الجهاد عندهم هو جهاد النفس"

ف حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کیلئے جہاد ممنوع ہے، جہاد شرعی وہ ہے جو محض دین کیلئے ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسا جہاد صرف مسلمان اور اُن میں بھی صرف مخلصین کر سکتے ہیں پس جس جہاد میں کافر و مسلم دونوں شریک ہوں وہ جہاد شرعی نہیں بلکہ دنیوی جدوجہد ہے کیونکہ کفار اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اسلام کیلئے جہاد نہیں کر سکتے، البتہ اگر غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہو کفار اُن کے تابع اور ماتحت ہوں تو اس صورت میں اسلامی جہاد دونوں سے ملکر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اعتبار غالب کا ہے مغلوب کالعدم ہے اور جہاں غلبہ کفار کو ہو وہاں دونوں کی شرکت

دنیا کیلئے جہاد ممنوع ہے جہاد شرعی صرف دین کیلئے ہی ہو سکتا ہے

Marfat.com

سے اسلامی جہاد نہیں ہوسکتا، پس جو شخص اس صورت کو بھی اسلامی جہاد بتلائے وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے خوب سمجھ لو۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کشف وکرامات وخرق عادات کو ولایت و قرب میں کچھ دخل نہیں نہ یہ امور مقاصد شریعت سے ہیں پس جو لوگ اذکار و اشغال و مراقبات میں ان چیزوں کے قصد سے مشغول ہوتے ہیں وہ طالب حق نہیں بلکہ طالب دنیا ہیں، اور سلوک میں زیادہ پریشانی سالکین کو انہی چیزوں کے حاصل نہ ہونے سے ہوتی ہے حالانکہ ان کا طالب و منتظر ہونا ہی خود سلوک کے منافی ہے خوب سمجھ لو۔"

ہفدہم [۱۷] حدیث الرجل یخیل لہ انہ یجد ریحا وہو فی الصلٰوۃ

عباد بن تمیم رضی اللہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کا حکم دریافت کیا جسکو نماز میں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ وہ کچھ (ہوا یا ریح کا اثر) پاتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے نماز (پڑھنے) سے نہ ہٹے (بلکہ برابر نماز ۲۰۳
میں مشغول رہے)

شرح ظاہر حدیث اس بات پر دال ہے کہ جس شخص کو کسی شے کا خیال (وسوسہ) آتا ہو وہ نماز کو قطع نہ کرے جب تک آواز یا بدبو نہ پائے" اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنی ہیں۔

(۱۳۷) حدیث میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب بندہ دربار عالی کی طرف متوجہ ہو تو اسکو بشریت اور عوارض بشریت پر التفات نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ نقصان حال کی دلیل ہے" ہاں اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جس پر یقین ہو جائے تو وہ حکم ربانی ہوگا جس پر عمل کرنا واجب ہوگا" اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشاب پاخانہ کے تقاضا کے وقت نماز سے منع فرمایا ہے (تاکہ بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہونے کے وقت عوارض بشریت پر التفات نہ ہو)" قولہ الوجہ الرابع ھذا اشارۃ لطیفۃ الی قولہ مع مدافعۃ الاخبثین"۔

(۱۳۸) حدیث سے دو باتیں اور معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ تھوڑا سا خطرہ جس سے نماز میں تشویش ہو جائے معاف ہے، دوسرے یہ کہ نماز کے وقت دل دل میں ایسے امور کے متعلق باتیں کرنا جو صلاح نماز

Marfat.com

سے تعلق رکھتے ہیں جائز ہے" یہ بات حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوئی "یخیل الیہ انہ یجد الشیٔ
کہ اسکو خیال ہوتا ہے کہ وہ کچھ (ہوا یا ریح کا اثر) پاتا ہے کیونکہ جب اسکو (اس قسم کا) خیال آئیگا تو اس
سے (شرعًا) کہا جائیگا کہ اس معاملہ میں غور کر کہ تجھے اس کے متعلق کیا حکم ہے اور کیا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر
ہے کہ) حکم معلوم کرنے کیلئے یہ سب کچھ سوچنا حدیث النفس ہی تو ہے، اور نادر ہے کہ اس حکم کو دوسرے
عوارض میں بھی جاری کیا جائے جو نماز میں اسکو پیش آئیں" کہ وہ ان میں بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کا
حکم ان کے متعلق کیا ہے؟ تاکہ حکم کے موافق نماز سے فارغ ہو، اسی لئے اہل علم نے فرمایا ہے کہ سہو کیسا تھ
ایک نماز بدون سہو کے ستر نمازوں سے افضل ہے سوال کیا گیا یہ کیونکر؟ فرمایا اسلئے کہ نماز بغیر سہو کے
ہو تو احتمال ہے کہ قبول ہو یا نہو اور سہو کے ساتھ ہو (جسکی تلافی سجدۂ سہو سے کیگئی ہو) تو سانِ شریعت
سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس نے شیطان کی ناک رگڑ دی جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،
پس یہ نماز ترغیم شیطان ہوگی اور جو چیز شیطان کی ناک رگڑنے والی ہو اس کے ساتھ رضاء رحمان
کی امید کیجاتی ہے پس اس حیثیت سے یہ نماز دوسری نمازوں سے بڑھ گئی (مترجم کہتا ہے کہ یہ فضیلت
۲۰۴ جزئی ہے اور فضیلت جزئی مفضول میں بھی ہوسکتی ہے پس یہ لازم نہیں کہ سہو کی نماز ہر حیثیت سے
بدون سہو کی نماز سے افضل ہو کیونکہ حضور تام کے لحاظ سے بدون سہو کی نماز افضل ہے خوب سمجھ لو"
اور اگر کبھی سہو نماز میں ہو جائے تو دلگیر نہو کیونکہ اسکی فضیلت کیلئے بھی ایک وجہ موجود ہے ۱۲)۔
الوجہ الخامس فی ھذا من الفقہ وجہان الی قولہ ففضلت غیرھا بتلک الصفۃ"۔
(۱۳۹) حدیث میں علم شرعی کی فضیلت پر بھی دلالت ہے کیونکہ یہ باتیں علم ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں
اسی طرح یہ حکم تمام احکام میں جاری کیا جائیگا کہ بندہ تمام کاموں میں اولا شریعت کے موافق اخلاص
کا مامور ہے، پھر اگر کوئی عارض پیش آجائے (جس سے اخلاص میں خلل کا شبہ ہو جائے) تو شریعت کے
لحاظ سے اسمیں غور کرے اور جس بات کا (شرعًا) مامور ہو اسپر عمل کرے اور یہ سب عبادت ہی عبادت
ہے" الوجہ السادس فی ھذا اشارۃ الی فضل العلم الشرعی الی قولہ وذلک کلہ عبادۃ"۔
(۱۴۰) حدیث میں اہل قلوب کیلئے (جو صاحب باطن ہیں) اس پر بھی اشارہ ہے کہ شکوک اور عوارض
(ووساوس) پر اصلا التفات نکریں خواہ زیادہ ہوں یا کم اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان الملتفت ھالک"
التفات کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے" الوجہ الحادی عشر فیہ من الاشارۃ لاھل القلوب الی قولہ

شکوک و وساوس پر اصلا التفات نہ کرنا چاہیے

Marfat.com

ان الملتفت هالك"

(۱۴۱) حدیث میں ان لوگوں کیلئے اس امر کی بشارت بھی ہے کہ عوارض (وساوس) کا دفع کرنا خاص حالت سے نہیں نکالتا (بلکہ وساوس کے بعد بھی وہی قرب حاصل رہتا ہے جو پہلے حاصل تھا) اللہ تعالیٰ ہمکو بھی ان لوگوں میں سے کریں جنکو اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ مخصوص فرمایا اور خاص اپنا بنالیا کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں قولہ الوجہ الرابع عشر فیہ ایضاً بشارۃ لھم الی قولہ لا رب سواہ"

ف اخیر کے دونوں نمبروں میں دفع وساوس کا عجیب علاج بتلایا گیا ہے کہ ان پر التفات نکرے حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی بھی یہی تحقیق ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بہتر کوئی علاج نہیں دفع وساوس کیلئے جتنی تدبیریں اسکے سوا کیجاتی ہیں سب اس شعر کا مصداق ہیں ؎

تڑپوگے جتنا جال کے اندر — جال گھسے گا کھال کے اندر

پس ذاکرین وشاغلین کو وساوس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہیئے نہ ان کے دفع کا اہتمام کریں نہ
۲۰۵ ازخود لائیں، اپنی طرف سے ذکر کی طرف متوجہ رہنے کا اہتمام کریں اسکے بعد بلا قصد و اختیار کے جو وساوس آئیں ان کی طرف اصلا التفات نکریں اور اس بشارت سے دل کو مطمئن کریں کہ وساوس کی وجہ سے خاص حالت میں نقصان یا تنزل نہیں ہوتا کیونکہ یہ امر اختیار سے باہر ہے اور امر غیر اختیاری مضر نہیں ہوا کرتا ۱۲ مترجم۔

۱۸ شانزدہم حدیث البول والاستنجاء والشرب

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے، اور (جب پانی پیئے تو) برتن میں سانس نہ لے۔

شرح حدیث میں بظاہر تین احکام ہیں (۱) یہ کہ عضو مخصوص کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے (۲) دائیں ہاتھ سے استنجا نکرے (۳) برتن میں سانس نہ لے" اسکے متعلق چند فوائد ہیں"

(۱۴۲) چونکہ دایاں ہاتھ کھانے پینے اور اسکے مناسب (اچھے) کاموں کیلئے موضوع کیا گیا ہے تو

Marfat.com

بایاں ہاتھ اسکی ضد یعنی فضلات اور اسکے مناسب چیزوں کیلئے مقرر کر دیا گیا"، چنانچہ عضو مخصوص کو چھونا اور استنجا کرنا اسی قبیل سے ہے (اسلئے اسکو بائیں ہاتھ سے مخصوص کیا گیا اور دائیں ہاتھ سے منع کر دیا گیا) نیز چونکہ آخرت میں اہل یمین جنتی ہوں گے تو دنیا میں بھی اس نوع کیلئے دائیں جانب موضوع کیگئی، اور آخرت میں اہل شمال گناہگار اور دوزخی ہوں گے تو یہاں بھی بائیں جانب ان چیزوں کیلئے کیگئی جو گناہوں سے پیدا ہوتی ہیں اور جو ان کے مشابہ ہوں کیونکہ انسان سے جب پہلے پہل خطا کا صدور ہوا تو اس سے پیشاب پاخانہ پیدا ہوا (اور اسی وقت سے انسان کو یہ تقاضا لاحق ہوا اس سے پہلے نہ اسکو پیشاب آتا تھا نہ پاخانہ صرف پسینہ خوشبودار آتا تھا جس سے غذا تحلیل ہوجاتی تھی اور جنت میں جانے کے بعد پھر یہی اصل حالت عود کر آئے گی) چنانچہ خواب کی تعبیر دینے والے اس شخص کو جو خواب میں پیشاب پاخانہ وغیرہ دیکھے یہی تعبیر دیتے ہیں کہ یہ خواب معاصی (کے صدور) پر دلالت کرتا ہے"۔ قولہ لان الیمین لما جعل للاکل والشرب الی قولہ انہا دالۃ علی المعاصی۔

۲۰۶ (۱۴۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاورشی کو اسی کا حکم دیا جاتا ہے (یعنی جو چیز دوسری چیز کے قریب ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو دوسری شے کا ہے) یہ مسئلہ حضور کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے اذا بال احدکم فلا یاخذن ذکرہ بیمینہ، جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے، چونکہ اسوقت عضو کو پیشاب سے قرب تھا تو دائیں ہاتھ سے اس کا چھونا ممنوع ہوا، اسکے سوا دوسرے اوقات میں اس سے منع نہیں کیا گیا چنانچہ کسی نے مس ذکر کی بابت حضور سے سوال کیا (کہ اس عضو کے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں) تو آپ نے فرمایا ھل ھو الا بضعۃ منک کہ وہ بھی تو تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا چھونا ایسا ہی ہے جیسا بقیہ (اجزاء) بدن کا چھونا"، اور انہی اشارات کی وجہ سے کہ خبیث چیزیں بائیں ہاتھ سے متعلق ہیں اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ خاطر شیطان بائیں طرف سے آتا ہے یعنی دل کی بائیں جانب سے، تو اب اسکی ضرورت ہے کہ دل کی بائیں جانب معلوم کیجائے کہ وہ کس طرف ہے تو عارفین کے نزدیک شمال قلب شمال جسم کی مخالف (جانب میں) ہے کیونکہ یہ حضرات وجہ قلب سے دل کا وہ دروازہ مراد لیتے ہیں جو غیبی چیزوں کیلئے دل کے اندر کھلا ہوا ہے

Marfat.com

اسی دروازہ سے جو مین قلب ہے، اُن کو مکاشفات وکرامات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کے سوا اُن سب چیزوں کا بھی جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو مقتضائے حکمت کے موافق مخصوص فرمایا ہے جیسا دلائل شرعیہ سے معلوم ہو چکا ہے،، (بہر حال دل کی دائیں جانب بدن کی بائیں سمت میں ہے اور بائیں جانب بدن کی دائیں طرف ہے) بعض ناواقفوں نے جنکو اس حقیقت کی خبر نہیں یہ لفظ سنکر کہ خاطر شیطان بائیں جانب سے آتا ہے اور فرشتہ دائیں طرف سے آتا ہے اسکو جسم کی بناوٹ پر محمول کر لیا (یعنی دل کی دائیں بائیں جانب کو بدن کی سمتوں پر قیاس کیا) تو اُن پر معاملہ منعکس ہو گیا، کیونکہ عارفین کے نزدیک خواطر کی چار قسمیں ہیں، ملکی وشیطانی یہ دونوں تو اُن جوانب سے آتی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور نفسانی خواطر دل کے سامنے سے آتے ہیں اور خاطر ربانی دل کے اندر سے آتا ہے،، قولہ فیہ دلیل علی ان مجاور الشیٔ یعطے حکمہ الی قولہ وربانی وھو من داخل القلب ‘‘

۲۰۷

۱۹ نوزدھم (حدیث الرأفۃ بالحیوان)

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس (کی شدت) میں تر مٹی کھا رہا ہے تو اس شخص نے اپنا موزہ نکالا اور اُس میں پانی بھر بھر کر اسکو پلانے لگا یہانتک کہ اسکو سیراب کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی قدر کی اور اسکو (اتنی ہی بات پر) جنت میں داخل کر دیا۔

شرح - ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اس شخص کو ایک کتے کے سیراب کرنے پر جنت میں پہونچا دیا گیا، اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں،،۔

(۱۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ حاجت (اور ضرورت) ہر جاندار کو خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل عادت مالوفہ سے باہر کر دیتی (اور خلاف عادت فعل پر مجبور کر دیتی) ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ کتا تر مٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اُس میں بھی کچھ اثر پانی کا موجود تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شے دوسرے کے قریب ہو تو اُس سے مفقود ہونے کی حالت میں عقلاً وطبعاً قریب کو اُسی کا حکم دیا جائیگا ہتقلاً تو یہ بات علم عقل اور شرع میں بہت جگہ آ چکی ہے، اور طبعاً (کا ثبوت) اس مقام پر (موجود) ہے

کیونکہ کتے اور تمام حیوانات انسان و جن کے سوا عقل سے کورے ہیں لیکن اپنے منافع کی معرفت طبعًا اُن کو حاصل ہے جس چیز میں اپنا نفع دیکھتے ہیں اُس سے مانوس ہوتے ہیں اگر وہ نہ ملے اور اُس کے قریب قریب کوئی دوسری شئے ملجائے تو اُسی کو کام میں لاتے ہیں، جیسا یہاں مذکور ہے کہ کتا تر مٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اُسکو پانی سے ٹھنڈک ملتی تھی جب پانی نہ ملا اور تر مٹی میں اُسکے قریب قریب تراوٹ ملی اُسی کو استعمال کرنے لگا اور مٹی کے ثقل کی ذرا پروا نہ کی، اس سے علم حکمت کا یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ثقیل شئے بھی خفیف ہو جاتی ہے اس کے لئے یہ عکس لازم ہے کہ استغنار کے وقت خفیف شئے بھی گراں ہوتی ہے، اسی لئے اہل حقیقت پر مجاہدہ گراں نہیں بلکہ (بھولوں) ہلکا ہے کیونکہ وہ اپنے مولا کے محتاج ہیں اور اس احتیاج سے پوری طرح رنگے ہوئے ہیں، اہل دنیا پر مجاہدہ گراں ہے کیونکہ اُن کو دنیا سے محبت ہے، اور اسی کی احتیاج (اُن کے نزدیک) زیادہ ہے، عبادت اُن کو دشوار ہے جس سے اہل معرفت راحت (ولذت) پاتے ہیں اور اُن کو عبادت آسان ہے کیونکہ اُن کو اُس (دولت) کی خبر ہے جو عبادت کے اندر ہے، اسی لئے حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں (وانها لكبيرة الا على الخشعين) نماز واقعی بڑی (گراں) ہے مگر اُن پر جو خشوع والے ہیں"

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے ساتھ لطف کا معاملہ فرماتے ہیں۔ دیکھو کتے کے دل میں ڈالدیا کہ تر مٹی چاٹنے لگے تاکہ اس حالت کو دیکھکر کسی کو اس پر رحم آجائے اور پانی پلادے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق کو راحت پہونچانا بہترین صفات میں سے ہے، یہ اس سے اخذ کیا گیا کہ اس معمولی کام پر بہت بڑا ثواب دیا گیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو (اہتمام کے ساتھ) بیان فرمایا تاکہ مسلمان اس صفت کو اختیار کریں جس سے قرب بڑھتا ہے،" قوله فيه دليل على ان الحاجة تخرج الحيوان الى قوله ليتأسى المؤمنون بهذه الصفة المقربة"

ف . راحت رسانی خلق جس کا نام ایثار ہے حضرات صوفیہ کا خاص شعار ہے۔ مگر افسوس آجکل چند وظائف و معمولات کا نام تصوف رہ گیا ہے اصلی صفات کا اہتمام نہیں رہا حسن معاشرت جو راحت رسانی کی بنیاد ہے ایسی متروک ہوئی ہے گویا کبھی مسلمانوں کے گھر میں تھی ہی نہیں حالانکہ قرآن و حدیث کے اوراق اسکی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ غیروں کی تقلید

(باقی آئندہ)

Marfat.com

چھوڑ کر احکام خدا و رسول کا اتباع کریں کہ بخدا ساری فلاح دنیا و آخرت کی اسی میں ہے مسلمانوں کو بدون اس کے ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی"

(۱۴۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بات کو تعریضاً (اور کنایۃً) بیان کرنا تصریح کے برابر ہے جیسا امام مالک نے فرمایا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی جو خبر دی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو (یوں ہی) بلا فائدہ خبر دیدی نعوذ باللہ اس کا تو خطرہ بھی کسی کے دل پر نہیں گذر سکتا اور جسکے دل میں ایسا وسوسہ گذرے اور وہ اسکو مان لے وہ تو مسلمان بھی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما ینطق عن الھوٰی (یہ رسول خواہش نفس سے بات نہیں کرتے) اور یہ کلمہ تمام اقوال کو عام ہے یا یہ خبر کسی ایک فائدہ یا بہت سے فوائد کیلئے بیان کیگئی ہے اور یہی حق ہے تو اب ان فوائد کا جو ہمنے اوپر بیان کئے اور جو آئندہ بیان کریں گے (اسی حدیث سے) ظہور ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ہمارے سامنے بہت سے قصے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے (لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ان کے قصوں میں عبرت ہے عقلمندوں کیلئے) وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک اور یہ رسولوں کے سب کچھ واقعات ہم آپ کے سامنے اسلئے بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کے دل کو مضبوط کر دیں، اور فرمایا ہے ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو اپنی جانوں سے ہی غافل بنا دیا، نیز فرمایا ہے اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ ان کو نظر آجاتا کہ ان سے پہلے (کافروں کا) کیسا انجام ہوا۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ قصص قرآنی میں ضمناً اسکے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے اسی طرح امثال کو سمجھ لو اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما یعقلھا الا العالمون + ان مثالوں کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا" فیہ دلیل لمالک الذی یقول الی قولہ وما یعقلھا الا العالمون۔

ف کنایہ اور تعریض کا صراحت کی برابر یا اس سے بھی بلیغ تر ہونا اہل بلاغت کے نزدیک مسلم ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ اسکو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں + سب لوگ نہیں سمجھ سکتے اسلئے حدود وقصاص میں جہاں سخت احتیاط لازم ہے تعریض وکنایہ کا اعتبار نہیں کیا گیا اسی طرح باب طلاق میں الفاظ

۲۰۵

Marfat.com

کنایہ سے بدون نیت متکلم یا دلالت حال کے وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جائیگا۔ باقی استنباط احکام میں تعریض وکنایہ اور منطوق وصریح سب برابر ہیں جس طرح منطوق کلام سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے اسی طرح تعریض واشارہ سے بھی استنباط احکام ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ تعارض کے وقت صریح کو کنایہ پر ترجیح ہو گی"۔

ف حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ انشاء مقصود ہوتا ہے اور جس خبر سے انشاء مطلوب نہ ہو وہ مہمل ہے" پس کلام شارع میں تو کوئی خبر انشاء سے خالی نہیں ہو سکتی، ہاں عام لوگوں کے کلام میں خالی ہو سکتی ہے جو مہمل کلام سے احتراز کو ضروری نہیں سمجھتے"۔

ف جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ قصص وامثال قرآن میں اُن کے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے تو اب سمجھو کہ تصوف کے مسائل زیادہ تر قصص وامثال ہی کے ضمن میں مذکور ہیں تو جو لوگ علم تصوف کو قرآن وحدیث سے غیر ثابت کہتے ہیں وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کریں کہ انھوں نے قرآن کے بہت بڑے حصہ کو چھوڑ رکھا ہے کیونکہ احکام فقہیہ کی آیات تو پانچسو کے قریب ہیں بقیہ ساڑھے پانچ ہزار
۲۱۰ آیات میں تصوف اور علم عقائد ہی کا تو بیان ہے جسکو اسکا نمونہ دیکھنا ہو وہ حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کا رسالہ مسائل السلوک عن کلام ملک الملوک مطالعہ کریں۔

(۱۴۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیر متعدی (جس کا نفع دوسروں کو بھی پہونچے) بہت بڑی قربت ہے کیونکہ ایک معمولی احسان پر جو ایسے جانور کے ساتھ کیا گیا تھا جس کے قتل کا شریعت نے ہمکو حکم دیا ہے اتنی عمدہ جزا دیگئی (کہ اس پانی پلانے والے کو اتنی سی بات پر جنت میں بھیجدیا گیا) تو کسی عاقل مکلف انسان کے ساتھ احسان کرنے کا کیا رتبہ ہوگا اور کسی نیک آدمی کے ساتھ سلوک کرنا تو کیسا کچھ ہوگا۔ اگر اس کا تتبع کروگے تو اس میں بہت سے درجے نکل سکتے ہیں اسی طرح قیاس کرتے چلو (مثلاً اجنبی کے ساتھ احسان کرنے کا یہ ثواب ہے تو قرابت داروں کیساتھ کیسا ہوگا عام قرابت داروں کیساتھ یہ درجہ ہے تو خاص قرابت داروں کیساتھ کیا کچھ ہوگا) فیہ دلیل علی ان من اکبر القرب الخیر المتعدی الی غیرہ وعلی ھذا فقس۔

ف یہ مقولہ مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے مگر یہ جب ہے کہ نفع متعدی ضرر لازم کو مستلزم نہ ہو، یعنی اپنے دین کو نقصان پہونچا کر دوسروں کو نفع پہونچانا مستحسن نہیں بلکہ مذموم ہے"۔

خیر متعدی بہت بڑی قربت ہے۔ نفع متعدی نفع لازم سے اس وقت افضل ہے جبکہ ضرر لازم کو مستلزم نہ ہو۔

Marfat.com

مثلاً بعض لوگ خدمت خلق میں اپنے اوقات کو برباد کر لیتے اور بعض دفعہ واجبات و فرائض میں خلل ڈالدیتے ہیں، بعض لوگ دوسروں کی دلجوئی میں اپنی صحت کو برباد کر لیتے ہیں کہ جب تک دوسرے مجلس سے نہ اٹھیں یہ بھی ان کی خاطر سے مقید رہتے ہیں خواہ غذا کا معمول فوت ہو یا نیند کا معمول برباد ہو یا تہجد اور صبح کی نماز فوت ہو وغیرہ وغیرہ تو یہ صورت نفع متعدی کی محمود نہیں، خوب سمجھ لو

(۱۴۷) اس حدیث میں تمام اعمال خیر کی ترغیب ہے (کہ ہر نیک کام کا اہتمام کرو کسی کام کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑو) کیونکہ کیا خبر ہے کس عمل سے سعادت (اور نجات) میسر ہو جائے، دیکھو (اس واقعہ میں) ایک معمولی عمل سے کتنی بڑی سعادت مل گئی کہ جنت میں پہونچ گیا، تو اعمال خیر میں سے کوئی عمل ضائع (اور بیکار) نہیں، فیہ دلیل علی التحضیض علی جمیع اعمال الخیر الی قولہ فلا یضیع منہا شیئ۔

(۱۴۸) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخلاص ہی اجر کے بڑھنے کا سبب ہے، یہ بات اس حدیث کے واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوگی کہ یہ شخص جنگل میں تھا وہاں اس نے کتے کو پانی پلایا جہاں اسکو دیکھنے والا کوئی نہ تھا حقیقت میں اس کا فعل خالص (اللہ کیلئے) تھا اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو صدقہ اسر کے بارہ میں وارد ہوا ہے حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ، بہترین صدقہ وہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا

فیہ دلیل علی ان الاخلاص الی قولہ حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ۔

(۱۴۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمال اجر کمال عمل سے ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ اس نے اس کتے کو پانی پلایا یہانتک کہ سیراب کردیا (تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدر کی یعنی) جب اس نے اسکو پوری طرح سیراب کردیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر اپنا انعام کامل کردیا کہ جنت میں پہونچا دیا۔ اور (کمال اجر یہی ہے کہ بندہ جنت میں پہونچ جائے کیونکہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخیر کلہ بحذافیرہ فی الجنۃ کہ خیر تو کامل مکمل پوری طرح جنت ہی میں ہے (اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہوگا؟) فیہ دلیل علی ان کمال الاجر یکون بکمال العمل الی قولہ الخیر کلہ بحذافیرہ فی الجنۃ۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دار آخرت کے سنوارنے میں دنیا بگڑتی ہو تو بگڑنے دو۔ دیکھو اس شخص نے

Marfat.com

اپنے موزہ میں پانی بھر بھر کر پلایا حالانکہ موزہ پانی سے خراب ہوجاتا ہے مگر چونکہ اس میں آخرت کی درستی تھی تو یہ خرابی عین صلاح تھی"۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کو چھوٹوں کیلئے مشقت برداشت کرنا چاہئے جب وہ ان کے محتاج ہوں۔ دیکھو اس شخص نے کتے کو پانی پلانے کیلئے مشقت برداشت کی جبکہ اسکو خدمت کا محتاج دیکھا مولی تعالیٰ شانہ نے اس تعب (کو قبول کر کے اس) پر احسان فرمایا اور (ظاہر ہے کہ) انسان تمام جانداروں سے افضل ہے بجز فرشتوں کے کہ ان کے متعلق اختلاف ہے (صحیح قول یہ ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عامۂ مومنین عامہ ملائکہ سے افضل ہیں واللہ اعلم۔ ویؤخذ منہ تغلیب فساد ھذہ الدار۔ الی قولہ ما عدا الملائکۃ ففیھم خلاف۔

بڑوں کو چھوٹوں کیلئے مشقت برداشت کرنا چاہئے۔

ف - امام احمد اور حاکم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فآثروا ما یبقی علی ما یفنی قال الشیخ حدیث صحیح صفحہ ۲۹/۳ العزیزی - جو اپنی دنیا سے محبت کریگا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچائیگا اور

۲۱۲ جو اپنی آخرت سے محبت کریگا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہونچائیگا پس باقی کو فانی پر ترجیح دو حضرات صوفیہ کا عمل اس حدیث پر سب سے زیادہ ہے اور یہی زہد کا پہلا قدم ہے، ہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ محبت دنیا کی ممانعت ہے کسب دنیا کی ممانعت نہیں اور کسب دنیا بدون محبت کے بھی ہو سکتی ہے جسکی علامت یہ ہے کہ خلاف شریعت کسی صورت سے دنیا ملتی ہو تو اس صورت سے ہرگز دنیا نہ کمائے اور جائز طریقہ سے دنیا کما کر زکوۃ و حج وغیرہ سے غفلت نہ کرے اور ضروریات دینی میں بھی حسب موقع مال خرچ کرتا رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بستم (۲۰) حدیث النعاس فی الصلاۃ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسکو چاہئے کہ سو جائے یہانتک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ (ممکن ہے) اگر وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھتا رہا تو شاید وہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو برا بھلا کہدے اور خبر بھی نہو۔ **تشریح**: ظاہر حدیث کا حاصل نیند کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت ہے، اس پر چند

Marfat.com

وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۰) ہمیں ان لوگوں کیلئے دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ عالم کو یہ حق ہے کہ (از خود دوسروں کو) تعلیم دے گو اس سے سوال بھی نکیا گیا ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (اخا نفس احدکم) ابتدائی کلام ہے کسی سوال کے جواب میں نہیں قولہ فیہ دلیل لمن یقول ان للعالم الی قولہ دون ان یسأل۔

ف اس سے ان مشائخ کے طرز عمل کی تائید ہوگئی جو از خود طالبین کو تعلیم و تنبیہ کرتے رہتے ہیں خواہ وہ اپنے حالات کی اطلاع کریں یا نہ کریں۔

(۱۵۱) حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ برا بھلا کہنے سے مراد (دشنام عرفی نہو بلکہ) اپنے کو بددعا دینا ہو تو اس کا ضرر پہلے سے بھی زیادہ ہوگا کیونکہ (گالی دینے سے تو نماز ہی فاسد ہوتی اور اب) اسکی ساتھ ایک اور وجہ بھی شامل ہوجائیگی کہ نماز کی ساعت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے تو یہ بددعا اسکی ہلاکت کا سبب بنجائے گی۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و مال کو کوسنے سے منع فرمایا ہے (کہ شاید قبول کی گھڑی ہو اور اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت کا سامان ہوجائے) قولہ واحتمل وجہا اٰخران یکون السب ھنا بمعنی الدعاء علی نفسہ الی قولہ نھی علیہ السلام ان یدعوا احد علی اھلہ ومالہ۔

ف لوگ عموماً نماز کے بعد دعا کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ نماز کے اندر دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اسکا اہتمام زیادہ کرنا چاہیئے مگر نماز کے اندر دعا ماثور ہونا چاہیے مخترع نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۵۲) حدیث سے بہت سے علمی فوائد حاصل ہوتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ انسان کو اپنے کلام کی اور تمام افعال کی نگہداشت کرنا چاہیئے کہ کوئی بات اور کوئی کام غفلت کی حالت میں سرزد نہ مبادا اسکی ہلاکت کا سبب ہوجائے اور اسے خبر بھی نہو اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی بعض دفعہ کوئی برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جسکی پروا بھی نہیں کرتا (مگر) اسکی وجہ سے جہنم میں ستر سال کی گہرائی تک پہونچ جاتا ہے قولہ یترتب علی ذلک من الفقہ وجوہ الی قولہ یھوی بھا فی النار سبعین خریفاً۔

(۱۵۳) حدیث میں ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے کہ محل قرب (وزمان قرب) میں آداب

(قرب) کا ترک کرنا بدتمیزی ہے یہ اشارہ حضور کے قول لعلہ یسب نفسہ سے ماخوذ ہے، کیونکہ نماز محل قرب ہے اور محل قرب میں (گالی دینا اور) برا بھلا کہنا بدتمیزی کی بات ہے یہاں ایک سوال وارد ہوگا وہ یہ کہ (احادیث سے ثابت ہے کہ) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم (نماز سے پہلے بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے یہاں تک کہ اُن) کے سر نیند کی وجہ سے (ادہر اودہر) جھکنے لگتے تھے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو صحابہ نماز پڑھنے لگتے (جس سے ظاہر یہ ہے کہ وہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی کہا گیا ہے کہ محل قرب میں غفلت کرنا بدتمیزی ہے) جواب یہ ہے کہ (حضرات صحابہ نماز کے اندر نہیں اونگھتے تھے اُن کی نیند اور غفلت نماز کی (اقامت سے بالکل جاتی رہتی تھی کیونکہ) اقامت کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نیند اور غفلت دور ہو جاتی اور قلب نماز کی طرف (متوجہ اور) حاضر ہو جاتا ہے کیونکہ جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے ایمان کا لشکر جوش میں آجاتا اور غفلتوں سے بیدار ہو جاتا ہے جسکے مختلف درجے ہیں، جب اشهد ان لا اله الا الله کہتا ہے قلب منور ہو جاتا ہے اور (اللہ کی) مدد پہنچ جاتی ہے، اشهد ان محمدا رسول الله کہتا ہے تو یقین کی ٹھنڈک حاصل ہوتی اور رحمت پھیل جاتی ہے، حی علی الصلاۃ کہتا ہے تو عزم میں پختگی آجاتی ہے، حی علی الفلاح سے کوشش ۲۱۴
اور حسن عبادت میں تازہ روح پڑجاتی ہے اللہ اکبر اللہ اکبر سے دوبارہ عظمت الٰہیہ کا استحضار ہو جاتا اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے لا الہ الا اللہ سے جان اللہ کے حوالہ ہو جاتی ہے اور تمام اوہام دل سے نکل جاتے ہیں، باطن کی ہمت تکرار ہیبت واخلاص سے کامل ہو جاتی اور ظاہر اذعان وتسلیم اور انقیاد سے وابستہ ہو جاتا ہے اگر انسان اس حالت سے پوری طرح آراستہ ہو گیا جیسا ہم نے بیان کیا تو نیند دوبارہ اس کے پاس نہیں آسکتی اور اگر پھر بھی غفلت کے جھونکے نے اسکو دبایا تو نیند کی آفت طاری ہو جائے گی اور احکام شریعت معاملہ قربت یعنی نماز کی بندش کو کھولدیں گے اور سو رہنے کی اجازت دیجائے گی اور نیند کی مصیبت سے خلاصی پانے کے بعد پوری طرح وضو وغیرہ کر کے اس فرض کے ادا کرنے کی تاکید کیجائیگی جو اسکے ذمہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فی الصلاۃ فرمایا ہے (یعنی سونے کیلئے اسکو امر کیا گیا ہے جسے نماز کے اندر نیند آوے) قبل الصلوٰۃ نہیں فرمایا (کہ اگر نماز سے پہلے نیند آرہی ہو نماز کے اندر نہ آتی ہو جب بھی سو رہے پس حضرات صحابہ کی حالت اس سے خارج ہے کیونکہ وہ نماز سے

Marfat.com

پہلے اونگتے تھے نماز کے اندر نہیں اونگتے تھے)۔

ف اقامت صلوٰۃ کے وقت ان باتوں پر توجہ کرنا چاہیے جو اس مقام پر مذکور ہیں کہ ان کے استحضار سے نماز حضور قلب کے ساتھ ادا ہوگی غفلت دور ہو جائے گی" اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو بار بار اقیموا الصلوٰۃ فرمایا گیا ہے اس سے یہی اقامت مراد ہے جس کے لئے اقامت صلوٰۃ موضوع ہے کہ توجہ اور حضور اور خشوع کیساتھ نماز پڑھو غافل اور بے خبر ہو کر نماز نہ پڑھو۔

(۱۵۴) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طاعت میں کوئی ناگوار چیز نہ ملانی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی اونگھتے ہوئے نماز پڑھیگا تو شاید وہ استغفار کی جگہ اپنے کو برا بھلا کہنے لگے تو اسوقت نماز چھوڑنے کا اسلئے حکم دیا گیا کہ مبادا اسی نیند کی حالت میں (زبان سے بلا ارادہ کوئی بیجا بات نکلے) تو ارادہ کے ساتھ ایسا کرنا کیسا کچھ ہوگا؟ اور یہاں سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ نماز میں حالاً و مقالاً حضور (قلب) کی بہت زیادہ تاکید ہے، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے (بھی) ہوتی ہے

۲۱۵ ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ امرأ حتی یکون قلبہ مع جوارحہ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز اسوقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضاء کے ساتھ نہ ہو (یعنی جو کچھ ظاہر میں کرتا ہے وہی باطن میں ہو قیام کی حالت میں دل پر یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوں رکوع میں یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ ان کے سامنے جھک جاؤں سجدہ میں یہ حالت ہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے سامنے پگھل جائے" اپنی ہستی کو ان کے سامنے قربان کردے) قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان لا یخلط الطاعۃ مکروہ الی قولہ حتی یکون قلبہ مع جوارحہ"

ف نماز میں حضور قلب اور درجۂ احسان حاصل کرنا حضرات صوفیہ کا خاص امتیاز ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ دولت ان ہی حضرات کی صحبت اور تعلیم سے حاصل ہوتی ہے تو کیا اب بھی علم تصوف سے انکار کیا جائیگا؟

ف اس مقام پر ایک فقہی بحث بھی ہے جس پر شارح نے متنبہ فرمایا ہے مگر چونکہ وہ تصوف کا مسئلہ نہیں اسلئے اسکو فوائد میں لکھا جاتا ہے وہ یہ کہ نماز سے پہلے سونا جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ سونا دو حال سے خالی نہیں یا تو دن کو ہوگا یا رات کو۔ سو دن کو تو نماز سے پہلے سونا جائز ہے حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور عادت طبیعت کا بھی یہی مقتضی ہے، حدیث تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو قیلولہ کے بارہ میں وارد ہے قیلوا فان الشیاطین لا تقیل (قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین دوپہر کو نہیں سوتے

Marfat.com

نیز ایک حدیث میں ہے استعینوا بالقیلولۃ علی قیام اللیل کہ قیلولہ سے رات کو اٹھنے کیلئے مدد لو) اور قیلولہ وقت ظہر کے قریب ہی ہوتا ہے اور طبعی عادت بھی یہی ہے کہ دن کو آدمی زیادہ دیر تک نہیں سوتا کیونکہ دن کام کیلئے بنایا گیا ہے اسلئے دن میں گہری نیند عادۃً نہیں آتی، جیسا رات کو کوئی زیادہ دیر تک نہیں جاگ سکتا کیونکہ رات سکون کیلئے بنائی گئی ہے، اور حکیم (مطلق) کی حکمت نے جس چیز کو طبائع میں مستحکم کر دیا ہے وہ بدون کسی خاص سبب کے نہیں بدلا کرتی الا نادراً والنادر کالمعدوم اور کسی وقت عادت کے خلاف کسی امر کا ظہور بھی قدرت کا اثر ہے جیسا عادات کا ارتباط و استحکام حکمت (الٰہیہ) کا اثر ہے اور اسی پر احکام مرتب ہوا کرتے ہیں۔" اور خرق عادت سے قدرت (کے کمال) پر استدلال کیا جاتا ہے جو کہ ایمان کی بنیاد ہے جس پر جملہ احکام کا مدار ہے، رہا رات کو نماز سے پہلے سونا مثلاً مغرب و عشا کے درمیان سونا سو اس کے متعلق اُن بڑے بڑے علماء سے جنسے میں ملا ہوں مجھے یہ پہونچا ہے اور اُن کو بھی اپنے بڑوں سے یہی پہونچا ہے کہ جو شخص مغرب و عشا کے درمیان کسی ضرورت سے سونا چاہے دو حال سے خالی نہیں یا تو عشا کی نماز کیلئے کوئی جگانیوالا اُس کو میسر ہے یا نہیں، اگر کوئی جگانے والا موجود ہو تو اُس کو سونا جائز ہے اور اگر جگانیوالا کوئی نہو مگر اسکو اپنے متعلق تجربہ اور عادت کی وجہ سے یہ یقین ہو کہ وقت پر بیدار ہو جائیگا تب بھی سونا جائز ہے۔ اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ وقت پر بیدار نہو گا بلکہ وقت کے بعد بیدار ہوگا یا اسکو اپنی عادت کی خبر ہی نہیں اس حالت میں سونا جائز نہیں چونکہ یہ مضمون ضروری تھا اسلئے بیان کر دیا گیا گو اس حدیث میں اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا گیا۔

ف حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بھی مہمانوں کو مغرب و عشا کے درمیان سونیکی اجازت تھی کیونکہ وہاں عشا کی نماز کیلئے جگانیوالا مقرر تھا، مصنف عبد الرزاق میں بسند صحیح نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بسا اوقات نماز عشا سے پہلے سو رہتے تھے اور فرما دیتے تھے کہ نماز کے وقت مجھکو جگا دینا، پس صحاح میں ابو برزہ اسلمی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عشا کے پہلے سونے سے منع فرمایا یا اسکو ناپسند فرمایا ہے اُس کا محمل وہ صورت ہے جبکہ جگانیوالا کوئی نہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۵۵) حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تیقظ و حزم سے کام لینا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مبادیٔ غفلت ہی میں جسکا نام اونگھ ہے جسکی انتہا گہری نیند ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی بات

(باقی آئندہ)

Marfat.com

خبر بھی نہ ہو۔ عمل طاعت کے چھوڑ دینے کا امر فرمایا ہے۔ مبادا اس میں خلل واقع ہو جائے تو اس سے زیادہ غفلت کا کیا حال ہو گا۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ المؤمن کیس حذر فطن، مؤمن ہوشیار چوکنا سمجھدار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض حضرات صوفیہ (کی یہ حالت تھی کہ) جب وہ اپنے (اہل و) عیال اور جانوروں کے اخلاق یا عادات میں ذرا بھی خرابی دیکھتے تو فوراً توبہ اور طاعت کی طرف سبقت کرتے (اور یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کی عادات و اخلاق میں یہ تغیر ہوا ہے) اور اپنے نفس کی مخفی حالتوں کو ٹٹولتے (کہ شاید ہمارے نفس میں کوئی تغیر ہوا ہے۔) یہانتک کہ اس غفلت پر متنبہ ہو جاتے جو اُن سے سرزد ہوئی تھی تو اُسکی اصلاح کر لیتے اور اسکی اصلاح کیساتھ ہی (حالت) درست ہو جاتی۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دنیا کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن اُن کے دل میں (دنیا کا) کچھ خطرہ آیا تو اس کے بعد ہی ایک سپاہی دروازہ پر آیا اور (اندر آنے کی) اجازت چاہی اجازت دیدی گئی اور وہ اندر آکر سامنے بیٹھ گیا اور دنیوی معاملات میں گفتگو کرنے لگا۔ شیخ کو اس پر تعجب ہوا (کہ آج یہ دنیا کے معاملات کا جھگڑا میرے پیچھے کہاں سے لگا اور یہ شخص میرے پاس کیوں آیا) تو انہوں نے اپنے نفس کو ٹٹولا کہ یہ بلا کہاں سے آئی دفعۃً اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ فلاں خطرہ کی وجہ سے جو تمہارے دل میں دنیا کے متعلق آیا تھا ایسا ہوا اُنہوں نے فوراً اس خطرہ سے توبہ کی استغفار کیا۔ اس کے بعد فوراً ہی وہ سپاہی کھڑا ہو گیا اور چلدیا، اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے انّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم، اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جبتک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلدیں یہ تو (اللہ تعالیٰ کے خاص) بندوں کی نیند (اور غفلت) کا حکم تھا رہی اہل دنیا کی نیند تو اُس سے بیداری تو موت ہی کے وقت ہو گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا۔ لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے اُسوقت بیدار ہوں گے، کیونکہ وہ اس وقت حق کو دیکھ لیں گے۔ اور حقائق کا مشاہدہ کر لیں گے، پس اہل دنیا کی نیند تو سراسر جہل اور غلبۂ شہوت اور غفلت ہے، مگر جسکو اللہ تعالیٰ علم عطا فرماویں اور بیدار کر دیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کوشش میں لگے ہوئے اور مستعد ہیں اور صدق اور تصدیق سے سرفراز ہو چکے ہیں جیسا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر پردہ اُٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں کچھ زیادتی نہ ہو گی۔ اور یہی شان ان حضرات کی ہے جو اخلاص کیساتھ حضرات صحابہ کا اتباع قیامت تک کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمکو بھی ان حضرات کے طفیل

Marfat.com

بدون کسی مشقت کے اُن میں سے کردے آمین۔،، قولہ فیہ اشارۃ الی التیقظ والحزم الی قولہ جعلنا اللّٰہ فیھم بلا محنۃ بحرمتھم عندہ

ف تیقظ اور حزم طریق تصوّف میں بہت ضروری ہے۔ حضرات صوفیہ اسکی بہت تاکید فرماتے ہیں، کیونکہ غفلت اور بیفکری کیساتھ نہ دنیا کا کوئی کام ہوسکتا ہے نہ دین کا، نیز طالب حق کو جو اللہ تعالیٰ کا محب ہے کسی وقت بھی محبوب سے غفلت کی گنجائش نہیں مبادا کوئی ایسی حرکت سرزد ہوجائے جو محبوب کی ناراضی کا سبب بن جائے، پس اسکو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کی فکر ضروری ہے اگر اس فکر میں کمی ہے تو محبت اور طلب میں کمی ہوگی اور جتنی طلب میں کمی ہوگی اُسی قدر مقصود کے حصول میں دیر ہوگی۔

(۱۵۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حتی یذھب عنہ النوم کہ نیند (کا غلبہ) زائل ہونے تک اسکو سورہنا چاہئے حکمت پر عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حکمت الٰہی یوں ہی جاری ہے کہ نیند بدون سکون حاصل کئے نہیں جاتی یہانتک کہ وہ وقت آجائے جو اسکے جانے کیلئے مقدر ہے۔

۲۱۸ اس وقت یہ خود بخود جاتی رہتی ہے جیسے خود ہی (بدون بلائے) آئی تھی، اور نیند کے آنے جانے میں بڑی قدرت کا اظہار ہے کہ انسان ابھی ابھی اس حالت میں تھا کہ اس کا دماغ اور تمام قوی (ظاہریہ وعلمیہ مجتمع تھے (کام کیلئے مستعد تھے) دفعۃً نیند آگئی اور (سب قوی معطّل ہوگئے) اسکو خبر بھی نہیں ہوتی (کہ نیند کب اور کہاں سے آگئی) بعض اوقات اسکو نیند کا آنا پسند بھی نہیں ہوتا (بلکہ ناگوار ہوتا ہے) کیونکہ وہ اپنی کسی منفعت یا حاجت کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس سے نیند مانع ہوگئی۔ اور اس میں مخلوق کے سراپا عاجز و محتاج ہونے کی دلیل بھی ہے کہ انسان اپنے حرص اور دعوے کی بنا پر بعض مقاصد کی تحصیل میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ دفعۃً ایسی چیز اُس پر مسلّط ہوجاتی ہے جسکو وہ دفع نہیں کرسکتا بلکہ (اپنی ساری حرص اور احتیاط اور تحفظ کو چھوڑ کر مجبوراً اُسکے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ قل من یکلؤکم باللیل والنھار من الرحمٰن؟ فرما دیجئے کہ رات اور دن میں تمکو رحمٰن سے کون بچا سکتا ہے (کوئی نہیں کیونکہ اس کے سامنے سب عاجز و محتاج ہیں) الغرض نیند اور بھول دونوں مخلوق کے نقص اور احتیاج پر شاہد ہیں (جس پر نیند مسلّط ہوتی ہو اور یاد کی ہوئی چیزوں کو بھول جاتا ہو اسکو قدرت اور کمال کا دعوے کسی طرح زیب نہیں دیتا) اسی لئے علماء نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ

Marfat.com

اسفل سافلین کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت بنایا پھر اس پر نیند اور بھول کو مسلط فرمادیا (اس وقت اس کے سارے کمالات سلب ہوجاتے ہیں) پھر جب بیدار ہوتا ہے تو بدستور حرص میں لگ جاتا ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا اسی طرح روز و شب ہمیشہ یہی معاملہ ہوتا رہتا ہے اور انسان اپنے دعوی پر قایم رہتا ہے گویا وہ بیٹھا یا سویا ہی نہیں تھا وفی انفسکم افلا تبصرون۔ تمہاری ذات میں بھی (قدرت الٰہیہ کی) نشانیاں (موجود) ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ دلوں پر غفلت کا زنگ لگ گیا ہے یہانتک کہ بصیرت کی نگاہ خفاش بن گئی کہ ان نشانیوں کے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔

اور یہیں سے اہل تصوف کی فضیلت دوسروں پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے جب ان حالات کا مطالعہ کیا یعنی نیند کی حالت کا موت کے مشابہ ہونا (مشاہد ہوگیا) اگرچہ یہ حضرات دوسروں سے کم سوتے ہیں تو اب وہ اپنی ذات کیلئے کسی نفع یا ضرر کا اپنے کو مالک نہیں سمجھتے (بلکہ اپنے کو مردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں) پس انہوں نے بیداری میں بھی اپنے اوپر تفویض وانقیاد کو لازم کرلیا یعنی نیند کے وقت جو ان کا حال ہوتا ہے وہی بیداری میں بھی ان کا حال رہتا ہے کیونکہ انہوں نے استصحاب حال پر حکم لگایا اور یہی اہل علم کا بھی قول ہے (وہ بھی استصحاب حال کو حجت سمجھتے ہیں) تو وہ اس حالت کے زیادہ مستحق تھے ۲۱۹
(کہ بیداری میں ان کا وہی حال ہوتا جو نیند میں ہوتا ہے) لیکن چونکہ علماء ظاہر کے اوپر اسباب شہوات کا زیادہ غلبہ ہے اسلئے وہ باتوں ہی کے فقیہ بن گئے (حقیقت کے فقیہ نہ بنے کیونکہ) ان کو باتوں کی حلاوت نے فقہ حال سے روک دیا (اسلئے وہ فقیہ الحال نہ بنے) الخ بھلا فصاحت حال کیساتھ محض باتیں بنانا بھی کچھ قیمت رکھتا ہے ہرگز نہیں یہ) تو نرا کھوٹ ہے جیسے کسوٹی پر پرکھنے کے وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہو گا۔ الوجہ الحادی عشر فیہ دلیل علی عجز المخلوق الی قولہ صاحبھا بیندم عند محک الانتقاد۔

ف استصحاب حال فقہاء کی خاص اصطلاح ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ہر شی کو اسکی پہلی حالت پر باقی رکھنا چاہئے جبتک کسی دلیل سے حالت سابقہ کا بدل جانا ثابت نہ ہو، مثلاً کسی شی کا ابتداء اسلام میں حلال ہونا ثابت ہو تو اسکو بعد میں بھی حلال کہا جائیگا جبتک کسی دلیل سے بعد میں حرام ہونا ثابت نہو اس قاعدہ کا مقتضا یہ تھا کہ جب انسان نیند کے اندر مثل مردہ کے ہوجاتا ہے تو اسکو بیداری کے بعد بھی اپنے کو مردہ ہی سمجھنا چاہئے جبتک کسی دلیل سے یہ ثابت نہو کہ بیداری کے بعد وہ مردہ نہیں رہا بلکہ زندہ ہوگیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بیداری کے بعد بھی دراصل مردہ ہی ہے کیونکہ وہ اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں

Marfat.com

بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے بدون اللہ کی مدد کے نہ وہ اپنے کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ ضرر سے بچ سکتا ہے۔ پس حقیقت میں انسان بیداری کی حالت میں بھی تقریباً ویسا ہی مُردہ ہے جیسا نیند کی حالت میں ہوتا ہے پس جو لوگ استصحاب حال کو زبان سے حجت کہتے ہیں اگر یہ ان کا حال بنجاتا تو وہ بیداری میں بھی اسی طرح تفویض وانقیاد سے کام لیتے جیسا نیند میں اپنے کو اللہ کے حوالہ کر کے خود کو عاجز و بیچارہ سمجھ لیتے ہیں مگر اُن کا فقہ اور علم محض زبانی ہے فقہ باطنی انکو حاصل نہیں اسلئے ان کی حالت نیند اور بیداری میں یکساں نہیں رہتی۔ یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ شریعت مقدسہ نے خود نیند اور بیداری میں فرق کیا ہے چنانچہ نیند کی حالت میں انسان مکلف نہیں رہتا اگر نماز قضا ہو جائے گناہ نہیں ہوتا نیند میں طلاق کا لفظ زبان سے نکلجائے تو اُس سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور بیداری کے احکام اسکے برعکس ہیں۔ پھر علماء ظاہر نے اگر دونوں میں فرق کیا تو کیا گناہ کیا؟ بلکہ دونوں کو یکساں سمجھنا شریعت کے ان مسائل سے غلط معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات صوفیہ کا یہ مطلب نہیں کہ نیند اور بیداری تمام وجوہ سے یکساں ہے اور دونوں کے احکام میں اصلا فرق نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف احتیاج میں دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ کیونکہ اگر انسان خدا کا محتاج نہ ہوتا اور خود اپنے لئے نفع وضرر کا مالک مختار ہوتا تو نیند ۲۲۵
کی حالت میں ایسا عاجز و مجبور ہرگز نہ ہوتا بلکہ نیند کو اپنے اوپر سے دفع کرنے کی اسکو قدرت ہوتی مگر جب وہ نیند کو اپنے سے دفع نہیں کرسکتا اور نیند میں اسکی ساری طاقتیں سلب اور تمام قوتیں معطل ہو جاتی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ بیداری کی حالت میں جو اسکو اپنے اندر کچھ اختیار اور قدرت اور طاقت نظر آتی ہے یہ اس کے قبضہ کی چیز نہیں بلکہ یہ تمام چیزیں اللہ کی دی ہوئی اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جبتک چاہیں اسکو طاقت اور اختیار دیں اور جب چاہیں چھین لیں۔ چنانچہ روزانہ گردش لیل ونہار اور بیداری اور نیند کے تکرار سے اسکو یہی سبق دیا جاتا ہے۔ پس عاقل وہ ہے کہ نیند کی حالت کو بیداری میں نہ بھولے اور یاد رکھے کہ جس نے نیند میں تمام طاقتیں مجھ سے چھین لی ہیں اُسی نے بیداری میں یہ طاقتیں مجھے واپس دی ہیں یہ میرے گھر کی دولت نہیں بلکہ اللہ کے خزانہ رحمت سے مجھے عطا ہوئی ہیں اور میں بیداری کی حالت میں بھی اُسکے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہوا بلکہ اُسی طرح اُس کے قبضہ میں ہوں جس طرح نیند کی حالت میں تھا۔ یہ مطلب ہے بیداری اور نیند کی حالت کے یکساں ہونے کا۔ جو شخص اسکو سمجھ لیگا وہ بیداری کی حالت میں اپنی قدرت واختیار کو اللہ کی نعمت سمجھکر

Marfat.com

اس کا شکر کرے گا اپنے کسی کمال پر ناز نہ کرے گا اور جو اس سے غافل ہو گا وہ نیند کی حالت میں تو جماد
کی طرح مُردہ ہو گا اور بیدار ہو کر اپنے کمالات کو ذاتی کمالات سمجھے گا اُن پر ناز کرے گا تکبر کرے گا اور
اسکو بھول جائے گا کہ رات کو پھر نیند آنیوالی ہے جو میرے تمام کمالات کو سلب کر کے مجھے جماد کی طرح
مُردہ بنا دیگی، نیز جو شخص اس حقیقت کو پیش نظر رکھے گا وہ بیداری میں اپنی قوت اختیار و عقل وغیرہ
کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں صرف نکرے گا کیونکہ وہ سمجھ چکا ہے کہ یہ جو کچھ قدرت و اختیار میرے اندر بحالت
بیداری نظر آرہا ہے یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے اور خدا تعالیٰ کی عطا سے اُسی کی نافرمانی میں کام لینا بڑی بیحیائی
اور بے غیرتی کی بات ہے خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

(۱۵۸) اس میں اللہ تعالیٰ کے لُطف عظیم پر بھی دلالت ہے کہ اسکا لطف و کرم تمام بندوں کے شامل حال
ہے نیک ہوں یا بد مکلّف ہوں یا غیر مکلّف کیونکہ نیند تو سب کے بدن کیلئے راحت ہے اگر ان کی کسی
ضرورت کی وجہ سے نیند کو روک دیا جایا کرتا تو بعضے (دنیا کے) حریص تو عمر بھر بھی نیند کو نہ بلاتے اور اس
میں ان کی ہلاکت و بربادی تھی (کہ رات دن بدن سے دماغ سے کام لیتے کسی وقت ان کو آرام نہ دیتے
۲۲۱ تو پچاس برس میں مرنے والا پچاس ہفتوں یا پچاس دنوں میں ہی ختم ہو جاتا) اسلئے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ
خود ہی نیند کو بھیجتے ہیں کسی مقرب فرشتے وغیرہ کو بھی اس میں واسطہ نہیں بناتے چنانچہ ارشاد ہے
وھو الذی یتوفاکم باللیل وہی تو ہے جو تم کو رات کے وقت (نیند کے ذریعہ) وفات دیدیتا ہے۔ (اگر
اللہ تعالیٰ نیند کو بندوں کے اختیار پر چھوڑ دیتے تو یہ صورت بندوں کیلئے رحمت نہ ہوتی بلکہ عذاب ہو جاتی
جیسا اوپر مفصل معلوم ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کا نیند کو خود ہی بھیجنا سراسر نعمت اور رحمت ہی رحمت ہے جس سے
کوئی مخلوق محروم نہیں مطیع و عاصی سب ہی اُس رحمت سے حصہ لے رہے ہیں) الوجہ الثانی عشر فیہ
دلیل علی عظم لطف المولی الی قولہ وھو الذی یتوفاکم باللیل۔

ف جو لوگ دوپہر کو یا رات کو یہ سمجھکر سوتے ہیں کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جیسا روٹی اور پانی اسکی
نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت سے نفع اُٹھانا چاہئے اُسکی بیقدری اور ناشکری نکرنا چاہئے ان کو نیند کی
حالت میں بھی ثواب ملتا ہے ان کی نیند دوسروں کی بیداری سے افضل ہوتی ہے۔ پس اگر تم کسی عارف
کو نیند کا اہتمام کرتے دیکھو تو اوس سے بدگمان نہ ہو کہ یہ نیند کا کیوں اہتمام کرتا ہے بیداری کا اہتمام کیوں
نہیں کرتا تمکو کیا معلوم ہے کہ وہ نیند کا اہتمام کیا سمجھ کر کر رہا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عارف نیند کا اہتمام

Marfat.com

اُسی حد تک کرے گا جس حد تک صحت کیلئے اُس کی ضرورت ہے اس سے زیادہ نکرے گا جو اس سے زیادہ اہتمام کرے وہ عارف نہیں بلکہ بندۂ نفس ہے اور یہاں سے اُن سالکین کی غلطی واضح ہوگئی جو شب بیداری ہی کو نعمت سمجھتے ہیں نیند کو رحمت نہیں سمجھتے ۱۲ مترجم

اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں

(۱۵۹) اس میں اسپر بھی دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں اور اس سے پاک ہیں کہ نافرمان کی نافرمانی ان کو کچھ نقصان پھونچا سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ خود ہی بلا واسطہ اپنے نافرمان بندوں پر ان کی نافرمانی کو دیکھتے ہوئے یہ راحت (کی نیند) نہ بھیجتے اور کام کرنے والوں کے کام میں (نیند کی وجہ سے) خلل نہ ڈالتے جبکہ اُن کے عمل سے خدا ہی کا نفع تھا، خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے وہ اس سے پاک ہے (کہ کسی کے عمل سے اسکو نفع ہو یا کسی کی نافرمانی سے نقصان ہو) وہ اپنے بندوں پر کیسے مہربان ہیں (کہ دشمنوں اور نافرمانوں کو بھی آرام پھونچاتے ہیں) اور اُن سے کسقدر مستغنی ہیں (کہ کسی کے عمل اور عبادت سے اُن کا کچھ بھی نفع نہیں۔ نفع جو کچھ ہے بندہ ہی کا ہے اسی لئے حق تعالیٰ جب یہ دیکھتے ہیں کہ بندہ کام کرکے تھک گیا ہے اُس پر خود ہی نیند کو مسلّط کر دیتے اور اسکے
۲۲۲ عمل کو کچھ دیر کیلئے معطل کر دیتے ہیں تاکہ راحت حاصل کرکے اپنی صحت کو بحال رکھ سکے)

قولہ الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی استغناء اللہ تعالیٰ عن عبادۃ العباد الی قولہ ما ارحمہ لعبیدہ

ف اللہ تعالیٰ کی صفت استغنا وہ صفت ہے جسکی وجہ سے مسلمان کو باوجود اپنی کوتاہی اور فروگذاشت کے رحمت و مغفرت کی امید رہتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری عبادت پر میرے مولیٰ کا کوئی نفع یا غرض موقوف نہیں اور میری معصیت سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہوا نفع یا نقصان جو کچھ ہے وہ میرا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ میرے اوپر ان آقاؤں کی طرح غصہ نکریں گے جنکا نفع نقصان نوکر کی خدمت یا نافرمانی سے وابستہ ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا غصہ ایسا ہوگا جیسا مہربان طبیب کا غصہ مریض پر ہوتا ہے جسکی اطاعت یا نافرمانی سے طبیب کا نفع و نقصان وابستہ نہیں ہوتا یا اُس مہربان بادشاہ کی طرح جو اسکول کے طلبہ پر غصہ ہوتا ہے کہ وہ اسکول کے امتحان میں فیل کیوں ہوئے۔ اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفت استغناء سے مسلمان کو رحمت کا امیدوار ہونا چاہئے مگر افسوس کہ بعض نادان اس صفت کو قہر کے معنے میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کی جوان موت پر لوگ افسوس کرتے ہیں کہ ہائے کیسا جوان مرگیا بیوی بچوں کا کچھ لطف نہ پایا دنیا کی بہار نہ دیکھی تو بعض

Marfat.com

بوجھ بجگر اس موقعہ پر فرمادیا کرتے ہیں کہ بھائی اللہ کی ذات بڑی بے پرواہے، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کو بے پرواہ کہنے کے معنے یہ ہیں کہ ان کو کسی پر رحم نہیں نہ کسی کی مصلحت کا لحاظ ہے استغفر اللہ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم کون ہوگا؟ کہ سو سو سال کے گنہگار اور ہزار سال کے نافرمان کافر کو بھی ایک منٹ میں استغفر اللہ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے ایسا پاک کر دیتے ہیں کہ گویا اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا۔ اور اُن سے زیادہ کون مہربان ہوگا جو دوست دشمن سب کو روزی دیتے اور میٹھی نیند سلاتے ہیں اور سوتے ہوئے اپنے بندوں کی اس طرح حفاظت فرماتے ہیں کہ ماں باپ بھی ایسی حفاظت نہیں کر سکتے اور اُن سے زیادہ بندوں کی مصلحت کا کون لحاظ کریگا جس نے ہوا پانی کو جس پر جاندار کا مدار ہے سب کے لئے مُفت کر دیا اور نیند کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ بندے کے اختیار میں نہیں دیا۔ رہا کسی کا بچپن یا جوانی میں مرجانا تو اسکو ناداں لوگ خلاف مصلحت سمجھتے ہوں تو سمجھا کریں اللہ تعالیٰ اسکی مصلحت کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں ایک مصلحت تو یہی ظاہر ہے کہ اگر جوانوں کو موت نہ آیا کرتی بوڑھے ہی مرا کرتے تو جوان موت سے بےفکر ہو کر وہ حرکتیں کیا کرتے کہ تمام عالم فساد سے بھر جاتا۔ جوانوں کو نیک اعمال کی طرف رغبت بھی کم ہوتی کہ ابھی کیا جلدی ہے بڑھاپے میں اللہ کو راضی کر لیں گے۔ مگر اب ہر شخص کو موت کا ڈر لگا ہوا ہے تو جوان بھی بہت ایسے ہیں جنکو طاعات کا اہتمام اور معاصی سے اندیشہ ہے ہر روز توبہ و استغفار کی ضرورت اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے کہ شاید کل ہی کو موت آجائے تو گناہ سے پاک ہو کر آئیے اور اگر بچوں کو موت نہ آیا کرتی بلکہ جتنے بچے پیدا ہوتے سب ہی زندہ رہا کرتے تو آج دنیا میں بسنے کو جگہ بھی نہ ملتی کیونکہ پیدائش کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ باوجود شرح اموات زیادہ ہونے کے بھی لوگوں کو دنیا تنگ نظر آتی ہے اور نہ معلوم اس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی مصلحتیں ہوں گی غرض اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کے معنے یہ ہیں کہ ان کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں نہ ان کا اس سے کوئی نفع اور نہ کسی کی معصیت سے ان کا کوئی نقصان خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم ۲۲۷

خاتمہ مشتمل بر نصیحت، حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ میں ہدایت کی طرف نا سمجھ لوگوں کو کتنا پکار رہا ہوں اور عقل کے بہروں کو کس قدر نصیحت کر رہا ہوں مگر وہ خواہش پر فریفتہ ہیں، حالانکہ خواہش پر جما رہنا باوجود ضعف کے جسم کیلئے بیماری ہی بیماری ہے۔ پس اپنے دین کے بیمار بدن کو خالص توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانے سے تندرست بنا۔ کیونکہ کمزور بدن میں بیماریوں کا جمع ہونا سل (اور دق) ہے اور وہ تجھکو ہلاک کر دے گا

Marfat.com

تیرا بھلا ہو تو بیدار ہے یا سو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرے اور ہمارے دلوں کو نسیم محبت سے حیات بخشے، اور ہمارے دین کے کمزوروں کو اس کو طاعت کی تریاق سے قوت دے کہ وہی فضل فرمانے والا احسان کرنے والا ہے۔

بست و یکم حدیث غسل المنی من الثوب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر (فرماتی ہیں کہ) میں کپڑے میں اس کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی تھی۔

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ منی کو دھونا چاہئے اور اس کا دھونا بتلاتا ہے کہ منی ناپاک ہے اور یہی امام مالکؒ اور ان کے اتباع کا مذہب ہے۔ (حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے) اور اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۶۰) **ف** حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے تذکرہ سے شرم لاحق ہوتی ہو ضرورت کے وقت اس کا تذکرہ جائز ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے منی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس کا ذکر شرمناک ہے کیونکہ وہ اس بات کا پتہ دیتی ہے جسکو قرآن وحدیث نے کنایۃ بیان کیا ہے چنانچہ قرآن میں ہے ھن لباس[۱] لکم وانتم لباس لھن۔ عورتیں تمہارا لباس ہیں تم ان کا لباس ہو۔ اور حدیث میں ہے حتی تذوقی[۲] عسیلتہ ویذوق عسیلتک۔ یہانتک کہ تو اس کا مزہ لیلے اور وہ تیرا مزہ لیلے،، لیکن حضرت عائشہ نے احکام کی توضیح کیلئے اس کا ذکر (صاف صاف) فرما دیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نعم النساء نساء الانصار لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین۔ کیسی اچھی عورتیں ہیں انصار کی عورتیں کہ ان کو حیاء (وشرم) دین کی سمجھ حاصل کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔ قولہ الوجہ الثالث دلیل علی جواز ذکر ما یخجل ذکرہ الی قولہ ان یتفقھن فی الدین،،

ف بعض صوفیہ کے کلام میں فحش حکایات اور فحش امثال جو وارد ہیں ان کا یہی محمل ہے کہ ان حکایات و امثال سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ بہت ضروری بات تھی اور اس کیلئے اس سے بہتر صورت سمجھانے کی نہ تھی،

ضرورت شرعیہ کے تحت شرمناک امور کا تذکرہ جائز ہے ۱۶۰

---

[۱] اس سے حالت مباشرت کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [۲] یہ ایک عورت کے مقدمہ میں ہے جسکو پہلے شوہر نے تین طلاق دیدی تھی اور وہ دوسرے شخص سے نکاح کرکے اس سے طلاق لیکر پہلے شوہر کے نکاح میں جانا چاہتی تھی حضور نے فرمایا کہ دوسرے شوہر سے علیحدگی اسوقت تک معتبر نہ ہوگی جبتک وہ ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے اگر اس سے پہلے طلاق ہوئی تو پہلے شوہر سے نکاح درست نہ ہوگا ۱۲

Marfat.com

اور مسائل شرعیہ میں منی یا ہمبستری اور حیض و نفاس کا ذکر تو جس ضرورت سے کیا جاتا ہے اُسپر یہ حدیث پوری روشنی ڈالتی ہے۔ اور اس قسم کی حدیثیں ایک دو نہیں سیکڑوں ہیں" پس اگر بہشتی زیور میں ایسے مسائل کا ذکر آگیا ہے جنکی عورتوں کو سخت ضرورت پڑتی ہے تو کیا جرم ہوا مگر جنکو دین کی ضرورت اور اس کا اہتمام ہی نہو وہ اسکے متعلق جو چاہیں کہیں مگر دل میں یہ سوچ لیں کہ وہ ان احادیث اور کتب فقہ کے متعلق کیا کہیں گے جن سے بہشتی زیور میں یہ مسائل لئے گئے کیونکہ اگر ہندوستان کی عورتیں انکو نہیں سمجھتی ہیں تو عرب اور مصر و شام کی عورتیں تو ان کو ویسا ہی سمجھتی ہیں جیسا ہندوستان کی عورتیں بہشتی زیور کو۔ اللہ تعالےٰ ان معترضین کو ہدایت دے کہ ہنر بھی ان کی نظر میں عیب ہی معلوم ہوتا ہے ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

۲۲۵ (۱۶۱) حدیث میں نجاسات کے معاملہ میں سہولت اور تیسیر پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ ہم اُسی بات کے مکلف ہیں جو ہمکو نظر آجائے اور نفس کو احتمالات کے درپے نہونا چاہئے، کیونکہ حضرت عائشہ کپڑے کا وہی حصہ دہوتی تھیں جہاں منی نظر آتی حالانکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید کپڑے میں کسی اور جگہ بھی لگ گئی ہو (اور نظر نہ آئی ہو اس احتمال پر سارا کپڑا دھونا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں کیا) اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے النضح طہور لا شك فیه (شک کی جگہ پر پانی کا چھڑک دینا بھی پاک کر دیتا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں"، کیونکہ (اس جگہ) پانی چھڑکنے کا اسکے سوا کیا فائدہ ہے کہ دل کی کھٹک جاتی رہے اور جس ناپاکی کا یقین نہیں ہے وہ معاف ہو جائے، کیونکہ ناپاکی اگر کپڑے کے اس حصہ کو لگ چکی ہے تو محض پانی چھڑکنے سے وہ زائل نہیں ہو سکتی (جبتک اچھی طرح دہو کر نچوڑا نہ جائے) اور اگر نہیں لگی تھی تو پانی چھڑکنے سے پاکی میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی۔ قوله الوجه الرابع فیه دلیل علی التیسیر فی امر النجاسات الی قوله فلیس الماء یزید فی طهارة شیئا

ف۔ حاصل یہ ہوا کہ جس جگہ ناپاکی لگنے کا یقین ہو جائے اسکو اچھی طرح دہو دینا چاہئے جہاں شبہ ہو وہاں معمولی طور سے پانی چھڑک دینا چاہئے تاکہ دل کی کھٹک دور ہو جائے، یہاں سے اُن صوفیوں کی غلطی واضح ہو گئی جو پاکی ناپاکی کے معاملہ میں بہت کاوش کرتے ہیں ذرا سے شبہ میں سارے کپڑے کو دہوتے اور تمام بدن کو گھڑوں پانی سے پاک کرتے ہیں اس کاوش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وسوسہ اور وہم بڑھ جاتا ہے تو بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات ان وہمیوں کو جماعت کی نماز بھی نہیں ملتی اور بعضوں کی تو نمازیں قضا ہو جاتی ہیں

خدا اس جہل سے بچائے اور وسوسہ اور وہم کو کسی پر مسلّط نہ کرے کہ ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے کبھی حلاوت کی ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا شیطان نے ان کا راہ مار رکھا ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں ہم سے زیادہ کسیکو طہارت کا اہتمام ہی نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس غلو نے ان کو نماز کی حلاوت ہی سے محروم کر دیا ہے جسکے لئے وضو اور غسل وغیرہ شرط کے درجہ میں ہیں پس شرط کا اتنا اہتمام جس سے اصل مقصود ہی جاتا رہے کہاں کی بزرگی ہے ۱۲ مترجم۔

(۱۶۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (شوہر کو بیوی سے خدمت لینا یا) عورت کو شوہر کی خدمت کرنا جائز ہے جبکہ وہ خوشی سے خدمت کرے گو وہ کیسی ہی معزز (خاندان کی) ہو، یہ مسئلہ حدیث کے اس لفظ سے ماخوذ ہے کنت اغسل یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور کا کپڑا دھویا کرتی تھی اور (ظاہر ہے کہ) کپڑا دھونا خدمت ہی میں داخل ہے، اور حضرت عائشہ کو جیسی عزت و رفعت حاصل تھی وہ ظاہر ہے۔ قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی جواز خدمۃ المرأۃ زوجھا الی قولہ ذای رفعۃ مثل رفعۃ ھذہ السیدۃ۔

ف ۔ صوفیہ کا مذاق اس باب میں مختلف ہے، بعضے اپنی بیویوں سے خدمت لینا گوارا کرتے ہیں کیونکہ انکو معلوم تھا کہ وہ خوشی سے خدمت کرتی ہیں۔ بعضے اس کو گوارا نہیں کرتے گو وہ جانتے ہیں کہ بیوی خوشی سے ۲۲۶
خدمت کرتی ہے مگر احتیاطاً اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ شاید کسی وقت گرانی ہو اور شرما شرمی خدمت کرے۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو اپنی خدمت کو بیوی کے ذمہ واجب سمجھتے ہیں، حالانکہ بیوی خدمت کیلئے نہیں ہے بلکہ محض اُنس حاصل کرنے اور استمتاع کیلئے ہے۔ قال تعالیٰ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن وقولہ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ۱۲ مترجم

بست و دوم حدیث غسل دم الحیض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو حیض (ختم ہونے) کے بعد پاکی کے وقت وہ خون کو اپنے کپڑے سے کھرچ دیتی پھر اسکو دھو ڈالتی اور باقی کپڑے پر پانی چھڑک دیتی پھر اس میں نماز

شرح ۔ ظاہر حدیث خون حیض کے دھونے کو بتلا رہا ہے (جس سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوا) اور یہ کہ جس کپڑے میں عورت کو حیض ہوا ہو اُس میں (دھونے کے بعد) نماز پڑھ سکتی ہے، اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۶۳) یہ ارشاد کہ خون کو کپڑے سے کھرچ دیتی ۱۱، اسلئے ہوا کہ خون کو کپڑے سے چھڑانے کا یہ طریقہ آسان ہے،

Marfat.com

چنانچہ مشاہد ہے۔ کیونکہ دلدار نجاست کا اول کھرچ دینا پھر دھونا زیادہ مفید ہے۔ اگر کھرچنے سے پہلے اس پر پانی بہایا جائے گا تو کپڑے میں ناپاکی زیادہ پھیل جائیگی اور اس پر چند فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ دلدار ناپاکی کے دھونے کا بہترین طریقہ بلکہ سنّت یہ ہے کہ دھونے سے پہلے اسکو کھرچ دیا جائے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام امور میں سنّت یہ ہے کہ آسان طریقہ اختیار کیا جائے چونکہ یہ صورت نجاست دور کرنے کی آسان صورت تھی اسیلئے حضرت عائشہ نے اسکو اختیار فرمایا اور دوسروں کو بھی بتلا دیا تاکہ اس میں انکی اقتدا کی جائے، اسکی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار ایسرھما ما لم یکن اثما فان کان اثما کان ابعد الناس منہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو صورتوں میں اختیار دیا گیا تو آپنے دونوں میں آسان کو پسند فرمایا بشرطیکہ گناہ نہو اور اگر گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ اُس سے دور رہتے تھے۔ الوجہ الرابع قولھا ثم تقرضہ لدم والوجہ الخامس یوخذ منہ ان السنۃ فی الامور ان یوخذ بالایسر الی قولہ کان ابعد الناس منہ

ف۔ یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ جب حضور کو دو صورتوں کا من جانب اللہ اختیار دیدیا گیا تو ان میں سے کسی کا گناہ ہونا کیونکر ممکن ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے گناہ کا بھی اختیار دیا۔ جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی صورت خود تو گناہ نہیں ہوتی مگر گناہ کی طرف مفضی ہوجاتی ہے حضور اس سے بھی دور رہتے تھے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت حضور کا امتحان لیا گیا ہو اور امتحان کے وقت دونوں صورتیں جائز ہوں مگر آئندہ ان میں سے ایک صورت گناہوں میں داخل ہونے والی ہو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اُس سے بھی دور رہتے تھے جیسا حدیث میں ہے کہ شب معراج میں آپکے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ تھا ایک میں شراب تھی اور اس وقت تک شراب حرام نہ تھی مگر حضور نے دودھ کو اختیار فرمایا شراب کو واپس فرمادیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲۷

ف۔ یہاں یہ شبہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ افضل العبادات احمزھا وفی النہایۃ لابن الاثیر عن ابن عباس بلفظ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال احمزھا ای اقواھا واشدھا کذا فی المقاصد الحسنۃ ص۳۳ یعنی اعمال میں افضل وہ ہے جو زیادہ دشوار اور سخت ہو۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آسان کو کیوں اختیار فرماتے تھے۔

Marfat.com

اگر یہ حدیث[۵] ثابت ہو تو جواب یہ ہے کہ آسان کام بھی ہر وقت آسان نہیں ہوتا بعض وقت دشوار ہوتا ہے مثلاً وضو فی نفسہ آسان ہے مگر بعض دفعہ سردی وغیرہ کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جماعت سے نماز پڑھنا فی نفسہ آسان ہے مگر بعض اوقات سردی یا اندھیری رات میں عشا اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنا دشوار ہوتی ہے۔ پس سردی کا وضو گرمی کے وضو سے افضل ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں عشا و صبح کی جماعت گرمی کی جماعت سے افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ آسان کام بھی پابندی کی وجہ سے بعض اوقات دشوار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عمل کو اختیار فرما لیتے تھے اسکی پوری پابندی فرماتے تھے خواہ نفس کو راحت ہو یا تکلیف ہو، پس تکلیف کی حالت میں معمولات کی پابندی کرنا راحت کی پابندی سے افضل ہے۔ پس اعمال میں شاق اور سخت کا افضل ہونا بایں معنی ہے کہ عمل کی پابندی کرنا افضل ہے کیونکہ پابندی نفس کو گراں ہے گو عمل آسان ہی ہو۔ دوسرے یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ مقاصد میں تو افضل وہ ہے جو دشوار اور شاق ہو اور وسائل میں افضل وہ ہے جو آسان ہو کیونکہ وسائل خود مقصود نہیں ہوتے مثلاً سردی کے موسم میں حمام کے اندر گرم پانی بھی موجود ہے اور حوض میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے تو اس وقت گرم پانی سے وضو کرنا افضل ہے خواہ مخواہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں پھر سردی میں کھڑا ہو کر تہجد پڑھنا دشوار اور ۲۲۸
بیٹھ کر پڑھنا آسان ہے تو یہاں کھڑا ہو کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ نماز مقاصد میں سے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔
والجواب الثانی من افاضات حضرۃ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ۔

بست و سوم[۲۳] حدیث کیفیۃ الاغتسال من الحیض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ حیض کے بعد میں کیونکر غسل کروں فرمایا (نہانے کے بعد) کپڑے کے ٹکڑے کو مشک سے آلودہ کرکے اس سے صفائی کر لیا کرو، تین بار فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرما گئے اور اپنا منہ پھیر لیا یا (منہ پھیر کر) فرمایا کہ اس سے صفائی کر لیا کرو، (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) پھر میں نے اس عورت کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلب اسکو سمجھا دیا۔

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ خون حیض میں خاص قسم کی بدبو ہوتی ہے جو تنہا پانی سے زائل نہیں ہوتی (بلکہ اس کیلئے مشک وغیرہ کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مشک خصوصیت کیساتھ رحم کیلئے

---

۵ اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے جیسا مقاصد حسنہ میں مذکور ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

متقی بھی ہے) اس حدیث پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا حکم بدون وضاحت کے معلوم نہ ہو سکتا ہو ضرورت کی وجہ سے اسکو مجبوراً بیان کیا جائے گا اگرچہ اُسکے ذکر سے شرم آتی ہو یا اس کا ذکر ناگوار ہو۔ قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علیٰ ان الامور التی لا یمکن معرفۃ الحکم فیھا الی قولہ فلا بد من اجل الضرورۃ،،

ف حضرات صوفیہ اس سنّت پر عامل ہیں وہ ضرورت کے مقام پر عرفی شرم کی رعایت نہیں فرماتے بلکہ احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں، حضرت مولانا عبد الحی بڈہانوی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں بہلی پر سوار تھے۔ آپ کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں نماز کا وقت آیا تو بیوی کو بہلی سے اُتارا اور برقعہ پہنا کر نماز پڑہائی پھر باواز بلند فرمایا کہ صاحبو! یہ عبد الحی کی بیوی ہے دیکھ لو نماز کیواسطے اُتری ہے یہ کہنا تھا کہ سارے قافلہ کی عورتیں بہلیوں سے اُتر اُتر کر زمین پر نماز پڑہنے لگیں ورنہ سب گاڑی ہی میں نماز پڑھ لیتیں زمین پر نہ اُترتیں۔ پس گو مولانا کا یہ فرمانا کہ یہ عبد الحی کی بیوی ہے دیکھ لو عُرفاً شرمناک تھا مگر ضرورت تبلیغ احکام کیلئے آپنے اسکو گوارا فرمایا۔

(۱۶۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے چھوٹوں کا (کسیکو) تعلیم و تلقین کرنا جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہونا چاہئے جبکہ بڑے نے حکم بتلا دیا ہو، مگر مخاطب نہ سمجھا ہو تو چھوٹا اسکو سمجھا دے) تو یہ (دراصل) ان کی خدمت کی قسم سے ہوگا خصوصاً ایسی بات میں جس (کی تفصیل سے) بڑے کو شرم آتی ہو اور چھوٹے کو شرم نہ آتی ہو۔ کیونکہ عورتیں آپس میں باتیں کرتے ہوئے نہیں شرماتیں جیسا مردوں سے (بعض باتوں میں) شرماتی ہیں۔ قولہ الوجہ السابع یؤخذ منہ تعلیم المفضول بین یدی الفاضل الی قولہ کما یقع من حدیث الرجال۔

(۱۶۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں اگرچہ وہ فطری ہی کیوں نہ ہوں یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ پوچھنے والی کو یہ ارشاد فرمایا کہ خون حیض کی بدبو کو (مشک کے ذریعہ سے) دور کرنا چاہئے حالانکہ یہ بدبو فطری (اور غیر اختیاری) ہے اسکو بھی خوشبو سے چھپانے کا حکم ہوا، مگر اس میں شرعاً یہ قید (بھی ضروری) ہے کہ (عیب کا) چھپانا اسی طریقہ سے ہو جسکی شریعت اجازت دے مکر و فریب یا جھوٹ اور ناجائز طریقہ سے نہ ہو کہ اسکی اجازت نہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپنے ایک شخص کو

جہاں تو عجم کی ضرورت ہو وہاں صفائی سے حکم شرعی بیان کیا جائے شرم نہ کی جائے ۲۲۵

انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں

Marfat.com

(۱۶۶) اس حدیث میں دلائل ایمان اگر غور کروگے بہت ہیں۔ رہا اس سوال کا جواب کہ ان امور کی ہمیں خبر دینے میں کیا حکمت ہے اور اس پر کیا احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں؟ تو منجملہ اور حکمتوں کے ایک یہ ہے کہ اس میں ہماری ابتداء پیدائش کو اور ہمارے ضعف کو بتلایا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کیسا لطف وکرم ہے اور اسکے الطاف کس طرح ہمکو گھیرے ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو تمام احوال میں ہمارے لئے مسخر فرمادیا ہے (یعنی ان کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے) ہماری عقل (وشعور) کی حالت میں بھی اور بے عقلی (وعدم شعور) کی حالت میں بھی چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ۔ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر فرمادیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں (یعنی سب کو) اپنے احسان وفضل سے (تمہارے کام میں لگا رکھا ہے) اس میں لطیف پیرایہ سے (بندہ کو) عبادت کی طرف بلایا گیا اور اسکے لئے دلوں کو کھولدیا گیا ہے کیونکہ جب بندہ دیکھتا ہے کہ اس جلیل الشان آقا کا جو غنی اور مستغنی ہے مجھ پر اس قدر لطف وکرم ہے تو عبادت اسپر آسان ہوجاتی اور اس بادشاہ کے دربار میں (پہنچنے کی) طلب (ورغبت) پیدا ہوتی ہے جس نے ایسے وقت میں اسکو معزز فرمایا جب یہ اپنے آقا کو جانتا بھی نہ تھا نہ اسکی عبادت کرتا تھا پھر اب کیا کچھ (لطف) ہوگا جب یہ اسکی عبادت کرتا ہے اور (اس کے ۲۳۲
بعد) جب حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہے ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں تو حیا اور محبت اور اشتیاق ورغبت وہیبت سے پگھل جاتا ہے۔ قولہ الوجہ الثالث فیہ من الادلۃ الایمانیۃ اذا تاملت جمل کثیرۃ الی قولہ ذاب حیاء وحیا واشتیاقا ورغبۃ وھیبۃ۔

ف مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطف او ناگفتۂ ما می شنود

اللہ تعالیٰ کی عنایات والطاف ہمارے اوپر اس وقت سے ہیں جبکہ ہمکو اپنی خبر بھی نہ تھی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہمکو اپنی پوری خبر اب بھی نہیں کیونکہ انسان جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے اور روح کی حقیقت کسی کو آج تک معلوم نہیں یہ ایک سربستہ راز ہے جسکی خبر انبیاء علیہم السلام کو ہو تو ہو۔ بس اللہ ہی کو ہماری حقیقت کی خبر ہے اور وہی اپنی مہربانی سے ہماری تمام ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں۔ مگر انسان کس قدر غافل ہے کہ دنیا بھر کو راضی کرنے کی فکر میں ہے اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر نہیں کرتا جسنے اسکو پیدا کیا

(باقی آئندہ)

Marfat.com

اور اسکے اندر روح ڈالی جسکی وجہ سے تمام عالم پر اسکی حکومت ہی مگر یہ نادان سمجھتا ہے کہ میں اپنی عقل اور تدبیر سی سب کچھ کرتا ہوں حالانکہ اسکو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ عقل ہے کیا چیز؟ اور وہ کیونکر اسکی رہنمائی کرتی ہی

۵ انت کالریح ونحن کالغبار ۔ عیفا تخفی وغبرا ھا جھار

ماہمہ شیراں ولے شیر علم ۔ حملہ شاں از باد باشد دمبدم

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد ۔ ہر کہ ناپیداست یا رب کم مباد

اے ازدل ما۔ یہ مضمون تصوف اور سلوک کی جڑ ہے سالکین کو ہر وقت اسے پیش نظر رکھنا چاہئے۔

(۱۶۷) ان تغیرات وادوار میں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری پیدائش کو شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمارے اندر اور تمام مخلوقات کے اندر ظاہر ہوتی ہے اور عقل کی رسائی کو اس قدرت کے ادراک سے روکدیا گیا ہے سوا اس حصہ کے جس تک رسائی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اور جس کی یہ قدرت ہی اسنے اپنی ذات وصفات کے احاطہ سے مخلوق کی امید کو قطع کردیا ہے۔ تعالیٰ عما یقول الظلمون علوا کبیرا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بلند اور پاک ہی جو ظالم لوگ کہتے ہیں (کہ بعض لوگ اسکے لئے جہت و مکان وغیرہ صفات اجسام ثابت کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ظاہر کردیا کہ ان مخفی تغیرات میں جو بحالت ضعف انسان پر طاری ہوتے ہیں اور اس حالت میں جو عقل وبلوغ اور حد تکلیف کو پہونچنے کے بعد ہوتی ہے کیا نسبت ہے؟ اسوقت یہ صورت حیوانیہ انسانیہ ہڈی اور مغز اور گوشت پوست اور رگوں اور دل اور جگر اور قوت اور عقل وفکر وشہوت اور ہر قسم کے تصرف اور پکڑنے کی طاقت پر اور ان تمام چیزوں پر جو حسن صنعت کو ظاہر کرتی ہیں مشتمل ہوتی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو سب سے اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اس پہلی حالت کو دوسری حالت سے اور پہلی پیدائش کو اس دوسری صورت سے کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ پھلوں کی بابت فرماتے ہیں جبکہ وہ اچھی طرح پک جائیں۔ انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ۔ دیکھو درخت کے پھل کو جب وہ پھل دیتا ہے اور اسکے پکنے کو دیکھو۔ مطلب یہ ہے کہ پھل کو اس حالت میں دیکھو جب وہ درخت سے نکلتا ہے پھر اسوقت بھی دیکھو جب وہ اچھی طرح پک جاتا ہے تاکہ اس حالت کو پہلی حالت سے اور درخت سے اُگنے کی حالت سے کیا نسبت ہی۔ ہمارے مشاہدہ میں تو یہ دونوں حالتیں متبائن ہیں ایک کو دوسری سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ پس گویا اللہ تعالیٰ اپنے زوردار کلام کے دلول سے یوں فرمارہے ہیں کہ کیا تمکو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ سب

۲۳۳ انسان کی پیدائش جن طبقات سے گذر کر ہوتی ہے انہی سے الہی عجیب قدرت کا ظہور ہے

کچھ محض قدرت (حق) سے ہوا ہے نہ درخت کی جڑ سے ہوا نہ پانی سے۔ بس اسکو دیکھو جسکی قدرت سے یہ سب کچھ ہوا اسی کی طرف جھکو اسکی اطاعت کرو (اسی کے حوالہ اپنے آپ کو کردو) پھر اسکے بعد بڑھاپے کی حالت آتی ہے تو سارا معاملہ اُلٹ جاتا ہے قوت ضعف سے بدل جاتی اور تمام احوال میں کمال کی جگہ نقصان آجاتا ہے باوجودیکہ جسم اپنی بناوٹ ہی پر رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس حالت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا و شیبۃ۔ پھر اللہ نے قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا (انسان پر) مسلط کر دیا۔ عبرت لینے والوں نے اس سے عبرت لی نصیحت قبول کرنے والوں نے نصیحت حاصل اور غفلت والے جہالت کی تاریکیوں ہی میں رہ گئے ان کو بجز خواہش نفس کے کچھ نظر نہیں آتا علوم و معارف کے بارہ میں وہ ایسے ہیں جیسے گدھا کتابیں کمر پر لادے ہو،، اور بعضوں کی تو یہ حالت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اِن ھُمْ اِلَّا کالانعام بل ھم اضل کہ وہ بالکل جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بیوقوف اسی لئے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جنپر یہ لوگ گذرتے ہیں منہ پھیرتے ہوئے (بیرخی کرتے ہوئے) یعنی غافل ہوکر گذرتے ہیں (ان
نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے) قولہ فی الوجہ الثامن ویترتب علی ھذا الاخبار بھذہ التطورات ۲۳۴
الی قولہ ای غافلون

ف انسان کی ابتدائے خلقت ایسی عجیب ہے کہ اگر روزمرہ مشاہدہ میں نہ آیا کرتی تو لوگ دور دور سے بچہ کو دیکھنے آیا کرتے،، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی کی طرف ہمکو متوجہ کیا ہے اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اپنے رب کا نام لیکر پڑھو جسنے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا، ہر مسلمان کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً ان حالات و تغیرات و تطورات میں غور کرنا اور ان سے عبرت حاصل کرکے معرفت کو ترقی دینا چاہئے۔ اللہ اللہ انسان ابتدا میں کیا ہوتا ہے اور جوانی میں کیا سے کیا بن جاتا ہے؟ پھر اس غفلت کو بھی دیکھو کہ انسان کتنی جلدی اپنی ابتدا کو بھول جاتا اور جوانی کے غرور و تکبر میں مبتلا ہوکر خدا سے ایسا بیرخ ہوجاتا ہے گویا ان تلوں تیل ہی نہیں اے انسان سوچ کہ تو اللہ کے ہاتھوں پیدا ہوکر پرورش پاکر کس پر جان فدا کرتا ہے اور کس کو بھولتا ہے؟ زمین و آسمان بھی تیری اس غفلت کو دیکھکر یوں کہتے ہیں ع

وکنت اظن ان جبال رضوی   تزول وان حبک لا یزول

Marfat.com

و لکن القلوب لھا انقلاب وحالات ابن آدم تستحیل۔

ہمارا تو یہ خیال تھا کہ پہاڑ ٹل جائیں گے مگر خدا کیساتھ جو تجھے محبت ہے وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے گی۔ مگر تجربہ نے بتلا دیا کہ قلوب میں بھی انقلاب ہوتا ہے اور انسان کی حالتیں بدل جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو اس انقلاب اور تغیر سے محفوظ رکھے آمین اللھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور و من العمی بعد الھدی بحرمۃ نبیک نبی الرحمۃ سید الوری صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ مصابیح الدجی و مفاتیح الھدی وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۱۲ مترجم

(۱۶۸) حدیث میں رزق اور عمر کا ذکر علی الترتیب سب سے آخر میں آیا ہے اس میں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ فرشتہ اول تو بچہ کی صورت بنانے میں مشغول ہوتا ہے اور جیسا حکیم مطلق کو منظور ہوتا ہے اسی کے موافق شقاوت یا سعادت کیساتھ اسکو بناتا ہے اسکے بعد رزق اور عمر کا ذکر آخر میں آیا، یہ ترتیب عجیب ہے جو مقتضائے حکمت کے موافق ہے کیونکہ ارادۂ (حق) میں اہم اور مقدم (انسان کی) پیدائش (اور بناوٹ) ہوتی ہے تو اول اس کا ذکر کیا گیا اسی پر بچہ کا لڑکا یا لڑکی ہونا متفرع ہے اور دوسری صفات بھی (مثلاً حسین ہونا بدشکل ہونا وغیرہ) اور اسی پر شقاوت وسعادت طاری ہوتی ہے پھر رزق کا درجہ ہے جو موت سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لن تموت نفس حتی تستکمل رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب۔ ہرگز کسی کو موت نہ آئیگی جبتک وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ پس اللہ سے ڈرو اور طلب (رزق میں) اجمال سے کام لو (زیادہ کاوش نہ کرو) اسکے بعد موت کا درجہ ہے تو اسکو سب سے آخر میں بیان کیا گیا، پس جب معاملہ نمٹ چکا ہے تو طلب رزق میں یہ حرص کیسی؟ کام تمام ہو چکا ہے نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے، رزق اور عمر اور سعادت وغیرہ کا وہی حال ہے جو تذکیر وتانیث (یعنی لڑکا اور لڑکی ہونے کا) کہ اس میں تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا اس حقیقت کے سمجھ جانے ہی سے حضرات صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے وہ کسی چیز پر التفات نہیں کرتے اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں جو ان کے اندر تصرف کر رہا اور ان پر لطف و کرم فرما رہا ہے جیسا دوسروں کو ذکوریت کے مبدل بہ انوثت ہونے کی طمع نہیں ہوتی نہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ ذکوریت وانوثت باہم مل جائیں۔ اسی طرح صوفیہ کو رزق اور عمر کے بارہ میں کوئی تمنا نہیں ہوتی نہ سعادت وشقاوت میں تبدیلی کی طمع ہوتی ہے وہ تو بس اس کام میں مشغول ہیں

۲۳۵ رزق اور عمر مقدر ہو چکی ہے اسلئے رزق کے بارہ میں اجمالی کوشش کافی ہے کاوش نہ کرے

Marfat.com

ہیں جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے (وہ اللہ کی عبادت و اطاعت میں لگے رہتے ہیں قبول و ناقبول، سعادت یا شقاوت اور جنّت و دوزخ سے ان کو کچھ بحث نہیں) یہانتک کہ بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں نے اللہ کی عبادت جہنم کے خوف یا جنّت کی رغبت سے کی ہو تو اللہ تعالیٰ میرا حشر فرعون و ہامان کی ساتھ کرے بلکہ میں تو ان کی عبادت محض اسلئے کرتا ہوں کہ وہی عبادت کے لایق ہیں، سمجھدار کیلئے یہی بات حق بھی ہے اسکے متعلق بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصّہ کافی ہے جسکو اُس زمانہ کے نبی نے (وحیٔ الٰہی سے) اطلاع دی تھی کہ وہ جہنم والوں میں سے ہے تو اُس نے پہلے سے زیادہ عبادت بڑھا دی اسپر اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر دوبارہ) وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہدو کہ جو اسکے جی میں آئے کرے وہ جنّت والوں میں شامل کردیا گیا کیونکہ اُس نے (پہلی وحی پر) اپنے نفس کو ذلیل سمجھا (اور عبادت سے نظر اٹھا کر اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار بن گیا تھا) اور رزق کے معاملہ میں بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب درویش اپنی معاش ہی پر نظر کرتا ہے (کہ آج کتنے روپے پاس ہیں کل کو کہاں سے آنیکی اُمید ہے) تو اسکی طریقت کا اللہ ہی حافظ ہے (یعنی اسکو طریق باطن کا حاصل ہونا دشوار ہے) اسکے متعلق

۲۳۶ وہ حالت کافی ہے جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں تو عاجزی ظاہر کروں ایک دن سیر ہوکر کھاؤں تو شکر کروں (یعنی حضور نے دنیا کے خزانوں کو پسند نہیں فرمایا بلکہ شان توکل کو اختیار فرمایا) یمن بن زرق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب ماضی لوٹ نہیں سکتا اور مقدر بدل نہیں سکتا تو فکر (کے بوجھ) کو گردن سے) پھینک دینا ہی سعادت عاجلہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اُن لوگوں میں شامل کردیں جو سعادت اور حمایت و حفاظت اور فہم (عمل) و قبول سے سرفراز ہوئے اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں (وہی یہ دولتیں عطا فرمائیں تو کام بنجائیگا ورنہ دوسرا کون ہے یہ دولتیں عطا کرسکے) قولہ الی حیث العاشر فیما الرزق فی الاجل الی قولہ لا رب سواہ۔

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ صوفیہ کو شقاوت و سعادت میں تبدیلی کی طمع نہیں ہوتی نہ ان کو جنت و دوزخ سے بحث ہوتی ہے یہ اہل حال کی باتیں ہیں ہم جیسوں کو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں ہمکو تو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہی دعا کرنا چاہئے کہ اگر خدانکردہ ہماری تقدیر میں شقاوت ہو تو اپنے فضل و کرم سے اسکو مبدل بہ سعادت کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ کو یہ کچھ دشوار نہیں دیکھو عابد بنی اسرائیل ہی کے قصّہ میں اس کا ظہور ہو چکا ہے

مسئلۂ قدر کی توضیح اور اہل حال کے اقوال کی تشریح

Marfat.com

کہ اول اسکے متعلق یہ وحی آئی کہ وہ جہنمی ہے کتنی ہی عبادت کرے اسکے لئے جہنم مقدر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شقاوت کو سعادت سے بدل دیا اور دوبارہ وحی نازل ہوئی کہ اسکو جنتی کر دیا گیا۔ یہ ضرور ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جیساکہ لڑکی کا لڑکا بن جانا اور لڑکے کا لڑکی بن جانا شاذ و نادر ہے مگر محال نہیں چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مرد عورت اور عورت مرد بن گئی ہے اسلئے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے اور جسکو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے مشرف فرمایا اور مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا ہے اسکے لئے تو بظاہر سعادت ہی مقدر ہے شقاوت مقدر ہوتی تو کسی کافر کے گھر پیدا ہوتا اُمید کیلئے یہی بات کافی ہے البتہ بیفکری کی کسی کو اجازت نہیں ایمان خوف و رجا کے درمیان ہے اسلئے نہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو نہ اسکی پکڑ سے بیفکر ہو۔

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را | در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش | ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا جف القلم بما هو كائن جو کچھ ہونے والا ہے قلم اسکو لکھکر خشک ہو چکا ہے تو صحابہ نے عرض کیا ففیم العمل یا رسول اللہ پھر اب عمل کی کیا ضرورت رہی۔ ۲۳۷
جو مقدر ہو چکا وہی ہو کر رہے گا حضور نے فرمایا اعملوا فكل ميسر لما خلق له کام ضرور کرتے رہو کیونکہ جسکو جس کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے اُس کیلئے وہی کام آسان کر دیا جاتا ہے پس جس کیلئے طاعات آسان کر دی گئیں اسکو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو سعادت کیلئے پیدا کیا ہے اور جسکے لئے گناہ آسان کر دئے گئے کہ معاصی سے اسکو نفرت و انقباض نہیں ہوتا اسکو ڈرنا چاہیئے کہیں شقاوت کیلئے پیدا نہ کیا گیا ہو اور ڈر کر گناہوں سے توبہ کرنا اور طاعات کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے جسکی اخیر حالت اچھی ہے وہ کامیاب ہے جسکی اخیر حالت بُری ہے اسپر ناکامی کا اندیشہ ہے جعلنا اللہ ممن سعد فی بطن امہ وختم لنا بالحسنی امین ۱۲ مترجم۔

فائدۂ تقدیر پر اشکال و جواب

ف یہاں یہ سوال ہوگا کہ جب تقدیر کے بعد بھی عمل کی ضرورت ہے تو تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان دنیوی معاملات میں ناکامی کے وقت زیادہ غمزدہ اور رنجیدہ نہ ہو بلکہ دل کو تسلی دے لے کہ مقدر یوں ہی تھا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو طالب علم انتہائی محنت اور مشقت برداشت کرنے کے بعد بھی امتحان میں ناکام ہوتا ہے یا جو شخص اپنے کسی بیمار عزیز کی دوا دارو میں

Marfat.com

پوری کوشش ختم کر کے ناکام ہو جاتا ہے اسکی تسلی مسئلہ تقدیر ہی سے ہوتی ہے جو شخص اس مسئلہ کا معتقد نہ ہوگا وہ اکثر ایسے مواقع میں خودکشی کر لیتا ہے، نیز یہ فائدہ بھی ہے کہ انسان کامیابی کے بعد اپنے اوپر نظر نہ کرے بلکہ خدا پر نظر کرے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کامیابی رکھی تھی اسلئے کامیاب ہوا خود کچھ نہیں کر سکتا تھا، اگر مسئلہ تقدیر سامنے نہ ہو تو کامیابی کے بعد انسان فرعون بے سامان اور پورا شیطان بن جائے،، اور بھی نہ معلوم اس میں کتنی حکمتیں ہیں جنکو اللہ ہی جانتا ہے بندہ اسکے اسرار کا احاطہ نہیں کر سکتا

ف یہاں سے ان لوگوں کی حماقت بھی واضح ہو گئی جو یہ کہا کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں یہ خود کچھ نہیں کرتے بس تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھے رہتے ہیں کہ مقدر میں ہوگا تو کام خود ہی ہو جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ نے ہمتیں پست نہیں کی بلکہ جہالت وضعف ایمان نے ہمتیں پست کی ہیں اگر اس مسئلہ میں ہمت پست کرنے کی خاصیت ہوتی تو حضرات صحابہ وتابعین و تبع تابعین سب سے زیادہ پست ہمت ہوتے کیونکہ ان کا ایمان تقدیر پر سب سے زیادہ مضبوط تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان کی برابر بلند ہمت زمانہ کی آنکھوں نے آجتک دیکھا ہی نہیں پس یوں کہنا چاہئے کہ مسئلہ تقدیر تو ہمت بلند کرتا ہے مگر جہل اور غفلت اور ضعف ایمان اسکو پست کر دیتا ہے، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر بیان فرمانے کے بعد عمل کی تاکید فرمائی ہے، اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کا تقدیر پر ایمان ہوگا اسکی نظر اسباب وتدابیر پر نہ ہوگی بلکہ اللہ پر اور اللہ کی قدرت پر نظر ہوگی تو وہ معمولی سامان اور تدابیر کو بھی کامیابی کیلئے کافی سمجھکر اللہ کے نام پر کھڑا ہو جائیگا نہ وہ اپنی قلت سے گھبرائیگا نہ سامان کی کمی سے اندیشہ لائیگا چنانچہ صحابہ کے واقعات اسپر شاہد عدل ہیں کہ بعض دفعہ تین ہزار نے دو لاکھ کا مقابلہ کیا اور ساٹھ آدمیوں نے ساٹھ ہزار کا منہ پھیر دیا۔ اور جسکی نظر تقدیر پر نہ ہو گی محض تدبیر پر ہو گی وہ اس وقت تک ہمت بلند نہیں کر سکتا جبتک سامان پوری طرح کامل ومکمل نہ ہو ۲۳۸

مسئلہ تقدیر ہمت پست نہیں کرتا بلکہ بلند کرتا ہے

بست وچہارم (حدیث جواز الصلوٰۃ فی السفینۃ)

حضرت جابر بن عبداللہ وابو سعید (خدری) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور حسن بصری رضؓ کا قول ہے کہ جبتک ساتھیوں کو مشقت (وتکلیف) نہ ہو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہئے (اور) کشتی کیساتھ (قبلہ کی طرف) گھومتا رہنا چاہئے ورنہ بیٹھکر نماز پڑھو۔

Marfat.com

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے کیونکہ وہ کوئی عمل بدون شارع علیہ السّلام کے بتلائے نہیں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان فتنوں کی اطلاع دی جو صحابہ کے زمانہ میں ہونے والے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ آپکے اصحاب میرے نزدیک ستاروں کی مانند ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اصحابی مثل النجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے تم جسکی اقتدا کرلوگے راستہ پالوگے مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر اک کی اقتدا میری اقتدا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام الہدی ہیں۔ غرض حضرات صحابہ کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو حضور کی سنّت کے خلاف ہو تو ان کے جملہ افعال بمنزلہ روایت کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی ان کے اقوال بھی۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ (کشتی میں) نماز کھڑے ہوکر پڑھو جب تک تمہارے ساتھیوں پر مشقت نہ ہو۔ مگر مشقت سے مراد مطلق مشقت نہیں جس سے کچھ تنگی یا تغیر خاطر پیدا ہو، کیونکہ اگر یہ معنی لئے گئے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ سمندر میں سوار ہوتے ہی نماز بالکل چھوڑ دیجائے جیسا آجکل بہت سے جاہل کرتے ہیں (کیونکہ کشتی میں سوار ہونیکے بعد کچھ مشقت تو نماز میں ضرور ہوتی ہے) حالانکہ ایسا کرنا (اتفاقاً) حرام ہے بلکہ مشقت کا مطلب یہ ہے کہ طوفان اور تموّج بحر اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو یا سبب ہلاکت میں زیادت کا احتمال غالب ہو یا اسی کے قریب اور کوئی اندیشہ ہو۔ یا اس وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو کہ اسکی وجہ سے عورتوں پر اس طرح نظر پڑیگی جو شرعاً جائز نہیں دراں حالیکہ سوار ہونے سے پہلے تمکو اس کا علم نہ تھا (کہ ایسا واقعہ پیش آئیگا) کیونکہ اگر کسی کو پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ سمندر میں سفر کرنے سے وہ پوری طرح احکام شرعیہ کو بجا نہ لاسکے گا تو اسکو سمندر کا سفر جائز نہیں، چنانچہ علماء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہو کہ اسکو (جہاز میں) چکر آتا ہے جس سے نماز چھوٹ جاتی یا اس میں خلل واقع ہوتا ہے اسکو سمندر کا سفر جائز نہیں۔ امام مالکؒ کا مذہب یہی ہے۔ غرض یہ دو صورتیں یا ان کے مشابہ کوئی صورت کشتی میں پیش آئے اور سوار ہوتے ہوئے ان کا احتمال نہ تھا تو بیٹھکر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو۔ یہ مطلب ہے مشقت کا کیونکہ علماء تشویش کا اطلاق اسی حالت پر کرتے ہیں جو شرعاً تشویش ہو جسپر کوئی خاص حکم مرتب ہوتا ہو (مطلق پریشانی کو تشویش یا مشقت نہیں کہتے) بخلاف صوفیہ کے

Marfat.com

کہ وہ ہر اُس پریشانی کو جس سے قلب میں تغیر آجائے تشویش کہدیتے ہیں چھوٹی ہو یا بڑی (مگر ان کی اصطلاح پر احکام شرعیہ مرتب نہیں ہوتے احکام شرعیہ اُسی تشویش پر مرتب ہوتے ہیں جس سے ناقابل برداشت مشقت لاحق ہو) قوله الحديث يدل على ان فعل الصحابة رضی اللہ عنهم حجة الى قوله فانهم يطلقون التشويش على كل شئ يتغير به الخاطر قل اوجل

صوفیہ کے نزدیک تشویش عام ہے۔

ف حضرات صوفیہ افعال و اقوال صحابہ سے بہت احتجاج کرتے ہیں اسلئے اس مسئلہ کو تصوف کے مسائل میں داخل کیا گیا اور اس باب میں فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مسلک ہے جو حضرات صوفیہ کا ہے۔ امام شافعی رح کا بھی قدیم مسلک یہی ہے جدید میں اختلاف ہے

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو حج نفل کا بہت شوق رکھتے ہیں مگر جہاز میں نمازیں برباد کرتے ہیں جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہو کہ جہاز میں مجھے چکر آتا ہے جس سے نمازیں برباد یا قضا ہوتی ہیں اسکو حج فرض پر اکتفا کرنا چاہئے حج نفل کیلئے فرض نمازوں کو تباہ نکرنا چاہئے۔

سمندر کا سفر جائز ہے اور ظاہری اور باطنی سمندروں کو طے کرنے کی شروط

(۱۶۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر کا سفر جائز ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سمندر کا سفر

۴۰ مطلقاً جائز ہے یا صرف حاجی اور غازی کیلئے جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حاجی اور غازی کے سوا سب کو سمندر کے سفر سے منع فرماتے اور یوں کہتے تھے کہ (سمندر) بڑی مخلوق ہے جس پر کمزور مخلوق سوار ہوتی (اور سفر کرتی) ہے اگر کتاب اللہ کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں سمندر کا سفر کرنیوالوں کو درّہ سے مارتا (غالباً وہ آیت ولقد كرمنا بنى ادم وحملناهم فى البر والبحر ورزقناهم من الطيبت وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کے سفر کو اپنی نعمتوں میں شمار فرمایا ہے اور اس آیت کی وجہ سے حضرت عمرؓ کا سمندر میں سفر کرنے والوں کو سزا دینے سے رُک جانا اسکی دلیل ہے کہ یہ سفر مطلقاً حرام و ممنوع نہیں ہے ورنہ سزا سے رُکنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ ہر ممنوع و حرام کے ارتکاب پر خلیفہ کو تعزیر کا حق حاصل ہے،، ہاں بلا ضرورت شرعیہ کے اس سفر کا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہے) غرض سمندر کا سفر بجز اُس صورت کے جائز نہیں جو حالت کے اعتبار سے بھی مشروع ہو اور زمانہ کے اعتبار سے بھی۔ زمانہ کے اعتبار سے مشروع ہونا تو یہ ہے کہ طوفان کا زمانہ نہو کہ ایسی حالت میں سمندر کا سفر جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من ركب البحر فى ارتجاجه فقد برئ من الذمة۔ جو تلاطم کے زمانہ میں سمندر کا سفر کرے وہ ذمہ سے باہر ہے (یعنی خدا اسکی حفاظت کا

(باقی آئندہ)

ذمہ دار نہیں) اور حالت کے اعتبار سے مشروع ہونا یہ ہے کہ کشتی (اور جہاز) کی حالت اور کیفیت وغیرہ
کو دیکھا جائے اور اسی قسم کی کشتی (یا جہاز) پر سوار ہو جس پر عادت کے موافق سب سوار ہوتے ہیں جو عموماً
سمندروں میں چلنے کے قابل ہیں (چھوٹے اور بہت ہلکے جہاز پر سوار نہو) اگر جہاز ایسا نہو (جو عادۃً سمندر
میں چلنے کے لائق ہو) تو اس میں رہنے والے اور سوار ہونیوالے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہونگے
اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے پر جو وعید آئی ہے معلوم ہے،" یہ تو ظاہری سمندر (کے سفر) کا حکم تھا
جسکو عام طور پر سمندر کہا جاتا ہے، اب رہے باطنی سمندر جنکو (بزرگ) لوگوں نے بیان فرمایا ہے تو ان میں
سے جس سمندر کا سفر جائز ہے اس میں سنت کے موافق سفر کرنا چاہیئے، چنانچہ باطنی سمندر سات ہیں

بحر دنیا[۱]۔ بحر ہوی[۲]۔ بحر شہوات[۳]۔ بحر نفس[۴]۔ بحر علم[۵]۔ بحر معرفت[۶]۔ بحر توحید[۷]۔

پس بحر دنیا کا ساحل تو آخرت ہے اس کو امر و نہی کی کشتی پر سوار ہو کر طے کیا جاتا ہے اور اس کا سامان مختلف
قسم کی عبادات ہیں اس میں سفر کرنیکا وقت وہ ہے جبکہ تلاطم نہو، اور دنیا کا تلاطم یہ ہے کہ فتنوں کا ظہور ہو
اس وقت کیلئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے گھر کا ٹاٹ بن جاؤ یا کسی درخت کی کھوہ میں جا بسو لوگوں سے الگ
ہو جاؤ یہاں تک کہ اسی حالت میں تم کو موت آجائے (اور ظاہر ہے کہ جو شخص سب سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جائیگا ۲۴۱
وہ دنیا کے سمندر کو طے نہیں کر رہا کیونکہ وہ تو دنیا سے الگ ہو چکا ہے) اس سمندر کی ہوائیں عزائم (اور
ہمتیں) ہیں ہمت کی قوت ہی کے موافق اس سمندر میں تمہاری کشتی چلے گی، اور اس کشتی کا سرا عقل
ہے۔ پس عقل ہی کے اندازہ پر کشتی کی رفتار میں پختگی ہوگی اور اسکے ملاح تمہارے خواطر ہیں (یعنی دل میں
آنیوالی باتیں) پس ان کی خوبی ہی کے موافق کشتی کی سلامتی ہوگی اور اس کا بادبان علم ہے پس تمہارے
علم ہی کے اندازہ پر کشتی کا رخ اچھی طرح پھرے گا،" اور اس کا سامان تمہارے علم کی پونجی ہے۔ پس اس
سمندر کو پار کرنا کشتی اور اسکے ملازموں کی عمدگی کے اندازہ پر ہوگا (اگر کشتی عمدہ اور ملاح بھی اچھے ہوئے تو
خوبی کیساتھ پار ہو جاؤگے ورنہ دشواری کا سامنا ہوگا) اور نفع یا خسارہ پونجی کے موافق ہوگا (اگر اعمال
اچھے ہوئے نفع ہوگا ورنہ خسارہ ہوگا) رہا بحر ہوی تو وہ خطرناک سمندر ہے اور اس میں سوار ہونا (سفر
کرنا) ممنوع ہے بلکہ مہلک ہے اسلئے اسکی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ رہا بحر شہوات تو اس
سمندر میں تلاطم بہت ہے اسکے جتنے حصہ (کے طے کرنے) کی شریعت نے اجازت دی ہے اس میں بھی دنیا
و آخرت کی اس قدر پریشانیاں ہیں جن کا ادنی حصہ بھی بیان میں نہیں آسکتا، اگرچہ وہ مستحبات

Marfat.com

میں داخل ہے اور وہ (بیوی سے) جماع کرنا ہے، اسکے اندر وہ پریشانیاں ہیں جو بال بچوں کیلئے روزی حاصل کرنے میں (ہر شخص کو) پیش آتی ہیں جو بعض اوقات بعض لوگوں کیلئے محرمات میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہمارے پیچھے بال بچے لگے ہوئے ہیں جو کھانے کو مانگتے ہیں (حلال روزی ان کو کافی نہیں ہوتی اب حرام طریقہ سے روزی حاصل نہ کریں تو کیا کریں) ہم کو اس سے چارہ ہی نہیں۔ پھر آخرت میں اہل وعیال کے حقوق کی بابت اس سے بازپرس ہو گی (وہ الگ) کیونکہ یہ اسکی حفاظت میں ہیں وکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم میں سے ہر شخص (کسی نہ کسی کا) ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے متعلق سوال ہو گا پھر اسکے ذمہ لڑکوں کا نان نفقہ لازم ہوتا ہے جبتک وہ بالغ ہوں (اور لڑکیوں کا نفقہ اس وقت تک لازم ہے جبتک ان کی شادی ہو) اور یہ سب کچھ ایک شہوت (جماع) کا نتیجہ ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی پریشانیاں ہیں اگر غور کیا جائے اس شہوت ہی کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تعس عبد الدینار تعس عبد الدرھم تعس عبد الخمیصۃ تعس عبد البطن تعس عبد فرجہ، ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ درہم کا بندہ شال کا بندہ پیٹ کا بندہ اور شرمگاہ کا بندہ (جسکو ان ہی چیزوں کی رات دن فکر ہے اگر یہ اسکی مرضی موافق ملتی رہیں تو خدا سے خوش رہتا ہے ورنہ خدا کی شکایتیں کرتا پھرتا ہے) اگر یہ شہوت نہ ہوتی جس نے ان تمام پریشانیوں کیلئے انسان کو آمادہ کیا ہے تو وہ آزادی سے نکل کر شہوتوں کی غلامی میں نہ پھنستا۔ پھر یہ سب ملکر خاص مقام (قرب) تک پہونچنے سے اسکو روکدیتی ہیں کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے ترک الشھوات فرع الباب شہوتوں کے چھوڑنے ہی سے یہ دروازہ کھٹکٹایا جاتا ہے۔ نیز علماء نے اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی یہی لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کیلئے خالص کر دیا ہے کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اُن سے شہوتوں کو نکالدیا ہے (بیوی بچوں کے تعلقات اسیوقت مقام قرب سے مانع ہوتے ہیں جب انسان حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگے اور اتباع سنت کو ہاتھ سے دیدے ورنہ عیالدار کی دو رکعتیں مجرد کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں کیونکہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور رہبانیت بدعت ہے) اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی بیویوں سے مشغول ہوتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی طرف شہوت نہیں ہوتی۔ لوگوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین پھر آپ کیوں مشغول ہوتے ہیں؟ فرمایا (محض) اس

۲۴۲

Marfat.com

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی اولاد پیدا فرمادیں جس سے (سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن دوسری امتوں پر اپنی امت کی کثرت ظاہر فرمائیں تو دیکھو حضرت عمر کی یہ شہوت جو انسانی شہوتوں میں سب سے بڑی شہوت ہے کس طرح خاص عبادت بن گئی تھی پھر اور شہوتوں کا تو کیا پوچھنا؟ اسکی تائید اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد کرتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا۔ بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بنجاتا ہوں جس سے سنتا ہے اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے۔ علماء (طریق) نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ کی ساتھ اور اللہ کیلئے ہی کام کرتا ہے شہوات (نفس) جاتی رہتی ہیں (یعنی اس کا ہر کام رضاء الٰہی کے موافق ہونے لگتا ہے خواہش نفس سے کوئی کام نہیں کرتا)

242 ف شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو عارف شہوت نفس کیساتھ بیوی سے مشغول ہوتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو بدون شہوت کے محض اولاد حاصل کرنے کیلئے مشغول ہوتا ہے کیونکہ پہلا شخص اپنی عجز و احتیاج کا مشاہدہ کرتا ہے اس میں عبدیت زیادہ ہے اور دوسرے شخص میں شان استغناء ہے اس میں عبدیت زیادہ نہیں اسی طرح جو شخص کھانا اسلئے کھاتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کو دور کرے اور پانی اسلئے پیتا ہے کہ پیاس کو بجھاوے وہ اس سے افضل ہے جو کھانے پینے میں یہ نیت کرتا ہے کہ اس سے طاعات کیلئے قوت حاصل ہوگی سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ میں کہتا ہوں کہ یہ افضلیت اسی صورت میں ہے جبکہ دوسرا شخص مشاہدۂ عجز و احتیاج سے محروم ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت یہ وہم نہیں ہو سکتا اسلئے ان سے وہ عارف افضل نہیں جو بیوی سے شہوت پوری کرنے کو مشغول ہوتا ہے، اور میرے خیال میں حضرت عمر کے قول مذکور کا وہ مطلب نہیں جو حضرت مصنف نے سمجھا ہے کہ ان کو شہوت بالکل نہ ہوتی تھی محض تحصیل اولاد کیلئے جماع کیا کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ انکو بیوی کی طرف میلان نہ ہوتا خواہش نہ ہوتی پھر بھی وہ اس سے مشغول ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ کوئی اولاد عطا فرمادیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہوت نفس کیلئے حاجات کا پورا کرنا بہ نیت عبادت ساتھ ہو [illegible] سے افضل ہے

خوش ہوں یعنی اس خیال سے وہ اپنے اندر شہوت پیدا کرتے تاکہ بیوی کا حق ادا ہو جاوے اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جن کو اسلامی اور قومی خدمتوں میں زیادہ مشغولی کی وجہ سے یا ذکر اللہ میں زیادہ مشغول رہنے کی وجہ سے یا غلبہ خوف و خشیت سے بیوی کی طرف التفات ہوتا ہو کہ ان کو بیوی کے حق سے غافل نہ ہونا چاہئے اگر انکو خود شہوت کا تقاضا نہ ہو تو بیوی کے حق کا تقاضا ہونا چاہئے یہ بھی نہ ہو تو یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثرت سے قیامت کے دن خوش ہوں گے پس جو لوگ محض اپنی شہوت کے منتظر رہتے ہیں اور جب تک انکو شہوت نہ ہو بیوی کے پاس نہیں جاتے گو اسکو کتنی ہی خواہش ہو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ بیوی کی خواہش کا پورا کرنا بھی مرد کے ذمہ واجب ہے ۱۲ مترجم

رہا بحر نفس تو یہ سمندر بے پایان ہے جسکی انتہا کی ہمکو خبر نہیں مگر اسپر سوار ہونا تمام سواریوں سے بڑھکر ہے بشرطیکہ کشتی شریعت کے موافق ہو کہ اخلاص کی لکڑیوں سے بنائی گئی ہو اور اسکے ملاح اور خدام تواضع و احتیاج سے آراستہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اوحی الی ان تواضعوا ولا یفخر بعضکم علی بعض۔ میری طرف اللہ نے وحی بھیجی ہے کہ تم سب باہم تواضع اختیار کرو ایک دوسرے پر فخر نہ کرے۔ (بحر نفس میں سفر کرنے اور اسکو طے کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے) اور اسکے پنکھے سچی التجا سے بنے) ہوں کیونکہ یہی کامیابی کی علامت ہے اور اس میں سوار ہونے والوں کی پونجی تقوی ہو۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ اللہ سے ڈرو اللہ تعالی تمکو خود (کامیابی کا راستہ) بتلا دیں گے۔ اگر اس طرح (بحر نفس پر) کوئی سوار ہوا تو اس میں اس قدر نفع اور فائدہ پائے گا جسکو بجز کریم وہاب کے کوئی نہیں جانتا"

رہا بحر علم سو اس کا بھی وہی حال ہے جو بحر نفس میں گذر چکا مگر اس سمندر کے طے کرنیوالے کو اس میں زیادہ مدت تک قیام کی ضرورت ہے یہانتک کہ اسکی بصیرت کی نگاہ قوی ہو جائے اور نفس کی خواہش کو دیکھنے لگے (کہ کس عمل میں خواہش نفس کی آمیزش ہوئی اور کونسا کام خالص اللہ کیلئے ہوا) تو علم اور نفس کی ترکیب سے اسکو خاص قوت حاصل ہوگی وہ انوار و عجائب اور حکمتیں نظر آئیں گی جنکو دوسرا نہیں دیکھ سکتا مگر ان حقائق کو دیکھنے کے بعد اس سمندر میں دیر تک قیام کی ضرورت ہے تاکہ تہذیب نفس حاصل ہو جائے اور یقین میں ترقی ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

Marfat.com

تعلموا الیقین فانی العلمہ۔ یقین حاصل کرتے رہو کیونکہ میں بھی اسکو حاصل کرتا رہتا ہوں (یعنی اس میں برابر ترقی کرتے رہو ایک حد پر نہ ٹھہرو)

رہا بحر معرفت تو یہ بہت بڑا اور عظیم الشان سمندر ہے اس میں پہلے سمندر سے بھی زیادہ فوائد ہیں اسمیں بھی اُسی طرح سوار ہوتے ہیں جس طرح اس سے پہلے سمندر میں (سوار ہونے کا طریقہ بتلایا ہے) مگر اس میں (سفر کرنے کیلئے) اس بات کی ضرورت ہے کہ بحر علم کا پانی ساتھ لیلیا جائے مبادا اس سمندر کی سخت گرم ہواؤں سے جان ہلاک ہو جائے کیونکہ اس سمندر کو طے کرنے والے اکثر اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں (کہ انکی ساتھ دریائے علم کا پانی نہیں تھا) اس سمندر میں اچھی اچھی چیزیں اور موتی اور جواہرات اور اسرار تو اس قدر ہیں جو بحر علم میں نہیں پائے جاتے مگر جو شخص دریائے علم کا پانی ساتھ نہ لے اس کے لئے خطرات بھی اس قدر ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ بعض دفعہ اس سمندر کو طے کرنے والا ابتدا میں خاص درجہ پر ہوتا ہے پھر بدترین حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے"

رہا بحر توحید تو اس کو بھی اسی طریق پر طے کیا جاتا ہے جو پہلے دو سمندروں کے لئے بیان کیا گیا ہے ہاں اس میں ایک بات یہ زیادہ ہے کہ اسکو طے کرنیوالا شریعت کے مضبوط پہاڑوں کی ۲۴۵
چوٹیوں کو اپنی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دے جب کبھی اسپر کوئی نامعلوم ہوا چلے (جسکی حقیقت اور کنہ معلوم نہ ہو اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر پاس نہ ہو فوراً شریعت کے پہاڑ کی چوٹی پر آجائے ورنہ غرق ہو جائے گا، اسی وجہ سے بہت لوگ اس سمندر میں غرق ہو گئے ہیں (کہ انہوں نے بحر توحید کی نامعلوم تند ہواؤں سے بچنے کیلئے جبل شریعت کی پناہ نہیں لی اور برابر آگے بڑھتے رہے جس کا انجام یہ ہوا کہ ایمان کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہلاک ہو گئے ⑤ اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں اور اگر علم شریعت (کے پہاڑ) کی طرف لوٹ آتے اور ان کی عقل ٹھکانے آجاتی اسوقت ان ہواؤں کے فائدے معلوم ہو جاتے جو بحر توحید میں دیکھی تھیں اور دونوں ہواؤں کے ملنے سے جو عمدہ مزاج دین کی حقیقت اور صورت سے ترکیب پاتا اس سے وہ فائدہ حاصل ہوتا جسکو بیان کرنے والے بیان نہیں کر سکتے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالی ان تمام مبارک سمندروں کو بوجہ احسن طے کرنیکی توفیق عطا فرمائیں پھر وہ سنت کے پہاڑوں پر بھی جما رہے (یعنی اتباع سنت

⑤ یہ وہ لوگ ہیں جن پر وحدۃ الوجود کا انکشاف ہوا اور جہل کی وجہ سے اتحاد یا حلول کے قائل ہو گئے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا ۱۲

کو کسی حال میں ہاتھ سے نہ دے) وہ ایسا بزرگ ہوگا کہ اس جیسا ایک شخص بھی کسی اقلیم میں ہو تو ساری مخلوق پر (اسکی برکت سے) اللہ کی رحمت ہوگی اور جو شخص ان میں سے ایک ہی سمندر کو عمدگی کیساتھ طے کرلے اسکو بھی جو کوئی دیکھ لیگا اللہ تعالی اسکی آنکھیں ٹھنڈی کردے گا خود اس کا تو کیا پوچھنا کیونکہ اسکی زیارت کرنیوالوں کو (محض زیارت ہی سے) بہت کچھ خیر و برکت عطا ہوگی (بشرطیکہ زیارت قاعدہ کے موافق ہو امتحان یا عناد کی ساتھ نہو کیونکہ بیقاعدہ زیارت تو اگر نبی اور رسول کی بھی کی جائے تو خاک نفع نہ ہوگا دیکھو ابوجہل نے بھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہی مگر کیا اسکو کچھ نفع ہوا؟ خاک بھی نہیں کیونکہ وہ حضور کے پاس عناد اور بغض کی ساتھ آتا تھا خوب سمجھ لو) اور جو شخص ان سمندروں میں سے کسی کو برے طریقہ سے طے کرے گا اسکے لئے غالب ہلاکت ہی ہے اور جو اسکو دیکھے گا (یا اس کے پاس رہے گا) اسپر فتنہ (میں مبتلا ہونے) کا اندیشہ ہے اس باب کی تفصیل بہت طویل ہے مگر ان شاء اللہ میں اسکے متعلق ایک مختصر کتاب لکھوں گا جس میں اس سے زیادہ بسوط کلام ہوگا اور ہم ہر سمندر کے خطرات بھی اللہ کی مدد سے اس میں بیان کردینگے اللہ تعالی ہمکو ان لوگوں میں سے کرے جنکو اللہ نے محفوظ رکھا اور علم عطا فرمایا اور اپنے فضل سے اس دولت کیساتھ کامیاب بنایا۔ قولہ الوجہ الثالث فیہ من الفقہ جواز رکوب البحر الی قولہ جعلنا اللہ ممن حماہ و علمہ و اسعدہ بہ بمنہ۔

ف ان مقامات کی جنکو حضرت مصنف نے سمندروں سے تعبیر فرمایا ہے تفصیل کرنا تو اس کا کام ہے جس نے ان کو طے کیا ہو گو تفصیل سے کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ یہ مقامات عمل سے حاصل ہوتے ہیں اور مشاہدہ ہی سے سمجھ میں آتے ہیں بدون عمل اور مشاہدہ کے محض باتوں سے نہ حاصل ہوتے ہیں نہ سمجھ میں آتے ہیں ہاں ڈرتے ڈرتے ایک بات کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حضرت مصنف نے دو سمندروں کا ذکر چھوڑ دیا ہے یعنی بحر ذکر و بحر فکر کا۔ بحر دنیا کے متعلق تو معلوم ہوچکا ہے کہ اسکو سب ہی طے کرتے ہیں اور بحر ہوی کا طے کرنا ممنوع ہے اور بحر شہوات کو بھی تقریباً سب طے کرتے ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو اس تلاطم سے محفوظ رہتے ہوں الا من عصمہ اللہ - اور بحر نفس لطیفۂ نفس کی نورانیت سے طے ہوتا ہے اور بحر علم لطیفۂ قلب سے متعلق ہے بحر ذکر لطیفۂ روح سے وابستہ ہے - اور بحر فکر لطیفۂ سر کے ذریعے طے ہوتا ہے اور بحر معرفت لطیفہ خفی سے اور بحر توحید

(باقی آئندہ)

Marfat.com

لطیفہ اخفیٰ سے متعلق ہے یہ ایک اجمالی اشارہ ہے تفصیل اس شخص کو خود معلوم ہو جائے گی جسنے لطائف ستّہ کی تفصیلی سیر کی ہے اور سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان عقائد و علوم و اعمال مین سنت کا اتباع کرتا رہے کہ ان سمندرون کو طے کرنے کے ساتھ اور اسکے بعد بھی اتباع سنت کی ہر وقت ضرورت ہے۔ پس جو شخص اتباع سنت مین راسخ ہے وہ تمام دولتون سے مالا مال ہے۔ اتباع سنت مین پختہ ہو جانے سے وہ تمام انوار و برکات و درجات حاصل ہوجاتے ہین جو تفصیل وار ہر سمندر کو طے کرنے سے حاصل ہوتے گو اس شخص کو خبر بھی نہو کہ یہ انوار و برکات اور یہ اسرار کس مقام اور کس سمندر کی موج سے آ رہے ہین۔ رزقنا اللہ وایاکم اتباع ھذا النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم وختم لنا ولکم بالحسنیٰ انہ ھو البر الرحیم ۱۲ مترجم

بست و پنجم ۲۵ (حدیث جواز التحرز من حر الحصباء فی السجود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہین کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم مین سے بعض لوگ سجدہ کی جگہ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑے کا کچھ حصہ کر لیتے تھے۔

۲۴۷ **شرح**۔ ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز مین تھوڑا سا کام کر لینا ایسی تکلیف کو دفع کرنے کیلئے جس سے پریشانی لاحق ہوتی ہو جائز ہے۔

مشائخ کے افعال و اقوال کا اتباع اور اسکی اصل

(۱۷۰) فـ حدیث کا یہ لفظ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ نماز پڑھتے تھے اس مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی بیان ہے کیونکہ صحابہ حضور کیساتھ (نماز پڑھتے ہوئے) یہ فعل کرتے تھے اور حضور کا ارشاد ہے انی اراکم من وراء ظہری کما اراکم امامی مین تمکو اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہون جیسا سامنے سے دیکھتا ہون تو حضور کا انکے اس فعل کو برقرار رکھنا (اسپر انکار نفرمانا) حضور کی طرف سے (اس بات کا) حکم ہے (کہ یہ فعل ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے) اور کسی حکم کی تقریر فعلی تقریر قولی سے بھی بڑھکر ہے،، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتدا افعال واقوال دونون مین یکسان حکم رکھتی،،

اور کیا حضور کے سوا دوسرون کا بھی یہی حکم ہے یا دوسرون کے افعال کی اقتدا اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک زبان شریعت سے (اس کا قابل اقتدا ہونا) معلوم نہ ہوجائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذات سے قطعاً معصوم ہین اور دوسرون کی عصمت معلوم نہین ہوسکتی لسان شریعت کا تو یہی فیصلہ ہے (کہ دوسرے اس باب مین حضور جیسے نہین ہین) لیکن بعض اہل طریق کی رائے ہے کہ اپنے مشائخ کا بھی (افعال واقوال مین) اتباع

Marfat.com

کرنا چاہئے کیونکہ انکو اپنے مشائخ کیساتھ حسن ظن ہوتا ہے (کہ اُن کا کوئی فعل وقول شریعت کے خلاف نہیں ہوتا)
اسی طرح مبتدی اور عامی کو عالم کیساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ ان لوگون کو شریعت کی تو کچھ خبر نہین پس ان
کیلئے اپنی ہوائے نفس کے اتباع سے عالم کا اتباع ہی زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ مجھسے میرے بعض مشائخ نے
بیان فرمایا کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت ان کے مرض موت مین کر رہے تھے انکو جلدی جلدی پیشاب کی حاجت
ہوتی اسلئے ایک دفعہ وہ (پیشاب کے تقاضے سے) گھبرائے ہوئے تیزی کیساتھ بیت الخلاء مین گئے اور قضائے
حاجت کے بعد مجھے آواز دی کہ پانی لاؤ۔ پھر باہر آکر فرمایا عزیز من! بیت الخلاء مین بات کرنا جائز نہین ہے
مگر مین نے ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ مین شدت تقاضا کی وجہ سے تم سے بات کرنے کی بھی فرصت نہ
پاتا تھا، ان بزرگ نے (باہر آکر) یہ بات اسلئے فرمائی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ شخص میری اقتدا کرتا ہے (میرے ہر
قول و فعل کو شریعت کے موافق سمجھتا ہے ایسا نہو کہ بیت الخلاء مین بات کرنے کو بھی مطلقاً جائز سمجھ لے)۔
یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ماخوذ ہوتا ہے جبکہ انہون نے اہل بیت مین سے کسی کو حالت احرام
مین رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو اس کپڑے کے اُتار دینے کا حکم دیا حالانکہ اُس کا حالت احرام مین پہننا
جائز تھا کیونکہ وہ زرد مٹی سے رنگا ہوا تھا جیسا حدیث مین اسکی تصریح ہے مگر اس کا رنگ زعفرانی رنگ سے ۲۴۸
ملتا جلتا تھا اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا احرام میں پہننا جائز نہین (اسی لئے حضرت عمر نے اُسے الگ کرنے کا حکم
دیا) اور فرمایا اے جماعت (اہل بیت) تم (امت کے) پیشوا ہو لوگ تمہاری اقتدا کرتے ہین (اسلئے تم کوئی ایسا کام
نہ کرو جس سے عوام غلطی میں پڑین) تو حضرت عمر نے اس حکم کی یہ علت بیان فرمائی کہ ان حضرات کے افعال کا بھی
ویسا ہی اتباع کیا جاتا ہے جیسا انکے اقوال کا اتباع کیا جاتا ہے (اس سے صوفیہ کے اس معمول کی اصل نکل
آئی کہ وہ اپنے مشائخ کے افعال واقوال کا اتباع کرتے ہین) اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عالم اگر باعمل
ہوتا ہے تو لوگ اسکے علم کا اتباع کرتے ہین اور بے عمل ہوتا ہے تو (صرف) اسکے عمل کا اتباع کرتے ہین علم کا اتباع
نہین کرتے (وہ اپنی تقریر اور وعظ مین جو چاہے حدیث و قرآن سے بیان کرے لوگ اُسپر کان نہ دھرین گے بلکہ
بلکہ اُسکے اعمال کو دیکھکر اعمال ہی کا اتباع کرین گے) تو اسکے علم سے نہ اسکو نفع ہوا نہ دوسرون کو فائدہ ہوا
(یون ہی برباد گیا اعاذنا اللہ من علم بلا عمل)
اور چونکہ (آجکل) بعض علماء مین بدعملی اور اتباع شہوات نے راہ پالیا ہے تو عوام کی حالت بھی بگڑ گئی ہے کیونکہ وہ
ان علماء کے افعال کا اتباع کرتے ہین اور اگر کوئی عالم اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہے اور ایسے بہت کم ہین تو عوام

Marfat.com

(اُن کا اتباع نہین کرتے بلکہ) اُنکو زہد خشک اور تشدید (یعنی سخت روی) سے بدنام کرتے (اور یون کہتے) ہین کہ دین تو آسان ہے ان ملانون نے خواہ مخواہ اسکو دشوار کر رکہا ہے بہر حال عالم بے عمل خود تو بگڑتا ہی ہے اسکی وجہ سے عوام بھی بگڑ جاتے ہین) اور (اس حالت مین) یہ عالم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت مین داخل ہوتا ہے موت العالم ثلمۃ فی الاسلام عالم کی موت اسلام میں ایک رخنہ ہے (اس سے مُراد بدعملی کی موت ہے) کیونکہ اسکی ظاہری موت تو باطنی موت سے اچھی ہے ظاہری موت (تنہا اتنی مضر نہیں کیونکہ وہ) اُسکے فضائل (اور آثار) چھوڑ جاتی ہے جنکا لوگ اتباع کرتے ہین اور باطنی موت واقعی بڑا رخنہ ہے کیونکہ اس حالت مین یہ شخص دوسرون کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا دیتا ہے جس سے اس پر سخت ہلاکت کا اندیشہ ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہین انا اللہ لا الہ الا انا خلقت الشر وخلقت لہ اہلا فالویل لمن خلقتہ للشر واجریت الشر علی یدیہ - مین ہی معبود ہون میرے سوا کوئی معبود نہین - مین نے شر کو پیدا کیا ہے اور کچھ لوگون کو اُسکے واسطے پیدا کیا ہے پس ہلاکت ہے اُسکے لئے جسکو مین نے شر کیلئے پیدا کیا اور شر کو اسکے ہاتھون جاری کیا تو اس عالم بے عمل نے اپنی ساتھ بھی بُرائی کی اور دوسرون کو بھی اپنی اقتدا کی وجہ سے شر کی طرف کہینچا، اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ لوگ اس کا اتباع کرتے ہین یا اثر مانتے ہین یا اس کی وجہ سے نیک کامون کی اشاعت ہوتی ہے اُسے اپنے نیک اعمال کا بیان کرنا جائز ہے (تاکہ دوسرے بھی ویسے ہی کام کرین) اسی لئے حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں پر جو حالات طاری ہوتے ہین ان کو اپنے ہم جنسون ہی مین بیان کرنا جائز ہے جن مین ترقی کی اہلیت ہو (جو بزرگوں کو مانتے اور ان کا اتباع کرتے ہین) عوام کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کوئی مجبوری آن پڑے جسکی وجہ سے بیان کرنا ضروری ہوجائے (تو اور بات ہے) جیسا ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دریا کے کنارہ کنارہ چل رہے تھے دفعۃً ایک کشتی پر نظر پڑی جس مین وہاں کے حاکم کیلئے شراب لدی ہوئی تھی اور وہ حاکم ایسا ظالم تھا جسکے مقابلہ کی کسی کو تاب نہ تھی، جسوقت

۵ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ دین کے آسان ہونیکا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ منہ کا نوالہ ہے کہ رکہا اور نگل لیا دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا روٹی کہانا اور پانی پینا۔ کیا روٹی کہانے کیلئے کچھ کرنا نہین پڑتا - پانی پینے کیلئے پانی لانے اور کنوین پر جانے کی ضرورت نہین ہوتی ؟ دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا لکہنا آسان ہے مگر کیا آدمی ایک دن مین خوشنویس بن سکتا ہے ؟ کیا اسکے لئے ارادہ محنت اور مشق کی ضرورت نہیں ہوتی ؟ یقیناً ہوتی ہے اسی طرح دین بھی ارادہ اور ہمت اور چند روزہ محنت کے بعد آسان ہوتا ہے خوب سمجھ لو ۱۲ منہ

۲۴۹

کشتی نے لنگر ڈالا یہ بزرگ اسپر ایک لاٹھی ہاتھ مین لیکر چڑھ گئے اور جتنے مٹکے شراب سے بھرے ہوئے تھے ایک ایک کرکے سب کو توڑنا شروع کردیا کشتی والوں میں کسی کو اتنی ہمت نہوئی کہ ان کے سامنے آتا (اور ان کو روک سکتا) یہانتک کہ تمام مٹکے پھوڑ دئیے صرف ایک مٹکا چھوڑ دیا اور واپس آگئے کشتی والے حاکم کے پاس پھونچے اور اسکو واقعہ کی اطلاع دی، حاکم کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص تھا جس نے میری چیز پر ہاتھ ڈالا اور یوں بیساختہ اپنا کام کر گذرا پھر اُسنے ایک مٹکا کیون چھوڑ دیا؟ (اگر اسنے اللہ کیواسطے یہ کام کیا تھا تو ایک مٹکا چھوڑنے کی کیا وجہ تھی اس میں بھی تو شراب ہی تھی جس کا پینا حرام ہے) غرض اُسنے انکے پیچھے آدمی دوڑایا اور بلا بھیجا اور (جب وہ حاضر ہوگئے تو) پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟ اور کیون کیا؟ فرمایا جو میرے جی مین آیا میں نے کردیا اب جو تیرے دل مین آئے تو کر ڈال، کہا اور تم نے ایک مٹکا کیون چھوڑ دیا؟ فرمایا ابتداءاً تو مجھے غیرت اسلام نے اسپر مجبور کیا تھا تو مین نے کشتی میں گھس کر حکم الٰہی کی تعمیل کیلئے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا جب ایک باقی رہ گیا تو میرا نفس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ تو نے (بڑا بہادری کا کام کیا کہ) ایسے منکر کو بدل ڈالا (ایسے گناہ کو مٹایا جسکے مٹانے کی کسی کو جرأت نہ تھی) اس وقت مجھے اندیشہ ہوا کہ اس (خیال کے آنے کے بعد) اس مٹکے کو توڑنے میں حظ نفس (شامل) ہوگا اسلئے میں نے اسکو چھوڑ دیا (اس تقریر کا جو خلوص سے بھری ہوئی تھی ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ) حاکم کی زبان سے نکلا کہ اس شخص سے کچھ تعرض نہ کیا جائے یہ جو چاہیں کریں ان کے درمیان اور ہمارے درمیان کوئی معاملہ نہ ہوگا (گویا اس وقت سے وہ باقاعدہ محتسب بنائے گئے کہ جو کام شریعت کے خلاف دیکھیں اسکو مٹا دین) تو ان بزرگ نے جو کچھ (اپنا راز ظاہر) کیا اس ضرورت کی وجہ سے کیا جو انکو پیش آئی تھی اسلئے یہ خودستائی میں داخل نہیں جسکی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ممانعت فرمائی ہے ولا تزکوا انفسکم کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو (اپنے منہ سے اپنی تعریف نہ کیا کرو) ۔ ان بزرگ نے اپنا تزکیہ نہیں کیا بلکہ مجبوری کی وجہ سے پورا واقعہ بیان کر دیا تو ایسی مجبوری کے موقعہ پر سالکین کو اپنے واردات اور واقعات بیان کر دینے کی اجازت ہے بلا ضرورت ایسا نکرنا چاہئیے ۱۲)

بست و ششم ۲۶ (حدیث کراھۃ النخامۃ فی المسجد)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ (کی دیوار) مین بلغم (لگا ہوا) دیکھا تو اُسکو اپنے ہاتھ سے (اور ایک روایت میں ہے چھری سے) کھرچ دیا اور اس سے آپ نے ناگواری

Marfat.com

ظاہر فرمائی یا اس سے آپ کی ناگواری اور گرانی لوگوں کو محسوس ہوئی اور فرمایا کہ جب کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اپنے پروردگار سے باتیں کرتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار اُسکے سامنے ہوتا ہے پس قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکنا چاہئے بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکدے یا اس طرح کردے اور آپنے اپنی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور چادر کے ایک حصہ کو دوسرے پر رگڑ دیا۔

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ نمازی کو قبلہ کی جانب میں تھوکنا سنکنا مکروہ ہے اور قدم کے نیچے اور بائیں جانب اور چادرہ کے کنارہ میں رگڑ دینا جائز ہے اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۷۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد کی دیوار قبلہ بن بلغم کو دیکھنا بتلاتا ہے کہ حضور مسجد میں داخل ہو کر دائیں بائیں اور سامنے (ہر طرف) نظر دوڑاتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ آپ اسی حالت حضور و ترقی (و مراقبہ) میں مشغول رہا کرتے جو آپ کی اصلی حالت تھی تو ان چیزوں کو نہ دیکھتے اس سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد (کی حالت) میں نظر کرنا تعظیم مسجد کے طریقہ پر تھا کیونکہ مسجد کو مولائے جلیل (حق سبحانہ) کی طرف نسبت حاصل ہے کہ اسکی عبادت کیلئے وقف ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے تحت میں بھی تھی آپ سے اسکے متعلق سوال ہوگا اور جس چیز میں انسان متصرف ہو خواہ مال ہو یا اہل (وعیال) یا اور کوئی صورت تصرفات کی قسم سے ہو (اگرچہ) اسکی نگہداشت کا نفع اسکی طرف عود کرتا ہو (مگر) اس میں ثواب بھی ملتا ہے یعنی جبکہ وہ اسکی نگہداشت اس وجہ سے کرتا ہو کہ وہ اس کا (منجانب اللہ) مکلف کیا گیا ہے اگرچہ اس شی کی منفعت عام ہی ہو۔ مثلاً امام (المسلمین) کے ذمہ مساجد کی اور شاہراہ عام کی اور جو ان جیسی چیزیں ہیں (اوقاف و صدقات و مدارس وغیرہ) سب کی نگہداشت واجب ہے اور نفع ان کا عام ہے (امام ہی کیساتھ مخصوص نہیں) چنانچہ مساجد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع (لوگ صبح و شام تسبیح کرتے ہیں ایسے گھروں میں جنکی رفعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) علماء نے فرمایا ہے کہ مساجد کی رفعت یہ ہے کہ ان کی حفاظت (اور نگہداشت) کی جائے (یہ مطلب نہیں کہ ان کی عمارات بلند کی جائیں) اور حفاظت کیلئے انکی دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ اس میں کوئی خرابی واقع نہو اور (چونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان (احکام) کے شارع ہیں تو آپ سب سے زیادہ ان (کی بجا آوری) پر فریفتہ تھے اب وہ توجیہ واضح ہوگئی جو ہمنے بیان کی ہے۔ اور اس کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہوگئی عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد میرے سامنے میری امت کے (اعمال کے) ثواب پیش کئے گئے یہانتک کہ اس تنکے کا (ثواب بھی)

۲۵۱

Marfat.com

مسجد کی حفاظت و اہتمام کی ترغیب

جسکو آدمی مسجد سے نکالدے۔ اس مین مسجد کی نگہداشت اور اسکے اہتمام کی ترغیب ہے کیونکہ ایسی چیزین آنکھ (وغیرہ
غیرہ) و تامل ہی سے نظر آسکتی ہین، اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو مسجد مین داخل ہونیکے بعد مسجد
(کی حالت) پر اہتمام وانتظام و تعظیم کی نیت سے التفات (اور توجہ) کرنا چاہئیے۔ مبادا اس مین کوئی نئی بات ہو
(جس کے ازالہ کی ضرورت ہو) تو اُسپر اسکو ثواب ملے گا یا کوئی گندگی (یا کلفت کی چیز) ہو تو اس کو الگ کردے
یہ بھی اچھی نیت ہے اور جو شخص بھلائی کی نیت کرے گا اسکو اس نیت پر ثواب ملیگا، بالخصوص جبکہ وہ نیت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہو (اس حالت مین تو اسکے ثواب کا کیا پوچھنا؟) اور کیا اس
قسم کی نگہداشت (اور دیکھ بھال) گھروالیکو (اپنے گھر میں) بھی کرنا چاہئیے؟ کیونکہ وہ بھی اس کا نگران (اور
محافظ) ہے۔ تو جو علت ہمنے اولا بیان کی ہے اس کا مقتضا تو یہی ہے (کہ اسکو بھی گھر کی دیکھ بھال رکھنا
چاہئیے) کیونکہ دونون کا ایک ہی باب ہے (ایک ہی علت کے تحت مین دونون داخل ہیں) البتہ مسجدون
کے متعلق یہ حکم زیادہ مؤکد ہے بوجہ انکی تعظیم کے کہ وہ شعائر (اسلام) مین داخل ہیں اور شعائر کی تعظیم قرآن
کی رو سے تقوی کا ایک فرد ہے (حق تعالی فرماتے ہین ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب
اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ اُسکے قلبی تقوی کی دلیل ہے) مگر مسجدون کی تعظیم ایسی نہ ہونی چاہئیے ۲۵۲
جیسی اہل کتاب (یہود و نصاری) اپنے گرجاؤن اور کلیساؤن کی تعظیم عمارت اور نقش آرائی سے کرتے
ہین کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسکو علامات قیامت مین شمار کیا
ہے، اور ہمارے زمانہ مین اس کا ظہور ہوگیا ہے کہ مسجدوں کی عمارات کو نقش ونگار اور کپڑون (پردون وغیرہ)
سے آراستہ کرنے لگے پھر اُن مین آمدنی وصول کرنے اور کھانے پینے شور وشغب کرنے خرید و فروخت کرنے
کیلئے آتے ہین اور یہ اس طریقہ کے خلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاء کا تھا اس زمانہ مین
مسجدون کو ان خرافات سے پاک رکھا جاتا تھا اور نماز و ذکر و تلاوت قرآن و تبلیغ احکام و فصل قضاء کیلئے مخصوص
کیا جاتا تھا پس مسلمانون کو چاہئیے کہ مساجد کو خرافات دنیا سے پاک رکھین اور ان کی تعظیم بجالائین بیحرمتی
نہ کرین اگر مسلمان شعائر اللہ کی عظمت نہ کرین گے تو انکی بھی دنیا مین کچھ عظمت باقی نہ رہے گی جیسا آجکل
مشاہدہ مین آرہا ہے ۱۲) ایک بزرگ نے کسی شخص کو مسجد مین تھوکتے ہوئے دیکھا فرمایا گناہ کا کام نکرو اُس نے
جواب دیا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسکو دفن کردیا جائے بزرگ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مین تو تمکو گناہ سے
روکتا ہون اور تم جواب مین کفارہ کا ذکر کرتے ہو (کیا تمکو خبر نہین کہ) گناہ سے بچنا مغفرت طلب کرنے (اور

Marfat.com

توبہ کرنے) سے افضل (و مقدم) ہے میں نے ایک عالم کو جو علم و فتوی مین معتمد تھے دیکھا کہ وہ مسجد مین بیٹھے ہوئے
اس باغیچہ مین بھی تھوکنا پسند نہ کرتے تھے جو مسجد کے قریب تھا حالانکہ وہ مسجد کے فنا مین بھی داخل نہ تھا اور وہ
مسجد کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے (پھر بھی مسجد مین بیٹھکر باغیچہ مین نہ تھوکتے بلکہ مسجد سے باہر آکر تھوکتے تھے) تاکہ
تھوکنے کی ابتداء بھی مسجد سے نہ ہو اگرچہ بلغم وغیرہ مسجد مین (بیٹھکر تھوکنے سے بھی مسجد میں) نہ گر سکتا تھا مگر یہ اندیشہ
ضرور تھا کہ کچھ حصہ مسجد مین گر جائے گو سوئی کے ناکہ کی برابر ہی ہو اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد ہی مین
گر جائے باہر نہ جائے اور جو حدیث ہمنے بیان کی ہے وہ اس سے ممانعت پر شاہد ہے (مراد یہ حدیث ہے النخامۃ
فی المسجد خطیئۃ وکفارتہا دفنہا کہ مسجد مین بلغم وغیرہ ڈالنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے جس سے
مطلقاً مسجد مین تھوکنے و سنکنے سے ممانعت ہے) تو مجھے ان کا مسجد کیساتھ یہ ادب و احترام بہت پسند آیا قولہ

الوجہ الاول رویتہ علیہ السلام النخامۃ فی القبلۃ الی فاعجبنی ذلک الاحترام منہ

ف اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ہر وقت استغراق اور مراقبہ مین رہنا کمال نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ ہر وقت
کے متعلق جو احکام شریعت کی طرف سے وارد ہون انکی نگہداشت رکھی جائے اور جن چیزوں کی نگرانی و خبر گیری
انسان کے ذمہ ہے انکی دیکھ بھال کرتا ہے مگر اس کا منشا حظ نفس نہو بلکہ تعمیل حکم ہو کہ اللہ تعالی نے ہمکو ۲۵۳
اسکا مکلف کیا ہے عارف اور غیر عارف میں فرق یہی ہے غیر عارف اپنے نفس کی اہل و عیال و مال کی نگہداشت
محض حظ نفس کیلئے کرتا ہے تعمیل حکم کا اسکو خیال بھی نہین آتا اور عارف یہ سب کام تعمیل حکم کیلئے کرتا ہے
نفس کیلئے غفلت کیساتھ کام نہیں کرتا قال القلندر رح

تا زنم چشم خود کہ جمال تو دیدہ است | افتم بپائے خود کہ بکو یت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را | کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہمنے اپنے اکابر کو اسی طریق پر پایا ہے کہ وہ ہر دم استغراق مین نہین رہتے بلکہ تعمیل احکام مین مشغول رہتے ہین

ف حدیث سے مساجد کے احترام کی بھی تاکید معلوم ہوئی افسوس آجکل عام طور پر اسی باب میں کوتاہی
ہونے لگی ہے۔ مساجد کے اندر دنیا بھر کے قصّے اور فضول بکواس کی جاتی ہے بعضے بے ادب تھوکنے مین
بھی احتیاط نہیں کرتے ہم نے اپنے اکابر کو اس باب میں بہت محتاط پایا ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت
اقدس سیدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہ بریلی ایک مدرسہ کے جلسہ مین تشریف لیگئے جلسہ کی جگہ
ایسے مقام پر تھی جہاں مسجد مین کو ہو کر جانا پڑتا تھا اور لوگ بے تکلف مسجد مین کو ہو کر جلسہ مین جا رہے تھے

Marfat.com

حضرت اقدس کو یہ خبر نہ تھی کہ جلسہ مسجد سے باہر ہوگا مسجد میں داخل ہونیکے بعد جب مجمع کو مسجد سے باہر دیکھا فوراً فرمایا کہ ہمنے تو مسجد کو راستہ اور گذرگاہ بنالیا۔ بھائی تھوڑی دیر مسجد مین ٹھرجاؤ کچھ ذکر اور تسبیح یا نماز یہان پڑھ لو کچھ دیر کے بعد جلسہ مین چلین گے چنانچہ حضرت نے اور حضرت کے خدام نے اسی طرح کیا، فھکذا فلیکن احترام المساجد بیوت اللہ۔

(۱۶۲) حدیث کے اس لفظ مین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا چند علمی مسائل ہین ایک یہ کہ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے (کہ حضور نے مسجد کی صفائی کا خود اپنے ہاتھ سے اہتمام فرمایا کسی دوسرے کو حکم نہین دیا حالانکہ ہزارون خدام موجود تھے) دوسرے یہ کہ (لوگون کو بری بات سے) منع کرنے کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے اور اس مین مسجد کا احترام بھی کمال درجہ تھا کہ خود حضور نے اپنے دست مبارک سے تھوک اور بلغم کو اس مسجد کی دیوار سے صاف کیا ایک روایت مین ہے کہ اسکے بعد آپنے اس جگہ مشک بھی لگادیا تھا) تیسرے یہ کہ نیک کام کرنیوالے کو یہ نہ چاہیئے کہ کسی نیک کام کو معمولی سمجھکر چھوڑدے (بلکہ ہر کام کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیئے کیا خبر ہے اللہ تعالیٰ کو کون سا کام پسند آجائے کیونکہ جب مسجد سے تنکا نکالنے پر بھی ثواب ملتا ہے تو اس کام کا کیا پوچھنا؟

۲۵۴ (جس کا حضور نے اس قدر اہتمام فرمایا) اسی کی نظیر وہ ہے جو بعض صحابہ کے متعلق منقول ہے کہ ایک غزوہ مین دو باپ بیٹون نے اس بات کیلئے قرعہ اندازی کی کہ دونون مین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کون جائے؟ تو بیٹے کا نام قرعہ میں نکلا باپنے کہا بیٹا اس غزوہ مین تو (اپنی جگہ) مجھے جانے دے۔ بیٹے نے کہا ابا جان یہ تو جنت (لینے کا معاملہ) ہے اس میں اپنے اوپر میں آپ کو ترجیح نہ دون گا چنانچہ وہی گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید ہوگیا۔[۵]

۵ ان حضرات کی شہادت کا کیا کہنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ کیلئے اپنی جان نثار کرتے تھے اور گویا مرتے ہوئے حضور سے بزبان حال عرض کرتے تھے ؎ بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست + تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ئیست، ان کی شہادت کا کیا پوچھنا جنکے جذبہ شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ تھے۔ اللہ اللہ حضرات صحابہ کو اللہ و رسول سے کیسی سچی محبت تھی کہ اُن کے بچے اور نوجوان بھی شوق شہادت میں بوڑھوں اور پختہ کارون سے پیش پیش تھے، جنگ بدر مین ابوجہل کے قاتل دو نوجوان بچے ہی تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیر بن سعد سولہ سالہ نوجوان جنگ بدر کے موقعہ پر لشکر کی پیشی کیوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرون سے چھپتے پھرتے تھے کہ ایسا نہو حضور کی نظر پڑجائے اور بچہ سمجھکر لشکر سے الگ کردین حضرت سعد نے حضور سے ان کا حال عرض کیا تو آپنے اجازت دیدی اسوقت ان کی خوشی کی کچھ انتہا نہتھی خوشی خوشی بدن پر ہتیار سجائے تو تلوار زمین پر گھسٹنے لگی اسکو ہاتھون سے سنبھال کر اونچا کرتے جاتے تھے بالآخر اسی شوق اور بیقراری مین جنگ کیوقت بڑے بڑے بہادرون کو مقابلہ مین جا ڈٹے اور

(باقی آئندہ)

نیز اس مین تمام نیکیون کے اکتساب کی ترغیب ہے اگرچہ اس شخص کو ضرورت بھی نہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین ولا تمنن تستکثر جسکی تفسیر مین بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نیکی (کرنے) سے کم ورنہ ہنو اور یہ نہ کہو کہ میرے پاس تو بہت نیکیان ہین جو مجھے کافی ہین اور (اس مین) خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد امت (کو تعلیم دینا) ہے قولہ وحکھا بینہ فیہ من الفقہ وجوہ الی قولہ الخطاب فیہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ۔

(۱۷۳) حدیث کا یہ لفظ کہ اس سے آپنے ناگواری ظاہر فرمائی یا آپ کی ناگواری لوگون کو محسوس ہوئی
اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ مومن جب کوئی ناگوار چیز دیکھتا ہے تو اس سے اسکو تغیر ہوتا ہے اور یہ تغیر اُسکے ایمان کی مقدار کے موافق ہوتا ہے چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایمان سب سے زیادہ (کامل) تھا اسلئے اس ناگوار چیز سے آپ کو تغیر ہوا اور وہ تغیر آپکے چہرہ پر ظاہر ہوا۔ اس مقام پر یہ گفتگو ہوسکتی ہے کہ حضور کو تغیر اس وجہ سے ہوا کہ قبلہ کی بیحرمتی کی گئی تھی یا اس وجہ سے ہوا کہ اس حرکت کرنے والیکو گناہ ہوا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو اپنی طبیعت سے تمام عالم پر رحمت فرماتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تذہب نفسک علیہم حسرات کہ ان کافرون پر حسرت (اور رنج کرکے) آپ کی جان نہ جاتی رہے تو مومنین کیساتھ آپ کی رحمت کا کیا حال ہوگا؟ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونون باتون کا مجموعہ سبب تغیر ہوا ہو، یہی زیادہ ظاہر ہے۔ اسی طرح مسلمانون کو بھی چاہیئے کہ حرمات الٰہیہ کی بیحرمتی کے موقع پر ان مین تغیر پیدا ہو جائے اور جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اسوقت بھی بالخصوص جبکہ وہ مصیبت دینی ہو کیونکہ یہ تو بہت بڑا خسارہ ہے اور اگر دین و دنیا دونون مین مصیبت ہو تو اس کا کیا پوچھنا (اس وقت تو زیادہ تغیر ہونا چاہیئے) اور ان ہی مبارک صفات کی وجہ سے حضرات صوفیہ دوسرون پر سبقت لیگئے ہین۔ چنانچہ اسی کے موافق ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ بعض معاملات مین ایک شخص ان کا شریک تھا ایک دن اسکو بلایا تو لوگون نے عرض کیا کہ وہ تو گناہ مین مبتلا ہے فرمایا میرا ساتھی اس حالت مین ہے اور مین زندہ ہون پھر فوراً وضو کیا اور خلوت (خانہ) مین داخل ہوگئے اور یہ عہد کرلیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اسکے بارہ مین میری سفارش منظور نہ فرمائین گے باہر نہ آؤنگا۔ اسکے بعد وہ شریک گناہ سے فارغ ہوا تو کسی نے اسکو اطلاع کی کہ تم کو تمہارے شریک نے بلایا ہے وہ آیا تو لوگون نے اس سے کہا کہ وہ تو تیری ہی وجہ سے خلوت خانہ مین داخل

خلاف شریعت امر سے مسلمان کو تغیر ہونا چاہیے۔ ۲۵۵ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اسوقت بھی شیخ والے یا دیکھنے والے کی طبیعت میں تغیر پیدا ہونا چاہیے

Marfat.com

ہوگئے ہین (یہ سن کر اُسپر اثر ہوا اور) کہنے لگا کہ ان سے کہدو اب باہر آجائین۔ مین قسم کھاتا ہون کہ بخدا اب ایسی حرکت نہ کرونگا۔ پھر اُس نے توبہ کی اور اسکی حالت اچھی ہوگئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (واقعۂ حدیث مین) زجر کامل کیلئے کراہت (و ناگواری) کا اظہار فرمایا ہو تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ دین کے ضروری احکام مین سے ہے، اس صورت مین اس قسم کی مکروہات دیکھنے پر ہمکو بھی کراہت ظاہر کرنا چاہیئے یہی سنّت ہے، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ کو طبع مبارک کی وجہ سے (طبعی طور پر) بلا اختیار ناگواری پیش آئی ہو اور آپنے اس مین کچھ زیادت بالقصد فرمائی ہو تاکہ ہر شخص اس معاملہ مین آپ کی اقتدا کرے جسکو طبعًا ناگواری پیدا ہو وہ بھی اور جسکو طبعًا ناگواری نہو وہ بھی تمام احتمالات مین یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے۔ اور **ف** اُس سے یہ مسئلہ ماخوذ ہوگا کہ ایسے مواقع پر طبیعت مین ناگواری کا پیدا ہونا ایمان کی علامت ہے چنانچہ ایک (دوسری) حدیث مین جو تغییر منکر کے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصریح فرمائی ہے کہ جسکو امر منکر کے مٹانے کی طاقت نہو وہ قلب سے اسکو مٹائے (یعنی دل مین اُس سے کراہت کرے اور اس کے زوال کی دعا کرے) وذلک اضعف الایمان، حضور فرماتے ہین اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور **ف** اس ناگواری مین زیادتی ہونا سنّت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے الوجہ الثالث قولہ ورائی منہ کراھۃ الی قولہ وتکون الزیادۃ فیہ سنۃ واقتداءبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف خلاصہ یہ کہ جب مسلمانون پر کوئی دینی یا دنیوی مصیبت نازل ہونے کی خبر سُنی جائے یا کوئی شخص برملا احکام الٰہیہ کی مخالفت کرے اسوقت دوسرے مسلمانون کے دلون کو بےحس نہ رہنا چاہیئے بلکہ ان کی طبیعت مین تغیر پیدا ہونا چاہیئے۔ پہلی صورت مین یہ تغیر شفقت کے رنگ مین ہوگا جیسا ایک حکایت کے ضمن مین گذر چکا ہے کیونکہ ان بزرگ کے سامنے اُس شخص نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا تھا بلکہ ان کو خبر پہونچی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ بےچین ہوگئے اور اس کیلئے دعا مین مشغول ہوگئے دوسری صورت مین یہ تغیر کراہت اور ناگواری اور غصہ کی صورت مین ہوگا جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار مین تھوک سنک دیکھکر کراہت اور غصّہ کا اظہار فرمایا، یہان سے اُن لوگون کی غلطی واضح ہوگئی جو اولیا اللہ سے ہر وقت شفقت اور نرمی ہی کے منتظر و متمنی رہتے ہین اور اگر وہ کسی بیجا حرکت پر ناگواری اور غصہ کا اظہار کرین تو اعتراض کرتے ہین کہ یہ تو اخلاق محمدیہ کے خلاف ہے۔ انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت اور بیحرمتی کے موقع پر کراہت

احکام الٰہی کی بیحرمتی کے موقعہ پر طبیعت مین ناگواری پیدا ہونا علامات ایمان مین سے ہے

۵۵۶ مواقع مذکورہ مین ناگواری زیادہ ہونا سنت ہے

Marfat.com

وناگواری کا اظہار بھی اخلاق محمدیہ مین سے ہے۔ علماء اسلام نے اسکو سنت اور اقتداء نبوی مین داخل کیا ہے خصوصًا جب کوئی شخص اپنے کو اصلاح نفس کیلئے کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہو اسکو تو شفقت ونرمی کی خواہش کا وسوسہ بھی دل مین نہ لانا چاہئے کیونکہ اصلاح نفس آسان نہین ہے اسکے لئے بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب شیخ مصلح کو اختیار ہے خواہ اس سے مجاہدات شاقہ کرائے یا محض زجر وتوبیخ سے ہی اصلاح کردے، اگر غور کیا جائے تو اس صورت مین طالب اصلاح کا زیادہ نفع ہے کہ سہل مجاہدہ سے کام بن گیا۔ مگر اس کی قدر وہی کرتا ہے جو واقع مین طالب ہے ورنہ نام کے طالب اس کی قدر نہین کرتے بلکہ گھبرا جاتے ہین سو ان کو مولانا رومی کا یہ ارشاد غور سے پڑہنا چاہئے۔ ؎

چون بہر زخمے گریزانی ز عشق ۔ تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

والسلام

نماز مین حق تعالیٰ سے مناجات کی حقیقت ۵۵۷

(۱۷۴) حدیث کا یہ لفظ کہ جب کوئی نماز پڑہتا ہے تو اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے الخ۔ اس مین یہ سوال ہوگا کہ اس مناجات کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ لغۃً مناجات یہ ہے کہ دو آدمیون یا دو سے زیادہ کے درمیان خفیہ بات چیت ہو اور یہان تو بات کرنیوالا ایک ہی ہے (یعنی ظاہر مین صرف نمازی ہی تنہا بات کرنیوالا ہے) تو مناجات کیونکر ہوگی"، اس حقیقت کو ایک بزرگ نے بیان فرمایا ہے جو علم اور (اتباع) سنت مین مقتدا تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس حالت مین ہین؟ فرمایا اچھی حالت مین ہون۔ مین عبادت مین دو حالتون کے درمیان ہون کبھی اپنی تسبیح اور دعا سے مین اپنے مولیٰ کی ساتھ باتین کرتا ہون کبھی وہ مجھ سے باتین کرتے ہین جبکہ مین کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہون کہ اسوقت پڑھنے والا تو مین ہوتا ہون اور مجھسے خطاب کرنیوالے وہ ہوتے ہین۔ الوجہ الرابع قولہ اذا قام یصلی فانما یناجی ربہ الی قولہ وھو المخاطب لی"،

ف۔ ان بزرگ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تلاوت کتاب اللہ کیوقت پڑہنے والا تو مین ہوتا ہون اور مجھسے خطاب کرنیوالے وہ ہوتے ہین اسکی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ اپنے کسی غلام یا نوکر کو کچھ ہدایتین لکھکر دے کہ ان کو پڑھ لو اور ان کے موافق عمل کرو۔ تو یہ شخص جسوقت وہ ہدایتین پڑہے گا اسوقت پڑہنے والا تو وہ ہوگا مگر اس سے خطاب کرنیوالا بادشاہ ہوگا کیونکہ اس مین اس قسم کی باتین ہونگی کہ تمکو یہ کرنا چاہئے اس طرح چلنا چاہئے فلان بات سے بچنا چاہئے وغیرہ وغیرہ اور یہ خطاب تمام تر بادشاہ کی طرف سے ہے یہی حال نمازی کا ہے جس وقت وہ نماز مین یا نماز کے علاوہ کسی وقت قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس وقت پڑہنے والا تو وہ ہے مگر اس سے خطاب کرنیوالے حق تعالیٰ ہین کیونکہ قرآن مین جو کچھ بھی ہے

Marfat.com

بندون کیلئے ہدایات ہی تو ہین کہ تمکو یہ کرنا چاہیئے وہ نہ کرنا چاہیئے اللہ کے خاص بندون کے طریقہ پر چلنا چاہیئے مردودون کے راستہ سے دور رہنا چاہیئے۔ پہلی صورت مین تمکو یہ انعام واجر ملے گا۔ دوسری صورت مین سخت عذاب ومصیبت کا سامنا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

ف۔ بعض اہل حال کو تلاوت قرآن کے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے بھی حق تعالیٰ ہین اور خطاب کرنیوالے بھی وہی ہین اور درمیان مین بندہ کی حالت وہ ہے جو شجرۂ موسیٰ کی حالت تھی جبکہ انکو درخت مین سے آواز آئی تھی انی انا اللہ رب العلمین کہ مین ہون اللہ تمام جہانون کا پالنے والا۔ ظاہر ہے کہ اسوقت خطاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور کہنے والے بھی وہی تھے درخت کا اس مین کچھ بھی دخل اسکے سوا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکے اندر آواز پیدا کردی تھی اسی طرح بعض دفعہ عارف کی حالت تلاوت قرآن کیوقت ایسی ہوجاتی ہے کہ گویا اسکی ہستی درمیان سے غائب ہے اللہ تعالیٰ نے اسکے اندر آواز پیدا کردی ہے جس سے یہ خود نہین بول رہا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کلام فرمارہے ہین وہی خطاب فرمارہے ہین اس کا اس مین کچھ دخل نہین،، یہ حالت جب ترقی پاتی ہے تو ذکر مین بھی اسکو
ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود نہین بول رہا بلکہ اسکے اندر آواز پیدا کردیگئی ہے اللہ تعالیٰ خود ہی ۵۵۸
اپنا ذکر فرمارہے ہین جس پر یہ حالت طاری ہو اسکو اسوقت شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسکو حدود سے باہر نہ ہونے دے، اگر بندہ اس حالت مین حدود پر قائم رہا تو ایسے عالی مقام تک ترقی ہوتی ہے جسکا اسکو وہم وگمان بھی نہین ہوسکتا اور جو اس حالت مین حدود سے نکل گیا اسکے لئے خطرہ ہے اگر اس کے ارادہ اور قصد کو کچھ بھی حد سے نکلنے مین دخل ہوا حفظنا اللہ وایاکم من کل شر ورزقنا الثبات علی السنۃ النبویۃ والصراط المستقیم ۵

درراہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است　　ہشیار وگوش را بہ پیام سروش[ط] دار۔

ف۔ اس مقام پر دل مین تقاضا ہے کہ نماز کی مناجات کو ذرا کھول کر بیان کردیا جائے کیا عجب ہے کہ کسی کو اس سے نفع ہو اور وہ اس ناکارہ روسیاہ کیلئے دعا کردے اور مجھے اسپر عمل کی توفیق ہو پس سمجھنا چاہیئے کہ نماز کے وقت عارفین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ یقین کیسا تھ یہ سمجھکر کھڑے ہوئے ہین کہ اللہ تعالیٰ ہمین دیکھ رہے ہین اور جو کچھ ہم نماز مین کہتے ہین اسکو سُن رہے ہین اور ہر بات کا اسکی

ط پیام سروش سے مراد وحی الٰہی ہے قالہ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ ۱۲ ظ

Marfat.com

مناسب جواب دیے رہے ہین۔ چنانچہ جس وقت وہ نماز کیلئے دونون ہاتھ اُٹھاکر تکبیر تحریمہ کہتے ہین تو انکو
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہین کبرنی عبدی وذھل عما سوای میرے
بندے نے میری بڑائی کو پہچان لیا اور میرے ماسوا سے الگ ہوگیا۔ جب وہ ثنا پڑھتا ہے تو حق
تعالیٰ فرماتے ہین توجّہ الیّ عبدی میرا بندہ میری طرف متوجہ ہوگیا جب وہ الحمد للہ رب العلمین
کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہین حمدنی عبدی میرے بندے نے میری حمد کی جب وہ کہتا ہے
الرحمن الرحیم حق تعالیٰ فرماتے ہین اثنی علی عبدی میرے بندہ نے میری ثنا کی جب وہ کہتا ہے
مالک یوم الدین حق تعالیٰ فرماتے ہین مجدنی عبدی میرے بندے نے میری بزرگی بیان
کی جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین حق تعالیٰ فرماتے ہین ھذا بینی وبین عبدی
یہ بات میرے درمیان اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے (یعنی بندہ کی عبادت تو میرے
لئے ہے اور میری مدد اسکے لئے ہے) جب وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین تو حق فرماتے ہین ھذا العبدی ولعبدی ما سأل
یہ میرے بندے کی درخواست ہے اور جو وہ مانگتا ہے میں نے اسکو دیدیا۔ جب وہ اسکے بعد قرآن ۵۵۹
کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو فرماتے ہین فتحت لعبدی ابواب معرفتی وھدایتی میں نے اپنے
بندے کیلئے معرفت وہدایت کے دروازے کھولدئے جب وہ تکبیر کہتا ہوا رکوع کرتا ہے تو وہ فرماتے
ہین کبرنی عبدی وعرف عظمۃ صفاتی فرکع لی۔ میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا
اور میری عظمت صفات کی معرفت حاصل کرکے میرے سامنے جھک گیا، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ
ربنا ولک الحمد کہتا ہے تو فرماتے ہین سمعت لعبدی وقبلت حمدہ۔ مین نے اپنے بندے کی
بات کو سُن لیا اور اسکی حمد کو قبول کیا،، جب وہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرتا ہے تو فرماتے ہین کبرنی
عبدی وعرف علو ذاتی فسجد لی۔ میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میری علو ذات
کی معرفت حاصل کرکے سجدہ مین گرگیا جب وہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے سر اُٹھاتا ہے فرماتے ہین کبرنی
عبدی وعرف عجزہ عن ادراکی میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میرذات کے ادراک
سے اپنی عجز وکمزوری کو جان لیا۔ جب دوبارہ سجدہ کرتا ہے فرماتے ہین کبرنی عبدی وسجد لی
تقربا الی۔ میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور مجھسے قرب حاصل کرنے کیلئے پھر سجدہ

Marfat.com

میں گر پڑا۔ جب تکبیر کہتا ہوا دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی وتقرب الی میرے
بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور مجھ سے قرب حاصل کر لیا پھر فاتحہ اور رکوع و قومہ و سجدہ میں وہی معاملہ
ہوتا ہے جو رکعت اولیٰ میں ہوا تھا جب وہ دوسری رکعت میں التحیات کیلئے بیٹھتا ہے تو فرماتے ہیں
وصل عبدی الی مجلس قربی فحیانی بتحیتی وحیا اہل مجلسی بتحیتھم وشھد لی بشھادۃ الحق میرا
بندہ میری مجلس قرب میں پہونچ گیا اور میری شان کے مناسب اور تعظیم بجالایا اور میری مجلس والوں کا
بھی ان کے درجہ کے مناسب ادب کیا اور میرے سامنے سچی شہادت پیش کی۔ قعدہ اخیرہ میں جب التحیات
کے بعد درود شریف پڑھتا ہے تو فرماتے ہیں توسل الی عبدی بحبیبی وخلیلی میرے بندہ نے میرے
حبیب اور خلیل کو وسیلہ بنایا اسکے بعد جب وہ دعا کرتا ہے تو حق تعالیٰ ملٰئکہ سے فرماتے ہیں ما جزاء
عبدی وفی عملہ۔ اس بندہ کی جزا کیا ہے جو اپنا کام پورا کر دے ملائکہ عرض کرتے ہیں ربنا جزاءہ ان
یوفی اجرہ اسکی جزا یہ ہے کہ اسکو پورا اجر دیا جائے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اشھد وا فقد غفرت
لعبدی واستجبت دعاءہ وادخلتہ فی عبادی الصالحین۔ گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو
بخشدیا اسکی دعا و عبادت قبول کی اور اسکو اپنے لائق بندوں میں داخل کر لیا،، اسکے بعد بندہ خوشی ۵۷۵
خوشی دائیں بائیں فرشتوں کو اور دوستوں کو سلام کرتا ہے گویا اپنی کامیابی کی بشارت سناتا ہے
اس تفصیلی مناجات میں سورۂ فاتحہ کے اندر جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ تو حدیث صحیح
کا مضمون ہے اور بقیہ حالات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ قلبی واردات
ہیں جو ان شاء اللہ حدیث انا عند ظن عبدی کے تحت میں داخل ہیں رزقنا اللہ وایاکم تمام
الصلوۃ وتمام رضوانہ وختم لنا بالحسنیٰ،، آمین۔

(۱۷۵) حدیث کا یہ لفظ کہ نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے،، اہل سنت کی دلیل ہے
جو یہ فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور قرأت قاری کا فعل ہے اور جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ اللہ کا کلام
ہے (قاری کا کلام نہیں) اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہوتی (تو جسوقت بندہ قرآن پڑھتا ہے اس
وقت اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں) اس صورت میں نماز حقیقۃً مناجات ہوگی کیونکہ وہ قرأت قرآن اور
تسبیح و دعا پر مشتمل ہے جس میں تسبیح و دعا تو بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں (عرض و معروض) ہے
اور قرأت قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو خطاب ہے۔ اسی لئے بعض اہل صفا اور مبارک حالات والوں نے

کہا ہے کہ جب وہ حضور (کامل) کی ساتھ تلاوت قرآن کرتے ہین تو اسوقت قوت یقین اور تصدیق (کامل) کی وجہ سے حروف کی حرکات (کے دائرہ) سے نکل جاتے اور بلا واسطہ (اللہ تعالیٰ کا کلام بلاصوت حروف کے) سنتے ہین، اور اس حالت کو اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہین جو حدود وسنت کیموافق سلوک طے کرتے ہین مگر ایسے بہت کم ہین الوجہ الخامس قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانما یناجی دلیل لاھل السنۃ الی قولہ وقلیل ماھم۔

ف - اس مقام کی طرف اشارہ اوپر گذر چکا ہے ملاحظہ فرمایا جائے

(۱۷۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس کا رب اسکے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے" اہل تجسیم و اہل حلول کے بطلان دعوی کی دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حلول اور تحیز اللہ تعالیٰ شانہ کے حق مین محال ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کے قول کے موافق (معاذ اللہ) عرش پر حلول کیساتھ تشریف فرما ہوتے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہان بھی ہوتے اور نمازی کے اور اسکے قبلہ کے درمیان بھی ہوتے اور (سوچو تو سہی کہ) ایک ہی زمانہ مین زمین کے مختلف اقطار وجوانب مین مختلف جہات مین کتنے نمازی نماز مین مشغول ہوتے ہین اگر حق تعالیٰ ہر جگہ حلول وتجسم کیساتھ موجود ہون گے) تو یا ذات خداوندی مین تعدد لازم آئیگا (کہ خدا ایک نہین بلکہ بہت سے ہین) یا اُس کی ذات مین تقسیم جاری ہوگی (کہ خدا کا کچھ حصہ کسی جگہ ہے کچھ حصہ کسی جگہ ہے) اور یہ ہمارے نزدیک بھی اور ان کے نزدیک بھی بالاتفاق محال ہے۔ پس تاویل سے چارہ نہ رہا تو جیسے یہان ہم تاویل کرتے ہین اسی طرح دوسری حدیثون اور آیتون مین بھی تاویل کرین گے اس (اجمالی اشارہ) کے بعد اب ہم یہ بتلاتے ہین کہ اس لفظ مین فائدہ کیا ہے کہ اس کا رب نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے،، تو اس مین بطور کنایہ کے بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر (وبرکت) نمازی کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسکو پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہین کیونکہ جب وہ نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہین تو اُسکی حرکت وسکون اُن سے پوشیدہ نہین چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہین اسی احاطہ سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہین جزئیات کو بھی کلیات کو بھی قریب کو بھی بعید کو بھی مخفی کو بھی علانیہ کو بھی۔ غرض تمام جہانون کو یکسان طور پر محیط ہین اللہ سبحانہ سے ان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہین

ف بعض لوگون کو بعض آیات واحادیث سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اسی طرح بیٹھے ہین جس طرح انسان تخت پر بیٹھتا ہے یہ اعتقاد باطل اور غلط ہے بہت سے جاہل صوفی اس غلطی

۵۶۱ اللہ تعالیٰ تجسیم اور حلول سے پاک ہین۔ اور اس جملہ کا فائدہ کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتے ہین۔

Marfat.com

مین مبتلا ہین اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کی صورت مین حلول کر لیتے ہین جیسا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے یہ اعتقاد بھی توحید کے خلاف اور غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتون سے پاک اور منزہ ہین جس طرح ہم ان کی ذات کے ادراک سے عاجز ہین ان کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے بھی قاصر ہین اور جتنا اپنی سمجھ کے موافق ہم سمجھتے ہین اللہ تعالیٰ اس سے بھی وراء الوراء ہین صوفی کو اپنا اعتقاد اہل سنت کے موافق درست رکھنا چاہیئے کہ اس کے سوا جتنے اعتقادات ہین باطل وغلط ہین۔

(۱۷۷) اس ارشاد مین حکمت یہ ہے کہ عبادت کرنے والا چونکہ حادث ہے مکان مین مقید ہے اور معبود برحق حدوث اور مکان سے منزّہ ہے تو اس فانی محتاج کو ذات قدیم جلیل سے قرب ممکن نہ تھا۔ خصوصًا جبکہ وہ عابدون کی عبادت سے مستغنی بھی ہے اور یہی اسکی عبادت کے محتاج ہین۔ پس اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنیوالون کیلئے عبادت کی جہت اور کچھ علامات ان کے حدوث کے مناسب متعین کر دین اور انکو اپنی ذات جلیلہ کی طرف منسوب کر دیا جس سے ان علامات کو بھی شرف ورفعت عطا کیگئی اور بندون کو بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت (متحیزہ ناقصہ) کو اُن سے قبول فرمالیا اور اس کی وجہ سے اُن سے راضی ہوگئے۔ اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہین فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کہ تم جس طرف بھی رخ کرلو اللہ کی ذات ۵۶۲
اُدھر ہی ہے۔ شان نزول یہ ہے کہ جب قبلہ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف محول کیا گیا اور کچھ لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے بیت اللہ الحرام کی طرف نماز پڑھنے کا ان کو موقعہ نہ ملا انکے خیال مین دیوار کعبہ مقصود تھی (جسکی طرف استقبال کا ان کو موقع نہ ملا) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فاینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جس طرف بھی منہ کرلو اللہ کی ذات اُدھر ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ تمنے جس طرف رُخ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد کیا اور اسکے حکم کی تابعداری کی ادھر ہی تم اسکو پاؤگے یعنی ہر حالت مین وہ تم پر فضل واحسان فرمائین گے تمہارے اعمال کو قبول فرمائین گے اور ان کا اچھا بدلہ دین گے (کیونکہ مقصود کوئی خاص جہت یا خاص دیوار نہین بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور تابعداری ہے تو جو لوگ بیت المقدس کی طرف استقبال کرتے ہوئے فوت ہوگئے ان کے ثواب مین کچھ کمی نہین ہوئی کیونکہ اسوقت وہی حکم تھا جسکی اُنہون نے تعمیل کی) تو چونکہ اس جہت (قبلہ) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے تو حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ اس کا کامل احترام واجب یا مستحب ہو نہ اسکی ذات کی وجہ سے بلکہ) اسکی وجہ سے جسکی طرف اسکی نسبت کیگئی ہے اسکو بعض عشاق نے کہا ہے

اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے منزہ ہین اور تعیین قبلہ کی حکمت،،

توانکے خاندان والون پر انکی یہ حالت گران ہوئی کیونکہ

Marfat.com

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا

منازل کی محبت نے مجھکو فریفتہ نہین کیا بلکہ اسکی محبت نے جو ان منازل کے اندر رہے، تو ایک مخلوق کی وجہ سے دوسری مخلوق محبوب ہوجاتی ہے اور محبوب کے نزول کے منازل بھی معظم ہوجاتے ہین۔ اسی لئے محققین اس اضافت شریفہ کی وجہ سے اس اضافت کے تمام نشانون کی تعظیم کرتے ہین اور اسی وجہ سے اہل معاملات کو (جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست ہے) ہر نوع کی عبادت سے ایسی لذت و راحت حاصل ہوتی ہے جیسی اہل دنیا کو شہوت سے لذت حاصل ہوتی ہے اسلیئے (خلافِ حرمت افعال سے کراہت اور ممانعت وارد ہوئی اور اگر اسکے علاوہ کوئی اور بات ہوتی (جیسے اہل حلول کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ مین یا مسجد مین حلول کئے ہوئے ہین) تو اس کی سزا ضرب یا قتل ہوتی (محض کراہت اور ممانعت پر اکتفانہ کیا جاتا) اس تحقیق سے بھی اس حجت کی تائید ہوگئی جو ہم نے اہل حلول و اہل تجسیم کے مقابلہ مین بیان کی ہے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا + قولہ الوجہ السابع فیہ من الحکمۃ ان العبادۃ لما کانت من محدث متحیزا الی قولہ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

ف بعض معاندین نے اہل اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ وہ ہمکو تو بُت پرستی سے منع کرتے ہین اور خود کعبہ کی پرستش کرتے ہین۔ اس کا جواب مفصل دیکھنا ہو تو رسالہ قبلہ نما مؤلفہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ مین ملاحظہ کیا جاوے۔ نیز رسالہ اشرف الجواب حصہ اول کا بھی مطالعہ کیا جائے، مختصر جواب یہ ہے کہ جو جسکی عبادت کرتا ہے وہ اسکی عبادت سے انکار نہین کیا کرتا اور مسلمان صاف کہتے ہین کہ ہم کعبۃ اللہ کی پرستش نہین کرتے نہ اسکو معبود سمجھتے ہین نہ اسکی ساتھ وہ معاملہ کرتے ہین جو عابد معبود سے کیا کرتا ہے پس مسلمانون پر عبادت کعبہ کا الزام محض بہتان و اتہام ہے، اسلام کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کعبہ کو معبود سمجھکر اُسکو سجدہ کا قصد کرے وہ مسلمان نہین بلکہ مشرک ہے۔ اب مسلمانون کا جو برتاؤ کعبہ کی ساتھ ہے وہ بھی ملاحظہ ہو مسلمان کعبہ مین داخل ہوتے ہین ضرورت کے وقت اسکی چھت پر بھی چڑھتے ہین جس مین اسکے اوپر پاؤن رکھے جاتے ہین اور کوئی عابد اپنے معبود پر پاؤن نہین رکھ سکتا۔ نماز کے بعد مسلمان کعبہ کی طرف پشت کر لیتے ہین بعضے کعبہ سے کمر لگاکر اللہ کی یاد مین مشغول ہوتے ہین اور کوئی عابد اپنے معبود سے کمر لگاکر نہین بیٹھ سکتا، بعض دفعہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیلئے منہدم بھی کیا گیا ہے اس وقت کعبہ کا کچھ بھی حصہ زمین پر نہ تھا مگر نماز اس

یہ تو ہم بچا کر کعبہ کی اس نسبت شریفہ کی وجہ سے ایک ۵۶۳ خاص حرمت حاصل ہے

وقت بھی ہوتی رہی موقوف نہین ہوئی جو اسکی صاف دلیل ہے کہ کعبہ معبود نہین ورنہ کعبہ کی عدم موجودگی
مین عبادت بھی موقوف ہو جاتی،، بس مسلمانون کو کعبہ سے صرف اتنا تعلق ہے کہ نماز مین اسکی طرف
منہ کرتے ہین مگر کسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑہنا اسکے معبود ہونے کو مستلزم نہین۔ دیکھو مسجدون مین عام
طور سے ایک دو نہین بلکہ چار پانچ صفین نمازیون کی ہوتی ہین جنمین دوسری صف والون کا منہ
پہلی صف والون کی طرف ہوتا ہے اور تیسری صف والون کا دوسری صف والون کی طرف تو کیا
پہلی صف والے ان کے معبود ہوگئے ہرگز نہین،، آدمی جس طرف بھی منہ کرے گا اسکے سامنے کوئی نہ
کوئی چیز ضرور ہوگی تو معلوم ہوا کہ نماز مین کسی چیز کا سامنے ہونا معبودیت کو مستلزم نہین بلکہ معبودیت
کیلئے قصد عبادت ضروری ہے سو اسکو مسلمانون کی نماز کو دیکھکر معلوم کرلیا جائے کہ اُسکے جملہ اذکار
وادعیہ مین کہین بھی کعبہ کی عبادت کا ذکر نہین آتا بلکہ اول سے اخیر تک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا ذکر آتا
ہے ایاک نعبد وایاک نستعین اے اللہ ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہین اور آپ ہی سے مدد
چاہتے ہین۔ رہا یہ کہ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کیون کرتے ہین سو اس سوال کا کسی کو حق نہین۔ لیکن تبرعاً
ہم اس کا بھی جواب دیتے ہین کہ زمین مین سب سے پہلے عبادت گاہ کعبہ ہے اسلئے مسلمانون کو نماز مین اسکی ۵۶۴
طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ ہر شخص اپنی رائے سے اپنا الگ قبلہ تجویز نہ کرے کہ اس مین نزاع کا بھی احتمال
تھا اور تعدد معبودین کا بھی اور قدیم عبادت گاہ کو قبلہ بنانے مین یہ تمام احتمالات مرتفع تھے نیز اس مین کسی
خاص جہت کی تخصیص و ترجیح بھی باقی نہ رہتی تھی۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز پر سوار ہوکر تمام عالم کے
مسلمانون کو نماز کے وقت دیکھے تو کسی کو مغرب کی طرف نماز پڑہتا ہوا پائے گا کسی کو مشرق کی طرف کسی کو
جنوب کی طرف کسی کو شمال کی طرف جس سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانون کے نزدیک اللہ تعالیٰ کیلئے
کوئی خاص جہت مخصوص نہین اینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جس طرف بھی منہ کرلو اللہ کی ذات اُدہر ہی ہے
پھر چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان عبادت ہے اور کعبہ قبلۂ نماز ہے تو اس نسبت و اضافت کی وجہ سے
کعبہ کا احترام لازم ہوا مگر احترام سے معبودیت لازم نہین احترام تو انبیاء علیہم السلام اور قرآن کریم کا بھی
واجب ہے مگر ان مین سے کوئی بھی مسلمانون کا معبود نہین بلکہ سب جانتے ہین کہ ان کا احترام محض اللہ
تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے سو درحقیقت یہ ان کا احترام نہین بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کا احترام
ہے۔ رہا حجر اسود کو چومنا سو یہ بھی عبادت نہین ہے بلکہ محبت کا بوسہ ہے جیسا اپنے بیوی بچون کو

Marfat.com

چوما کرتے ہین۔ رہا یہ کہ اُس سے محبت کیون ہے؟ سو اس کا جواب ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے۔ عالمِ آخرت کی نشانی اور یادگار ہے اور مسلمانون کو آخرت سے جو اُن کا اصلی وطن ہے محبت ہے اور وطن کی چیز محبوب ہوتی ہے اسلئے حجر اسود انکو محبوب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

بست و ہفتم ۲۷ حدیث حبہ صلی اللہ علیہ وسلم التیامن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیامن کو یعنی دائین طرف سے شروع کرنے کو اپنے ہر کام مین پسند کرتے تھے جہانتک ہوسکتا۔ پاکی مین بھی کنگھی کرنے مین بھی۔ اور جوتہ پہننے مین بھی۔

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر کام مین دائین طرف سے شروع کرنا محبوب تھا۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ عدم استطاعت ترکِ مستحب کیلئے عذر ہے یعنی اگر استطاعت نہونے کی وجہ سے مستحب فوت ہوجائے تو یہ شخص معذور ہے (مثلاً کسی کے دائین ہاتھ مین زخم ہو چوٹ ہو اسلئے بائین ہاتھ سے کام کرتا ہے) اور جب فرائض مین بھی عدم استطاعت عذر ہے تو مستحبات مین بدرجہ اولی۔ رہا یہ سوال کہ پھر حضرت عائشہ نے مستحب مین اسکو کسلئے ذکر کیا جبکہ فرائض مین بھی اس کا عذر ہونا معلوم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مستحبات کی بجا آوری کی تاکید مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحب سے وہی شی مانع ہوسکتی تھی جو فرض سے مانع ہوسکتی ہے کیونکہ دین سب کا سب یکسان مطلوب ہے۔ فرض بھی نفل بھی مستحب بھی۔ ہر ایک اپنے اپنے درجہ مین مقصود ہے کسیکو بلاوجہ نہین چھوڑا جاسکتا اور یہ علم فقہ کا عظیم الشان قاعدہ ہے پہلے بھی اسکی نظیر گذر چکی ہے قولہ الوجہ الثانی فیہ دلیل علی ان عدم الاستطاعۃ عذر فی ترک المستحب الی قولہ وقد تقدم مثلہ

ف۔ یہان سے صوفیہ کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مستحبات کا بھی اہتمام فرماتے ہین بلاعذر ان کو ترک نہین کرتے لیکن اسکی ساتھ یہ قید ضروری ہے کہ ہر چیز اپنے درجہ پر رہے درجہ سے آگے نہ بڑھنے پائے جسکی طرف شارح نے اشارہ بھی کردیا ہے۔ پس اگر کسی وقت کسی مستحب کو اُسکے

دین کا ہر جزو مطلوب ہے فرض بھی نفل بھی مستحب بھی۔

۵۶۵

Marfat.com

درجہ سے بڑھاکر واجب سمجھ لیا جائے یعنی عوام اُسکی ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنے لگین مثلاً تارک پر ملامت وطعن کرنے لگین اور اسکی بجا آوری کیلئے دیگر احکام کو فوت کرنے لگین۔ مثلاً قرض کرکے اسکو پورا کرین وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت مین اس مستحب کا اہتمام نہ کیا جائے گا بلکہ اسکے اہتمام سے روکا جائے گا اور یہ حقیقت مین مستحب سے روکنا نہ ہوگا بلکہ ابتداع سے روکنا ہوگا خوب سمجھ لو

تعلیم اور بیان مین اولاً اجمال پھر تفصیل بہتر طریقہ ہے

(۱۷۹) حضرت عائشہؓ نے اول تو مجملاً یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام مین تیامن کو پسند کرتے تھے۔ پھر تین کامون کو (بطور مثال کے) ذکر فرمایا۔ اس مین اس اجمال کی تفصیل ہے کیونکہ اُنھون نے پاکی کا ذکر فرمایا جو مفروضات مین اعلیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے۔ پھر کنگھی کا ذکر کیا جو سنن (زوائد) مین زیادہ موکد ہے۔ پھر جوتہ پہننے کا ذکر فرمایا جو مباحات مین سب سے بڑھکر ہے، تو بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرائض اور مستحبات اور مباحات مین یہی حالت تھی (کہ سب مین تیامن کو پسند فرماتے تھے) اس سے یہ علمی مسئلہ مستنبط ہوا کہ تعلیم اور بیان مین اولاً اجمال سے کام لینا تاکہ یاد کرنا سہل ہو۔ پھر تفصیل ور تقسیم سے
۵۶۶ کام لینا تاکہ اچھی طرح سمجھ مین آجائے، بہترین طریقہ ہے،، قولہ الوجہ الرابع فیہ ذول الالباس الی قولہ والتقسیم بعد من اجل التفہیم،،

ف۔ آداب کلام کی رعایت کرنا حضرات صوفیہ کا خاص مذاق ہے جسکی تائید حضرات صحابہ کے طرز کلام سے ہوتی ہے جو سب سے زیادہ متبع سنّت تھے۔

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے اسکو ترجیح دینا چاہئے

(۱۸۰) اس مین حکمت کیا تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اس مین اُس شئی کی ترجیح کا اظہار تھا جسکو (خدائے) حکیم نے اپنی حکمت سے ترجیح دی ہے واللہ اعلم تفصیل اسکی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یمین کو (داہنی جانب کو) فضیلت دی ہے اور اہل یمین کو بھی فضیلت دی ہے ان کی تعریف فرمائی ہے (چنانچہ اہل جنت کو اہل یمین کہا گیا ہے اور جہنمیون کو اصحاب شمال) تو حضور کو اُس چیز سے محبت تھی جسکو علیم حکیم نے ترجیح دی ہے، اور یہ محبت درحقیقت تعظیم شعائر کی انتہا پر پہونچنے کی دلیل ہے کہ قلب مبارک کو اس سے خاص شغف تھا اسی لئے ہر کام مین ترجیح یمین کا اہتمام فرماتے تھے) اور یہ امر قوت ایمان پر دال ہے تو جس شخص کو (اپنے دل مین) اس محبت (یمین) کا احساس ہو

(باقی آئندہ)

Marfat.com

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس سے محبت تھی تو اسکو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اگر کسی کو (اپنے دل مین) اس محبت کا احساس نہو اُسے حضور کا اتباع کرنا اور اس محبت کی تحصیل کے اسباب پر عمل کرنا اور محبین کی ساتھ تشبہ کرنا چاہیئے (کہ اس سے بھی عمل صالح کی محبت دل مین پیدا ہو جاتی ہے) اسی لئے بعض حکماء نے فرمایا ہے ان التشبہ بالکرام فلاح بزرگون کی ساتھ تشبہ کرنا بھی کامیابی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپنے ایک شخص کو دیکھا کہ اُسنے کھیعص (سورہ مریم) کا سجدہ تلاوت کرکے سجدہ کیا فرمایا یہ تو سجدہ ہے مگر رونا کہان ہے (یہ اسلئے فرمایا کہ اس آیت مین حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کے نیک بندون کے سامنے اللہ کی آیتین پڑھی جاتی ہین تو وہ سجدہ مین گر پڑتے ہین روتے ہوئے۔ اس مقام پر امت محمدیہ کو ان حضرات کی تقلید واتباع مین سجدہ کا حکم ہے کہ تم بھی ان کی طرح سجدہ مین گر جاؤ۔ عبداللہ بن عباس نے متنبہ فرمایا کہ صلحاء کی تقلید کامل جب ہوگی کہ سجدہ کی ساتھ رونا بھی ہو کیونکہ وہ حضرات روتے ہوئے سجدہ مین گرتے تھے)

۵۶۸ اگر رونا نہ آوے تو رونے کی صورت ہی بنالو (کہ یہ تو اپنے اختیار مین ہے اگر رونا اختیار مین نہین) اور یہان سے معلوم ہوا کہ اہل خیر کی ساتھ تشبہ کرنا (صلحاء کی صورت بنانا) خیر ہے جبکہ ان کی محبت (اس تشبہ کا منشا ہو اور محبت) اللہ عزوجل کیواسطے ہو (کسی اور غرض سے نہو) اور اسی سے (قیاس عکس کے طور پر) یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل شر کی ساتھ تشبہ کرنا شر ہے اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے تشبہ سے منع فرمایا ہے (پس قیاس مؤید بالحدیث ہوگیا) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من تشبہ بقوم فھو منھم جو جس جماعت سے تشبہ کرے گا وہ اُن ہی مین شمار ہوگا (یہ حدیث اپنے عموم سے تشبہ باہل الخیر وتشبہ باہل الشر دونون کو شامل ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے صلحاء کی مشابہت عطا فرمائے حالاً بھی اور مقالاً بھی" قولہ الوجہ الرابع واما الحکمۃ فی کونہ صلی اللہ علیہ وسلم یحبہ وفی الوجہ الخامس یترتب علی ذلک من الفقہ ان التشبہ باھل الخیر من الخیر الیٰ قولہ من اللہ علینا باحوالھم حالاً ومقالاً"

ف۔ حضرات صوفیہ کو اہل خیر سے تشبہ کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے اسی طرح اہل شر کے تشبہ سے بھی وہ بہت احتراز کرتے ہین۔ افسوس ہے کہ آجکل بعض علماء نے اس مین بہت کوتاہی اختیار کر رکھی ہے انگریزون سے نفرت کا دعویٰ ہے مگر انگریزیت سے محبت ہے۔ رزولیوشن۔ الیکشن۔ ووٹ۔ کثرت رائے

Marfat.com

پر فیصلہ اُن کے جلسون کا شعار ہے۔ تقریر کا رنگ بھی بدل گیا قال اللہ وقال الرسول کی جگہ جغرافیہ حساب اور
آنے دال کا بھاؤ رہ گیا، اور بعض طلبہ کو دیکھکر ان کی مجلسون مین بیٹھکر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ طالبان علوم دینیہ
ہین۔ لباس کی وضع۔ گفتگو کا طریقہ مجلسون کی ہیئت یہ بتلاتی ہے کہ ان کو علم دین سے دور کا بھی واسطہ نہین
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے تشبہ کا اثر جو ظاہر سے باطن مین سرایت کرتا اور دل کو تباہ و برباد کر دیتا ہے
یہ تو تشبہ باہل شر کا نتیجہ تھا تشبہ اہل خیر کا یہ اثر ہے کہ بہت لوگ اولاً بزرگون کی نقل ریا سے کرتے تھے ان ہی
جیسا لباس (ان ہی جیسی) وضع اور تسبیح وسجادہ اختیار کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ریا عادت ہو گئی اور عادت عبادت
ہو گئی۔ پھر خلوص پیدا ہوا تو مس خام کو کندن بنا دیا۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ریاکار صوفی کو بھی برا نہ کہو
کیونکہ گو وہ ریا مین مبتلا ہے مگر اس عیب کیساتھ اُس مین ایک ہنر بھی ہے کہ اہل اللہ کی عظمت اُسکے دل مین
ہے کیونکہ انسان اُسی کی ساتھ تشبہ کرتا ہے جسکی عظمت اسکے دل مین ہوتی ہے اگر اسکے دل مین اہل اللہ کی
عظمت نہ ہوتی تو وہ ان کی وضع اختیار نہ کرتا بلکہ اہل دنیا کی وضع اختیار کرتا ۱ھ اس سے ان علماء کو جو
اہل شرو کی وضع اختیار کرتے ہین متنبہ ہونا چاہیئے کہ ان کے دل مین اہل دنیا کی عظمت ہے اہل دین کی
عظمت نہین جب ہی تو وہ اہل دین کی وضع چھوڑ کر اہل دنیا کی وضع اختیار کرتے ہیں اور اس کا مذموم ہونا ۵۲۹
بدیہی ہے وقال اللہ تعالیٰ یا ایہا کم عن ادبار السموم۔

بست و ہشتم ۲۸ (حدیث المسافر اذا قدم من سفرہ بدأ بالمسجد)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے (واپس) تشریف
لاتے تو مسجد سے ابتدا کرتے اس مین (پہلے جاتے اور) نماز پڑھتے۔

شرح - ظاہر حدیث یہ ہے کہ مسافر جب سفر سے واپس آئے تو سنت یہ ہے کہ گھر مین جانے سے
پہلے مسجد مین جائے۔ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو شہر مین ایسے وقت داخل نہ ہونا چاہیئے جس مین نماز پڑھنا مکروہ ہی
کیونکہ اس وقت نماز نہ ہو سکے گی جسکے لئے مسجد مین جایا جاتا ہے اور اگر مسافر سنت کیموافق سفر کرے گا
تو وہ اپنے شہر مین ایسے ہی وقت داخل ہو گا جس مین نماز جائز ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر
سے جب (واپس) تشریف لاتے تو مدینہ مین چاشت کیوقت داخل ہوا کرتے تھے، اور اس سے منع فرماتے

Marfat.com

...... کہ مسافر رات کیوقت اپنے گھر والون کے پاس پھونچے- نیز جب آپ سفر
تھے:
کیلئے تشریف لیجاتے اسوقت بھی مسجد مین نماز پڑہکر (شہر سے) نکلتے تھے اب اگر یہ فعل محض تعبدی تھا
(جسکی کوئی عقلی علت نہین) جب تو کسی بحث کی ضرورت نہین، اور اگر معقول المعنی تھا (جسکی کوئی عقلی علت
بھی ہے) تو اس مین حکمت واللہ اعلم یہ تھی کہ یہ عمل (مسجد اور نماز سے) برکت حاصل کرنے اور اپنی احتیاج
ظاہر کرنے کیلئے تھا، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کیلئے (شہر سے) نکلتے تو یون فرمایا کرتے تھے
(اللھم) انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل والمال - اے اللہ! سفر مین آپ ہی میرے ساتھی ہین
اور میرے پیچھے گھر باہر کے بھی آپ ہی محافظ ہین، اور آپ کا سفر جہاد یا حج کے سوا کسی اور کام کیلئے ہوتا
تھا (اور طاعات مین اللہ تعالیٰ کی معیت ضرور ہوتی ہے مگر پھر بھی آپ حصول معیت کیلئے دعا فرماتے تھے)
اور واپسی کے وقت (شہر مین داخل ہوکر) یہ فرماتے تھے آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون
صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ - ہم (گھر کو) واپس آگئے ہم توبہ کرنیوالے
ہین- بندگی کرنیوالے ہین- اپنے پروردگار کی حمد کرنیوالے ہین، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کردیا-
اپنے بندہ کی مدد کی اور (کفار کی) جماعتون کو تنہا شکست دیدی- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کلمات کو
سفر مین جاتے ہوئے اور واپس ہوتے ہوئے بلند آواز سے کہنا اللہ تعالیٰ کیساتھ اپنے تعلق اور التجا اور حالیہ
اقوال وافعال مین (مخلوق سے بیزاری اور) اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ظاہر کرنے کیلئے تھا اسی طرح آپ عملاً
بھی اللہ کے گھر کی فضیلت تمام مکانون پر ظاہر کرتے تھے (کہ جاتے ہوئے مسجد سے سفر شروع کرتے
اور واپس ہوتے ہوئے اول مسجد مین داخل ہوتے تھے) تاکہ حال قول کے موافق ہو (عمل گفتار کے
مطابق ہو) یہان سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کا عمل قول کی تصدیق
کرے (ایسا نہونا چاہیئے کہ عمل قول کے خلاف ہو) اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانون کی مذمت کی ہے جن کا عمل
قول کی تصدیق نہین کرتا- چنانچہ ارشاد ہے یاایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون -
(کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون) اے ایمان والو ایسی بات کیون کہتے ہو جو کرتے نہین
ہو (اللہ کے نزدیک یہ حالت بہت بری ہے کہ ایسی بات کہو جو تم کرتے نہین ہو) الوجہ الاول اذا
کان فی الاوقات المنھی عنھا الی فقولہ فی الوجہ الثانی لم تقولون مالا تفعلون
ف- اس آیت سے بعض لوگون کو شبہ ہوا ہے کہ بدون عمل کے عالم کو وعظ جائز نہین ہے

Marfat.com

اور حضرت مصنف کے کلام سے بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے مگر حکم شرعی یہ نہیں ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر مستقل فرض ہے اور عمل دوسرا فرض ہے، ایک فرض کے ترک سے دوسرے فرض کا ترک لازم نہیں ہو سکتا پس عالم بے عمل پر وعظ کہنا بھی فرض ہے اور خود عمل کرنا بھی فرض ہے۔ اگر وہ خود عمل نہ کرے تو اس سے ترک وعظ جائز نہ ہوگا بلکہ اس حالت میں وعظ ترک کرے گا تو دو فرضوں کا تارک ہوگا اور وعظ کہتا رہے گا تو صرف ایک ہی فرض کا تارک ہوگا اور تجربہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی برکت سے کچھ دنوں میں اسکو توفیق عمل بھی ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ سامعین میں کوئی مقبول بندہ ہوتا ہے اسکی دعا و توجہ سے واعظ بھی صاحب عمل ہو کر اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے،، اور اس آیت میں قول سے مراد دعوت نہیں بلکہ دعوی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسا دعوی نہ کرو جسپر عمل نہ کر سکو اور بدون کام کئے ڈینگیں نہ مارو کہ ہم نے یوں کیا اور وہ کیا حالانکہ کچھ بھی نہیں کیا،، یہ معنی نہیں کہ ایسی بات کی دعوت بھی نہ دو جسپر تم عمل نہیں کرتے۔ **قول** کا اطلاق جس طرح دعوت پر ہوتا ہے دعوی پر بھی ہوتا ہے اور یہاں دعوی ہی مراد ہے جس کی دلیل آیت کا شان نزول ہے روی عن ابن عباس ومجاہد انہا نزلت فی قوم قالوا لو علمنا احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ لسارعنا الیہ فلما نزل فرض الجہاد تثاقلوا عنہ وقال قتادۃ ٥٧
نزلت فی قوم کانوا یقولون جاہدنا وابلینا ولم یفعلوا وقال الحسن نزلت فی المنافقین وسماہم بالایمان لاظہارہم لہ ص ۴۴۲ ج ۳ احکام القرآن للجصاص، اور آیت اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم میں محل انکار تنسون انفسکم ہے تامرون الناس بالبر محل انکار نہیں مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہ ہونا چاہئے یہ مطلب نہیں کہ بے عمل کو وعظ نہ کہنا چاہئے اور دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے وہذا من افادات سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ،،

(۱۸۴) حدیث میں اُن چیزوں سے برکت حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے جنکی حرمت اور رفعت (شریعت میں) ثابت ہے مگر برکت حاصل کرنیکا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہئے۔ برکت حاصل کرنے کی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سفر سے واپسی کیوقت) تبرک کیلئے مسجد سے ابتداء فرماتے تھے اسی کے حکم میں ہر وہ شے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی وجہ خیر (و برکت) کی رکھی ہو، اور اس کی دلیل کہ تبرک کا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہئے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صرف نماز ہی پڑھتے تھے جسکی وجہ سے مسجد کو رفعت حاصل ہے (اسکی دیواروں کو چومتے نہ تھے نہ اسکے سامنے کھڑے ہو کر سر جھکاتے

Marfat.com

نہ ہاتھ اُٹھاتے تھے) اسی طرح دوسری چیزون مین لازم ہے کہ ان کی تعظیم کرنا اور برکت حاصل کرنا شریعت کے قاعدہ پر ہونا چاہئے۔ اسی لئے حضرات صوفیہ اُن چیزون کا بہت احترام کرتے ہین جنکی حرمت شریعت نے ظاہر کی ہے اور ان کا یہ احترام شریعت کے موافق ہی ہوتا ہے (حدود سے تجاوز کی ساتھ نہین ہوتا) چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ وہ مسجد مین داخل ہوئے تو بھول کر بایان پیر پہلے مسجد مین رکھدیا (حالانکہ سنّت یہ ہے کہ دایان پیر اول رکھا جائے) تو وہ (اپنی اس حرکت پر) اللہ تعالیٰ سے شرماکر بیہوش گر پڑے کیونکہ ان سے مسجد مین داخل ہونے کی سنت (فوت ہوگئی اور اسکی) مخالفت ہوگئی تھی کہ سنت یہ ہے کہ مسجد مین جاتے ہوئے اول دایان پیر رکھا جائے، اور علما کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھولے سے بایان پیر پہلے رکھدے اسکو چاہئے کہ بایان پیر مسجد سے نکالکر دائین کو آگے بڑہائے کیونکہ بھول کی حالت مین وہ معذور ہے تو دیکھو ان بزرگ (کے دل مین مسجد) کا احترام کیسا تھا (کہ بائین پیر کو آگے کرنے سے بیہوش ہوگئے) حالانکہ شریعت کے نزدیک وہ اس فعل مین معذور تھے (کہ بھول سے ایسا ہوگیا تھا قصداً نہ ہوا تھا) تو اور کامون میں (جو فرائض و واجبات کی قسم سے ہین) ان کا کیا حال ہوگا (جب ایک سنّت کے بھول جانے کا ان پر ایسا اثر ہوتا تھا) اللہ تعالیٰ ہمکو ان چیزون کی توفیق عطا فرمائین جو اپنے فضل سے انکو عطا فرمائی ہین اور اس دولت سے ہمکو بھی کامیاب فرمائین آمین قوله الوجه ۲۷۱

الرابع فی الحکایت دلیل علی التبرك بكل ما جعلت له حرمة الیٰ قوله واسعد تابعه پهنه"

ف صوفیہ مین بزرگون کے تبرکات کے احترام کا دستور ہے کسی بزرگ کا خرقہ کسی جگہ محفوظ ہے تو اسکی زیارت کرائی جاتی ہے کسی بزرگ کی تسبیح وسجادہ کی زیارت کرائی جاتی ہے اور اس مین عام طور پر حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے، کہین اسکے لئے عرس ہوتا ہے کہین اس پر نذرانہ لیا جاتا ہے۔ بعضے ان تبرکات کو سجدہ کرتے ہین۔ ایسا تبرک واحترام شریعت کے خلاف ہے۔ یہان یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مشائخ سے جب ان کے معتقدین تبرک مانگتے ہین تو ان مشائخ کا اپنی کسی چیز کو بابرکت سمجھنا اور تبرک کے طور پر مریدون کو دینا حرام ہے انکو تو محض تطییب قلب مسلم کی نیت کرنا چاہئے کہ ایک شخص نے سوال کیا ہے اس کا سوال پورا کر دینے سے اس کا دل خوش ہوگا۔ رد کرنے سے دل شکنی ہوگی،، اور اپنے کو بابرکت سمجھنا اور اپنی کسی چیز کو تبرک کے طور پر دینا تو صریح تکبر وعجب اور نری جہالت ہے فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی،، نبه علی ذلك شیخ شیخنا المولی محمد یعقوب

Marfat.com

قدس اللہ سرہ من ولی محبوب

بست و نہم ۲۹ (حدیث صلوٰۃ الملٰئکۃ علی المصلی ما دام فی مصلاہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے تم میں سے ہر شخص کو دعا دیتے رہتے ہیں جبتک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے جہاں اُسنے نماز پڑہی تھی جبتک وضو کو نہ توڑے یوں کہتے رہتے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت فرما اے اللہ اسپر رحم فرما۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ فرشتے برابر نمازی کو دعا دیتے رہتے ہیں جب تک اس جگہ میں رہے جہاں اُسنے نماز پڑھی تھی اُسکے لئے استغفار کرتے اور رحمت طلب کرتے ہیں اسپر چند وجوہ سے کلام ہے (۱۰۳) کیا یہ حکم ہر نمازی کیلئے عام ہے خواہ اسکی نماز کامل ہو یا ناقص ؟ اگر لغت پر نظر کی جائے تو کہسکتے ہیں کہ ہر مصلی کو عام ہے مگر یہ درست نہیں اور اگر شریعت کے لحاظ سے دیکہا جائے کہ نماز کس لئے مقرر کیگئی اور نماز کیا ہے جسکو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فرمایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جسنے نماز میں رکوع و سجود پوری طرح نہیں کیا تھا یہ ارشاد فرمایا تھا ارجع فصل فانک لم تصل نماز دوبارہ لوٹاؤ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑہی اسکو لغۃً تو آپ نے مصلی قرار دیا شرعاً مصلی نہیں قرار دیا۔ نیز آپکا ارشاد ہے جب نماز مقبول نہیں ہوتی تو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر پڑہنے والیکے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ نیز حضور کا ارشاد ہے من لم تنہہ صلاتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا جسکی نماز نے اسکو بیحیائی اور بُرے کاموں سے نہ روکا وہ اللہ سے دور ہی ہوتا رہے گا تو جس شخص نے شرعاً نماز نہیں پڑہی (گو ظاہراً پڑہی ہو) اور جسکی نماز اسکے منہ پر ماردی گئی اور جسکو اللہ سے بعد ہی بڑہتا گیا اُسکے لئے ملائکہ کیونکر دعا یا استغفار کرسکتے ہیں ؟ یہ تو شرعاً و عقلاً محال ہے۔ شرعاً محال ہونیکی دلیل تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اولٰئک الذین یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون یہ وہ لوگ ہیں جنپر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں تو جس پر اللہ تعالیٰ اور سب لعنت کرنیوالے لعنت کریں اسکے لئے دعا و استغفار کیسا ؟ اور عقلاً محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس کا عمل عذاب و عقاب کو مقتضی ہو اسکے لئے فرشتوں کی طرف سے دعا یا استغفار کیسے ہوسکتا ہے ؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے جہاں

نماز لغوی اور شرعی کا فرق

۵۷۲

Marfat.com

نماز پڑھی ہے،، اس نمازی کے حق مین ہے جس نے شرعی نماز پڑھی ہو جنپر تو اب عطا ہوتا ہے ایسی نماز نہ پڑھی ہو جو اسپر لعنت کرتی ہوئی جائے،، (اللہ تعالیٰ ہمکو اور سب مسلمانون کو اُس وبال سے محفوظ رکھے اور کامل نماز کی توفیق عطا فرمائے آمین) یہان ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ جسکی کچھ نماز قبول ہوگئی ہو اور کچھ قبول نہ ہوئی ہو اسکو بھی یہ خیر (وبرکت) حاصل ہوگی یا نہین؟ (کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی نماز تو پوری قبول ہوجاتی ہے کسی کی آدھی قبول ہوتی ہے کسی کی تہائی کسی کی چوتھائی۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو ایسے لوگ اگر نماز کے بعد کچھ دیر اُسی جگہ بیٹھے رہین جہان نماز پڑھی تھی ان کیلئے فرشتے دعا یا استغفار کرینگے یا نہیں؟) تو واللہ اعلم ظاہر تو یہ ہے کہ ان کیلئے اس خیر کی امید ہے کیونکہ ان کی (فرض) نماز قیامت کے دن نفل نمازون سے پوری کی جائیگی (جو نقصان فرض مین رہ گیا ہوگا نوافل سے اُسکی تلافی کردی جائیگی) یہ اسی دعا کا اثر ہے (جو فرشتون نے اس کیلئے کی تھی) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسپر فضل فرمایا کہ فرض مین جو کوتاہی رہ گئی تھی اسکی جگہ نفل کو قبول فرمالیا، یہ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے (اسکے لیے مغفرت کی دعا کرتے اور) یون کہتے ہین اے اللہ اسکی مغفرت فرما۔ اور مغفرت اسی وقت ہوتی ہے جب کچھ کوتاہی ہوگئی اور اسکے ساتھ فرشتون کا یہ کہنا کہ اے اللہ ۵۷۳
اسپر رحم فرما اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہان کوئی عمل ایسا بھی ہے جو رحمت کو مقتضی ہے،، قولہ الوجہ الاول ھل ھذا علیٰ عمومہ الیٰ قولہ دل ان ھناک عملا یوجب الرحمۃ،،

ف۔ غرض فرشتون کا اللھم اغفر لہ واللھم ارحمہ کہنا اسپر دلالت کرتا ہے کہ جن لوگون کی نماز مین سے کچھ حصہ مقبول کچھ نامقبول ہو وہ اس فضیلت کے مستحق ہین۔ کیونکہ مغفرت ورحمت کے مستحق ایسے ہی لوگ ہین جنہون نے کچھ کوتاہی کی ہو کچھ نیکی کی ہو،،

دلیل فضیلت نماز بر اعمال دیگر

(۱۸۴) **ش** اس مین دیگر اعمال سے نماز کی افضلیت پر بھی دلیل ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نمازی کیلئے استغفار کرتے رہتے ہین اگرچہ نمازی نماز سے فارغ ہوکر کسی اور کام مین بھی لگ جائے جبتک وہ اُسی جگہ مین رہے جہان نماز پڑھی تھی اور یہ بات نماز کے سوا کسی اور عبادت کیلئے وارد نہین ہوئی الوجہ الثانی فیہ دلیل علیٰ فضیلۃ الصلوٰۃ الیٰ قولہ ولم یأت مثل ذلک فی غیرھا من العبادات۔

ف افسوس ہے کہ ایسی افضل عبادت کی ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ اسکو اس طرح بے پروائی سے ادا کرتے ہین کہ یہی معلوم نہین ہوتا کہ وہ قابل قبول ادا ہوئی یا نہین۔ حضرات صوفیہ رضی اللہ عنہم کو

Marfat.com

تکمیل صلوٰۃ کا جس قدر اہتمام ہے مشاہد ہے ہمنے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ کی نماز کو جس نے دیکھا ہے وہ بیساختہ بول اٹھتا تھا کہ خدا کیلئے نماز ایسی ہی ہونی چاہئے یہی شان حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کی تھی رزقنا اللہ وایاکم تمام الصلوٰۃ وتمام الوضوء وتمام رضوانہ آمین

(۱۸۵) اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو صلحاء بنی آدم کو ملائکہ پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ یہ نیک بندے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور فرشتے ان کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس جگہ سے کیا مراد ہے جہاں نمازی نے نماز پڑھی۔ آیا اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں قیام اور سجدہ کیا تھا یا وہ پورا مکان یا گھر جس میں نماز کی جگہ تجویز کیگئی ہے۔ سو جمہور تو اسی طرف ہیں کہ قیام و سجدہ کی جگہ مراد ہے، اور بعض نے جو غالباً قاضی عیاض ہیں یہ فرمایا ہے کہ وہ پورا گھر مراد ہی جسکو نماز کیلئے تجویز کیا گیا ہے اگرچہ اس خاص جگہ میں نہ بیٹھے جہاں نماز ادا کی ہے (بلکہ جبتک اس مسجد یا گھر میں رہے گا جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے اسکے لئے استغفار کرتے رہیں گے) مثلاً کسی نے مسجد میں نماز پڑھی پھر اس جگہ سے جہاں نماز پڑھی تھی ہٹ گیا مگر مسجد کے اندر ہی رہا اس سے (اور اس کے حدود و متعلقات سے) باہر نہیں گیا (مسجد کے حجرہ میں چلا گیا یا مسجد کے اندرونی یا بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا) تو فرشتے اس کیلئے دعا کرتے رہیں گے وھو قول کثیر ہیں مجمع علیہ و قول واحد (ولم ینشرح صدری بھذا الکلام فلم اترجمہ) حدث سے مراد وہ شے ہے جو وضو کو توڑ دے۔ یہاں ایک سوال اور ہے کہ آیا یہ حکم تمام نمازوں کو عام ہے خواہ فرض نمازیں ہوں یا نوافل ظاہر عموم ہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو عموم ہی سے بیان فرمایا ہے قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل لمن یفضل الصالحین من بنی آدم الی قولہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بہ نکرۃ،،

ف ہمنے اپنے اکابر کو اسی قول پر عامل پایا ہے جو قاضی عیاض سے منقول ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نماز فجر وغیرہ کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لے آتے تھے جو مسجد سے ملحق تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا اور حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کا بھی اسی پر عمل ہے یہ حضرات مصلّٰی کو اسی مقام سے مخصوص نہیں کرتے جہاں نماز ادا کی ہے بلکہ مسجد اور متعلقات مسجد کو عام رکھتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم وفی الحدیث عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء

(باقی آیندہ)

Marfat.com

سلسلہ کیلئے رسالہ النور بابت ماہ جمادی الاخری ۱۳۵۸ھ

خوشخبری سنانے میں سنت یہ ہے کہ اول ادنیٰ کو بیان کریں پھر اعلیٰ کو

(۱۸۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بشارت دینے مین سنت یہ ہے کہ اول کمتر بات بیان کی جائے پھر اعلی درجہ پر اسکو ختم کیا جائے کیونکہ دل خوش کرنے مین اس کا زیادہ اثر ہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اولا بشارت کو اجمالا بیان فرمایا (کہ فرشتے اس کیلئے دعا کرتے ہین) پھر بعد مین اسکی تفسیر فرمائی، تو اجمال مین یہ احتمال تھا کہ وہ اعلی درجہ کی دعا دیتے ہون یا ادنی درجہ کی مگر سننے والون کو اس سے بھی خوشی حاصل ہوئی کیونکہ یہ بھی خیر مین (ترقی اور) زیادت ہی ہے (کہ فرشتے دعا کرین خواہ کیسی ہی دعا کرین) اسکے بعد دعا کی تشریح فرمائی کہ مغفرت اور رحمت کی دعا دیتے ہین اور جسکی مغفرت ہو جائے اور جس پر رحمت ہو جائے تو یہ تو بڑا اعلی درجہ کا انعام ہے قولہ الوجہ الخ امس فیہ دلیل علی ان السنۃ فی البشری الی قولہ فمن غفرلہ ورحم فھما علی الجوائز +

ف - مغفرت اور رحمت کا اعلی درجہ کا انعام ہونا ہمارے اکابر کا خاص مذاق ہے - یہ حضرات خاص مقامات عالیہ کے طالب نہین ہوتے صرف مغفرت ورحمت کے طالب ہوتے ہین کہ جسکو بخشدیا گیا جسپر رحمت ہو گئی اسکو سب کچھ مل گیا اگرچہ جنتیون کی جوتیون ہی میں جگہ مل جائے قالہ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ وقد تاید قولہ بقول المصنف فللہ الحمد -

۲۷۵

جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہ ہو اس مین خلل ہے

(۱۸۷) اس مین حضرات صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہو اس مین خلل ہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ملائکہ تم مین سے ہر شخص کو دعا دیتے رہتے ہین جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ مین رہے،، تو چونکہ اس کی نماز یا اس کا کچھ حصہ مقبول ہو چکا تھا تو اسکے بعد دوسری طاعت اسکے پیچھے پائی گئی یعنی نماز کی جگہ مین بیٹھا رہنا جس کی وجہ سے فرشتون نے اسکے لئے استغفار کیا تو ایک خیر کے پیچھے دوسری خیر پائی گئی جیسا بزرگون نے فرمایا ہے،،

یہان یہ سوال ہوگا کہ اس واقعہ کی اطلاع دینے پر شرعی اور علمی فائدہ کون سا مرتب ہوا؟ - جواب یہ ہے کہ اس مین اس جگہ پر (کچھ دیر تک) جمے رہنے کی ترغیب ہے جہان نماز پڑھی گئی ہے تاکہ نمازی کو یہ خیر زائد حاصل ہو (کہ فرشتے اس کیلئے دعا کرتے رہین) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خبر نہ دیتے تو کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوتا جو اس پر عمل (کر کے یہ خیر وبرکت حاصل) کرتا مگر دیکھو تو کہ آج اسکے جاننے کے بعد بھی کتنے ہین جو اس پر عمل کرتے ہین شاذ ونادر ہی کوئی اس پر عمل کرتا ہے

Marfat.com

توجانے کے بعد اس سے اعراض کرنا اُس حقیقت کو بتلا رہا ہے جسکی طرف حضرات صوفیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ نماز کی جگہ سے جلدی ہٹ جانا اسکی دلیل ہے کہ نماز قبول نہین ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مواضع خیر سے محروم ہوگیا اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اہل خیر سے نہین بلکہ اہل شر سے ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ سے روشنی پڑتی ہے کہ اُنہون نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اے رب! کیا مین اس بات کو معلوم کرسکتا ہون کہ آپکے نزدیک میرے واسطے کیا ہے؟ (یعنی مین آپکے نزدیک کیسا ہون؟) فرمایا اے موسیٰ! جب تم دنیا حاصل کرنا چاہو اور مین اسکو تم سے روک دون اور آخرت حاصل کرنا چاہو تو مین اسکو تمہارے لئے آسان کردون پس سمجھ جاؤ کہ تمہارے لئے میرے پاس کچھ حصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کیلئے نیکی کو آسان کردینا علامات خیر مین سے ہے قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ فالتیسیر منہ عز وجل للخیر من علامۃ الخیر۔

ف - حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کہکر جب دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق ہوگئی تو سمجھ لو پہلی دفعہ کا قبول ہوگیا ہے ورنہ دوبارہ توفیق نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک نماز کے بعد جب دوسری نماز کی توفیق ہوگئی یہ اسکی علامت ہے کہ پہلی قبول ہوگئی ہے ورنہ دوسری کی توفیق نہ ہوتی۔ اس مقام ۲۷۶
سے بھی حاجی صاحب کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے وقال الرومی ؎

گفت آن اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

اللہ کی ساتھ حسن ظن اور تقویت رجاء کیلئے یہ مضمون بہت مفید ہے حدیث مین ہے انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء مین اپنے بندے کے گمان کی ساتھ ہون۔ اب وہ جو چاہے میری ساتھ گمان قائم کرے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ساتھ یہ گمان رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ بالخیر کرین گے اور بدون عذاب وحساب کے اسکو بخشدین گے ان شاء اللہ اسکی ساتھ یہی معاملہ ہوگا اور جو یہ گمان رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میری عبادت کو قبول فرمالیا ہے اس سے ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ پس اللہ سے نیک گمان رکھو اور وساوس وخطرات شیطانی ونفسانی کی پروا نکرو کہ وہ تمکو اللہ سے بدگمان کرنا چاہتے ہین اعاذنا اللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

نمبر۳ سیوم (حدیث سجود السہو)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمین شام کی

Marfat.com

دو نمازون مین سے ایک نماز پڑھائی (ظہر کی یا عصر کی) ابن سیرین کہتے ہین کہ حضرت ابوہریرہ نے تو اس نماز کا نام لیا تھا مگر مین بھول گیا، ابوہریرہ نے کہا پس آپ نے ہمکو دو رکعتین پڑھا کر سلام پھیر دیا اسکے بعد ایک لکڑی سے جو مسجد کے عرض مین لگی ہوئی تھی سہارا لگا کر کھڑے ہو گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا آپ غضبناک ہین۔ حضور نے دائین ہاتھ کو بائین پر رکھ لیا اور انگلیون مین انگلیون کو پھنسا لیا اور دائین رخسارہ کو بائین ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا جلدی جانیوالے تو مسجد کے دروازون سے نکل گئے (چورہ گئے) انہون نے (آپس مین) کہا کیا نماز کم کر دیگئی (کہ چار رکعت کی جگہ دو ہی رکعتین رہ گئی ہین) جماعت مین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر ہیبت ﷺ کی وجہ سے حضور سے گفتگو نہ کر سکے۔ جماعت مین ایک شخص اور تھا جسکے ہاتھ لمبے تھے اور ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی؟ حضور نے فرمایا نہ مین بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا ذوالیدین جیسا کہہ رہا ہے ویسا ہی ہوا ہے؟ لوگون نے عرض کیا ہان تو حضور (مصلی پر) آ گئے اور جتنی نماز رہ گئی تھی اسکو پورا کیا پھر اللہ اکبر کہکر سجدہ کیا نماز کے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اُٹھایا اور اللہ اکبر کہا پھر اللہ اکبر کہکر سجدہ کیا پہلے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اُٹھایا اور اللہ اکبر ۲۷۶
کہا، (یہ سجدہ سہو تھا) بعض دفعہ لوگ ان سے (یعنی حضرت ابن سیرین سے) دریافت کرتے کہ پھر (سجدہ سہو کر کے) حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی کہا تو فرماتے مجھے خبر ملی ہے کہ عمران بن حصین فرماتے ہین کہ پھر حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا،،

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز مین عمل قلیل جائز ہے اور کلام قلیل نماز کے پورا کرنے کو مانع نہین جبکہ بھول کر ہو۔ یا قصداً اس شخص سے کلام کیا جائے جو بھول گیا ہے جبکہ اسکی نماز اسکی نماز سے مربوط ہو جیسے امام اور مقتدی (باہم نماز کے اندر گفتگو کرین اور ایک دوسرے کو بھول چوک پر متنبہ کرے تو امام مالک و شافعی کے نزدیک اس صورت مین کلام قلیل سے نماز فاسد نہین ہوتی حنفیہ کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے خواہ عمداً کلام کیا جائے یا سہواً اور یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے تفصیل کیلئے اعلاء السنن جلد پنجم ملاحظہ ہو) اس حدیث پر چند وجوہ سے کلام ہے،،

(۱۸۴) فـ حدیث مین اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کو یہ علم نہو کہ بزرگون کا فلان عمل صواب (اور

ﷺ مقربان را بیش بود حیرانی ۱۲ منہ

درست) ہے یا نہیں اُسے بزرگون کے افعال کو تسلیم کرنا چاہئے (ان کو سلامتی پر محمول کرنا چاہئے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ جلدی جانیوالے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم کر دیگئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر کچھ عتاب نہین فرمایا کیونکہ حضور کی زندگی مین نسخ ممکن تھا اور دوسرون کے متعلق یہ احتمال نہین ہوسکتا تو ان کے افعال کو اسی حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک اجماع کی مخالفت لازم نہ آوے اسکے علاوہ جہان تک تاویل واحتمال کا امکان ہو ان کے افعال کو سلامتی پر محمول کیا جائے گا اگرچہ اس احتمال کا یقین نہو سکے (بلکہ احتمال بعید ہی ہو) قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی التسلیم لاھل الفضل الی قولہ وان کان غیر مقطوع بہ۔

ف۔ یہ حکم ان لوگون کے متعلق ہے جن کا اہل فضل وصاحب کمال ہونا پہلے سے معلوم ہو چکا ہو کہ ان کا کوئی فعل خلاف شرع معلوم ہو تو جب تک تاویل کا امکان ہو تاویل کرنا چاہئے،، اور جن لوگون کا فضل وکمال ہی ثابت نہین ان کے افعال واقوال مین تاویل کی ضرورت نہین ان کا جو عمل یا قول خلاف شرع معلوم ہو فوراً اسکی تردید کی جائیگی ورنہ ہر شخص کو مخالفت شرع کر کے تاویل کا حق ہو جائے گا اور اس مین جسقدر مفسدہ ہے مخفی نہین،، ۲۷۸

(۱۸۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے کو بڑے سے مراجعت اور گفتگو کرنا جائز ہے جبکہ اس سے ایسی بات صادر ہو جو (بظاہر) خلاف معروف ہے مگر یہ مراجعت ادب کیساتھ ہونی چاہئے یہ اس سے معلوم ہوا کہ ذوالیدین نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کی مگر ایسی ادب کی ساتھ (جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے) (چھوٹے کو بڑے سے ادب کے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے)

(۱۹۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگون کی عظمت کرنا چاہئے اگرچہ اُن سے کوئی ایسا فعل بھی (صادر ہوتا ہوا) دیکھے جو اسکے نزدیک خلاف قاعدہ ہے۔ مگر اس دیکھنے والیکو لازم ہے کہ ان کی ساتھ برابر لگا رہے یہانتک کہ اس فعل کی حقیقت معلوم ہو جائے کہ وہ بزرگ اسکو کس وجہ پر محمول کرتے ہین یہ مسئلہ حضرت صدیق اکبر وعمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے مستنبط ہوا کیونکہ جو کچھ ذوالیدین کو معلوم تھا ان حضرات کو بھی معلوم تھا مگر ہیبت نے ان کو گفتگو کرنے سے روک دیا مگر صورت حال کی نزاکت نے ان کو اس پر مجبور کیا کہ حضور سے اس وقت تک علیحدہ نہون جب تک حکم معلوم نہ ہو جاوے،، اور ان سب صورتون کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو برقرار رکھا (بزرگون کی عظمت کرنا چاہئے اگرچہ ان سے خلاف قاعدہ فعل صادر ہو)

Marfat.com

کسی پر انکار نہین فرمایا (نہ ان کو ملامت کی جو حضور کے فعل کو سلامتی پر محمول کر کے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم ہو گئی نہ ذوالیدین پر انکار فرمایا کہ تمنے مراجعت کیون کی، نہ حضرات شیخین سے باز پرس کی کہ تم خاموش کیون رہے) اگر ان احوال مین سے کوئی حالت بھی ناجائز ہوتی تو حضور اسکے بارہ مین کچھ ضرور فرماتے کیونکہ آپ صاحب تشریع ہین اور شارع کو یہ جائز نہین کہ ضرورت کیوقت حکم بیان نہ کرے بعد مین بیان کرے،، الوجہ الخامس یؤخذ منہ اکبار ذی الفضل الی قولہ ولا یجوز لہ تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ،،

(۱۹۱) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بزرگ چھوٹون سے (اپنی بات) دریافت کرے کہ مجھہ سے کچھ کوتاہی تو نہین ہوئی تو ان کو چاہیئے کہ جو کچھ ہوا ہو اسکو بجنسہ بیان کر دے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر وعمر رضی اللہ عنہما سے (اس واقعہ کے متعلق) دریافت فرمایا تو انہون نے جو کچھ ہوا تھا اسکو (بجنسہ) بیان کر دیا قولہ فیہ دلیل علی انہ اذا سأل الفاضل المفضول الی قولہ فلخبراہ بما وقع۔

(۱۹۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمت کی حفاظت کی ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی رہتی ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس موقع مین (نماز کے اندر) نسیان ہو گیا حالانکہ آپ کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ نیند کی حالت مین بھی صرف آپ کی آنکھین سوتی تھین دل نہین سوتا تھا، اور اس واقعہ مین حضور کی حالت مین (رکعات) نماز کی گنتی کو بھول گئے (یہ محض قدرت کی کار فرمائی نہین تو اور کیا ہے؟) مگر اس واقعہ مین حضور کو نسیان ہونا دو عظیم الشان اسباب کی وجہ سے ہوا ایک سبب تو وہی ہے جسکو خود حضور نے صراحۃً ارشاد فرمایا ہے انما انسی او انسی لاسن (رواہ مالک بلاغا) مین جو کبھی بھولتا ہون یا بھلا دیا جاتا ہون تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ امت کیلئے عملاً (نسیان وسہو کے) احکام مقرر کر دون چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تشریع ہین آپ کی اقتدا کی جاتی ہے اور ان تمام اعمال کا جو آپ کی اقتدا مین قیامت تک کئے جائینگے ثواب آپ کو ملتا ہے اسلئے آپ کا یہ نسیان (جو تشریع احکام کا سبب ہوا) یاد سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ آپ کے حق مین موجب کرامت (وعظمت وترقی) ہے (کسی درجہ مین بھی موجب نقص نہین) رہا یہ سوال کہ آپ کے بھولنے مین حکمت کیا ہے؟ اور بھلائے جانے مین کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ کے بھولنے مین تو حکمت

جب بزرگ چھوٹون سے اپنی بابت کچھ دریافت کرین تو صحیح واقعہ بیان کر دینا چاہیئے

حکمت کی حفاظت کی ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی ہے

Marfat.com

یہ ہے کہ آپ کے اندر صفات بشریہ کا ظہور ہو۔ صفات بشریہ کے ظہور سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ (انسانون سے) زیادہ جو کچھ آپکے اندر کمالات ہین وہ آپ کی خصوصیت و رفع منزلت پر دلالت کرتے ہین اور بھلائے جانے مین حکمت یہ ہے کہ (لوگون کو معلوم ہو جائے کہ) قدرت آپ کے ہاتھون آپ کے اقوال وافعال کے ذریعے خواہ اختیاری ہون یا غیر اختیاری بھلائیون کو جاری کرتی رہتی اور احکام مقرر کرتی رہتی ہے تاکہ اس سے یہ بات ظاہر ہو کہ حق تعالیٰ کا آپ پر کس قدر توجہ ہے (کہ آپ کی کوئی حالت حکمت سے خالی نہین ہوتی) اور تاکہ اس بات کی تصدیق ہو جو آپنے فرمائی ہے اور اس مطالبہ اور دعوی کی تائید ہو جو دنیا کے سامنے آپنے پیش کیا ہے (کہ مین اللہ کا رسول ہون مین خود کچھ نہین کہتا خود کچھ نہین کرتا بلکہ وہی کرتا اور کہتا ہون جو اللہ تعالیٰ مجھ سے ظاہر کرانا چاہتے ہین) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مواقع کے سوا کبھی نسیان کا صدور نہین ہوا دو دفعہ افعال مین سہو ہوا کہ (تشریع) حکم کیلئے اتنی ہی ضرورت تھی ایک تو یہی واقعہ ہے جو اس حدیث مین مذکور ہے کہ دو رکعت پڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے تھے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ چار رکعت پڑھکر پانچوین رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے تھے اور اقوال مین صرف ایک دفعہ نسیان ہوا کہ اقوال مین (تشریع) حکم کیلئے اتنی ہی ضرورت تھی وہ یہ ۲۸۰
کہ ایک دفعہ سورۃ الملک (پڑھتے ہوئے اس) کی ایک آیت آپ سے چھوٹ گئی تھی (جو نماز کے اندر ہی آپ کو یاد آگئی اور سلام کے بعد آپنے پوچھا ابی بن کعب جماعت مین شریک تھے یا نہین؟ انہون نے عرض کیا حاضر ہون فرمایا پھر تم نے مجھکو وہ آیت کیون یاد نہ دلائی جسکو مین چھوڑ گیا تھا انہون نے عرض کیا ارادہ تو ہوا تھا پھر یہ خیال ہوا کہ شاید منسوخ ہو گئی ہو فرمایا اگر منسوخ ہوتی تو مین اطلاع کر دیتا (اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ حکم مقرر کرنا تھا کہ اگر امام کوئی آیت بھول جائے تو مقتدی کو اسے لقمہ دیکر بتلا دینا چاہئے) ان مواقع کے سوا آپ کو نسیان کبھی نہین ہوا،،

اور دوسرا سبب یہ بھی محتمل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور (حق) اور (غلبۂ) ادب مین ایسی استغراقی حالت کو پہونچ گئے تھے کہ رکعات نماز کی شمار سے ذہول ہو گیا،، قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی ان القدرۃ تفعل لی قولہ من حالۃ استغراقہ علیہ السلام فی الحضور والادب حتی ذہل عن العدد۔

ف۔ یہان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ تھے کیونکہ عالم الغیب سے

Marfat.com

سہو ونسیان نہین ہوسکتا۔خدا اہل بدعت پر رحم کرے اوران کو ہدایت دے کہ انہون نے محبت رسول کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی کے درجہ پر پہونچادیا جائے ۔
حضور کے سہو ونسیان مین یہ بھی مصلحت حکمت تھی کہ اگر کسی عابد زاہد مجاہد متقی کو ایسا واقعہ پیش آجائے تو وہ دلگیر نہو اور یہ نہ سمجھے کہ میرا مجاہدہ بیکار گیا کہ نماز مین غفلت وسہو ہونے لگا، اگر حضور کو سہو کا واقعہ پیش نہ آتا تو اہل مجاہدہ توایسی صورت کے پیش آنے سے اپنے آپ کو غم مین ہلاک کر دیتے اب ان کو یہ واقعات تسلی کیلئے کافی ہین کہ جب بشریت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ سہو ونسیان سے اپنے کو معصوم سمجھ لین ۵

یعنی طمع مدار وصال دوام را۔اس حکمت کو حضرت شارح نے بھی وجہ تاسع مین بیان فرمایا ہے کہ اس مین اللہ تعالی کے لطف اور مہربانی کی دلیل ہے جو وہ اپنے بندون پر فرماتے ہین کہ احکام سہو کی تعلیم امت کو حضور کے فعل سے دی گئی اگر آپ قول سے تعلیم دیدیتے جب بھی کافی تھا مگر آپ کے بعد صحابہ کو اور امت کے باہرکت لوگون کو سہو ہوتا تو وہ اس سے اپنے دل مین بہت غمگین ہوتے کہ ان سے نماز مین ایسا فعل (کیون) صادر ہوا جو ان کے نبی سے کبھی صادر نہین ہوا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عملی تعلیم سے ان کا حزن وغم زائل کردیا گیا اور یہ عین رحمت ومہربانی ہے ۔ ۲۸۱

(۱۹۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس بات کا خود کو علم نہ ہو اُس پر بینہ (گواہ) طلب کرنے چاہئین اگرچہ خبر دینے والا سچا ہی ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کی بات سنکر حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما سے تصدیق چاہی حالانکہ ذوالیدین کو حضور نے ذوالشہادتین کا لقب عطا فرمایا تھا، (کہ ان کی شہادت بمنزلہ دو شہادتون کے تھی) کیونکہ وہ صوفیہ مین (یعنی اصحاب صفہ مین) سب سے زیادہ سچے تھے اور یون تو سب ہی سچے تھے (پس کامل واکمل کا فرق تھا) مگر جب اُنہون نے ایسی بات کہی جسکا حضور کو علم نہ تھا تو آپنے ان پر بینہ طلب کیا الوجہ العشرون فیہ دلیل علی طلب البینۃ الحق لہ طلب من البینۃ علی قولہ۔

ف ذوالیدین کا لقب ذوالشہادتین ہونا میری نظر سے نہین گذرا۔حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کا لقب ذوالشہادتین مشہور ہے۔ذوالیدین کو بعض روایات مین ذوالشمالین کہا گیا ہے کچھ تعجب نہین کہ ذوالشمالین کو غلطی سے کاتب نے ذوالشہادتین لکھدیا ہو جس سے حضرت شارح کو غلط ہو گیا واللہ تعالی اعلم

خبر کو علم نہ ہو اُس پر گواہ طلب کرنے چاہئین

Marfat.com

جو شخص کام مین لگا ہوا ہو اسکے خلل کی تلافی کردی جاتی ہے

(۱۹۴) حدیث مین ایک اشارہ صوفیہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے کام مین لگا ہوا ہو اسکے خلل کی تلافی کردی جاتی ہے اور اگر اس حالت مین دشمن اس سے مکر و فریب کرے اسکے مقابلہ مین اسکی مدد کی جاتی ہے اور جو شخص اپنی حالت کی نگہداشت چھوڑ دے اس مین اس کا دشمن شریک ہوجائے گا (یعنی شیطان اسکے کامون مین حصہ لے گا) اے شخص تو دین کی درستی بھی چاہتا ہے اور نفس کی راحت بھی۔ ہیہات ہیہات بھلا آفتاب اور ظلمتین کہان جمع ہوسکتی ہین؟ قولہ الوجہ السابع والعشرون ھذا اشارۃ صوفیۃ الی قولہ ھیھات کیف تجتمع الشمس والظلم۔

ف مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے سہو کا منشا مراقبۂ استحضار حق ہو اسکی نماز مین بظاہر سہو وغیرہ سے جو خلل ہو جاتا ہے اس سے نماز ناقص نہین ہوتی بلکہ مراقبہ کی برکت سے خلل کی تلافی ہو جاتی ہے اور شیطان جو اس خلل سے خوش ہوا تھا سجدہ سہو سے اسکی خوشی خاک مین ملا دی جاتی ہے، اور جو سہو مراقبہ کی وجہ سے نہو بلکہ راحت نفس کی وجہ سے ہو کہ نماز توجہ سے نہین پڑھی گئی کیونکہ توجہ سے نماز پڑھنا نفس پر گران ہوتا ہے تو اسکے خلل کی تلافی سجدۂ سہو سے نہین ہوتی گو ظاہر مین نماز صحیح ہو جاوے بلکہ اس خلل کی تلافی نماز کے اعادہ سے ہوگی کہ دوبارہ توجہ کیساتھ نماز پڑھی جائے۔ ۲۸۲

ف۔ دین کی درستی راحت نفس کی ساتھ نہین ہوسکتی بلکہ اسکے لئے مجاہدہ اور مراقبہ یعنی اہتمام اور فکر و نگہداشت کی ضرورت ہے جو نفس پر گران ہے، اور مجاہدہ بھی اپنی رائے سے کافی نہین بلکہ شیخ عارف کی تجویز سے ہونا چاہئے، پھر کبھی تو شیخ کوئی خاص مجاہدہ تجویز نہین کرتا بلکہ محض دار و گیر اور ڈانٹ ڈپٹ سے نفس کی اصلاح کر دیتا ہے بعض دفعہ خلوت اور چلہ کشی وغیرہ تجویز کرتا ہے۔ مگر لوگون کی بیحسی ملاحظہ ہو کہ صلاح دین کی طلب کا بھی دعویٰ ہے اور شیخ کی تنبیہ سے ناگواری بھی ہے۔ ان لوگون کو عارف کا یہ قول یاد کر لینا چاہئے ؎

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

۳۱ سی و یکم (حدیث السنۃ للمصلی والمرور بین یدیہ)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو سامنے رکھکر نماز پڑھے جو لوگون کے اور اسکے درمیان آڑ ہوجائے

(باقی آئندہ)

Marfat.com

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

(مراد سترہ ہے) پھر کوئی اسکے سامنے سے (سترہ کے اندر کو) گذرنا چاہے تو اسکو ہٹا دے اگر وہ انکار کرے (اور سامنے گذرنے سے باز نہ آئے) تو اس سے قتال کرے (یعنی سختی سے دفع کردے) کیونکہ وہ نرا شیطان ہے،،

شرح۔ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو نمازی کے اور سترہ کے درمیان سے گذرے اس سے قتال جائز ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

۲۸۳ نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو کیونکر ہٹایا جاوے

(۱۹۵) اس قتال میں اور اسکی کیفیت مین لوگوں نے بہت اختلاف کیا ہے یہانتک کہ بعض غالی علماء نے تو یہ کہدیا ہے کہ اگر اسکو جان سے بھی مار ڈالے تو اس کا خون معاف ہے مگر صحیح مطلب وہ ہے جو حدیث کے آخر مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ علت سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بات متقدمین مین سے کسی سے ہم نے نہیں سنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نرا شیطان ہے تو اس کی ساتھ قتال بھی ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا شیطان کیساتھ ہوا کرتا ہے۔اور شیطان سے مقاتلہ (ومقابلہ) معمولی افعال سے ہوا کرتا ہے جیسے تعویذ یا جھاڑ پھونک وغیرہ (اسکی ساتھ کشتی کون لڑتا ہے) اور نماز مین ضرورت کیوقت عمل قلیل جائز ہے، اور اگر اس شخص کیساتھ پوری طرح لڑائی کیگئی جو نمازی کو نماز کی حد سے باہر کردے تو اس صورت مین خود یہ نمازی اس سے بھی بڑھکر دوسرا شیطان ہو جاوے گا اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اسکو نرمی سے ایسی طرح ہٹا دے جو نمازی کی نماز کو فاسد نکرے اگر وہ اسپر بھی باز نہ آئے تو جانے دے اور اپنی نماز مین مشغول رہے قولہ فی الوجہ الاول واما المقاتلۃ وکیفیتہا الی قولہ واشتغل بالصلوۃ۔

ف۔ہر چند کہ یہ مسئلہ بظاہر تصوف کا نہین مگر عجیب تحقیق ہے اسلئے اس کا ترجمہ کردیا گیا۔ نیز بعض غالی صوفیون کو نماز کے سامنے سے گذرنے والے پر بڑا غصہ آتا ہے اور بعض دفعہ ایسی حرکت سے اسکو روکتے ہین جس سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے صوفیون کو اس تحقیق سے مطلع کرنے کی ضرورت بھی تھی،، ۱۲ ظ

ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے

(۱۹۶) حدیث مین اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے جبکہ باطن تک رسائی نہو سکتی ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ پھر کوئی اس کے سامنے سے گذرنا چاہے،، اور اسکے ارادہ کا علم اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اسکو سترہ کے قریب آتا ہوا دیکھین تو اس حالت سے ہی

Marfat.com

اسکی نیت پر دلالت ہوگی اور ہم اس وقت بات کرنے سے (شرعاً) مجبور ہیں (اسکی نیت کو دریافت نہیں کرسکتے) اسلئے دلالت حال کے مقتضی پر عمل کرنا پڑا۔ الوجہ الرابع فیہ دلیل علی ان الظاھر یستدل بہ علی الباطن الذی لہ فعلناہ بمقتضی ما دل علیہ حالہ،،

ف۔ ظاہر سے باطن پر استدلال کرنا صوفیہ کا خاص حصہ ہے، علماء مجتہدین بھی اس میں انکے شریک ہیں مگر اجتہاد ظاہر تو آجکل مفقود ہو چکا اجتہاد باطن کا دروازہ بند نہیں ہوا چنانچہ شارح طریق میں بحمد اللہ ابتک یہ شان موجود ہے اور جس صوفی کو اجتہاد فی الباطن کا درجہ حاصل نہو وہ مصلح اور مربی بننے کے قابل نہیں اگرچہ وہ صالح و متقی و صاحب ولایت ہوئے۔

(۱۹۷) کسی شی پر قطعی حکم بغیر دلیل (واضح) کے جو محتمل تاویل نہو نہیں لگایا جاسکتا دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو شیطان کا لقب اسی وقت دیا جبکہ اسکو ہٹایا گیا اور واپس نہوا۔ اگر ہٹانے سے ہٹ گیا تو وہ شیطان نہیں کیونکہ ممکن ہے اس کا دل کسی طرف مشغول ہو جسکی وجہ سے نمازی کو اُسنے دیکھا نہو یا دیکھا ہو اور یہ نہ سمجھا ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے یا اور کوئی عذر ہو۔ اور جب اسکو ہٹایا گیا پھر بھی واپس نہوا تو اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اس وقت تحقیق اور یقین کیساتھ اسپر شیطان ہونیکا حکم لگایا گیا۔ ۲۸۴

یہاں سے ایک اور علمی مسئلہ مستنبط ہوا وہ یہ کہ اگرچہ محتمل کا حکم قطعی کے برابر نہیں مگر محتمل کے حکم کو بھی ضائع نہ کیا جائے گا (بلکہ احتمال کی رعایت بھی ضروری ہے) کیونکہ اگر احتمال کے احکام کو ضائع کردیا گیا تو اس پر بہت سے مفاسد مرتب ہوں گے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً یہ حکم دیا ہے کہ سامنے سے گذرنے والیکو ہٹاؤ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ سہو یا نسیان کی بنا پر آگے سے گذر رہا ہو اب اگر یہ احتمال واقع کے موافق ہوا اور وہ واپس ہوگیا تو مقصود حاصل ہوگیا ورنہ اسکو سختی سے روکا جائے اور یہ حکم لگادیا جائے کہ وہ شیطان ہے الوجہ الخامس فیہ دلیل علی ان لا یقطع بالشئ الذی فی لہ وحکمنا بانہ شیطان۔

ف۔ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی یہ خاص تعلیم ہے کہ سالک کو تمام احتمالات کی رعایت کرکے کام کرنا چاہیئے فرمایا کرتے ہیں میرے نزدیک انسان کی تعریف حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہے جسکو تمام پہلوؤں کی فکر نہو وہ انسان نہیں ۱۲ ظ

کسی شی پر قطعی حکم بغیر دلیل واضح کے نہیں لگایا جاسکتا

احتمال کی رعایت بھی ضروری ہے

Marfat.com

احترام اسی کا کیا جاتا ہے جو خود بھی احترام کرے

(۱۹۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احترام اُسی کا کیا جائے گا جو خود بھی (شریعت کا) احترام کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مصلے کے سامنے سے گذرنے کو حرام اور اسکے ہٹانے اور سختی سے روکنے کا حکم اسی نمازی کیلئے دیا ہے جسنے اپنے سامنے سترہ کرلیا ہو اسکے سوا جسنے نماز کیوقت سترہ کے حکم کو ضائع کیا ہو اس کیلئے یہ احترامات نہین ہین، اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے من خاف اللہ خوف اللہ منه کل شئ ومن لم یخف اللہ خوفه اللہ من کل شئ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز مین اس کا خوف ڈال دیگا اور جو اللہ سے نہ ڈرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اسکو ڈرائے گا، پس احترام کے عوض احترام ہے۔ برابر کا بدلہ ہے۔ الوجه السادس فیه دلیل علی انه لو یحترم الخ من یحترم الی قوله جزاء وفاقا،،

ف۔ یہان سے سالکین کو خصوصا اور سب مسلمانوں کو عموما سبق لینا چاہئیے کہ آجکل جو انکی عزت قلت سے اور ہیبت خفت سے بدل گئی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ سید الحکما صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ اسکا سبب یہ ہے کہ ہمنے خوف خدا اور احترام شریعت مین کمی کی ہے اسی کا یہ بدلہ ہے پس اہل سیاست کی
۲۸۵ تدابیر کا تجربہ تو ہو چکا اب مسلمان اپنے رسول کی ارشاد فرمودہ تدبیر کا بھی تجربہ کرلین۔ دلون مین خوف خدا اور احترام احکام شریعت پیدا کرین اور عمل سے اس کا ثبوت دین اغراض نفسانی کو چھوڑ دین پھر دیکھین کہ ان کے دن کس طرح پھرتے ہین، یہ وہ تدبیر ہے جس کا تجربہ ہزار سال تک ہمارے اسلاف نے کیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے زیادہ باعزت وجلال وصاحب رعب ووقار دنیا مین کوئی قوم نہ تھی مگر افسوس ہے کہ مسلمان اپنے گھر کی دولت سے غافل ہین اور کفار کی تقلید کرکے اسباب عزت اختیار کرتے ہین جو کفار ہی کے مناسب ہین مسلمان کے شایان شان نہین فاعتبروا یا اولی الابصار

ادب و احترام عمل سے بھی افضل ہے

(۱۹۹) اس مین تصوف کی بھی ایک دلیل ہے وہ یہ کہ صوفیہ کے نزدیک (شریعت کا ادب و) احترام عمل سے (بھی) افضل ہے اسکی تائید اس سے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو اپنی نماز کا احترام کرے اور اپنے آگے (نماز کے وقت) سترہ قائم کرے سامنے سے گذرنیوالے پر حکومت دیدی ہے اس کے ہٹانے اور دفع کرنیکا اختیار دیدیا ہے اور جو اس کا حکم نہ مانے اسکو فاسق قرار دیا حتی کہ شیطان بھی فرمادیا ہے (اور اگر یہ شخص سترہ قائم نکرتا تو صرف نماز پڑھنے سے اسکو یہ حکومت اور عزت حاصل نہوتی پس ثابت ہوا کہ نماز کا ادب واحترام نماز سے بھی افضل ہے) الوجه الثامن فیه دلیل صوفی الی قوله

Marfat.com

حتیٰ حملہ شیطاناً

ف - اسکی توضیح فقہاء کے اس قول سے ہوتی ہے کہ مستحبات وسنن کا استخفاف کفر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا احترام ایمان ہے حالانکہ مستحبات وسنن کا بجالانا لازم نہین نہ ان کے ترک سے کوئی گناہ اس سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کا احترام ان کے بجالانے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ یہان سے اُن لوگون کی حماقت ظاہر ہوگئی جو اسلام وکفر کا مدار صرف عمل پر رکھتے ہین۔ اعتقاد واحترام کو بیکار سمجھتے ہین حالانکہ ایمان شرعًا ولغتہً اعتقاد ہی کا نام ہے عمل اس کا ثمرہ ہے خوب سمجھ لو

(۳۰۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص پر اسکے وقتی فعل کے موافق حکم لگایا جائیگا گذشتہ عمل کو نہ دیکھا جائیگا - دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ وہ نرا شیطان ہے (جو باوجود روکنے کے نمازی کے آگے سے گذرے) اس فرق کا لحاظ نہین فرمایا کہ اس سے پہلے وہ متقی تھا یا غیر متقی،

الوجه التاسع فيه دليل على انه يحكم للشخص بمقتضى فعله في الوقت الى قوله ولم يفرق بين ما كان قبل ذلك على تقوى اوغيرها۔

ف - یہان سے ان لوگون کی غلطی واضح ہوگئی جو بعض رہنماؤن کے مضر اسلام افعال پر یہ کہکر پردہ ڈالنا چاہتے ہین کہ انہون نے گذشتہ زندگی مین قوم کیلئے ایسی ایسی قربانیان کی ہین وغیرہ وغیرہ۔ انکو یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال سابقہ سے وقتی افعال پر پردہ نہین پڑ سکتا کسی عابد زاہد کا وقتی گناہ اسکے پہلے اعمال کی وجہ سے جائز نہین ہوسکتا۔

(۳۰۱) اس مین صوفیہ کی (بڑی) دلیل ہے جو حال ہی پر حکم لگاتے ہین اسکے ماسوا (ماضی یا مستقبل) پر حکم نہین لگاتے۔ یہانتک کہ ان کا ارشاد ہے کہ اپنے ہر سانس مین اسی حال پر رہو جس پر تم مرنا چاہتے ہو کیونکہ اندیشہ ہے کہ تمکو اسی سانس مین موت آجائے (پھر کس بھروسہ پر بعض اوقات ایسی حالت مین رہتے ہو جسپر تمکو مرنا پسند نہین) اور جسنے اپنی حُسنِ حال کو ماضی کے حوالہ کردیا وہ گویا کچھ تھا ہی نہین (یعنی جو شخص اپنے حُسن حال پر اسلئے مطمئن ہوگیا ہے کہ زمانہ ماضی مین اسکی حالت اچھی تھی اور حالت موجودہ پر نظر نہین کرتا کہ اب کیا سے کیا ہوگیا ہے وہ کسی درجہ مین بھی قابل اعتبار نہین) ہم سب کے سب (اعتقادًا حق اور صواب کو (جانتے) پہچانتے ہین مگر ہم نے نفسانی خواہشون کو اختیار کر رکھا ہے اسلئے اس مضمون کا حال بنانا ہمکو دشوار ہورہا ہے اللہ تعالیٰ ہمین ان لوگون مین سے کرے جنپر فروع واصول

Marfat.com

کی تحصیل سے وصول آسان کر دیا گیا ہے۔ قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل لاہل الصوفۃ الذی یحلون الحکم للحال لا لغیرہ الیٰ قولہ جعلنا اللہ ممن سھل علیہ الوصول بتحصیل الفروع والاصول

ف یہان سے ان لوگون کو سبق لینا چاہئیے جو بعض دفعہ کفار کے جلسون مین کفار کی صدارت مین مشرکانہ ترانون مین شریک ہوتے ہین ان کو سوچنا چاہئیے کہ کیا اس حالت مین مرنا انکو پسند ہوگا بحث وتکرار سے فیصلہ نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے دل کو ٹٹولنے اور دل کی گہرائیون تک پہونچنے کے بعد ہر مؤمن خود فیصلہ کرد یگا کہ اس حالت مین مرنا اسکو ہرگز پسند نہین۔ پھر اپنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسی حالت مین کیون گذارا جائے جسپر مرنا پسند نہین **ع** شاید ہمین نفس نفس واپسین بود۔

ف۔ سالکین اس قاعدہ کو ہمیشہ پیش نظر رکہین کہ ہر سانس اور ہر لمحہ مین اُسی حالت پر رہین جسپر مرنا پسند ہو کسی وقت بھی اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی حالت نہ ہونی چاہئیے۔ اور اگر خطا ہو جاوے فوراً توبہ کرلین اور اس فقرہ کو آب زر سے لکھ لین کہ ”**جس نے اپنے حسن حال کو ماضی کے حوالہ کر دیا وہ گویا کچھ تھا ہی نہین**“ حقیقت مین تمام منازل سلوک طے کرنے کیلئے یہ روشن ہدایت ہے جو اسپر مستقیم ہوگیا وہ ہی صاحب استقامت ہے جعلنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضیٰ آمین ۲۸۷

سی ودوم (حدیث فتنۃ الاہل والمال وکفارتہا) ۳۲

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کو اپنے گھر والون مین اور مال واولاد اور ہمسایون مین جو فتنہ (پیش آتا) ہے اس کا کفارہ تو نماز روزہ اور صدقہ اور امر ونہی سے ہو جاتا ہے“

شرح۔ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خاص فتنہ جسکا حدیث مین ذکر ہے اس کا کفارہ یہ چار چیزین ہو جاتی ہیں جو مذکور ہوئین یعنی نماز روزہ اور صدقہ اور امر ونہی“ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے“

(۱،۲) **سوال**۔ فتنہ[۱] کیا چیز ہے اسکی حد[۲] کیا ہے؟ اور یہ فتنہ[۳] مردون ہی کیلئے مخصوص ہے عورتون کیلئے نہین ہے یا (دونوں کو عام ہے اور مردون کی تخصیص مین) اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کیگئی ہے اور جس عبادات[۴] کا یہان ذکر کیا گیا ہے ان سے فرض عبادات مراد ہین یا فرض کے علاوہ نفل نماز و

Marfat.com

روزہ وغیرہ) اور کفارہ ان سب کا مجموعہ ہوگا یا ان میں سے ایک بھی کفارہ ہو جائے گا،،
پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ لغت میں فتنہ کے معنے آزمائش کے ہیں اور آزمائش کبھی خیر سے ہوتی ہے کبھی شر سے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔ ہم تمکو بھلائی برائی میں آزمائش کیلئے مبتلا کرینگے (یعنی راحت و تکلیف سے تمکو آزمائینگے) اور گھر والوں (اور اولاد ہمسایوں) سے آزمائش کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی ان سب کا وہ حق ادا کرتا ہے یا نہیں جو ان کیلئے اسپر واجب ہے کیونکہ وہ ان کا ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری سے (آخرت میں) سوال ہوگا، پس اگر کسی نے حق واجب کو ادا نہ کیا ہو اس کا کفارہ ان طاعات کے بجا لانے سے نہوگا (جو حدیث میں بطور کفارہ کے مذکور ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں استقلال کے ساتھ محض اللہ کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے بدون پیٹ پھیرے قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو میری تمام خطاؤں کا کفارہ بنا دینگے؟ حضور نے فرمایا ہاں سوائے دین کے (کہ وہ بدون ادا کئے یا معاف کئے معاف نہ ہوگا) اور یہ (حقوق) بھی (جو کہ اہل وعیال وغیرہ کیلئے شرعاً انسان کے ذمہ واجب ہیں)
۲۸۸ منجملہ دیون کے ہیں (وہ بھی کسی طاعت کے بجا لانے سے معاف نہوں گے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرض او شیٔ فلیتحللہ من الیوم۔ جس شخص پر اسکے کسی بھائی کا کوئی مطالبہ آبرو یا اور کسی چیز کے متعلق ہو وہ آج ہی اس سے معاف کرالے (کہ قیامت میں کوئی اپنا حق معاف نکرے گا) اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ جب حقوق واجب ہو جاتے ہیں تو انکو بجز ادا یا معافی کے اور کوئی چیز ساقط نہیں کرسکتی، اور اگر یہ حقوق جنکو تلف کیا ہے حقوق واجبہ نہ تھے بلکہ مستحبات کی قسم سے تھے تو مستحب کے ترک سے گناہ نہیں ہوتا جسکے لئے کفارہ کی حاجت ہو؟
ہاں ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ دل کو ان سے تعلق ہو جاوے سو تعلق دو قسم پر ہے ایک یہ کہ تعلق مفرط ہو (یعنی حد سے بڑھا ہوا) حتی کہ اسکو حقوق اللہ سے بھی مشغول کردے (روکدے) تو یہ اس باب سے نہیں جس کا کفارہ طاعات سے ہو جائے بلکہ یہ اس وعید کے تحت میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ۔ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ

Marfat.com

دادا اور بیٹے (پوتے) اور بھائی بند اور بیبیاں اور خاندان والے اور وہ اموال جنکو تم نے (محنت سے) کمایا ہے اور وہ تجارت جسکے مندا ہونے کا اندیشہ (لگا رہتا) ہے اور وہ مکانات جو تمکو بھلے لگتے ہین۔ (یہ سب) تمہارے دل مین اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اللہ کے راستہ مین جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہین تو منتظر رہو یہانتک کہ اللہ تعالیٰ (تمہارے متعلق) اپنا (دوسرا) حکم بھیجین (یعنی حکم ثانی کا انتظار کرتے رہو۔ اور شاہی محاورات مین یہ جملہ سخت وعید ہے) اور دوسری قسم تعلق کی یہ ہے کہ اللہ کے حقوق مین سے کسی حق کی ادائگی سے مشغول نہ کرے (نہ روکے) یہ نوع البتہ وہ ہے جس کا کفارہ اعمال طاعت سے ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔ کیونکہ جب اسکے دل مین خواہش (نفس) کا لحاظ اور اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال دونون جمع ہو گئے اور اس نے اللہ کے حق کو مقدم کیا (خواہش نفس کو مؤخر کیا) تو یہ مراعات جسکی اسے توفیق ہو گئی ہے غیر اللہ کیساتھ دل کی مشغولی کا کفارہ ہو جائے گی اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے انتم فی زمان کثیر فقھاءہ قلیل قراءہ تحفظ فیہ حدود القرآن وتضیع حروفہ قلیل من یسأل کثیر من یعطی یطیلون فیہ الصلوۃ ولیقصرون الخطبۃ یبدأون اعمالھم قبل ھواءھم وسیأتی علی الناس زمان قلیل فقھاءہ ۲۸۹
کثیر قراءہ تحفظ فیہ حروف القرآن وتضیع حدودہ، کثیر من یسأل قلیل من یعطی، یطیلون فیہ الخطبۃ ولیقصرون الصلوۃ یبدأون اھواءھم قبل اعمالھم، تم ایسے زمانہ مین ہو جسمین سمجھنے والے زیادہ ہین پڑھنے والے کم ہین، قرآن کے احکام کی حفاظت زیادہ کی جاتی ہے حروف (والفاظ) کی خدمت زیادہ نہین کی جاتی، مانگنے والے کم ہین دینے والے زیادہ ہین نماز لمبی لمبی پڑھتے ہین تقریر مختصر کرتے ہین، اپنی خواہشون سے پہلے اعمال (شرعیہ) بجالاتے ہین اور عنقریب ایک زمانہ آئے گا جسمین (شریعت کے) سمجھنے والے کم ہون گے پڑھنے والے بہت ہون گے الفاظ قرآن کی بہت حفاظت کی جائے گی اور احکام (وحدود) ضائع کئے جائین گے مانگنے والے بہت ہون گے دینے والے کم ہون گے تقریرین لمبی کرین گے نماز کو مختصر کرین گے اعمال (شرعیہ) سے پہلے اپنی خواہشون کو پورا کرین گے (اس حدیث مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہشون سے پہلے اعمال کو بجالاتے ہین یہ نہین فرمایا کہ وہ خواہش سے بالکل پاک ہین، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کیساتھ دل کو تعلق ہونا مطلقاً مذموم نہین بلکہ اس کا اللہ کے تعلق پر غالب ہونا

Marfat.com

مذموم ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے درمیان عدل کیساتھ برابری کیا کرتے تھے اگرچہ یہ آپ کے ذمہ فرض نہ تھا اور یہ آپ کی خاص خصوصیت تھی (کہ آپ کے ذمہ بیبیوں کیساتھ برابری کرنا لازم نہ تھی مگر پھر بھی آپ نے کسی پر کبھی زیادتی نہیں کی اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے اہل وعیال پر درود وسلام نازل فرمائیں،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کیساتھ عدل کا برتاؤ کیا کرتے اور اسکے بعد فرماتے کہ اے اللہ یہ تو میری اپنی طاقت کے موافق کوشش ہے اور جس چیز پر مجھے قدرت نہیں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے۔ اس سے مراد قلب کا کسی کی طرف (زیادہ) مائل ہونا اور کسی کی طرف (زیادہ) مائل نہ ہونا ہے، اور یہ بات حضور نے ہماری تعلیم کیلئے ارشاد فرمائی ہے کیونکہ آپ کو خود ایسا میلان (کسی سے) نہ تھا جیسا ہم لوگوں کو ہوا کرتا ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ جب آپ سے بعض بیبیوں نے اس بات کی شکایت کی کہ آپ حضرت عائشہ کو (دوسری بیبیوں پر) ترجیح دیتے ہیں جس سے ان لوگوں کو جو حضور کی حالت رفیعہ سے ناواقف ہیں۔ یہ گمان ہوا ہوگا کہ اس ترجیح کا سبب حضرت عائشہ کی نوجوانی اور ان کا حسن وجمال تھا۔ تو حضور نے اس (شکایت) کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ (مجھے اس معاملہ میں ملامت نہ کرو کیونکہ) مجھ پر کسی بیوی کے بستر میں وحی نازل نہیں ہوتی بجز عائشہ کے بستر کے (کہ ان کے بستر میں ہونا وحی سے مانع نہیں ہوتا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف بتلا دیا کہ دوسری بیبیوں پر حضرت عائشہ کی ترجیح کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے یہاں خاص درجہ اور خاص مرتبہ سے ممتاز فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کو خاص تعلق ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خاص تعلق کیوں نہ ہوگا) ۲۹۰

رہی یہ بات کہ فتنہ ان چار چیزوں ہی کیساتھ مخصوص ہے یا غالب کو بیان کرکے ادنی پر تنبیہ کیگئی ہے سو احتمال دونوں ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ غالب کو بیان کرکے ادنی پر تنبیہ کیگئی ہے جیسا بہت سی حدیثوں میں ہم نے بتلایا ہے کہ جب کسی علت پر حکم کو مرتب کیا جاتا ہے تو جہاں وہ علت پائی جائے گی حکم بھی پایا جائیگا اور اس قاعدہ پر اہل سنت کا اجماع ہے تو جو تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول کردے وہ انسان کیلئے وبال ہے۔ اور جس چیز سے نفس کو تعلق تو ہو مگر اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول نہ کرے تو حقوق مامور بہا کا بجالانا اس تعلق کا کفارہ ہوجاتا ہے جیسا ان دلائل سے معلوم ہوا جو کتاب وسنت سے ہمنے بیان کی ہیں آیات اور احادیث اس باب میں اور بھی بہت ہیں مگر سمجھ دار کے لئے وہی کافی ہیں جو ہم بتلا چکے۔

(باقی آئندہ)

Marfat.com

رہا یہ سوال کہ یہ فتنہ مردون ہی کیلئے مخصوص ہے، عورتون کیلئے نہین ہے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے هن شقائق الرجال۔ عورتین مردون کی بہنین ہین یعنی لزوم احکام میں (وہ بھی مردون جیسی ہین۔ اسکا مقتضی یہ ہے کہ یہ حکم بھی مردون کیساتھ مخصوص نہو بلکہ سبکو عام ہو) اور یہان مردون کی تخصیص کا منشا وہی ہے جو ہم نے اوپر بتلایا ہے کہ اغلب کو بیان کرکے ادنی پر تنبیہ کیگئی ہے، اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ماترکت بعدی فتنة هی اضر علی الرجال من النساء مین اپنے (زمانہ) کے بعد کسی فتنہ کو مردون کے حق مین عورتون سے زیادہ مضر نہین پاتا، عورتون کے بارہ مین آپنے یہ نہین فرمایا (کہ ان کے حق مین مردون سے زیادہ مضر فتنہ کوئی نہیں، حالانکہ جیسا مرد عورتون کی محبت مین حدود سے تجاوز کرتے ہین۔ بعض دفعہ عورتین بھی مردون کی محبت مین حدود سے نکل جاتی ہین) کیونکہ مرد اس (بلاء) مین زیادہ مبتلا ہین، اور اولاد کے بارہ مین بعض دفعہ عورت مرد سے بڑھ جاتی ہے (یعنی اسکو اولاد سے زیادہ تعلق ہوتا ہی) مگر چونکہ باپ کی طرح اسکی حکومت اولاد پر نہین۔ اسلئے آپنے اعلی کو بیان فرمادیا (حاکم کا محکوم کی محبت مین حدود سے تجاوز کرنا زیادہ بڑا ہے)

رہا مال (و متاع) وغیرہ (کا تعلق سو) اس مین مرد و عورت سب برابر ہین مگر پھر بھی غلبہ مردون ہی کو ہے کیونکہ ۲۹۱
وہ صاحب حکومت ہین ان پر کسی کی حکومت نہین اور عورتین اکثر محکوم ہوتی ہین (اگر انکو مال و متاع سے تعلق بھی ہو تو مرد اپنی حکومت سے اُس تعلق کو اعتدال پر لاسکتا ہے لیکن مرد کو مال و متاع سے محبت ہو تو عورت اسکو اعتدال پر نہیں لاسکتی) تو واللہ اعلم اسی وجہ سے حضور نے یہان مردون کا ذکر فرمایا ہی عورتون کا ذکر نہین فرمایا۔ رہا یہ سوال کہ یہ چارون عبادات ہی کفارہ ہو جائینگی یا جملہ اعمال کا مجموعہ کفارہ ہوگا اس کا بھی وہی جواب ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ یہان بھی اعلی کو بیان فرماکر بقیہ پر تنبیہ کیگئی ہے (مقصود نہ ایک ہی نہ چار فقط بلکہ تمام اعمال صالحہ مراد ہین) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہان اعمال بدنیہ مین سے اعلی کو بیان فرمایا ہے یعنی نماز و روزہ کو اور نماز کے بارہ مین اللہ تعالی کا ارشاد ہے وانها لکبیرة الا علی الخشعین۔ نماز بہت گران ہے مگر اہل خشوع پر گران نہین اس سے نماز کا تمام اعمال بدنیہ مین اعلی ہونا ظاہر ہے) نیز حقوق اموال (یعنی طاعات مالیہ) مین سے بھی اعلی کو بیان فرمایا ہے یعنی صدقہ کو اور اقوال مین سے بھی اعلی کو بیان فرمایا ہی یعنی امر و نہی کو تو جو شخص یہ (چار) اعمال بجالائے گا اس سے بقیہ اعمال فوت نہین ہوسکتے وہ اسپر قادر ہی نہوگا (کیونکہ اعمال صالحہ مین ایسا ارتباط ہے کہ ایک کا سلسلہ دوسرے سے

Marfat.com

ملا ہوا ہے - ایک عمل دوسرے کو وہ تیسرے کو مسلسل اپنے ساتھ لے آتا ہی) اسلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہی اذا رأیت الحسنۃ فاعلم ان لہا اخیات جب تم (کسی میں) کوئی اچھی بات دیکھو تو سمجھ لو کہ اسکی بہنیں اور بھی ہیں اور یہی حال سیئہ کا ہے (کہ ایک گناہ کا سلسلہ دوسرے گناہ سے ملا ہوا ہے جسکو ایک گناہ کا مرتکب دیکھو سمجھ لو کہ اسکے ساتھ اور گناہ بھی ہیں)

رہا یہ سوال کہ ان اعمال میں سے ہر ایک (الگ الگ) کفارہ ہے یا ان کا مجموعہ کفارہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ سب کا مجموعہ کفارہ ہوگا جبکہ بقیہ واجبات (و فرائض) بھی بجالائے اوران پر پابندی کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی من لم تنہہ صلوتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا جسکی نماز نے اُسے بیحیائی اور گناہ سے نہ روکا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جائیگا - اور جس نے واجبات میں سے ایک کو بھی ترک کردیا اُسنے بیحیائی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور جس نے ان دونوں کا ارتکاب کیا وہ اللہ سے دور ہوگیا اور جو اللہ سے دور ہوگیا اس کا کوئی عمل اس فتنہ کا کفارہ کیونکر ہوگا جسمیں گفتگو ہورہی ہے جبکہ وہ اس فتنہ سے بھی سنگین تر فتنہ میں مبتلا ہے"

اور یہان سے تمکو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت (و بلاغت) کا اندازہ ہوا ہو گا کہ حضور نے اتنے فوائد ایک خوبصورت جملہ میں کس خوبی سے جمع فرمادئے ہین الوجہ الاول ما ھذہ الفتنۃ و ما حدھا الی قولہ فی الوجہ الثانی کیف جمع ھذہ الفوائد بھذہ العبارۃ الرائقۃ ۲۹۲

ف - یہان سے ان چار اعمال کی اہمیت واضح ہوگئی کہ انکو بجالا نیوالا بقیہ اعمال کو ضرور بجالائے گا - مگر افسوس ہے کہ ان اعمال میں بہت کوتاہی کی جارہی ہے، عوام تو نماز روزہ میں بھی کوتاہی کرتے ہین مگر خواص صدقہ - اور امر و نہی میں بہت کوتاہی کرتے ہین، یہ مسلم کہ اکثر خواص پر زکوۃ فرض نہیں مگر تہجد اور اشراق و اوابین و صوم عاشورا، وصوم عرفہ وغیرہ ہی اُنپر کب فرض ہے ؟ پس جیسا نماز روزہ میں وہ فرض پر اکتفاد نہیں کرتے بلکہ نوافل و مستحبات کا بھی اہتمام کرتے ہین اسی طرح طاعات مالیہ میں بھی صدقہ نافلہ و مستحبہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نیز **تبلیغ احکام** کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے صرف درس و تدریس پر قناعت کرلی ہے عامۂ مسلمین کو امر و نہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا جنکے یہ حضرات وارث ہین اصل وظیفہ امر و نہی

Marfat.com

اور تبلیغ ہی تھا۔ اصطلاحی درس وتدریس ان کا وظیفہ نتھا۔ درس وتدریس در اصل اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تاکہ مبلغ علم صحیح کیسا تھ تبلیغ کر سکے، پھر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے اتنی بے پروائی؟ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ منصب تبلیغ کو جاہلون نے اپنے ہاتھ مین لیلیا ہے اور وہ مسلمانون کو گمراہ کرتے پھرتے ہین۔ اگر علماء اس منصب سے تغافل نکرتے تو جاہلون کو یہ جرأت نہوتی اور عوام بھی حق وباطل مین تمیز کر سکتے، مگر جب عوام کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آتا ہے دوسرا پہلو نہیں آتا تو وہ بھی جاہلون کی پیروی کرنے لگتے ہین، ضرورت ہی کہ ہر اسلامی مدرسہ مین جہان درس وتدریس کیلئے دس پندرہ مدرس مقرر کئے جاتے ہین وہان تبلیغ احکام کیلئے بھی کم از کم تین چار مبلغ رکھے جائین مگر اُن سے چندہ کی تحصیل کا کام نہ لیا جائے کیونکہ محصل چندہ مبلغ احکام نہین ہوسکتا وہ اگر تبلیغ احکام کرتا بھی ہے تو اس کا سامعین پر اثر نہین ہوتا۔

اور عامۂ مسلمین کو جان لینا چاہئے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہی جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اسکو دوسرون تک پہونچانا اسکے ذمہ فرض ہے مثلاً سکو معلوم ہی کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہین پڑھتا اسکو یہ حکم پہونچانا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہی۔ اسی طرح جن کامون کا گناہ ہونا معلوم ہے ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان مین مبتلا ہے،، البتہ عام لوگون کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نکرنا چاہئے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے۔ جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہی کہجاتا ہی جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے اسلئے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے، بلکہ گفت وشنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض بھی ہے اور اسکو اصلاح حال مین بھی بڑا دخل ہے، جن لوگون کو تبلیغ کی ضرورت اور اسکے نظام عمل سے واقف ہونیکا شوق ہو وہ حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کا رسالہ **دعوۃ الداعی** اور **حیات المسلمین** مطالعہ کرین۔

(۱۰۳) اس مین صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو اعمال قلب کو اعمال بدنیہ پر ترجیح دیتے ہین کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور مذکورہ (مال واولاد وغیرہ) سے دل کی مشغولی کو کفارہ کا محتاج قرار دیا ہی اور کفارہ اسی چیز کا ہوتا ہی جو ناپسند ہو (پس معلوم ہوا کہ دل کا غیر حق سے مشغول ہونا ناپسندیدہ ہے)

الوجہ الثالث فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ ولا یکفر الا ما لا یرضی

ف۔ اعمال قلب کو اعمال بدن پر ترجیح دینے کا یہ مطلب نہیں ہی کہ وہ اعمال بدن کا اہتمام نہیں کرتے محض اعمال قلب پر اکتفاء کرتے ہین،، کیونکہ یہ تو مجاہدہ کے خلاف ہے اور مجاہدہ طریق صوفیہ کی اصل بنیاد ہے

اعمال قلب کا اہتمام زیادہ ہونا چاہئے

Marfat.com

اور مجاہدہ بدون اعمال بدنیہ کے نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب یہ ہی کہ انکو اعمال بدنیہ کیساتھ اعمال قلبیہ کا دوسرون
سے زیادہ اہتمام ہوتا ہی. کیونکہ اعمال بدنیہ بھی اسی وقت قابل ہوتے ہین جب قلب درست ہو اور قلب کی درستی
یہ ہے کہ اخلاص سے معمور ہو۔

(۱۰۴)۔ اس میں صوفیہ کے ترک شہوات اور مجاہدۂ نفس کی بھی دلیل ہے کیونکہ ان فتنوں مین اور ان سی
بھی بڑے فتنون میں مبتلا ہونیکا سبب غلبۂ شہوات ہی تو ہے (اور غلبۂ شہوات کا علاج بجز مجاہدہ اور
ترک شہوات کے کچھ نہین) الوجہ الرابع فیہ دلیل لھم علی ترك الشھوات الی قولہ انما ھی
غلبۃ الشھوات ،،

(۱۰۵) حدیث شریف کے مضمون مین ایک لطیف اشارہ اس پر بھی ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
فتنون سے (ہمکو) ڈرارہے ہین (کہ ان سے الگ رہنا ہی بہتر ہے) کیونکہ انسے بھاگنے ہی مین سلامتی ہے
اور سلامتی کی برابر کوئی چیز نہین، پس جو شخص ان فتنون کے تحمل پر قادر ہو اور جو کچھ ان کے حقوق اسکے ذمہ (شرعًا)
ہین انکو پوری طرح ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ساتھ اپنے خاص درجہ (اور تعلق) کو بھی محفوظ رکھے وہ تو
اہل حقیقت واہل شریعت کے نزدیک یکتائے زمانہ ہے، ورنہ (ضعیف ہی اور) اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف ۲۹۴
وہ ہے جو میل جول (اور تعلقات) سے بھاگنے والا ہو (یعنی خلوت کو جلوت پر ترجیح دینے والا ہو) اور اہل علم کے
نزدیک ضعیف وہ ہے جو تعلقات (اور) میل جول سے نکلنے پر قادر نہو، یعنی جب تک وہ پہلے مقام پر نہ پہونچے جس
(کے کمال) پر سبکا اتفاق ہے (کیونکہ اس مقام پر پہونچنے کے بعد تعلقات سے نکلنے کی ضرورت نہیں رہتی اس مقام
پر پہونچنے کے بعد یہ تمام تعلقات موجب ترقی بنجاتے ہین موجب تنزل نہین ہوتے)
جب تمکو ہدایت اور اسکے طرق معلوم ہو گئے پھر بھی حظ نفس کی طرف جھکتے رہو تو سلوک کے وقت راستہ تمپر
دشوار ہو جائے گا الوجہ الخامس یؤخذ من مفھوم الحدیث اشارۃ لطیفۃ الی قولہ توعرت
علیك عند السلوك الطریق ۔

ف۔ تعلقات دنیویہ کی جڑ نکاح ہی جس شخص نے نکاح نہین کیا وہ گویا دنیا میں داخل ہی نہین ہوا
اسی لئے علماء مین اختلاف ہوا ہے کہ نکاح کرنا اور عبادات ضروریہ پر اکتفا کرنا افضل ہی یا نکاح نکرنا
اور عبادات ضروریہ کی ساتھ نوافل کی کثرت کرنا افضل ہے، حنفیہ کا رجحان مسلک اول کی طرف ہی اور

ھ یعنی قلب کو ان تعلقات سے فارغ اور یکسو کرنا چاہتا ہے مگر دل یکسو نہیں ہوتا جمعیت قلب میسر نہین ہوتی ۱۲ ظ

Marfat.com

شافعیہ کے نزدیک مسلک دوم افضل ہے۔ مگر یہ اختلاف اُسی صورت میں ہے جبکہ نکاح کے بعد حقوق نکاح ادا کرنے کی قدرت ہو۔ بیوی کا نان ونفقہ ومہر وغیرہ ادا کرسکے اسکی دلجوئی دلداری کرسکے اور اولاد ہو جائے تو اُنکی پرورش اور تعلیم وتربیت کا انتظام کرسکے وغیرہ وغیرہ۔

توجو شخص ادائے حقوق پر قادر ہو اُسکے لئے نکاح کرنا کثرت نوافل سے افضل ہے کیونکہ نکاح حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام بجز ایک دو کے صاحب ازواج تھے، اور جو شخص ان حقوق کی ادائگی پر قادر نہ ہو بوجہ افلاس کے یا بوجہ آزادئ طبیعت کے اسکے لئے کثرت نوافل نکاح سے افضل ہے اور اس صورت میں اسکو غلبۂ شہوت کے مفاسد سے بچنے کیلئے سخت مجاہدات کی ضرورت ہوگی۔ جیسے کثرت صیام۔ وقلت اختلاط مع الانام۔ وغیرہ وغیرہ۔

ف - جو شخص باوجود ادا حقوق سے عاجز ہونیکے تعلقات دنیویہ مین مشغول ہوتا ہے وہ اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف نہین بلکہ ہلاک ہونیوالا ہے اُن کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو اس حالت مین تعلقات سے الگ ہی رہے نکاح ہی نکرے، آبادی میں بھی نہ رہے جو ہمسایہ وغیرہ کے حقوق ادا کرنے پڑین۔

ف - یہان سے ان جاہل صوفیون کی غلطی واضح ہوگئی جو نکاح کرکے بیوی اور اولاد کے حقوق ادا نہیں ۲۹۵
کرتے - اور فخر کرتے ہین کہ ہمنے دس سال یا بیس سال سے بیوی کا منہ نہین دیکھا وہ یاد رکھین کہ اہل حقیقت کے نزدیک ایسے لوگ ہلاک وبرباد ہونیوالے ہین اگر انکو بیوی کا منہ دیکھنے سے بچنا تھا تو نکاح کرنے کو کس نے کہا تھا - اور اگر نکاح کیا ہے تو اُسکے حقوق ادا کرنا تمام مجاہدات وریاضات سے مقدم ہے" مجاہدات وریاضات فرض نہیں اور ادائے حقوق فرض ہے غیر فرض کیلئے فرض کو ترک کرنا پوری ہلاکت ہے خوب سمجھ لو۔

سی وسوم ۳۳ (حدیث تعاقب الملائکۃ الکرام الکاتبین)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے درمیان کچھ فرشتے رات کو اور کچھ فرشتے دن کو باری باری آتے ہین اور وہ سب نماز فجر اور نماز عصر مین جمع ہو جاتے ہین پھر وہ فرشتے جو رات کو آئے تھے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں تو اُن سے اُنکا پروردگار سوال فرماتا ہے، اور وہ اُن سے زیادہ جاننے والا ہے" کہ تمنے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟!۔

Marfat.com

تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمنے انکو نماز پڑھتا ہوا چھوڑا اور جب اُن کے پاس گئے تھے اسوقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ ہمارے درمیان کچھ فرشتے رات کو کچھ دن کو باری باری آتے ہین اور نماز صبح اور نماز عصر میں سب اکھٹے ہو جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہمارے پروردگار اپنے بندوں کے متعلق اُنسے سوالات کرتے ہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۰۶) یہاں چند سوالات ہیں (۱) اللہ تعالیٰ شانہ صرف آخری عمل کو کیون دریافت فرماتے ہین۔ دوسرے اعمال کو کیون نہین پوچھتے (کیونکہ حدیث کا لفظ یہ ہے کہ تمنے میرے بندوں کو کس حال مین چھوڑا؟ تو سوال اُسی عمل سے ہوتا ہے جسپر بندون کو چھوڑ کر فرشتے آسمان پر گئے تھے اور وہ آخری عمل ہے جو اُن کے سامنے ہوا) (۲) فرشتے سوال سے زیادہ جواب کیوں دیتے ہین (کیونکہ وہ سوال کا جواب دیکر اتنا اور بڑہاتے ہیں واتینا ھم وھم یصلون جب ہم اُنکے پاس گئے تھے اُس وقت بھی وہ نماز پڑہ رہے تھے) (۳) یہ بندے کون ہین جنکی بابت سوال ہوتا ہے (۴) سوال کیلئے یہی اوقات کیوں مقرر ہوئے دوسرے اوقات کیون نہ ہوئے۔ (۵) ہم لوگوں کو اس سوال و جواب کی اطلاع سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس پر علمی احکام کیا مرتب ہوئے؟ ۲۵۶

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان الاعمال بالخواتیم کہ اعمال کا اعتبار اُن کے خاتمہ پر ہے تو یہاں بھی وہی حکم ہے جو وہاں ہے (جیسا زندگی بھر کے اعمال مین خاتمہ کے اعمال کا اعتبار ہے۔ اسی طرح دن بھر اور رات بھر کے اعمال میں اخیر عمل کا اعتبار ہے جسکی رات اور دن اچھے عمل پر ختم ہوا اسکی ساری رات اور سارا دن اچھا ہی شمار ہوگا)

رہا ملائکہ کا سوال سے زیادہ جواب دینا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ انکو یہ بات معلوم ہے کہ اس سوال کا منشا رحمت و فضل ہے تو وہ جواب میں ایک بات اور بڑہا دیتے ہین جو رحمت و فضل کا (مزید) سبب ہے کہ ہمنے (یہاں سے جاکر بھی) انکو نماز ہی پڑہتا ہوا پایا تھا اور اس سے دو علمی مسئلے مستنبط ہوئے ایک یہ کہ نماز تمام عبادات میں اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ سوال و جواب اسی پر واقع ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ بندے کے نیک عمل سے خوش ہوتے ہین اور اُسکے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بہترین جزا کے طالب ہوتے ہین۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اپنی طرف سے ایسی بات نہ بڑہاتے جس کا اُن سے

Marfat.com

سوال نہین کیا گیا تھا، رہا یہ کہ یہ بندے کون ہین جنکی طرف اس عظیم الشان خصوصیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنی طرف منسوب فرماتے ہین (اور انکو یاد فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا انکو یاد فرمانا (بڑی) رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مین بتلایا ہے کہ اُن کا اپنے بندہ کو یاد کرنا رحمت (ہی رحمت) ہے چنانچہ سورۂ مریم مین فرمایا ہے ذکر رحمۃ ربک عبدہ پس یہ بندے وہی ہیں جنکی صفت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مین فرمایا ہے ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (کہ اے ابلیس) میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہ چلے گا،،

رہا یہ کہ اس سوال وجواب کیلئے انہی اوقات کو کیوں مخصوص کیا گیا (یعنی بعد فجر وبعد عصر کو) تو اسکی وجہ تشریف ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کو شرف دیا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسکو چاہتے ہین شرف عطا فرما دیتے ہیں خواہ وہ جاندار ہو یا بیجان ہو یا کچھ بھی ہو۔ اور اس پر دو علمی مسئلے مرتب ہوئے ایک یہ کہ یہ دو وقت تمام اوقات میں اشرف (و اکمل) ہیں اور اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہین منجملہ اُنکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو آپنے حق تعالی کی طرف سے بیان فرمایا ہے اذکرنی ساعۃ بعد الفجر وساعۃ بعد العصر اکفک ما بینھما۔ (میرے بندے) تو مجھے کچھ دیر فجر (کی نماز) کے بعد اور کچھ دیر عصر (کی نماز) کے بعد یاد کرلیا کر پھر اُن دونوں کے درمیانی حصے کے لئے میں تجھے کافی ہوں گا (یعنی تو میری پناہ میں ہوگا میں تیرے سارے کام بنادون گا)

منجملہ اُن کے یہ ہے کہ رزق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت طاعت مین مشغول ہوگا اُسکے رزق میں ترقی ہوگی۔ اسی لئے تم عابدون کے رزق مین برکت دیکھتے ہو اور برکت تمام ترقیون سے بڑھکر ہے،،

اور حدیث میں اس شخص پر سخت وعید آئی جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کہائے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقت خاص عظمت رکہتا ہے) منجملہ اُن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے استعینوا بالغدوۃ والروحۃ۔ مدد لو صبح کیوقت اور شام کے وقت (کام کرنے) سے اگر ان میں فضیلت نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پتہ نہ بتلاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو نماز ان اوقات میں ادا کی جاتی ہے وہ تمام نمازون سے افضل ہوتی ہے کیونکہ جس عمل کو (اہتمام کیساتھ) دریافت کیا جاتا ہے

بعد فجر اور بعد عصر کی فضیلت

۲۹۷

رزق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے

Marfat.com

وہ دوسرے اعمال سے ارفع ہوتا ہے اور سب نمازوں میں سے ان ہی (دو) نمازوں کی بابت سوال ہوتا ہے تو اس تاویل پر یہی صلاۃ وسطی ہے جسپر محافظت کا ہمکو حکم دیا گیا ہے تو اس صورت مین صلاۃ وسطی دو ہونگی) ایک صلاۃ وسطی رات کیوقت میں ہے دوسری صلوۃ وسطی دن کے وقت مین ہے کیونکہ صلاۃ وسطی کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہوا ہے اس میں اُنکے گیارہ اقوال ہین اور کوئی قول ایسا نہین جس مین دوسرون نے طعن اور اعتراض نکیا ہو اور مجھے امید ہے کہ جو تقریر ہمنے بیان کی ہے اسپر سب سے کم اعتراض وارد ہوگا۔

علاوہ ازین یہ کہ اس حدیث کی جب یہ تقریر کیگئی تو بعض طلبہ نے تو اس سے موافقت کی بلکہ اکثر نے اسکو تسلیم کیا اور پسند کیا بجز ایک شخص کے جس نے ہماری اس بات پر بیڈھنگے پن سے اعتراض کیا کہ (اس حدیث سے) صلاۃ وسطی (پر دلالت) ہے۔ ایک طالب علم پر جسکو مقرر سے تعلق تھا یہ اعتراض گران ہوا۔ تو رات کو اس نے (سیدنا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مقرر حضور کے سامنے ہے اور عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ مجھے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا ہے (کہ اس مین صلاۃ وسطی پر دلالت ہے) اور اپنی تقریر بیان کی اور (یہ بھی کہا کہ) اسپر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے ۲۹۸
صلاۃ وسطی پر دلالت نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تمنے جو کچھ کہا خوب کہا اور جو تمنے سمجھا درست ہے صبح ہوئی تو خواب دیکھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مقرر کو اطلاع دی اُس نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو درست فرما دیا ہے تو اب مجھے کسی کے رد کی پروا نہین ہے۔

رہا یہ کہ اس (اطلاع) مین فائدہ کیا ہے اور اسپر علمی مسائل کیا مرتب ہوئے؟ تو اس میں بہت فائدہ ہیں اور علمی مسائل بھی بہت ہین،،

منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں ہمکو بتلایا گیا ہی کہ ہمارے اعمال ضبط کئے جاتے ہین اور انکی کیفیت بھی بتلا دی گئی۔ اسپر علمی مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ ہمکو بیداری اور ہوشیاری سے کام کرنا اور امر و نواہی کی حفاظت کرنا چاہئے۔ یہ تو عوام کا حصہ ہے اور خواص کا حصہ یہ ہے کہ اُنکو ان اوقات سے فرحت و سرور ہونا چاہئے کیونکہ شاہی فرستادے انکے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ (اُن سے) ان کا حال دریافت فرماتے ہین اور یہ اُنکے نزدیک تمام مسرتون سے بڑھکر مسرت ہے۔ اسی لئے بعض اہل اللہ

Marfat.com

کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب رات کا پچھلا حصہ آتا اور وہ نماز (تہجد) سے فارغ ہو جاتے تو عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنکر اچھے سے اچھے بستر پر بیٹھتے اور فرماتے میرے پروردگار کے معزز فرستادوں کو مرحبا بسم اللہ (تشریف لائیے اور) لکھئے اسکے بعد برابر ذکر تلاوت میں لگے رہتے یہانتک کہ نماز کا وقت آجاتا تو نماز پڑھتے، پھر دن کی آخری نماز (یعنی عصر) کیلئے بھی ایسا ہی اہتمام کرتے اور رات میں بھی اسی طرح (ذکر تلاوت) کرتے ہمیشہ اُن کا یہی معمول تھا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہمکو ملائکہ کی اس محبت کا علم ہوگیا جو اُنکو ہماری ساتھ ہے جس کا علمی نفع یہ ہے کہ ہمکو بھی اُن فرشتوں سے اُنس اور محبت ہوگی اور یہ (محبت) اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہے (کیونکہ حدیث مین ہے المرء مع من احب انسان اُسی کی ساتھ ہوگا جس سے اسکو محبت ہو۔ پس صلحاء کی محبت انسان کو صلحاء کیساتھ کردے گی اور وہ بارگاہ قرب میں واصل ہین تو یہ بھی مقرب ہو جائے گا)

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس مین غیب کی خبر دیگئی ہے اور یہ سب سے بڑا فائدہ ہے جسپر علمی نفع یہ مرتب ہوگا کہ اس سے ایمان کو ترقی ہوگی جس سے بہت بڑی نعمت اور وہ اعلیٰ درجہ کی مدح حاصل ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والون کی تعریف مین فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے الذین یؤمنون بالغیب (قرآن ہدایت ہے ان لوگون کیلئے جو غیب پر یقین رکھتے ہین) نیز اسپر یہ فائدہ بھی مرتب ہوا کہ ان دو نمازون کی حرمت (وعظمت) کی ہمکو اطلاع ہوگئی جس سے علمی نفع یہ ہوا کہ ان دونون نمازون کی پابندی اور حفاظت کا اہتمام کیا جائیگا۔

نیز اس سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت وعظمت بھی (ہمارے قلوب میں) زیادہ ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور غیب کی جسقدر اطلاع اور علم ہوا اور جتنا آپ انکو بیان فرمائیں اسی قدر آپ کی رفعت وعظمت (قلوب میں) زیادہ ہوتی ہے اور ہم جسقدر حضور کی تعظیم زیادہ کرین گے اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قرب مین ترقی کرین گے"۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اس امت (محمدیہ) کی رفعت دوسری امتون پر معلوم ہوئی کیونکہ اس واقعہ کی اطلاع اسی واسطے تو دی گئی ہے کہ یہ بات معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی اس اُمت پر کس قدر عنایت ہے اس کا علمی نفع یہ ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر کرین جو خاص طور پر ہمین عطا کیگئی ہے، اور شکر ترقی (نعمت) کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم (نعمت کا) شکر کروگے تو مین تمکو زیادہ عطا کرون گا)۔

۲۹۹

Marfat.com

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر کیسی توجہ ہے جسکا علمی نفع یہ ہے کہ اس بات کے علم سے ہماری قوت یقین زیادہ ہو گی (اللہ تعالیٰ سے محبت میں ترقی ہوگی) اور یہ بڑا اعلیٰ درجہ ہے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث کو سنکر تمہیں اپنے ایمان کا اندازہ ہوگا اپنے ایمان کی قوت وضعف کی معرفت حاصل ہوگی کیونکہ اگر اس حدیث سے عمل کی رغبت زیادہ ہوئی تو یہ قوت ایمان کی علامت ہوگی۔ جو اس بات کی بشارت ہے کہ تمہارے اندر نسبت قوم موجود ہے (یعنی تمکو اللہ والوں کی نسبت سے حصہ ملا ہے) اور اگر تم یہ دیکھو کہ اس حدیث کے سننے سے تمہارے اندر کچھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ تمنے اسی طرح اسکو سنا ہے جیسا لوگوں کی باتوں کو سنا کرتے ہو تو معلوم ہوگا کہ تم اُن مسکینوں (اور محروموں) میں سے ہو جنکی حالت اندیشہ ناک ہے اس حالت میں معالجہ کرکے اپنے نفس کی اصلاح کا تمکو اہتمام ہوگا اور یہ علم کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ قولہ الوجہ الاول ان یقال لم سأل مولانا جل جلالہ عن آخر الاعمال لا غیر الی قولہ فی الوجہ الخامس وھذا وجہ کبیر من الفقہ"

ف سالکین کو نماز فجر اور نماز عصر کے بعد خاص طور سے ذکر اللہ میں کچھ دیر مشغول رہنا چاہیئے سلف صالحین نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک بات کرنا پسند نکرتے تھے بلکہ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے ہمنے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مراقب رہتے تھے حضرت حکیم الامت دام ظلہم ومجدہم بھی سوقت کسی سے بات نہیں کرتے تھے اپنے خاص معمولات میں مشغول رہتے ہیں، عصر کے بعد بھی کچھ دیر ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ ان حضرات کی تو گفتگو بھی اللہ ہی کیلئے ہوتی ہے اُن کا ہر کام ذکر ہی ہے ؎

گفتگوئے عاشقان در کار رب
جوشش عشق ست نے ترک ادب

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے یہ رزق ظاہر و رزق باطن دونوں کو عام ہے اسلئے اس وقت سے غافل نہ رہنا چاہیئے

ف صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق حنفیہ کا قول یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ العصر ہے۔ احادیث صحیحہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت شارح نے یہاں جو تحقیق بیان فرمائی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ دو ہیں۔

Marfat.com

ایک وسطی اللیل ۔ ایک وسطی النہار یہ عجیب تحقیق ہے مگر سلف میں سے غالباً کوئی اس طرف نہیں گیا ۔ ان سب کے نزدیک صلاۃ وسطی ایک ہی ہے پس اعتقاداً تو حنفیہ کی تحقیق کو راجح سمجھا جائے اور عملاً دونوں نمازوں کا اہتمام صلاۃ وسطی کی طرح کیا جائے واللہ اعلم بالصواب ۔

۳۴ سی و چہارم ۔ حدیث من نسی صلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرہا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اُسی وقت اسکو پڑھ لے اسکے سوا اس کا کفارہ کچھ نہیں اقم الصلوٰۃ لذکری ۔ نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو ۔

شرح ۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بھولی ہوئی نماز کو جب وہ یاد آئے اسی وقت پڑھنا چاہیے (یعنی بشرطیکہ وقت مکروہ نہو کیونکہ لیلۃ التعریس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا ہوئی تو آپنے عین طلوع شمس کیوقت قضا نماز نہیں پڑھی بلکہ کسی قدر توقف کے بعد قضا کی)

۳۰۱ ذکر اللہ جملہ اعمال سے اعلیٰ ہے اور ذکر کی اقسام +

(۱۰۷) یہاں ایک اشارہ علم تصوف کا بھی ہے کیونکہ صوفیہ فرماتے ہیں کہ تمام اعمال میں اعلیٰ (عمل) ذکر ہے کیونکہ ذکر لسانی سے احکام (الٰہی) کی یادداشت پیدا ہوتی ہے اور وہی تمام اذکار میں بلند تر ہے جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے موقعہ پر یاد کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے اور غفلت کا سبب نسیان ہی تو ہے، بس جو محروم ہوا غفلت کے سبب محروم ہوا اور جو کامیاب ہوا ذکر و حضور ہی کی وجہ سے کامیاب ہوا، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر ۔ اللہ کی یاد سب سے بڑی دولت ہے، قولہ الوجہ الرابع ہذا اشارۃ صوفیۃ الی قولہ ولذکر اللہ اکبر ۔

امر و نہی کے موقعہ پر ...

ف ۔ یہ اشارہ اقم الصلوٰۃ لذکری سے حاصل ہوا جس میں اللہ کی یاد کیلئے نماز کی پابندی کا حکم ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام فرائض و واجبات سے مقصود اللہ کی یاد ہے ۔ پس ذکر تمام اعمال سے افضل ہوا ۔ اسکے بعد سمجھو کہ لوگوں نے عام طور پر ذکر اور یاد کو زبانی ذکر میں منحصر کر رکھا ہے یہ غلط ہے بلکہ اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے موقعہ پر یاد رکھا جائے یعنی جس وقت جو حکم دیا ہے اور جس کام سے منع کیا ہے اسوقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے مامور بہ بجالائے اور منہی عنہ سے رک جائے

Marfat.com

جو شخص امر و نہی کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے اسکی تعمیل نہیں کرتا وہ ذاکر نہیں گو زبان سے کتنا ہی ذکر کرتا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے،

اور حضرات صوفیہ نے جو ذکر لسانی کا بہت اہتمام کیا اور اسکی تاکید کی ہے وہ بھی محض اسی واسطے ہے کہ کثرت ذکر سے دل بیدار ہو جاتا اور امر و نہی کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد کر کے انکی تعمیل پر مستعد ہو جاتا ہے اگر ذکر لسانی سے یہ مقصود حاصل نہو تو سمجھنا چاہئے کہ ابھی ذکر ناقص ہی کامل نہیں اس شخص کو شیخ محقق کامل کی طرف رجوع کر کے تکمیل ذکر کا اہتمام کرنا چاہئے، جب ذکر میں مرتبہ کمال حاصل ہوگا جسکا نام نسبت اور حضور دائم ہے تو امر و نہی کے وقت قلب حق تعالیٰ سے غافل نہو گا اور ہر وقت کے متعلق جو احکام ہیں انکی تعمیل ہوتی رہیگی یہی اصل ذکر ہے جو کامیاب ہوا اسی سے کامیاب ہوا۔ پس جو لوگ ذکر لسانی کو فضول سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ اصل ذکر کا ذریعہ یہی ہے ؎

از صفت و ز نام چہ زاید خیال وان خیال نست دلال وصال

اور جو لوگ محض ذکر لسانی یا ذکر قلبی کو کافی سمجھتے ہیں اور احکام الٰہیہ کی تعمیل کا اہتمام نہیں کرتے وہ بھی
۳۰۲ گمراہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مجھے اس طریقے سے یاد کرو جس طرح میں نے بتلایا ہے تو جو شخص نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا محض زبان یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یاد نہیں کرتا جس طریقہ پر اسوقت وہ اپنی یاد چاہتے ہیں اسی طرح جسپر زکوٰۃ فرض ہوا اسکو سال تمام پر زکوٰۃ زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے کہ اسوقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا طریقہ یہی ہے، جسپر رمضان کا روزہ فرض ہے اسکو رمضان میں روزہ رکھنا چاہئے کہ اس وقت اللہ کی یاد کا یہی طریقہ ہے جسوقت کوئی نامحرم عورت سامنے سے گذرے اسوقت اللہ کی یاد کا طریقہ یہی ہے کہ آنکھیں نیچی کرلے۔ وعلیٰ ہذا ہر وقت کے متعلق جو بھی حکم ہے اسوقت اس کا بجالانا ہی ذکر ہے اگر اسوقت حکم کی تعمیل نہوئی تو نرا مراقبہ یا ذکر لسانی کرنے سے یہ شخص ذاکر نہوگا بلکہ غافل اور نافرمان شمار ہوگا۔ اسی لئے محققین صوفیہ کا ارشاد ہے کل مطیع للہ فھو ذاکر جو شخص اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہو وہ ذاکر ہے گو زبان سے ذکر نہ کر رہا ہو، کیونکہ اطاعت میں لگا رہنا بدون محبت یا خوف الٰہی کے نہیں ہوتا اور محبت یا خوف ہی اصل ذکر ہے۔

خوب سمجھ لو

Marfat.com

سی و پنجم ۳۵ (حدیث الاذان فی البادیہ و فضلہ)

عبدالرحمن بن ابی صعصعہ انصاری مازنی رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمکو بکریوں سے اور جنگل (میں رہنے) سے محبت ہے، تو جب تم اپنی بکریوں میں یا جنگل میں ہو اور نماز کیلئے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ مؤذن کی اذان جہانتک جاتی ہے وہانتک جو انسان یا جن یا جو چیز بھی اُسکی آواز سُنے گی قیامت کے دن اُسکے واسطے گواہی دیگی۔ ابوسعید خدری نے فرمایا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔"

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو چیز مؤذن کی آواز سُنے گی وہ اسکے لئے قیامت کے دن گواہی دے گی۔"

(۱۰۸) شے سے مُراد بظاہر ہر چیز ہے جاندار ہو یا بیجان کیونکہ شی کا اطلاق سب پر آتا ہے خصوصًا جبکہ دوسری حدیث میں مدر اور شجر بھی آیا ہے (یعنی ڈھیلے اور درخت بھی گواہی دیں گے) یہاں ایک سوال ہے کہ ان چیزوں کی گواہی سے فائدہ کیا ہوگا؟ اور عمل کرنے والے کیلئے اسپر کونسی خیر مرتب ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُسکو سننے والوں کے عمل کے برابر ثواب ملیگا واللہ اعلم، اسکی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے من دعا الی الھدی فلہ اجرہ و اجر من عمل بہ جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اسکو اس عمل کا ثواب بھی ملیگا اور جو اسپر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی ملے گا، نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ زمین کے قطعات باہم ایک دوسرے کو روزانہ پکارتے ہیں ایک دوسرے سے سوال کرتا ہے کیا تجھ پر سے کوئی اللہ کو یاد کرنے والا گذرا ہے؟ تو جس قطعہ پر اللہ کو یاد کرنیوالا گذرا ہوگا وہ دوسرے قطعات پر فخر کرتا ہے تو چونکہ یہ شخص اذان دیکر ذکر اللہ کی طرف بلا رہا ہے اسلئے اسکو دوہرا ثواب ملیگا"، اگر یہ کہا جائے کہ اذان تو ذکر نہیں بلکہ وقت نماز کی اطلاع ہے تو ہم کہیں گے بجا ہے مگر اسکو ذکر ہی کا ثواب ملیگا کیونکہ اذان میں اُلوہیت (خداوندی) کا اقرار ہے اور شرک کی نفی ہے اور جو کوئی اذان سُنے اُسکو اذان کا جواب دینا مشروع (و مسنون) ہے تو اس میں نماز کی اطلاع بھی ہے اور افضل الاذکار (یعنی نماز) کی طرف دعوت بھی ہے اسلئے اسپر وہ ثواب مرتب ہوا جو ہم نے بتلا یا ہے"

(۱۰۸) بجان چیزیں ۳۰۳ بھی اعمال صالحہ کی گواہی دیں گی

Marfat.com

الوجہ الاول ہل یعنی بشئ کل حیوان او جماد الی قولہ فوجب لہ بذلک من الاوجہ اذکرنا۔

(۱۰۹) حدیث میں اسپر بھی دلالت ہے کہ جمادات سنتے ہیں علماء نے اُن احادیث (وآیات) کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے جنمیں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں وارد ہوئی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح وحمد نکرتی ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ اُن میں (بعض اوقات) حیات پیدا کردی جاتی ہے اسوقت وہ تسبیح کرتے ہیں اور بعض نے ان آیات احادیث کو ظاہر پر رکھا ہے (کہ جمادات اسی حالت میں سنتے اور خوش ہوتے اور تسبیح کرتے ہیں) کیونکہ قدرت سب کچھ کرسکتی ہے اور یہی حق ہے خصوصًا جبکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی (موجود) ہے وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ ط کہ بعضے پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر بہتی ہیں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو اُن سے پانی رستا ہے اور بعضے اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ علماء محققین نے فرمایا ہے کہ جو پتھر مٹی کی طرح بہتا ہے اور جو پہاڑ گرتا ہے وہ اللہ عزوجل کے خوف ہی سے گرتا ہے، یہی قول حق ہے کیونکہ اگر یہ تسبیح وغیرہ زبان حال سے ہوتی جیسا ایک جماعت کا خیال ہے تو ہمیں اسکی اطلاع دینے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اتنی بات تو ہمکو بداھۃً معلوم ہے کہ ہر مخلوق اپنے انقلاب وتغیّر واحتیاج سے اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے اس کا بتلانا تو تحصیل حاصل ہے جو حکیم کے حق میں محال ہے ۳۰۴

ف۔ جمادات ونباتات میں شعور اور قوت تکلم کا ہونا صوفیہ کو کشف سے معلوم ہو چکا ہے بعض اہل اللہ سے درختوں اور پہاڑوں نے بات چیت کی ہے اسلئے وہ ان آیات واحادیث کو جن میں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں مذکور ہیں ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور وہ علماء جنپر فلسفہ غالب ہے ان میں تاویل کرتے ہیں مگر ظاہر قرآن وحدیث صوفیہ کا مؤید ہے۔

(۱۱۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات قیامت کے دن اُن اعمال خیر وشر کی گواہی دینگے جو اُن پر کئے گئے ہیں اسکے متعلق اور بھی بہت احادیث وارد ہیں آیات قرآنیہ بھی اسپر دلالت کرتی ہیں، اور قدرت (الٰہیہ) سب کچھ کرسکتی ہے اور اس مضمون کی اطلاع سے فائدہ بھی جب ہی ہوسکتا ہے (جبکہ اسکو ظاہر پر رکھا جائے تاویل کرنے سے اس اطلاع کا فائدہ کچھ نہیں رہتا) اور جو لوگ قدرت (الٰہیہ) پر حکم لگانا چاہتے اور یوں کہتے ہیں کہ سمجھنا اور بات کرنا بدون

جمادات میں شعور اور قوت سماع کا اثبات

Marfat.com

حیاتف۱ وعقل کے ناممکن ہے، اُن کے پاس اس دعوے کی شرعی دلیل کوئی نہیں، اُنہوں نے محض عقل سے یہ بات نکالی ہے اور قدرتف۲ کو عقل کا پابند نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہین ویخلق ما لا تعلمون اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کرتے رہتے ہیں جنکی تمکو خبر بھی نہیں اس مضمون پر ہم شروع کتاب میں بحث کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں، قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان الجمادات تشھد الیٰ قولہ اغنی عن اعادتہ ھنا،،

ف۱- اس زمانہ میں سائنس کی ایجادات نے فلسفۂ قدیمہ کے بہت سے نظریوں کو غلط کر دیا ہے جن چیزوں کو پہلے عرض کہا جاتا تھا آج وہ جواہر میں داخل ہیں۔ ریڈیو اور گراموفون کی ایجاد نے جمادات کے تکلم کا استبعاد بھی رفع کر دیا۔ کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایسی برقی طاقت رکھی ہو جو اُن اعمال کا اثر قبول کر لیتی ہو جو اُس پر یا اسکے قریب کئے جاتے ہوں اور قیامت میں وہ ان اعمال کی گواہی دے حضرات اہل کشف کے واقعات اسپر شاہد ہین کہ اُنکو بعض دفعہ زمین پر بیٹھتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہاں کسی نے بُرا کام کیا ہے یا یہاں کسی بزرگ نے قیام کیا ہے یہ اُسی اثر کا تو نتیجہ ہے جو اعمال صالحہ یا اعمال سیئہ کی وجہ سے اس جگہ پیدا ہو گیا تھا،،

ف- نو تعلیمیافتہ جماعت کو جو بعض آیات و احادیث پر شبہات پیدا ہوتے ہیں اُن کا منشا یہی ہے کہ وہ قدرت آلہیہ کو اپنی عقل کا پابند کرنا چاہتے ہیں اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے ایک لفظ اس جماعت نے خوب یاد کر لیا ہے کہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا،، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ جب تم قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے تو اُسکے قوانین کا احاطہ کیونکر کر سکتے ہو ممکن ہے جس بات کو تم اپنے زعم میں قانون قدرت کے خلاف سمجھتے ہو وہ حقیقت میں قانون قدرت کے خلاف نہو بلکہ کسی ایسے قانون کے موافق ہو جسکی تمکو خبر نہین۔ غرض یہ لوگ اپنی عقل سے قدرت کا ایک قانون بنا لیتے ہین اور جو بات اُسکے خلاف سُنتے ہیں اُسکو رد کر دیتے ہیں حالانکہ عقل سے قدرت کیلئے کوئی قانون مقرر کرنا ہرگز جائز نہیں جبتک خود صاحب قدرت نہ کہے کہ میرا یہ قانون ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(۱۱۱) حدیث میں اسپر بھی دلالت ہے کہ حیوانات وجمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں۔ (جب ہی تو وہ اُن کیلئے گواہی دین گے) آیت فما بکت۵ علیھم السماء والارض کی تفسیر میں وارد ہوا ہے

۵ نہ اُن پر آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو

ف۱ سمع و بصر و نطق کو حیات و عقل پر موقوف سمجھنا بلا دلیل ہے

ف۲ قدرت کو عقل کا پابند نہیں کیا جا سکتا

۳۲۵

ف قانون قدرت کی تحقیق

ف حیوانات وجمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں

کہ جس زمین پر بندہ عبادت کرتا تھا اور آسمان کے جس دروازہ سے اُسکے اعمال اوپر جاتے تھے وہ چالیس دن تک (اس شخص کے مرنے کے بعد) روتے ہیں، یہ حدیث جنگل میں عبادت کرنے کی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ جب مؤمن کو اس ثواب کی اطلاع ہوگی تو وہ اس میں کوشش کرے گا، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص (نماز کے وقت) جنگل میں ہو اور اذان واقامت کہکر نماز پڑھے تو اسکے پیچھے پہاڑوں کے برابر فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اگر صرف اقامت کہے اذان نہ دے تو اُسکے پیچھے صرف دو فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنگل کی (ایک) نماز ستّر نمازوں کے برابر ہے، پس ان احادیث سے جو جنگل میں عبادت کرنے کے متعلق ہیں اور اُن احادیث سے جو بستی میں نماز پڑھنے اور جماعت میں حاضر ہونے اور مسجدوں کی پابندی کرنے اُن میں عبادت کرنے وغیرہ کے متعلق ہیں یہ معلوم ہوا کہ مؤمن جب کتاب وسنت کے موافق (عمل کر رہا) ہو تو وہ جہاں بھی ہوگا حسب وعدہ بڑی خیر میں ہوگا،، جنگل میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور اس کا مطلب

۳۰۶ الوجہ الرابع فیہ دلیل علیٰ ان الحیوان والجماد یفرح بالصّالحین الیٰ قولہ فی خیر عظیم بحسب الوعد الحق،،

ف۔ جنگل کی نماز میں جو ثواب وفضیلت وارد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے جایا کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت سے جیسے بکریاں چرانا یا زراعت یا اور کسی ضروری کام کیلئے جنگل جانا پڑے تو بستی کی مسجد اور جماعت کے فوت ہونے سے دلگیر نہوں بلکہ اذان واقامت کی ساتھ نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ جنگل کی تنہا نماز ہی میں بھی بہت ثواب عطا فرمائیں گے،، باقی بلا ضرورت بستی کی نماز چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے کیلئے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول نہیں،،

(باقی آئندہ)

(۱۱۲) حدیث میں اس پر بھی دلالت ہے کہ جس شخص کو دنیا کے کسی ساز و سامان سے محبت ہو اور یہ محبت دین کے حقوق واجبہ و مستحبہ کے پوری طرح بجا لانے سے مانع نہ ہو تو ایسی محبت جائز ہے کیونکہ ان بزرگ نے اپنے ساتھی کو اس محبت (سے منع نہیں کیا بلکہ اُس) پر قائم رکھا جو اس کے اندر نظر آئی تھی (یعنی بکریوں کی محبت) ہاں اسکو ایک امر مستحب کی ترغیب دی کہ جنگل میں اذان کی ساتھ نماز پڑھا کرے - قوله الوجه السادس فيه دليل على ان من احب شيئاً من متاع الدنيا الى قوله وهو الاذان والصلاة فيه -

(۱۱۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف اغراض کی ساتھ بھی صحبت میں اتفاق (و اتحاد) ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو اُسکے حال پر برقرار رکھا اور باہم دونوں میں اتفاق تھا) کیونکہ ہر شخص اپنے حال میں شریعت کے موافق تھا، ایسا ہی قصہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک دوست کے ساتھ پیش آیا تھا جو عبادت میں مشغول تھا اُسنے امام مالک کے پاس خط بھیجا جس میں اس بات کی ترغیب دی تھی کہ علمی (مشاغل اور اس میں) جدوجہد کو چھوڑ کر ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاؤ، امام مالک نے اُسکو جواب دیا کہ تم بھی خیر پر ہو اور میں بھی خیر پر ہوں۔ میں اُس خیر کو نہیں چھوڑ سکتا جس پر میں ہوں اور تم اُس خیر کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر تم ہو پھر دونوں میں دوستی بدستور قائم رہی حالانکہ ہر ایک اپنے خاص حال پر جما ہوا تھا۔

ف - یہاں سے اُن صوفیوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنے کو سب سے الگ رکھتے اور سب کو دنیا دار سمجھکر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ کوشش کرنا کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں نری جہالت ہے، اگر سارے صوفی ہی ہو جائیں تو علم کی اشاعت کون کرے گا درس و تدریس کا فرض کون ادا کرے گا، زراعت و تجارت اور قضاء و حکومت کون کرے گا۔ ممالک اسلامیہ کی جہاد کے ذریعہ دشمنوں سے کون حفاظت کرے گا۔ اسی طرح اگر علماء یہ چاہیں کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں تو مقامات سلوک کون طے کرے گا امراض قلب کا علاج کون کرے گا؟ مسلمانوں کو اپنے حال وقال سے کون سنبھالے گا؟ غرض یہ خیال کرنا کہ ہم اُس سے محبت و اتفاق رکھیں گے جس کا حال ہمارے حال کے موافق ہو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ ہر شخص کو

Marfat.com

اُس مسلمان سے دوستی اور محبت رکھنا چاہیئے جو اپنے احوال میں شریعت کے موافق عمل کر رہا ہو خواہ وہ بکریاں چرانے والا ہو یا عالم ہو یا قاضی ہو یا تاجر و زراعت پیشہ ہو

ہر ایک کو اسکے مناسب نصیحت کی جائے

(۱۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اُسکے حالت کے مناسب نصیحت کرنا چاہیئے کیونکہ ان بزرگ (صحابی) نے اپنے دوست کو اُسی امر مستحب کی ہدایت کی جو اُسکی حالت کے مناسب تھا یعنی اذان کیساتھ نماز پڑھنا اس سے یہ نہیں کہا کہ مسجدوں (میں نماز پڑھنے) کی پابندی کرو اور اسکے مثل دوسرے ایسے کام جو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکی سکونت بستی میں ہے (نہیں بتلائے) کہ اس سے اسکو تشویش ہوتی کیونکہ جس حالت میں وہ تھا اُس میں رہتے ہوئے ان کاموں کو نہیں کر سکتا تھا، الوجہ الثامن یوخذ منہ ان نصیحۃ کل شخص بما یقتضیہ حالہ الی قولہ لکونہ لا یقدر علی فعلہ مع ما ھو فیہ،،

ف- عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چار پارا قدر طاقت بار نہ | بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ
طفل را گر نان دہی بر جائے شیر | طفل بیچارہ ازاں نان مُردہ گیر

۳۰۸

بعض لوگ سب لوگوں کو ایک ہی لاٹھی ہانکتے ہیں وہ محقق نہیں عطائی ہیں محقق ہر شخص کو اسکے حال کے مناسب کام بتلاتا ہے،،

قرن اول میں ہر ایک کو دوسرے کی فکر تھی

(۱۵) اس سے قرن اول کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان میں ہر ایک دوسرے کی فکر میں لگا رہتا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ بزرگ (صحابی) اپنے بھائی کو یہ بات نہ بتلاتے،، الوجہ التاسع فیہ دلیل علی فضل الصدر الاول الی قولہ لما ارشد ھذا السید اخاہ الی ذلک

ف- ہم لوگوں کی بدحالی اور پستی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی فکر ہے اپنے بھائیوں کی فکر نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں کوئی کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا- افسوس-

ہر ایک کیلئے جمعیت قلب کا طریق جدا ہے

(۱۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کی جمعیت خاطر (جمعیت قلب) کا طریقہ جدا ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ (صحابی) نے اپنے ساتھی کو اذان کی ہدایت کی دوسرے مستحبات (وا وراد) نہیں بتلائے جسکی وجہ وہی تھی جو ہمنے بتلائی (کہ ہر ایک کی جمعیت خاطر کا طریق الگ ہے) قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل علی ان لکل شخص ما ھو اجمع لخاطرہ

Marfat.com

الیٰ قولہ للعلۃ التی عللناہا قبل"

ف۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص کو بارہ تسبیح اور مراقبات ہی سے جمعیت قلب حاصل ہو بعض کو اذان سے بعض کو تلاوت قرآن سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ پس ہر ایک کو اسکے مناسب کام بتلاؤ۔

(۱۱۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرن اول کے لوگ مستحبات کی بھی ایسی ہی پابندی کرتے تھے جیسی واجبات کی کیونکہ صحابی نے یوں فرمایا ہے کہ" جب تم اذان دو اس سے معلوم ہوا کہ انکو اپنے ساتھی کی نسبت یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس مستحب کو چھوڑ دیتے ہیں (اور نماز کے وقت اذان نہیں دیتے اور اذان کی جو پانچ قسمیں فقہاء نے بیان فرمائی ہیں واجب و مستحب و حرام و مکروہ و مباح" یہ اذان ان میں سے نوع مستحب میں داخل تھی (کیونکہ جو شخص جنگل میں تنہا نماز پڑھے اسکے ذمہ اذان واجب نہیں صرف مستحب ہے) مگر صحابی نے اس شخص کو اس مستحب میں ایک چیز کے زیادہ کرنے کی ہدایت کی یعنی آواز بلند کرنے کی۔ قولہ الوجہ الحادی عشر فیہ دلیل علی ان الصدر الاول کانوا یحافظون علی المندوبات الیٰ قولہ وھو من الصوت

(۱۱۸) اس میں اہل تصوف (کے حق پر ہونے) کی بھی دلیل ہے کیونکہ انکے نزدیک سب چیزوں سے اہم (اور مقدم) دین ہے اگر قرن اول کا بھی یہی حال نہ ہوتا تو یہ صحابی اپنے ساتھی کو یہ وصیت نہ کرتے جس کا ذکر ہو چکا ہے (بلکہ کوئی دنیا کی ترقی کا ذریعہ بتلاتے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب باہم ملاقات کرتے تو ایک دوسرے سے یوں کہتا تھا تعال نؤمن۔ آؤ ایمان کی باتیں کریں، یعنی ایسی باتیں کریں جن سے ہمارے ایمان کو قوت ہو (شارح فرماتے ہیں کہ) میرے احباب میں بھی ایک صاحب (ایسے ہی) تھے جن کا مرتبہ طریق علم اور طریق حال دونوں میں بلند تھا جب ہم دونوں ملاقات کرتے تو سلام کے بعد وہ اول یہ سوال کرتے کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے اپنے پروردگار کے ساتھ تمہارا کیسا حال ہے تمہاری قلبی حالت کیسی ہے، اسکے بعد دوسری باتوں کو پوچھتے تھے (مثلاً مزاج کیسا ہے گھر میں خیریت ہے وغیرہ وغیرہ) ان سے ملکر جب میں جدا ہوتا تو سینہ میں انشراح اور ایمان میں خاص ترقی محسوس کرتا تھا جسکا سبب ان کا صدق اور قرن اول کیساتھ تشبہ تھا کہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات کو مقدم کرتے تھے۔

حضرات صحابہ کو مستحبات کا اہتمام مثل واجبات کے تھا

۱۱۸ سب سے اہم و اقدم دین ہے

Marfat.com

اخوت ایمان اسی طرح کی ہونی چاہئیے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ سب دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ بجز متقین کے (کہ اُن کی دوستی وہاں کام آئے گی) اور جو شخص لباس تقوے سے آراستہ ہوگا اُس پر تقوے کے آثار (ضرور) ظاہر ہوں گے،، قولہ الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل لاھل الصوفۃ لان اھم الاشیاء عندھم الدین الیٰ قولہ فمن لبس ثوب التقی ظھرت علیہ بشائرہ،،

ف۔ افسوس آجکل یہ طریقہ مسلمانوں میں بالکل متروک ہوگیا اعزہ اور احباب سے ملتے ہیں تو مزاج پُرسی اور گھر باہر کی خیریت تو دریافت کرتے ہیں یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق کیسا ہے قلبی حالت کی کیا کیفیت ہے صوفیہ زمانہ کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئیے۔ جعلنا اللہ و ایاکم کما یحب و یرضی

سی و ششم (حدیث فضل الاذان و الصف الاول و العتمۃ و الصبح) ۳۱۰

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جانتے اُس (ثواب) کو جو اذان اور صف اول میں ہے پھر قرعہ اندازی کے سوا کوئی صورت (تصفیہ کی) نہ پاتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے (اور اذان و صف اول کو وہی شخص پاتا جس کا نام قرعہ میں نکلتا) اور اگر جانتے اُس (ثواب) کو جو دوپہر کے وقت (نماز کیلئے) آنے میں ہے تو اس میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتے اور اگر جانتے اُس (ثواب) کو جو عشاء اور صبح (کی نماز با جماعت) میں ہے تو ان کیلئے ضرور آتے۔ چاہے گھسٹ کر ہی آنا پڑتا،،

شرح۔ ظاہر حدیث میں صف اول کی اور اذان کی اور ظہر کی نماز اور عشاء و صبح کی نماز میں جماعت کی ترغیب ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں باہم ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہئیے اور یہ کہ اس سے عمل میں نقص لازم نہیں آتا اور نہ یہ ریا میں داخل ہے اسکی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اعمال خیر میں مسابقت کرنا چاہیئے

Marfat.com

کا یہ ارشاد ہے لاستھموا علیہ کہ وہ اسپر قرعہ اندازی کرتے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے
وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون - اسی میں باہم آگے بڑھنے والوں کو آگے بڑھنا چاہئے
قولہ فی الثانی فیہ دلیل علی المنافسۃ الیٰ قولہ فلیتنافس المتنافسون"
(۱۲۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفوس انسانی کو اعمال پر برانگیختگی اسی وقت ہوتی ہے
جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے کیا نفع حاصل ہوگا" اسکی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے لو یعلم
الناس اگر لوگوں کو معلوم ہوتا الخ جس میں حضور نے ثواب کی عظمت پر اشارہ فرمادیا ہے
اور دوسرے مواقع میں مفصل طور پر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اذان دینے والوں کی
گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی ہوں گی" نیز ارشاد ہے کہ مؤذن مشک
کے ٹیلوں پر ہوں گے، وغیرہ وغیرہ چونکہ اس حدیث میں اذان وغیرہ کی ترغیب کا عنوان
ہے اسلئے یہاں حضور نے عظمت ثواب پر اشارہ کافی سمجھا تفصیل بیان نہیں فرمائی
اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مخبر کو خبر کا عنوان ایسا اختیار کرنا چاہئے جس سے زیادہ
۳۱۱ فائدہ کی امید غالب ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجمال سے کام لیا اور
دوسری احادیث میں تفسیر فرمائی ان دونوں میں تفرقہ کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آپ نے
ہر موقع کے مناسب عنوان اختیار فرمایا جس میں اُس وقت زیادہ نفع کی امید تھی)
قولہ فی الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان النفوس فی الغالب الیٰ قولہ ۹۱ بھذا الوجہ
(۱۲۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال خیر کی تحصیل کیلئے ہر ممکن تدبیر سے کام لینا چاہئے اسکی
دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے" پھر کوئی صورت نہ پاتے" یعنی یہ لوگ
قرعہ اندازی اُسی وقت کرینگے جب اس عمل خیر کے حاصل کرنے کی قدرت نہ رہے گی۔
یہیں سے صوفیہ نے اپنے نفس کے مقابلہ میں تدبیر اور مجاہدہ کی دلیل اخذ کی ہے چنانچہ بعض
صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ ایک مدت اپنے نفس کو صوفیہ کے لباس پر آمادہ کرتے رہے اُسکی
خوبیاں اسکو بتلاتے رہے یہانتک کہ اُسنے صوفیہ کا لباس پہن لیا جب یہ لباس پہنادیا
تو اس کے بعد جب وہ کسی ایسے کام کا ارادہ کرتے جو صوفیہ کے طرز کے خلاف ہوتا تو
نفس سے فرماتے کہ تو نے اس قوم کا لباس پہن لیا (اُنکی سی صورت بنائی ہے)

نفس کو کسی عمل کا شوق نفع معلوم ہونے کے بعد ہوتا ہے

اعمال خیر کیلئے ہر ممکن تدبیر کرنا چاہئے

Marfat.com

پھر اُن کی مخالفت کرنا چاہتا ہے یا وہ اہل دنیا کی سی حالت کا تقاضا کرتا تو فرماتے یہ حالت اس لباس کے مناسب نہیں۔ اس جیسی تدبیریں ان حضرات سے بہت منقول ہیں قولہ الوجہ الخامس فیہ دلیل علی التحیل الی قولہ ومثلہ عنھم کثیر۔

ف: لباس اور وضع کو بھی اصلاح حال میں بہت دخل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا پس وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو منہ اُٹھا کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ لباس میں کیا رکھا ہے اور بعضے حضرات سعدی کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں ؎

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار۔ اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سعدی کا مطلب لباس و وضع کی لغویت کا اثبات نہیں بلکہ درویش صفت ہونے کی ضرورت و اہمیت بتلانا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ درویش صفت بدون اُنکی وضع اختیار کئے عادۃً نہیں ہوسکتا تو مقدمہ لازم کا لازم ہوگا، ہاں جب درجہ کمال حاصل ہوجاوے اور انسان صحیح معنے میں درویش صفت ہوجاوے پھر اُسکو وضع اور طرز کی پابندی لازم نہیں رہتی۔"

(۱۲۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل صالح کیلئے نشاط کیساتھ کسل کو چھوڑ کر سبقت کرنا چاہیئے۔ اس کی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے ولو حبوا چاہے گھسٹ ہی کر آنا پڑتا اور جس کا یہ حال ہوگا وہ تو کسل سے بہت دور ہوگا۔"

(۱۲۳) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ اپنے نفوس کو مجاہدہ سے پکڑتے ہیں (یعنی مجاہدات سے اُنکو قابو میں لاتے ہیں) کیونکہ گھسٹ کر آنا تو بڑا مجاہدہ ہے۔

(۱۲۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اعمال شعائر اسلام ضروریہ میں سے ہوں انکو ظاہر کرکے ادا کرنا افضل ہے چنانچہ یہ سب اعمال جن کا حدیث میں ذکر ہے اسلام کے شعائر ضروریہ سے ہیں

(۱۲۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے ظاہری بدنمائی اختیار کرلینا چاہیئے اسکی دلیل بھی حضور کا وہی ارشاد ہے ولو حبوا کیونکہ بڑے درجہ کے آدمی کے حق میں گھسٹ کر چلنا بدنما صورت ہے خصوصاً جب اُسکو کوئی (جاہ و مرتبہ بھی حاصل ہو مگر یہاں دین کی رعایت کیگئی اور بدنمائی کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اس میں ان لوگوں کے قول کی دلیل بھی ہے جو یوں کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز ادا کی جائے اگرچہ راستہ

Marfat.com

میں گارا جس سے کپڑوں اور چہرہ وغیرہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ اگر راستہ میں گارا کیچڑ ہو جس سے کپڑوں اور بدن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ عذر ایسا ہے جس کی وجہ سے جمعہ کو چھوڑنا جائز ہو جائے؟ اس میں دو قول ہیں" اور اس حدیث میں اُن لوگوں کیلئے حجت ہے جو اس کو عذر نہیں مانتے"

ف۔ یہاں سے اُن صوفیوں کا رد ہو گیا جو وقار وقار بہت پکارا کرتے ہیں کہ یہ کام وقار کے خلاف ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ تصوف میں وقار کوئی چیز نہیں نہ شریعت نے فضائل کے مقابلہ میں اس کا کچھ لحاظ کیا۔ اصل چیز اتباع حق ہے اور صوفیہ کی بڑی دولت دنیا سے یکسوئی ہے۔

۳۱۳ مسابقت کی تقسیم اور مسابقت معنویہ کی تحقیق

(۱۲۶) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم ایک دوسرے پر سبقت ظاہراً بھی ہوتی ہے اور باطناً بھی، اور یہاں سبقت معنویہ مراد ہے نہ کہ حسیہ کیونکہ سبقت حسیہ کی صورت تو یہ ہے کہ پیروں سے دوڑ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور یہ صورت یہاں ممنوع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب نماز کیلئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون واطمینان کیساتھ آؤ پس اب سبقت معنویہ ہی رہ گئی یعنی وقت کی نگہداشت میں لگا رہنا (سب سے پہلے وہی آئے گا جسکو وقت کا دوسروں سے زیادہ اہتمام ہو گا) اس موقعہ پر ایک سوال ہو گا وہ یہ کہ اس حدیث میں عشا اور صبح کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے حالانکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عشا (کی جماعت) میں حاضر ہوا اُسنے گویا آدھی رات (تہجد میں) قیام کیا اور جو صبح (کی جماعت) میں آیا اُس نے گویا تمام رات (تہجد میں) قیام کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سبقت ومبادرت کے باب میں دونوں کے یکساں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا ثواب واجر بھی برابر ہو جائے۔ اور مبادرت میں دونوں کو اسلئے برابر کر دیا گیا کہ ان دو نمازوں کو دوسری نمازوں پر عظمت وفوقیت حاصل ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کرنیوالی عشا اور صبح ہے منافقین ان دونوں میں نہیں آسکتے" دیکھو اگر دو گواہ عادل ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ اُن میں سے ایک کو دوسرے پر کسی بات میں بھی رفعت حاصل نہ ہو کیونکہ جتنی بات کی عدالت شرعیہ میں ضرورت ہے اس میں برابر ہو جاویں اگر ایک میں کوئی وصف دوسرے سے زیادہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں ایسا ہی یہاں سمجھو کہ یہ دو

نمازیں بقیہ نمازوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ رہا ان دونوں کے درمیان جو ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے وہ دوسری بات ہے۔

ف حنفیہ کے نزدیک صلاۃ وسطی کی تفسیر نماز عصر سے راجح ہے اور دلائل صحیحہ سے یہی مؤید ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ نماز عصر تمام نمازوں سے افضل ہو۔ پس یہاں جو صبح و عشا کی فضیلت بتلائی گئی ہے وہ فضیلت جزئیہ ہے جس کی شرح دوسری حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ یہ دو نمازیں منافقین پر گراں ہیں، مگر چونکہ مالک کے نزدیک صلاۃ وسطی کی تفسیر فجر کیساتھ راجح ہے اسلئے شارح نے ان دو نمازوں کو بقیہ تمام نمازوں سے افضل کہدیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سی و ہفتم (حدیث اتیان الصلوٰۃ بالسکینۃ)

ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے لوگوں کا شور سنا نماز کے بعد فرمایا کیا بات تھی (یہ شور کیسا تھا) اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کیلئے جلدی کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا آئندہ ایسا نکرنا جب تم نماز کیلئے آؤ تو سکون (و وقار) کیساتھ آیا کرو پھر جتنی نماز ملجاوے اسکو (تو امام کیساتھ) پڑھ لو اور جو فوت ہوجاوے اُسکو (بعد میں) پورا کرلو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز کیلئے اطمینان سے آنا چاہئے اور جو حصہ فوت ہوجاوے اسکو پورا کرلینا چاہئے۔ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ (کسی فعل یا فاعل پر) حکم شرعی تحقیق سبب کے بغیر نہیں ہوسکتا اسکی دلیل حضور کا یہ قول ہے ما شانکم (کیا بات تھی) پھر جب لوگوں نے نماز کیلئے جلدی کرنے کا ذکر کیا اسوقت آپ نے اسکے متعلق حکم بیان فرمایا محض شور سنتے ہی فیصلہ نہیں کرلیا گیا کہ یہ حرکت بیجا تھی اور نہ تحقیق سبب سے پہلے آپ نے ان کے فعل پر کچھ مواخذہ فرمایا کیونکہ جلدی کرنے (اور شور کرنے) میں یہ احتمال بھی تھا جو صحابہ نے بیان کیا

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ف۔ آجکل صوفیہ اور مشائخ بھی اس معاملہ میں تساہل کرنے لگے ہیں کہ بدون تحقیق کے جسپر جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں اُنکو اور سب مسلمانوں کو اس قاعدہ کی پابندی کرنا چاہئیے اور جان لینا چاہئیے کہ بدون تحقیق حال کے کسی پر کوئی حکم لگانا جائز نہیں۔

(۱۲۸) یہاں ایک سوال ہے کہ یہ حکم بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے اور کیا اس سکون کی کوئی حد معین ہے یا نہیں؟ پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ صیغہ امر کے متعلق اختلاف ہے لیکن اس مقام پر امر کا استحباب کیلئے ہونا زیادہ ظاہر ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ خود نماز کے اندر تادّب وخشوع (وسکون) کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ وہ شرط کمال ہے (شرط صحت نہیں) اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب تک نماز کا انتظار کرتا رہے نماز ہی میں رہتا ہے (جسمیں نماز کیلئے چلنے نماز کیلئے وضو کرنے اور بیٹھے رہنے کو نماز ہی کے حکم میں کر دیا گیا حالانکہ یہ سب وسائل ومقدمات ہیں) اور وسیلہ (یا مقدمہ) کا بڑا حکم یہ ہے کہ اسکو خود اُس شے کے مثل کر دیا جائے (جس کا وہ وسیلہ ہے) تو جب خود نماز کے اندر اس صفت (سکون وخشوع) کے واجب ہونے میں اختلاف ہے تو وسیلہ میں (وجوب) کیسے ہوگا؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ امر وجوب کیلئے ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اپنے کلام میں) کچھ اضافہ کر کے اسپر اشارہ فرماتے کیونکہ (تنہا امر تو وجوب کیلئے کافی نہیں اور) آپ صاحب تشریع ہیں اور یہ وقت حکم بیان کرنے کا تھا اور ضرورت کے موقعہ سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ صحابہ کا تیزی کیساتھ چلنا نماز کے شوق اور ثواب کی رغبت اور اس میں ترقی کی طلب سے تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ بتلانا چاہا کہ (ثواب جلدی کرنے اور جلدی پہونچنے ہی پر موقوف نہیں بلکہ) اس صورت میں بھی ثواب مل جائے گا جسکا حکم کیا گیا ہے تاکہ اُن کے دلوں کو سکون (واطمینان) ہو جائے (تو آیندہ نماز کے لئے سکون سے آیا کریں) قولہ فی الوجہ الثانی وھنا بحث الی قولہ لان تیسکن نفی سھم بذلک۔

ف یہاں سے معلوم ہوگیا کہ جن صوفیہ نے بلا خشوع وبلا سکون کے نماز کو باطل کہا ہے

۳۱۵

اُن کا مطلب بطلان کمال ہو کہ نماز ناقص ہوگئی - بطلان اصل مراد نہیں کہ نماز صحیح نہو ۱۲

(۱۲۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ حوادث کی طرف (نماز میں) دل کا متوجہ ہونا جائز ہے بشرطیکہ نماز کی طرف دل کی توجُّہ فوت نہو اور یہ کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ معمولی التفات ہو (زیادہ نہو) یہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر آدمیوں کا شور سنا اور کسی کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آپ نے کسی سے یہ فرمایا کہ اس سے نماز میں کچھ خلل آگیا ہے (اور یقیناً شور سننے سے اُسکی طرف دل کو تھوڑی بہت توجہ ضرور ہوئی ہوگی)

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دل دل میں کسی ضروری بات کے سوچنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ دل پر غلبہ نماز کے شغل کو رہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس (غل) شور کی یاد دیر تک برابر رہی یہانتک کہ آپ نماز سے فارغ ہوگئے،، اسوقت اُسکے متعلق سوال فرمایا، اور ان دونوں باتوں کا نماز میں بلا اختیار وقصد کے جائز ہونا اس حدیث کے مجموعی معنے سے ماخوذ ہے رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جبکہ آپ سے نماز میں ادہر اُدہر دیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا یہ شیطان کی شاطری ہے وہ تمہاری نماز میں سے کچھ اچک لیتا ہے سو وہ قصد کے متعلق ہے کیونکہ ادہر اُدہر دیکھنا نمازی کے اختیار ہی سے ہوتا ہے کسی عذر طاری کی وجہ سے نہیں ہوتا سو یہ تو (حقیقت میں) اُس رشتہ سے نکلجانا ہے جس میں وہ داخل ہوا تھا - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما امروا الا لیعبد وا اللّٰہ مخلصین انکو اسکے سوا کچھ حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت اخلاص سے کریں - (اور جو اخلاص کیساتھ عبادت کرتا ہے وہ ادہر اُدہر نماز میں نہیں دیکھ سکتا) اور جو بغیر اخلاص کے (عبادت میں) داخل ہوگیا وہ ان احکام کو پوری طرح کیونکر بجالائے گا جن کا امر کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسپر پوری طرح متوجہ ہوتے ہیں پھر اگر وہ ادہر اُدہر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسکی طرف سے رُخ پھیر لیتے ہیں تو جو شخص بے توجہی اور دل کی بے رُخی سے نماز میں داخل ہوا اور جس حال میں نماز سے پہلے تھا اُسی میں

Marfat.com

نماز کے اندر مشغول رہا اُسکو اللہ تعالیٰ کی توجہ کہاں نصیب؟ ہیہات ان کے (اور خدا کی توجہ کے) درمیان تو بہت سے میدان ہیں جنکو ہمت و حوصلہ والے ہی طے کرتے ہیں پس بیدار ہو جاؤ اگر سو رہے ہو اور ہمت کرو اگر جاگ رہے ہو۔

(۱۳۰) اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ نماز تو اچھی وہی ہے جس میں بشریت کا بھی کچھ حصہ باقی رہے تاکہ کلام الٰہی کو سمجھتا رہے اور جن ارکان کا امر کیا گیا ہے اُنکو پوری طرح بجالاتا رہے، اور ذکر کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں (بالکل) فنا ہو جائے یہانتک کہ اُسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اُسکے دائیں جانب کیا ہے اور بائیں طرف کون ہے؟ اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی (بلکہ نماز کا حکم بھی وہی ہوتا جو ذکر کا بتلایا گیا) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس موقع میں شور کی آواز کو (نماز کے اندر) نہ سن سکتے۔ یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے (کہ سب سے اچھی نماز وہ ہے جس میں کچھ بشریت باقی رہے) یہ حکم سب نمازوں کو عام ہے یا صرف فرض نماز کیساتھ خاص ہے تو واللہ اعلم ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم فرض نمازوں کیلئے تو بالاتفاق ہے، اور نوافل کے بارہ میں ظاہر یہ ہے کہ اُن کا حکم مثل ذکر کے ہے (کہ اُن میں فنائے تام ہی بہتر ہے) اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اُن کی ران میں ایک تیر لگ گیا تھا جس سے اُن کو تکلیف تھی لوگوں نے اُسکو نکالنا چاہا تو آپ انکار کرتے تھے کہ ابھی نہیں تھوڑی دیر کے بعد نکالنا پھر وہ نکالنا چاہتے تو یہی جواب دیتے کہ ابھی نہیں، تو بعض لوگوں نے کہا کہ تم نماز کے سوا کسی وقت میں اسکو نہ نکال سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ جسوقت نفل نماز کے سجدہ میں آپ گئے اسوقت تیر کو کھینچ کر نکالدیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پایا فرمایا کیا بات ہے کیا تیر نکالنا چاہتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا وہ تو ہم نے نکال بھی لیا (پھر اُسکو سامنے کر دیا کہ) دیکھئے یہی تو ہے فرمایا بخدا مجھے تمہاری (اس حرکت کی) کچھ بھی خبر نہیں ہوئی اور ایسے واقعات اہل برکت (صلحاء) سے بہت منقول ہیں۔ قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل لاہل الصوفۃ الی قولہ ومثلہ کثیر عن المبارکین مع حذف شئی من العبارۃ من بینہما،،

نماز وہ اچھی ہے جس میں بشریت کا حصہ باقی رہے اور ذکر وہ اچھا جس میں فنائے تام ہو جائے

۳۱۷

ف۔ اس پر حنفیہ کے اُصول سے یہ سوال وارد ہوگا کہ شروع کے بعد نفل بھی واجب ہو جاتی ہے اور اس میں بھی قرآن کو سوچ کر صحیح طور سے پڑھنا اور ارکان کا پوری طرح بجالانا ضروری ہے جیسا فرائض میں ضروری ہے اور یہ فناءِ تام کی صورت میں نہیں ہو سکتا یقیناً فناءِ تام کی صورت میں ارکان میں گڑبڑ ہوگی جس سے بعض اوقات سجدہ سہو لازم ہوگا اور سجدہ سہو بھول گیا تو نماز ناقص ہوگی، جواب یہ ہے کہ نوافل میں تطویل کی اجازت ہے کہ ارکان کو جتنا چاہے طویل کر دے لمبا قیام کرے لمبا رکوع کرے لمبا سجدہ کرے۔ پس اگر کسی شخص کو لمبے رکوع یا لمبے سجدہ میں فناءِ تام حاصل ہو جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا کیونکہ رکوع یا سجدہ میں محض تسبیحات ہوتی ہیں جو ذکر کی قبیل سے ہیں۔ البتہ حالت قیام میں قراءت قرآن واجب ہے۔ اسی طرح قعدہ میں تشہد واجب ہے۔ اس میں فناءِ تام ہونا اچھا نہیں تاکہ قراءت اور تشہد میں گڑبڑ نہ ہو، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز نفل کے سجدہ میں حالت فنا حاصل ہوتی تھی اسی لئے لوگوں نے سجدہ میں تیر کو نکالا قیام اور قعود میں نہیں نکالا۔ خلاصہ یہ کہ نوافل کے اُن ارکان میں حالت فناء کا طاری ہونا ۳۱۸ اچھا ہے جن میں کوئی ذکر طویل واجب نہیں جیسے رکوع۔ قومہ۔ یا سجدہ۔ اور جن ارکان میں قراءت یا تشہد واجب ہو اُن میں اتنی بشریت کا رہنا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہوتا رہے کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے خوب سمجھ لو۔ یہ جواب تو اسوقت ہے جبکہ فناءِ تام سے مُراد استغراق ہو جیسا شارح کے کلام سے متبادر ہے اور اگر فناءِ تام سے حضورِ تام مراد ہو تو اُس کا قاعدہ یہ ہے کہ حضور جتنا کامل ہوتا ہے اُسیقدر احکام عمدگی اور خوبی سے ادا ہوتے ہیں حضورِ تام سے تلقی خطاب اور تکمیل ارکان میں اصلا خلل نہیں ہوتا اس میں لذت خطاب کی ساتھ تلقی خطاب اور تکمیل ارکان سب جمع ہو جاتے ہیں اسلئے فرض اور نفل نماز میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں حضورِ تام دونوں میں مطلوب ہے کیونکہ حضورِ تام میں بشریت کے اوصاف باقی رہتے ہیں گو بعض دفعہ لذت خطاب سے مغلوب ہو جاتی ہیں مگر مستور نہیں ہوتے۔ اسی لئے ہمارے بزرگوں کا قول یہ ہے کہ نماز میں حضورِ تام ہونا چاہئے اور ذکر میں استغراق تام۔ **حضورِ تام** کی حقیقت وہی ہے جو حدیث نبوی

Marfat.com

میں ان الفاظ سے بیان کیگئی ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اس مراقبہ کو جسقدر کامل کیا جائے گا اُسی قدر حضور تام حاصل ہوگا جس کیلئے استغراق لازم نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۱۲۷) رہا یہ سوال کہ اس سکون کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟ تو علماء نے فرمایا ہے کہ سکون کی حد یہ ہے کہ انسان حدِ وقار سے باہر نہو (تو جبتک وقار محفوظ ہو سکون حاصل ہے) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد کو آتے ہوئے اقامت (کی آواز راستہ میں) سُن لیتے تو قدم بڑھاتے اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتے تھے یہ سکون کا انتہائی درجہ ہے (اُس سے زیادہ رفتار بڑھانے کو لپکنا یا دوڑنا کہا جائے گا جو وقار کی حد سے باہر اور سکون کے خلاف ہے)

اور اس سے معلوم ہوا کہ دین (بہت) آسان ہے کیونکہ صحابہ کو جب نماز میں دیر ہو جانے سے فکر ہوا اور فکر کی وجہ سے تیزی کیساتھ مسجد کی طرف چلے تو حضور نے اُن کیلئے اس کوتاہی کا کفارہ یہ مقرر کیا کہ جب نماز کو آیا کرو سکون سے آیا کرو (پھر جتنی نماز ملجائے اسکو پڑھ لو جو فوت ہو جائے اُسکو بعد میں پورا کرلو) حالانکہ (تاخیر صلوٰۃ معمولی جُرم نہیں) جس سے یہ خطا سرزد ہو یعنی نماز میں (وقت سے) تاخیر کردے وہ اس آیت (کی وعید) کا مصداق ہے (فخلف من بعدھم خلف) اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاً ۔ (پھر اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کردیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے سو عنقریب جہنم کے طبقہ میں داخل ہوں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اسکی تفسیر میں) منقول ہے کہ بخدا اُن لوگوں نے نماز کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ وقت مختار سے مؤخر کردیا تھا (جب جی میں آتا پڑھ لیتے تھے خواہ تنگ وقت ہو یا وسیع مستحب ہو یا مکروہ) جب اوقات کی فضیلت کا یہ درجہ ہے (کہ اُسکے فوت کرنے پر ایسی وعید ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے نماز کا کچھ حصہ رہ جانا کیا کچھ ہوگا کیونکہ وقت کے بارہ میں تو علماء کے درمیان اختلاف بھی ہے بعض اول وقت کو افضل فرماتے ہیں بعض اوسط کو

نماز کیلئے سکون و وقار کیسا اختیار کرے کی تحقیق +

دین آسان ہے ۳۱۹

Marfat.com

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو نماز ہو اُسکے متعلق تو کسی کو بھی اختلاف نہیں (بلکہ سب متفق ہیں) کہ وہ تمام نمازوں سے افضل نماز ہے (تو اتنی بڑی فضیلت میں کوتاہی کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا تو دوہی سمجھہ لو پھر اتنے بڑے جرم کا کفارہ کتنا آسان مقرر کیا گیا کہ نماز کیلئے سکون کی ساتھ آؤ۔ دوڑ کر آنے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکون سے آنا در اصل کفارہ نہیں بلکہ کفارہ تو وہ فکر ہے جو دوڑنے اور جلدی کرنے کا متقاضی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اہتمام اور فکر کو معلوم فرما کر امر سکون کو بجائے کفارہ کے ذکر فرمایا۔ پس سکون کیساتھ نماز کیلئے آنا اُسی وقت کفارہ تاخیر ہوگا جب اس کی ساتھ فکر و اہتمام بھی مجتمع ہو خوب سمجھہ لو) اور اسپر اصحاب قلوب کیلئے یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ نیک کام کا فکر و اہتمام بھی اُسکے فوت ہونیکا بدل ہو جاتا ہے، لیکن (یہ ظاہر ہے کہ) بدل سب باتوں میں اصل کی برابر نہیں ہو سکتا، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جبکہ زید (بن رحاثہ) نے آپ سے دریافت کیا کہ جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں اُسکے اندر اللہ کی (طرف سے) کیا علامت (ظاہر) ہوتی ہے (جس سے وہ یہ سمجھہ لے کہ خدا کو مجھہ سے محبت ہے) حضور نے فرمایا کہ اے زید! تم نے کس حال میں صبح کی ہے، کہا میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ اپنے دل میں خیر کی اور اہل خیر کی محبت پاتا ہوں اور اگر قدرت پاتا ہوں تو خیر کی طرف سبقت کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے فوت ہو جائے تو رنجیدہ اور نادم ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی اللہ کی محبت کی علامت ہے اُس شخص کیلئے جسکو وہ چاہتے ہیں اور اگر اسکے سوا وہ اور کچھ ارادہ کرتے تو دوسری حالت کیلئے تمکو تیار کر دیتے تو زید کے اس قول پر بھی کہ خیر کے فوت ہو جانے پر رنجیدہ ہوتا ہوں اُن کیلئے مضمون حدیث کی بشارت صحیح رہی (تو معلوم ہوا کہ عمل خیر کے فوت ہونے پر فکر اور رنج ہونا بھی عمل کے قائم مقام ہو جاتا ہے) اور اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے الندم توبۃ ندامت توبہ ہے اور اس میں عجیب علمی مضمون ہے کہ تنہا ندامت ہی گناہ کو دور کر دیتی ہے جبکہ کسی فعل ممنوع کا ارتکاب ہو گیا ہو، اگر ہم رسول اللہ

۳۲۰ محبت الٰہی کی علامت

تنہا ندامت بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ ندامت توبہ ہے ظاہر ہی پر محمول کریں - اور اگر یہ تاویل کریں کہ ندامت توبہ کے اسباب میں بڑا سبب ہے یا اُسکے اجزاء میں بڑا جزو ہی جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الحج عرفۃ (کہ حج عرفہ ہے) کے یہی معنی ہیں تو اس تاویل پر (تنہا ندامت سے تو گناہ دور نہ ہوگا البتہ) ندامت اس ورطہ سی خلاصی پانے کا بہت بڑا سبب ہو جائے گی جس میں گناہ کے بعد انسان پھنس جاتا ہی اور (جو صورت بھی ہو) دونوں ہی خیر عظیم ہیں اور (بہر حال) ندامت سے اُس نقصان کی تلافی تو (ضرور) ہو جاتی ہے جو خیر کے فوت ہونے سے ہوتا ہے جیسا اوپر بیان ہوا -

اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ما مسیٰ من مؤمن فیھا یعنی فی الدنیا ولا اصبح الا حزینا - مؤمن دنیا میں ہر صبح اور ہر شام غمگین ہی رہتا ہے کیونکہ دو حالتوں میں سے ایک حالت اُسکو ضرور پیش آتی ہے یا کسی مستحب کام سے غفلت یا سہو کی وجہ سے کسی مکروہ کا ارتکاب یہ تو کم سے کم ہے (اور ممکن ہے کبھی حرام کا بھی ارتکاب ہو جائے یا فرض ہی ترک ہو جائے تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی یہ خاص شان بیان فرمائی ہی کہ وہ دنیا میں ہمیشہ غمگین ہی رہتا ہے اگر غم اور رنج کچھ نفع نہ دیتا تو اسکو مقام مدح میں ذکر کرنے کی کچھ وجہ نہ تھی پس معلوم ہوا کہ حُزن و غم سے اُن کوتاہیوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے جو مؤمن سے بصورت ترک مندوب یا ارتکاب مکروہ سرزد ہوتی ہیں) اور اس مضمون پر بھی ایک فقہی مسئلہ اور ایک حقیقت و طریقت کا مسئلہ مرتب ہوا - فقہی مسئلہ تو یہ مرتب ہوا کہ کسی خیر کے فوت ہونے یا اُس کی ضد کے ارتکاب پر رنج ہونا ایمان کی علامت ہی اور تصوف کا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ (دل میں حُزن و غم رہنا چاہئے کیونکہ) صوفیہ کا قول ہی ان القلب اذا خلا من الحُزن خرب دل جب رنج و غم سے خالی ہوتا ہے ویران ہو جاتا ہے اور اس پر تصوف کا دوسرا مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ جس شخص کا یہ حال ہوگا اُسکی حالت (ہر دم) مراقبہ (اور نگہداشت) کی حالت ہو گی (کیونکہ ہر وقت رنج و غم اُسی کو ہو سکتا ہی جو ہر وقت حقوق و آداب پر نظر رکھے، اُسی کو اُن آداب کے فوت ہونے یا سہواً مکروہ کے سرزد ہو جانے سے رنج ہوگا اور جسکو حالت مراقبہ حاصل نہ ہو

Marfat.com

اُسکو یہی خبر نہو گی کہ مجھسے اس وقت کا کون ساحق فوت ہوا اور کون سے مکروہ کا ارتکاب ہوا) اور مراقبہ (ونگہداشت) بہت بڑی حالت (اور بیش بہا دولت) ہے مگر جسکو یہ حالت حاصل ہو اُسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خوف کے اندر اُمید بھی (ساتھ ساتھ) ہو ورنہ یہ شخص حالت کمال سے ناقص رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (ہمارے) اس (قول) کی دلیل ہے المؤمن تسرہ حسناتہ وتسوءہ سیئاتہ مؤمن کو نیکیاں خوش کرتی ہیں اور گناہ رنجیدہ کرتے ہیں تو یہ شخص جب اپنے دل میں پائے تو اسکو اس خوف سے خوش بھی ہونا چاہئے (کیونکہ خوف الٰہی بھی ایک حسنہ ہی بلکہ اعلیٰ درجہ کا حسنہ ہی) تو (عین حالت خوف میں) اسکے اندر ایمان کی دو علامتیں جمع ہوجائینگی ایک خوف کا اپنے موقع میں ہونا۔ دوسرے فرح کا اپنے محل میں ہونا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے اپنی ایک مناجات میں فرمایا ہی یکون خوفك خوف محب ومحبوب،، کہ مجھے آپ سے ایسا خوف حاصل ہو جیسا محب محبوب کا خوف ہوتا ہے کیونکہ عاشق (کے خوف کی تو یہ شان ہے کہ وہ) تو ادنیٰ ادنیٰ بات بھی (خطا کی اپنے اندر) دیکھتا ہے تو ڈر جاتا ہے کہ یہ بُعد (وفراق) کا سبب نہ ہوجائے،، اور محبوب (کے خوف کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بڑی سے بڑی بات بھی) موجب بُعد (وفراق) دیکھتا ہی تو (زیادہ نہیں گھبراتا کیونکہ) جانتا ہے کہ محبوب کو (ایسی ایسی) خطائیں کچھ ضرر نہیں دیا کرتیں اُسکو اپنی کسی خطاء سے رنج بھی نہیں ہوتا الپس مناجات کا حاصل یہ ہوا کہ میرے اندر نہ صرف عاشق کا ساخوف ہو کہ ذرا ذراسی خطا پر ناامید ہو جایا کروں نہ صرف معشوق جیسا خوف ہو جسکو اپنی کسی خطا سے بھی اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُسکو اپنے محبوب ہونے کا ناز ہوتا ہے بلکہ میرے اندر دونوں کے خوف کو جمع کر دیجئے تاکہ فکر تو ہر خطا سے بچنے کی ہو مگر نا اُمیدی کسی حال میں نہو) تو یہ شخص ایک ہی وقت میں شان محب اور شان محبوب کا جامع ہوگا اور یہ تمام حالات سے کامل تر حالت ہے اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے کرم سے اس کا اہل بنادیں۔ قولہ فی الوجہ السادس واما الجواب علی قولنا ھل للسکینۃ حد امرلا الی قولہ جعلنا اللہ من اھلھا بمنہ +

(باقی آئندہ)

ف۔ خوف کی ساتھ رجاء کا جمع کرنا ہر حال میں ضروری ہے اسپر علماء اور صوفیہ سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اسپر ایک اشکال واقع ہوتا ہے کہ جس وقت کسی وارد کی وجہ سے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو عین غلبہ کی حالت میں رجا کو کیونکر جمع کیا جائے کیونکہ غلبۂ خوف بے اختیار ہوتا ہے اور شدت کیساتھ ہوتا ہے اُسوقت ضد کو اُسکی ساتھ کیونکر جمع کیا جائے، شارح نے اس کا عجیب حل کیا ہے کہ عین حالت خوف میں اس خوف ہی سے اُسکو خوش ہونا چاہئے کہ الحمدللہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا خوف عطا فرمایا جو بہت بڑی دولت ہے جسپر بہت بڑی بشارت نص قرآن میں وارد ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان ۔ بس اس سے رجاء حاصل ہو جائیگی، غلبۂ خوف میں اگر انسان کو اپنے اندر کوئی عمل صالح نظر نہیں آتا نہ اپنی نماز نماز معلوم ہوتی ہے نہ ذکر و تلاوت طاعت معلوم ہوتی ہے ساری حسنات سیئات ہی نظر آتے ہیں تو یہ خوف تو اُسکو اپنے اندر ضرور نظر آتا ہے بس اسکو اسی سے خوش ہونا چاہیے۔ اس خوف پر خوش ہونے ہی سے رجا حاصل ہو جائے گی۔ بقیہ نعمتوں اور طاعات کو سوچنے کی اور ان سے رجا حاصل کرنیکی ضرورت نہیں۔ سبحان اللہ کیسا عجیب حل ہے؟ سچ ہے اولٰئک ھم الفلاسفۃ حقا۔

۳۲۳

سی و ہشتم ۳۸ (حدیث القیام الی الصلوٰۃ)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کیلئے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے (مسجد کی طرف آتا ہوا) نہ دیکھ لو کھڑے نہوا کرو، اور سکون و وقار کیساتھ (بیٹھے) رہو۔

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ اقامت کے بعد کھڑا ہونا ضروری نہیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) باہر نہ آجائیں۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا قول اس حدیث کے موافق ہے اور یہی اُن کی حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقامت کیوقت کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کو اختیار ہے خواہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہوں یا وسط یا امام کے نماز شروع کرنے پر کھڑے ہوں۔ اور امام شافعی رح کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اُسوقت سبکو کھڑا ہونا چاہیے (ذکرہ الشارح نفسہ فی الوجہ الخامس

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہی تکبیر کہہ دیتے تھے۔

حنفیہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا اور یہ کہا ہے کہ اگر اقامت کیوقت امام مسجد کے اندر موجود نہو بلکہ مسجد سے باہر حجرہ وغیرہ میں ہو اسوقت تو امام کو دیکھکر نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہئے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو چاہئے۔ اور اگر اقامت کیوقت امام مسجد میں موجود ہو تو قد قامت الصلوٰۃ پر سبکو اٹھنا چاہئے علامہ طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں تصریح کی ہے کہ حنفیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ سے قیام کو مؤخر نہ کیا جاوے یہ معنے نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے پس یہ ایسی سنت نہیں ہے جسپر اصرار اور مبالغہ کیا جائے نہ سلف نے اسپر اصرار کیا بلکہ تمام بلاد اسلام میں علماء نے اس میں توسع ہی رکھا ہے جس کا جی چاہے اول اقامت سے کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے امام کی تکبیر پر کھڑا ہو، اس پر اصرار کرنا اور جو ایسا نکرے اسپر انکار وطعن کرنا حد سے تجاوز ہے اور یہ صورت تو سلف سے کہیں بھی منقول نہیں جو آجکل ہندوستان ۳۲۴
کے بعض شہروں میں رواج پا رہی ہے کہ امام شروع اقامت میں یا اقامت کے متصل اپنے مصلے پر آکر اس غرض سے بیٹھتا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو۔ فقہاء نے تو ان لوگوں کیلئے جو پہلے سے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں اٹھنے کا ایک معیار بتلایا تھا، ان کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اس معیار کو جاری کرنے کیلئے قیام سے قعود کیا کرو اور قد قامت الصلوٰۃ پر اٹھا کرو مگر آجکل کچھ لوگوں کو نئی نئی باتیں نکالنے میں مزا آتا ہے جسکے لئے اہل دنیا نے تو ملبوسات مطعومات کو تختہ مشق بنایا تھا ائمہ مساجد نے عبادات کو تختہ مشق بنا لیا فالی اللہ المشتکی) اس حدیث پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام کی تعلیم بطریق کمال دیدی ہے۔ کیونکہ آپ نے اس چھوٹی سی بات کو بھی نہیں چھوڑا جسپر بہت کم کسی کی نظر جاتی ہے مگر حضور نے قول و فعل سے اسکو بھی ظاہر کر دیا اس تعلیم میں رفق (اور سہولت) کی بھی عایت ہے اور واقعی رسول اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر بہت ہی مہربان تھے۔ آپ کو یہ احتمال ہوا کہ شاید

Marfat.com

کسی وقت جماعت میں کوئی کمزور آدمی ہوا گروہ بھی اقامت کو سنکر کھڑا ہو اور کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (باہر تشریف لانے میں) دیر ہوگئی تو یہ کمزور آدمی نماز اسوقت شروع کرے گا جبکہ پہلے سے کھڑا کھڑا تھک گیا ہوگا اور کیا عجب ہے کہ تھک کر بیٹھ جائے بیٹھکر نماز ادا کرے اور قیام (کی فضیلت) اُس سے فوت ہو جائے۔ اور ممکن ہے کسی وقت گرمی یا سردی ہو اور حضرات صحابہ میں زیادہ ایسے ہی تھے جنکے پاس کپڑے کم تھے اور کھڑے ہوئے آدمی کو گرمی سردی زیادہ لگتی ہے تو اقامت کیوقت سے کھڑا ہونا اُن کیلئے نماز میں تشویش کا سبب ہوگا اور اسپر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ عبادت کرنے والیکو نماز یا اور کسی عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اُسے کس حالت پر عبادت کرنا چاہئے جس سے عبادت اچھی طرح ادا ہو۔ اور تشویش و پریشانی کا سامنا نہو۔ قولہ الوجہ الرابع فیہ دلیل علی توقیتہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم جمیع الاحکام الی قولہ ولا یکون معہ تشویش۔

عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے اپنی حالت کو دیکھ لینا چاہئے

۳۲۵

ف۔ بعض اہل اللہ اسی سنت پر نظر کرکے اپنے خدام کو ذرا ذرا سی چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو دیکھنے میں معمولی اور چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ اور اثر کے لحاظ سے بہت بڑی ہوتی ہیں اُنپر ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بڑے سخت گیر ہیں۔ اتنی معمولی معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے انکو اس مقام سے سبق لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تمام احکام پوری طرح پہونچائے ہیں۔ معمولی سے معمولی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپنے نہیں چھوڑی، مگر وہ باتیں ناواقف ہی کی نظر میں معمولی ہیں۔ حکماء و عقلاء کی نظر میں جب اُن کی حکمتیں آتی ہیں تو پہاڑ سے بھی بڑی دکھائی دیتی ہیں۔

احکام میں کمزوروں کا اول لحاظ کیا جائے

(۱۲۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں قوی (لوگوں) کو کمزوروں کا تابع کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عموم کیساتھ ارشاد فرمایا ہے لا تقوموا حتی ترونی جبتک مجھے نہ دیکھ لو (نماز کیلئے) کھڑے نہ ہو جس میں قوی اور ضعیف سبکو یکساں (مساوی) خطاب ہے (حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے ضعفاء کھڑے نہ ہوں۔ اقویاء کھڑے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ آپنے کمزوروں کی رعایت سے "قانون مقرر فرمایا اور اقویاء کو اُن کا تابع کردیا اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے سیروا بسیر

Marfat.com

اضعفکم۔ اپنے کمزور ساتھیوں کی چال چلا کرو (اقویاء کی چال نہ چلو ورنہ کمزور پیچھے رہ جائیں گے یا تھک کر پریشان ہوں گے اور سب کو پریشان کریں گے) قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل علی ان یحمل القوی الی قولہ سیروا بسیر اضعفکم۔

ف حضرات اہل اللہ کو اس سنت کا بہت زیادہ اہتمام ہے جیسا اُن کی صحبت میں رہنے سے معلوم ہو سکتا ہے ۱۱

(۱۳۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں حکمت کیساتھ قدرت (الٰہیہ) پر بھی نظر رہنا چاہئے چنانچہ اس مسئلہ میں حکمت کا پہلو تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کی ایک حالت بیان فرمائی ہے کیونکہ اقامت نماز وقتیہ کے شروع ہونیکا وقت بتلانے کی ایک علامت ہے (تو حضور نے بتلا دیا کہ یہ ضرور نہیں کہ اقامت ختم ہوتے کے ساتھ ہی امام اللہ اکبر کہدے کبھی کسی عذر سے اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے) اور قدرت پر نظر یہ ہے کہ حضور نے لوگوں کو اُسوقت تک کھڑا ہونے سے روکدیا جب تک آپکو نہ دیکھ لیں۔ کیونکہ ممکن ہے غیب سے کوئی مانع پیش آجائے جو وقت پر آپ کو باہر تشریف لانے سے روکدے اور احکام حکمت کیساتھ قدرت کو پیش نظر رکھنا اہل فہم کے نزدیک بڑا بلند مرتبہ ہے جیسا چند حدیثوں میں ہمنے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی لحظ القدرۃ الی قولہ فی غیر ما حدیث،،

(۱۳۱) اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے ،، کہ عبادت کا ادب یہ ہے کہ اعلی (حالت) سے ادنی کی طرف نہ لوٹے چنانچہ حضور نے اُسوقت تک کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے جب تک آپکو دیکھ لیں مبادا تقدیر سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو موجب تاخیر ہو تو اسوقت لوگوں کو عبادت کیلئے کھڑے ہو جانے کے بعد قعود کی طرف لوٹنا پڑے گا جس میں (ایک گونہ) نقصان مرتبہ ہے قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ فیکون نقص مرتبۃ،،

(۱۳۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو کام مقدم ہو پہلے اس کا پورا اہتمام کیا جائے اگرچہ اُس کا مابعد اُس سے بھی ارفع (وافضل) کیوں نہ ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ جبتک مجھے نہ دیکھ لو اُسوقت تک (نماز کیلئے) نہ کھڑے ہو۔ حالانکہ نماز یقیناً اقامت
سے ارفع واولی ہے مگر اس وقت امام کو دیکھنے میں مشغول رہنا کہ باہر آگیا ہے یا نہیں جو (درحقیقت)
اقامت کے حق کو ادا کرنا ہے نماز میں مشغول ہونے سے اولیٰ ہے جو اقامت کے جملہ شرائط
ادا کرنے کے بعد شروع ہوگی، اس میں حکمت کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر حقدار کا حق پورا
ادا کیا جائے اگرچہ قلیل ہی ہو۔ اعلیٰ کا حق ادا کرنا ادنیٰ کا حق ادا کرنے سے مانع نہو۔ اسکی دلیل
بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے فلا تقوموا حتی ترونی"

۳۲۷ (۱۳۳) حدیث میں حضرات صوفیہ کی (اس تعلیم کی بھی) دلیل ہے کہ وہ ادائگی حق وقت میں
مشغول رہنے اور اسکی نگہداشت رکھنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں اگرچہ معمولی ہی حق ہو"
کیونکہ امام کو دیکھتا رہنا جسکی تعلیم اس حدیث میں ہے) ایک معمولی بات ہے مگر چونکہ اس
وقت کا حق ہے تو اسکو چھوڑکر اگلے کام میں مشغول نہونا چاہیئے اگرچہ وہ اس سے اعلیٰ ہی ہے
حق وقت میں سستی سے کام نہ لو ورنہ عتاب یا مذمت سے دوچار ہونا پڑے گا" بعض
اہل خیر کا ارشاد ہے جو شخص اپنے وقت کا حق پوری طرح ادا کرتا رہے گا اگرچہ قلیل ہی ہو
اُس کا بوجھ ہلکا ہوگا، فکر کم ہوگا۔ علم درست ہوگا۔ عمل اچھا ہوگا، کامیابی اور معرفت کا لقب
اُسکے لئے راست ہوگا۔ دین ودنیا دونوں میں سودمند ہوگا۔

ف۔ حق وقت کی تاکید حضرات فقہاء نے بھی فرمائی ہے چنانچہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ
تلاوت قرآن کرتے ہوئے اگر اذان ہونے لگے تو تلاوت کو موقوف کرکے اذان کا جواب
دینا افضل ہے کیونکہ یہ جواب سنت وقت ہے اور سنت وقت دوسرے اعمال سے مقدم
وافضل ہے اگرچہ وہ اعمال فی نفسہٖ اس سنت سے ارفع ہوں مگر حق وقت کی وجہ سے سنت
وقت اُن سے مقدم ہوگی۔ پس عارف کو ہر وقت یہ سوچتا رہنا چاہیئے کہ اس وقت کا میرے
اوپر کیا حق ہے؟ اگر کوئی خاص حق نہو تو اللہ کی یاد میں لگا رہنا تو ایسا حق ہے جس سے کسی وقت
کو خالی نہ جانے دیا جائے جعلنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضی"

ادائے حق وقت کا لحاظ رکھو

سی و نہم ۳۹ حدیث انتظار الامام

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نماز کیلئے اقامت کہی گئی لوگوں نے صفیں برابر کرلیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھ گئے حالانکہ آپ اسوقت جنابت کی حالت میں تھے پھر جب آپ کو یاد آیا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ پر رہو پھر واپس (گھر میں) گئے اور غسل کیا پھر اسی حالت میں تشریف لائے کہ آپکے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپنے نماز پڑھائی"

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ لوگ نماز کیلئے صفیں برابر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے یہانتک کہ آپ لوٹ (کر گھر میں) گئے اور غسل کیا اور باہر تشریف لائے" اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۳۴) اس سے معلوم ہوا کہ قرینۂ حال سے حکم لگانا جائز ہے جبکہ ایک صورت کے سوا کسی اور صورت کی گنجائش ہی نہو، اسکی دلیل صحابی کا یہ قول ہے وھو جنب کہ آپ جنابت کی حالت میں تھے، کیونکہ صحابی کو اس کا علم قرینۂ حال ہی سے ہوا تھا اور قرینہ وہ ہے جو بعد میں بیان کیا ہے کہ آپ اس حالت میں تشریف لائے کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا اس قرینہ پر نظر کرکے اس کے سوا اور کسی احتمال کی گنجائش نہیں کہ اسوقت حضور کو غسل کی ضرورت تھی اور غسل بھی مستحب یا سنت نہ تھا بلکہ فرض تھا) کیونکہ جب حضور نے نماز کو چھوڑا حالانکہ لوگ صفیں برابر کرچکے تھے اور اُن کو اپنے انتظار کا حکم دیا پھر غسل کرکے آپ باہر تشریف لائے تو اس جگہ جنابت کے سوا اور کوئی وجہ نہیں بن سکتی۔ پس صحابی نے صحیح کہا اگر کوئی دوسرا احتمال ہوسکتا تو صحابی یقین اور جزم کیساتھ حکم نہ لگاتے، اسپر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ جس دلیل سے مدلول تک قطعی طور پر رسائی ہوجائے وہی علم صحیح حاصل کرنے کا راستہ ہے جسپر حکم لگادینا چاہئے (خواہ قرینہ حال ہو یا کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو) قولہ الوجہ السادس۔ ۳۲۸

فیہ دلیل علی جواز الحکم بقرینۃ الحال الی قولہ یجب الحکم بہ"

ف۔ یہ قاعدہ علم فقہ اور علم تصوف دونوں میں مشترک ہے۔ فقہاء اور صوفیہ دونوں اس قاعدہ سے کام لیتے ہیں اگرچہ فقہاء قرائن پر حکم کم لگاتے ہیں اور صوفیہ زیادہ مگر قاعدہ دونوں کے یہاں مسلّم ہے لیکن قرینہ پر حکم لگانیکی یہ شرط ہے کہ اس میں ایک صورت کے سوا

Marfat.com

دوسری صورت کی گنجائش ہی نہو، جیسا واقعہ حدیث میں واضح ہے۔

حوائج بشریہ عبادت کے منافی نہیں

(۱۳۵) حدیث میں اس باب کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں حوائج بشریہ میں داخل ہیں وہ عبادت کے منافی نہیں ہیں بشرطیکہ طریق مشروع (یعنی جائز طریقہ) پر ادا کی جائیں کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالاجماع سب سے زیادہ عبادت کرنیوالے تھے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ضروریات بشریہ جماع وغیرہ کچھ بھی آپ کی عبادت میں مخل نہوتی تھیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ضروریات کو طریق مشروع پر ادا کرتے تھے اور بشریت کے اندر رہتے ہوئے غایت کمال یہی ہے کیونکہ اس وقت امور طبعیہ اوامر الٰہیہ کے تابع ہو جاتے ہیں (اور اس کا غایت کمال ہونا ظاہر ہے کہ احکام الٰہیہ طبیعت ثانیہ بن جائیں اور امور طبعیہ احکام الٰہیہ کے تابع ہو جائیں) اللہ تعالے فرماتے ہیں ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذرية تا۔ (اور ہمنے آپسے پہلے بھی بہت رسول بھیجے ہیں اور ہمنے انکو بھی بیوی بچے دئے تھے) مطلب وہی ہے (کہ سب کے سب ضروریات بشریہ کا حق ادا کرتے تھے) اور بیوی بچوں کا ذکر
۳۲۹ (خاص طور سے) اسلئے کیا گیا کہ یہ دونوں ان اسباب میں سب سے اعظم (واشد) ہیں جن سے (عام) لوگ مبتلائے فتن ہوتے ہیں۔ نیز نکاح تمام شہوتوں میں سب سے بڑی شہوت ہے۔ غرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پوری طرح طبیعت بشریہ پر تھے (تقاضائے بشریت سب کے سب انکے اندر موجود تھے اور وہ سب کا حق ادا کرتے تھے) مگر یہ انکو احوال عالیہ کا حق ادا کرنے یعنی نبوت و رسالت کا حق پوری طرح ادا کرنے سے ذرا مانع نہ ہوتا تھا اور اسی سے دوسروں کا عذر ساقط ہو گیا (کہ بشریت کیساتھ حق عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس عذر کو باطل کرنے کیلئے ہی انبیاء و رسل فرشتوں میں سے نہیں بھیجے بلکہ انسانوں میں سے بھیجے تاکہ ان کو دیکھکر یہ حقیقت واضح ہو جائے) کہ ضروریات بشریہ (اور طبیعت انسانیہ) ان احکام کی بجا آوری سے مانع نہیں ہو سکتی جنکا (بارگاہ) ربوبیت نے انکو مکلف بنایا ہے پس اللہ کی حجت بندوں پر قائم ہو گئی قل فلله الحجة البالغة (کہدیجئے حجت کاملہ تو اللہ ہی کیلئے ہے)

(۱۳۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین (کے معاملہ) میں حیا (و شرم) کی ضرورت نہیں

Marfat.com

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنا جنبی ہونا یاد آگیا تو آپ نے کوئی بہانہ نہیں کیا نہ سر کو چھپایا تاکہ (لوگ یہ سمجھیں کہ نکسیر پھوٹ گئی ہوگی اور) جنابت کا حال مخفی رہے بلکہ آپ نے صورت واقعہ کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا تاکہ اُس سے یہ قاعدہ اخذ کرلیا جائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے (کہ دین کے معاملہ میں شرم عُرفی کی ضرورت نہیں) قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی عدم الحیاء فی الدین الی قولہ حتی تتحد ھذہ القاعدۃ التی ذکرنا،،

(۱۳۷) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ عبادت میں کاوش کرنا اور وہم میں پڑنا یا بدعت ہے (اگر بقصد ہے) یا مصیبت ہے (اگر بلا قصد ہے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میں زیادہ دیر نہیں کی جسکی دلیل صحابی کا یہ پرشوکت قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کھڑا ہوا چھوڑا اور واپس تشریف لیگئے پھر غسل کیا اور باہر آگئے پھر اُنکو نماز پڑھائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آپکے انتظار میں کھڑے ہی رہے۔ اگر آپ کا غسل دیر میں ہوا کرتا تو آپ یقیناً صحابہ کو بیٹھنے کا حکم دیکر جاتے کیونکہ امت کیساتھ

آپ کی نرمی اور شفقت اور تمام اُمور میں یُسر و سہولت کی رعایت جسقدر تھی وہ ایسی بیّن ہے جسکے لئے دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ایک اور علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ طہارت میں (خواہ وضو ہو یا غسل) جلدی کرنا اور نماز میں دیر تک مشغول رہنا ہی سُنّت ہے، حضور نے اس مسئلہ کو اپنے عمل سے ظاہر فرمادیا کیونکہ عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی عادت تھی کہ خطبہ کو مختصر کرتے تھے اور نماز کو طویل، مگر آجکل اکثر مدعیان علم کا طرز عمل اسکے خلاف ہے۔ پھر ہم سے اُن کی اقتداء کیونکر ہو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اپنے فضل و احسان سے اس (بلا) سے بچائے،،

قولہ فیہ دلیل علی ان التعمق فی العبادۃ والوسواس الی قولہ اعاذنا اللہ من ذلک بمنہ۔

(باقی آیندہ)

عبادات میں کاوش اور وہم کرنا بدعت ہے

۳۳۰

وضو اور غسل میں جلدی کرنا اور نماز میں دیر کرنا سنت ہے

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ النور بابتہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ

(۱۳۸) اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ عبادت کرنیوالے کو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اپنے حال پر رہو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اسوقت وہ توجہ (الی اللہ) کیلئے کھڑے ہو چکے تھے تو حضور نے یہ پسند نہ کیا کہ اُن سے یوں کہا جائے کہ پھر (پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ اور) بیٹھ جاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔

(۱۳۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمانہ مابعد سے زیادہ قوی تھا کیونکہ صحابی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صفیں برابر کر لیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (صفوں کے سیدھا کرنے کا حکم دینے کی نوبت نہیں آئی۔ نیز آپ کو صفیں سیدھی ہو جانے کی) خبر دینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (بلکہ لوگوں نے خود ہی صفیں سیدھی کر لیں اور حضور بھی بیفکر رہے) اور زمانہ خلفاء کیمتعلق (روایات میں یہ) آیا ہے کہ اُنہوں نے کچھ آدمیوں کو صفیں سیدھی کرنے پر مامور کر رکھا تھا جبتک وہ آکر اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں اسوقت تک وہ حضرات نماز کیلئے تکبیر نہ کہتے تھے جیسا امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کیا ہے تو دونوں زمانوں کے ایمان میں فرق نمایاں ہو گیا) پھر ہمارے زمانہ کے ایمان کا حال کیا پوچھتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل ہی سے ہمکو ایمان کا بڑا حصہ عطا فرمائے۔

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قوت ایمان کے اندازہ ہی سے اعمال صالحہ میں خفت (اور سہولت) ہوتی ہے جسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین نماز بیشک بہت گراں ہے مگر اہل خشوع پر نہیں اس کمال قوت ایمان ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے ایسے کارنامے ظاہر ہوئے جو دوسروں کے ہاتھوں ظاہر نہیں ہوئے اور نہ وہ اسپر قادر ہیں، صحابہ کے بعد حضرات صوفیہ کا درجہ ہے کہ ان کے ابدان کو ان مجاہدات (شاقہ) کا تحمل اور اُن پر ان حالات عالیہ کا ظہور اسی قوت ایمان کی وجہ سے تو ہے (جو اُن کو دوسروں سے زیادہ حاصل ہے) قولہ

الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی ان الایمان الی قولہ الا بقوۃ ایمانھم

عبادت میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف عود نہ کرنا چاہئے

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا ایمان بعد زمانہ کے زیادہ قوی تھا

قوت ایمان ہی سے اعمال میں سہولت ہوتی ہے

۳۳۱

Marfat.com

(۱۴۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہئے جب اُسے کوئی عذر پیش آ جائے بشرطیکہ نماز میں داخل نہ ہو گئے ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انتظار اُسی وقت کیا جائے جبکہ عذر تھوڑی دیر کا ہو جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر اتنی دیر کا تھا کہ آپ نے غسل کر لیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا انتظار اُسی وقت کیا جائے جبکہ اُسنے جماعت کو انتظار کا حکم دیا ہو۔ یہ مضمون اس حدیث کو اُس حدیث کیساتھ ملانے سے مفہوم ہوا جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بعض قبائل عرب میں صلح کرانے کیلئے (قبا) تشریف لیگئے اور نماز کا وقت آگیا تو صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو صحابہ نماز میں تھے آپ نے ان کی ساتھ اپنی نماز پوری کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تمنے اچھا کیا او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ جب آپ باہر تشریف لیگئے اور لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ نماز میں آپ کا انتظار کریں تو صحابہ نے نماز کا وقت ہو جانے پر نماز شروع کر دی جسکے وہ مامور تھے اور اس واقعہ میں حضور نے انکو انتظار کا حکم دیا تھا تو اُنھوں نے حکم کی تعمیل کی، ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے وہ علمی مسئلہ مستنبط ہوا جسکو ہم نے ابھی بیان کیا ہے، البتہ اگر نمازیوں کو یقین ہو (یا گمان غالب ہو) کہ امام کا عذر تھوڑی دیر کا ہے تو اگرچہ اُسنے انتظار کا حکم نہ دیا ہو تب بھی اسکی حرمت کی وجہ سے (کچھ دیر تک) اس کا انتظار کرنا چاہئے جبکہ وقت میں گنجایش ہو اور وقت مستحب کے نکلنے کا اندیشہ نہ ہو (بلکہ) بعض علماء نے (تو یہانتک) فرمایا ہے کہ (نمازیوں میں سے بھی) اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نماز پڑھنے کا پابند ہو اور نماز کا وقت آ جائے اور وہ شخص نہ آیا ہو تو اتنی دیر اس کا انتظار کیا جائے جتنی دیر میں ایک نماز ادا ہو جائے (یعنی دو رکعت کی برابر انتظار کیا جائے) اسکے بعد نماز شروع کر دیں کیونکہ اُسکی پابندی کا بھی ایک حق ہے (جس کا احترام کرنا چاہئے) اُسکی بیقدری نکرنا چاہئیے، اور یقیناً امام کی حرمت (اور اس کا حق) بہت زیادہ ہے، خوب سمجھ لو اسی مناسبت سے ہم ایک شیخ کی حکایت بیان کرتے ہیں جو تمام نمازوں میں (پابندی سے) آیا کرتے اور مسجد کے دروازہ پر اذان دیکر مسجد میں داخل ہوتے تھے ایک دن وقت معین سے ذرا پیچھے رہ گئے تو مؤذن نے نماز کیلئے اقامت کہدی اور لوگوں نے نماز شروع کر دی

جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہئے ۳۳۲

Marfat.com

شیخ تشریف لائے تو لوگوں کو نماز میں دیکھا جس سے اُن کا دل متغیر ہوا کیونکہ (آج) اُن سے اذان (واقامت) فوت ہوئی (اور تکبیر تحریمہ بھی فوت ہوئی) مگر اُنہوں نے (کسی کو) کچھ نہیں کہا جب رات ہوئی تو موذن نے خواب میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے فرما رہے ہیں تأدب مع الشیخ شیخ کی ساتھ مؤدب ہوکر رہو (تمیز سے کام کیا کرو بدتمیزی کا معاملہ نکرو) جب صبح کی نماز کیلئے شیخ تشریف لائے تو (خود ہی) موذن سے فرمایا کیا تونے یہ سمجھا ہے کہ میری ساتھ کوئی نہیں جو میرا بدلہ لے (شیخ کو موذن کا خواب بطور کشف کے پہلے ہی معلوم ہوگیا) تب موذن نے توبہ کی اور شیخ سے معافی مانگی،، اسی طرح جو شخص بھی اپنے مولے کی ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے وہ اسکی مدد کرتا ہے،، قولہ فی الوجہ الاول والثانی والثالث ان الجماعۃ ینتظرون الامام الی قولہ فانہ ینصرہ،،

ف ہرچند کہ یہ مسئلہ تصوف کا نہیں مگر صوفیہ کے معمولات میں سے ہے وہ اپنی خانقاہوں کی مساجد میں شیخ کا انتظار نماز کیلئے ضرور کرتے ہیں، بدون شیخ کے نماز شروع نہیں کرتے چونکہ عموماً خانقاہوں کی مساجد میں اہل خانقاہ ہی زیادہ ہوتے ہیں جنکو شیخ کا انتظار گراں نہیں ہوتا۔ اسلئے اس انتظار میں کوئی قباحت نہیں جب تک وقت میں گنجائش رہے۔ خانقاہ امدادیہ میں حالانکہ کسی کو بھی حضرت شیخ کی تشریف آوری سے پہلے نماز شروع کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ گراں گذرتا ہے مگر حضرت حکیم الامت کا ارشاد ہے کہ پانچ منٹ سے زیادہ میر انتظار نکیا جائے۔ بہرحال انتظار امام کیلئے یہ حدیث حجت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چہل ہشتم [حدیث سبعۃ یظلہم اللہ یوم القیامۃ فی ظل عرشہ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جنکو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سایہ میں جگہ دینگے جس دن کہ اُسکے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا (ایک) امام عادل اور (دوسرا) وہ جوان جس کا اُٹھان اپنے پروردگار کی عبادت میں ہوا ہو۔ اور (تیسرا) وہ شخص جس کا دل مسجد والی

Marfat.com

ہی ہیں اٹکا رہتا ہو اور (چوتھے) وہ دو شخص جن میں باہم اللہ کیلئے محبت ہو اسی پر جمع ہوتے ہیں اسی پر جدا ہوتے ہیں، اور (پانچواں) وہ شخص جسکو کسی معزز خوبصورت عورت نے (اپنے پاس غرض نفسانی کیلئے) بلایا اور اس نے (صاف) کہدیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (چھٹا) وہ شخص جس نے کچھ صدقہ کیا اور چھپا کر دیا یہانتک کہ اسکے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے اور (ساتواں) وہ شخص جس نے اللہ عزوجل کو تنہائی میں یاد کیا پھر اسکی آنکھیں بہنے لگیں،، (اللہ کی محبت یا ہیبت سے رونے لگا)

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان سات شخصوں کو جن کا ذکر ہوا اللہ تعالیٰ قیامت میں سایہ کی جگہ دیں گے جبکہ اللہ کے سوا کسی کے پاس سایہ نہ ہوگا،، اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱) حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ انسان کی سعادت پر دلالت کرتے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سات شخص ہیں جنکو حق تعالیٰ قیامت میں سایہ دیں گے پھر آپنے سایہ کا سبب ان اعمال کو بتلایا جن کا حدیث میں ذکر ہے) قولہ الوجہ الثانی فیہ دلیل علی ان اعمال الخیر دالۃ الیٰ قولہ فجعل موجب الظل تلک الاعمال،،

(۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم سے تمام اعمال صالحہ مطلوب ہیں اگرچہ بعضے افعال فرض (و واجب) بھی نہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال کا ثواب بیان فرمادیا اور ان (سب) کے بجالانے کا حکم نہیں دیا (بلکہ ان میں سے بعض کا تو آپنے حکم دیا ہے جو واجب ہیں اور بعض کا حکم نہیں دیا جو مستحب ہیں) کیونکہ فائدہ کا زیادہ ہونا ضمناً خود ہی عمل پر ترغیب دیتا ہے،، قولہ فیہ دلیل علی ان جمیع افعال البر مطلوبۃ منا الیٰ قولہ لان کثرۃ الربح تحض بضمنہ علی المعاملۃ،،

(۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال پر ثواب کا عطا ہونا کسی علت عقلیہ یا علت ذاتیہ پر مبنی نہیں کیونکہ ان سات اعمال میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں اور ثواب سب کا برابر ہے (کہ عرش کا سایہ عطا ہوگا) اور دلائل شرعیہ کی بنا پر امت کا اسپر اتفاق ہے کہ فرائض کا مرتبہ دوسرے اعمال سے بڑھا ہوا ہے پس اگر ثواب کی بنا کسی علت پر

اعمال صالحہ دخول سعادت ہیں

اعمال صالحہ سب مطلوب ہیں

ثواب کی بنا کسی علت پر نہیں

Marfat.com

ہوتی تو فرض و مستحب کا ثواب برابر نہ کیا جاتا حالانکہ یہاں برابر کر دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ) یہ کسی علت کی وجہ سے نہیں (بلکہ اللہ تعالےٰ کی مرضی پر ہے) تو فی الوجہ الخامس فیہ دلیل علی ان اعطاء الاجور علی الاعمال الی قولہ فلیس ذلک لعلۃ۔

(۱۴۴) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ان ساتٹ اعمال کیساتھ اس ثواب کا مخصوص ہونا امر تعبدی ہے جسکی کوئی علت عقلی نہیں یا قیاسی ہے جسکی علت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے؟ اگر کہا جاوے کہ یہ امر تعبدی ہے جسکی علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی تب تو کچھ بحث نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اسکی علّت معقول ہے تو وہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب واللہ اعلم یہ ہے کہ یہاں دو علتیں ہیں ایک تو پوری قوت سے نفس کو اور اس کی خواہش کو دبانا اور یہ دنیا و آخرت کی خیر کیلئے بہت بڑا سبب ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (اور جس نے نفس کو خواہش سے روک لیا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رجعتم من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر وھو جھاد النفس (اب تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس جارہے ہو جو کہ نفس کا جہاد ہے) اور دوسری علت حقیقت اخلاص کا حاصل ہونا) ہے اور (اس کی عظمت اور اس کا موجب ترقی و رفعت ہونا ظاہر ہے) حق تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین لوگوں کو اور کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا بجز اسکے کہ اللہ کی عبادت کریں خلوص کیساتھ اللہ کیلئے منقاد بنکر۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اللہ لا یقبل عمل امرئ حتی تیقنہ قالوا وما اتقانہ یا رسول اللہ قال یخلصہ من الریاء والبدعۃ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اسکو پختہ نہ کرلے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عمل کی پختگی کیا ہے فرمایا یہ کہ اسکو ریاء اور بدعت سے پاک کرلے اور ریاء کا چھوڑنا ہی عین اخلاص ہے اور ان دونوں علتوں کی علّت اللہ عزوجل کا خوف ہے (خوف ہی کی وجہ سے اخلاص کی طلب اور ریاء سے نفرت ہوتی ہے اور اسی سے نفس کو دبانے اور اسکی خواہشوں کو فنا کرنے کی ہمت ہوتی ہے)

خواہش نفس کو پوری طرح دبانا اور اخلاص حقیقی کا حاصل کرنا ہی کامیابی کا سبب ہو ۳۳۵

عمل کی پختگی یہی ہے کہ اسکو ریا و بدعت سے پاک کیا جائے

Marfat.com

اب تم ان سب میں الگ الگ غور کرو تو (خود ہی اسکی تصدیق کرو گے ،،

چنانچہ اول امام عادل ہی کو لو کہ وہ اپنے کو محض شدت خوف الٰہی کی وجہ سے ہی ظلم سے روکتا اور اپنے نفس کو عدل پر مجبور کرتا ہے باوجودیکہ اُسکو ظلم پر قدرت حاصل ہے کیونکہ وہ ظالمانہ حکم بھی دے سکتا ہے اور دوسروں کو دبا بھی سکتا ہے کوئی اُسکو ظلم سے روک نہیں سکتا (اب بجز شدت خوف خدا کے کیا چیز ہے جو اُسکو عدل پر مجبور کر رہی ہے) اور ایک حدیث میں اس شخص کی حکایت ہے جسنے اپنے گھر والوں کو وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں مجھے جلا دینا چنانچہ وہ مرگیا تو اُنہوں نے ایسا ہی کیا حق تعالیٰ نے اس (کے تمام اعضاء) کو جمع کیا اور (زندہ کرکے) اُس سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی کہا اے پروردگار! محض تیرے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُسکو بخش دیا، تو شدت خوف ہی اس شخص کی نجات کا سبب بنی رہا وہ جوان جس کا اُٹھان اللہ کی عبادت میں ہوا، تو (ظاہر ہے کہ) عبادت (حقیقت) میں نفس کو دبانا اور راحت سے نکالنا اور مجاہدات پر آمادہ کرنا ہے اور اسپر مداومت باوجودیکہ جوانی کے زمانہ میں نفس کی خواہشیں زوروں پر ہوتی ہیں بدون خوف شدید کے نہیں ہو سکتی اسی لئے ایک ۳۳۶ (نوجوان) عابد کی نسبت منقول ہے کہ وہ بستر پر لیٹتے تو سو نہیں سکتے تھے بس یہ کہکر کھڑے ہو جاتے کہ اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی جہنم کے خوف نے مجھے سونے سے روکدیا ہے اور کھڑے ہو کر صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ رہا وہ شخص جسکا دل مسجدوں[عہ] میں اٹکا ہوا ہو تو (ظاہر ہے کہ) اخلاص حقیقی دل کو عبادات سے پیوستہ کر دیتا ہے اور تمام عبادات میں ارفع (واعلیٰ) نماز ہے اور نمازوں میں سب سے ارفع وہ ہے جو مسجدوں میں ادا ہوتی ہے تو یہ شخص (اخلاص کی وجہ سے) اعلےٰ درجہ کی عبادت (کی دُھن) میں لگا رہتا ہے جیسا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ لوگوں نے اُن کا نام **حمام المسجد**[عہ] (مسجد کا کبوتر) رکھ لیا تھا

عہ مراد جنس مسجد ہے خواہ کسی مسجد سے دل اٹکا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کا صیغہ غالباً اسلئے اختیار فرمایا کہ اس زمانہ میں المسجد سے متبادر مسجد حرام یا مسجد نبوی ہوتی تھی اور مقصود تعمیم تھی اسلئے المسجد کی جگہ المساجد جمع محلی باللام کا صیغہ اختیار فرمایا جو استغراق یا جنس پر دال ہوتا ہے قالہ الشارح ۱۲ ظ عہ اُس زمانہ کی تہذیب تو یہ تھی اب اپنے زمانہ کی تہذیب ملاحظہ ہو کہ ملانوں کو مسجد کا مینڈھا کہا جاتا ہے۔ ایک رئیس نے کسی طالبعلم کو مسجد سے آتا ہوا دیکھکر کہا وہ آئے مسجد کے مینڈھے۔ تو اُسنے برجستہ جواب دیا کہ مسجد کا مینڈھا سگ دنیا سے اچھا ہے۔ خاموش ہی تو رہ گئے ۱۲ ظ

Marfat.com

کیونکہ وہ مسجد سے بہت لگے لپٹے رہتے تھے،، اور جن دو شخصوں میں اللہ کیلئے محبت ہو اُسی پر جمع ہوں اُسی پر جدا ہوں (یعنی محض منہ دیکھے کی محبت نہیں بلکہ سچی اور واقعی محبت ہے جو ملاقات و اجتماع کیوقت بھی رہتی ہے اور مفارقت وجدائی کی حالت میں بھی رہتی ہے) تو یہ بات ان دونوں کے شدت اخلاص ہی سے پیدا ہو سکتی ہے یہانتک کہ نفس کی کوئی خواہش کوئی غرض اور کسی شی کی طلب درمیان میں نہو محض اللہ کا واسطہ ہو اور اللہ کیلئے تعلق ہو،،

رہا وہ شخص جسکو کسی معزز خوبصورت عورت نے (اپنے پاس) بلایا اور اُس نے (صاف) کہدیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو یہ بات سختی کیساتھ نفس کی خواہشوں کے دبانے سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس کا سبب شدت خوف خدا ہوتا ہے، رہا یہ سوال کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ عزت دار خوبصورت عورت نے بلایا حالانکہ عورت تو ہر حالت میں بڑا فتنہ ہے (خواہ معزز ہو یا ذلیل خوبصورت ہو یا بدصورت) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما ترکت بعدی فتنۃ

۳۳۷ ھی اضر علی الرجال من النساء، میں نے اپنے پیچھے کوئی فتنہ مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں چھوڑا،، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو وصفوں کو اسلئے بیان کیا گیا ہے (تاکہ یہ بات محقق ہو جاوے کہ اُسکے انکار کا سبب شدت خوف خداوندی کے سوا اور کچھ نہ تھا کیونکہ اگر کوئی ذلیل عورت شریف آدمی کو بلائے اور وہ انکار کردے تو احتمال ہو سکتا ہے کہ انکار کا منشاء عزت نفس ہے اسکی شرافت نے ایسی ذلیل عورت سے اختلاط گوارا نکیا،، اسی طرح بدصورت عورت نے کسی کو اپنی طرف بلایا اور اُس نے انکار کردیا تو احتمال ہو سکتا ہے کہ طبعی نفرت کی وجہ سے انکار کیا ہے مگر جہاں یہ دونوں باتیں نہوں بلکہ عورت معزز خاندان کی ہو اور خوبصورت بھی ہو اور خود ہی طالب وصال بھی ہو اس صورت میں مرد کے انکار کا منشا خوف خداوندی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ) کہ ان دونوں وصفوں میں سے ہر ایک کو عورت کی طرف رغبت و میلان اور شہوت جماع کے بھڑ کانے میں بڑا دخل ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تتزوج المرأۃ لجمالھا وحسبھا عورت سے شادی کی جاتی ہے اُسکے جمال کی وجہ سے یا شرافت کی وجہ سے اور جس چیز کی طرف ایک سبب سے بھی رغبت ہو جاتی ہے وہاں اگر دو سبب رغبت کے جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ رغبت زیادہ اور خواہش پوری قوت کی ساتھ ہوگی۔ اسی لئے اس خواہش کے دبانے پر ثواب بھی بہت

Marfat.com

زیادہ عطا ہوا،،

اسکی نظیر بعض صوفیہ ... منقول ہے کہ اُن میں سے کچھ تو خلوت میں مقید تھے اور بعضے مقید نہ تھے پھر انکو فتوحات میں عمدہ کہانا حاصل ہوا تو شیخ نے فرمایا خلوت والوں کو مقدم کرو (پہلے اُن کے سامنے یہ کہانا رکہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) تو اُن میں سے بعضے تو کہانے کو دیکھتے ہی اپنے دوسرے بھائیوں کو خبر دینے چلدئے یہ بھی معلوم نہ کیا کہ یہ کیا ہے (اور کس قسم کا کھانا ہے) اور بعضوں نے کہڑے ہی کہڑے کہانے کو کہولا اسکو دیکہا اور پہچان لیا کہ کیا ہے اور (بدون کہائے) چلدئیے، اور بعض نے اسکو دیکہا اور ایک لقمہ اُٹھا کر منہ میں دیا اُس کا مزا چکہا (لذت حاصل کی) یہانتک کہ مزا چکھنے کی وجہ سے (کہانے کی) خواہش نے زور کیا مگر اسکے بعد اُس نے دوسرا لقمہ نہیں لیا بلکہ چھوڑ کر چلدیا،، تو اس شخص کا زہد جس نے کہانے کا مزا چکھ لیا تھا دوسروں سے بڑہا ہوا تھا کیونکہ اسکی خواہش زبردست تھی جسکو اُس نے قوت سے دبادیا،، (دوسروں نے کہانے کو دیکہا اور چکھا ہی نہیں تو خواہش کیا خاک ہوتی)

رہا وہ جسنے صدقہ کیا اور چھپا کر دیا حتی کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہوئی کہ دائیں نے کیا کیا تو یہ کمال اخلاص ہی سے ہوسکتا ہے، اسی کے قریب بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ کسی کا ہدیہ بہت کم قبول کرتے ۳۳۸
تھے۔ ایک دن عشاء کے بعد ایک شخص نے اُن کا دروازہ کہٹکہٹایا وہ باہر آئے تو دیکہا کہ اُن کا ایک پڑوسی ہے جو کپڑا سینے کا کام کرتا تھا (پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟) اُس نے کہا کہ آج میں نے اتنی (رقم) کا کپڑا سیا ہے اور اس سے یہ کہانا خرید کر لایا ہوں جو میری ساتھ ہے اور کچھ گھر کی ضرورت کی چیزیں خریدلی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ یہ سب حلال طریقہ سے (حاصل کیا ہوا) ہے میں اسکو خوشی کیساتھ آپ کے واسطے لایا ہوں اور اسوقت اندہیری رات ہے اور بخدا میں نے کسی کو اس ہدیہ کی اطلاع نہیں کی اور نہ کسی نے مجھے آپکے پاس آتا ہوا دیکہا، وہ کہانا یہ ہے اسکو لیلیجئے، یہ کہکر دروازہ ہی میں اسکو رکہکر چلتا بنا، تو (دیکھو) اس درجہ (اہتمام) اخفاء پر اس شخص کو اس بات ہی نے تو برانگیختہ کیا تھا اسکو عمل میں اخلاص کی طلب تھی،،

رہا وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اسکی آنکہیں بہنے لگیں، تو اس میں تو دونوں وصف مجتمع ہیں خوف بھی اور اخلاص بھی، اور ان اوصاف حمیدہ میں سے کوئی وصف بھی اسوقت تک (پوری طرح) حاصل نہیں ہوتا جب تک نفسانی صفات زائل نہوجائیں، جسقدر صفات نفس غائب ہونے لگی

(باقی آیندہ)

Marfat.com

اُسی قدر راستہ کھلے گا۔ اسی لئے بعض لوگوں کا جنکو اس قوم (صوفیہ) سے تعلق نسبت حاصل ہے
یہ ارشاد ہے کہ جب تک تیری نظر اپنے نفس پر ہے اُس وقت تک تو اُسکے سوا کسی کو نہ دیکھے گا اور
جب اپنے نفس سے نظر ہٹا لیگا تو کوئی چیز بھی تیری نظر سے غائب نہ رہے گی پس اُن چیزوں
کے دیکھنے کی رغبت کر جنکو تو شمار بھی نہیں کرسکتا (ایک اپنے نفس کو دیکھنے سے کیا ملے گا اور
ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ بیشمار چیزوں کے دیکھنے سے بھی کیا فائدہ ؟ اُس ایک کو دیکھو
جسکے دیکھنے کے بعد کسی کے دیکھنے کی ہوس ہی دل میں نہ آئے ؎

دل ہو وہ جسمیں کچھ نہو جلوۂ یار کے سوا میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں)

اور بعض کمالات وہ ہیں جنکے ایک ذرہ کی معرفت بھی تجھکو اسوقت تک حاصل نہو گی جب تک اُس چیز
سے اعراض نکرے جو حقیقت میں ذرہ کی برابر بھی نہیں (یعنی دنیا اور سب سے بڑی دنیا تیرا
نفس ہے) اور جب تجھکو یہ وصف حاصل ہو جائے (یعنی دنیا سے اور اپنے نفس سے تیری نظر
اُٹھ جائے) تو ساری مخلوق تیرے ایک ذرہ کی بھی برابر نہ ہوگی (یعنی اسوقت تیری قیمت اللہ کے
نزدیک بہت زیادہ ہوگی) قولہ فی الوجہ العاشر وھنا بحث ھل ھذہ السبعۃ خصت بھذا الثواب ۳۳۹
تعین ۱۲ الی قولہ فی الوجہ السابع عشر عاد اوری یا سرہ لا یعدل منک ذرۃ"

ف یہ حدیث طریق صوفیہ کی واضح حجت ہے کیونکہ جن اعمال عظیمہ پر اس میں اجر عظیم کی بشارت
دی گئی ہے اُن پر حضرات صوفیہ ہی پوری طرح عامل ہیں خصوصاً ہر شخص کیساتھ عدل کا معاملہ کرنا
اور مسجدوں میں دل کا اٹکا رہنا اور باہم اللہ کیلئے محبت کرنا۔ اور کیسی ہی حسین جمیل عورت بلائے
اللہ کا خوف کرکے اس سے بچ جانا اور تنہائی میں اللہ کی یاد میں رونا اور چھپا کر صدقہ خیرات کرنا
ان حضرات کا خاص معمول ہے، معتبر لوگوں سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ
مولانا محمد یحیےٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت گنگوہ کی بیواؤں غریبوں کے مکان پر عشا کے بعد
روپیہ بھجواتے تھے اور مولانا محمد یحیےٰ صاحب اپنے منہ پر لنگی یا رومال بطور نقاب کے ڈال لیتے تھے
تاکہ کوئی پہچانے نہیں جب حضرت کے وصال کے بعد رات کو روپیہ کی تقسیم موقوف ہوئی اسوقت
بیواؤں اور غریبوں کو علم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت قدس سرہ کی طرف سے ہوتا تھا، اور اگر اخیر

؎ اس مقام کو ناچیز مترجم خود حل نہیں کرسکا حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے اسکو حل فرمایا وللہ الحمد ۱۲ ظ

Marfat.com

عمر میں مولانا کی بینائی زائل نہ ہو گئی ہوتی تو شاید حضرت والا اس تقسیم میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بھی واسطہ نہ بناتے اور خود اپنے ہاتھ ہی سے اس کام کو انجام دیتے تاکہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

ف یہ صدقہ نافلہ ہے جسکے چھپا کر دینے میں اتنا ثواب ہے اور صدقۂ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے کیونکہ اخفاء کی فضیلت ریا سے بچنے کیلئے ہے اور فرائض میں ریا نہیں ہوتی جو کام فرض ہے اُسکے بجالانے میں کیا ریا؟ وہ تو سب ہی کرتے ہیں، مگر زکوٰۃ و صدقۂ فطر کے ظاہر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جس غریب کو دو اسکو زکوٰۃ کا روپیہ کہکر دو، اسکی ضرورت نہیں بلکہ یوں کہنا اچھا بھی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے غرباء کو نقد و غیرہ دو چھپا کر نہ دو تاکہ لوگ خواہ مخواہ بدنام نکریں کہ فلاں شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے مگر ہمنے کبھی اُسکو زکوٰۃ دیتے ہوئے نہ دیکھا، اگر تم دو چار کے سامنے زکوٰۃ کی رقم دیتے رہوگے تو تمام مسلمان بدگمانی سے بچیں گے انکو تم سے ہمدردی بھی ہوگی اور کیا عجب ہے کہ تمکو دیکھکر کوئی دوسرا مالدار بھی زکوٰۃ دینے لگے تو اسکے عمل کا ثواب بھی تمکو ملے گا اگرچہ اس کا ثواب بھی کم نہ کیا جائے گا۔

۳۴۰ اللہ کے واسطے محبت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں

(۱۴۵) المتحابون فی اللہ۔ یعنی اللہ کیواسطے باہم محبت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے واسطے محبت ہو مگر ساتھ میں کسی دنیوی منفعت کی بھی امید ہو خواہ ظاہری ہو یا باطنی (ظاہری جیسے مال و دولت۔ باطنی جیسے جاہ و عزت وغیرہ) تو یہ تو طالب غرض ہے اس کا مقصود دنیا ہی ہے بس یہ ہوگا اور اسکی غرض خواہ وہ پوری ہو یا نہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صحبت (و رفاقت) تو اللہ کیلئے ہو مگر اسکی ساتھ کسی اُخروی نفع کی بھی امید ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی (ظاہری جیسے توفیق اعمال صالحہ و ذکر و شغل وغیرہ باطنی جیسے اخلاق حمیدہ و نسبت احسان و اخلاص کا حصول علوم و معارف کا ورود اور مرنے کے بعد شیخ کی شفاعت سے دخول جنت وغیرہ) سو یہ بھی طالب حاجت (اور صاحب غرض) ہے مگر اس کا نفس پہلے سے بلند حوصلہ ہے (کہ اسکو منافع کی طلب تو ہے مگر منافع اخرویہ کی طلب ہے منافع دنیویہ کی طلب نہیں) اور اسی قسم کے لوگ اُن حضرات کے پاس زیادہ ہوتے ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں

Marfat.com

تیسری قسم یہ ہے کہ صحبت (اور رفاقت ومحبت) محض اللہ کیلئے ہے اور کوئی غرض نہیں (نہ دنیوی نہ اُخروی یعنی شیخ سے تعلق صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ والا ہے اور اس قابل ہے کہ اُس سے محبت اور تعلق پیدا کیا جائے خواہ تمکو کوئی نفع ہو یا نہو جیسا بادشاہ عادل سے سب کو محبت ہوتی ہے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس کے عدل سے نفع حاصل کرنے کا موقعہ نملا ہو مگر عدل کمال ہی ایسا ہے کہ جس میں بھی ہو اُس سے طبعًا محبت ہوتی ہے اسی طرح اللہ والا ہونا وصف ہی ایسا ہے کہ جس میں یہ وصف ہو اس سے محبت اور تعلق ہونا چاہئے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس سے نفع نہ پہونچا ہو، جیسکو یہ بات حاصل ہو) بس وہ ہے جسکو اللہ کیلئے محبت کرنیوالا سچ مچ کہہ سکتے ہیں اور جو ایسا ہوگا اسکو اپنے بھائی کی کوئی بات بھی جو اسکے حق میں صادر ہو متغیر نکرے گی (کیونکہ اسکی محبت اپنے واسطے نہیں بلکہ اللہ کیواسطے ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق اسکے کسی برتاؤ سے بدل نہیں سکتا) اور جو ایسا نہو وہ امتحان کے موقعہ پر بہت کم ثابت قدم رہے گا، اور اگر ایک کی نیت اللہ کیلئے ہو اور دوسرے کی نیت کچھ اور ہو

۳۴۱ (یعنی دنیا کیلئے ہو) تو ہر شخص کو اسکی نیت کا پھل ملے گا چنانچہ دو شخصوں کی جو اللہ کے واسطے باہم صحبت ورفاقت رکھتے تھے حکایت ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کی ساتھ جفا کی تو اُس نے اس سے کہا عزیز من! ذرا تم فلاں بزرگ کی مجلس میں تو ہو آؤ چنانچہ وہ اسکے کہنے سننے سے چلا گیا جب مجلس میں پہونچا تو اُن بزرگ نے اسوقت باتوں باتوں میں وہ بات ظاہر کر دی جو اسکی طرف سے اپنے ساتھی کیساتھ صادر ہوئی تھی اور یہ سمجھ گیا کہ میں نے اپنے دوست پر زیادتی کی اور اسکی ساتھ جفا کی۔ اسیوقت اسنے توبہ کی استغفار کی اور عزم کرلیا کہ واپس جاتے ہی اپنے دوست کے پاؤں پکڑوں گا شاید وہ میری خطا معاف کردے، جب دوست کے پاس پہونچا اسکو اپنے ارادہ کی اطلاع دی اُسنے کہا عزیز من! تم اپنے نفس کے پاؤں پکڑو کیونکہ مجھے تو تم سے خالص اللہ کے واسطے تعلق ہے جسپر تمہاری کوئی حرکت گراں نہیں ہو سکتی مگر تمہارا رُخ صرف اپنے نفس کی طرف ہے اور کسی طرف نہیں (چنانچہ اب بھی تم اپنے نفس کے کہنے ہی سے مجھ سے معافی مانگنے آئے ہو تو تم اُسی کے پاؤں پکڑ لو) قولہ

فی البحث الرابع فالمتحابون فی اللہ علی ثلثۃ وجوہ الی قولہ وانما وجھك فی حق نفسك لا غیر۔

Marfat.com

اللہ کو تنہائی میں یاد کرنے کی تین صورتیں ہیں

(۱۴۶) یہاں ایک سوال اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنے سے مُراد ظاہری تنہائی ہے یا باطنی یا دونوں کا مجموعہ؟ ظاہری تنہائی کے معنے تو یہ ہیں کہ اپنی جگہ پر تنہا ہو اسکے پاس کوئی دوسرا نہو اور باطنی تنہائی کے معنے یہ ہیں کہ اس کے رونے کا سبب صرف اللہ کا خوف ہو اور کوئی سبب نہو، اور مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ اسکے پاس کوئی دوسرا بھی نہو اور رونے کا سبب بھی خوف خدا کے سوا کچھ نہو اگر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ حالت زیادہ کامل ہے اور اگر تنہائی پوری ہو پاس کوئی نہو مگر (اللہ کو یاد کرتے ہوئے) کسی اور خیال سے رونے لگا اللہ (کے خوف) کی وجہ سے نہیں رویا نہ اللہ کی یاد سے (محبت میں) رویا تو بالاتفاق یہ حالت وہ نہیں جسکی طرف اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے بلکہ یہ حالت مذموم ہے کیونکہ دھوکہ (پر مشتمل) ہے ظاہر تو یہ کر رہا ہے کہ اللہ کی وجہ سے رویا ہے (کیونکہ یاد الٰہی کیساتھ گریہ طاری ہوا ہے) لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ آنسو اتفاقاً اللہ کو یاد کرتے ہوئے ظاہر میں نکل آئے (اگر جب تنہائی میں رونا فرض کیا گیا ہے تو دھوکہ کے کیا معنی؟ دھوکہ کی صورت تو وہ ہے جبکہ مجمع میں ذکر ہو اور اللہ کی یاد سے نہ رویا ہو، اور جو صورت شارح نے بیان کی ہے اُس میں نہ دھوکہ ہے نہ ثواب) رہی تیسری صورت کہ مجمع ۳۴۳
میں اللہ کو یاد کر رہا ہو اور دل ماسوا سے خالی ہو ذکر اللہ ہی کے اثر سے آنسوں نکلے ہوں تو اُمید ہے کہ یہ شخص بھی اُن بابرکت لوگوں میں داخل ہے (جن کا حدیث میں ذکر ہے) کیونکہ اسپر بھی باطناً یہ بات صادق ہے کہ اسنے خلوت میں اللہ کو یاد کیا (کیونکہ اس کا باطن ماسوا سے خالی تھا گو ظاہر مجمع میں تھا) اور جو صورت بطور احتمال کے حدیث کے تحت میں داخل ہو وہاں امید تو (ضرور) ہوتی ہے اگرچہ یقینی صورت وہی ہے جہاں مضمون حدیث کا پورا تحقق ہو اور وہ وہی ہے جہاں دونوں باتیں مجتمع ہوں (خلوت ظاہر بھی خلوت باطن بھی)

ذکر اللہ کے اقسام

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ ذکر اللہ سے مراد وہ ہے جو زبان اور لبوں سے ہو یا وہ جو دل سے ہو اگرچہ زبان کو حرکت نہو یا جس صورت سے بھی ہو (ہر حال میں) ذاکر کہلائے گا، جواب یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے ہر اک پر ذکر اللہ صادق ہے جسکی دلیل سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو صحیح حدیث قدسی میں وارد ہے من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملأ

ف یہاں سے اس قول کا بھی جواب ہو گیا جو بخاری شریف کی ایک تقریر میں جو بہت بڑے علامہ کی طرف منسوب ہے لکھا ہے کہ ذکر قلبی کی ہمیں کوئی دلیل سنت سے نہیں ملی ۱۲ ظ

Marfat.com

ذکرتہ فی ملأ خیر منہم جسنے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں اسکو اپنے دل میں یاد کروں گا اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے گا میں اسکو اس سے بہتر جماعت میں یاد کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ذاکر کا لقب دیا ہے۔ اور طفیلی تو اس سے بھی کمتر بہانہ سے اُمید وابستہ کرلیتا ہے (یہ تو بہت صاف دلیل ہے جس سے احتجاج مجتہدانہ بھی ہو سکتا ہے یہ ہمارے واسطے کیوں کافی نہوگی) پھر مذہب صوفیہ پر تو ذکر قلبی افضل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر امر ونہی کے موقعہ پر اللہ کو یاد کرنا (اور حکم کی تعمیل کرنا) زبانی ذکر سے افضل ہے کیونکہ ان کا قول ہے ذکر اللہ عند امرہ ونھیہ خیر من ذکرہ باللسان سو حضرت عمر رضؓ کے ارشاد کا جواب تو یہ ہے کہ بیشک امر ونہی کے موقعہ پر اللہ کو یاد کرنا (اور حکم کی تعمیل کرنا) زبانی ذکر سے بہتر ہے مگر یہ حدیث اسکو شامل نہیں اگرچہ امید یہ ہے کہ اس کا حال اس ذاکر کے حال سے بھی بلند تر ہے (جسکا یہاں ذکر ہے) اور صوفیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھکر فرمایا ہے بضعۃ فی الجسد اذا صلحت صلح الجسد کلہ الا وھی القلب انسان کے بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے سارا بدن درست ہو جاتا ہے سنلو وہ دل ہے، اس بنا پر صوفیہ کا قول دوسروں

۳۴۳

کے قول پر راجح ہے (کیونکہ جب تمام بدن کی صلاح کو صلاح قلب پر موقوف کیا گیا ہے اور سب کی صلاح ذکر اللہ سے ہے تو ذکر قلب ذکر لسان اور ذکر جوارح سے افضل ہوا) اور بات تو یہ ہے کہ عمل اختلاف سے بچ کر اور تمام صورتوں میں سے درجہ کمال کو لیکر کیا جائے اللہ تعالی ہمکو بھی اُنمیں سے کرے جنکو اللہ نے اپنے احسان سے یہ دولت عطا فرمائی ہے قولہ فی البحث لسائع ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ ھل یعنی بقولہ خالیا حسا او معنی الی قولہ جعلنا اللہ ممن من علیہ بذالک بمنہ **ف** حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی بھی یہی تحقیق ہے کہ سب سے افضل ذکر وہ ذکر ہے جسمیں ذکر لسانی کیساتھ ساتھ ذکر قلبی مجتمع ہو تنہا ذکر قلبی گو افضل ہے مگر مختلف فیہ ہے دوسرے تجربہ یہ ہے کہ تنہا ذکر قلبی دیر تک نہیں رہتا کچھ دیر کے بعد دل ادہر اُدہر متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ شخص دہوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی کر رہا ہوں البتہ اگر کسی کا دل ذکر قلبی میں غیر حق کی طرف متوجہ نہوتا ہو تو اسکو ذکر لسانی کی ضرورت نہیں اگر اُس سے تشویش ہوتی ہو۔

صوفیہ کے نزدیک ذکر قلبی افضل ہے

[illegible]

چہل و یکم (حدیث تقدیم العشاء علی الصلوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں حضور نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا سامنے آجائے اور نماز کی اقامت ہو جاوے تو کھانے کو مقدم کرو۔ **شرح** - ظاہر حدیث یہ ہے کہ شام کا کھانا جب سامنے آجائے اسکے پہلے کھالینا جائز ہے اگرچہ نماز کھڑی ہوگئی ہو۔ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے ۱۲

Marfat.com

(۱۴۷) یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا وضع العشاء کیوں فرمایا (کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھا جائے) اذا کان وقت العشاء کیوں نہیں فرمایا (کہ جب شام کا وقت آجائے) جواب یہ ہے کہ کھانے کا سامنے رکھا جانا خواہش طعام کو بھڑکانے کا سبب ہے اور خواہش طعام کا بھڑکنا اسکے ساتھ دل کو وابستہ کرتا ہے اور دل کا اس سے وابستہ ہونا نماز میں حضور وخشوع واخلاص نہ ہونیکا سبب ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو نماز کے مقبول ہونیکے اسباب ہیں جو جب کھانے کا سامنے آنا ایسی علت ہے جس سے نماز کے قبول نہونے کا اندیشہ ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ پہلے کھانا کھا کر اپنی اس علت کا علاج کر لو اسکے بعد نماز کی طرف پیشقدمی کرو کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (جب فارغ ہوجاؤ اسوقت محنت کرو اور اپنے پروردگار ہی کی طرف متوجہ ہو) علماء نے فرمایا ہے کہ ضروری امور سے فارغ ہونا مراد ہے کیونکہ دل ہمیشہ اپنی ضرورتوں میں اٹکا ہوا رہتا ہے جب ان سے فراغت ہو جائے اسی وقت عبادت میں مشغول ہونا بہتر ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ روزہ سے ہوتے اور اپنی کسی باندی کی کوئی ادا انکے دل کو بھا جاتی تو مغرب کے وقت کھانا کھا کر اس سے جماع کرتے اور غسل کرکے نماز پڑھتے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ایسا تنگ نہیں جیسا عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ افطار کرتے ہی نماز کی جلدی مچا دیتے ہیں، دیکھو عبداللہ بن عمر روزہ افطار کرنے کے بعد باندی سے جماع کرتے پھر غسل کرتے پھر نماز مغرب کو جاتے تھے اس معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں رمضان کے دنوں میں مغرب کی نماز غروب کے کافی دیر بعد ہوتی تھی تو ان بزرگ (صحابی) نے آیات وحدیث کا مطلب (خوب) سمجھا اسلئے وہ سب لوگوں سے زیادہ متبع سنت (کہلاتے) تھے۔ پس اگر مغرب کا وقت آجائے اور کھانا سامنے نہ لایا گیا ہو تو اسوقت نماز کو کھانے پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ اب (کھانے کے انتظار میں بیٹھنا) فضول وقت ضائع کرنا ہے کہ نہ اس وقت یہ شخص کھانا کھا رہا ہے نہ اس فرض نماز کو ادا کرتا ہے جو اسکے ذمہ ہے اور یہاں سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ حق اس کا ہے جو پہلے آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھدیا جائے (اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو کھانا پہلے کھاؤ) کیونکہ کھانا نماز (کی اقامت) سے پہلے آگیا ہے تو حق اسی کا ہے، اور اس میں اہل خواطر کی (یعنی صوفیہ اہل کشف کی) دلیل بھی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ (جب چند خواطر یکے بعد دیگرے قلب پر وارد ہوں تو حکم خاطر اول کیلئے ہے (یعنی اسی کو مقدم کیا جائے) قولہ فی الوجہ الخامس دھنا بحث لم قال اذا وضع العشاء الخ قولہ فی الوجہ السابع الحکم للخاطر الاول **ف** حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے حضرت مولانا

حضور وخشوع واخلاص ہی نماز کے مقبول ہونے کا اسباب ہیں

ضروریات سے فارغ ہو کر ذکر اور نماز میں مشغول ہونا چاہئے

۳۴۴

Marfat.com

گنگوہی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ بعض دفعہ ذکر کے وقت کوئی ضروری کام یاد آجاتا ہے اسوقت اگر اس کام کو نہ کیا جائے تو ذکر میں کشاکشی ہوتی ہے اُس سے فراغت کرلی جائے تو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے تو اس وقت ذکر کو مقدم کیا جائے یا اس کام کو پہلے کرلیا جائے فرمایا اس کام کو پہلے کرلیا جائے پھر یکسوئی کے ساتھ ذکر کیا جائے،، یہ تحقیق اس دلیل سے مؤید ہے جو شارح نے یہاں بیان فرمائی ہے۔

(۱۴۸) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مستحبات کی پابندی کرنا سنت ہے بلاضرورت کے ان کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (جب شام کا کھانا سامنے رکھدیا جائے اور نماز کی اقامت ہوجائے (تو کھانے کو مقدم کرو) اور جماعت سے نماز پڑھنا اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے (مگر حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت موکدہ ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر نہو تو مستحب کو ترک نہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے چھوڑنے کی اجازت صرف کھانے کی وجہ سے دی ہے جب وہ آگے رکھدیا جائے (اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو بلاوجہ ترک نکیا جاوے)

۳۴۵ قولہ فی الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان من السنۃ المحافظۃ علی المندوبات الی قولہ الا من اجل علۃ الطعام وتقدمہ۔

(۱۴۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متبع سنت کے سارے کام طاعت ہی ہوتے ہیں جنپر اُسے اجر ملتا ہے کیونکہ متبع سنت ایسے وقت میں کھانے کو مقدم صرف اسلئے کرے گا کہ شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے تو اسکو ثواب ملے گا کیونکہ اس کا کھانا محض امر کی وجہ سے ہوگا اور غیر متبع سنت محض اپنے اختیار سے اور اپنی خواہش کی رعایت سے کھائے گا اور بڑا فرق ہے اُس میں جو امر کی وجہ سے کھائے اور اسمیں جو شہوت کی وجہ سے کھائے، اسی طرح تمام کاموں میں دونوں کا یہی حال ہوگا۔ نیز اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جنہوں نے شہوت کی حصہ ہی کو چھوڑ دیا اور یہانتک چھوڑا کہ ان میں خواہش نفس کا نام بھی نہیں رہا کیونکہ یہ خواہش ہی نماز کے مؤخر کرنیکا سبب ہوتی ہے جب یہی نہ ہوگی تو نماز اپنے مستحب وقت میں ادا ہوگی حدیث سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی بھی اپنے بندوں پر معلوم ہوئی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے مستغنی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس موقعہ پر) شام کے کھانے کو نماز سے مقدم کرنیکا حکم دیا ہے کیونکہ نفس کو غذا کی خواہش ہوتی ہے اُس سے راحت و آرام ملتا ہے اور عبادت میں تو غالب حالت یہی ہے کہ لوگوں کو تعب ہی ہوتا ہے (گو سبکی یہ حالت نہیں) کیونکہ خاصان خدا کو تو عبادت سے بھی ویسی ہی

Marfat.com

راحت ملتی ہے جیسی دوسروں کو عمدہ غذاؤں سے ملتی ہے اسی حقیقت کی وجہ سے ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے جیسا اُن سے منقول ہے کہ دنیا والے مسکین ہیں دنیا سے چلے گئے اور اسکی راحت کا کچھ بھی مزہ نہ چکھا۔ لوگوں نے کہا دنیا کی راحت (وہ) کیا ہے (جسکا اہل دنیا نے مزا بھی نہیں چکھا) فرمایا طاعت کی لذت کہ یہ دنیا والے اسکو بدون چکھے ہی چلے گئے تو انکو نہ دنیا ہی ملی نہ آخرت ہی"، اور (اسی حقیقت کی بنا پر) سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ارحنا بھا یا بلال یعنی الصلوٰۃ اے بلال ہمکو نماز کے ذریعہ سے راحت دو (یعنی جلدی نماز کیلئے اذان واقامت کہو) قولہ الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان المتبع للسنۃ الیٰ قولہ فی الوجہ الحادی عشر ارحنا بھا یا بلال یعنی الصلوٰۃ **ف** حدیث ارحنا بھا یا بلال کا جو مطلب شارح نے بیان کیا ہے اُسپر وہ اشکال وارد نہیں ہوتا جو دوسرے علماء کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے اہل علم اسکو سمجھہ جائیں گے۔

(۱۵۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ارادت (یعنی حوصلہ والوں) کے نزدیک دنیا کے کام اسی وقت مباح سمجھے جاتے ہیں جبکہ وہ آخرت میں معین ہوں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہانیکو مقدم کرنے کی اجازت صرف اسلیئے دی ہے تاکہ نماز اچھی طرح کامل طریقہ سے ادا ہو، اور کہانا نفس کے حظوظ (لذات اور شہوات) میں سے ہے اور حظوظ النفس جتنے بھی ہیں سب دنیا ہیں اور نماز آخرت کا کام ہے تو دنیا کی سب سے بڑی چیز کہانا (پینا) ہے جس کے سب محتاج ہیں دوسری چیزوں سے تو کبھی استغنا بھی ہو سکتا ہے اور (اُن کے ترک سے) کچھ ضرر نہیں ہوتا مگر کہانا نہو تو عادۃ مستمرہ یہ ہے کہ انسان ہی نہو گا، اور یہ آخرت کے سب سے بڑے کام یعنی نماز میں معین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤمن اور کافر کے درمیان (امتیازی نشان) نماز کا چھوڑنا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام اعمال آخرت سے اعلیٰ وافضل ہے) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سب سے بڑے کام کا حکم آخرت کے سب سے بڑے کام کے مقابلہ میں تلادیا کہ اسکو اسکے لئے معین بنانا چاہیئے) اب انکے سوا جو اور کام رہ گئے وہ انکے تابع ہیں پس یہاں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کیگئی ہے (کہ دنیا کی سب کاموں کو اعمال آخرت میں معین بنانا چاہیئے کوئی کام محض دنیا کیواسطے نکرنا چاہیئے) قولہ الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علیٰ ان امور الدنیا ما تستباح الیٰ قولہ من باب التنبیہ بالاعلیٰ علی الادنیٰ" الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۲۹ رمضان ۵۸ھ بعد نماز عصر روز یکشنبہ حصہ اول رحمۃ القدوس تمام ہوا اللہ تعالیٰ بقیہ حصص کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور اس کتاب کو نافع عام وخاص اور مقبول بارگاہ بنائیں آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا النبی الامی محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ بنعمتہ تتم الصلحت ۱۲) رحمۃ القدوس کا پہلا حصہ ختم ہوا۔

ارادے والوں کے نزدیک ۱۴۳ دنیا کے کام اسی وقت مباح ہیں جب آخرت میں معین ہوں

قال تعالیٰ قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی

چوں آیت کریمہ دال ست منطوقہا بر بودن تزکیہ وذکر اللہ وصلوٰۃ مدار فلاح ونجاح۔
وتجربہ مشاہدہ دال ست بر بودن علم تصوف ذریعہ حصول ایں مقاصد بکمال اصلاح۔ ورسالہ

رحمۃ القدوس

ترجمہ

بہجۃ النفوس

للامام الحافظ المحدث الورع ابی محمد عبد اللہ بن ابی جمرۃ الازدی الاندلسی المتوفی ۶۹۹ھ
الجامعۃ لکثیر من مسائل الفقہ والاصول والتصوف والسلوک المستنبطۃ من الاحادیث
النبویۃ الصحیحۃ مشتمل بود لہذا بتلخیص وترجمہ مولانا ظفر احمد صاحب رزقہ اللہ تعالیٰ کل خیر وصلاح۔
بر جملہ کافیہ از مسائل تصوف وسلوک مدلولہ احادیث صحیحہ نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا کل
مساء وصباح (وایں جلد ثانی ازاں ست) بنا بر نافع بودنش بنفع صراح۔

باہتمام احقر شبیر علی عفی عنہ

از مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر شائع نمودہ شد

Marfat.com

حصہ دوم رحمۃ القدوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چہل وسوم (حدیث تخفیف الصلوٰۃ)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جسکی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور زیادہ کامل ہو اور (بعض دفعہ) آپ بچہ کے رونے کی آواز سن لیتے تو نماز کو ہلکی کر دیتے مبادا اس کی ماں پریشانی میں پڑ جائے۔

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں تکمیل کیساتھ تخفیف فرماتے تھے اور یہ کہ آپ غیر حق کی رعایت سے بھی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۱) حدیث بین (حضرات) صحابہ کے اہتمام (اتباع) کی دلیل ہے کہ وہ درجۂ کمال میں تو اکمل حالات کا اتباع کرتے تھے اور درجۂ صحت میں ادنیٰ پر اکتفا نکرتے تھے بلکہ کچھ زیادتی کرتے تھے تاکہ درجۂ کفایت سے کمی نہ رہجائے (اور عمل برباد نہو جائے) اور ادنیٰ درجہ میں کفایت کا تحقق یقینی طور پر اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اُسپر کچھ تھوڑی سی زیادت نہ کی جائے بشرطیکہ زیادت شرعًا ممنوع نہو جیسے وضو میں چار دفعہ اعضاء کو دھونا (ممنوع ہے) یا وہ زیادت ایسی ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی درجہ میں بھی عملًا ثابت نہو (تو اُس سے بھی بچا جائے گا) تاکہ بدعت میں مبتلا نہو جائیں اور بدعت کی مذمت حدیثوں میں جسقدر آئی ہے وہ معلوم ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ

تصحیح بابتہ حصہ اول۔ حصہ اول کے صفحہ ۱۲ پر حدیث بست وسوم شروع ہوئی ہے اور صفحہ ۲۳ پر جو حدیث شروع ہوئی ہے اس کا نمبر بست وچہارم ہونا چاہیئے تھا مگر غلطی سے اُسپر بھی بست وسوم ہی نمبر پڑ گیا اور یہ غلطی اصل کتاب بہجۃ القدوس میں بھی تھی اسلئے ترجمہ میں بھی غلطی ہو گئی اسلئے حصہ اول میں اخیر حدیث کا نمبر چہل ویکم لکھا گیا ہے جو چہل و دوم ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

علیہ وسلم کا ارشاد ہے من احدث فی امرنا ھذا مالیس فیہ فھو رد (جو شخص ہمارے اس امر میں یعنی دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اُس میں نہیں ہے تو وہ رد ہے) نیز آپ کا ارشاد ہے کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) اور اس جیسی (بہت سی حدیثیں ہیں) اور اسی میں نمازوں کے بعد لوگوں کا دعا کیلئے مجتمع ہونا بھی داخل ہے پس یہ عمل اور جو اس کے مشابہ ہوں سب بدعت ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد صحابہ و تابعین سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے (عبادت یا ثواب سمجھکر) ایسا کیا ہو، اور اگر بلا عذر کے عبادت کو درجۂ کمال سے کم درجہ پر ادا کیا جائے تو جائز ہی مگر افضل وہی ہے جسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد سلف صالح نے مداومت کی ہے

ف صوفیۂ زمانہ کو اس مقام سے سبق لینا چاہیئے کیونکہ وہ بکثرت بدعات میں مبتلا ہیں اور جب کہا جاتا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے تو کہتے ہیں اس میں کیا خرابی ہے ہم تو نیک کام کرتے ہیں بُرا کام تو نہیں کرتے سو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ نیک کام وہی ہے جسکا شریعت میں ثبوت ہو۔ دیکھو دعا کرنا نیک کام ہے لیکن نمازوں کے بعد مجتمع ہو کر دعاء کرنا بدعت ہی کیونکہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے ثبوت نہیں پس اسی پر اُن اعمال کو قیاس کر لیا جائے جنکو صوفیۂ زمانہ نے نیک اعمال سمجھکر اختیار کیا ہی مگر شریعت میں اُن کا ثبوت نہیں، جیسے عرس مشائخ اور فاتحہ خوانی کے جلسے وغیرہ اور قوالی و سماع تو جس صورت سے آجکل ہوتا ہے وہ تو علاوہ بدعت ہونے کے بہت سی محرمات و مکروہات ناپر مشتمل ہے"

ف بدعت وہ نیا کام ہے جس کا ثبوت شریعت میں نہو اور اسکو دین یا ثواب سمجھکر کیا جائے، اگر دین یا ثواب سمجھکر نہ کیا جائے تو بدعت نہیں، پس ریل اور تار اور موٹر اور ہوائی جہاز اور قسم قسم کے لباس اور مطعومات و مشروبات کا استعمال بدعت نہیں کیونکہ ان کو ثواب یا عبادت یا دین سمجھکر استعمال نہیں کیا جاتا، اسی طرح ذکر میں جہر اور خاص مقدار اور خاص طرز و وضع کی رعایت یا تسبیح ہاتھ میں رکھنا بھی بدعت نہیں کیونکہ ان چیزوں کو ثواب سمجھکر نہیں کیا جاتا بلکہ بطور علاج و تدبیر کے اختیار کیا جاتا ہے خوب سمجھ لو۔

ف مجتمع ہو کر دعا کرنا جو بدعت ہے اس سے وہ اجتماع مراد ہے جو محض دعا کیلئے ہو پس نماز کے بعد فوراً جو دعا کی جاتی ہے وہ بدعت نہیں کیونکہ اس میں دعا کیلئے اجتماع نہیں ہوتا

Marfat.com

بلکہ اجتماع تو نماز کیلئے ہوا تھا اسی حالت میں دعا بھی ہوگئی۔ اور نماز کے بعد دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً ثابت ہے جیسا اعلاء السنن حصہ سوم میں بہت تفصیل کیساتھ احادیث کثیرہ سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ پس نماز کے بعد سب لوگ تھوڑی دیر تک دعا کر لیں تو یہ صورت سنت کے خلاف نہیں سنت کے خلاف یہ صورت ہے کہ جماعت کی نماز ختم ہو جانے کے بعد لوگ نوافل و سنن میں مشغول ہو جائیں اور نوافل و سنن سے فراغت کے بعد محض دعا کیلئے اجتماع ہو جسکو آجکل دعائے ثانیہ کہا جاتا ہے اور بلاد سواحل ہند میں اس کا بڑا التزام کیا جاتا ہے سو یہ اجتماع جو محض دعا کیلئے ہوتا ہے خالص بدعت ہے

(۱۵۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اسکی طرف التفات کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بچہ کی آواز کو سننا اور اُس (کے سبب) میں غور کرنا ایسی شئے کی طرف التفات تھا جو نماز سے خارج ہے (مگر اس کا تعلق نمازیوں سے تھا اسلئے اُسکی طرف التفات فرمایا گیا) مگر یہ (شرط) ضرور ہے کہ التفات معمولی ہو جس سے نماز (کے ارکان وغیرہ میں) میں خلل نہ آئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز (اس حالت میں بھی) سب سے کامل ترتھی اگر یہ التفات آپ کو نماز سے مشغول کر دیتا تو آپ نماز کو کامل طور پر نہ ادا کر سکتے قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علیٰ ان الفکرۃ الیٰ قولہ ما اتمہا،،

(۱۵۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کیوقت نماز کے اندر یا کسی اور عبادت میں مشغول ہوتے ہوئے حکم شرعی میں غور کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ عبادت کو باقی رکھکر اسکے واجبات کو پورا کرتے ہوئے ایسا کرنا ممکن ہو (مطلب یہ ہے کہ سرسری طور پر غور کرنا جس سے نماز کے ارکان و واجبات میں خلل نہ آئے جائز ہے یہ نہیں کہ نماز میں ہدایہ اور بخاری کے اشکالات کو حل کرنے لگے) اسکی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کے رونے کی آواز سنکر نماز کو مختصر کر دیتے تھے حالانکہ عمل شروع کرنیکے وقت تطویل کا ارادہ تھا تو نماز کو مختصر کرنا بھی ایک عمل ہے جو حکم میں غور کرنے کا نتیجہ تھا پس یہاں چھ باتیں جمع ہوگئیں (ایک تو) واقعہ کی طرف التفات (دوسرے) حکم شرعی میں غور کرنا (تیسرے) وہ عمل کرنا جو نماز میں ممکن تھا (یعنی نماز کو مختصر کر دینا) چوتھے حق غیر (یعنی بچہ اور اسکی ماں کے حق کی رعایت) پانچویں سد ذریعہ (کا اہتمام یعنی جس چیز سے

نماز میں کسی حادثہ کی طرف التفات کرنا خشوع کے منافی نہیں

۴

نماز میں حکم شرعی میں غور کرنا بھی منافی خشوع نہیں

Marfat.com

فتنہ کا احتمال بھی ہو گو یقین نہ ہو اُسکی پہلے ہی سے روک تھام کیونکہ بچہ کے رونے سے اس کی ماں کا پریشان ہونا لازم نہیں ممکن ہے کہ پریشانی پیش نہ آئے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے احتمال فتنہ کا بھی لحاظ فرمایا کہ احتیاط اسی کو مقتضی ہے اور اسی کا نام سد ذریعہ ہے جو اصول شرعیہ میں سے بڑی اصل ہے) چھوٹے قوی کو احکام میں ضعیف کے تابع کر دینا جبکہ دونوں کسی کام میں ساتھ ساتھ ہوں۔ اسکی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے سیروا بسیر اضعفکم، اپنے کمزوروں کی چال چلا کرو قولہ الوجہ التاسع فیہ دلیل علی جواز النظر فی حکم من الاحکام الی قولہ سیروا بسیر اضعفکم"

ف (۱۵۴) اس میں امت کے حال پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت (وشفقت) پر بھی دلالت ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے (کہ بعض دفعہ نماز میں تخفیف و اختصار پر عمل کیا) تو ہوشیار محنت کرنیوالا تو سنت (کے اتباع) کا پورا حصہ لیلے گا اور کمزور مسکین بھی (اتباع) سنت سے محروم نہ رہے گا وہ بھی کچھ حصہ لیلے گا اور تطویل و اختصار کو درمیان (بہت) وسعت ہے اور خیر میں توسط (درجہ اوسط اختیار کرنا) ہی سنت ہے قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل علی رحمتہ علیہ السلام بامتہ الی قولہ و توسط فی الخیر التی ھی السنۃ"

ف (۱۵۵) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو دلداری (اور دلجوئی) کے بہت قائل ہیں اور وہ ان کے نزدیک تمام احوال سے اعلیٰ (وارفع) ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی ماں کی اور خود بچہ کی پریشانی کی رعایت فرمائی (اور اسکے لئے نماز کو مختصر کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دلجوئی بھی عبادت ہے جسکے لئے نماز کو مختصر کیا جا سکتا ہے) مگر اس میں ایک قید ہے جسکو بزرگوں میں سے خاص ہی لوگ جانتے ہیں وہ یہ کہ دلداری (اور دلجوئی) اسکی اس حالت کو کم نہ کر دے جو اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے (یعنی دوسروں کی جوتیوں کی نگہداشت میں اپنی اشرفیوں کو برباد نہ کر دے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مخلوق کی دلداری اور دلجوئی میں اتنا مبالغہ نکرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہی نہ ملے ہر وقت لوگوں کی خاطر مدارات ہی میں لگا رہے بلکہ ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہئے جس میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی پر توجہ نہو (اسکی دلیل حدیث کا یہ لفظ ہے ولا اتم (کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ

جزئی توسط ہی سنت ہے ۵

دلداری اور دلجوئی تمام احوال سے اعلیٰ و ارفع ہے

Marfat.com

صوفی کا متبع سنت ہونا بہت عجیب ہے

کامل تر نماز کسی کی نہ تھی) کیونکہ (اختصار کے بعد) درجۂ کفایت میں بھی آپ کی عبادت ناقص نہ ہوتی تھی، اسی لئے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ صوفی متبع سنت عجائب (زمانہ) سے ہے (یعنی صوفی کا متبع سنت ہونا بہت عجیب ہے کیونکہ صوفی پر اکثر حالات مختلفہ کا ورود ہوتا ہے کبھی تجلی صفات جلالیہ ہے کبھی تجلی صفات جمالیہ ہے اور جب ایک قسم کی تجلی ہوتی ہے تو غلبہ اسی کا ہوتا ہے اسوقت دوسرے صفات کا حق پوری طرح ادا نہیں ہوتا اگر اس وقت یہ شخص اتباع سنت میں پختہ رہے اور تمام صفات کا حق ادا کرتا رہے تو واقعی بڑا کمال ہے۔ اس مثال میں غور کرو کہ نماز کی حالت کا مقتضا تو یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی پر توجہ نہ ہو اور امامت کا مقتضا یہ ہے کہ مقتدیوں کی پریشانی کا بھی لحاظ کیا جائے۔ اس حالت میں کوئی صوفی مغلوب الحال امام ہو تو وہ صرف نماز کا حق ادا کرے گا مقتدیوں کے حال پر التفات نہ کرے گا اور زاہد خشک امام ہو تو نماز میں ایسا اختصار کرے گا جس سے واجبات میں بھی خلل آ جائے گا اور صوفی متبع سنت امام ہو تو نماز کو بھی کامل طور سے ادا کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے گا اور مقتدیوں کی رعایت سے نماز کو مختصر بھی کر دیگا اور دونوں قسم کے حقوق کی نگہبانی آسان کام نہیں۔ اسیلئے صوفی کا متبع سنت ہونا بہت عجیب ۶
ہے) اور جو صوفی ایسا ہو وہ اپنے وقت کا قطب اور (عالم) وجود کا تاج ہوگا اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسکو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمکو بھی وہ دولت عطا فرمائیں جو اُن کو اپنے احسان سے عطا فرمائی ہے قولہ الوجہ الحادی عشر فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الذین یقولون بجبر القلوب الی قولہ من اللہ بفضلہ علینا بما من بہ علیھم بمنہ"

ف الحمد للہ کہ ہمارے اکابر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ و حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حکیم الامت دام مجدہم سب کے سب باوجود صوفی اور صاحب احوال رفیعہ ہونیکے بدرجۂ کمال متبع سنت تھے اور ہیں اور یہی ان کا وہ کمال ہے جسکی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی اور اسی وجہ سے ناواقف لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات تو نرے علماء ہیں صوفی نہیں کیونکہ عوام کے نزدیک صوفی وہی ہے جو مغلوب الحال ہو اور صوفی متبع سنت مغلوب الحال نہیں ہوتا بلکہ غالب علی الاحوال ہوتا ہے وہ ہر حالت میں اتباع سنت سے ایک قدم ہٹنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے یہ حضرات اپنے وقت کے قطب الارشاد اور مجدد ہیں ۵

Marfat.com

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق — ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

من اللہ تعالیٰ بفضلہ علینا بما من بہ علیہم منہ

ف نماز کی تخفیف عموماً قراءت کو مختصر کرنے اور قیام مختصر کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی تمام ارکان میں اختصار کرنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ ایسا اختصار نہ ہو جس سے ارکان میں خلل واقع ہو جائے ورنہ نماز ہی نہ ہوگی یا ناقص ہوگی اور حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز باوجود خفیف ہونیکے کامل و اکمل ہوتی تھی اس جگہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تخفیف صلوٰۃ کو آجکل کی تخفیف پر قیاس نکرنا چاہئے کیونکہ حضرات صحابہ اور سلف سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت شروع کرتے تو آدمی بقیع تک جاکر واپس بھی ہو جاتا تھا اور آپ پہلی ہی رکعت میں ہوتے تھے، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں بعض دفعہ سورہ بقرہ دو رکعت میں پڑھتے تھے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورہ یوسف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سنکر یاد کی تھی کیونکہ وہ اکثر صبح کی نماز میں اسکو پڑھتے تھے اور موطا (امام مالک) میں ام الفضل بنت الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ والمرسلت سنی تو فرمایا بیٹا تمنے یہ سورت پڑھکر مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قراءت یاد دلادی کیونکہ یہ آخری سورت ہے جو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی نماز میں سنی تھی (اسکے بعد میں نے حضور کی قراءت نہیں سنی) اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کی عادت نماز میں تطویل قراءت تھی اور یہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کیونکہ صحابہ سے زیادہ متبع سنت کون ہو سکتا ہے مگر اس تطویل کو وہ تخفیف فرماتے ہیں کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کے عاشق تھے ان کو تطویل قراءت گران نہ تھی البتہ اگر کوئی عارض پیش آجاتا مثلاً بچہ رونے لگتا یا اور کوئی حادثہ پیش آجاتا تو اس عادت مستمرہ کو چھوڑ کر قراءت میں تخفیف کردی جاتی تھی پس تخفیف صلوٰۃ کا حاصل یہ ہوا کہ موقع اور وقت کے مناسب قراءت کی جائے اگر حالت اطمینان اور سکون کی ہو تو قراءت طویل کیجائے اور اس میں بھی مقتدیوں کی حالت کی رعایت کی جائے کہ اتنی تطویل نہ ہو جو نمازیوں پر گراں ہو اور اگر حالت بے اطمینانی اور پریشانی کی ہو تو اُس حالت کے مناسب قراءت کی جائے

نماز میں تخفیف اور تطویل کی تحقیق

Marfat.com

مگر کسی حالت میں بھی واجبات میں خلل نہ ڈالا جائے۔ دین کے سب کاموں میں قاعدہ یہی ہے کہ ہر عمل کو درجۂ کمال پر ادا کیا جائے ادنیٰ درجہ پر بدون کسی عذر کے کفایت نہ کی جائے اور ادنیٰ درجہ پر کفایت کرنے میں بھی واجبات میں خلل نہ ڈالا جائے، حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے وقت میں عالم مانا جاتا اور مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں بعض ارکان کے واجبات بھی پوری طرح ادا نہ کرتا تھا فانا للہ وانا الیہ راجعون افسوس علم بھی ضائع ہو گیا اور اسکی حقیقت بھی ناپید ہو گئی عمل بھی برباد ہو گیا اور اسکی تکمیل بھی جاتی رہی اسی لئے رزین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو مکروہات میں اس بات نے مبتلا کیا ہے کہ انہوں نے الفاظ شرعیہ کو ان معانی پر محمول کر لیا جو پہلے زمانہ میں معروف نہ تھے، چنانچہ آجکل ہم نماز میں تخفیف کرتے ہیں تو حد جواز ہی سے نکلجاتے ہیں کیونکہ ہماری پہلی نماز بھی ادنیٰ درجہ سے زیادہ نہیں ہوتی تو جب اُس سے کمی کیجائیگی لامحالہ حد جواز سے نکل جائیں گے۔ پس نماز کی تکمیل اور تخفیف کی حدود کو وہی سمجھ سکتا ہے جسکی نظر تمام احادیث پر ہو اور حضرات فقہاء رضی اللہ عنہم نے کتب فقہ میں اسکو تفصیل کیساتھ بیان فرمادیا ہے جسکو اتباع سنت کا شوق ہو اسکو کتب فقہ سے واجبات و فرض و سنن و مستحبات صلوۃ معلوم کر لینا چاہئے تاکہ تخفیف کیوقت سنن و مستحبات میں اختصار کیا جائے واجبات و فروض میں خلل نہ ڈالا جائے وھذا ۸

مما نبہ علیہ الشارح رحمہ اللہ فی الوجہ الاول والثانی فلیراجع

ف یہاں سے اُن صوفیوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ہر حالت میں اپنے معمول ہی پر جمے رہتے ہیں کسی حال میں اس کو ترک نہیں کرتے سفر میں بھی نماز لمبی کرتے ہیں خواہ قافلہ چلنے والا ہو یا ریل چھوٹنے والی ہو اور مقتدی وقت کی تنگی سے پریشان ہوں مگر امام صاحب ہیں کہ طوال مفصل کو نہیں چھوڑ سکتے اور نماز کے بعد وظیفہ کو بھی ضرور پورا کریں گے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا غلو شریعت میں ناپسندیدہ ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ سفر میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے صبح کی نماز پڑھائی ہے حالانکہ صبح کی نماز میں آپ کی عادت تطویل قراءت کی تھی مگر آپ نے ہمیشہ موقع اور وقت کے مناسب عمل کیا ہے جس سے کسی پر گرانی نہ ہو خوب سمجھ لو۔

(باقی آئندہ)

Marfat.com

چہل و چہارم (حدیث اصل صلوٰۃ التراویح)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان (کے مہینہ) میں (مسجد کے اندر) ایک حجرہ سا بنوایا جو غالباً بوریہ کا تھا جس میں آپ نے چند راتوں میں نماز پڑہی تو آپکی نماز کی ساتھ کچھ لوگوں نے صحابہ میں سے بھی نماز پڑہی جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ (نماز سے) بیٹھنے لگے (یعنی اسوقت نماز پڑہنا چھوڑ دیا) پھر آپ اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے جو کچھ تمکو کرتے دیکھا میں اسکو سمجھ گیا ہوں (کہ تمکو میری ساتھ نماز پڑہنے کا شوق ہے) سو اے لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑہا کرو کیونکہ انسان کی افضل نماز وہی ہے جو گھر میں ہو سوا مکتوبہ (یعنی فرض نماز) کے

شرح- ظاہر حدیث یہ ہے کہ نفل نماز مسجد میں پڑہنا جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑہے" اس پر چند وجوہ سے کلام ہے"

(۱۵۶) **فـ** اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں حجرہ بنا لینا جائز ہے مگر (شرط یہ ہے کہ) عمارت کے طور پر نہو نہ ایسی چیز سے بنا ہو جسکو بقاء و دوام ہو اسکی دلیل حدیث کا یہ لفظ ہے کہ آپنے بوریہ کا حجرہ بنوایا تھا، کیونکہ حجرہ تعمیر کرنے میں مسجد کی تغییر ہے اور مسجد وقف ہے اُسکی تغییر جائز نہیں، اور بوریہ یا کپڑے سے حجرہ بنانے میں مسجد اپنے حال پر رہے گی- اس میں تغیر نہو گا- اور کپڑا وغیرہ ڈالنے سے خلوت قائم رہے گی اور (عبادت) اچھی طرح ہو گی کیونکہ اس سے عبادت میں دلجمعی زیادہ ہو گی (جو روح عبادات ہے) اور اسپر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ انسان کو وہ اسباب اختیار کرنا چاہئیں جن سے عبادت میں دلجمعی زیادہ ہو بشرطیکہ وہ اسباب بدعت (میں داخل) نہوں ورنہ ممنوع ہوں گے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ قیامت کے دن صاحب بدعت سے فرمائیں گے- اچھا اگر میں اُن گناہوں کو بخشدوں جو میرے اور تیرے درمیان ہیں تو جن لوگوں کو تو نے گمراہ کیا ہے اُن کی ساتھ کیا کروں؟ (یعنی اُن کا حق کیونکر معاف کردوں اور یہ گناہ کیسے بخشدوں کہ تو نے اپنی ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے کہ یہ گناہ تو متعدی ہے جسکی ساتھ حق العباد متعلق ہے اور حق العباد اسوقت تک معاف نہیں ہوتا جبتک بندے معاف نکریں اور وہاں اپنا حق کون چھوڑنے والا ہے

وہ تو سب اسکی جان کو آجائیں گے کہ تو نے ہمکو گمراہ کیا) قولہ الوجہ الاول جواز اتخاذ الحجرۃ فی المسجد الی قولہ فالذین اضللت کیف افعل بھم۔

ف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو بوریہ کا حجرہ بنوایا تھا یہ زمانہ اعتکاف میں خلوت کیلئے تھا، چنانچہ اب بھی اعتکاف کرنیوالے کپڑا لٹکا کر اپنے لئے جگہ مخصوص کر لیتے ہیں مگر جماعت کی نماز کیوقت ان کپڑوں کو اٹھادینا چاہیئے تاکہ جماعت میں تنگی نہو اور صفوف میں انقطاع نہو۔

اس حدیث میں صوفیہ کی خلوت نشینی کا ثبوت ہے کہ وہ بھی دلجمعی کیلئے خلوت اور چلہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

ف یہاں سے بدعت کا وبال بھی معلوم ہوا کہ اس میں صرف حق اللہ کی اضاعت نہیں بلکہ حق العباد کی بھی اضاعت ہے اور حق العباد کا وبال بہت سخت ہے پس صوفیہ مبتدعین کو عبرت حاصل کرنا چاہیئے اور سماع و عرس وغیرہ سے توبہ کرنا چاہیئے کہ عوام انکو عبادت اور ثواب سمجھکر کرتے ہیں اور صوفیہ زمانہ اپنے قول وفعل سے ان بدعات کو رواج دے رہے ہیں وفقنا اللہ وایاکم لاتباع السنۃ السنیۃ فی الاعمال والاقوال کلھا المخفیۃ منھا والجلیۃ آمین

(۱۵۷) **ف** اس میں رمضان کی افضلیت کی بھی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مہینوں میں سے اسی مہینہ کو اس عبادت کیساتھ مخصوص فرمایا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایام محترمہ اور مکانات محترمہ کی تعظیم کا طریقہ یہی ہے کہ انواع عبادت کے ذریعہ انکی عظمت ظاہر کیجائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کی عظمت کو اسی طرح ظاہر فرمایا ہے کہ اس میں عبادات کو بڑھا دیا قولہ فی الوجہ الخامس فیہ دلیل علی افضلیۃ رمضان الی قولہ فی الوجہ السادس الازیادۃ فی التعبدات۔

ف حضرات صوفیہ رمضان کا اور جملہ ایام محترمہ کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے اور وہ بھی ان کی تعظیم عبادت میں زیادت سعی کرتے ہیں۔ عوام کی طرح جلسے اور جلوس وغیرہ سے نہیں کرتے جیسا آجکل ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منائی جاتی ہے کہ یہ سراسر بدعت ہے حضرات صوفیہ اس دن میں درود شریف کی کثرت کرتے ہیں بعضے روزہ بھی رکھتے ہیں۔

ایام محترمہ کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں عبادت زیادہ کی جائے۔ بدعت کی مذمت

Marfat.com

(۱۵۸) اس حدیث سے سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جب آپنے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو ان راتوں کی عظمت ظاہر کرنے کا اہتمام ہے کہ جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں (بحکم خداوندی) آپکے پاس قرآن کا دور کرنے کو تشریف لاتے تھے رمضان کے سوا کسی مہینہ میں وہ (دور کیلئے) نہ آتے تھے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی اسکی تعظیم میں یہ زیادتی کی کہ اس مہینہ میں ایک خاص نماز بڑہادی جو دوسرے مہینوں میں نہیں بڑہائی اور اُسکو عملاً امت پر ظاہر بھی کردیا تاکہ وہ بھی آپ کی اقتداکریں اسی کا نام تعظیم شعائر ہے جسکے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب، اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم دلون کے تقوی سے (ناشی) ہوتی ہے اور جتنا تقوی دلوں میں ہوگا اُسی قدر فضیلت ہوگی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑہکر کوئی متقی نہیں ہوسکتا (پس آپ کی برابر شعائر اللہ کی تعظیم بھی کوئی نہیں کرسکتا) اور اس میں ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ جو صاحب حال الحکام (کے اتباع) میں پختہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ تجلی اور مشاہدہ ہی میں رہتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تلاوت قرآن کیوقت یہی حال تھا جب آپ رحمت کی آیت پر گذرتے اللہ تعالیٰ سے (رحمت کا) سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پر گذرتے (جسمیں کفار پر عذاب کا ذکر ہوتا) تو پناہ مانگتے اور جب ایسی آیت پر گذرتے جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت پر دلالت کرتی ہے جیسے خالق ہونا قادر ہونا باعظمت ہونا تو اللہ کی پاکی بیان کرتے، غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس آیت پر گذرتے اُسی حالت سے رنگ جماتے تھے جو اس آیت کے مخاطب کی حالت ہونا چاہئے اور وہی جواب دیتے جسکا ادب تقاضا کرتا اور اسی کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تعلیم دی ہے چنانچہ جب آپنے اُن کے سامنے سورۂ رحمن پڑہی اور وہ خاموش رہے تو آپنے فرمایا تم وہ بات کیوں نہیں کہتے جو جنوں نے سورۂ رحمن کو سنتے ہوئے کہی تھی صحابہ نے عرض کیا اُنہوں نے کیا کہا تھا فرمایا جب میں فبای الاء ربکما تکذبان پڑہتا تھا (کہ تم اللہ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے) تو وہ کہتے تھے لا بواحدۃ منھا یا ربنا کہ اے پروردگار ہم کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حُسن تعلیم اور خوبیٔ ارشاد کو پیش نظر رکھو تو (بارگاہ) ربوبیت کا ادب اچھی

تراویح رمضان کی اصل الاصل تعظیم شعائر اللہ سے ہے

عارف کامل ہمیشہ تجلی میں رہتا ہے

Marfat.com

طرح بجا لا سکو گے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو بوجہ غنا اور جلال کے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں (مگر بندہ کو تو اسکی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ادب پوری طرح بجا لائے کہ ایمان کی علامت یہی ہے اور ایمان کا نفع بندہ ہی کو پہونچے گا) قولہ الوجہ السابع یوخذ منہ فضل سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم الی قولہ فی الوجہ الرابع عشر مع غنائہ عن الکل وجلالہ وانما قرنت بین الوجہ السابع والرابع عشر لکون الثانی مرتبا علی الاول عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ مترجم

فائدہ: تراویح سنت ہے بدعت نہیں

ف یہاں سے معلوم ہو گیا کہ تراویح کی نماز رمضان میں با جماعت بدعت نہیں بلکہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عملاً اس کا ثبوت ہو چکا ہے پھر سنت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت کو دیکھکر نعمت البدعۃ ھذہ (یہ بدعت بہت اچھی ہے) فرمانا سو آپنے لغت کے اعتبار سے اسکو بدعت فرمایا ہے نہ کہ شرعاً کیونکہ حضرت عمر نے صرف اتنی بات جدید کی تھی کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا تھا

۱۳ پہلے مختلف قاریوں کے پیچھے ایک ایک جماعت اقتدا کرتی تھی۔ غرض تراویح کی نماز با جماعت حضرت عمر کے اس فعل سے پہلے بھی قائم تھی پھر اُسکو شرعاً بدعت کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ہیئت اور صورت دیکھنے میں جدید تھی کہ سب لوگ ایک مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑہیں تو لغت کے اعتبار سے اُسکو بدعت کہنا صحیح تھا،

رہا یہ کہ جب نوافل کا گھر میں پڑہنا افضل ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی یہ نماز مسجد میں کیوں پڑہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز تراویح کا مسجد ہی میں پڑہنا افضل ہے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں کے بعد تراویح کی جماعت کو اسلئے ترک فرمایا کہ دوسری حدیث میں آپنے فرمایا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں یہ نماز تمپر فرض نہو جائے پھر تم اسکو نباہ نہ سکو اور یہ اندیشہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جاتا رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افضل پر عمل کیا اور تراویح کی نماز با جماعت اہتمام کیساتھ مسجدوں میں قائم کی جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اُن کو معلوم ہو چکا تھا۔ اور اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جب کسی فعل سے کسی خاص علت کی وجہ سے منع کیا جائے تو علت کے مرتفع ہو جانے سے ممانعت بھی زائل ہو جائیگی اور وہ

Marfat.com

فعل جائز ہوگا، وھذا مما نبّہ علیہ الشارح فی الوجہ الثانی۔

(۱۵۸) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ مفضول افضل (اور ادنیٰ کام اعلیٰ) ہو جاتا ہے جب کوئی علت اُسکو مرتفع کرنیوالی پائے جائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (چند راتوں کے بعد) اسوقت کی عبادت کو موقوف فرما دیا حالانکہ اسوقت کی عبادت افضل تھی مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (عبادت کو) موقوف کرنا تعلیم کیلئے تھا اور تشریع احکام بہت بڑی عبادت ہے تو اس علت کے بڑھ جانے کی وجہ سے مفضول فاضل (اور ادنیٰ عمل اعلیٰ) ہو گیا"۔ قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل علی ان المفضول قد یرجع فاضلا الی قولہ رجع المفضول فاضلا۔

ف بعض دفعہ مشائخ طریق بھی کسی خاص وجہ سے غیر افضل پر عمل کرتے ہیں جس سے ناقصین کو وہم ہوتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو افضل پر عمل نہیں کرتے حالانکہ اگر وہ اُس علت کو جان لیتے جسکی وجہ سے غیر افضل کو اختیار کیا گیا تھا تو معلوم ہو جاتا کہ اسوقت وہی افضل تھا ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۱۵۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت دنیا حاصل کرنا جائز ہے اور وہ آخرت کیلئے سامان کرنے میں معین بھی ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم۔ اے لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ اگر گھر بنانا جائز نہوتا تو حضور یہ نہ فرماتے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ گھروں کی اضافت صحابہ کی طرف فرمانا اسکو مقتضی ہے کہ (صحابہ نے گھر بنا رکھے تھے اور) گھر بنانا جائز ہے اور اُن سے آخرت (کے کاموں) میں مدد ملتی ہے کیونکہ آدمی اُن میں خلوت کیساتھ عبادت کرتا اور اپنے معبود سے مناجات کرتا ہے جس میں کوئی تشویش اور پریشانی مخل نہیں ہوتی (کیونکہ اپنے گھر کی برابر دوسری جگہ سکون و اطمینان نہیں مل سکتا) اسی طرح اور جتنی ضروریات بشریہ ہیں (جیسے ذرائع کسب معاش و نکاح وغیرہ) اگر وہ شریعت کیموافق ہوں اور اُن سے مقصود طاعات میں امداد ہو اور یہ قصد حالاً ہو محض زبانی دعوی نہو تو وہ سب بھی حقیقت میں آخرت محمودہ (میں داخل) ہیں قولہ الوجہ الخامس عشر فیہ دلیل علی جواز اخذ مالا بد منہ من الدنیا الی قولہ فانہ فی الحقیقۃ کلہ اخرۃ محمودۃ۔

بعض دفعہ مفضول افضل ہو جاتا ہے۔

۱۳ بقدر ضرورت دنیا حاصل کرنا جائز ہے

Marfat.com

حالت کا اخفاء ہی افضل و اکمل ہے

(۱۶۰) اس میں اہل تصوف کی بھی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حالت کا اخفاء ہی اکمل (وافضل) ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی افضل نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے بجز فرض نماز کے، اور فرض کے بعد نوافل کا زیادہ کرنا ایمان میں زیادتی (کا سبب) ہے جیسا ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان اعمال کی زیادت سے زیادہ ہوتا اور اعمال کی کمی سے ناقص ہوتا ہے۔ غرض اعمال ہی سے ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے اور ایمان کی زیادتی بہت بڑی حالت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کا اخفاء افضل ہے تو جو تفسیر ہمنے کی تھی وہ درست ہوگئی (کہ حالات کا اخفاء ہی اکمل ہے) اور بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اپنے دل کو اسرار کا اور اپنے مولیٰ کا خزانہ بناؤ۔ شکایت کا خزانہ نہ بناؤ (یعنی اللہ کی تقدیر سے دل میں گرانی اور شکوہ نہ لاؤ) اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوں اور ہمکو بھی وہ دولت عطاء فرمائیں جس سے اُن پر فضل ہوا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں نہ اُن کے سوا کسی سے اُمید کیجا سکتی ہے (وہی فضل فرمائیں گے تو کام بنے گا) قولہ الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ لارب سواہ ولا مرجو الا ایاہ ۱۴

ف۔ اہل اللہ فرائض کے سوا اپنے تمام اعمال واحوال کے اخفاء کا اہتمام فرماتے ہیں اور جن سے اظہار ہوا ہے وہ یا غلبہ حال سے ہوا ہے یا کسی مصلحت سے تاکہ اُن کے اصحاب اُن اعمال و احوال میں اُن کا اتباع کریں یا اما بنعمۃ ربک فحدث کا امتثال کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اظہار فرمایا ہے،،

صوفیۂ قلندریہ کو اخفاء حال کا اس درجہ اہتمام ہوتا ہے کہ وہ تکثیر نوافل کے بجائے ذکر خفی اور ذکر قلبی زیادہ کرتے ہیں جسکی اطلاع فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی اور پہلے گذر چکا ہے کہ ذکر قلبی ذکر لسانی سے افضل ہے اور ذکر اللہ بہت بڑا عمل ہے ولذکر اللہ اکبر ۱۲ مترجم۔

چہل و پنجم ۴۵ (حدیث جواز المشی فی الصلوٰۃ)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس (نماز میں) اُسوقت پہنچے جبکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں سے ملنے سے پہلے ہی رکوع کردیا، پھر

Marfat.com

(آہستہ آہستہ کھسک کر صف میں جا ملے نماز کے بعد) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تمکو زیادہ شوق دے پھر ایسا نکرنا۔

شرح ۔ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں تھوڑا سا چلنا جائز ہے اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۶۱) **ف** رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد زادک اللہ حرصا ولا تعد میں صحابی کیلئے زیادت حرص (وشوق) کی دعا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمکو اعلیٰ عبادات کی طلب میں کوشش کا زیادہ شوق دے کیونکہ اگر وہ اُسی جگہ نماز پڑھ لیتے جہاں نیت باندھی تھی تو نماز درست ہو جاتی مگر صف اول کا درجہ بہت بلند ہے اور اس میں بھی وہ جگہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہو زیادہ افضل ہے تو صحابی نے تمام صفوں سے افضل صف اور اُس میں بھی سب سے زیادہ افضل جگہ لینی چاہی، اس سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ شوق کا زیادہ ہونا ہی عبادات پر برانگیختہ کرتا ہے اور یہ دلیل ہے صوفیہ کی جو یہ فرماتے ہیں کہ مردوں کو ہمت ہی نے (اعمال پر) آمادہ کیا ہی ابدان نے (اور جسمانی قوت نے) آمادہ نہیں کیا، قولہ الوجہ الثانی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم زادک اللہ حرصا ولا تعد الی قولہ انما حملت الرجال الهمم لا الابدان

ف اس ہمت عالیہ ہی کا یہ اثر ہے کہ اللہ والے بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ کام کرتے ہیں جسکا اندازہ اُن کے پاس رہنے سے ہو سکتا ہے،،

(۱۶۲) **ف** رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا تعد (پھر ایسا نکرنا) کا مطلب یہ ہے کہ پھر نماز میں اتنی دیر نکرنا کہ (صف اول تک پہونچنے کیلئے) نماز میں چلنے کی ضرورت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تکمیل عمل کیلئے مستحب یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اُس کا اہتمام کیا جائے مثل مشہور ہے قبل الرمی تراش السہام ۔تیر اندازی سے پہلے تیروں کے پر لگائے جاتے ہیں قولہ ولا تعد ای لا تعد للتاخیر الی قولہ فی الوجہ الثالث تراش السہام،،

(۱۶۳) **ف** حدیث میں یہ بھی ہے کہ کسیکو دعا دینا اگرچہ اُسنے درخواست بھی نہ کی ہو جائز ہے جبکہ وہ دعا کا اہل ہو۔ کیونکہ اس سے اُس کام میں اعانت ہو گی جسمیں وہ لگا ہوا ہے چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرہ کو دعا دی حالانکہ اُنہوں نے درخواست بھی نہ کی تھی کیونکہ آپ نے اُن کے اندر آثار خیر ملاحظہ فرمائے تھے۔ پھر آپ نے ان کو ایسی دعا دی جو سراسر

شوق کا زیادہ ہونا معین عبادت ہے ✚ مردان طریق کو ہمت ہی زیادہ آمادہ کرتی ہے

کام سے پہلے اسکا اہتمام کرو ✚

بدون طلب کے کسی کو دعا دینا جائز ہے

Marfat.com

خیر تھی کہ خدا تمکو نیک اعمال کا زیادہ شوق دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ خدا کرے تم دوبارہ ایسا نکرو۔ کیونکہ حضورؐ کی ہر دعا مستجاب ہے تو اس دعا میں یہ بھی اندیشہ تھا کہ وہ کسی وقت جماعت ہی سے رہ جائیں، اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ کسی کو کوئی دعا اپنے واسطے یا کسی کے واسطے اسوقت تک نکرنا چاہیئے جبتک یقین کیسا تھ یہ معلوم ہوجائے کہ وہ سراسر خیر ہی خیر ہے۔ قولہ الوجہ الخامس یوخذ منہ الدعاء للشخص الیٰ قولہ سواء کان لنفسہ او لغیرہ۔

(۱۶۴)۔ ف اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو جبر قلوب کے قائل ہیں (یعنی دلداری خلق اور دلجوئی کو عبادت سمجھتے ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو دعا دی کیونکہ اُن کے نزدیک سب سے بڑی خوشی یہی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن کو دعا دیں، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ صحابی کا دل اسوجہ سے کہ اسنے اپنی رائے سے بغیر حکم شرعی معلوم کئے ایک عمل کر لیا شکستہ ہو رہا ہے تو آپ نے خوشخبری سنا کر اُسکے دل کو جوڑ دیا قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الیٰ قولہ وھو لا نعلم ما حکم اللہ فیہ۔ ۱۶

ف۔ حضرات صوفیہ کو عمل شروع کرنے سے پہلے اُس کا جسقدر اہتمام ہوتا ظاہر ہے اسی طرح اُن کی یہ بھی عادت ہے کہ اپنے دوستوں میں سے جسکو اہل سمجھتے ہیں دعاؤں سے نوازتے رہتے ہیں گو وہ درخواست بھی نکریں اور شکستہ دلوں کا جوڑنا تو اُن کا خاص حصہ ہے ۱۲ مترجم

چہل و ششم (حدیث وجوب توفیۃ ارکان الصلوٰۃ) ۴۶

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اُسنے نماز پڑہی پھر آیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیکر فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑہو کیونکہ تمنے نماز نہیں پڑہی، اُسنے پھر نماز پڑہی پھر آیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑہو کیونکہ تمنے نماز نہیں پڑہی، تین بار اسی طرح ہوا تو اُسنے عرض کیا

Marfat.com

قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا میں اس سے اچھی نماز پڑھنا نہیں جانتا مجھے آپ بتلا دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر تمکو جتنا قرآن یاد ہو اُس میں سے جتنا آسان ہو پڑھو پھر رکوع کرو یہانتک کہ رکوع میں اطمینان سے جھکے رہو، پھر سر اُٹھاؤ یہانتک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہانتک کہ اطمینان سے سجدہ میں رہو پھر سر اُٹھاؤ یہانتک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو یہانتک کہ اطمینان سے سجدہ میں رہو پھر تمام نماز میں اسی طرح کرتے رہو،،

شرح ظاہر حدیث نماز کے جملہ ارکان قیام ورکوع وغیرہ کو پوری طرح بجالانے کو واجب کر رہا ہے اور جو ایسا نہ کرے اُسکی نماز درست نہ ہوگی، اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۶۵) حدیث **ف** سے معلوم ہوا کہ جب تک عمل کو اچھی طرح نہ کیا جائے بار بار دھرانے سے کچھ فائدہ نہوگا، کیونکہ اس شخص نے تین مرتبہ نماز کو دُھرایا اور ہر دفعہ حضور نے یہی فرمایا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی ان تکرار العمل الی قولہ لم تصل ثلاثا۔

ف۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو نفلیں تو بہت پڑھتے ہیں مگر نماز میں بہت جلدی کرتے ہیں ارکان کو اطمینان سے ادا نہیں کرتے، ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا جمہور علماء کے نزدیک فرض ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک واجب ہے ۱۲ ظ

(۱۶۶) **ف** اس میں اُن لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ (مسئلہ) بتلانا اسوقت تک واجب نہیں جب تک اُس سے سوال نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک اُسکو نہیں بتلایا جب تک اُس نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بتلائیے قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل لمن یقول الی قولہ حتی قال فعلمنی،،

ف بعض حضرات صوفیہ کا معمول یہی ہے کہ جب تک اُن سے دریافت نہ کیا جائے اُسوقت تک خود مسئلہ نہیں بتلاتے۔ یہ حدیث ان کی حجت ہے،

(۱۶۷) حدیث **ف** سے معلوم ہوا کہ امر محتمل پر کوئی حکم نہ لگایا جائے جب تک اُسکی حقیقت نہ معلوم ہو جائے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر نہ کوئی تنقید کی نہ اُسکو ملامت کی

Marfat.com

یس ہی فرمایا کہ واپس جاؤ۔ پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی - کیونکہ احتمال تھا کہ اسنے پوری طرح نماز کے ارکان کو اسلئے ادا نکیا ہو کہ دل کی پریشانی اور مشغولی کی وجہ سے ذہول ہو گیا یا جہل کی وجہ سے ایسا کیا ہو جیسا لبعد میں اُسنے ظاہر کیا۔ غرض احتمال کی وجہ سے آپنے اسسے زیادہ کچھ نہیں فرمایا کہ نماز کے صحیح نہ ہونے کی اُسکو اطلاع کردی،، قولہ الوجہ التاسع یوخذ منہ ان لا یحکم بشئ محتمل الی قولہ لم یزدہ علیہ السلام علی الاخبار بعدم الاجزاء شیئاً،،

ف اس ادب کی رعایت صوفیہ کاملین ہی کرتے ہیں ورنہ لوگ عام طور سے احتمال ہی پر حکم لگادیتے ہیں،،

(۱۶۸) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت میں مشغول ہونیوالے کی طرف دیکھنا جائز ہے البتہ اگر اُسکے سامنے (بیٹھا) ہو تو نہ دیکھے کیونکہ آگے بیٹھنے والا اگر (سامنے سے) دیکھے گا تو اس سے عبادت کرنیوالیکو تشویش ہوگی (اُس کا دل بٹے گا) علماء نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اور (یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حالت میں) اُسکی طرف سے منہ پھیرلے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس شخص سے یہ فرمایا کہ واپس جاؤ پھر نماز پڑھو کیونکہ تمنے نماز نہیں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا حضور اُسکو دیکھتے رہے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو اُس (کی نماز) کا حال معلوم نہو سکتا، اسپر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ ہر نگراں کو ان لوگوں کی دینی حالت پر نظر رکھنا چاہئے جو اسکی نگرانی کے تحت میں ہیں کیونکہ اُنکے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال (وحکام) کے نام ایک خط میں لکھا تھا ان اھم امورکم عندی الصلوٰۃ - مجھے تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ نماز کا فکر ہے (کہ تم اُسکی پوری پابندی کرتے ہو یا نہیں)

ف کسی معتبر کتاب میں میں نے دیکھا ہے جس کا نام یاد نہیں رہا غالباً کنز العمال میں دیکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ میں جب معتبر اہل شخص کو کوئی عہدہ دیتا ہوں تو کیا یہ کافی ہے کہ عہدہ دینے سے پہلے اُسکی اہلیت لیاقت دیانت و امانت کی تحقیق کرلوں پھر میں سبکدوش ہوں یا مجھے عہدہ دینے کے بعد اُسکے کام کی تحقیق بھی کرنا چاہئے کہ جیسا میرا گمان تھا وہ ویسا ہی ثابت ہوا یا اُسکے متعلق میرا گمان غلط نکلا، سب نے جواب دیا کہ عہدہ دینے

فائدہ: عبادت میں مشغول ہونے والے کی طرف دیکھنا جائز ہے

۱۸ فائدہ: عہدہ دار مقرر کرنے کے بعد اس کے کام کی تحقیق بھی ضروری ہے

Marfat.com

سے پہلے پوری طرح تحقیق کر لینا کافی ہے اس کے بعد آپ سبکدوش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جواب صحیح نہیں بلکہ مجھے اُس کے کام کی بھی تحقیق کرنا چاہیئے کہ جیسا میرا گمان تھا اُس نے اُسی طرح کام کا حق ادا کیا یا میرا گمان اسکے متعلق غلط ثابت ہوا بدون اسکے میں سبکدوش نہوں گا۔ محققین صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جسکو کوئی خدمت سپرد کیجائے اُسکے اعمال کی جانچ بھی کرنا چاہیئے کہ جو خدمت اسکے سپرد کیگئی ہے وہ اس کا اہل ثابت ہوا یا نہیں؟

صحابہ میں تکلف اور تصنع نہ تھا

(۱۶۹) ف اُس حدیث سے صحابہ کی فضیلت اور اُن کی بے تکلفی بھی معلوم ہوئی کہ اُن میں بناوٹ اور تصنع (نام کو بھی) نہ تھی چنانچہ ان صحابی نے (بے تکلف) کہدیا کہ والذی بعثک بالحق ما احسن غیرہ فعلمنی قسم اُس کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے بتلا دیجئے،، اُس نے تواضع سے کام لیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ قسم سے کلام کو مؤکد کیا، اور علماء نے فرمایا ہے کہ طالب علم صرف دو وجہوں سے محروم رہتا ہے یا تکبر کی وجہ سے یا شرم کی وجہ سے کیونکہ دین میں تکبر یا شرم کا کام نہیں نہ حق بات کہنے میں نہ اُسکے بتلانے

۱۹ میں (نہ معلوم کرنے میں) اسلیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، نعم النساء نساء الانصار لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین، انصار کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں اُنکو مسائل دین کے دریافت کرنے میں حیا و شرم مانع نہیں ہوتی،، قولہ الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی فضل الصحابۃ الی قولہ ان یتفقھن فی الدین،،

نفس کشی کا ثبوت اور اس کا مطلب

(۱۷۰) ف اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ نفس کو مارنا چاہیئے) کیونکہ نفس کے عیوب ظاہر کر کے اُسکو رسوا کرنا بھی موت ہے اور نفس کی موت ہی اُسکی حیات ہے ؎

موت النفوس حیاتھا من احب ان یحیا یموت

نفسوں کا مرنا ہی اُن کی زندگی ہے، جو زندہ رہنا چاہے اُسے (پہلے) مرنا چاہیئے، قولہ الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ من احب ان یحیا یموت،،

ف نفس کا مارنا یا نفس کشی تصوف کی اصطلاح میں تکبر۔ دعوی۔ عجب وپندار۔ خود رائی و خود بینی زائل کرنے کا نام ہے جب تک یہ رذائل نفس کے اندر موجود ہیں وہ زندہ ہے جسبدن ان سے پاک ہو گیا مردہ ہو گیا مگر اس موت کے بعد اُسکو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جو

Marfat.com

روحانی حیات ہے اور لازوال حیات ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل بد اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اے دعویٰ عقل ۱۲
اے اقرار جہالت خود کنم تا عقل حقیقی میسر شود۔ ولنعم ما قال ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش
آزمورا یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

ہر کجا رنجے دوا آنجا رود
ہر کجا دردے شفا آنجا رود

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

چہل و ہفتم (حدیث رد الماموم علی الامام بالحمد فی الرفع)

۲۰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے گا اُسکے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے "

جماعت کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کیوقت جسکی تحمید ملائکہ کے قول سے ملجائیگی اُسکی مغفرت ہو جائیگی اسپر چند وجوہ سے کلام ہے "

(۱) حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ جماعت کی نماز کو دوسری نمازوں پر فضیلت ہے کیونکہ ملائکہ تنہا نماز پڑھنے والیکے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر آمین یا حمد کچھ نہیں کہتے بلکہ صرف امام کیلئے وہ ایسا کرتے ہیں (کہ جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں) اور اس مقام پر قوت کلام کا مدلول یہ ہے کہ اسوقت اللھم ربنا ولک الحمد کہنے کی پابندی کرنا چاہئے، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ثواب بتلایا ہے تو گویا آپ بڑی تاکید کیساتھ یہ فرما رہے ہیں کہ اس سے غفلت نکرو اور اس کا پورا خیال رکھو "

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے دوسرے ارکان پر اس رکن کو زیادہ شرف حاصل ہے کیونکہ

Marfat.com

اس رکن کے سوا اور کسی کے متعلق یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اُس میں آدمی کیساتھ موافقت کرکے شریک ہوتے ہیں ہاں سورۃ الحمد کے ختم پر بھی جب امام آمین کہتا ہے تو ملائکہ آمین کہتے ہیں جس سے اس سورت کی بھی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ ختم فاتحہ کے علاوہ اور کسی سورت کی قراءت کیلئے یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اُسپر آمین کہتے ہیں۔ بہرحال امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر ملائکہ کا اللھم ربنا لک الحمد کہنا بتلاتا ہے کہ اس رکن کی عظمت دوسرے ارکان و اقوال سے زیادہ ہے قولہٗ فی الوجہ الخامس فیہ دلیل علی فضل صلوٰۃ الجماعۃ الی قولہ فی الرابع علی تعظیمھا من بین الارکان والاقوال،

ف صوفیہ متبعین سنّت کو جماعت کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا ہے ہمنے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے اور حضرات سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے مگر آجکل کے جاہل صوفیوں نے تصوف کو بدنام کر رکھا ہے وہ جماعت کا تو کیا اہتمام کرتے نماز کی بھی پوری پابندی نہیں کرتے نہ معلوم ان لوگوں نے تصوف کس چیز کا نام رکھ لیا ہے جو مخالفت سنت کیساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے فلا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۱۷۲) یہاں ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے کیونکہ ان حضرات نے جب دیکھا کہ ملائکہ اللھم ربنا لک الحمد کہنے میں نمازیوں کیساتھ اسلئے شریک ہوتے ہیں کہ رکوع میں بندہ کو صرف اپنے رب کی تعظیم کا حکم ہے قراءت اور دعاء وغیرہ کی اجازت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی ارشاد فرمایا ہے کہ جسکو میرا ذکر مجھسے مانگنے (اور دعا کرنے سے) روکدیں اسکو مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جبکہ نمازی اپنے رب کی تعظیم کرکے سر اُٹھاتے ہیں اتنی بڑی خیر و برکت رکھدی کہ فرشتے بھی اُن کی ساتھ اللھم ربنا لک الحمد کہنے میں شریک ہوتے ہیں اور جس کا قول ان کے قول سے ملجائے اُسکی مغفرت ہو جاتی ہے اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو اسکی اطلاع دیدیں تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں کیونکہ مغفرت سے بڑھکر کوئی ثواب نہیں تو اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اس اشارہ کا مقتضی یہ ہے کہ (نفسانی) خواہشوں کو چھوڑ دینا سب کاموں سے افضل ہے (چنانچہ اپنی ضروریات کیلئے دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

مانگنا نفس کا تقاضا ہے مگر اللہ تعالیٰ مانگنے والوں سے زیادہ انکو دیتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مشغول ہو کر دعا سے رہجاتے ہیں) اسلئے اُنہوں نے اسکو اختیار کیا اور تمام حظوظ نفس سے باہر ہو گئے اور صمد جلیل (یعنی حق سبحانہ) کے ذکر میں مشغول ہو گئے جسکے ثمرہ میں اللہ تعالیٰ نے اُنکو بلند عزت سے نوازا کہ اُن کا شرف اپنی کتاب محکم میں نازل فرمایا چنانچہ ارشاد ہے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ وہ ایسے لوگ ہیں جنکو تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور ارشاد ہے واصبر نفسك مع الذين يدعون ربھم بالغداۃ والعشي يريدون وجھہ۔ اپنے آپ کو اُن لوگوں کیساتھ روکے رکھو جو اپنے رب کو صبح اور شام یاد کرتے ہیں صرف اُسی کی ذات کا ارادہ کرتے ہوئے (کسی دنیوی غرض سے نہیں) اللہ تعالیٰ ہمکو بھی وہ بات سمجھادیں جو اُن کو سمجھائی ہے اور جملہ احوال میں ان کی ساتھ کردیں اللہ کے سوا کوئی رب نہیں وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وسلم تسلیما۔ قولہ فی الوجہ السادس وھنا اشارۃ صوفیۃ مع الحکمۃ التی ذکرھا فی الوجہ الخامس الی قولہ لا رب سواہ

۲۲ چہل و ششم (حدیث رؤیۃ المولیٰ عزوجل)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ فرمایا کیا تمکو چودھویں رات میں چاند (کے دیکھنے) میں کچھ شبہ ہوتا ہے؟ جبکہ اُسکے سامنے بادل بھی نہو عرض کیا نہیں یا رسول اللہ فرمایا کیا تمکو سورج (کے دیکھنے) میں کچھ شبہ ہوتا ہے جبکہ اسکے سامنے بادل نہو۔ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! فرمایا تو تم اپنے پروردگار کو اسیطرح دیکھوگے۔، لوگ قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جو جس چیز کی عبادت کرتا ہو اُسی کے پیچھے چلا جائے، چنانچہ کچھ لوگ سورج پیچھے ہولیں گے کچھ چاند کے پیچھے ہولیں گے بعضے شیاطین کے ساتھ ہولیں گے، اور یہ اُمت رہ جائے گی جسمیں اسکے منافق بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ اس امت کے پاس تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں (تم میری ساتھ آؤ) یہ اُمت کہے گی کہ ہم تو اپنی اسی جگہ پر رہیں گے یہانتک کہ ہمارا رب تشریف لائے کیونکہ جب ہمارا رب آئے گا ہم اُسکو پہچان

Marfat.com

لیں گے تو اللہ تعالیٰ اُنکے پاس (دوسری بار) تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں (تم میری ساتھ چلو) اسوقت مسلمان کہیں گے (بیشک) آپ ہمارے پروردگار ہیں تب اللہ تعالیٰ اُنکو بلائیں گے اور جہنم کی پشت پر پُل صراط قائم کیا جائے گا۔ پس تمام رسولوں سے پہلے میں اپنی اُمت کو لیکر اُس پر سے گذروں گا اور اُسوقت رسولوں کے سوا کوئی بات نہ کرسکے گا، رسولوں کا کلام اسوقت یہ ہوگا اللّٰھم سلّم سلّم (اے اللہ سلامتی سے پار کردے سلامتی سے پار کردے) اور جہنم میں ایسے کانٹے ہوں گے جیسے سعدان کے کانٹے ہوتے ہیں تمنے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں صحابہ نے عرض کیا ہاں (دیکھے ہیں) فرمایا وہ ایسے ہی ہوں گے مگر ان کی جسامت کی مقدار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کچھ لوگ اپنے اعمال کے سبب (ان کانٹوں کے ذریعہ جہنم کی طرف) کھینچے جائیں گے تو بعضے تو اپنے عمل کی وجہ سے ہلاکت کو پہنچ جائیں گے اور بعضوں کو ان کانٹوں سے خراش لگے گی پھر بچ جائیں گے، یہانتک کہ جب اللہ تعالیٰ جہنم والوں میں سے جن پر رحمت کرنا چاہیں گے رحمت کریں گے تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ جو اللہ کی عبادت کرنیوالا (جہنم میں) ہو اُسکو نکال لاؤ۔ فرشتے ان کو نکالیں گے اور ۲۳
فرشتے اُنکو سجدہ کے نشانوں سے پہچانیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آگ کے اوپر سجدہ کے نشان کا کھانا حرام کردیا ہے۔ غرض وہ جہنم سے نکالے جائیں گے انسان کے تمام بدن کو آگ کھالیگی مگر سجدہ کے نشان کو نہ کھاسکے گی یہ لوگ جہنم سے جھلسے ہوئے نکلیں گے تو اُن کے اوپر آب حیات ڈالا جائے گا جس سے وہ اس طرح اُگیں گے جیسا سیلاب کے خس و خاشاک میں دانہ اُگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائیں گے اور (صرف) ایک شخص دوزخ اور جنت کے بیچ میں رہ جائے گا جو دوزخیوں میں سے سب کے پیچھے جنت میں جائے گا (جہنم سے نکلنے کے بعد) اُس کا منہ دوزخ ہی کی طرف ہوگا تو وہ کہے گا اے پروردگار میرا منہ جہنم کی طرف سے ہٹادے کہ مجھے اسکی بدبو نے پریشان کردیا اور اسکی لپٹ نے پھونک دیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر تیری یہ فرمائش پوری کردی گئی تو کچھ اور تو نہیں مانگے گا؟ کہے گا نہیں آپ کی عزت کی قسم (میں اور کچھ نہ مانگوں گا) پھر وہ اسپر اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ عہد و میثاق کریگا تو اللہ تعالیٰ اُس کا منہ جہنم کی طرف سے ہٹادیں گے جب وہ جنت کو اپنے سامنے دیکھے گا اور اُسکی زینت (و آرائش

پر نظر پڑے گی تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ خاموش رہے گا، پھر (ضبط نہ ہو سکے گا تو) کہے گا اے رب مجھے جنت کے دروازہ کے پاس پہونچا دیجئے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو نے ابھی پختہ عہد نہ کیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا تو وہ کہے گا اے رب میں ساری مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت نہیں رہوں گا تو فرمائیں گے اچھا اسکے بعد اور تو کچھ نہ مانگے گا؟ وہ کہے گا نہیں آپ کی عزت کی قسم اور کچھ نہ مانگوں گا، پھر اسپر اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت کچھ عہد و میثاق کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسکو جنت کے دروازہ پر پہونچا دیں گے، دروازہ پر پہونچکر جب وہ جنت کی رونق اور تازگی اور مسرت بخش منظر) دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے خاموش رہے گا پھر کہے گا اے پروردگار مجھے جنت کے اندر پہونچا دیجئے، اللہ عزوجل فرمائیں گے اے ابن آدم تو کیسا غدار ہے کیا تو نے ابھی پختہ عہد نہ کیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا وہ عرض کرے گا اے پروردگار اپنی ساری مخلوق میں مجھے ہی سب سے زیادہ محروم (اور بدبخت) نہ کیجئے اس بات پر اللہ تعالیٰ ہنس پڑیں گے (یعنی بہت خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ہنسی کو انسان اپنی ہنسی پر قیاس نکرے جو بے اختیار ہوا کرتی ہے کیونکہ
۲۴ اللہ تعالیٰ اضطرار سے پاک ہیں غرض) پھر اللہ تعالیٰ اُسکو جنت میں جانے کی اجازت دیدیں گے اور فرمائیں گے تمنا کر (اور جو مانگتا ہے مانگ) چنانچہ وہ اپنی تمنا بیان کرنا شروع کرے گا جب اُسکی تمنا ختم ہو جائیگی تو حق تعالیٰ اُسکو یاد دلائیں گے کہ یہ بھی مانگ یہ بھی یہانتک کہ جب اُسکی تمام آرزوئیں انتہا کو پہونچ جائیں گی تو حق تعالیٰ فرمائیں گے (جا) تیرے واسطے یہ بھی ہے اور اسی کی برابر اور بھی، اور ابو سعید خدری کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تیرے واسطے یہ بھی ہے اور اس کا دس گنا اور۔

شرح۔ ظاہر حدیث میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تحقیق ہے جو قیامت کے دن ہمکو نصیب ہوگا اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۷۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ ادراکات حواس حق تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اللہ عزوجل ان میں جو چاہتے ہیں جسطرح چاہتے ہیں (ادراک) پیدا فرماتے ہیں (یہ ضرور نہیں کہ حواس درست ہوں تو ادراک ہو ہی جائے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کے پاس آئیں گے (جیسا آنا اُن کی شان کے لائق ہے) اور فرمائیں گے کہ

(باقی آئندہ)

Marfat.com

میں تمہارا رب ہوں پھر باوجود رویت اور کلام کے اُن کو (حق تعالیٰ کی) معرفت حاصل نہو گی (وہ
نہیں پہچانیں گے اور کہدینگے کہ ہم تو اسی جگہ رہیں گے جبتک ہمارا رب آئے) کیونکہ یہ حجاب خود
بندوں کی طرف سے ہوگا (ان ہی کے حواس کا ادراک اُسوقت صحیح نہو گا) ہم اسکو بلا تشبیہ ایک
مثال سے واضح کرتے ہیں اور اللہ کیلئے تو بڑی مثال ہے (اُن کی شان کے لائق کون مثال
بیان کرسکتا ہے) دیکھو آفتاب کی ٹکیا جب سامنے ہو اور کسی کمزور نگاہ والے سے کہا جائے کہ سورج
کو دیکھو اور اُسکو یہ بات معلوم ہے کہ جب آفتاب کے سامنے بادل نہو تو وہ خوب روشن ہوتا ہے
مگر اسوقت جو وہ اُسکو دیکھیگا تو (نگاہ کمزور ہونے کی وجہ سے) سورج میں سُرخ اور سبز اور زرد
اور سیاہ دہاریاں نظر آئیں گی تو وہ (بیساختہ) کہیگا کہ یہ تو وہ سورج نہیں جسکو میں پہچانتا ہوں
(یہ تو نہ معلوم کیا چیز ہے) تو اُس سے کہا جائے گا کہ (آفتاب تو وہی ہے مگر) تیرا ادراک صحیح نہیں تو
اس میں بحث کریگا تو اس سے کہا جائے گا کہ اپنی آنکھوں کا علاج کرکے پھر آ اور سورج کو دیکھ
جب وہ اپنی آنکھوں کی دوا کرکے دوبارہ سورج کو دیکھیگا تو اسکو روشنی اور حسن میں حالت
کمال پر پائے گا، اُسوقت خود اقرار کریگا کہ واقعی (پہلے جو) حجاب (تھا وہ) خود اسکی طرف سے تھا،
یہ حال ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کی ساتھ ہے تو اُس ذات کی ساتھ کیا حال ہوگا جسکی مثل کوئی
چیز نہیں پس جتنے حجابات ہمکو پیش آتے ہیں وہ سب ہماری طرف سے ہیں جو قدرت اور حکمت
آلٰہیہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس میں صوفیہ کیلئے بھی حجت ہے جو فرماتے ہیں کہ حجابات سب
اُن کی طرف سے ہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں) جو ان حجابات سے پوری طرح نکل گیا وہی
واصل اور عارف ہوگیا وہ (اللہ تعالیٰ سے) خطاب کرتا ہے اور اُس سے خطاب کیا جاتا ہے۔
مشاہدہ کرتا ہے اور مشاہدہ کیا جاتا ہی لیکن عظمت اور کبریائی کے حدود کی رعایت کی ساتھ قواعد
شرعیہ اور اس تنزیہ کو محفوظ رکھکر جو جلال الٰہی کے لائق ہے (پس جسکو ادب اور عظمت آلٰہیہ اور قواعد
شرعیہ کی مخالفت پر دیکھو سمجھ جاؤ کہ اسکو نہ وصول ہوا نہ معرفت حاصل ہوئی نہ مشاہدہ سے حصہ
ملا بلکہ محجوب اور محروم ہے) قوله في الوجه الثاني عشر قوله عليه السلام فيقولون هذا مكاننا
المقوله في الوجه الثالث عشر بمقتضى القدرة والحكمة الربانية ،،
(۱۷ھ) مؤمنین جو اول یہ کہیں گے کہ ہم اسی جگہ رہیں گے یہاں سے نہ ہٹیں گے یہانتک کہ ہمارا

Marfat.com

جیسا علم یہاں ہوگا ویسا ہی آخرت میں ہوگا

پروردگار ہمارے پاس آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے اُسی طرح تجلی فرمائیں جیسا دنیا میں ہم سے وعدہ کیا تھا۔ یہاں سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ جو حالت تمہارے علم کا اس عالم میں ہے وہی حال تمہارا اُس عالم میں ہوگا۔ اسلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب قبر کے دو فرشتوں (منکر نکیر) کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کیا اُسوقت میری عقل بھی ٹھکانے ہو گی؟ کہا گیا ہاں (عقل تو ٹھکانے ہو گی) اُنہوں نے کہا تو پھر مجھے اُن کی پروا نہیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُن کا علم اُس وقت ایمان کے اعلیٰ درجہ پر ہوگا اسلئے اُنہوں نے فرمایا کہ جب مجھے اتنی عقل ہوگی جس میں ایمان کو سمجھ لوں تو پھر میں نجات پا جاؤں گا۔ اس میں کچھ شک نہیں، اندیشہ اگر تھا تو حالت کے بدلنے سے تھا کہ مرنے کے بعد کہیں عقل ہی خبط نہ ہو جائے جب یہ نہیں تو پھر اندیشہ کچھ نہیں عقل سلامت رہے تو ان شاء اللہ ہر سوال کا جواب آسان ہے) اسلئے اہل معرفت اور علماء شریعت نے فرمایا ہے کہ وہاں دار کرامت میں تجلی اُسی تفاوت سے ہو گی جتنا دنیا میں لوگوں کی معرفت اور اجلال و تعظیم میں تفاوت ہے،

قیامت میں تجلی بقدر معرفت ہوگی

۲۶ اور مؤمنین کے اس قول کا کہ جب ہمارا رب آئے گا ہم اُسکو پہچان لینگے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہمارے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرینگے تو ہم پہچان لیں گے، کیونکہ مسلمان وہاں بھی (اور یہاں بھی) اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں (تو قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجلی فرمائیں اور بندوں کو اُس تجلی اور دیدار کا تحمل بھی عطا فرما دیں)

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جواب سب لوگ یکزبان ہو کر دینگے یا خاص خاص حضرات اہل معرفت جواب دینگے؟ اور اُن ہی سے خطاب کیا جائے گا دوسرے لوگ اُن کے تابع ہوں گے؟ جیسا دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ جماعت میں سے جب بعض لوگ بولتے (اور باقی خاموش رہتے ہیں تو محاورۂ عرب میں کہا جاتا ہے کہ جماعت نے یوں کہا (جماعت کی طرف کسی بات کی نسبت کرنے میں سب کا بولنا ضروری نہیں) دونوں صورتیں محتمل ہیں اور قدرت سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہاں عامی کو بھی حُسنِ جواب اور حُسنِ ادب عطا ہو جائے جیسا یہاں اہل معرفت کو عطا ہوا ہے، اور اس میں بڑی بشارت ہے کہ ایمان کی سلامتی کی خبر دیگئی اور بتلا دیا گیا کہ ایمان کی وجہ سے کتنا

Marfat.com

بڑا فضل ہو گا کہ اس بندہ کو باوجودیکہ وہ جیسا حقیر ہے معلوم ہے اپنے مولیٰ جلیل اللہ تعالیٰ شانہ سے خطاب (اور گفتگو) کا شرف عطا ہو گا حالانکہ اُنکی شان استغنا و جلال جیسی کچھ ہے ظاہر ہے۔ اسی واسطے ایک عابدہ سے منقول ہے کہ وہ محوت (کے نام) سے بہت خوش ہوتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کیا اللہ تعالیٰ مجھ سے خطاب نہ فرمائیں گے اور دھمکا کر یوں نہ فرمائیں گے اے نالائق بندی تو نے ایسا کیا اور ویسا کیا بس یہی میرا بڑا مطلوب ہے (عارف شیرازی نے خوب کہا ہے ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

عاشق کو محبوب کی دشنام میں بھی وہ لذت آتی ہے جو دوسروں کو تعظیم و تکریم میں بھی حاصل نہیں ہوتی رزقنا اللہ وایاکم حب اللہ وحب رسولہ وسقانا من شراب حبہ آمین)

اور یہ جو فرمایا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کیساتھ ہو لینگے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرف جانیکا حکم ہو گا اُس طرف ہولیں گے، اور یہی مومنوں اور منافقوں میں امتیاز کا موقع ہو گا چنانچہ منافقین سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹو وہ پیچھے کو پھر ینگے تو اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جیسا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے فضرب بینھم لسور ایسا ہی ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ قولہ الوجہ الرابع عشر قولہ ھذا مکاننا الیٰ قولہ فی حدیث غیر ھذا

(۱۷۵) اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ امتحان کیوقت تمام حقائق کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے (چنانچہ منافقوں کو بطور امتحان ہی کہا جائے گا کہ پیچھے پھر کر دیکھو اور نور حاصل کرو وہ بیوقوف پیچھے پھر کر دیکھنے لگیں گے اُسی وقت اُن کے اور مسلمانوں کے درمیاں دیوار کھڑی ہو جائے گی) اور اسپر یہ فائدہ مرتب ہوا کہ انسان یہاں اپنے ایمان کی حالت کو ٹٹولتا رہے تاکہ اسکو معلوم ہو جائے کہ وہ کس جماعت میں سے ہے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا اپنے نفس سے محاسبہ کرتے ہو قبل اسکے کہ تم سے (قیامت میں) حساب لیا جائے"، اور تاکہ تمکو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عدل پر مبنی ہے اور جو کچھ اُنہوں نے ہمکو حکم دیا ہے سب حق ہے اور فیصلہ بدلتا نہیں پس اپنے نفس کو مہمل نہ چھوڑو اور نجات کی طمع اسباب نجات کی ضد سے نہ کرو کہ یہ عین حماقت ہے، قولہ الوجہ الخامس عشر فیہ من الفقہ انہ عند الاختیار یتبین حقیقۃ الحقائق الیٰ قولہ فھو عین الحمق۔

۲۷ (عنوان) امتحان کے وقت حقیقت واضح ہو جاتی ہے + اپنے ایمان کی حالت کو ٹٹولتا رہنا چاہیے

Marfat.com

ف عارف رومی نے اسی مضمون کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے ؎

جان جملہ علمہا این ست و این　　کہ بدانی من کیم در یوم دین

تمام علوم کی جان یہ ہے کہ تمکو یہ معلوم ہو جائے کہ میں قیامت میں کون ہوں مؤمن ہوں یا منافق مطیع ہوں۔ یا عاصی۔ اس بات کے معلوم ہونیکا طریقہ یہاں بتلا دیا گیا ہے کہ اپنے ایمان کی حالت کو ٹٹولتے رہو اپنے نفس سے محاسبہ کرتے رہو اُسکو مہمل نہ چھوڑو جو شخص اپنے نفس کی نگہداشت رکھتا ہے اسکو اپنا اصلی حال معلوم ہو جاتا ہے جو نگہداشت سے غافل رہتا ہے وہ دہوکہ میں رہتا ہے

(۱۷۶) حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ قیامت کے دن بھی قبول دعا کی امید ہے اور اُس سے خیر حاصل ہونے کی توقع ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرات رسل کرام (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پلصراط پر گزرتے ہوئے اللھم سلم سلم کی ساتھ) دعا نکرتے۔ قولہ الوجہ الثالث والعشرون فیہ دلیل علی ان الدعاء الی قولہ لما کانت الرسل یدعون،،

(۱۷۷) حدیث سے دعا کی اس صورت کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ اللھم کیساتھ انبیاء دعا کرینگے اگر اس طرح دعا کرنا افضل نہوتا تو انبیاء علیہم السلام اس عظیم الشان موقعہ میں اسکو اختیار نکرتے (بلکہ اس سے افضل کو اختیار کرتے) کہا گیا ہے کہ اللھم کے معنے یہ ہیں کہ اے اللہ میں آپسے اُن تمام ناموں کیساتھ سوال کرتا ہوں جنکے ذریعہ آپسے سوال کیا جاتا ہے،،

قولہ الوجہ الرابع والعشرون فیہ دلیل علی فضیلۃ ھذہ الصفۃ الی قولہ بجمیع ما سئلت بہ

ف نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی اور نجات کی دعا سب بے دعاؤں سے بڑھکر ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اس ہولناک موقعہ میں صرف سلامتی کی دعا کرینگے اگر اس سے بڑھکر کوئی دعا ہوتی تو اس موقعہ میں اُسکو اختیار کرتے اسلئے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سوال عافیت سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والاخرۃ،،

(۱۷۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اہل ایمان میں سے ہو خواہ کسی حالت میں ہو اُسکو یقینی طور پر ارحم الراحمین کی رحمت سے نا اُمید نہیں کیا جا سکتا شاید وہ ان لوگوں میں سے ہو جنکے لئے خیر مقدر ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی عطا سے کافروں کے سوا کوئی نا اُمید نہیں ہوتا، منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور خلفاء سے حساب لیا گیا پھر اُنکو دائیں طرف جانیکا حکم دیا گیا (جو علامت ہے جنتی ہونے کی۔ اصحاب الیمین اہل جنت ہی ہیں) یہانتک کہ ان کی نوبت آئی اور ان سے بھی حساب ہوا پھر اُنکو بھی دائیں طرف جانے کا حکم ہوا، وہ فرشتوں کیساتھ چل رہے تھے کہ راستہ میں ایک لاش پڑی ہوئی ملی انہوں نے فرشتوں سے پوچھا یہ کون ہے۔ فرشتوں نے کہا اسی سے پوچھ لو وہ خود بتلا دیگا (کہ میں کون ہوں) تو آپ نے پیر سے اُسکے ٹھوکر لگائی اور پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں حجاج (بن یوسف) ہوں۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے تیری ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا ہر مقتول کے عوض مجھے قتل کیا (پھر زندہ کیا) اور سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہ) کے عوض مجھے ستر دفعہ قتل کیا جا چکا ہے اور اب میں اُسی چیز کی اُمید رکھتا ہوں جسکی اہل توحید کو امید ہوا کرتی ہے (یعنی مجھے امید ہے کہ جن لوگوں پر میں نے ظلم کیا تھا اُن کا بدلہ لیلینے کے بعد اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دینگے اور جنت میں پہونچا دینگے) قولہ الوجہ

۲۹ التاسع والعشرون فیہ دلیل علی ان من کان من اھل الایمان الیٰ قولہ وانا انتظر ما ینتظرہ الموحدون

ف۔ حضرات صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ کسی مسلمان کو رحمت الٰہی سے مایوس نہیں کرتے خواہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار علماء سے فرمایا کہ تم یہ کیا کفر کے فتوے لگاتے ہو کہ فلاں کافر ہے اور فلاں کافر ہے خدا کی قسم قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ بعضے ایسے لوگوں کی مغفرت ہو رہی ہے جو دنیا میں پورے کافر سمجھے جاتے تھے پھر فرمایا اس کا مضائقہ نہیں کہ دھمکانے کیلئے انتظام کے طور پر کسی کو کافر کہدیا جائے (جیسا حدیث میں تارک صلوٰۃ کو کافر کہا گیا ہی) مگر یہ مت سمجھو کہ جس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے وہ سچ مچ کافر ہو گیا، الغرض کسی مسلمان کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرنا چاہیئے مولانا فرماتے ہیں ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(۱۷۹) اس میں مذہب اہل سنت کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ نار بالذات (خود) محرق نہیں بلکہ جلانے کی صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اُس میں آتی ہے اگر وہ بالذات محرق ہوتی

Marfat.com

تو ملائکہ وغیرہ سب کو جلا دیتی (حالانکہ فرشتوں پر اُس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا) اور سجدہ کے مقامات کو بھی جلا دیتی جیسا تمام بدن کو جلائے گی (حالانکہ جہنم کی آگ سجدہ کے مقامات کو نہیں جلا سکتی) غرض تخریق کے تجزیہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جلانا جو آگ کی صفت ہے اسکی علت محض اُسکی ذات کا وجود نہیں بلکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اُس میں پیدا ہوتی ہے

یہاں چند سوالات ہیں ایک یہ کہ مقامات سجدہ کی بابت جو فرمایا ہے کہ آگ اُن کو نہ کھا سکے گی یہ ہر مُومن کیلئے عام ہے؟ خواہ اُسنے کبھی سجدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ جواب یہ ہے کہ اگر ہم اسکو عموم پر محمول کریں تو لفظ کو اُسکے موضوع (اور معنی) سے نکال دینگے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ملائکہ مسلمانوں کو سجدہ کے اثر (اور نشان) سے پہچانیں گے اور لغتہً شی کا اثر وہی ہے جس پر شی کا مرور (اور ظہور) ہوا ہو (تو جس نے کبھی سجدہ نہیں کیا اُسکی پیشانی میں سجدہ کا اثر لغتہً نہیں ہو سکتا) خصوصاً جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے بین المؤمن والکافر ترک الصلوٰۃ مُومن اور کافر میں امتیاز نماز کے (پڑھنے اور) ترک کرنے سے ہے۔ پس اگر مسلمان ایک نماز بھی پڑھ لے تو (اُسکو کافر سے امتیاز حاصل ہو گیا اور) اُسکے جسم میں نماز کا (کچھ) اثر پیدا ہو جائے گا مگر ہماری گفتگو تو اُس شخص کے متعلق ہے جس نے بالکل نماز نہیں پڑھی نہ ایک نہ زیادہ (کہ اُسکے مقامات سجود کو آگ کھائے گی یا نہیں؟ تو ظاہر یہ ہے کہ جب اُسکے جسم میں نماز کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہے تو اُسکے مقامات سجود کو آگ کھا سکتی ہے) اس توجیہ پر تارک صلوٰۃ کی حالت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اُسکے متعلق اندیشہ ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہو جائے اور اگر ایمان پر خاتمہ ہو بھی گیا تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمانوں کیساتھ جہنم سے نہ نکالا جائے گا (جنکو سجدہ کے نشان سے ملائکہ پہچانینگے) کیونکہ اُسکے پاس یہ علامت نہیں ہے،،

تارک الصلوٰۃ کی حالت زیادہ خطرناک ہے

اور (اگر کہا جائے کہ) یہاں ایک حدیث ہمارے (اس بیان کے) معارض ہے اور وہ جبریل کا قول ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا من مات من امتك يشهد ان لا اله الا الله دخل الجنة قال وان فعل كذا وكذا قال وان فعل كذا وكذا جو شخص آپ کی اُمت میں سے اس حالت میں مرے کہ وہ لا اله الا الله (محمد رسول اللہ) کی

Marfat.com

شہادت (زبان ودل سے) دیتا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ اُسنے ایسا ایسا (گناہ) بھی کیا ہو۔ کہا اگرچہ اُسنے ایسا ایسا (گناہ) بھی کیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ پر بڑا اندیشہ موت کے وقت ہے (کہ ایمان سلب نہو جائے) اور اگر وہ شہادت کا اقرار کرتا ہوا دل سے اسکو مانتا ہوا مرا تو اندیشہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کیساتھ (جہنم سے) نہ نکلے گا جو علامت والے ہیں، بلکہ اُس قبضہ کیساتھ نکلے گا جو اللہ تعالیٰ مٹھی بھر کر نکالیں گے جیسا حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیا، وصالحین کی شفاعت کے بعد جبکہ یہ حضرات (سفارش کر کے) گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکال لیں گے اور جہنم میں (ان کے نزدیک) وہی لوگ رہجائیں گے جنکو قرآن نے (دوزخ میں) قید کیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء واولیاء کے نزدیک کوئی مومن جہنم میں نہ رہا ہو گا صرف کفار ومشرکین ہی رہ گئے ہوں گے) اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے رسولوں نے شفاعت کرلی انبیاء نے شفاعت کرلی ملائکہ نے شفاعت کرلی علماء نے شفاعت کرلی اب ارحم الراحمین کی شفاعت کی باری ہے۔ پھر اللہ عز وجل جہنم میں سے ایک مٹھی بھر کر نکالیں گے (اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اُن کا مٹھی بھرنا کیونکر ہو گا اور اسکی مقدار کیا ہو گی؟) تو اس مٹھی میں وہ سب لوگ نکل آئیں گے جنکو قرآن (کے قانون) نے (انبیاء وعلماء کے نزدیک جہنم میں) قید کیا تھا تو یہ لوگ بھی (جو کبھی نماز کے پاس نہ گئے تھے) اُن ہی کے ساتھ نکلیں گے اور ان سب کا بیان اپنی جگہ پر اسی کتاب میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قوله في الوجه التاسع عشر وهذا دليل لمذهب اهل السنة الى قوله من داخل الكتاب ان شاء الله تعالى۔

ف قانون قرآن نے حقیقۃً جن لوگوں کو جہنم میں قید کیا ہو گا وہ تو کافر ومشرک ہی ہونگے کیونکہ قانون قرآن یہی ہے ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء۔ اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی جہنم سے نہ نکالیں گے مگر بعض لوگوں کا ایمان اتنا ضعیف اور خفی ہو گا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء واولیاء ان کو کافر ومشرک سمجھکر

Marfat.com

جہنم میں چھوڑ دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اب ہمارے علم میں اُن لوگوں کے سوا جہنم میں کوئی نہیں رہا جنکو قانون قرآن نے قید کیا ہے اسوقت اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور رحمت کاملہ کا اظہار فرمائیں گے اور بیشمار مخلوق کو جہنم سے نکال کر بتلا دیں گے کہ ان کو رسولوں نے انبیاء نے ملائکہ نے اولیاء نے کافر سمجھکر جہنم میں چھوڑ دیا تھا مگر مجھے ان کے ایمان کا حال معلوم ہے یہ مؤمن تھے کافر و مشرک نہ تھے مگر ایمان اسقدر کمزور تھا کہ تمام اصحاب فراست ان کے ایمان کو نہ پہچان سکے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ علم غیب محیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں بھی نہ ہوگا علم غیب محیط اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے قُل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ط اور علم محیط کو علم غیب کہنا صحیح نہیں۔

ف۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی برابر کوئی بھی رحیم و کریم نہیں چنانچہ یہ بیشمار مخلوق تمام انبیاء و رسل و اولیاء کی نظر عنایت و رحمت سے محروم رہے گی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی دستگیری کرے گی، یہاں سے اُن جاہلوں کی حماقت ظاہر ہوگئی جو اللہ تعالیٰ کو تو جبار و قہار ہی سمجھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران پیر کو رحیم و کریم سمجھکر نعوذ باللہ خدا سے بھی بڑھا دیتے ہیں جیسا بعض اہل بدعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب اور مختار کل قرار دیتے اور پیران پیر کی دستگیری پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں نعوذ باللہ من ضلالۃ البدعۃ ونسئالہ کمال اتباع السنۃ اللّٰھم اجعلنا من عبادک المنتخبین الغر المحجلین آمین

(۱۸۰) حدیث میں عبادت کی فضیلت کی بھی دلیل ہے کہ باوجود استحقاق عذاب کے یہ مواضع سجود عذاب سے محفوظ رہیں گے، یہاں ایک صوفیانہ اشارہ ہے وہ یہ کہ جب صوفیہ نے اس حدیث سے یہ معلوم کیا کہ مواضع عبادت کی (بڑی) عزت و حرمت ہے (کہ آگ ان کو نہ جلا سکے گی) نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی انسان کے پیٹ میں (جہاد) فی سبیل اللہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہو سکے گا یہانتک کہ دودھ تھن میں واپس ہو جائے (یعنی جیسا یہ دشوار ہے ایسا ہی یہ بھی ناممکن ہے کہ جس پیٹ میں جہاد کا غبار رہا ہو اس میں جہنم کا دھواں پہونچ جائے) اور اسی مطلب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں تو صوفیہ نے اپنے دلوں کو اور بدن کو اور تمام اعضاء کو عبادت ہی میں مشغول کر دیا جس سے اس وعدۂ جمیل کے مطابق وہ

(باقی آئندہ)

نا تعیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے

بیشمار مخلوق ... اللہ تعالیٰ کی رحمت ...

فضیلت عبادت

Marfat.com

دونون جہان مین بلند مرتبے کے مستحق ہوگئے رغبت کرنیوالون کو اس ہی مین رغبت کرنا چاہئے قولہ الوجہ الثلاثون فیہ دلیل علیٰ فضل العبادۃ الیٰ قولہ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

ف بس زبان کو بھی عبادت مین مشغول رکہو اور دل کو بھی اور سانس کو بھی اور تمام اعضا کو بھی جسکا طریقہ علماء و اولیاء کے بتلانے سے معلوم ہوگا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے قبول ہونیکی قوی اُمید رکہنا چاہیئے اگرچہ دعا کرنے والا اس کا اہل نہو کیونکہ یہ شخص جس کا حال بیان ہو رہا ہے صحیح طور سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہوگا اور جو شخص جہنمی ہو اُس کا معبود (ومردود) ہونا یقینی ہے (مقبول ہوتا تو جہنم مین کیون جاتا) پھر بھی حق تعالیٰ اُسپر اپنا فضل فرمائین گے اور اپنی رحمت اُسپر مبذول فرمائیں گے (اُسکی دعا اور درخواست کو قبول فرمائیں گے) تو جو شخص بھی احتمال ہی کے درجہ مین ہے (کہ جنتی ہوگا یا جہنمی) اس کا کیا حال ہونا چاہیئے (یقیناً اُسکو قبول دعا کی بہت زیادہ اُمید رکہنا چاہیئے) کیونکہ اس دار (دنیا) مین تو سب لوگون کی حالت سعادت اور شقاوت دونوں کو محتمل ہے تو اُن کو ارحم الراحمین کی رحمت کی بہت زیادہ اُمید رکہنا چاہیئے قولہ الوجہ الثامن والثلاثون فیہ دلیل علیٰ قوۃ

۳۴ الرجاء الیٰ قولہ فھو اولیٰ رجاء فی رحمۃ ارحم الراحمین

ف حضرات صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے وہ دعا کی اجابت سے کبھی نا اُمید نہین ہوتے بعض اہل اللہ بعض امور کیلئے تیئس ۲۳ سال تک برابر دعا کرتے رہے ۲۳ سال کے بعد اجابت کا ظہور ہوا اُن کو اجابت دعا کا یقین تھا اسلئے برابر دعا مین لگے رہے، مگر عام لوگون کی عادت یہ ہے کہ چند روز دعا کرکے جب قبول کے آثار نہیں دیکھتے گھبرا کر دعا چھوڑ دیتے ہیں اور یوں سمجھ لیتے ہین کہ ہم قبول دعا کی اہل نہیں اُن کو یہان سے سبق لینا چاہیئے کہ یہ شخص جو سب سے آخر مین جہنم سے نکلے گا یقیناً اپنے کو معبود و مردود سمجھتا ہوگا مگر پھر بھی قبول دعا سے نا اُمید نہ ہوگا، دعا کرے گا اور اُسکی دعا قبول بھی ہوگی مسلمانون نے جہان اپنی کامیابی کے دوسرے طریقوں سے تغافل برتا ہے افسوس ہے کہ وہ دعا جیسی سہل چیز سے بھی تغافل برت رہے ہین اگر کم از کم ہر مسلمان عزت اسلام و مسلمین اور غلبہ اسلام کیلئے دعا ہی کرتا رہے اور برابر اس ہیں لگا رہے تو ان شاء اللہ کچھ دنوں کے بعد آثار قبول نظر آجائین گے فاعتبروا یا اولی الابصار،،

(۱۸۲) حدیث مین قبول دعا کی قوی اُمید ہونے کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ ایسے شخص کی دعا بھی

Marfat.com

قبول ہو جاتی ہے جسکو (دعا کا طریقہ بھی معلوم نہین اور) ادعیہ (ماثورہ) کی خبر بھی نہیں چنانچہ اس شخص نے ادعیہ (ماثورہ) مین سے کوئی دعا، (استعمال) نہیں کی، بس ایک حاجت کی درخواست کی اور اپنی تکلیف کی شکایت کی کہ اے اللہ میرا چہرہ جہنم کی طرف سے پھیر دیجئے"، اور اپنی حالت عرض کر دی (جہنم کی آگ نے مجھے پھونک رکھا ہے اور اسکی بدبو نے دماغ پریشان کر دیا ہے) اُسکی اسی درخواست پر اجابت مرتب ہو گئی اور تکلیف دور کر دیگئی"، مین ایک دفعہ ایک بزرگ کے پاس گیا تو اُن کو بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سُنا ارحمنی والسلام مجھپر رحم کر دیجئے بس اور کچھ نہین وہ اپنی حالت مین مستغرق تھے (اور اسی لفظ کو بار بار کہہ رہے تھے) مین نے کہا کہ یہ کیسی دعا (اور کیسی درخواست) ہے فرمایا مجھے نہ چھیڑو۔ مین نے دنیا مین اور اُسکی بلاؤن اور پریشانیون مین غور کیا آخرت مین اور اُسکی تکالیف و مصائب مین تامل کیا تو کچھ سمجھ مین نہ آیا کہ کیا مانگون اور کس کس چیز کو شمار کرون اسلئے مین نے یہ کہنا شروع کیا کہ مجھپر رحم کر دیجئے بس اور کچھ نہین۔

مین نے اُسیوقت اس کلام کی حلاوت (اپنے دل مین) محسوس کی اور اب تک حلاوت محسوس کرتا ہون جب بھی اُن کی یہ بات یاد آجاتی ہے۔ مین سمجھ گیا کہ یہ شخص اپنی حالت مین سچا ہے تو مین نے کہا تمنے جو کچھ کیا بہتر کیا، چنانچہ وہ اچھی حالت مین زندہ رہے پھر موت کے وقت انکو شہادت نصیب ہوئی اُسوقت مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی دعا قبول فرمائی ہے کیونکہ زندگی کی ایک ساعت مین اُن کو اپنے مولا کی ساتھ سچا تعلق نصیب ہو گیا تھا (ف) ۳۷

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہان
گرچہ کرتے ہین بہت سے نالہ و فریاد ہم"

ایک نالہ بھی اگر وہان قبول ہو جاوے اور قبول ہوتا ہے خلوص سے تو وہی کام بنانے کیلئے بس ہے خلوص کی کوشش میں لگے رہو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے یہ دولت ہمیں عطاء فرمائین (آمین) اور اسی مضمون کی تقویت جسکو ہم بیان کر رہے ہین اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم) فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہون نے اپنی جانون پر (میری نافرمانی کر کے) ظلم کیا ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش سکتا ہے۔ یقیناً وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے"، قولہ الوجہ التاسع والثلاثون فیہ دلیل اخر علی قوۃ الرجاء الی قولہ ان

صدق و اخلاص کا اصل ثمرہ

Marfat.com

اللہ یغفر الذنوب جمیعًا،،

ف حضرات فقہاء اور صوفیہ دونون نے فرمایا ہے کہ اگرچہ دعامین ادعیہ ماثورہ کا اختیار کرنا افضل ہے مگر اسکی پابندی کی ضرورت نہیں اگر کسی وقت کسی بات کیلئے اپنی زبان مین اپنے محاورہ مین دعا کرنے کو دل چاہے تو بے تکلف جس لفظ سے چاہے دعاء کرلے بس اتنی بات کی رعایت رہے کہ حرام چیز کی دعا نہو اور حدود سے تجاوز نہو،،

(۱۸۳) حدیث کے اس لفظ مین فیقول لاوعزتک وہ بندہ کہے گا نہیں قسم آپ کی عزت کی (مین اسکے سوا کچھ نہ مانگون گا) ایک صوفیانہ اشارہ ہے وہ یہ کہ فرحت اور خوشی کے غلبہ مین یہ شخص جلدی سے قسم کہائے گا، پھر صوفیہ کے مذاق پر تو اس خوشی کا منشا لذت خطاب ہے محض حاجت کا پورا ہونا نہین کیونکہ وہ فرماتے ہین کہ جو شخص صرف حاجت کے پورا ہونے ہی کو نعمت سمجھتا ہے وہ محجوب ہے بلکہ اصل نعمت مولیٰ کی توجہ والتفات اور اُس کا جواب (وخطاب) ہے اور اہل حجاب کہتے ہیں کہ یہان اس شخص کی خوشی کا منشا حاجت کا پورا ہوجانا ہی اسلئے وہ جلدی سے قسم کہا ئیگا (مگر اُنہون نے اس شخص کو بھی اپنی طرح محجوب سمجھ لیا ہے حالانکہ جسکو اللہ تعالیٰ سے خطاب وجواب کی دولت عطا ہوگئی وہ محجوب نہین رہتا بلکہ واصل ہنجاتا ہے اور واصل کو اصل فرحت محبوب کے خطاب سے ہوتی ہے)

ف یہان سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو کچھ بھی دولت ایمان عطا ہوئی ہے وہ کسی نہ کسی وقت وصول سے کامیاب ہوگا چنانچہ یہ مسلمان جو سب سے پیچھے جہنم سے نکلے گا ظاہر ہے کہ سب سے ادنی درجہ مین ہوگا مگر دولت ایمان سے کامیاب تھا اسلئے وصول سے سرفراز ہوا گو سب کے بعد ہی سہی اللہ تعالیٰ سے کلام وسلام اور سوال وجواب اور رضا ہی کا نام تو وصول ہے ہان وصول کے درجات ہین کسیکو اعلی درجہ حاصل ہے کسیکو ادنیٰ مگر کوئی مومن وصول سے محروم نہ رہے گا یہی وہ ولایت عامہ ہے جو ہر مسلمان کو حاصل ہے اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجہم من الظلمٰت الی النور، اور یہی معنے اس حدیث کے ہین لا الہ الا اللہ لیس لھا دون اللہ حجاب واللہ تعالیٰ اعلم، اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان کتنی بڑی دولت ہے مسلمانون کو اس دولت کی قدر کرنا اور اُسکی حفاظت مین کوشش کرنا چاہیے کہ آجکل اس دولت پر ڈاکہ ڈالنے والے بھی بہت پیدا ہورہے ہین۔

اصل نعمت مولیٰ کی توجہ والتفات اور اس کا خطاب وجواب ہے ۳۵

Marfat.com

(۱۴۴) حدیث کا یہ مضمون کہ وہ شخص خاموش رہے گا جبتک اللہ تعالیٰ چاہین گے پھر کہے گا اے رب مجھے جنت کے دروازہ تک پہونچا دیجئے، حق تعالیٰ فرمائین گے کیا تو نے عہد و میثاق نہ دیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا،، بتلاتا ہے کہ انسان (بالطبع) حریص (واقع ہوا ہے) چنانچہ جب وہ بلا سے بچا دیا گیا اور راحت کا منظر دیکھنے لگا تو اُس سے صبر نہ کر سکا کیونکہ طمع اُسکی طبیعت ہے۔ اب غلبۂ طمع کی وجہ سے وہ سارے عہد اور وعدے بھول گیا اور راحت کے نزدیک پہونچنے کی درخواست کرنے لگا جو کہ جنت کا دروازہ ہے کہ شاید وہان پہونچنا نصیب ہو جائے۔

ف

اور یہان سے معلوم ہوا کہ ضعیف اپنے ضعف کے موافق ہی درخواست کیا کرتا ہے چنانچہ اس شخص نے اولاً یہ درخواست کی کہ جہنم کے قرب سے بچا دیا جائے اور بعد مین جو درخواست اُسنے کی ابتدا مین اُسکی جرأت نکر سکا (کیونکہ وہ اپنے کو اس سے زیادہ کا اہل نہ سمجھتا تھا) اور اگر وہ یہ دیکھ لیتا کہ مین کس سے مانگ رہا ہون تو پہلے ہی وہ مانگ لیتا جو اخیر مین طلب کیا۔

ف

یہان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نا اُمیدی کیوقت نفس تھوڑے پر بھی قناعت کر لیتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اپنے عمل ناقص کی وجہ سے (دفعتہً) جنت مین پہونچنے کی طمع نہیں کی صرف اتنی اُمید کی کہ جہنم سے بچا دیا جائے (کیونکہ اس سے زیادہ کی اُسکو امید نہ تھی) اسی لئے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ نفس کو مباحات سے بالکل روکدو خواہ ضروری ہون یا غیر ضروری کہ اسی طرح تم اُسکی ساتھ بقدر ضرورت مباحات پر صلح کر سکتے ہو اور (جب بالکل روکدینے کے بعد تھوڑی سی اجازت اُسکو دیدی جائے گی تو) وہ خوش بھی ہو جائیگا مثلاً (چند اوقات کیلئے) کھانے سے ایکدم اُسکو روکدو تو پھر چند لقمون پر اُس سے صلح کر سکو گے جن سے کمر سیدھی ہو جائے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہین جو اُسکی کمر کو سیدھا کر دین حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ اور اگر نفس اپنی طمع پر قائم رہا (مجاہدے سے اُسکو نہ دبایا گیا) تو وہ ساری دنیا لیکر بھی قناعت نکرے گا چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوان لابن آدم وادیین من ذھب لابتغی لھما ثالثا۔ اگر ابن آدم کے پاس سونے کے (بھرے ہوئے) دو جنگل بھی ہون تو وہ انکے ساتھ تیسرے کی طلب کرے گا اور اہل توفیق نے فرمایا ہے من لم یرض بالیسیر فھو اسیر جو تھوڑے سے راضی نہو وہ (نفس کا) قیدی ہے،، قولہ فی الوجہ الثانی والاربعین قولہ سکت ماشاء اللہ ان یسکت الی قولہ فی الوجہ

حرص و طمع انسان کی جبلت ہے

ناقص اپنے نقصان ہی کے موافق مانگا کرتا ہے

ناامیدی کیوقت نفس تھوڑے پر بھی قناعت کر لیتا ہے

Marfat.com

عارف طالب دنیا نہیں ہوتا۔

الرابع والعشرین من لم یرض بالیسیر فھو اسیر"

ف۔ زہد اس طریق کا پہلا قدم ہے جسکے معنے یہ ہین کہ دل سے دنیا کی محبت اور طلب نکلجائے عارف طالب دنیا نہین ہوتا طالب آخرت ہوتا ہے اور بقدر ضرورت کسب دنیا زہد کے خلاف نہین بلکہ مامور بہ ہے اور بلا طلب کے زیادہ ملجائے تو اُس کا لیلینا بھی زہد کے خلاف نہیں کیونکہ صحابہ مین بعض اغنیاء بھی تھے جنکے پاس ضرورت سے زیادہ مال تھا مگر وہ طالب دنیا نہ تھے خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا تو انہون نے اُسکو قبول کرلیا اور مصارف خیر مین صرف کیا کما جاء فی الحدیث عن ایوب علیہ السلام حین امطر علیہ جراد من ذھب فجعل یحثوہ فی ثوبہ وقال لہ ربہ الم اغنک عن ھذا قال بلی یارب ولکن لا غنی لی عن برکتک واللہ تعالیٰ اعلم ونعوذ باللہ من شرور انفسنا،

مجاہدہ کے ارکان

ف۔ مجاہدہ کے چار ارکان جو صوفیہ نے بیان فرمائے ہین۔ تقلیل طعام۔ تقلیل منام۔ تقلیل کلام تقلیل اختلاط مع الانام، ان میں سے نمبر اول ودوم آجکل تعلیم میں متروک ہین کیونکہ لوگون کے قُوی خود ہی ضعیف ہین۔ کہانا۔ سونا۔ کم کرنے سے ضعف زیادہ ہوجاتا اور انسان ناکارہ ہوجاتا ہی بس کہانے مین اتنا مجاہدہ بس ہے کہ تھوڑی سی بھوک رکھکر کہایا کرے پوری طرح شکم سیر نہوا کرے اور شام کو پانی کم پیا کرے۔ نیند کے متعلق اتنا مجاہدہ کافی ہے کہ چھ گھنٹہ سے زیادہ نہ سویا کرے اس سے کمی کرنا دماغ کو مضر ہوتا ہے۔

البتہ تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط کی اس زمانہ مین پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلئے محققین طریق ان دو نون مجاہدون پر آجکل زیادہ زور دیتے ہین کیونکہ زیادہ گناہ زبان سے آنکھ سے۔ کان سے ہوتے ہین اور ان کی حفاظت کا یہی طریق ہے کہ بلا ضرورت بات نہ کیجائے اور سب سے الگ رہا جائے بلا ضرورت لوگون سے نہ ملا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے کمال لطف کا بیان

(۱۸۵) ف اس مین اللہ تعالیٰ کے کمال لطف پر بھی دلالت ہی کہ وہ بنی آدم کیساتھ کسقدر مہربانی کا معاملہ فرماتے اور اُن کے عذرون کو کیسا قبول فرماتے ہیں کیونکہ وہ انکے ضعف کو جانتے ہین چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولاً اس شخص کے سب وعدے اور عہد قبول فرمالئے (اور اسکی ایک درخواست پوری بھی کردی) حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ شخص (جنت اور اُسکی) راحت کو دیکھکر صبر نہ کرسکے گا

Marfat.com

اور یقیناً اپنے عہد اور وعدہ کو توڑے گا (پھر بھی اُسکے وعدے اور عہد کو قبول فرماتے رہے) اسکی نظیر حق تعالی کا یہ ارشاد ہے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوا عن السیئات ویعلم ما تفعلون وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور اُن کے گناہوں سے درگذر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کروگے قبول توبہ کی خبر دینے کے بعد ویعلم ما تفعلون بڑہانے مین ایک لطیف نکتہ ہے ورنہ بظاہر یہاں اسکی ضرورت نہ تھی کیونکہ قرآن مین یہ مضمون بہت جگہ آچکا ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے اعمال سے باخبر ہین اور یہ تو شرط ایمان ہے کہ اس کا یقین رکہا جائے کہ اللہ تعالی کو ہمارے تمام اعمال وغیرہ کا علم ہے مگر یہان اسکو اسلئے بڑہایا گیا ہے کہ توبہ کرنیوالون میں سے بعض تو اپنی توبہ پر قائم رہتے ہین اور بعضے اُسکو توڑ دیتے ہین اور اللہ تعالی خوب جانتے ہین کہ کون توبہ پر قائم رہے گا اور کون اُسکو توڑے گا لیکن باینہمہ وہ سب کی توبہ قبول کر لیتے ہین اور برابر درجہ مین قبول کرتے ہین، سبکو توبہ کا ثواب عطاء فرماتے ہین، اور ہر توبہ کرنے والی کی مدح بھی فرماتے ہین (گو وہ بعد مین توبہ کو توڑ ہی دے) اسکے متعلق وہ حدیث کافی (دلیل) ہے جو بنی اسرائیل کے ایک شخص
۳۸ کے متعلق وارد ہوئی ہے کہ وہ گناہ کرتا تھا پھر توبہ کرتا تھا پھر گناہ کرتا پھر توبہ کرتا تھا، یہانتک کہ ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! آپ اس بندہ کو نہین دیکھتے کہ یہ کیا مسخرہ پن کر رہا ہے کہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے (گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے توبہ کے بعد بھی گناہ سے باز نہین آتا) حق تعالی جل جلالہ نے فرمایا اے فرشتو! کیا تم میرے بندے (کی اس بات) کو نہین دیکھتے کہ وہ جانتا ہے کہ اُس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ پر مواخذہ کرتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے، قسم ہے میری عزت کی میں ہمیشہ اُسکی توبہ قبول کرتا رہوں گا جبتک بھی وہ توبہ کرتا رہے گا، سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم وہ چہ احسان است قربانت شوم

قال السعدی ؎

وگر خشم گیرد بکردار زشت چو باز آمدی ماجرا در نوشت

وقال الآخر حاکیا عن ربہ ؎

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

Marfat.com

۱ این درگہ مادرگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ)

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المؤمن التواب یبقی لہ فضلۃ من عملہ یدخل بھا الجنۃ ہمیشہ توبہ کرنیوالے مؤمن کے پاس کچھ حصہ عمل کا (ضرور) رہتا ہے جسکی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، قولہ الوجہ الخامس والاربعون فیہ دلیل علی لطف اللہ عز وجل ببنی اٰدم الی قولہ یدخل بھا الجنۃ،،

(۱۸۶) فیہان سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی بہلائی کے واسطے کیسے کیسے حیلے کرتا ہے چنانچہ اس شخص نے اول توبہ درخواست کی کہ جہنم سے دور کردیا جائے کہ شاید (اس طرح) کچھ تھوڑا سا لگاؤ نیک بندون کے ساتھ حاصل ہوجائے (جب یہ درخواست پوری ہوگئی تو آگے بڑھا) یہ تو خدائے علیم وخبیر کی ساتھ انسان کا دقیق حیلہ ہے دوسرون کیساتھ اس کا کیا حال ہوگا اسلئے آخری درخواست پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اللہ تعالیٰ ہنس پڑین گے،،

اور فیہان سے معلوم ہوا کہ انسان کی جتنی عقل اور فکر اور تدبیر دنیا مین ہوگی وہ آخرت مین بھی باقی رہیگی کیونکہ وہ اُسی حالت مین اُٹھایا جائے گا جویہان اُسکی حالت تھی جسکی دلیل یہ لطیف حیلہ ہے (جو اس شخص سے صادر ہوگا) نیز حدیثون مین جو روح ونفس کا مناظرہ مذکور ہے (وہ بھی اسکی دلیل ہے) اور اسکے سوا اور بھی بہت احادیث اس باب مین وارد ہین۔ قولہ الوجہ السادس والاربعون فیہ دلیل علی کثرۃ تحیل بنی اٰدم الی قولہ فی الوجہ السابع والاربعین وغیر ذلک من الاحادیث مما یشبہ ذلک،،

(۱۸۷) فحدیث کا یہ لفظ کہ اخیر مین حق تعالیٰ فرمائین گے ویحک یا ابن اٰدم ما اغدرک ارے ابن آدم! تیرا ناس ہو تو تو بہت ہی غدار ہے۔ یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اُس نے تین دفعہ عہد شکنی کی تھی (بار بار عہد کو توڑ چکا تھا) مگر وہ بھی اپنی ایک ہی بات پر (ہر عتاب کے جواب مین) جما رہا اُسپر زیادتی (بھی) نہیں کی (اور کمی بھی نہین کی) وہ یہی کہتا رہا رب لا تجعلنی اشقی خلقک خداوندا اپنی مخلوق مین سب سے زیادہ بدقسمت مجھے ہی نہ بنا۔ کیونکہ جب یہ بات اُس سے پہلی بار قبول کرلیگئی اور دوسری بار بھی اور جو کچھ اُسنے مانگا تھا اسکی وجہ سے ملتا بھی رہا تو وہ اُسی بات پر جما رہا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من رزق من باب فلیلزمہ جسکو جس دروازہ سے

انسان اپنی بہلائی کیلئے ہر ممکن سے ممکن حیلہ کو کام مین لاتا ہے

۳۹ ہر شخص کی جتنی عقل وتدبیر دنیا مین ہوگی وہ آخرت مین بھی باقی رہیگی

Marfat.com

روزی مل رہی ہو اسکو لگا رہے، تو اس شخص نے اس حکم کی تعمیل آخرت میں کی اگر دنیا مین اسپر عمل کرلیتا تو اسکو اس (قصہ) کی ضرورت ہی واقع نہوتی قولہ فی الوجہ السابع والاربعین فیقول اللّٰہ و یحلک یا ابن آدم الی قولہ فا احتاج الی ھذہ ۱۲

(۴۸) اور تیسری بار میں حق تعالیٰ کا اُسے ما اغدرک سے خطاب فرمانا بتلاتا ہے کہ کسی شخص کی طرف کسی وصف کی نسبت اسوقت تک نہ کی جائے جب تک اس سے بار بار اس کا ظہور نہوا اور تکرار کا کم از کم عدد تین ہے جسکے بعد کسی وصف کی نسبت اُسکی طرف ہوسکتی ہے کیونکہ پہلی بار اور دوسری بار میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ غلطی اور بھول چوک ہوگئی ہو یا ایک بار غلطی ہوئی ہو دوسری بار بھول چوک ہوئی ہو اور تیسری بار (عموماً) قصد ہی سے عمل ہوتا ہے اُسوقت یہ بات محقق ہوگی کہ اس سے پہلے بھی قصد موجود تھا خواہ عمل صالح کا قصد ہو یا اور کچھ ہو، کیونکہ حق تعالیٰ نے اس شخص کو تیسری دفعہ سے پہلے غدار نہیں فرمایا۔

ف: یہ قاعدہ اوصاف ذمیمہ کے متعلق ہے اور اوصاف حمیدہ مین ایک دفعہ کے صدور سے بھی نسبت جائز ہے ۱۲ یہان ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے تیسری دفعہ مین جو اُسکو ابن آدم کہکر خطاب فرمایا تو اس مین ...... بتلایا گیا ہے کہ انسان مین بیوفائی اصل ہے یہی وصف اس مین غالب ہے مگر جسکو حق تعالیٰ بچائین (وہی اس سے بچتا ہے) اور تزکیۂ اخلاق فضل کے راستہ سے ہوتا ہے ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ مازکی منکم من احد ابدا اگر تم پر اللہ کا فضل نہوتا اور اُسکی رحمت تو تم مین سے کوئی بھی کبھی پاک نہوسکتا وان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی اور نفس تو بدی ہی کا حکم کرنیوالا ہے مگر جسپر اللہ تعالیٰ رحم فرماوین اور (ابن آدم کہنے مین) توبیخ کی ساتھ ایک خاص لطف بھی ہے کیونکہ کریم کی دھمکی کثرت عطاء کا پتہ دیتی ہے (کریم جب کسیکو دھمکاتا ہی تو اُسکو مالا مال بھی کردیتا ہے) اور بخیل کی دھمکی یہ بتلاتی ہے کہ کچھ بھی نہ دیگا، اسی لئے (حدیث مین) آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ قیامت کے دن مؤمن سے بہت چھپا کر حساب لین گے کہ اسکے اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہوگا اُسوقت حق تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے تو نے ایسا کیا تھا اور ویسا کیا تھا) بندہ اپنے مولیٰ کے سامنے ان سب کا اعتراف کرے گا حتے کہ وہ سمجھ جائے گا کہ بس مین تو کثرت گناہ کی وجہ سے ہلاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمائین گے کہ مین نے دنیا مین بھی تیرے ان عیبون کو (لوگون سے

(باقی آئندہ)

Marfat.com

چھپایا ہے اور آج بھی تیرے لئے ان کو بخشتا ہون (تمنے دیکھا کہ کریم کی دہمکی کا انجام کیسا عجیب ہوا کہ جب غلام کو ہلاکت کا یقین ہوگیا فوراً کرم شروع ہوگیا) اور اس مین حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ (اسکے گناہون کو یاد نہ دلائین اور بدون حساب وکتاب کے ہی اپنی رحمت سے بخشدین اور فرشتون سے) یون فرمادین کہ میرے بندے کو محض میری رحمت کی بناء پر جنت مین لیجاؤ تو انسان کی اس سے پوری تسلی نہوگی (اسکے دل مین یہ کھٹکا رہے گا کہ محض رحمت سے تو نہین بلکہ کچھہ اپنے عمل سے بھی جنت کا مستحق ہوا ہون) جیسا بنی اسرائیل میں کے ایک شخص کا قصہ (آثار مین) آتا ہے کہ وہ ایک جزیرہ مین رہتا تھا جو سمندر کے بیچ مین دنیا سے الگ تھا اُسکے پاس وہان اور کوئی آدمی نہ تھا وہ تنہا اللہ کی عبادت مین مشغول رہتا اور کسی وقت عبادت مین سُستی نہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ میں اُسکے واسطے ایک انار کا درخت پیدا کردیا تھا جسپر روزانہ ایک انار پیدا ہوتا (اور ایک ہی دن مین بڑہتا اور پک جاتا) جسے یہ عابد کہالیا کرتا تھا اور پانی کا ایک چشمہ بھی اُسکے واسطے جاری کردیا تھا (جس سے سیراب ہوتا تھا) ایسے حال پر وہ پانچ سو برس تک زندہ رہا پھر اُسنے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ سجدہ کی حالت مین اُسکی روح قبض کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ تحفہ بھی اُسکو عطا فرمادیا اسکے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عابد کے متعلق ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اسکو لایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ فرشتون سے فرمائین گے کہ میرے اس بندہ کو محض میری رحمت کی بناء پر جنت مین لیجاؤ اسپر وہ بولیگا (نہیں) اے رب بلکہ میرے عمل کی وجہ سے؟ پس اللہ تعالےٰ فرشتون کو حکم دینگے کہ اُس سے صرف بینائی کی نعمت کا تو حساب لو کہ اسکا شکر ادا کیا یا نہین؟ ملائکہ حساب کرینگے تو پانچ سو برس کی عبادت اس ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے بھی کافی نہ ہوگی اسکے سوا اور نعمتون کا کیا ذکر وہ تو سب ویسی کی ویسی ہی رہ جائین گے اُن کا حق تو کچھہ بھی ادا نہ ہوا ہوگا، اُسوقت وہ عابد عرض کریگا اے رب مجھے جنت مین اپنی رحمت سے بھیجدیجئے، حق تعالےٰ فرمائین گے (ہان ہان) تو تو بہت اچھا[۵] بندہ تھا (فرشتو!) میرے بندے کو میری رحمت کیوجہ سے جنت مین لیجاؤ تو جب اُس سے گناہوں کا اقرار لیلیا اُسوقت اُسکے لئے چند در چند خوشیان جمع ہوگئین - ایک خوشی گناہون کی مغفرت کی

[۵] سبحان اللہ جب بندہ کو اپنے عمل کا ہیچ ہونا مشاہدہ ہوگیا اب اللہ تعالیٰ اُسکے عمل کی تعریف فرماتے ہین کہ تو تو بہت اچھے عمل کرتا تھا یہ شانِ کرم اور یہ ہے رحمت وفضل ۱۲

Marfat.com

ایک خوشی پردہ پوشی کی کہ اُسکو رسوا نہین کیا گیا۔ ایک خوشی اُس راحت کی جو (جنت مین پہونچا کر) اُسے عطا کیگئی اسطرح اُسکے پاس بہت سی نعمتین جمع ہوگئین تو وہ منعم سے (پوری طرح راضی ہو گیا اور یہ بھی منعم کی طرف سے بڑا انعام ہے (کہ منعم علیہ کو انعام کی حقیقت اور عظمت سے خبردار کر دے تاکہ اُسکو پوری فرحت ولذت حاصل ہو) الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی (بندہ پروری) نہ جانے گا حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور بڑا باخبر ہے،، اسی طرح یہان جب اللہ تعالیٰ نے اس (آخری جنتی) پر اپنے فضل سے یہ انعام کرنا چاہا کہ عزت کے گھر (یعنی جنت مین) اُسکو پہونچائین تو (پہلے) اُسکو بہت دھمکایا اور اُس سے اقرار کرلیا کہ وہ بڑا غدار ہے اُسکی طبیعت مین بھی غدر ہے اور باتون مین بھی دنیا مین بھی غداری سے کام لیتا تھا اور آخرت مین بھی اس سے باز نہ آیا دونون جگہ غدر کو اپنی ساتھ لئے رہا (جب اُس نے اپنی خطا کا اقرار کرلیا تو محض رحمت سے جنت مین بھیدیا جس سے اُسکو بے انتہا خوشی اور چند در چند لذتین حاصل ہوئین) قولہ فی الوجہ السابع والاربعین وکونہ عزوجل زادھم ذلک ما اعلاء ذلک الی قولہ فی الوجہ

۴۲ الثامن والاربعین ومستصحبا فی الدارین ۱۱

ف ۔ یہ جو فرمایا گیا کہ تہذیب اخلاق اور دخول جنت محض فضل سے ہوگا اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس کیلئے عمل اور کوشش کی ضرورت نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمل اور کوشش کے بعد بھی جسکو یہ دولت حاصل ہو جاوے وہ اسکو اپنی کوشش کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے جسکو اللہ تعالیٰ اس دولت کیلئے عمل کی توفیق دیدین۔ سمجھہ لو کہ اللہ تعالیٰ اسپر اپنا فضل کرنا چاہتے ہین ورنہ انسان کا نفس تو بدی ہی کی طرف جاتا ہی (۱۸۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل کی امید اور طمع رکھنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (اس جگہ) اپنی نعمت ورحمت کا مرتبہ یاد دلایا ہے کہ وہان اسکے گناہون کو معاف فرمائین گے اور اپنے فضل سے اُنپر پردہ ڈالدین گے اور جو کچھ ہوچکا اُس سے درگذر کرینگے، پس تم بھی اس فضل کو محض فضل ہی کی وجہ سے اپنی ساتھ رکھو (اور کسی وقت اُس سے نظر قطع نکرو) تاکہ یہ بات صحیح (طور پر تمکو معلوم) ہو جائے کہ نعمت (اور انعام) محض اللہ کے فضل ہی سے (ہوگا اور) ہے کیونکہ یا اُس کا سبب ہدایت ہے یا عفو و درگذر ہے یا دونون کا مجموعہ ہے (اور یہ سب فضل ہی تو ہے) جسپر بھی وہ کرنا چاہین اور جس طرح چاہین کوئی اُن سے سوال نہیں کرسکتا کہ ایسا کیون کیا؟ اور امید کی شان کو اپنی ساتھ رکھنا (ہر دم اللہ سے اُمیدوار رہنا) اگرچہ اللہ کی طرف سے کیسا ہی معاملہ دیکھے یہی ایمان کی علامت ہے

ف: [illegible]

ف: [illegible]

Marfat.com

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہین لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون - خدا کی عطا سے اُن لوگون
کے سوا جو کافر ہین اور کوئی ناامید نہین ہوتا چنانچہ اس شخص میں (جسکا قصہ حدیث مین ہے) یہ صفت
رجاء باقی تھی (اُسکو اللہ سے ہر حال مین امید تھی) اس سے اُسکو پوری سعادت (اور کامیابی)
حاصل ہوگئی کہ جنت مین پہونچ گیا،، اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے فضل سے یہ نعمت بلا مشقت کے عطا فرمادین
وہی کارساز ہین اور لائق حمد اور یہ جو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ (اخیر مین اسکی بات پر) ہنس پڑین گے سو
اللہ تعالیٰ کا ہنسنا ہمارے ہنسنے کے مشابہ نہین جسکا منشا خفت واضطراب ہوتا ہے (کہ کسی چیز کو دیکھکر یا
کسی بات کو سنکر طبیعت ہلکی ہوتی اور ہنسنے کیلئے بیتاب ہوجاتی ہے) بلکہ اسمین اُس معاملہ کی طرف
اشارہ ہے جو بادشاہون سے ہنسی کے موقعہ پر صادر ہوتا ہے کہ (جسکی بات سے وہ ہنستے ہین اُسپر) بہت
احسان کرتے ہین اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہین کہ اُن کی صفات مخلوقات کی صفات کے مشابہ ہون
مگر ہم سے اُسی طرح خطاب کیا جاتا ہے جیسا اپنی عادت (اور عرف) کی بنا پر ہم (بولتے اور سمجھتے ہین)،،
اور یہ جو فرمایا کہ حق تعالیٰ اُس سے فرمائین گے،، مانگ کیا مانگتا ہے، تو وہ اپنی تمنا بیان کرے گا یہانتک
۱۴۳م کہ اُسکی تمنائین ختم ہوجائین گی، سو تم خود اندازہ کرلو کہ ایک سراپا حرص وطمع کی تمنا کیا کچھ ہوگی جسنے
بڑی خیر کو (یعنی جنت کو کھلی آنکھوں) دیکھ بھی لیا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اُس سے یہ کہنے والا کہ
مانگ کیا مانگتا ہے،، بڑا غنی اور بہت ہی کریم ہے اسکے بعد حق تعالیٰ فرمائین گے کہ تجھکو یہ بھی دیا اور
اتنا ہی اور یعنی تمنا سے دوچند اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت مین ہے ذلک لک وعشرۃ
امثالہ کہ تجھکو یہ بھی دیا اور اس کا دس گنا اور یہ ہے اُسکے کرم کی شان جسکا مثل کوئی نہین پس اصل
عطا بھی اُسی کے فضل سے ہے اور زیادتی بھی اُسی کے فضل سے ہے مگر چونکہ اصل عطا مین بندہ کا بھی کوئی
وصف مل گیا ہے خواہ عبادت (یا ایمان) یا اُسکی درخواست اور بندہ محل نقص ہے اور زیادتی محض
فضل کی وجہ سے ہے اُسکے مقابل بندہ ناقص کا جو محل عبودیت ہے کوئی وصف (یا فعل) نہین ہے اسلئے
زیادت اصل سے زیادہ اور بہت زیادہ ہوگئی، اسی لئے بعض بزرگون کی وصیت ہے کہ سوال فضل سے
مایوس نہ ہونا چاہئے (ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے فضل کی درخواست کرنا چاہئے) کہ ہر مقصد مین کامیابی کا یہ
بڑا ذریعہ ہے - چنانچہ ایک شخص نے جسکو درویشون کے ساتھ حسن ظن تھا یہ وصیت سنی تو سچائی
(اور اخلاص) کیساتھ اسکو اختیار کیا اور اپنی کسی حاجت مین اُسی کے موافق دعاء کی (اللھم انی اسئلک

سوال فضل سے مایوس نہ ہونا چاہئے

Marfat.com

من فضلک) اور اپنی طرف سے اتنا اور بڑھا دیا و زیادۃ من فضلک کما یلیق بفضلک، اے اللہ میں آپ کا فضل مانگتا ہون اور فضل مین زیادتی بھی مانگتا ہون جیسی آپ کے فضل کے لائق ہو تو اُسنے اس دعا مین بڑے عجائبات کا مشاہدہ کیا (عجیب عجیب نعمتین حاصل ہوئین اور ہر قسم کی ترقی نصیب ہوئی) پھر اُس سے (خواب مین یا بطور الہام کے) کہا گیا کہ یہ زیادتی (اس دعا مین) تجھسے پہلے کسی نے نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ہمکو بھی دارین کی بھلائی بلا مشقت کے اپنے فضل سے عطا فرمائین جیسا اُن کے فضل کے لائق ہے .... اور اپنے فضل سے زیادہ بھی دین جیسا اُن کے فضل کے لائق ہے قولہ الوجہ التاسع والاربعون فیہ دلیل علی الطمع فی فضلہ الیٰ قولہ فی الوجہ الخمسین والزیادۃ بفضلہ کما یلیق بفضلہ

(۱۹۰) اس حدیث کا فائدہ (بطور خلاصہ کہ) یہ ہے کہ اسمین امور آخرت کے متعلق جو کچھہ مذکور ہے اُسپر پختہ ایمان رکھنا اور اللہ کے فضل کی پوری اُمید رکھنا اور اللہ کے قہر سے بہت ڈرتا رہنا چاہئے اور دنیا مین اسباب سعادت کیلئے پوری کوشش خرچ کرنا چاہئے جبکہ انسان کو مہلت دیگئی ہے اور جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اُسکو یون سمجھے کہ گویا ہو رہا ہے اور یہی صوفیہ کی تعلیم ہے اُن کے نزدیک یہ تمام احوال سے بلند تر حال ہے کیونکہ وہ فرماتے ہین کہ مسافت طے کرتے رہو اور تکبر و رعونت چھوڑ دو تم (منزل مقصود پر) پہونچ گئے، اسی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مین تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہین! افرأیت ان متعناھم سنین، ثم جاءھم ما کانوا یوعدون ما اغنی عنھم ما کانوا یمتعون، اچھا اگر ہم ان کو برسون دنیا مین آرام کرنے دین پھر ان کے سامنے وہ (عذاب) آجائے جس کا اندیشہ دلایا گیا ہے تو دنیا مین جو اُنہون نے آرام کیا تھا وہ ان کے کس کام آئے گا، اہل دنیا کو صرف اسی بات نے دہوکہ دے رکھا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ معاملہ بہت دور ہے اسی لئے اُن کی اُمیدین دراز اور دل سخت ہین اور اسی لئے وہ دنیا مین راغب اور آخرت سے بے رغبت ہین اللہ اپنے فضل و احسان سے ہمین اُن مین سے کرے جنکی اُمیدین کوتاہ اور عمل اچھے ہین واللہ اعلم قولہ فی الوجہ الخمسین و فائدۃ ھذا الحدیث الیٰ قولہ واللہ اعلم

احوال آخرت کو یہ سمجھنا کہ ہو رہا ہے سب احوال سے اعلیٰ ہے

چہل و نہم ۴۹ (حدیث جواز الدعاء فی الصلوٰۃ)

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہون نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کوئی دعا بتلا دیجئے جس سے نماز مین دعا کیا کرون۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یون کہا کرو۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم،، اے اللہ مین نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور آپ کے سوا گناہون کو کوئی نہین بخش سکتا تو مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے اور مجھپر رحم فرمائیے کیونکہ آپ ہی غفور رحیم ہین

شرح۔ ظاہر حدیث سے نماز مین دعا کا جائز ہونا اور اس دعا کا افضل ہونا معلوم ہوا۔ اسپر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگون کی تعلیم کی درخواست کرنا چاہئے اگرچہ طالب کو ایک گونہ معرفت (پہلے سے) حاصل ہو کیونکہ ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ مجھے کوئی دعا بتلا دیجئے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اُن کو دعاؤن کی معرفت اسقدر تھی کہ (صحابہ مین) دوسرون کو نہ تھی ایک تو اسلئے کہ وہ فصاحت سے ممتاز تھے دوسرے اُن کا ایمان قوی تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت مین زیادہ رہے تھے مگر اُنہون نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت زیادہ لینی چاہی (اسلئے حضور سے درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی دعا بتلا دیجئے) رہا یہ سوال کہ اُنہون نے یہ کیون کہا کہ کوئی دعا ایسی بتلا دیجئے جو نماز مین کیا کرون اطلاق کیساتھ درخواست کیون نہین کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے نماز مین دعا کرنے کی (خاص طور پر) ترغیب دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اقرب ما یکون العبد من اللّٰہ اذا کان فی الصلوۃ واقرب ما یکون فی الصلوۃ اذا کان ساجدا ولبطنہ جائع فاکثروا فیہ الدعاء فقمین ان یستجاب لکم،، ای حقیق۔ بندہ کو اللہ تعالےٰ سے زیادہ قرب اُسوقت ہوتا ہے جبکہ نماز مین ہو اور نماز مین زیادہ قرب اُسوقت ہوتا ہے جبکہ سجدہ مین ہو اور (اس کا پیٹ خالی ہو) بھوک لگ رہی ہو پس تم سجدہ مین دعا زیادہ کیا کرو وہ اس لائق ہے کہ قبول کرلی جائے اسلئے ابوبکر صدیق نے یہ فرمایا کہ مجھے ایسی دعا بتلا دیجئے جو نماز مین کیا کرون،، قولہ الوجہ الاول طلب التعلیم من الفاضل الیٰ قولہ ای حقیق۔

بزرگون سے تعلیم کی طلب کرنا چاہئے گو طالب صاحب معرفت بھی ہو ۵

Marfat.com

ف - حدیث کا یہ لفظ ولطنہ جائع صوفیہ کی اس تحلیم کی دلیل ہے کہ ذکر وغیرہ کیلئے ایسا وقت تجویز کرنا چاہئے جبکہ پیٹ خالی ہو یعنی نہ تو بہت بھرا ہوا ہو کہ سستی پیدا ہو نہ اتنا خالی ہو کہ بھوک سے بیتاب ہو کیونکہ ایسی حالت مین شارع نے کھانے کو نماز سے مقدم کرنے کا امر کیا ہے کمام۔

(۱۹۲) حدیث سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو عبادت مین (درجۂ) اعلیٰ پر نظر کرنا اور قاعدۂ شرعیہ کے موافق اُس کے اسباب حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے (چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دعاء کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنیکی کوشش کی) اگرچہ ایک حدیث مین اوپر گذر چکا ہے کہ دعا مین یہ بھی جائز ہے کہ اپنی حاجت ہی مانگ لے اس سے بھی کامیابی کی اُمید ہے (ادعیہ ماثورہ کی پابندی لازم نہین) مگر افضل یہ ہے کہ اسباب حسنہ مین سے اعلےٰ وارفع کو اختیار کیا جائے الفاظ مین بھی اوقات مین بھی مکان مین بھی، اصول شریعت سے یہ سب باتین معلوم ہو چکی ہین،، اور اس بارہ مین اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب کا اشارہ ہی بہت کافی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاؤ) کیونکہ اس مین جن امور کا ذکر ہے وہ سب کے سب اُمید قبول دعا کے اسباب مین سے ہین،، کیونکہ (مخلوق کے ۴۶
مشاغل سے) فراغ حاصل ہونا حضورِ قلب اور اخلاص (حاصل ہونے) کے اسباب مین سے (بڑا سبب) ہے اور رغبت (و توجہ) سے دوام تذلل حاصل ہوتا اور بار بار ایسے الفاظ اختیار کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے جو رحم لانیوالے ہون، اور انتصاب سے مُراد نماز پڑھنا ہے جو تمام طاعتون کو مقتضی ہے کیونکہ وہ سب سے اعلےٰ ہے جب اعلیٰ طاعت کا امر کیا گیا تو دوسری اُسکے ضمن مین (خود ہی آ گئی) ہین قولہ الوجہ الثانی یترب علی ھذا من الفقہ ان ینظر المرأ فی عبادتہ الی الارفع الی قولہ فغیرہ فی الضمن،،

(۱۹۳) یہان ایک سوال ہے کہ اللھم انی ظلمت نفسی الخ کو حضرت صدیق کی درخواست سے کیا تعلق ہے کیونکہ ادعیہ شرعیہ مین متعارف طریقہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ ہون جنکے ضمن مین کسی شئی کا یا صفات جلیلہ مین سے کسی صفت کا یا اسماء الٰہیہ مین کسی اسم کا احترام ظاہر کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا اللہ کیلئے اچھے اچھے نام ہین تو تم اُن کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اسم اللہ الاعظم ما دعا بہ احد

Marfat.com

الا اجیب دعاءہ کے اللہ کا اسم اعظم کے وسیلہ سے جو دعا بھی کوئی کرے ضرور قبول کی جاتی ہے نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اذا سألتمف اللہ فاسئلوہ بجاھی فان جاھی عند اللہ عظیم جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری جاہ کے وسیلہ سے دعا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک میری جاہ بہت بڑی ہے۔ اس معنی مین آثار بہت ہین اور دعائین بھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہین بہت ہین''

جواب چند وجوہ سے ہے، اول یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق کا مقصود سمجھ گئے تھے کہ وہ ایسی دعا معلوم کرنا چاہتے ہین جو بالیقین قبول ہو جائے اور حکمت شرعیہ کے موافق اُس سے دنیا و آخرت دونون کی بھلائی نصیب ہو تو حضور نے اُنکو عجیب انشارہ مین جواب دیا گویا آپ یون فرماتے ہین کہ اللہ تعالے پر کوئی حق حتمی طور پر واجب نہین (کہ کسی دعا کو ضرور قبول ہی کر لیا کرین) بلکہ یہ تو محض اسباب ہین جن سے جسکو چاہتے ہین کامیاب کر دیتے ہین اور جسکو چاہتے ہین محروم کر دیتے ہین جسے کامیاب کرتے ہین محض اپنی طرف سے اپنے فضل سے کامیاب کرتے ہین (اُسکی دعا یا عمل کا دخل اس مین برائے نام ہوتا ہے حقیقت مین کچھ نہین ہوتا) پس سب سے بڑی چیز کو جو کہ مغفرت ہے اصل حقیقی سے مانگنا چاہیئے جو کہ فضل (خداوندی) ہے اُسکے سوا کسی اور چیز سے اپنے خیال کو وابستہ نکرنا چاہیئے،، اور یہ ایسا ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات شریف کے متعلق فرمایا ہے لن یدخل احد اعملہ الجنۃ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ لفضل رحمتہ کسیکو اس کا عمل جنت مین نہ پہونچائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور آپ کو بھی نہین؟ فرمایا مجھے بھی نہین مگر یہ کہ اللہ تعالے مجھے اپنے فضل رحمت سے ڈھانپ لین (تو فضل سے جنت مین پہونچون گا) حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی یہ نشانِ حکمت لیکر آئے ہین (آپ ہی کے واسطہ سے سب کو معرفت نصیب ہوئی عبادت کا طریقہ معلوم ہوا) اور (اسی کے ساتھ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے خمس صلوات افترضھن اللہ علی عبادہ فمن جاء بھن لم ینتقص منھن شیئا استخفافا بحقھن فان اللہ جاعل لہ یوم القیمۃ عھدا

ف اس حدیث کی صحت کی مجھے تحقیق نہین نہ اسوقت کتابین سامنے ہین کہ تحقیق کر سکون کہ یہ مضمون بحالت سفر لکھ رہا ہون کسی عالم محقق سے تحقیق کر لی جائے ۱۲ ظ

Marfat.com

ان یدخلہ الجنۃ۔ پانچ نمازین اللہ تعالیٰ نے اپنے بندون پر فرض کی ہین جو اُن کو (اس طرح) بجالایا
کہ اُن مین کچھ کمی نہیں کی اُن کے حق کو ہلکا (اور حقیر) سمجھکر تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اُسکے لئے اس بات
کا عہد (اور ذمہ) لینے والے ہین کہ اُسکو جنت مین داخل کردین گے اور (یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث
کے معارض ہے کیونکہ اس مین دخولِ جنت کا سبب محض فضل کو بتلایا گیا ہے اور اس مین اعمال کو
بتلایا گیا ہے سو) ان دونون حدیثون مین تطبیق اس طرح ہے کہ اعمال پر نجات کا وعدہ مقام عوام
(کے لحاظ سے) ہے اور یہ بھی سچا وعدہ ہے جسکو اُن کیلئے پورا کیا جائے گا (چنانچہ ارشاد ہے)
ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ اور جو تم مین سے اپنے
عہد کو جو اُسنے اللہ سے کیا ہے پورا کردے تو تم کو اس سودے سے خوش ہونا چاہئے جو تمنے
اللہ کے ساتھ کیا ہے) اور یہ خلاصی بظاہر عمل کو باقی رکھنے اور اُسکی پابندی کرنے سے اعمال کے
موافق ہوگی حکمت حکیم کی رعایت کے سبب،، اور حقیقی نجات محض فضل سے متعلق ہے یہ خواص کا
مقام ہے جیسے سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو تمام خواص مین اخص الخواص ہین اسیطرح جو لوگ
قیامت تک اخلاص کیساتھ آپ کی پیروی کرنے والے ہین۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خواص ۴۸
مین سے ہین، اور کیون نہون جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکے بارہ مین فرمایا ہے کہ ابوبکر
تمپر زیادہ نماز روزہ کی وجہ سے فوقیت نہین لیگئے بلکہ اُس چیز کی وجہ سے (فوقیت لیگئے ہین) جو اُن کے
دل مین جمی ہوئی ہین (یعنی ایمان وتصدیق کامل) اور جس مقصد کو اُنہون نے رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم سے طلب کیا تھا وہ عوام کا مقام تھا تو گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس (دعا) کے ضمن مین
اُن سے فرما رہے ہین کہ تم اُن لوگون مین ہو جن کا یہ مقام نہین (جسکو تمنے طلب کیا ہے) بلکہ ہم تمکو
تمہارے درجہ کے موافق جواب دیتے ہین جو کہ خواص کا مقام ہے جو شریعت اور حقیقت دونون کو جمع
کرتے ہین تو شریعت (کا مقتضا) تو یہ ہے کہ اعمال اور دعا (وغیرہ) کی پابندی کی جائے (اور اُسکو
نجات کا سبب سمجھا جائے) اور حقیقت یہ ہے کہ دونون جہان کی تمام بھلائیون کو محض فضل پر مرتب
سمجھے اور کسی شئی کو سبب نہ سمجھے۔ یہان سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اُسکے حال کیموافق جواب دیا جائے

ف۵ یعنی ارکان وواجبات مین خلل نہین ڈالا۔ اچھی طرح سب کو بجالایا ۱۲ اعمدہ اور اگر دل مین تو نماز کی عزت و
حرمت ہے مگر ظاہر سستی سے نماز مین خلل رہجاتا ہے تو اُمید ہے کہ یہ کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی ۱۲

(باقی آئندہ)

Marfat.com

اگرچہ وہ اس کی درخواست بھی نہ کرے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انزلوا الناس علی منازلھم لوگون کو اُن کے درجون پر رکھا کرو۔ یہ ارشاد عام ہے (گفتگو اور سوال و جواب کو بھی اور عملی برتاؤ کو بھی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے حضرت صدیق کو یہ تعلیم دی کہ اپنے مقصد کو مولیٰ عزوجل کے پاس سے طلب کرین کیونکہ جب وہ اللہ عزوجل کے پاس سے بلا واسطہ عبد کے جوکہ محل نقص ہے طلب کیا جائیگا تو بہت کامل ہوگا، پھر اس درخواست کو دو بزرگ نامون یعنی غفور رحیم کے ذکر سے کامیاب کردیا گیا جن مین سے ایک کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب سوال کیا جاتا ہے وہ عطاء فرماتے ہین اور (اس دعاء مین بھی) یہی درخواست ہے کہ اپنے پاس سے (مغفرت ورحمت) عطا فرمائیں تو مطلوب کی تحصیل مین یہ (صورت) زیادہ مؤثر ہے اور دوسرے اسم کا مقتضی مغفرت ہے اور جسکی مغفرت ہوگئی اُسپر رحمت ہوگئی اور جسپر رحمت ہوگئی اُسکی مغفرت بھی ہوگئی۔

نیز یہان ایک اور احتمال بھی ہے وہ یہ کہ دعاء کا قبول ہونا مشیت (الٰہیہ) پر موقوف ہے چنانچہ ارشاد ہے بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے رہو پھر وہ اگر چاہتے ہین اُس مصیبت کو دور کردیتے ہین جسکے لئے اللہ کو پکارتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے اجابت دعا کی امید دلائی ہے قطعی وعدہ نہیں کیا، اور مضطر کے بارہ مین ارشاد ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ (یا وہ بہتر ہے جو مضطر کی دعاء قبول کرتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے) یہان اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مضطر کی دعاء کا قبول کرنا (اپنے ذمہ) وعدہ جمیل سے لازم کرلیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھکر وعدہ کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کو دعا کی صورت سے ہٹاکر جو خوف ورجاء کے درمیان ہوتی ہے حالت مضطر کی طرف منتقل کردیا جسمین اجابت کا ذمہ لیا گیا ہے، اور اضطرار کی حقیقت اس لفظ سے ظاہر ہوتی ہے ظلمت نفسی ظلما کثیرا (کہ مین نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے) یعنی میرے پاس اس ظلم کے رفع کرنے کا کوئی حیلہ نہین اور یہ (غایت) احتیاج کی حالت ہے (پھر فرمایا ہے ولا یغفر الذنوب الا انت اور آپکے سوا گناہوں کی مغفرت کوئی نہین کرسکتا یہ غایت اضطرار کی حالت ہی) کیونکہ جو شخص اُن اسباب پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو جو گناہون کی مغفرت کراسکین وہ پورا مضطر ہے، کیونکہ اگر کسی کے پاس بڑے

Marfat.com

بڑے گناہ ہون اور اُن کی ساتھ ایسی چیزین بھی بہت ہون جو گناہون کا کفارہ ہوسکین تو وہ یون نہیں کہا کرتا اغفر لی مغفرۃ من عندك کہ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے، کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو مغفرت کا سبب بن سکے،، تو ان دو لفظون کے مضمون میں احتیاج محض (اور اضطرار حقیقی) کی حقیقت متحقق ہوگئی - دل مین اور بھی باتین ہین اور تم خود سمجھدار ہو سمجھ جاؤ میرے باپ مان ان دونون پر فدا ہون کیسے اچھے معلّم تھے اور کیسے اچھے متعلم، اُن کے آثار کیسے عمدہ ہین اور اُن کے باطن کیسے منوّر اور ان کے احوال کسقدر بلند اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنے فضل سے ان دونون حضرات کی برکتین بار بار نازل فرمائیں - قولہ الوجہ الثالث قولہ علیہ السلام قال قل اللھم انی ظلمت نفسی الخ ھھنا بحث الی قولہ اعاد اللہ علینا من برکاتھما بمنہ

ف یہان سے معلوم ہوا کہ دعا مین غایت احتیاج اور غایت اضطرار کی حالت اختیار کرنا چاہئے کہ صورت بھی مضطر کی سی ہو الفاظ بھی افتقار و اضطرار کے مناسب ہون محض سوال اور درخواست کے الفاظ پر کفایت نہ کی جائے اور یہ دولت اہل اللہ کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہے ففی ذلك فلیتنافس المتنافسون

(۱۹۴) **ف** یہان ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ حضرت صدیق کا دعا مین یہ کہنا ظلمت نفسی ظلما کثیرا (کہ مین نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے) حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ اگر مجاز ہے تو یہ بات محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبب مغفرت کی تعلیم کرتے ہوئے مجاز کا استعمال کرین اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مقام طلب و رغبت مین اللہ تعالیٰ کو مجاز سے خطاب نہین کرسکتے - پس اسکے سوا اور کوئی صورت نہین کہ اسکو حقیقت پر محمول کیا جائے - اب اگر یہ حقیقت ہے تو وہ کونسا گناہ ہے؟ کیونکہ اسلام سے پہلے جو کچھ تھا اُسپر تو مواخذہ نہین اور اسلام کے بعد تو وہ سب کے سردار اور خیر مین مقتدا ہین پھر یہ گناہ کیا ہے؟ (جسکے متعلق کہا گیا ہے ظلمت نفسی ظلما کثیرا) اس کا جواب وہ ہے جو پہلے ایک حدیث مین یا ابن آدم ما اغدرك کی شرح مین گذر چکا ہے کہ انسان کی اصل طبعی حالت بیوفائی (اور غدر) ہے (یہی ہمارے اندر غالب ہے مگر جسکو اللہ اس سے محفوظ کردے) پس دنیا و آخرت مین جو خیر بھی ہمکو حاصل ہوگی یا ہوتی ہے وہ محض اللہ جل جلالہ کے فضل سے ہے خواہ اس طرح کہ ایسے اعمال کی ہمکو ہدایت کی جنکو حکمت الٰہیہ نے حصول خیر کا سبب بنایا ہے (یہ عوام کا مقام ہے) یا محض عفو و فضل سے بدون کسی عمل وغیرہ کے سبب کے (اور یہ خواص کا ذوق ہے) ہمارے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

نفس ہر شر کا منبع ہے پس ہر حال مین اپنے کو خطادار سمجھو ٥٠

Marfat.com

ہوتی ہے وما بکم من نعمۃ فمن اللہ تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے
ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا اور اگر تم پر اللہ کا فضل ورحمت نہ ہوتا
تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا نیز ارشاد ہے کہ ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی کہ
نفس تو برائی ہی کا امر کرنیوالا ہے مگر جسپر اللہ کا رحم ہو جائے، تو نبی صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے صدیق
رضی اللہ عنہ کو متنبہ فرمایا کہ اصل کا اقرار کریں جس حالت پر نفس کو فطرۃً بنایا گیا ہے اُس کا
اعتراف کریں یہی سچی حقیقت ہے اور اس کے بعد خیر تام کو جو مغفرت ورحمت ہے اصل حقیقی سے یعنی
غفور ورحیم سے طلب کریں (اپنے کسی شے کو مغفرت ورحمت کا سبب نہ سمجھیں) اسی لئے بعض اہل خیر نے
فرمایا ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز بڑی ہو سکتی ہے خواہ ظاہراً یا باطناً بجز نفس کے کہ وہ اہل حقیقت و
معرفت کے نزدیک کبھی بڑا نہیں ہو سکتا بلکہ جسقدر اُن کی معرفت بڑھتی ہے اُسیقدر نفس کی ذلت وحقارت
اُن کی نظر میں بڑھتی جاتی ہے،، یہ حدیث اس قول (کی صحت) پر شاہد ہے کیونکہ جب وہ شخص جو صدیق
وتصدیق کے انتہائی مقام پر پہونچا ہوا ہے اس انتہا کے بعد بھی اتنے بڑے اعتراف کی طرف لوٹایا
51 گیا ہے جس کا ابھی بیان ہوا تو کیا اُسکی نظر میں نفس کی کچھ بھی قدر باقی رہ گئی ہوگی معاذ اللہ (ہر گز نہیں)
پس جسکو خلاص اور اخلاص کی طلب ہو اُسکو اُن کے راستہ پر چلنا (اور نفس کو مٹانا) چاہیئے۔
اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے فضل سے ان کے سلسلہ میں داخل فرمائیں (آمین) قولہ الوجہ الرابع ھنا بحث
فی قول ھذا السند ظلمت نفسی الی قولہ ضمنا اللہ فی سلکھم بمنہ،،

ف سچ ہے خودی کو مٹا دو خدا سے ملجاؤ گے دع نفسک وتعال

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

تو درو گم شو وصال این ست وبس — گم شدن گم کن کمال این ست وبس

مگر یہ دولت محض الفاظ یا ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی کاملین کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے رزقنا
اللہ وایاکم ذلک بمنہ وفضلہ آمین

پنجشاہ (حدیث رفع الصوت بالذکر بعد الصلوٰۃ)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے زمانہ مین تھا جسوقت لوگ فرض نماز سے (فارغ ہوکر) واپس ہوتے ،،

شرح- ظاہر حدیث کا مدلول یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو ذکر کی آواز سنی جاتی تھی- اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۹۵) صحابہ رضی اللہ عنہم مین اہل صفہ تو بلا حاجت ضروریہ کے مسجد سے نکلتے ہی نہ تھے بلکہ ہمیشہ مسجد ہی مین رہتے تھے- اور بعض صحابہ دوسری نماز کے انتظار مین مسجد کے اندر بیٹھے رہتے تھے کیونکہ اسمین ثواب ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے فذلکم الرباط فذلکم الرباط فذلکم الرباط ثلاثا یہی (حدود کی) محافظت ہے یہی (حدود کی) محافظت ہے یہی (حدود کی) محافظت ہے تین بار (اس قول کو دہرایا) پس اب اس حدیث کو عموم پر محمول نہین کر سکتے (یعنی یہ نہین کہہ سکتے کہ سب صحابہ نماز کے بعد گھرون کو واپس ہو جاتے تھے) بلکہ خصوص پر محمول کیا جائیگا جسکو حدیث ذی الیدین مین اس لفظ سے بیان کیا گیا ہے خرج السرعان کہ جلدی کرنیوالے مسجد سے نکل گئے، اور یہ وہ تھے جنکو ضروری کام ہوتے تھے وہ نماز کے بعد ذکر کرتے (ہوئے مسجد سے نکلتے) تھے تاکہ اُن سے کوئی مستحب فوت نہو جائے کیونکہ نماز کے بعد ذکر کرنے کی فضیلت وارد ہے- غرض یہ حضرات (اپنی ضرورتون کیلئے) جلدی مسجد سے نکل جاتے اور جلدی کی وجہ سے باٌواز بلند ذکر کرتے تھے کیونکہ مسجد سے باہر اگر کوئی آہستہ ذکر کرے تو ممکن ہے کوئی اس سے بات کرنے لگے اور اسکو (باتون مین) مشغول کرکے ذکر سے محروم کردے اور حضرات صحابہ سب کے سب مستحبات کی پوری پابندی کرتے تھے (اس پابندی کی وجہ سے ہی مسجد کے باہر بلند آواز سے ذکر کرتے تھے) تو اگر اس علت کی وجہ سے ذکر جہر کیا جائے تو اسوقت جہر افضل ہوگا مفضول نہ ہوگا گو فی نفسہ ذکر خفی افضل ہے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے سُتر درجہ افضل ہے، یہ اُسوقت ہے جبکہ دونون علت سے خالی ہون کیونکہ جہر مین بعض دفعہ ریا بھی داخل ہو جاتی ہے لیکن اگر اس غرض سے جہر کیا جائے کہ جہر نکیا جائیگا تو ذکر بالکل ہی فوت ہو جائیگا تو اسوقت جہر افضل ہوگا ،، اور ممکن ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذکر خفی کی فضیلت اسلئے بیان فرمائی ہو تاکہ لوگ جہری پر دوام نکرلین جیسا راوی حدیث نے بیان کیا ہے (اور جہر پر ہمیشہ دوام نہین ہوسکتا بعض دفعہ جہر سے دوسرون کو تشویش ہوتی یا سونیوالون کو تکلیف ہوتی ہے) اور ممکن ہے یہ جہر کرنے والے وہ لوگ ہون جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے

نماز کے بعد ذکر جہر کی تحقیق

۵۲

Marfat.com

اُن کو جہر سے منع نہین کیا گیا کیونکہ اُن کو (ذکر سے) مانوس کرنا اور ایمان کی محبت اُن کے دل مین ڈالنا مقصود تھا اور دوسرون کو افضل کی خبر دیدی گئی تاکہ جہانتک ممکن ہو افضل پر عمل کرین، اور بعض کے جہر پر سکوت کیا گیا تاکہ جواز پر دلالت ہو جائے۔ غرض اس مین مبتدیون اور معذورون کیلئے ایک نمونہ ہی پس دین آسان ہے۔

رہی اس ذکر کی کیفیت مین گفتگو، سو اس مین چند احتمالات ہین ایک وہ جو ابھی بیان کیا گیا کہ (جہر کا منشا یہ تھا کہ) نمازون کے بعد جو ذکر ماثور ہے وہ فوت نہ ہو جائے (یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر اور سو پورا کرنے کیلئے ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر) اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد وہ ذکر ہو جو مسجد سے نکلنے کیوقت ماثور ہے کہ مسجد سے نکلتے ہوئے بایان پیر پہلے نکالے اور کہے اللھم افتح لی ابواب فضلک کہ (اسوقت) یہی سنّت ہے اور یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے اور (اس صورت مین) حدیث اپنے ظاہر پر رہے گی (کہ انصراف سے مراد مسجد سے گھر کی طرف لوٹنا ہے نماز سے فارغ ہونا مراد نہین۔ پس حدیث سے نماز کے بعد معاً ذکر جہر کا ثبوت نہین ہوسکتا جیسا اہل بدعت کا معمول ہے) اور اس ذکر کے اظہار (واعلان) کا فائدہ یہ ۵۳
ہوگا کہ ناواقف لوگ بھی اس سنت سے واقف ہو جائین اور جس کا دل کسی ضروری (فکر) مین مشغول ہو وہ بھی ذکر کو سنکر متنبہ ہو جاوے (اگر مشغولی کی وجہ سے بھول گیا ہو تو اس سنت کو یاد کر کے بجالائے) تو جہر کرنیوالے کو ذکر کا ثواب دو طرح سے حاصل ہوگا ایک تو خود اپنے ذکر کیوجہ سے دوسرے نفع متعدی کی وجہ سے (کہ اسکے ذکر کو سنکر دوسرے بھی اس سنت کو بجالائے) کیونکہ اس نے اسی قصد سے جہر کیا تھا کہ دوسرون کو تعلیم دے اور اُن کے دل مین (یہ بات) ڈالدے (کہ اسوقت سنت یہ ہے جو مین نے ادا کی) جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا جب آپنے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم رات کو قراءت مین آواز بلند کیون کرتے ہو کہا مین سونیوالون کو بیدار کرنا چاہتا ہون اور شیطان کو بھگانا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکے اس جواب کو پسند کیا اور فرمایا کسیقدر آواز پست کر دیا کرو، اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب ہی ایسے تھے کہ وہ کوئی عمل بدون نیت صالحہ اور کتاب و سنت کی روشنی کے نہین کرتے تھے (پس جو حضرات مسجد سے نکلتے ہوئے اللھم افتح لنا ابواب فضلک بلند آواز سے کہتے تھے

Marfat.com

اُنکے جہر کا منشا بھی نیت صالحہ تھی)۔
اور اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عمل سے پہلے نیت (درست) کرنا چاہئیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العمل ما تقدمتہ النیۃ بہترین عمل وہ ہے جس سے پہلے نیت (صالحہ) ہو اور اگر کسی عمل مین خیر کی بہت سی نیتین جمع ہو سکین تو سبکو جمع کر لینا چاہئیے کیونکہ اس سے ثواب بڑہ جائیگا مگر شرط یہ ہے کہ وہ عمل واجب (و فرض) نہو کیونکہ اگر واجب ہوا اور اُسکی نیت کیساتھ کسی اور عمل کی نیت بھی ملا دی گئی تو اس صورت مین علماء کا اختلاف ہے کہ فرض ادا ہوگا یا نہیں یا دونون ادا ہو جائینگے یا اُن مین سے ادنی ادا ہوگا یا اعلی یہ چار قول ہین مگر قران حج وعمرہ کی صورت مستثنی ہے کہ وہان ایک عمل کا دونون کیلئے کافی ہو جانا متفق علیہ ہے (یعنی ایک ہی احرام دونون کیلئے کافی ہو جاتا ہے) بشرطیکہ (بعد مین) اراقت دم بھی کی جائے (یعنی ہدی ذبح کی جائے) جیسا کتب فروع مین مذکور ہے،،

پس فرض مین تنہا اُسی کی نیت کی جائے (کسی اور عمل کی نیت اُسکی ساتھ شامل نہ کی جائے) تاکہ خلاف سے خروج ہو جائے اور فرض ذمہ سے (بالیقین) ادا ہو جائے،، ۵۴

اور (یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث مین فرض نماز سے مُراد خاص صبح کی نماز ہو) اس احتمال کی تائید کہ یہ حدیث نماز صبح کی ساتھ مخصوص ہے اس سے ہوتی ہے کہ جب ایک لفظ کو اطلاق اور تقیید کیساتھ ذکر کیا جائے تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا اور اُسی کیساتھ مخصوص کیا جاتا ہے (اور دوسری احادیث مین یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر حضرات صحابہ کیطرف متوجہ ہوتے اور دریافت فرماتے تھے کہ تم مین سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا بیان کرتا اور آپ جو کچھ اللہ نے چاہا اُسکے جواب مین فرماتے اور طلوع شمس تک صحابہ سے باتین کرتے رہتے تھے اور آپ کی باتین ذکر ہی ہوتی تھین) اگر حدیث کا محمل یہ ہے تو اُسوقت سے لیکر اسوقت تک عمل اسی پر ہے کیونکہ آج بھی عموماً نماز صبح سے فارغ ہو کر جب مسجد سے نکلتے ہین تو لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے ہین کیونکہ اسوقت راستہ مین خلوت ہوتی ہے بجز اُن لوگون کے جو نماز پڑہکر نکلتے ہین راستوں میں کوئی نہین ہوتا، اور نمازی بھی ایک دم سے نہین نکلتے بلکہ متفرق طور پر مسجد سے نکلتے ہین، اور قلوب اسوقت منور ہوتے اور ذکر سے راحت پاتے ہین، اور

Marfat.com

سلف کے گھر بھی قد آدم سے کچھ ہی اونچے ہوتے تھے تو گھروں میں سے بھی ذکر کی آواز سنی جاتی تھی گھر میں رہنے والے اسوقت بیدار ہوتے اور کسی عذر کی وجہ سے گھر میں مقید ہوتے تھے، آج لوگوں کی ذکر کی آواز (گھروں میں سے) اسلئے نہیں سنی جاتی کہ عمارتیں بلند ہیں اور لوگوں پر نیند اور غفلت کا غلبہ ہے۔ پس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس وقت بھی بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر خفی سے مفضول (اور کمتر) ہے کیونکہ جب آدمی راستہ میں اکیلا ہو تو اسوقت راستہ اور گھر برابر ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں (اور گھر میں بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر خفی کی برابر ہے کہ اسمیں ریا کا اندیشہ نہیں)

نیز اسپر بھی تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اسوقت ذکر میں مشغول ہونا مؤکد (اور ضروری) ہے اس میں رغبت کرنا چاہئے کیونکہ (اسوقت ذکر میں مشغول) ہونیسے رزق میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ رزق طلوع فجر سے طلوع شمس کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اسوقت کسی عبادت میں مشغول رہے گا اُس کا رزق بہت وسیع ہو گا جیسا حدیث میں آیا ہے،،

۵۵ اور اس دلیل پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ جو طاعت زیادتی رزق کا سبب ہو اُسمیں مشغول ہونا اولٰی ہے کیونکہ اُس سے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہو گی، اسکے متعلق بہت سے آثار وارد ہیں اور اسی لئے اہل صفہ طلب رزق کا اہتمام بہت کم کرتے تھے کیونکہ انکو اس حدیث پر اور اسکے امثال پر پورا یقین تھا تو وہ دونوں جہان میں پورے کامیاب تھے، مگر یہاں ایک شرط ہے کہ طاعت میں خالص اللہ کیواسطے مشغول ہوا جائے رزق کیواسطے مشغول نہ ہوا جائے، کیونکہ اگر رزق کیواسطے طاعت میں مشغولی ہوگی تو نہ دنیا ملے گی نہ آخرت،، اسی معنی میں کہا گیا ہے ۱؎ ان الخیر بالطاعات منوط وصاحبہا بالبرکات موصوف والمعاصی صاحبہا ممقوت ودارہ بالبلاء یا محفوفتان۔ خیر طاعات کی ساتھ بندھی ہوئی ہے اور صاحب طاعات برکات سے موصوف ہے، اور گناہ والا مقت (وغضب) میں مبتلا ہے اور اُسکی دنیا و آخرت دونوں کی دونوں بلاؤں سے گھری ہوئی ہیں۔ نیز کہا گیا ہے دارك بالطاعات مرتجان واتقاء السوء بہا معروف۔ تیرے دونوں گھر (دنیا و آخرت)

۱؎ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل صفہ کو فتوحات اسلامیہ کی وسعت کے بعد بڑے بڑے مناصب بھی عطا فرمائے اور بیت المال کے وظائف بھی اور یہ سب کچھ بلا طلب وسعی کے اُنکو حاصل ہوا ۱۲ ظ

Marfat.com

طاعات ہی سے نفع مند ہون گے اور طاعات کے ذریعہ مصیبت سے بچنا (سبکو معلوم ہے) یہ بحث تو اُسوقت ہے جبکہ ذکر سے مراد وہ ہو جو مسجد سے نکلتے ہوئے مشروع ہے اور اگر انصراف سے مراد نماز سے فارغ ہونا ہے (مسجد سے نکلنا مُراد نہین) تو اُسوقت یہ گفتگو نہ ہوگی (بلکہ دوسری تاویل ہوگی جو آگے آتی ہے) ابن بطال رحمہ اللہ نے شرح بخاری مین اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتمال یہ بھی ہے کہ (نمازون کے بعد) یہ ذکر جہر دشمن کے شہرون پر (حملہ اور) جہاد کی حالت مین ہو تو اگر حدیث کا یہ محمل ہے تو اب بھی عمل اسی کے موافق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ مجاہدین نماز سے فارغ ہوکر پانچون وقت بلند آواز سے ذکر (یعنی تکبیر) کہا کرین تاکہ دشمن کے دلون پر رعب غالب ہوجائے اور اگر اسپر محمول نہین تو یہ حدیث بالاجماع منسوخ ہے اور اجماع کیلئے کسی حجت کی ضرورت نہیں (کیونکہ وہ خود مستقل حجت ہے) قولہ الوجہ الثانی ان اھل الصفۃ الی قولہ والاجماع لا یحتج علیہ،،

ف اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ نمازون کے بعد ذکر جہر بدعت ہے جیسا بعض مبتدعین کا معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد یا فجر وعصر کے بعد تین بار لاالٰہ الا اللہ ضرب وجہر کیساتھ کہتے اور تین بار حق حق حق کہتے ہین، اور عبداللہ بن عباس کی یہ حدیث اُن کی حجت نہین ہوسکتی کیونکہ اس مین بہت سے احتمالات ہین جن کا ذکر گذرچکا اور اگر اسکو ظاہر پر رکہا جائے تو وہ اجماع سے منسوخ ہے فقہاء اُمت صحابہ وتابعین کا اجماع ہوچکا ہے کہ نمازون کے بعد بجز جہاد وغیرہ یا تکبیرات ایام تشریق کے ذکر جہر مشروع نہین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالحق والصواب،

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ جو وظائف واذکار دنیوی مقاصد کے لئے پڑہے جاتے ہیں اُن میں ثواب نہیں جبکہ مقصود دنیا ہو، ثواب اُس وقت ہے جب محض طاعت درضائے حق کے لئے اُن کو بجالائے پھر دنیوی مقاصد اسکے غلام ہوکر خود ہی آجاتے ہیں ان کو مقصود نہ بنانا چاہئے،،

اطلاع - چونکہ مترجم صاحب کی طبیعت کچھ عرصہ سے علیل ہے اسلئے شاید رحمۃ القدوس کا مضمون کچھ روز تک ہدیۂ ناظرین نہ ہوسکے بعد اُنکی صحت کے جب ترجمہ تیار ہوجاویگا انشاء اللہ شائع کیا جاویگا والسلام۔ مدیر

(باقی آیندہ)

Marfat.com

بنی ۵۱ باہ ویکم (حدیث کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم مین سے ہر شخص (کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور) ذمہ دار ہے اور اس سے اُسکی رعیت کے متعلق بازپرس کی جائے گی امام بھی (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اُس سے اُسکی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور مرد اپنے گھر والون کا (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اس سے اُن کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اُس سے اسکے متعلق سوال کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اس سے اسکے متعلق سوال کیا جائے گا، راوی نے کہا مجھے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اُس سے اسکے متعلق سوال کیا جائے گا غرض تم مین سے ہر شخص (کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور) ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اُسکی ذمہ داری کے متعلق بازپرس ہوگی،

۵۷

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اُس سے اسکے متعلق سوال ہوگا اس پر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۹۰۶) یہ ذمہ داری ان ہی امور مین منحصر ہے جن کا ذکر حدیث مین ہے یا دیگر امور کی طرف بھی متعدی ہے اگر ہم علت سمجھنے کے قائل ہون تو جہان علت موجود پائین گے حکم کو متعدی کردین گے اور حدیث (مین جن چیزون کا خاص طور پر ذکر ہے اسکو قلیل سے کثیر پر تنبیہ کرنے کے باب سے سمجھا جائے گا کیونکہ علت (سب جگہ) امانت اور نگہبانی ہے اور قواعد شریعت اس بارہ مین بہت ہین جو اس (تعدیہ) پر صراحتًا یا ضمنًا دلالت کرتے ہین، پس بیان حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ ان امور پر متنبہ کیا جائے جن کا یہان ذکر ہے کہ یہ فائدہ (ایک) معقول (فائدہ) ہے کیونکہ لوگ عام طور پر راعی (اور ذمہ دار) صرف خلیفہ (اور سلطان) ہی کو سمجھتے ہین اُسکے سوا جن لوگون کا ذکر حدیث مین کیا گیا ہے اُن مین سے کسی کو بھی ذمہ دار نہین سمجھتے۔ چنانچہ مرد کہتا ہے کہ میرے گھر والے میرے واسطے مباح ہین میرے اوپر اُن کا کچھ حق نہین بجز نفقہ (روٹی کپڑے) وغیرہ کے جو عادۃً مرد کے ذمہ ہوتا ہے اور اس ہی

Marfat.com

صرف نفقہ کے متعلق باز پرس ہو گی، یہ نہیں سوچتا کہ اُسکے ذمہ اس سے زیادہ بھی کچھ حق ہے۔ اسی طرح بیٹا کہتا ہے کہ میرے باپ کا مال (میرا مال) ہے مجھہ پر اسکی باز پرس کیا ہے بلکہ وہی میرے اوپر حاکم ہے (جو کچھہ باز پرس ہو گی باپ سے ہو گی) بیوی بھی یہی کہتی ہے غلام بھی یہی سمجھتا ہے اور اس (جہالت) کے درمیان حقوق ضائع ہو جاتے ہیں جنکی باز پرس ہو گی مگر لوگ اُن حقوق کو غفلت میں برباد کر رہے ہیں، پس اسپر تنبیہ کر دی گئی تاکہ اُن لوگوں کی پوری خیر خواہی ہو جائے جو کسی کی ذمہ داری کے تحت میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ذمہ داروں سے زیادہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرنیوالے ہیں اسلئے آپنے اسپر تنبیہ فرمائی، بقیہ امانات (اور ذمہ داریوں) پر یہی مثالیں دلالت کر رہی ہیں ان ہی پر سبکو قیاس کیا جائے گا) چنانچہ سب سے بڑی ذمہ داری تو اس کی ہے جس کیلئے اطاعت و انقیاد کی بیعت کی جاتی ہے (مراد خلیفہ اور سلطان ہے) اسپر تو حدیث عبادہ بن الصامت میں گفتگو گذر چکی ہے اسکے بعد جن لوگوں کا ذکر ہے اُن کے متعلق اسوقت کچھہ بیان کیا جائیگا جتنا اللہ تعالیٰ منکشف فرمائیں گے"

۵۸ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان اور حاکم) اور ذمہ دار ہے اُس سے اس رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی، یہاں اھل کا لفظ مبہم ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اہل کا اطلاق کبھی زوجہ پر آتا ہے جیسا اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قصۂ افک میں کہا تھا اھلک یا رسول اللہ ولا نعلم الا خیرا، یا رسول اللہ وہ آپ کی بی بی ہیں میں تو بھلائی کے سوا اُن کے بارہ میں کچھہ نہیں جانتا) مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اہل سے مراد وہ ہوں جن کا نفقہ مرد کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے جیسا نوح علیہ السلام نے فرمایا ہے ان ابنی من اھلی کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں (داخل) ہے اور جیسا اللہ تعالیٰ شانہ نے ایوب علیہ السلام کے قصّہ میں فرمایا ہے ووھبنا لہ اھلہ ومثلھم معھم۔ ہمنے ایوب علیہ السلام کو اُن کے گھر والے عطا کر دئیے اور ان کے مثل بھی اُن کیساتھ یہاں اہل سے مراد بیوی بچے سب ہیں۔ نیز غلام بھی اہل میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ رعیت کے

Marfat.com

ہے۔ جسکی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت سلمان (فارسی رضی اللہ عنہ)
کے متعلق ھو من اھل البیت کہ وہ اہل بیت مین سے ہے حالانکہ وہ غلام آزاد شدہ تھے "
نیز غلام کیلئے اپنی سیدہ کی زینت (ظاہرہ وجہ وکفین) کی طرف نظر کرنا مباح ہے جیسا
محارم کیلئے مباح ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے او ما ملکت ایمانھن ' حدیث مین دونون
احتمال ہین (کہ اہل سے صرف بیوی مراد ہو یا سب گھر والے مراد ہون) مگر ظاہر یہ ہے کہ اسکو عموم پر
رکھا جائے کیونکہ فائدہ اس صورت مین عام (وکامل) ہوگا۔ نیز اسلئے بھی (عموم پر رکھنا اولیٰ ہے) کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اخیر مین فرمایا ہے والرجل راع فی مال ابیہ
کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا بھی (نگہبان اور) ذمہ دار ہے اور یہ نہین فرمایا کہ باپ اپنے بیٹے کے
مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے کیونکہ بیٹا اہل مین داخل ہو چکا ہے اسی طرح (یہ نہین فرمایا کہ آدمی
اپنے غلام اور بیوی کا نگہبان اور ذمہ دار ہے کیونکہ غلام اور بیوی بھی اہل مین آچکے ' ہان
بیٹے اور غلام اور بیوی کی ذمہ داری کو آپنے بیان فرمادیا تاکہ ہمکو معلوم ہو جائے کہ جس طرح گھر کے
مالک سے ان کے متعلق بازپرس ہوگی ان سے بھی بقدر خصوصیت (وتعلق) کے بازپرس ہوگی ۵۹
جیسا آگے بتلایا جائیگا

پس مرد کے ذمہ بیوی بچون اور غلامون کے جو حقوق واجب ہین ان مین سے بعض تو وہ ہین جو
سب لوگون کو خواہ عالم ہون یا جاہل معلوم ہین جیسے نفقہ کپڑا اور رہنے کا گھر' اس مین تو کچھ خفا
نہین' مگر یہ کل مین سے بعض ہے' کیونکہ اسکے علاوہ اسکے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ اُن کے دین
کی حفاظت کرے اُنکو دین پر اُبھارتا رہے فرض پر بھی مستحبات پر بھی' ہر ایک پر اُس کے (درجہ کے)
موافق ترغیب دے' اور یہ حق نفقہ اور لباس سے بھی زیادہ مؤکد ہے کیونکہ نفقہ اور لباس
تو تنگدستی کی حالت مین ساقط بھی ہو جاتا ہے اور دین کی طرف رہبری اور اُس کی تعلیم کسی حال بھی
ساقط نہین ہوتی اور (ظاہر ہے کہ) جو حق کبھی ساقط نہو وہ اُس حق سے زیادہ مؤکد اور ضروری
ہے جو (کسی وقت) ساقط ہو جاوے

مگر چونکہ لوگون نے حکام کو نفقہ اور کپڑا اور دیگر امور دنیویہ ہی کے متعلق فیصلہ کرتے دیکھا ہے ان کو
سوا کسی اور بات کو ذمہ دارون کے اوپر لازم کرتے ہوئے نہین دیکھا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ بس حق

Marfat.com

واجب وہی ہے جس کو حکام اپنے فیصلون مین لازم کرتے ہین اسکے سوا کچھہ واجب نہین۔
اور جو لوگ اہل علم اور اہل خبر سمجھے جاتے ہین اُن کی بڑی دوڑ یہ ہے کہ نفقہ ولباس کے علاوہ جو حقوق (دینیہ) ہین وہ مستحب کی قسم سے ہین اگر ان کو ادا کرین تو ثواب ہے نہ ادا کرین تو گنہگار نہ ہون گے حالانکہ یہ بھی جہل محض اور بالکل غلط ہے، کتاب وسنت اور اقوال ائمہ مین اس کے غلط ہونے کی دلیل (موجود) ہے، کتاب کی دلالت (کیلئے) تو اللہ تعالی کا یہ ارشاد کافی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے گھر والون کو جہنم سے بچاؤ۔ نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے وأمر اھلک بالصلوۃ واصطبر علیھا اپنے گھر والون کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اُس کی پابندی کرو۔ رہی حدیث، سو روایات مین وارد ہے کہ جس شخص کی اولاد بالغ ہو جائے اور وہ اُن کے (نکاح وغیرہ کے) بارہ مین کوتاہی کرے یہانتک کہ وہ (اس کوتاہی کی وجہ سے) کسی محذور (گناہ) مین مبتلا ہو جائین تو اسپر بھی اُتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اُنپر ہوگا، نیز نماز کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مروھم بھا لسبع واضربوھم
علیھا لعشر۔ بچوں کو نماز کا حکم کرو جب سات سال کے ہون اور نماز (کے ترک) پر انکو مارو جب دس سال کے ہون اور یہ حکم صرف نماز ہی کے واسطے نہیں بلکہ نماز کا ذکر اعلی سے ادنی پر تنبیہ کیلئے ہے،
رہے اقوال ائمہ تو ابن ابی زید نے اپنے رسالہ وغیرہ مین بیان کیا ہے کہ بچون کو نماز کیلئے مارا جائے جب دس کے ہون جیسا حدیث مین آیا ہے اسی طرح دوسرے واجبات (وفرائض) مین بھی (کوتاہی کرین تو سزا دینا چاہیئے)۔ ۴۰

علماء نے اس مسئلہ مین بھی اختلاف کیا ہے کہ ولی اپنے ماتحت نابالغ بچون کو نیک کامون کی ہدایت کرے اور اُن پر مجبور کرے تو ان اعمال کا ثواب کسکو ملے گا۔ اس مین تین قول ہین ایک یہ کہ ثواب ولی کو ملے گا دوسرا یہ کہ بچہ کو ثواب ملے گا کیونکہ عمل تو اُسی نے کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ دونون کو ثواب ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے جسکی دلیل سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب حج وداع مین ایک عورت نے اپنے ہودج مین سے ایک بچہ کو نکال کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس بچہ کا بھی حج (ہو سکتا) ہے آپ نے فرمایا ہان اور تجھے ثواب

Marfat.com

ملے گا۔ (مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث سے دوسرے قول کی تو نفی ہو گئی مگر پہلے قول کی نفی نہین ہوئی بلکہ بظاہر اُسکی تائید ہے اور تیسرے قول کی تائید اس مین نہین)۔

اور غلامون کے بارہ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر باندی زنا کرے اُسکو سزائے تازیانہ دو پھر زنا کرے تو سزائے تازیانہ دو اگر تیسری یا چوتھی دفعہ پھر زنا کرے تو اُسکو بیچدو اگرچہ ایک رسی ہی کے عوض بیچو۔ اسی کے مثل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ اُن کی زمین مین اُن کے پاس ہی رہتے تھے، ایک دن حضرت عائشہ نے اسی زمین مین اُن خطوط کے نشانات دیکھے جن پر چوسر کھیلی جاتی ہے تو آپنے ان لوگون کے اخراج کا حکم دیدیا اگر اس حرکت سے باز نہ آئین، اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی چیز ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جائز نہین جسکے متعلق معلوم ہو کہ وہ اُس مین کوئی حرام کام کرے گا، اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء کہ اپنی باندیون کو زنا پر مجبور نکرو۔ (اُن کے ذمہ اتنا خراج نہ لگاؤ جسکے اداکرنے کیلئے وہ زنا پر مجبور ہون) تو جیسے یہ حرام ہے کہ باندیون کو زنا کیلئے کرایہ پر دیا جائے ٦١
اور اُس کی اُجرت لینا حرام ہے۔ اسی طرح دوسرے مال کو بھی (حرام کام کیلئے کرایہ پر دینا اور اُس کرایہ کو اپنے کام مین لانا حرام ہے۔ شراب بیچنے والیکو اپنی دکان کرایہ پر دینا یا اپنے مکان کو جوا کھیلنے یا مندر بنانے کیلئے کرایہ پر دینا وعلی ہذا القیاس)

ہمارے اس قول کی تقویت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس خط سے بھی ہوتی ہے جو آپنے اپنے عمال و حکام کے نام لکھا تھا ان اھم امورکم عندی الصلوۃ من حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع۔ مجھے تمہارے سب کامون مین زیادہ فکر نماز کی ہے جو شخص نماز کی حفاظت کرے اور اُس کی پابندی کرے وہ اپنے دین کو محفوظ کرے گا اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ اس کے سوا (دوسری کامون) کو زیادہ ضائع کرنیوالا ہوگا، (ان سب نصوص سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان پر اپنے اہل وعیال کا صرف نفقہ ہی واجب نہین بلکہ اُن کے دین کی حفاظت بھی لازم ہے)

اس باب مین یعنی اُن حقوق کے بارہ مین جو مرد پر اپنے اہل (وعیال) کے متعلق واجب ہین قاعدہ کلیہ

Marfat.com

یہ ہے کہ جو اعمال خود مرد پر واجب ہیں۔ اُن پر اپنی اہل (وعیال) کو عامل بنانا بھی واجب ہے اگر وہ بالغ ہوں تب تو وجوب اپنی حقیقت پر ہے بجز اُن اعمال کے جو شریعت نے انسے ساقط کر دئے ہیں جیسے جمعہ عورتوں اور غلاموں سے ساقط ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں دلیل شرعی کیساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے اور اگر بالغ نہوں تو وجوب حقیقی نہیں بلکہ بغیرہ ہی یعنی نابالغوں کو احکام ضروریہ کی تعلیم دینا اور عادت ڈلوانا واجب ہے گو پابند بنانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہی،، اور جو اعمال خود مرد پر (واجب نہیں بلکہ) مستحب ہیں اُن کا اہل وعیال کو عامل بنانا بھی مستحب ہے مگر ان کو یہ بھی بتلا دینا چاہئے کہ یہ اعمال مستحب ہیں جیسا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا (نماز میں) صفوں کے برابر کرنے کے متعلق معمول تھا کہ اول خطبہ میں بیان کر دیتے تھے کہ صفوں کا برابر کرنا واجبات میں سے نہیں (بلکہ مکملات صلوۃ سے ہے اور سنت ہے) پھر کچھ آدمیوں کو صفیں برابر کرنے پر مقرر کرتے جو لوگوں کو اسپر مجبور کرتے تھے اور حضرات خلفاء اُسوقت تک نماز شروع نہ کرتے جب تک وہ لوگ اطلاع نہ دیتے کہ
۱۲۴ صفیں برابر ہو گئی ہیں،، اس کے متعلق ...... یہ پوری تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی ان شاء اللہ تعالے
غرض اعمال مستحبہ میں بھی اہل وعیال سے مسامحت نکرنا چاہئے،،

اب ہم تمکو بتلاتے ہیں کہ حکام صرف نفقہ اور کپڑا وغیرہ ہی میں فیصلہ کیوں کرتے ہیں جس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس یہی چیزیں مرد کے ذمہ لازم ہیں دین کی اور باتوں میں فیصلہ کیوں نہیں کرتے،، سو اسکی وجہ یہ ہے کہ حکام اُن ہی حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں جنکے متعلق اُن کی طرف مرافعہ کیا جائے۔ اور جن حقوق کا مرافعہ نہ کیا جائے گا اُن کا فیصلہ نہ کرینگے، دیکھو اگر کسی شخص کے مقابلہ میں تمہارے پاس تین یا چار حجتیں ہوں پھر تم ایک ہی حجت سے اُسپر مطالبہ (قائم) کرو تو حاکم اس ایک حجت ہی سے تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گا اُسکے ذمہ یہ لازم نہیں کہ بقیہ حجتوں سے جنکو تمنے ظاہر نہیں کیا نہ اُن کا مطالبہ کیا تمہارے لئے فیصلہ دے۔
اسی طرح یہاں سمجھو کہ رعیت کے کچھ حقوق دینی بھی راعی کے ذمہ ہوتے ہیں جنکو وہ ادا نہیں کرتا (مثلاً نماز کی پابندی کرانا زکوۃ اور روزہ کی تاکید کرنا اُن کے اخلاق وعادات کی اصلاح کا اہتمام کرنا) مگر ان حقوق کا ادا نکرنا رعیت کی خواہش نفس کے موافق ہے اسلئے وہ اس سے

Marfat.com

خوش ہے کہ راعی نے ان حقوق کو ادا نہین کیا تو وہ حکام کے سامنے بھی ان حقوق کا ذکر نہین کرتے
یا اسلئے کہ رعیت کو اس بات کا علم ہی نہین (کہ ہمارے کچھہ دینی حقوق بھی ہین) یا علم تو ہے
مگر وہ اس سے خوش ہے کہ راعی نے (ان حقوق کو ادا نہین کیا اور) اس سے اعمال شرعیہ
کا مطالبہ نہین کیا بلکہ بعض دفعہ ایسے راعی سے محبت کی جاتی ہے کیونکہ وہ خواہش نفس کی موافق
اور دوسرے حقوق جو حظ دنیا کی قبیل سے راعی کے ذمہ ہین جیسے کھانا کپڑا وغیرہ ان کا چھوڑنا رعیت
کو گوارا نہین وہ راعی سے ان حقوق کو طلب کرتی ہے (جب وہ طلب کے بعد بھی توجہ نہین کرتا) تو حکام
کی طرف مرافعہ کی حاجت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب بکثرت ان حقوق کا مطالبہ اور مرافعہ ہونے لگا
تو ان حقوق کا (راعی کے ذمہ) واجب ہونا مشہور و معلوم ہو گیا۔ اور دوسرے حقوق (یعنی حقوق
دینیہ) کے طالب بھی کم ہین اُن کے ادا کرنے والے بھی کم ہین جاننے والے بھی کم ہین تو وہ ایسے
اوپرے ہو گئے کہ گویا اُن کا بیان کرنے والا (اور بتلانے والا) دین مین کوئی بدعت ایجاد کر رہا ہے
فانا للہ وانا الیہ راجعون دین مین کیسا رخنہ پیدا ہو گیا کہ اُسکے نشانات ہی بدل گئے اسپر
عمل کرنیوالے ہی جاتے رہے، معاملہ یہان تک حد سے بڑھ گیا کہ جب کسی کو دیکھا جاتا ہے ۶۲
کہ اپنے گھر والون کو واجبات دین کا امر کر رہا یا دین کے معاملہ مین اُن پہ سختی کر رہا ہے تو اُسکو
دھمکایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ میان جانے بھی دو ابھی تو یہ بچہ ہے جب تمہاری عمر پر آویگا
خود عمل کرے گا،، اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین دو ہین۔ ایک بچون کا دین۔ ایک بڑون کا دین،،
اللہ تعالیٰ سلف پر رحم فرماوے (ان کا یہ طرز نہ تھا اُن کے یہان بچون اور بڑون کا سب کا ایک ہی
دین تھا) میرے ایک شیخ نے اپنے ایک شیخ کا واقعہ مجھسے بیان کیا کہ وہ اپنے شاگرد کیساتھ
بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کا چھوٹا بچہ مکتب سے آیا اور کہنے لگا کہ مین نے اپنی تختی یاد کر لی ہے اب
مین بیٹھا رہون یا کھیل کو چلا جاؤن؟ شیخ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا بچہ نے بار بار اپنے سوال کا
اعادہ کیا مگر وہ خاموش ہی رہے، شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بچہ سے کیون نہین کہدیتے کہ جاؤ
کھیلو، کیا بچون کیلئے کھیل مشروع نہین؟ یہ تو اُن (کی صحت) کیلئے مفید ہے، شیخ نے فرمایا تم یہ چاہتے
ہو کہ میرے نامہ اعمال مین اذھب فالعب (جاؤ کھیلو) لکھا جائے، مین تو ایسا نہ کرون گا، اور
اگر وہ خود کھیلنے لگے گا تو اُسکو منع بھی نہ کرون گا (کیونکہ بچون کیلئے بقدر ضرورت لہو و لعب کی اجازت ہی

Marfat.com

سو دیکھو سلف کے یہان تربیت کا کیا طریقہ تھا اور نامۂ اعمال مین اپنی باتون کے درج ہونے پر وہ کیسی احتیاط کرتے تھے،

یہ تو اُن امور کے متعلق کلام تھا جو دین مین مشروع ہین اور جو امور نفس کیلئے مباح کر دیئے گئے ہین تو ان کو اہل وعیال کی خاطر چھوڑ دینا مستحب ومندوب ہے جب تک دین مین کوئی مفسدہ نہ پیدا ہو، اسی طرح جو معاملات (لین دین میل ملاپ کی قسم سے) اُن کے درمیان باہم ہوا کرتے ہین اُن مین بھی مستحب یہ ہے کہ ان معاملات کی ترغیب دی جائے مگر سختی نہ کی جائے تاکہ ان کو مکارم اخلاق کی عادت ہو کیونکہ یہی سنت ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ (باقی آئندہ)

رحمۃ القدوس جلد اول

جو مضمون آپ نے اس صفحہ مین پڑھا ہے یہ مضمون رحمۃ القدوس حصہ دوم کا ہے اس کا حصہ اول مکمل تیار ہو چکا ہے جو علیحدہ بھی ملتا ہے۔ اسکی قیمت علاوہ محصول ڈاک۔ ایک روپیہ گیارہ آنہ (۱۱/۱)

الافاضات الیومیہ۔ یہ مجموعہ ہے حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ سیدنا ومولانا محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم کے ملفوظات کا (جو رسالہ المبلغ مین شائع ہوتے رہے ہین) جن حضرات نے کبھی حضرت والا دام ظلہم کی مجلس کا فیض حاصل کیا ہے وہ اگر چاہین کہ گھر بیٹھے حضرت والا دام ظلہم کی مجلس کا فیض حاصل کرین وہ ان ملفوظات کا مطالعہ فرماوین۔ قیمت حصہ اول ۸/ حصہ دوم ۷/ حصہ سوم ۶/ حصہ چہارم ۱۲/ حصہ پنجم ۶/ (علاوہ محصول ڈاک)

امداد المشتاق۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری مؤلفہ حضرت حکیم الامت دام ظلہم قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸/

مکتوبات وبیاض یعقوبی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات جنکے مطالعہ سے سلوک کے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہین۔ اور بیاض جسمین حضرت رح کی بیاض خاص کے عجیب وغریب نسخے درج ہین۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/

Marfat.com

ہمارے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اہل وعیال کے واسطے اپنے حظ نفس کو چھوڑ دینا مرد کے حق میں مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المؤمن یا کل بشہوۃ عیالہ مؤمن اپنے گھر والوں کی خواہش سے کھایا کرتا ہے یعنی جس چیز کو انکا دل چاہتا ہے وہی کھاتا ہے اپنی خواہش کے موافق فرمائش نہیں کرتا پھر اگرچہ کسی وقت اسکو اشتہا نہ ہو مگر گھر والوں کی خاطر سے کچھ کھالیتا ہے تاکہ اسکے نہ کھانے سے وہ بھی کھانا نہ چھوڑ دیں) تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کی خاطر اپنی خواہش کے چھوڑ دینے کو کمال ایمان کی علامت بتلایا ہے کیونکہ اگر وہ اپنی خواہش سے کھایا کرے جب بھی ایمان سے تو خارج نہ ہوگا کہ یہ بھی فی نفسہ مباح ہے اور جس کام کا کرنا ایمان سے خارج نہ کرے اس کا چھوڑنا کمال ایمان ہوگا اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس بدن کی حیات (موقوف) رکھی ہے وہ رات دن میں ہمیشہ مکرر بھی ہوتا ہے اور اپنی خواہش و رغبت کے ساتھ کھانا اطباء کے قول پر صلاح بدن کیلئے زیادہ مفید بھی ہے اور سنت نبویہ نے بھی رعایت طب کو مشروع کیا ہے حتیٰ کہ اطباء حاذقین ۶۵
نے فرمایا ہے کہ جو کھانا بعض اوقات بدن کو مضر ہوتا ہے وہ بھی اگر سچی رغبت سے کھالیا جائے تو نقصان نہیں کرتا باایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کی خاطر اپنے مرغوب کھانے کو چھوڑ دینا ایمان کامل کی علامت قرار دیا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے دین کی صلاح کو صلاح بدن پر ترجیح دیتا ہے تو یہ اسی باب سے ہے جس پر ہمنے استارہ کیا ہے (کہ اس میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کیگئی ہے کہ مؤمن کامل جب کھانے میں جو دنیا کی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ ہے اہل عیال کی رغبت کو مقدم کرتا ہے تو معمولی باتوں میں تو ضرور اسکا لحاظ کرے گا) اور یہ جو ہمنے شرط لگائی ہے کہ یہ رعایت اسوقت کی جائز ہے جبکہ اس سے دین کا ضرر نہ ہو اسکی مثال جماع ہے کہ اگر مرد کو جماع کی خواہش ہو اور اسکے ترک سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو تو اگرچہ بیوی کو اسوقت رغبت نہ ہو پھر بھی مرد کو اپنی رغبت کو مقدم کرنا چاہیے بیوی کی رغبت کا انتظار نہ کرے اسی لئے شریعت نے نشوز زوجہ کے وقت جبکہ وہ بلا عذر شرعی جماع سے انکار کرے نفقہ بند کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ

Marfat.com

نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے جیسا اوپر گذر چکا نیز بیوی کے مارنے پیٹنے کی بھی اجازت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے واللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ۹ (ترجمہ) اور جن عورتوں کی طرف سے تمکو نشوز (نافرمانی) کا خطرہ ہو (اول) اُن کو نصیحت کرو اور (پھر) انکو خواب گاہ میں الگ کردو اور (اس پر بھی باز نہ آئیں تو) اُن کو سزائے ضرب دو اسکے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو (تم بھی اُن کے موافق ہو جاؤ اور خواہ مخواہ ستانے کیلئے) اُن پر راستہ نہ ڈھونڈو، اس باب میں حدیثیں بھی بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کے بارہ میں مرد کو اپنا حق بیوی سے پوری طرح وصول کر لینا جائز ہے (خواہ اُسکو رغبت ہو یا نہو) کیونکہ ایسا نکرنے میں اسکے دین پر بڑے فساد کا خطرہ ہے تو یہاں بھی پہلی صورت کے مقابلہ میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کیگئی ہے۔ تم شریعت کے اس عجیب نظام کو دیکھو جب تم اس میں غور کروگے (حیرت میں رہ جاؤ گے) کہ اگر دین میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو شریعت نے مسلمانوں کو اپنے حظ نفس کے چھوڑنے کی کیسی ترغیب دی (کہ کھانے تک میں
۶۶ اپنی رغبت کو اہل وعیال کی رغبت کے تابع کرنے کا حکم دیا) اور اگر کسی رغبت کے چھوڑنیسے دین میں خلل کا اندیشہ ہو تو اُسکا پورا کرنا مستحب بلکہ ضروری اور واجب ہو جاتا ہے کیونکہ جس چیز سے روکنا واجب کو ساقط کر دیتا ہو (جیسا یہاں بیوی کا شوہر کو جماع سے روکنا نفقہ واجبہ کو ساقط کر دیتا ہے) تو اُسکا حاصل کرنا واجب ہے۔ اور اگر اُسکے حاصل کرنے کیلئے ممنوع کو بھی جائز کر دیا جائے تو اُسکی تحصیل اور زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے (جیسا یہاں یہی صورت ہے) کیونکہ مرد کا اپنی بیوی کو بدون نشوز کے مارنا ممنوع ہے مگر نشوز کے بعد مارنا جائز ہے تو رغبت جماع کو پورا کرنا بہت بڑی عبادت ہوگئی اسی پر شریعت کے تمام نظام کو) قیاس کر لو۔

اس گفتگو سے یہ علمی مسئلہ بطور نتیجہ کے معلوم ہوا کہ دین اور صلاح دین اصل مقصود ہے اسکے سوا جو کچھ ہے وہ تبعاً مقصود ہے بشرطیکہ اُس سے دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اُسکا مآل ایسے مباح کی طرف بھی نہ ہو جس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے (کیونکہ مباح کسی درجہ میں مقصود نہیں نہ اصالۃً نہ تبعاً) اور یہی دلیل ہے طریق صوفیہ کے ترجیح کی کیونکہ اُن کے طریق کی بنا

Marfat.com

ترک حظوظ نفس اور تحمل اذیت اور ترک اذیت (مسلم) اور (مسلمانوں کا) دل خوش کرنے پر ہے
(اور ان امور کا عبادت ہونا ظاہر ہے غرض صوفیہ نہ مباحات میں تکثیر کرتے ہیں نہ ایسے اعمال
کے پاس جاتے ہیں جن سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو اپنے نفس کی ساتھہ تو اُن کا معاملہ یہ ہے
کہ اُسکی خواہشوں کو پورا نہیں کرتے اور اُسکو خوش کرنے کیلئے کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے اور
اور دوسروں کے ساتھہ معاملہ یہ ہے کہ اُنکی اذیت کا تحمل کرتے اور ہر مسلمان کا دل خوش کرنا
چاہتے ہیں) یہانتک کہ ایک صوفی کے متعلق منقول ہے کہ اُنسے ایک شخص ملا اور دریافت
کرنے لگا کہ آپ کس حال میں ہیں ؟ فرمایا کہ مشوش (اور پریشان) ہوں یا اور کوئی لفظ اسکے معنی
میں فرمایا۔ جب وہ چلا گیا تو خدام نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ بات کیوں کہی ؟ (بظاہر تو آپ
پریشان معلوم نہیں ہوتے) فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اسکو مجھہ سے بغض ہے تو میں نے اُس کا دل
خوش کرنا چاہا (اگر میں اپنی راحت کا اظہار کرتا اُسکو خوشی نہ ہوتی) اُسیوقت کوئی فقیہ صاحب
تشریف لے آئے (انہوں نے یہ واقعہ سنا تو) کہنے لگے یہ کیا واہیات ہے تم نے جھوٹ بول کر
۶۷ اُسکا دل خوش کیا یہ تو جائز نہ تھا۔ تم نے جس (نیکی) کا قصد کیا اُس سے بدتر (گناہ) میں مبتلا
ہو گئے۔

کسی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ بتلاؤ کیا یہ دونوں (یعنی بزرگ صوفی اور اُن سے بغض رکھنے
والا) مسلمان نہیں ہیں ؟ کہا بیشک مسلمان ہیں اُسنے کہا پھر جب ایک مسلمان دوسرے سے
ناحق بغض رکھے اور جس سے بغض کیا جا رہا ہے وہ سچا مسلمان ہے تو کیا اُسکو اپنے بھائی
مسلمان کی اس حالت سے رنج نہ ہوگا کہ (ناحق بغض کی وجہ سے) اُس کا ایمان ناقص ہو رہا ہے
کیونکہ مومن کو اپنے بھائی مسلمان کی ہر اُس حالت سے تکلیف پہنچتی ہے جو خود اُسکو پیش آتی تو
تکلیف ہوتی۔ تو جیسا اُسکو اپنے ایمان کے ناقص ہونے سے تشویش ہوتی ہے ایسے ہی اپنے بھائی
کے نقص ایمان سے تکلیف ہوتی ہے پس جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب اس جواب میں کذب
کہاں ہوا ؟ بلکہ اس بزرگ نے اپنی حالت اور مخاطب کی حالت کے موافق سچا جواب دیا ہے۔ یہ
جواب سب جوابوں سے بہتر ہے مگر اسکو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو (علم) حال اور علم (رسمی) دونوں
سے حصہ ملا ہو ورنہ ایک میں مقلد ہوگا (خواہ فقیہ کا مقلد ہو یا صوفی کا جو فقیہ کا مقلد ہوگا صوفی کو

Marfat.com

برا کہے گا جو صوفی کا مقلد ہوگا فقیہ کو برا کہے گا اور جسکو فقہ ظاہر اور فقہ حال دونوں سے حصہ ملا ہوگا وہ کسی کا مقلد نہ ہوگا بلکہ محقق ہوگا اور کسی کو برا نہ کہے گا)

ہمارے اس قول کی (کہ اصل مقصود دین ہے اسکے سوا جو کچھ ہے تبعاً مقصود ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ لان یؤدب احل ولدہ خیر لہ من ان یتصدق بصاع من طعام۔ کوئی شخص اپنی اولاد کو تادیب کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع[عـ۵] غلہ صدقہ کرے کیونکہ اولاد کے ساتھ قلبی تعلق ہوتا ہے جیسا حدیث میں وارد ہے الولد مبخلۃ ومجبنۃ اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے یعنی ان دو مذموم خصلتوں کے بڑھانے میں) اولاد بڑا سبب ہے کیونکہ اسکی محبت مال کے خرچ کرنے سے مانع ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا میرے دل کا زیادہ مستحق ہے پھر غیروں پر کیوں صدقہ کروں اور جب جہاد کو جاتا ہے تو دل اولاد میں لگا رہتا ہے اور واپسی کا مشتاق ہوتا ہے جس سے بزدلی اور بھاگنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ غالب حالت یہی ہے اور حدیث میں لوگوں کی غالب حالت ہی کو بتلایا گیا ہے
۶۸ (شاذ ونادر ایسے مخلص بھی ہوتے ہیں جو اولاد کو اللہ کے حوالہ کر کے میدان جہاد میں بےفکر ہو کر جاتے ہیں جیسا حضرات صحابہ وتابعین کی حالت تاریخ سے معلوم ہو چکی ہے) اور مال سے بھی قلب کو تعلق ہوتا ہے مگر اولاد کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا ہے اور جس بات سے اولاد کو تکلیف ہوتی ہے اس سے باپ کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لئے اولاد کی تادیب (اور تنبیہ) جس سے اسکے دل کو تکلیف پہنچتی ہے ایک صاع صدقہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے (صدقہ اتنا شاق نہیں) یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک کہ ایک صاع کی تحدید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صاع سے زیادہ صدقہ کرے تو وہ تادیب اولاد سے (کمتر نہ ہوگا بلکہ) اس سے بڑھ کر ہوگا تو اگر کوئی اپنی اولاد کو تادیب وتنبیہ نکرے بلکہ دو صاع غلہ خیرات کر دیا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ غلہ کی مقدار بڑھا کر تادیب اولاد کو ترک کر سکتا ہے بلکہ مقصود تفاضل اعمال

عـ۵ صاع شرعی ہندوستانی وزن سے چار سیر کے قریب ہوتا ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

کا بیان ہے کہ اولاد کی ادنی تنبیہ وتادیب صدقہ کی ادنی مقدار سے بڑھ کر ہے کیونکہ بچوں کو
شرعی سزا معمولی طریقہ سے ہوتی ہے جیسے ایک تازیانہ یا کان مل دینا دیا ایک طمانچہ) اور
کفارات مشروعہ کی ادنی مقدار ایک مد ؎۵ ہے چنانچہ حدیث میں ہے مد لکل مسکین پس (حاصل
یہ ہوا کہ) اولاد کی تادیب وتنبیہ کا ادنی درجہ صدقہ مشروعہ کے ادنی درجہ سے بڑھا ہوا ہے
اور شریعت نے صدقہ کی ادنی مقدار جو معین کی ہے اس سے انسان کو پوری راحت حاصل
ہو جاتی ہے یعنی وہ اتنی مقدار ہے جس سے عام طور پر ہر شخص کا پیٹ بھر جاتا ہے اور
جب انسان کا پیٹ بھر جائے تو اسکی تمام خواہشیں اور ساری منفعتیں اور سب قوتیں
مجتمع ہو جاتی ہیں اب وہ پوری طرح اپنے مقاصد کے حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو
گویا کسی کا پیٹ بھر دینا اسکو زندہ کر دینا ہے اور (مرتے ہوئے آدمی کو) زندہ کرنا جیسا قیمتی
کام ہے شرعًا وطبعًا معلوم ہے پس شریعت نے اس ادنی تکلیف کو جو اولاد کی تادیب شرعی
سے (باپ کے دل کو) ہوتی ہے سب سے بڑے عمل یعنی احیاءِ نفس سے بھی بلند تر قرار دیا
ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شاق ہے صدقہ میں اسقدر تکلیف دل کو نہیں پہنچتی جیسی اولاد کو ٦٩
سزا دینے میں پہنچتی ہے اس تقریر سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ علوم میں سب سے افضل
احکام الٰہی میں اسرار حکمت کو سمجھنا ہے کیونکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس سے نفس
کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے اسکی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ ومن
احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے اُن لوگوں کیلئے
جو یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ غالب احوال میں یقین صرف نظر اور فہم اور تدبر ہی سے حاصل
ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقین حاصل کرو کیونکہ
میں بھی اسکو حاصل کرتا ہوں۔

نیز باپ پر واجب ہے کہ اولاد کی ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے اُن کو باپ کے
حقوق واجبہ ادا کرنے میں مدد ملے جسکی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے جنھوں نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تھی اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہبہ پر گواہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے اُن سے پوچھا

؎۵ مد صاع کا چوتھائی ہے اور کفارات کی ادنی مقدار ایک مد ہونا مالکیہ کا مذہب ہے حنفیہ کے نزدیک ادنی مقدار نصف صاع ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

اس بیٹے کے سوا تمہارے اور بھی اولاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اُن سب کو بھی اسکے برابر دیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گذاری میں سب کے سب برابر رہیں؟ کہا ہاں فرمایا تو پھر تم بھی اُنکے درمیان برابری کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ میں غور کرو اتحب ان یکونوا لک فی البر سواء کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمتگذاری میں سب کے سب برابر ہوں؟ اس جملہ میں اس امر پر تعریض ہے کہ تمہارا فعل تو اس مطلوب کا منافی ہے (جب تم اولاد سے خدمت گذاری میں مساوات کے طالب ہو تو خود مساوات کیوں نہیں کرتے تمکو بھی اُنکے ساتھ مساوات وعدل کا برتاؤ کرنا چاہیئے) غرض اس حدیث میں باپ کو ترغیب دی گئی ہے کہ اولاد کی ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے اُن کو خدمتگذاری میں مدد ملے (اسکی خدمت کا جذبہ اُن کے دل میں پیدا ہو) اسی کی نظیر یہ واقعہ بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور سے آپ کی ازواج نے دریافت کیا کہ آپ (ہم میں سے) کس کو محبوب رکھتے ہیں (فرمایا
۷۰ اس سوال کا جواب دوسرے وقت دیا جائے گا) پھر آپ نے ہر ایک بی بی کو (دوسروں سے) چھپا کر ایک ایک دینار دیا (اور ہر ایک کو تاکید کردی کہ اسکی اطلاع کسی کو نہ ہونے پائے) پھر (دوسرے وقت آپ سے وہی سوال کیا گیا کہ آپ کو سب بیبیوں میں کونسی زیادہ محبوب ہے تو) فرمایا دینار والی (زیادہ محبوب ہے) تو (دیکھو) حضور نے سب کو خوش کردیا اور کسی کے دل میں ذرا بھی ملال و پریشانی کا اثر نہ ہوا کیونکہ ہر بی بی کا خیال یہ تھا کہ دینار والی میں ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ پس ہر مرد کو اپنی چند بیبیوں کی ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیئے کہ ہر ایک یہ سمجھے کہ مجھ سے زیادہ محبت ہے کیونکہ اس سے حسن معاشرت میں مدد ملتی ہے اور حسن معاشرت بیبیوں کا حق ہے کہ اُن کی بہتری اسی میں ہے (اگر بیبیوں کی ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ نہ ہو تو اُن کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی یہ تو اولاد و ازواج کے متعلق حسن معاشرت کا حکم تھا) رہے غلام تو اُن کی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ یہ تھا کہ بعض دفعہ آپ غلام کی ساتھ آٹا پیستے تھے اور فرماتے تھے کہ اُن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا خادم

Marfat.com

کھانا لیکر آئے (تو اسکو اپنی ساتھ کھلاؤ اور) اگر اپنی ساتھ نہ بٹھلاؤ تو اسکو (اپنے خاص کھانے میں سے) ایک دو لقمہ ہی دیدو۔ اسکے متعلق مفصل کلام اپنے موقعہ پر آئے گا۔ کیونکہ اسطرح برتاؤ کرنے سے غلام کو آقا کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوگا اور اسکے مال کو اپنا مال سمجھ کر اس کی حفاظت کرے گا۔ اسی کی نظیر یہ واقعہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک رات کچھ لکھ رہے تھے بعض درباری بھی آپ کے پاس تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہوگیا اور لکھنے کا کام باقی تھا آپ کا غلام اسوقت سوگیا تھا ایک درباری نے عرض کیا کہ غلام کو جگا دیا جائے تاکہ چراغ میں تیل ڈال دے فرمایا نہیں وہ ابھی سویا ہے (کچی نیند میں جگا دینے سے اسکو تکلیف ہوگی) اسکے بعد آپ خود اٹھے اور چراغ میں تیل ڈالا اور اپنی جگہ واپس آکر پھر لکھنے لگے اور فرمایا کہ جب میں (تیل ڈالنے کو) اٹھا تھا اسوقت بھی عمر تھا لوٹ کر آیا تو اب بھی عمر ہی ہوں (تیل ڈالنے کیلئے اٹھنے سے میں کچھ بدل نہیں گیا) اگر ہم اس قسم کے واقعات کا (سلف صالحین کی تاریخ میں تتبع کریں تو بہت واقعات ملیں گے مگر سمجھنے والے کیلئے یہ تھوڑا بھی بہت ہے۔ ۱۷

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا و مسئولۃ عن رعیتھا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار (اور نگہبان) ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی اس فصاحت و اعجاز کلام میں تو غور کرو کیسا واضح اور مقصود کو پوری طرح ادا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عورت کو شوہر کے ان ہی حالات (و معاملات) سے سابقہ پڑتا ہے جو گھر کے اندر ہوتے ہیں تو اسکو گھر سے باہر کے حالات کا مکلف نہیں کیا گیا کیونکہ ان تک اسکی پوری دسترس نہیں ہوتی۔ (اس جملہ میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ عورت کو گھر کے اندر پردہ میں رہنا چاہیئے اگر عورتوں کیلئے مردوں کیطرح بے پردہ باہر پھرنا جائز ہوتا تو ان کی ذمہ داری کو گھر کی ساتھ خاص نہ کیا جاتا) اور گھر کے اندر جو امور عورت کے ذمہ واجب ہیں انکی تفصیل دوسری حدیثوں میں مذکور ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے و لکم علیھن ان لا یدخلن احدا دونکم ولا یوطئن فرشکم غیرکم الا باذنکم۔ تمہارا حق عورتوں کے ذمہ یہ ہے کہ تمہارے گھروں میں

Marfat.com

کسی کو بدون تمہاری اجازت کے داخل نہ ہونے دیں اور تمہارے بستروں پر بدون تمہاری اجازت کے کسی غیر کو قدم نہ رکھنے دیں۔ نیز آپ کا ارشاد ہے تحفظ المرأۃ زوجها فی نفسها و مالہ۔ عورت کو شوہر کی (حرمت و ناموس کی) حفاظت کرنا چاہیئے اپنی ذات میں بھی اور اُسکے مال میں بھی (یعنی اپنی عصمت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال کو فضول کاموں میں نہ اُڑائے) یہ تو اُسکے ذمہ واجب ہے اور مستحب کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے۔ جھاد المرأۃ حسن التبعل۔ عورت کا جہاد شوہر داری کی خوبی ہے (یعنی شوہر داری کے حق کو اچھی طرح ادا کرنا) اور جہاد دو قسم پر ہے واجب اور مستحب۔ اسیطرح شوہر داری کی خوبی دو قسم پر ہے اسکا جو حصہ اپنی ذات کی حفاظت اور شوہر کے مال کی نگہبانی وغیرہ سے متعلق ہے وہ تو واجب ہے اور جو حصہ اپنی زینت و آرائش سے شوہر کو خوش کرنے کیلئے اور اُس کی ذات و آبرو کی زیادہ نگہداشت وغیرہ سے متعلق ہے وہ مستحب ہے۔

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والخادم راع فی مال سیدہٖ اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان (ذمہ دار) ہے۔ اس ترتیب عجیب میں بھی غور کرو چونکہ غلام دستور (عام) کے مطابق (آقا کے) مال کے سوا اور کسی چیز میں تصرف کا مالک نہیں نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے نہ سنوار سکتا ہے اسلئے کہا گیا کہ اُس سے مال کے متعلق بازپرس ہوگی کیونکہ غالب یہی ہے کہ مال غلام کی امانت (و حفاظت) میں رکھا جاتا ہے اگر اسکے سوا کوئی اور چیز بھی اُسکی ذمہ داری میں دی گئی ہو تو اُس میں بھی حق امانت ادا کرنا اُسکے ذمہ واجب ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ لوگوں کی عام عادت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح بیوی کے بارے میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر شوہر نے امور خانہ داری کے علاوہ کسی اور تصرف کا بھی اُس کو مالک کر دیا ہو تو اُسکے ذمہ اُسکی حفاظت بھی لازم ہے کہ پوری طرح حق امانت ادا کرے یہانتک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کے ذمہ لازم ہو کہ شوہر کو گھر کی ہر زیادتی کمی سے باخبر کرتی رہے کیونکہ شوہر سے (شریعت کا) مطالبہ ہے کہ گھر والوں کی اچھی طرح نگہداشت کرے تو جب عورت اُسکو تمام کلیات و جزئیات سے خبردار کرتی رہے گی اُسی کے موافق اُسکی طرف سے نگہداشت ہوگی جس کا نفع سب کو پہنچے گا اور اس طرح شوہر کو اُن کے حقوق کی ادائگی میں

(اسکے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والرجل راع فی مال ابیہ۔ اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان (اور ذمہ دار) ہے۔ رجل یعنی مرد کا اطلاق بالغ پر ہی ہوتا ہے نابالغ پر نہیں ہوتا (تو یہاں بھی بالغ ہی مراد ہے) کیونکہ بالغ ہی احکام کا مکلف ہوتا ہے اسیوقت اس سے سوال (اور بازپرس کا موقعہ) ہوتا ہے نابالغ سے بازپرس نہیں ہوتی (کیونکہ وہ مکلف نہیں) دوسرے وہ خود ہی ماں کی پرورش اور ذمہ داری میں ہوتا ہے یا جسکے حوالہ باپ نے کردیا ہو تو اسوقت دوسروں سے اسکے متعلق بازپرس ہوگی" بہرحال بالغ لڑکے پر واجب ہو کہ اپنے باپ کے مال کی حفاظت کرے اور بدون اجازت کے اسمیں سے کچھ نہ لے اس عجیب تنبیہ پر غور کرو کیونکہ بیٹے کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ باپ کا مال تو ایک دن میرے ہی پاس آنیوالا ہے تو اسکے بارہ میں میرا اور دوسروں کا حکم یکساں نہیں ہے (بلکہ مجھے باپ کے مال میں تصرف کا حق ہے) تو شارع علیہ السلام نے تنبیہ فرمادی کہ اسوقت (یعنی جب تک باپ زندہ ہے) وہ غیروں ہی کے مثل ہے اسکو اسی طرح تصرف جائز ہے جس طرح غیروں کو جائز ہے (کہ بلا اجازت کچھ نہیں لے سکتا) اگرچہ یہ مال بعد میں بیٹے ہی کا ہوجائے گا۔ (مگر بعد کی خبر کسے ہو کیا عجب ہے کہ بیٹا ہی باپ کے سامنے فوت ہوجائے) اور اسی لئے اگر بیٹا باپ کا مال چرالے تو اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا (مگر ۴۳ اس میں کچھ تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور باپ اگر بیٹے کا مال چرالے تو اسکا ہاتھ کسی حال میں نہ کاٹا جائے گا) کیونکہ بیٹے کا باپ کے مال میں اسوقت کچھ حق نہیں بجز مقدار نفقہ کے جو اسکے لئے مقرر کردیا گیا ہو بشرطیکہ باپ کے ذمہ اس کا نفقہ اسوقت واجب ہو (ورنہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ لازم نہیں مگر یہ کہ وہ اپاہج ہو کمانے کے قابل نہ ہو وغیرہ وغیرہ) اور مال کا لفظ تمام اموال کو شامل ہے جنکو (عرفاً) مال سمجھا جاتا ہو (نقد اور چاندی سونے کے ساتھ خاص نہیں پس اولاد کو باپ کے تمام اموال کی حفاظت لازم ہے کسی مال میں بھی بدون اجازت کے تصرف نہ کرنا چاہئے) اور ان سب کیلئے یعنی بیٹے اور خادم اور زوجہ کیلئے مستحب ہے کہ اُن کاموں کے اندر بھی جو انکے ذمہ لازم نہیں مرد کی مدد کریں اسکی راحت کا اہتمام کریں اور جو مصالح اُن کو معلوم ہوں اُن پر (ادب اور تمیز کے ساتھ) اسکو متنبہ کریں کیونکہ غالب (حالت) یہ ہو کہ (گھر) کی چیزوں کو زیادہ تر یہی برتتے (اور استعمال کرتے) ہیں تو اُن جزئیات کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں ان کو ہی زیادہ علم ہوسکتا ہے اور اُن پر جو مصالح مرتب ہوتی ہیں اُن کو بھی یہی زیادہ جانتے ہیں اور اسکا ضابطہ یہ ہو کہ اگر گھر کو اپنا گھر سمجھیں

Marfat.com

رجسطرح اپنے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر ہوتی ہے اسی طرح باپ اور شوہر اور مالک کے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر کرنا چاہیئے) کیونکہ امانت کی حقیقت یہی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حتی یحب لاخیہ المؤمن ما یحب لنفسہ (کوئی شخص مؤمن کامل نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی مسلمان کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اجانب کے متعلق ہو تو یہ اقارب بدرجہ اولی اس کے مخاطب ہیں۔

اس جگہ ایک صوفیانہ گفتگو بھی ہے، وہ یہ کہ بندے سب کے سب حقیقت میں امانت دار ہیں اور مال سب سے بڑے مولی (حق تعالے شانہ) کا ہے پس اپنی نفس کی نگہداشت کرو کہ دعویٰ نہ کرنے پائے اور امانت کو پوری طرح ادا کرتا رہے، بندگی کے اوصاف سے متصف رہو ربوبیت کے اوصاف سے متصف نہ ہو کہ نرے دعوے سے اپنی ملک ثابت کرنے لگو (حالانکہ درحقیقت مالک ہر شئے خدا است۔ این امانت چند روزہ نزد ما ست، پس حقیقت کو فراموش کر کے ملک مجازی پر مغرور ہونا اور دعوے ملک سے تکبر میں مبتلا ہو جانا عاقل کا کام نہیں) یہیں سے سعید بنا ہے جو سعید بنا۔ اور بدبخت بنا ہے جو بدبخت بنا (جنھوں نے اللہ کو مالک سمجھا اور اپنے کو امین وہ سعید ہوگئے اور جنھوں نے خدا کی مالکیت کو ذہن سے نکالدیا اپنے کو مالک سمجھ بیٹھے وہ بدبخت ہوگئے، بخل کا بڑا سبب یہی ہے کہ انسان مال کو اپنا مملوک اور خدا کے احکام کو ایک قسم کا تاوان اور بار سمجھتا ہے اسی لئے زکوٰۃ اور حج میں روپیہ خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے اگر دل میں یہ بات اچھی طرح راسخ ہو جائے کہ مال متاع جو کچھ ہمارے پاس ہے حقیقت میں اللہ تعالی کا ہے جس کے ہم محافظ و امین بنائے گئے ہیں تاکہ حکم الٰہی کے موافق اسکو خرچ کریں تو واجبات شرعیہ میں مال خرچ کرتے ہوئے دل میں تنگی کے بجائے بشاشت و فرحت پیدا ہوگی اور حظوظ نفس میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا کہ نہ معلوم یہہ خرچ مالک کو پسند ہو یا نہیں) ۴۷

ایک بزرگ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک کام کر لو تو کامیاب ہو جاؤ۔ چونکہ ان کا رعب بہت تھا اسلئے (کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اسکی تفصیل دریافت کرلیں) کئی دن تک بار بار وہ اسی بات کو دھراتے رہے اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ یہانتک کہ ایک نے جرأت کر کے دریافت کیا (کہ وہ کونسا کام ہے؟) فرمایا بندگی کے طریق میں داخل ہو جاؤ بس تم کو سب سے بڑی کامیابی حاصل ہو جائیگی،

Marfat.com

کہا گیا بندگی کی حقیقت کیا ہے ؟ فرمایا دعوٰی اور اغراض کو ترک کر دینا۔ اور پوری طرح حکم کو تسلیم کرنا اور بجا لانا،، واقعی انہوں نے بہت اچھی تعلیم دی (مختصر لفظوں میں بہت بڑا علم ظاہر کیا) اللہ تعالےٰ ہمکو بھی اپنا سچا بندہ بنا دے۔ بمنہ لارب سواہ قولہ فی الوجہ الثالث والرجل راع فی اہلہ مسئول عن رعیتہ الی قولہ فی الوجہ الخامس جعلنا اللہ عبیدالہ حقا بمنہ لارب سواہ،، **ف** اس حدیث کی شرح سے معلوم ہوا ہوگا کہ حسن معاشرت بھی دین کا بڑا جزو ہے جسکی طرف اُس حدیث میں متوجہ کیا گیا ہے افسوس ہے کہ اسکی طرف آجکل بہت کم توجہ کی جاتی ہے عام طور پر حُسن معاشرت کو دین سے خارج سمجھا جاتا ہے اور تصوف سے تو اسکا کچھ تعلق ہی نہیں مانا جاتا۔ چنانچہ عام طور سے صوفی اُسکو سمجھا جاتا ہے جس کو نہ بیوی سے تعلق ہو نہ بچوں سے نہ باپ ماں کی پرواہ ہو نہ اعزہ واقارب کی حالانکہ حدیث میں ہر شخص کو ذمہ دار و نگہبان قرار دیا گیا ہے جسکے ذمہ اپنے متعلقین کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے اور ان حقوق کی نگہداشت ہی حقیقت میں **اصل تصوف** ہے کیونکہ یہ سب حقوق اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے حقوق کا ادا کرنا ہی تصوف ہے خدا کا حق صرف عبادات ہی منحصر نہیں بلکہ انسان کے تمام احوال و متعلقات پر جاوی ہے اگر کوئی محض عبادت اور ذکر کا حق ادا کر دے اور اُن حقوق کو ادا نکرے جو بیوی بچوں۔ باپ ماں بھائی بہنوں اور قرابت داروں پڑوسیوں وغیرہ کیلئے حق تعالیٰ نے واجب کئے ہیں تو یقیناً اُسکو صوفی نہ کہا جاوے گا، اگر کسی کو ان حقوق کے ادا کی ہمت نہ ہو اُسے نکاح نہ کرنا چاہیئے، بستی میں رہنا بھی نہ چاہیئے، سب سے الگ کسی پہاڑ یا جنگل میں رہنا چاہیئے بشرطیکہ والدین اسی طرح دوسرے قرابت داروں میں سے کسی کا نفقہ اُسکے ذمہ شرعاً واجب نہ ہو یا واجب ہو اور اُسنے اُن کو بقدر نفقہ جائداد وغیرہ دیدی ہو یا انہوں نے اپنے حق سے اسکو سبکدوش کر دیا ہو کیونکہ عزلت و خلوت بھی ہر شخص کو جائز نہیں صرف اُسی کو جائز ہے جسکے ذمہ اہل حقوق کے حقوق واجب نہ ہوں خوب سمجھ لو

۷۵

پنجاہ و دوم ۵۲ (حدیث التبکیر والتبرید بالصلوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب سخت سردی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو اول وقت پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو اس نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔

Marfat.com

مراد جمعہ کی نماز ہے''

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ سردی کے زمانہ میں جمعہ (اور ظہر) کی نماز اول وقت پڑھنا چاہیئے اور گرمی کے زمانہ میں دیر سے پڑھنا چاہیئے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۹۷) اس نماز کو سردی میں اول وقت اور گرمی میں دیر سے پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم تعبدی ہے (قیاس وعقل کو اس میں دخل نہیں) تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ یہ حکم معقول المعنی ہے (جس میں قیاس وعقل کو دخل ہے) تو اس میں حکمت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنین کیلئے (سراپا) رحمت بنا کر بھیجا ہے چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بالمؤمنین رؤف الرحیم کہ آپ مؤمنین پر بہت شفقت کرنے والے بڑے مہربان ہیں، تو جس چیز میں مسلمانوں کو ذرا بھی اذیت اور تشویش ہوتی تھی آپ اُس کو زائل کر دیا کرتے تھے، چونکہ سخت سردی سے اُن کو تکلیف ہوتی تھی خصوصًا اصحاب صفہ کو کیونکہ اُن کی اور اُن کے سوا دوسرے صحابہ میں سے بھی بعض کی غالب حالت یہ تھی کہ اُن کے پاس کپڑے کم تھے تو آپ جمعہ (اور ظہر) کی نماز سویرے پڑھتے تھے کہ (دیر سے پڑھنے میں) اُن کو سردی سے تکلیف ہوتی تھی اور سردی کا ضرر بہت سخت ہے جیسا دوپہر کی گرمی (کا ضرر) بھی سخت ہے اسی لئے گرمی میں آپ اس نماز کو دیر سے پڑھتے تھے کیونکہ گرمی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے انسان کو نماز میں تشویش (و پریشانی) ہو اُسکو زائل کر دینا چاہیے کہ اُس سے نماز اچھی طرح ادا ہوتی ہے، تشویش کی ساتھ نہ خشوع ہو سکتا ہے نہ حضور قلب اور نماز میں نمازی سے جن امور کا مطالبہ کیا گیا ہے اُن میں یہی دو چیزیں بہت بڑی ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایصلی احدکم وھو یدافع الاخبثین۔ کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو دبا رہا ہو کیونکہ اس حالت میں خشوع اور حضور قلب نصیب نہ ہوگا ساری توجہ پیشاب پاخانہ کے دبانے میں صرف ہوگی'' قولہ فی الوجہ الثانی ھنا بحث وھو ما الحکمۃ فی التبکیر بہا الی قولہ فی الوجہ الثالث لایصلی احدکم وھو یدافع الاخبثین''

(۱۹۸) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں اپنی رائے اور فہم سے بھی بعض امور مشروع کرتے تھے اور اُس پر بھی (امت کو اُسی طرح) عمل کرنا واجب ہو (جیسا وحی ظاہر پر)

Marfat.com

یہ اس سے سمجھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کو مقدم کیا ہے کبھی مؤخر اور یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے وحی (نازل ہونے) کی وجہ سے ایسا کیا ہے حالانکہ آپ جب کوئی کام یا کوئی امر وحی سے کرتے تھے تو پہلے اُس کی خبر دیدیا کرتے تھے (کہ مجھ پر اس معاملہ میں یہ وحی نازل ہوئی ہے) اس میں اُن لوگوں کی دلیل ہے جو قول خداوندی لتحکم بین الناس بما اراک اللہ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (ما اراک اللہ کے عموم میں) وہ تمام امور مراد ہیں جو آپ کے دل میں بطور خاطر کے آتے یا آپ اُن کو مصلحت سمجھتے اگرچہ اُن کے متعلق وحی نازل نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے طور پر جو کچھ بھی کرتے تھے وہ سب وحی کے قبیل سے ہے خواہ بواسطہ ہو کہ فرشتہ اُس (حکم) کو لیکر آیا ہو یا وحی الہام کے ذریعہ (بلا واسطہ) ہو، اسی لئے اہل توفیق و اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر کام میں اتباعِ سنت افضل اعمال ہے اور یہی قرب خداوندی کا بڑا ذریعہ ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، فرمایا یعنی کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت الٰہی کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو) تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریں گے، (اس میں مطلقاً اتباع کا حکم ہے یہ نہیں کہا گیا کہ جن امور کے متعلق صراحۃً وحی نازل ہوئی ہو اُن ہی میں میرا اتباع کرو پس حضور کی سنت کا اتباع ہر حال میں موجب قرب اور سبب محبوبیت ہے خواہ آپ نے وحی کے بعد عمل کیا ہو یا اپنی رائے سے عمل کیا ہو کیونکہ آپ کی رائے بھی اللہ تعالیٰ کی تقریر کے بعد وحی میں داخل ہے)، قولہ الوجہ الخامس فیہ دلیل علی ان سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم یشرع من الامور فی الدین الی قولہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

اتباع سنت افضل الاعمال ہے

ف کسی نے ہمارے اکابر میں ایک بزرگ سے (جن کا نام یاد نہیں رہا) سوال کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں ذاکرین شاغلین کو جلدی کامیابی کیوں ہوتی ہے۔ دوسرے سلسلہ والوں کو اتنی جلدی کامیابی نہیں ہوتی، فرمایا اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ میں اتباعِ سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور اتباع سنت کا خاصہ ہے کہ اُس سے جذب الٰہی جلد ہوتا ہے اھ کیونکہ متبع سنت محبوب حق بن جاتا ہے جیسا ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور محبت کیلئے جذب لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسکو جذب کیا جاتا ہے اور نسبت باطنہ اُسی قدر جلد حاصل ہوتی ہے جس قدر جلد جذب غیبی عطا ہو جائے اور یہ دولت

Marfat.com

اتباع سنت سے جلدی حاصل ہوتی ہے اتباع سنت کی ساتھ عمل قلیل بھی کافی ہوجاتا ہے اور بدون اتباع سنت کے بڑے بڑے مجاہدے بھی بیکار ہوجاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

ہم نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ انہوں نے بعض کو صرف بارہ تسبیح کی تعلیم دی بعض کو صرف دو سو بار لاالٰہ الا اللہ اور دو ہزار مرتبہ اللہ اللہ کی تعلیم دی بعض کو صرف پانچسو مرتبہ لاالٰہ الا اللہ کا ذکر بتلایا اور بحمد اللہ اسی عمل قلیل سے یہ لوگ کامیاب اور جلد نسبت مع اللہ کی دولت سے مالامال ہوگئے کیونکہ ذکر کی ساتھ اُن کو اتباع سنت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ وضو اور استنجا اور نماز کے تمام آداب سنت کے موافق بجالائیں نشست و برخاست بیداری اور نیند میں ادعیہ ماثورہ کی پابندی کریں جو اوقات مختلفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں ہر مسلمان کی عزت و حرمت کو اپنی عزت و حرمت سے زیادہ سمجھیں، دل آزاری اور دل شکنی سے پرہیز کریں جملہ اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور جو ادا نہ ہوسکیں اُن سے معافی طلب کریں، نماز روزہ وغیرہ اور جو فرائض وواجبات قضا ہوگئے ہوں اُن کو ادا کریں، کسی کا
۷۸ قرض ادا نہ کیا ہو اُسکو جلد ادا کریں وغیرہ وغیرہ، نماز باجماعت ادا کریں اس کا اہتمام کریں کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے، اگر کبھی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ جاسکیں تو گھر پر گھر والوں کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھیں اسی طرح جملہ اعمال میں اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا جائے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ اتباع سنت کے اہتمام کی وجہ سے اُس شخص کو دوام ذکر کی توفیق ہوجاتی ہر وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ رہتی اور یہی دھن رہتی ہے کہ اس وقت اور اس حالت کے متعلق آپ کی سنت کیا ہے؟ جب اس طرح ذکر رسول دل پر غالب ہوگیا تو محبت رسول کا بھی دل پر خاص غلبہ ہوتا ہے اور محبت رسول کا وسیلہ محبت و معرفت الٰہیہ ہونا ظاہر ہے، اسکے بعد تھوڑا سا ذکر نفی اثبات اور ذکر اسم ذات بھی حصول نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہوجاتا ہے جسکی ساتھ کبھی ذکر پاس انفاس کا اضافہ بھی کردیا جاتا ہے کبھی ذکر قلبی بتلادیا جاتا ہے کبھی کوئی مراقبہ حسب حال تجویز کردیا جاتا ہے زیادہ مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نماز میں فراغ قلب مطلوب ہے

(۱۹۹) حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ نماز میں دل کا یکسو (اور فارغ) کرنا مطلوب ہے کیونکہ وہ اللہ عزوجل کا گھر ہے (یہ اضافت تشریفیہ ایسی ہے جیسا کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ مکان سے

Marfat.com

پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کا دل اللہ کے انوار وتجلیات کا محل ہو) یہ اس سے مفہوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور گرمی کی شدت کا لحاظ فرماتے تھے جو یقیناً دل تک بھی پہنچتی (اور اسمیں تشویش پیدا کرتی) ہے یہاں تک کہ آدمی اس میں مشغول ہو کر اس کام سے رہ جاتا ہے جس کو پورا کرنا چاہتا ہو اسی طرح جو چیز بھی مشغول (اور مشوش) کرنیوالی ہو خواہ کسی قسم کی ہو اسکی ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیئے اسی لئے اہل توفیق تو دنیا ہی سے الگ ہو گئے کیونکہ اس سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے انہوں نے (نفسانی) خواہشوں اور مناصب (حکومت) کی طلب کو بھی بالائے طاق رکھدیا کیونکہ یہ بھی بڑی تشویش کا سبب ہیں اور اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری۔ اے ایمان والو تم نماز کے قریب مت جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ سے مست ہو، اہل توفیق نے (اسکی تفسیر میں) فرمایا ہے سکاری من حب الدنیا۔ کہ حب دنیا کے نشہ سے مست ہو کر نماز کے قریب نہ جاؤ (بلکہ اس نشہ کو دور کرکے نماز شروع کرو) اور یہ تفسیر بطور علم اعتبار کے ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے مدلول حقیقی کے ساتھ بطور قیاس کے دوسری چیز کو بھی شامل کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں مدلول حقیقی تو یہ ہے کہ شراب کے نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنا ۷۹
چاہیئے اہل توفیق نے حب دنیا کے نشہ کو بھی مدلول حقیقی کے ساتھ قیاساً شامل کر دیا کیونکہ یہ نشہ بھی نماز میں حضور قلب سے مانع ہے جیسا شراب کا نشہ مانع ہے پس صوفیہ کا علم اعتبار زنادقہ اور باطنیہ کی تفسیر بالرائے سے بالکل جدا ہے کیونکہ وہ لوگ تو قرآن کے مدلول حقیقی کی نفی کر کے دوسرا مدلول اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں اور یہ سراسر قرآن کی تحریف ہے جو حرام اور قریب بکفر ہے اور صوفیہ مدلول حقیقی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اسکو باقی رکھ کر دوسری اشیاء کو قیاساً اسکی ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا فقہاء قیاس سے اصل قرآنی کے ساتھ بہت سی فروع کو ملحق کیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو) قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل علی ان المطلوب فی الصلوۃ اخلاء القلب الی قولہ سکاری من حب الدنیا،،

(۱۰۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تشویش قلیل ہو تو اسکی پروانہ کی جائے گی کیونکہ اس سے بجز خواص کے کون بچا ہوا ہے اور خواص تو تھوڑے ہی ہیں یہ اس سے مفہوم ہوا کہ صحابی نے سردی اور گرمی کو شدت سے موصوف کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور گرمی کی شدت میں نماز کو مقدم یا مؤخر

Marfat.com

کرتے تھے تھوڑی سی گرمی یا سردی میں ایسا نہ کرتے تھے) تو جب گرمی یا سردی زیادہ نہ ہو (بلکہ قلیل ہو) اُسوقت بھی کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے کیونکہ (طبیعت) بشریت کمزور ہی بنائی گئی ہے اور کمزور پر قدرتی طور سے ہر چیز کا اثر ہوتا ہے (مگر قدر قلیل تکلیف یا تاثر کا اعتبار نہیں کیا گیا) اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر پیشاب پاخانہ کا دباؤ تھوڑا ہو جس سے خشوع فوت نہ ہو تو نماز (بلا کراہت) جائز ہے، قولہ او جہ السلاح فیہ دلیل علی انہ اذا کان التشویش یسیر الایبالی بہ الی قولہ فالصلوۃ جائزۃ"

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ذکر و شغل کیلئے دل کی پوری یکسوئی کے طالب رہا کرتے ہیں اور جب تک پوری یکسوئی حاصل نہ ہو ذکر و شغل ہی کو ترک کئے رہتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ پوری یکسوئی بجز خواص کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی تھوڑی بہت پریشانی ہر شخص کو رہا کرتی ہے اُسکے رفع کا انتظار کرنا اور اُس انتظار میں کام کو موقوف رکھنا عمر کو ضائع و برباد کرنا ہے بلکہ فراغ قلب کا صحیح راستہ یہ ہے کہ پریشانی کی حالت ہی میں ذکر اللہ و اعمال و طاعات میں مشغول ہو جائے۔ اُس کی برکت ہی سے جلد فراغ قلب حاصل ہو جائے گا مولانا فرماتے ہیں ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازاں جا پیشت آید آفتے ٨٠
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(۱۰) حدیث سے مصلحتِ عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کیونکہ یہ (گرمی اور سردی کی شدت کا لحاظ) اسی لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اس کلفت کا تحمل (نہیں کر سکتے یا) کم کر سکتے ہیں ورنہ بالیقین بعض ایسے بھی ہیں جو اس کا تحمل کر سکتے ہیں بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس میں اُن کو ثواب ملتا ہے کہ عبادت میں ثواب بقدر تعب ہی کے ہوتا ہے اور تعب سے اس لئے ثواب بڑھتا ہے کہ تعب کے ساتھ عبادت کرنا مجاہدہ ہے اسی لئے بعض متعبدین گرمی کے زمانہ میں اپنی نماز کا معمول گھر کے اندر ادا کرتے ہیں اور جاڑے میں گھر کی چھت پر تاکہ مجاہدہ کا ثواب ملے۔ حق تعالے فرماتے ہیں۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں"، اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان خواص کی رعایت نہیں کی بلکہ عام لوگوں کی رعایت کر کے) سب کو ایک ہی (طریق) عمل پر چلایا اور بعض کا ثواب اسلئے کم کر دیا کہ دوسروں کی نماز ہی اس تشویش کی وجہ سے صحیح نہوتی جو گرمی یا سردی کی شدت سے اُن کو پہنچتی یا اُن کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا جو بہت سی نمازوں (کی جماعت) میں آنے سے مانع ہو جاتا۔

مصلحت عامہ کی رعایت مصلحت خاصہ پر مقدم ہے

(باقی آئندہ)

Marfat.com

مگر مصلحت عامہ کی رعایت مین یہ شرط ہے کہ دو فریق مین سے ایک فریق کی رعایت کرنیسے دوسرے فریق کے دین مین خلل واقع نہو چنانچہ یہان (ایسا ہی ہے کہ) ایک فریق کے زیادہ ثواب کو اُسوقت کم کیا گیا جبکہ اُسکا فرض پوری طرح ادا ہو گیا (ایک کی رعایت سے دوسرے کی فرض کو ناقص نہین کیا گیا) قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی الامر بالنظر لمصلحۃ العامۃ الی قولہ لعین ما کمل لہ فرضہ۔

ف حضرت شارح کے کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اُنکے نزدیک مطلقاً تعب برداشت کرنا مجاہدہ اور موجب زیادت اجر ہے مگر محققین کے نزدیک یہ حکم مطلق نہین بلکہ مقاصد کیساتھ مخصوص ہے قالہ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہٗ۔ طرق و وسائل مین بلاضرورت قصداً تعب برداشت کرنا نہ مجاہدہ ہے نہ موجب اجر مثلاً کنواں نزدیک ہے اور دریا دور ہے کنوین کے پانی سے وضو کرنے مین تعب نہین اور دریا پر جاکر وضو کرنے مین تعب ہے تو کنوین کو چھوڑکر دریا پر جانا مجاہدہ اور موجب ثواب نہ ہوگا۔ ہان اگر کنوین کی پاکی ناپاکی مین شبہ ہو تو اُسوقت بیشک دریا سے وضو کرنے مین زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ اس صورت مین تحمل تعب بلاوجہ نہین بلکہ معقول وجہ سے ہے اسیطرح اگر مسجد کے حمام مین سردی کے زمانہ مین گرم پانی موجود ہو اور حوض مین ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے تو گرم پانی چھوڑکر حوض سے وضو کرنا مجاہدہ اور ثواب نہین کہ بلاوجہ نفس کو تکلیف دینا ہے، البتہ اگر گرم پانی موجود نہو اہتمام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہو۔ مگر اس اہتمام مین نماز باجماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو اس حالت مین ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنا مجاہدہ ہے جس سے ثواب زیادہ ملے گا بشرطیکہ ٹھنڈے پانی سے بیمار پڑ جانیکا اندیشہ نہو یہ تو وسائل اور طرق مین تعب برداشت کرنیکا حکم تھا اور مقاصد مین تعب برداشت کرنا مطلقاً موجب ثواب ہے مثلاً نماز کو طویل قراءت اور طویل رکوع و سجود سے ادا کرنا ہر حال مین مجاہدہ اور باعث ثواب ہے جبکہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو کیونکہ جماعت مین امام کو تخفیف صلوۃ کا حکم ہے۔ اسی طرح فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا مجاہدہ اور موجب اجر ہے گو جماعت سے ادا کرنے مین تعب ہوتا ہو بشرطیکہ تعب تحمل سے زیادہ نہو۔ اور دوسرون کی پریشانی کا سبب بھی نہو۔ کیونکہ یہ امور مقاصد مین سے ہین طرق و وسائل

Marfat.com

مین سے نہین،، اب سمجھو کہ حنفیہ کے نزدیک نماز کو اول وقت مین ادا کرنا مقاصد مین سے نہین بلکہ مباحات مین سے ہے پس محض نفس کو تعب مین ڈالنے کیلئے گرمی کے موسم مین اول وقت ظہر کی نماز ادا کرنا مجاہدہ یا موجب اجر نہوگا کہ بلا وجہ تعب برداشت کرنیکا نام مجاہدہ نہین البتہ جن علماء کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت مین ادا کرنا افضل ہے جیسا شافعیہ کا مذہب مشہور ہے انکے نزدیک گرمی کے موسم مین ظہر کی نماز کا اول وقت مین ادا کرنا مجاہدہ ہوگا۔ پس اگر مالکیہ کا مذہب اس باب مین شافعیہ کے موافق ہے جب تو شارح کا کلام اہل تحقیق کے موافق ہے اور اگر ان کا مذہب اس باب مین حنفیہ کے موافق ہے تو یہ کلام اہل تحقیق کے خلاف ہے۔ اور جب حنفیہ کے نزدیک گرمی کے زمانہ مین ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا ہی افضل ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو موخر کر کے کسی کا ثواب کم نہین کیا بلکہ سب کے ثواب کو زیادہ ہی کیا ہے کیونکہ اس صورت مین اگر کوئی اپنے نفس کو تعب مین ڈالنے کیلئے ظہر کی نماز اول وقت مین پڑھنا چاہے تو حنفیہ اس کے فعل کو مجاہدہ مین داخل نہ کرینگے نہ زیادت ثواب کا سبب سمجھینگے فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسیطرح بعض متعبدین کا گرمی کے زمانہ مین گھر کے اندر اور سردی مین کھلی چھت پر نماز پڑھنا بھی مجاہدہ موجب ثواب نہین کیونکہ وسائل مین بلا ضرورت تعب برداشت کرنا مجاہدہ نہین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے بطور علاج کے ایسا کیا ہوگا ثواب کی نیت سے نہ کیا ہوگا۔ ۵۲

(۱۰۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادات مین قدر واجب سے زائد مستحبات (وغیرہ) کو اس وقت اختیار کیا جائے جبکہ اس سے دوسرون کے فرض مین نقصان نہ آئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری تقریر کے موافق بعض حضرات کو زیادہ ثواب سے اسیوجہ سے محروم کیا تھا کہ (سخت گرمی مین نماز پڑھنے سے) دوسرون کے فرض مین نقصان آتا تھا، قولہ الوجہ التاسع فیہ دلیل علی انہ لا یؤخذ ما زاد علی الواجب الی قولہ الا من اجل نقص فرض الغیر،،

ف بعض لوگ اپنے معمولات و وظائف کے ایسے پابند ہوتے ہین کہ رفقاء کی پریشانی کی بھی پروا نہین کرتے۔ مثلاً سفر مین ریل کے وقت کی بھی رعایت نہین کرتے۔ ریل چھوٹے یا ملے وہ بدون وظیفہ پورا کئے نہین رہتے تو اگر ایک شخص تنہا سفر کر رہا ہو اُسکو اختیار ہے اور اگر رفقاء کی ساتھ سفر کر رہا ہو تو ان کی رعایت اپنے معمولات کی رعایت سے مقدم ہے کیونکہ

مستحبات کا اسی قدر اختیار کرنا جس سے دوسرون کے فرض مین خلل واقع نہ ہو

Marfat.com

ریل چھوٹ جانے سے سبکو پریشانی ہوگی اور پریشانی سے اُنکے فرائض مین خلل واقع ہوگا۔ نماز مین دلجمعی فوت ہوجائیگی اور اجنبی جگہ قیام کرنے سے کہانے پینے سونے مین بھی تکلیف ہوگی

یہان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سیروا بسیر اضعفکم (سب سے زیادہ کمزور کی چال چلا کرو) سفر ہی کی ساتھ مخصوص نہین بلکہ ہر موقع کیلئے عام ہے چنانچہ یہ حدیث بھی اسی قبیل سے ہے کہ جب بعض لوگ (گرمی کی) تکلیف برداشت نکر سکے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کی ساتھ کمزورون جیسا معاملہ کر کے تخفیف کو اختیار فرمایا اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ امام کو اپنی جماعت کے حال پر نظر کرنا چاہیئے اگر ان مین کوئی کمزور یا بیمار یا ضرورتمند ہو تو نماز مین تخفیف کرے کہ (اُسوقت) یہی سنت ہے اور اگر سب قوی (تندرست) معلوم ہون ایمان مین بھی بدن مین بھی تو ان کی ساتھ افضل طریقہ (یعنی عزیمت) کو اختیار کرے اور نماز (کے جملہ ارکان) طویل کردے، غرض ہر شخص کو جسکے متعلق کسی قسم کی ذمہ داری ہو ادنیٰ یا اعلیٰ مناسب یہ ہے کہ اپنے متعلقین کیلئے تمام امور مین چھوٹے ہون یا بڑے (معمولی ہون یا غیر معمولی) اُس حالت پر نظر رکھے جو ان کو آسان ہو اور اُس مین بھی کمال مطلوب ہے (ایسی آسانی مطلوب نہین جس سے کمال فوت ہوجاوے) اور یہ بات فقہ حال سے میسر آسکتی ہے (فقیہ النفس ہی اسکی رعایت پوری طرح کر سکتا ہے) اور

فقہ حال جملہ انواع فقہ سے افضل وانفع ہے۔ جیسا فقہاء نے فرمایا ہے کیونکہ فقہ حال کی حقیقت نورِ فقہ ہے جو فقہ کا خلاصہ (اور مغز وروح) ہے جیسا نحوی کیلئے تصوف (کیونکہ نحو سے مقصود قرآن وحدیث کو صحت کیساتھ پڑہنا اور سمجھنا ہے اور پڑہنے سے مقصود عمل ہے اور عمل مین درجۂ کمال مطلوب ہوتا ہے اور تکمیل علم وعمل ہی کا نام تصوف ہے پس تصوف نحو کا خلاصہ اور مغز ہوا) صوفیہ کی اصطلاح مین فقہ حال کو مراقبہ (اور نگہداشت) کہتے ہین کیونکہ فقیہ الحال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی نگہداشت کرتا ہے، چنانچہ مین نے ایک فقیہ کے متعلق جو واقعی فقیہ تھے سنا ہے کہ جب اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھوڑی دیر سکوت کر کے جواب دیا کرتے اس کی وجہ اُن سے پوچھی گئی تو فرمایا مین (اول) اس پر غور کرتا ہون کہ

میرے لئے (اسوقت) کیا مناسب ہے؟ (جواب دینا یا عذر کر دینا) اسکے بعد (جو مناسب ہوتا ہے) اسکے موافق عمل کرتا ہوں، دیکھو ان بزرگ نے فقہ عام ۔ فقہ حال ۔ اور مراقبہ ۔ تینوں کو کس طرح جمع کر کے دکھا دیا (کیونکہ فقہ عام کا مقتضا یہ تھا کہ سوال کا جواب دیا جائے تاکہ وعید کتمان علم کے تحت میں دخول نہو ۔ فقہ حال کا مقتضا یہ تھا کہ وقت کا حق ادا کیا جائے ۔ مراقبہ کا مقتضا یہ تھا کہ غفلت سے بات نہ کی جائے بلکہ عظمت حق پیش نظر رہے ان بزرگ نے ہر سوال کے بعد تھوڑی دیر سکوت کر کے جواب دینے کی عادت ڈال کر تینوں کو جمع کر لیا ۔ درحقیقت فقہاء اور علماء یہ حضرات ہیں علماء ظاہر ہیں جو اہل انصاف ہیں وہ بھی ان کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ) میں نے ایک بابرکت صوفی کو دیکھا کہ ایک دن ایک بڑے عالم فقیہ جو فتوی کیلئے مرجع خاص و عام تھے اُن سے ملنے آئے اور وہ واقعی فتوی دینے کے اہل تھے مگر سلطنت کے مشیر بھی تھے بادشاہ ان کی عظمت وفضیلت کی وجہ سے بعض (اہم) معاملات میں اُن سے مشورہ کیا کرتا تھا الغرض (یہ عالم فقیہ درویش سے ملنے آئے اور) اُن سے باتیں کیں پھر اپنے لئے دعاء کی درخواست کی کیونکہ ان کی عادت تھی کہ درویشوں کیساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان سے دعاء کی درخواست کیا کرتے تھے اُن بزرگ نے فرمایا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ میرے لئے دعاء کریں کیونکہ آپ مسلمانوں کے علماء وفقہاء سے ہیں ۔ درویش کا یہ کہنا تھا کہ وہ عالم بیخود ہو گئے زار زار رونے لگے اتنا روئے کہ جان نکلنے کو ہو گئی ۔ بار بار یہ کہتے جاتے تھے کیا مجھ جیسا آدمی بھی علماء میں شمار کیا جا سکتا ہے حالانکہ عالم بخدا اُسوقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا ہر سانس اللہ کیساتھ اللہ کے لئے نہ نکلے ، اور ہم تو بس دین کیساتھ کھیل رہے ہیں اور کچھ نہیں ،، مجھے اس عالم کی دینداری سے جو پہلے سے معلوم تھی بہت کچھ اُمید تھی مگر اُس دن کی حالت اور اعتراف وخضوع سے قوی اُمید ہو گئی کہ اللہ تعالی اُن کو اسکی بدولت آخرت میں مقربین کے درجوں میں بلند فرمائیں گے ، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سبکو اپنے فضل سے وہیں پہنچا دیں کہ اُن کے سوا کوئی رب نہیں ، قولہ

الوجہ العاشر فیہ دلیل علی ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم سیروا بسیر اضعفکم الی قولہ لا رب سواہ

ایک صوفی اور عالم کی حکایت ۔ ۴۸ ۔ عالم کس وقت عالم بنتا ہے

پنجاہ وسوم (حدیث تحیۃ المسجد والامام یخطب)

Marfat.com

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن اُسوقت آیا جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے (اُس سے) فرمایا اے فلان! کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ کہا نہین۔ فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز پڑھ (ایک صحیح روایت مین ہے قال قم فارکع رکعتین و تجوز فیھما۔ فرمایا کھڑا ہو جا اور دو رکعتین اختصار کیساتھ پڑھ لے)

شرح۔ بظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر مالکیہ (و حنفیہ) اس سے منع کرتے ہین کیونکہ دوسری حدیث مین ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کیوقت لوگون کی گردلون کو پھلانگتا ہوا مسجد نبوی مین آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجلس فقد اٰذیت۔ بیٹھ جاؤ تم نے لوگون کو تکلیف دی آپ نے اُسکو تحیۃ المسجد کا امر نہین فرمایا اور حدیث جابر مین جو کہ زیر بحث ہے اس امر کی تصریح نہین کہ یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا (صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے دن مین تھا) سو ممکن ہے کہ جمعہ کے دن حضور نے کسی اور سبب سے فجر یا عصر کے بعد خطبہ دیا ہو۔ کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم درپیش ہوتی لوگون کو جمع کراتے اور خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ اُسنے کہا نہین تو اگر یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ ہوتا تو اس سوال کا موقع نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کا وقت بالاتفاق خطبہ کے بعد ہے اس سے پہلے نہین (اور تحیۃ المسجد واجب یا فرض نہیں جو اسکو دریافت کیا جاتا۔ پس اہل ظاہر کا اسی حدیث سے تحیۃ المسجد کے وجوب پر استدلال کرنا صحیح نہین کیونکہ یہ تو خود محتمل محتاج بیان ہے) پس ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز فجر یا عصر کے بعد کسی ضرورت سے تھا، اور شخص مذکور مسجد مین داخل ہوتے ہی خطبہ سننے بیٹھ گیا تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اسکے بیٹھنے سے شبہ ہوا کہ یا تو فرض نماز پڑھ چکا ہے یا اس کا خیال یہ ہے کہ ابھی تک مسجد مین جماعت نہین ہوئی خطبہ کے بعد نماز ہوگی تو آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی جب اُسنے کہا نہین فرمایا اٹھو نماز پڑھ لو (یعنی مسجد مین جماعت ہو چکی ہے تم اس خیال مین نہ رہو کہ خطبہ کے بعد نماز ہوگی اور چونکہ بعض روایات مین تصریح ہے کہ آپ نے اُسکو دو رکعت پڑھنے کا امر دیا اسلئے ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز فجر کے بعد تھا عصر کے بعد ہوتا تو چار رکعت پڑھنے کا امر فرماتے، اور شاید وقت تنگ ہو گیا ہوگا اسلئے صرف

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ

۸۵

Marfat.com

دو فرض پڑھنے کا اور ان مین بھی اختصار کرنے کا حکم دیا واللہ تعالیٰ اعلم) مگر مسلم نے اس حدیث کو بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من دخل یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین خفیفتین جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعتین ہلکی ہلکی پڑھ لے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے؎ تو بلا شک اس باب مین صریح ہے جس مین کسی تاویل کا احتمال نہین۔ اسی وجہ سے مذہب مالک مین اس حدیث کے موافق ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن خطبہ کے وقت آئے اسکو دو رکعتین جلدی جلدی پڑھ لینا چاہئیں۔

پس ہمنے اول جو بات کہی ہے وہی حدیث کا ظاہر مفہوم ہے۔ اور دوسری حدیث سے اس کا معارضہ محض متقدمین کے ادب سے ذکر کر دیا گیا (کہ انہوں نے دوسری حدیث کو اس کا معارض؎ بتلایا ہے) کیونکہ انکو ہمارے اوپر فضیلت حاصل ہے جس سے کسیکو انکار کی گنجائش نہین اس کا انکار کرنا محض (اپنی) غباوت وجہالت (کا ثبوت دینا) ہے اگرچہ کسی وقت کسی مسئلہ مین متاخر پر بھی ایسی بات منکشف ہو جاتی ہے جو متقدمین پر منکشف نہین ہوئی مگر اس سے ان کی جلالت منصب وعظمت شان مین کچھ خلل واقع نہین ہوتا کیونکہ یہ تو محض مولی کریم کی ایک عطا ہے جس سے وہ متاخرین کی اشک شوئی کر دیتے ہین کہ متاخر ہونیکی وجہ سے جو ان کا دل شکستہ تھا بعض علوم کے انکشافات سے اسکو جوڑ دیا جاتا ہے اسلیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فلعل بعض من یبلغہ ان یکون

؎ مسلم اور بخاری کی حدیث کے متعلق شارح کا یہ فرمانا کہ "اگر یہ صحیح ہے" اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ ان دونوں کتابوں کا صحیح ہونا غالب اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے جس مین ایک دو حدیثوں کا ضعیف ہونا کچھ مضر اور قادح نہین چنانچہ اس حدیث مین دارقطنی نے کلام کیا ہے کہ تمام رواۃ نے اسکو بصورت واقعہ روایت کیا ہے قول عام کی صورت مین بجز ایک راوی کے کسی نے روایت نہین کیا پس اصول حدیث کے لحاظ سے یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ مین داخل ہے ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الباری واعلاء السنن، اور حدیث شاذ کو صحیح مین شمار نہین کیا جاتا واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ ؎ ورنہ حقیقت مین وہ اس کی معارض نہین کیونکہ جو لوگ خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کو جائز کہتے ہین وہ اسکو واجب تو نہیں کہتے پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرے شخص کو تحیۃ المسجد کا امر نہ فرمانا اور تخطی رقاب کی وجہ سے جلوس کا حکم دینا عدم جواز تحیۃ المسجد بحالت خطبہ کی دلیل نہین غایت مافی الباب عدم وجوب کی دلیل ہوگی جس سے ظاہر یہ پر حجت قائم کی جاسکتی ہے شافعیہ پر قائم نہین کیجا سکتی واللہ اعلم ۱۲ ظ

فضیلت سلف کا انکار محض جہل وغباوت ہے

؎ متاخرین پر بعض علوم کے منکشف ہو جانے کی حکمت جو سلف پر منکشف نہین ہوئے

Marfat.com

وعیٰ لہ من بعض من سمعہ - کہ شاید بعضے وہ جنکو (بعد مین) میری حدیث پہونچے گی - بعضے سننے والون سے زیادہ سمجھنے والے ہون - غرض متاخرین کیلئے بھی کچھ حصہ رکھدیا گیا گو زیادہ حصہ متقدمین ہی کا ہے، اس مین ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح کتاب اللہ اور حدیث نبوی کے عجائب ہمیشہ باقی رہین گے اُنکے فوائد قیامت تک ختم نہ ہونگے، ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانون کے قلوب ہر زمانہ مین فتاح علیم کے فضل کی بارشون کے منتظر رہین گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہین واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ - اللہ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ تمکو (خود) تعلیم دینگے (جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ سے علوم وہبیہ عطا ہوتے ہین سہ بینی اندر خود علوم انبیاء + بے کتاب و بے معید واوستا) اگر سارے فائدے (اور تمام علوم) ختم ہو چکے ہوتے تو متاخرین کو اس آیت کے خطاب اور ان احادیث کے معانی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ قرآن کے بارہ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - لا تنقضی عجائبہ اسکے عجائب ختم نہین ہوسکتے ولا یخلق علی کثرۃ الترداد - اور بار بار پڑھنے پڑھانے سے کہنہ بھی نہین ہوتا (بلکہ ہر دفعہ ہر وقت تازہ کلام معلوم ہوتا ہے) مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ متاخرین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ فتح وکشف ہوگا وہ اجماع متقدمین کے خلاف نہین ہوسکتا (اگر ایسا ہوا تو اُسکو فتح وکشف من اللہ نہ کہا جائے گا بلکہ ابتداع مین شمار کیا جائے گا) بس متاخرین کے علوم کا حاصل یہ ہے کہ یا تو وہ کسی قول ضعیف کو قوی کر دیتے ہین یا کسی مسئلہ کو متقدمین نے اجماع سے طے کیا تھا متاخرین کو اُسکی دلیل (کتاب وسنت مین) معلوم ہو جاتی ہے یا وہ کسی (مسئلہ شرعیہ پر سے) اشکال کو حجت قویہ کیساتھ دفع کر دیتے ہین جس سے متقدمین نے تعرض نہ کیا تھا خواہ اسلئے کہ اُنکے نزدیک اشکال کی کچھ اہمیت نہ تھی کیونکہ شاذ ونادر ہی کسیکو وہ اشکال پیش آتا تھا یا قوت ایمان کی وجہ سے ان کی نظر مین وہ اشکال اشکال ہی نہ تھا بعد مین بوجہ ضعف ایمان اور قلت فہم کے وہ اشکال پہاڑ بن گیا (جسکو متاخرین مین سے کسی نے حجت قویہ سے رفع کردیا اسپر کسی جاہل کا اپنے جہل کی وجہ سے یہ گمان کرنا کہ اُسنے ایسی بات کہی ہے جسکی نظیر متقدمین نہین پیش کرسکے سراسر علم اور علماء سے ناواقفیت کی دلیل ہے جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہین" اگر متاخرین مین سے کسیکو قواعد شرع کے اقتضاء سے کوئی ایسی بات معلوم ہو جو تمام

۴۷ متاخرین کی وہی تحقیق معتبر ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہو

Marfat.com

متقدمین کے خلاف ہے تو اُسے اپنے کو متہم سمجھنا چاہیئے (متقدمین کو متہم سمجھنے کا اُسے حق نہیں) کیونکہ اس کی فہم خواہ کتنی ہی کامل ہو پھر بھی یقیناً (متقدمین کے مقابلہ مین) ناقص ہے۔ دو وجہ سے ایک تو حدیث کی تصریح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ تمام قرون مین سب سے بہتر قرن میرا ہے پھر وہ جو اسکے بعد ہے پھر وہ جو اسکے بعد ہے (اور ظاہر ہے کہ مراد دین کے اعتبار سے خیریت ہے اور دین نام ہے مجموعہ علم و عمل کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم وعمل مین متقدمین سب سے بڑھے ہوئے ہین) پھر اسپر تو سب کا اتفاق ہے کہ متقدمین کا عمل ہمارے زمانہ والون کے عمل سے زیادہ مستحکم اور پختہ تھا اور اس مین بھی شک نہین کہ) عمل علم کا ثمرہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب دو درختون مین ایک کا پھل اچھا اور زیادہ ہو اور دوسرے کا خراب اور کم ہو تو جسکا پھل عمدہ اور زیادہ ہوگا یقیناً وہ دوسرے سے افضل ہوگا۔ یہ ایسی (بدیہی) بات ہے جس سے کسیکو بھی اختلاف نہین ہوسکتا بشرطیکہ اُسے بصیرت وعقل سے کچھ حصہ ملا ہو۔ قولہ ظاھر الحدیث یدل علی جواز تحیۃ المسجد الی قولہ فی الوجہ الرابع عند من لہ

بصیرۃ وعقل ،، ۴۸

ف۔ اس حدیث کی شرح مین شارح علیہ الرحمۃ نے تصوف کا کوئی مسئلہ بیان نہین فرمایا مگر متقدمین اور متاخرین کے علوم مین جو فرق بتلایا ہے اور سلف صالحین کے ادب وتعظیم کی جسقدر تاکید کی ہے اُسکے جاننے کی صوفیہ اور علماء سبہی کو ضرورت ہے اسلئے اس کا ترجمہ کردیا گیا۔ یہان سے اُن لوگون کی غلطی معلوم ہوگئی جو سلف کی شان مین گستاخی کرتے ہین اور اپنی علمی یا کشفی تحقیقات کو اُنکے علوم سے افضل سمجھتے ہین انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ علم وہی معتبر ہے جو عمل محکم کا ثمرہ ہو۔ جسکا عمل محکم نہین اُس کا علم بھی مستحکم نہین اور جس کا علم مستحکم نہین اُسے اپنی تحقیقات کو تحقیقات کہنا زیبا نہین، کمال علم تقوی سے حاصل ہوتا ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ اور آجکل ویسا تقوی کہان جیسا سلف میں تھا؟ آجکل یا تو تقوی ہی نہین وہ زردہ کا معاملہ ہے یا تقوی ہے تو اپنے سوا کسیکو متقی نہین سمجھتے خالص اور صحیح تقوی بہت ہی کم ہے اسحالت مین کسی کا اپنے کو محقق یا مجتہد سمجھنا جہالت نہین تو اور کیا ہے؟

متاخرین کو علم وعمل میں سلف کا ساتھ یقیناً ناقص ہے

جس کا عمل محکم نہیں اس کا علم بھی محکم نہیں

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عطائے الٰہی کا دروازہ بند نہیں بعض دفعہ اللہ تعالیٰ متاخرین پر وہ علوم منکشف فرمادیتے ہیں جو متقدمین پر منکشف نہیں ہوئے مگر یہ بھی متقدمین ہی کی اتباع کا ثمرہ ہے اگر متاخرین اُن کا اتباع نہ کرتے علم کا دروازہ اُن کیلئے مفتوح نہ ہوتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متاخرین کی علمی یا کشفی تحقیقات اُسوقت قابل قبول ہیں جب کہ اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اگر وہ اجماع سلف کے خلاف کوئی تحقیق بیان کریں گے رد کردی جائے گی اُسکو تحقیق علمی نہ کہا جائے گا بلکہ جہل مرکب اور تلبیس ابلیس میں شمار کیا جائے گا۔ اسکی ایک تازہ نظیر وہ تحقیق ہے جو سورۃ الفیل کی تفسیر میں ابھی ابھی ایک نئے مفسر نے بیان کی ہے کہ ترمیہم بحجارۃ من سجیل، طیراً کی صفت نہیں نہ ترمی صیغہ مونث غائب، بلکہ یہ علیحدہ مستقل جملہ ہے اور ترمی واحد مذکر حاضر ہے جس میں قریش کو خطاب کیا گیا ہے جیسا الم ترکیف فعل ربک میں بھی قریش ہی کو خطاب ہے پس سورت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر ہاتھی والوں کے لشکر پر پرندوں کی فوج بھیجدی تھی جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکر کی پتھریاں تھیں پرندوں نے یہ پتھریاں ہاتھی والوں پر برسائیں تو اُن کا بھرکس نکل گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ابرہہ قریش کا دشمن تھا وہ مکہ پر اپنی لشکر کشی کو مکہ والوں سے چھپانا چاہتا تھا مگر یہ راز مخفی نہ رہ سکا کیونکہ قاعدہ ہے کہ لاش خور پرندے جنگی لشکروں کیساتھ اس امید پر ہولیا کرتے ہیں کہ اب ہمکو آذوقہ ملے گا۔ جعل کیدہم فی تضلیل کا یہ مطلب ہوا کہ لاش خور پرندوں کو دیکھکر مکہ والے لشکر کی آمد سے خبردار ہوگئے اور زمین کی مخفی تدبیر کا راز آسمان کے پرندوں نے کھول دیا۔ قریش مقابلہ کیلئے تیار ہوگئے اُن کے پاس سوا پتھروں اور کنکروں کے اور کیا تھا؟ قریش نے پتھر برسانے شروع کیے یہ پتھراؤ ایسا عجیب و غریب تھا کہ اُسکے سامنے ابرہہ کے لشکر والوں کی ڈھالیں بھی بیکار ہوگئیں اور وہ ان پتھروں کا جواب تیر باری سے دینا بھی بھول گئے دم کے دم میں تمام لشکر کا گھوڑوں ہاتھیوں سمیت بھرکس نکل گیا نہ کوئی نام لیوا رہا نہ پانی دیوا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یاد دلا کر بتایا ہے کہ تم اسلام لانے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اردگرد کی طاقتیں تم پر ہجوم کر آئیں گی اور تم کو کچل ڈالیں گی کیونکہ کل ہی کا واقعہ ہے کہ تم نے ابرہہ کے لشکر پر ایسا پتھراؤ کیا تھا کہ اُسکا بھرکس نکال دیا تھا بس تمہارا یہ پتھراؤ سلامت رہے پھر تمکو کسی طاقت کا کیا اندیشہ؟ دیکھا آپ نے آجکل کے نئے مفسروں کی نئی تحقیقات کو واقعی وہ قرآن میں ایسی موشگافیاں کرتے ہیں

عطائے حق کا دروازہ بند نہیں

سورۃ الفیل کی ایک نئی تفسیر اور اسکا رد

Marfat.com

کہ سلف کے فرشتوں کو بھی اُن کی ہوا نہ لگی ہو اُن بیچاروں کو ایسی نئی تحقیق کہاں سوجھ سکتی تھی کہ قریش کے پتھراؤ سے بھی لشکروں کا ہاتھیوں سمیت صفایا ہو سکتا ہے پھر نہ معلوم قریش اپنے اس پتھراؤ کو ابرہہ کے بعد کسی اور لشکر کے مقابلہ میں استعمال کر کے کیوں نہ کامیاب ہوئے۔ اور ابرہہ کے لشکر کیساتھ والے یہ لاش خور پرندے بھی فتح مکہ کیوقت کہاں مر گئے تھے کہ مکہ والوں کو لشکر مدینہ کا اُسوقت تک علم نہ ہوا جب تک کہ وہ بالکل محصور نہ ہو گئے، نہ خیبر کے یہودیوں کو ان لاش خوروں نے لشکر اسلام کی آمد سے خبردار کیا کہ صبح کو اسلامی لشکر خیبر میں داخل ہوا اور بستی والے جالی کدال لے کر جنگل جانے کا ارادہ کر رہے تھے دفعۃً سامنے سے لشکر کو دیکھا تو محمد والخمیس کہتے ہوئے قلعہ کیطرف بھاگے اس مفسر کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے جہل کی تعبیر ہے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات وہی قبول کیجا سکتی ہیں جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اور سورۃ الفیل کی یہ جدید تفسیر اجماع سلف کے بالکل خلاف ہے آج تک کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا معتبر مفسر سے بہ سند معتبر یہ تفسیر منقول نہیں دیکھی گئی کہ ترمیہم طیراً کی
۹۰ صفت نہیں بلکہ صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور اس کے مخاطب قریش یا اہل مکہ ہیں،، اور نہ تاریخ سے اسکا ثبوت مل سکتا ہے کہ لاش خور پرندے یمن ہی سے ابرہہ کے لشکر کی ساتھ ہو لیئے تھے نہ اسکا کوئی ثبوت ہے کہ ابرہہ نے اپنی لشکر کشی کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی جس کا راز فاش کرنے کیلئے لاش خور پرندوں کو لشکر کے ساتھ چلنے کی ضرورت تھی نہ اسکا کوئی ثبوت ہے کہ قریش نے ابرہہ کے لشکر کا سنگباری کی ساتھ مقابلہ کیا تھا اور اپنے پتھراؤ سے ہاتھیوں سمیت تمام فوج کا ستھراؤ کر دیا تھا نہ اسکا کوئی ثبوت ہے کہ قریش کو اسلام سے یہ اندیشہ مانع تھا کہ اردگرد کی طاقتیں اُن پر ہجوم کر دیں گی تقلید آباء و مودت اصنام مانع اسلام نہ تھی اس مفسر نے کس طرح اپنی طرف سے بلا دلیل مقدمات بنا کر کھڑے کیئے اور خود ساختہ بنیاد پر کلام الٰہی کی تفسیر کی عمارت قائم کرنیکی بیہودہ کوشش کی ہے یہ تفسیر جس طرح اجماع سلف کیخلاف ہے اسی طرح تاریخ کے بھی خلاف ہے اس جگہ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اجمالی اشارہ کر دیا گیا تاکہ ناظرین آجکل کی ایسی نئی نئی تفسیر دانیوں سے ہوشیار رہیں اُن کو علامہ ابن ابی جمرہ کا یہ ارشاد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ متاخرین کی وہی تحقیقات معتبر ہیں جو اجماع سلف کیخلاف نہ ہوں۔ اس کلیہ کو نصب العین بنا لینے کے بعد کسی محقق کی نئی تحقیقات

Marfat.com

سے اُن کے ایمان کو ضرر نہ ہوگا

ف اس حدیث سے تصوف کا یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شیخ کو اپنے مریدوں شاگردوں کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہیئے اگر کسی کے متعلق یہ شبہ ہو کہ اُس نے کسی فرض یا واجب یا سنت میں کوتاہی کی ہے تو اول اُس سے دریافت کیا جائے اگر وہ اقرار کرے تو اُسکو ادائے فرض و واجب وغیرہ میں تعجیل کی تاکید کیجائے،،

ف حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو تفحص احوال کیلئے اپنی گفتگو اور تقریر یا خطبہ کے سلسلہ کو قطع کرکے اس شخص کیطرف متوجہ ہونا جسکے متعلق تقصیر کا شبہ ہوا ہے جائز ہے، مگر تفحص و تحقیق میں نرمی سے کام لینا اور خود صاحب معاملہ سے معاملہ کی تحقیق کرنا چاہیئے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ میں ثابت ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیخ کو طالبین کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہئے — تفحص احوال کیلئے سلسلۂ کلام قطع کر دینا جائز ہے

91

حدیث پنجاہ وچہارم (دعاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت انس بن مالک رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو ایک اعرابی جمعہ کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال تباہ و برباد ہو گیا اور (اہل و) عیال بھوکے ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے، تو آپ نے (خطبہ ہی میں) اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اُسوقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا پس قسم ہے اُسکی جسکے قبضہ میں میری جان ہے حضور نے ابھی تک اپنے دونوں ہاتھ پست نہیں کیئے تھے کہ بادل پہاڑوں کی طرح اُٹھا، آپ ممبر سے نیچے نہیں اُترے تھے کہ میں نے بارش کے قطرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھے اتنی بارش ہوئی کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی) اس دن میں برابر بارش ہوتی رہی پھر اُس سے اگلے دن بھی اور اُس کے بعد والے دن میں بھی، اُس کے بعد بھی دوسرے جمعہ تک (بارش کا سلسلہ بند نہ ہوا) پھر وہی اعرابی یا اور کوئی (دوسرے جمعہ کے خطبہ میں) کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال غرق ہو گیا عمارتیں گرنے لگیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا

Marfat.com

اے اللہ ہمارے اردگرد (بارش) ہو اور ہمارے اوپر نہ ہو۔ پھر اپنے ہاتھ سے جس طرف بادل کو اشارہ کیا اُس طرف سے کھل گیا اور مدینہ مثل چاک گریبان کے ہوگیا (کہ مدینہ کے اندر آسمان کھلا ہوا تھا اور چاروں طرف بادل گھرا ہوا تھا) مہینہ بھر تک جنگل بارش کے پانی سے بہتا رہا اور جس سمت سے بھی کوئی آتا تھا بارش کی خبر لاتا تھا۔ شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ امام سے خطبہ کے درمیان کسی ضروری امر کیلئے گفتگو کرنا جائز ہے اور امام اُس کا جواب بھی دے سکتا ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے"

(۱۰۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکلات (حوادث) میں مقبولان الٰہی سے دعا کی درخواست کرنا چاہیئے اور طلب دعا سے پہلے اپنا حال بھی بیان کرنا چاہیئے جیسا اس اعرابی نے کیا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ بالاجماع آپ سب مقبولان الٰہی سے افضل ہیں آپکی زندگی میں آپ کے سوا مہمات میں کسی کیطرف بھی رجوع نہ کیا جاتا تھا اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی احتیاج کیوقت جب استسقاء کیلئے (بستی سے) باہر نکلتے تو حضرت عباسؓ سے فرماتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی میں تو حضور) کے واسطہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اب آپ کے وسیلہ سے دعا کریں گے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور سب سے قریب تر ہیں پھر اعرابی نے طلب دعا سے پہلے پریشانی کا حال بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ جب تم دیندار سے اپنی پریشانی بیان کروگے اُس کا دل تمہارے واسطے پگھل جائے گا وہ دل سے دعا کرے گا اور ایسے مبارک دل کے پسیجنے اور دل لگا کر دعا کرنے ہی سے رحمت اور قبول دعا کی امید کیجاتی ہے۔ قولہ الوجہ الثانی فیہ طلب الدعاء ممن فیہ اہلیۃ للقبول الی قولہ فی الوجہ الثالث وعند تلک الرقۃ وجمع ذلک الخاطر المبارک ترجی الرحمۃ والاجابۃ"

(۱۰۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا) خلاف عادت ہونا کبھی رحمت پر دلالت کرتا ہے کبھی اسکے خلاف پر، چنانچہ بارش کا وقت پر نہ ہونا جس کا انجام ہلاکت اموال ہو یہ بھی تغیر عادت ہے اور یہ تغیر نقمت ہے بعض روایات میں آیا ہے اذا ابغض اللہ قوماً امطر صیفھم واصحی شتاءھم۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں گرمی کے زمانہ میں

۹۴

Marfat.com

اُن پر بارش کرتے ہیں اور جاڑے برسات میں آسمان صاف رکھتے ہیں"
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ ساتھ فوراً بادل کا اُٹھنا اور بارش ہوجانا یہ
بھی خرق عادت ہے مگر یہ تغییر رحمت ہے" قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل علی ان تغییر العادۃ قد تکون
دالۃ علی رحمۃ او غیرہا الی قولہ الا انہا تغییر رحمۃ۔ ف افسوس آجکل بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ بات
نہیں آتی کہ گناہوں کی وجہ سے بھی بلائیں نازل ہوسکتی ہیں ان کے نزدیک بارش ہونے یا نہ ہونے
کا سبب بس وہی ہے جو سائنس نے بتلادیا ہے مگر اُن سے کوئی پوچھے کہ سائنس نے اسکا بھی
کوئی سبب بتلایا ہے کہ جب ہمیشہ برسات اور جاڑے ہی میں بارش ہوا کرتی ہے تو کسی سال
اس قاعدہ کیخلاف گرمی کے زمانہ میں کیوں ہوتی اور جاڑے برسات میں کیوں نہیں ہوتی؟ اس
عادت مستمرہ کے بدلنے کا بھی تو کوئی سبب ہونا چاہئے۔ سائنس اس جگہ خاموش ہے شریعت
نے اس مشکل کو حل کردیا ہے کہ عادت مستمرہ کے بدلنے کا سبب لوگونکی شامت اعمال ہے۔
ولو انہم آمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذناہم بما کانوا یکسبون
آج سے ستر اسی سال پہلے اسی ہندوستان میں لوگوں کو عام طور پر عفت پاکدامنی سچائی
دیانت داری امانت بزرگوں کے احترام علماء کی عزت کا اہتمام تھا، بیحیائی بے شرمی جھوٹ
دغابازی سے نفرت تھی دلوں میں خدا کا خوف بزرگوں کا لحاظ تھا علانیہ فحش کا بازار گرم نہ تھا
تو وہ لوگ ان بیماریوں کا نام بھی نہ جانتے تھے جن میں آج کل ہندوستان کا ہر نوجوان مبتلا ہے
جس طرح اُن کا ایمان قوی تھا بدن بھی قوی تھا صحت بنی ہوئی تھی وقت پر بارش ہوتی تھی
پیداوار کی کثرت تھی بیفکری کا زمانہ تھا، اب ہمارے اعمال خراب ہوگئے ہر طرف سنیما بائسکوپ
کی وجہ سے فحش کو ترقی ہے سودی لین دین کی کثرت ہے علانیہ حرام کاری ہوتی ہے تو نہ وہ
بیفکری رہی نہ وہ راحت، جسکو دیکھو پریشان و حیران، جدھر نظر اُٹھاؤ اُدھر ہی ایک
بلائے بے درمان، بیماریاں ایسی آتی ہیں جنکا کبھی نام نہ سُنا تھا، لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ
ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک کبھی اُسکی نظیر زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی تھی، یہ شامت اعمال
نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا سائنس اس خوفناک بارش کا بھی کوئی سبب بتلائے گی جو بموں اور
گولوں کی صورت میں آسمان سے برستی اور دم کے دم میں لاکھوں آدمیوں کو مردہ اور خوبصورت

نزول بلاؤں میں گناہوں کو بھی دخل ہے

۹۳

Marfat.com

ومستحکم اور مضبوط شہروں کو تہ وبالا بنا دیتی ہے کہ یہ کونسی مانسون سے پیدا ہوئی ہے؟ اس بارش کا مانسون سمندر کی بھاپ سے نہیں اُٹھتا بلکہ قلوب ونفوس کی بھاپ سے بنتا اور مخلوق کے گناہوں کے سبب برستا ہے نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔

(۱۰۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا ہر خیر کیلئے بہت بڑا وسیلہ ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کتنی جلدی فائدہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من الہم الدعاء فقد فتح علیہ ابواب الخیر جس کے دل میں دعا ڈالدی گئی (یعنی دعاء سے جسکو رغبت اور شوق پیدا ہوگیا) اُس پر خیر کے دروازے کھول دیئے گئے، اسی لئے حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ دعا خود عین خیر ہے (یعنی دعا خود اپنی ذات سے مطلوب ومقصود ہے قضاء حاجت کیلئے مطلوب نہیں) قضاء حاجت تو تبعاً مطلوب ہے، کیونکہ دعا کی حقیقت (مولائے جلیل اللہ تعالیٰ) سے مناجات کرنا اور اُسکی طرف اپنی احتیاج ظاہر کرنا ہے اور یہ عبودیت کا خلعت ہے جس سے بڑھ کر بندہ کیلئے کوئی بھی خلعت نہیں، اسکے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی 94 (دلیل) ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (اے ابلیس! میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں) دیکھو ان حضرات کو یہ شرف بلند اور اتنی بڑی حفاظت اسی عجیب صفت سے تو حاصل ہوئی جو کہ صفت عبودیت ہے، اسکی ضد کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن لو وان الکافرین لا مولیٰ لہم کافروں کا کوئی مددگار نہیں (جو اُن کو شیطان کے پھندوں سے بچائے) قولہ الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علیٰ ان الدعاء من اکبر وسائل الخیر الی قولہ وان الکافرین لا مولیٰ لہم،،

ف شاید کسی کے دل میں اس جگہ یہ سوال پیدا ہو کہ کافر بھی تو اللہ کے بندے ہیں پھر وہ اللہ کی موالات سے کیوں محروم ہیں،،

جواب یہ ہے کہ ہاں بندے تو ہیں مگر ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُنکو اپنی طرف منسوب کرکے عبادی میرے بندے کہنا پسند نہیں فرماتے، اور بندہ حقیقت میں وہ ہے جس کو آقا خوش ہو کر اپنا غلام کہے ؎

وہ اگر کہدے مجھے اپنا غلام — سب سے پیارا نام ہو میرا یہی

Marfat.com

کافروں کو اللہ تعالیٰ اپنا غلام تو کیا فرماتے آدمی بھی کہنا پسند نہیں فرماتے اولئک کالانعام بل ہم اضل کیونکہ آدمی حقیقت میں وہ ہے جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر ہو جو اُنکے طریقہ عبودیت کے خلاف کفر و بغاوت حق میں مبتلا ہے وہ آدمی کہلانے کا مستحق نہیں ؎

اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا بذات خود مطلوب ہے قضاء حاجت کیواسطے مطلوب نہیں بلکہ قضاء حاجت تبعًا مطلوب ہے پس جن لوگوں کو یہ دیکھنا ہو کہ دعا کیونکہ قبول ہوتی ہے وہ اس پر عمل کر کے دیکھیں یعنی دعا کو بذات خود مطلوب بنائیں"

شفیع کی عظمت کے موافق عطا ہوا کرتی ہے ۹۵

(۱۰۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت کرنیوالے کی عزت و عظمت کے موافق اللہ کیطرف سے عطا ہوا کرتی ہے چونکہ اس واقعہ میں شفاعت کرنیوالے سردار دو جہان تھے صلی اللہ علیہ وسلم تو بارش کا سلسلہ متواتر بندھ گیا یہانتک کہ لوگوں کی مراد اچھی طرح پوری ہو گئی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ائمتکم شفعاءکم فانظروا بمن تستشفعون۔ تمہارے امام (جو تمکو نمازیں پڑھاتے ہیں) تمہارے شفیع ہیں پس دیکھ لیا کرو کہ تم کس کو شفیع بنا رہے ہو (یعنی یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اس قابل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی شفاعت قبول فرمالیں مطلب یہ کہ اُسکے ظاہر و باطن کی تحقیق کر لو کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں واللہ اعلم)

محبوب چیز کی قربانی سے مطلوب کو پاؤ گے

اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں قدم محبوبک عند مطلوبک تجد مرغوبک۔ مطلوب کے سامنے اپنے محبوب کو آگے بڑھاؤ تو مرغوب کو پا لوگے (یعنی محبوب چیز کی قربانی کرو تو مطلوب کو پا لوگے۔ لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبون کیونکہ محبوب چیز کی قربانی ضرور قبول ہوتی ہے جیسا آیت قرآنیہ کا مدلول ہے واللہ اعلم)

ایک بزرگ مجذوب کی حکایت

اس جگہ ایک سوال ہے وہ یہ کہ دونوں جمعوں میں (دعا کی درخواست کیلئے یہ دو اعرابی یا ایک اعرابی ہی کیوں کھڑا ہوا حضرات خلفاء اور صحابہ میں سے کوئی کیوں نہ کھڑا ہوا؟ جواب یہ ہے کہ حضرات خلفاء اور صحابہ کا مقام رضا و تسلیم ہے اور سائل کا مقام فقر و مسکنت ہے پس درخواست دعا کیلئے وہی اُٹھا جس کا یہ مقام تھا اس اجمال کی تفصیل ایک حکایت کے ضمن میں معلوم ہوگی ایک دفعہ جزیرہ اندلس میں قحط پڑا تو لوگ ایک مجذوب

Marfat.com

بزرگ کے پاس گئے اُن سے درخواست کی کہ نماز استسقاء کیلئے آپ بھی ہماری ساتھ چلیں اُن کی عادت یہ تھی کہ ایک بانس پر (بچوں کی طرح) سوار ہوکر چلتے تھے تاکہ لوگ بیوقوف سمجھیں (اور احمق سمجھ کر ایذا دیں) چنانچہ اسی شان سے) وہ اُنکی ساتھ ہولئے اور (راستہ میں شاہی باغ تھا تو آپ) شاہی باغ کے پاس پہنچے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا باغ کا داروغہ جلدی سے (گھبراکر) باہر آیا اور کہا کیا بات ہے؟ فرمایا باغ میں جتنے درخت ہیں سب میں پانی دے مالی نے کہا آپ بھی عجیب بیہودہ گو ہیں میں اپنے باغ کیحالت کو اچھی طرح جانتا ہوں جب پانی دینے کیضرورت ہوگی خود پانی دیدوں گا (تمہارے کہنے کی کیا ضرورت ہے) بزرگ نے لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا تمنے اسکی بات سُنی؟ (جب یہ ادنی مخلوق اپنے باغ کیضرورت کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی زمین کیضرورت کو نہیں جانتے؟) وہ (بھی) اپنے باغ کی حالت کو خوب جانتا ہے تو تمنے مجھے اپنی ساتھ لیکر اسکے سوا کچھ نہیں چاہا کہ مجھے اللہ کے سامنے ذلیل کرو (جیسا اس مالی کے سامنے ذلیل ہوا) پھر اپنے بانس پر سوار ہوکر (الٹے) لوٹ گئے اور لوگوں کو چھوڑ کر چلدیئے مگر (اس تسلیم و رضا کا یہ ثمرہ ملاکہ) لوگ اپنے گھروں کو لوٹنے نہ پائے تھے کہ بارش سے سیراب ہوگئے۔ ۹۶

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تسلیم و رضا میں سب سے اعلیٰ تھا مگر اسی کے ساتھ آپ ہر شخص سے اُسکے حال کے موافق معاملہ فرماتے تھے کمزوروں کی دلجوئی فرماتے (اُن کی درخواست پر دعا کردیتے) قوی کو اُسکے حال پر رکھتے اور متوسط سے لطف کا معاملہ فرماتے اور یہ معاملہ سرتاپا اللہ کیطرف سے اپنے بندوں پر رحمت (ہی رحمت) ہے تاکہ اس مبارک راستہ میں قوی اور ضعیف (و متوسط) سب ہی چلنے لگیں اور ان میں سے ہر شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا) متبع ہے بشرطیکہ ہر ایک کو حقیقت یا شریعت سے اپنا حصّہ معلوم ہوکہ اُسکا حصہ کہاں ہے اور اُسکے شرائط و آداب کیا ہیں؟ یہاں (دنیا میں تو) بڑا فائدہ یہی ہے (کہ انسان کو یہ معلوم ہوجائے کہ میرا حصہ حقیقت میں ہے یا شریعت میں اور جسمیں بھی حصہ ہے اُسکے شروط و آداب کی اسکو خبر ہو) اس سے آگے جو کچھ ملے گا آخرت میں ملیگا کہ دارالجزاء وہی ہے دنیا دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن میں سے کرے جنکو اپنے فضل سے اس فائدہ عظمیٰ کیساتھ سرفراز فرمایا ہے۔

Marfat.com

قولہ فی الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان الاعطاء یکون علی قدر حرمۃ الشفیع الی قولہ فی الوجہ الخامس عشر جعلنا الیہ ممن من بھا علیہ بمنہ ،،

ف - دعاء مقام رضا و تسلیم کے منافی نہین منافات جب ہوتی ہے کہ دعا بذات خود مطلوب نہو بلکہ قضاء حاجت مطلوب ہو - اور اگر دعا خود اسلئے مطلوب ہو کہ اس مین اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اپنے عجز و نیاز کا اظہار ہے اور دل سے اسپر راضی ہو کہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو دعاء کو نہ چھوڑونگا اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہونگا تو یہ دعاء عین رضا و تسلیم ہے، پس بعض بزرگون کے واقعات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنہون نے دعاء کو تسلیم و رضا کے خلاف سمجھکر چھوڑ دیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا واقع مین رضا و تسلیم کے خلاف ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یا تو وہ بزرگ غلبۂ حال کی وجہ سے دعاء کو مقام رضا کیساتھ جمع نہ کرسکے یا یہ کہ گو ان دونون مین منافات نہین مگر مقام رضا و تسلیم کی یہ خاصیت ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے دعاء چھوٹ ہی جاتی ہے - اعتدال کے بعد پھر عود کر آتی ہے - خوب سمجھ لو -

(۱۰۸) حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ معلوم ہوا کہ بادل آپ کیلئے مسخر کر دیا گیا تھا کہ جس طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے اُس طرف سے بادل کھل جاتا کیونکہ زبان سے تو آپ حق تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے بادل کو (زبان سے کچھ نہین کہا اُس کی طرف) تو اشارہ ہی کیا تھا پس اگر بادل کو آپ کی اطاعت کا حکم نہ دیا گیا ہوتا تو وہ آپکے اشارہ کی تعمیل نکرتا کیونکہ بادل بھی جیسا حدیث مین آیا ہے مامور ہے جہان جاتا ہے جتنی دیر رہتا ہے جس جگہ رہتا ہے (حکم سے رہتا ہے) اس مین ایک لطیف اشارہ ہے کہ بادل تو باوجود اسقدر بعد کے اشارہ کو بھی سمجھ لیتا ہے اور محروم (القسمت) دل کا بہرا نصیحتون کے دُر بے بہا سنکر بھی متنبہ نہین ہوتا کلا بل ران علی قلوبھم (کچھ نہین بلکہ ان کے دلون پر زنگ لگ گیا ہے جسکے لئے سعادت (کے راستہ) مین کوئی قدم (مقدر) نہین یا جس کیلئے ازل میں سعادت (مقدر) نہیں اُسکے لئے ساری نصیحتین نقصان ہی (بن جاتی) ہین - قولہ فی الوجہ التاسع فیہ دلیل علی عظم معجزتہ علیہ السلام الی قولہ من لم یکن لہ فی القدم سعادۃ فکل موعظۃ علیہ خسران ،

ف یہان سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف مین جلدی نہ کرنا چاہئے اگر نفع کی اُمید غالب ہو تو نصیحت کیجائے

ف اما الترجمۃ الاولیٰ فمبنیۃ علی ان اصل العبارۃ من لم یکن لہ فی السعادۃ قدم الخ بفتح القاف وصحفہ الکاتب الی قولہ من لم یکن لہ فی القدم سعادۃ - والترجمۃ الثانیۃ مبنیۃ علی کون القدم بکسر القاف بمعنی الازل ولکن الظاہر ہو الاول لقلۃ استعمال القدم بمعنی الازل فی کلام المصنفین واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

Marfat.com

ورنہ خاموشی اختیار کیجائے کیونکہ بعض لوگون کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُلٹا شریعت ہی کو بُرا کہنے لگتے ہین

(۱۰۹) فـ یہان ایک اور اشارہ بھی ہے کہ قرب (اور جوار) کی برکت نے زمین کو رحمت سے مالا مال کر دیا حالانکہ وہ جماد (محض) ہے تو جاندار کو (بالخصوص انسان کو برکت صحبت سے) کیا کچھ فائدہ ہوگا؟ (خود ہی سمجھ لو) چنانچہ اسی مجاورت (اور صحبت) سے ابوطالب کو برکت حاصل ہوئی کہ دوزخیون مین سب سے کم عذاب اُن پر ہے حالانکہ اُنہون نے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا) اتباع نہین کیا تھا (مگر حضور کی ساتھ رہے آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے تو برکت سے محروم نہ رہے) لیکن مجاورت (اور صحبت) کے متعلق یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ اگر اُس سے اہل ایمان کو کسی قدر منفعت اور مدد پہونچتی ہو تو اُسکو کچھ برکت حاصل ہوگی اور اگر زیادہ منفعت و مدد پہونچے تو برکت کیساتھ اُسکو عظمت و حرمت بھی حاصل ہوگی کیا تم نہین دیکھتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے قرب و جوار کی زمین کو ہر طرف بارہ میل تک حرم مکہ کی طرح حرم بنا دیا ہے[ف] کہ نہ اُس کا شکار مارا جائے نہ اُس کا درخت کاٹا جائے یہ حرمت (اس زمین کو) اُن ہی لوگون کی وجہ سے تو حاصل ہوئی جو اس زمین کے بسنے والے تھے (چونکہ اُنہون نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاورت اور صحبت کی ساتھ آپ کی نصرت مین بھی حصہ لیا تھا آپ کا اتباع بھی کیا تھا تو اُن کے احترام کا یہ اثر ہوا کہ ۹۸
اُن کی زمین بھی محترم ہوگئی) پس یہ قرب (اس زمین کیلئے) ایسا ہی ہے جیسا عاقل مخاطب کیلئے اتباع (کہ جیسا وہ بوجہ اتباع کے محترم ہو جاتا ہے۔ اسیطرح یہ زمین بوجہ قرب اہل اتباع کے محترم ہوگئی) کیونکہ مخلوق مین ہر نوع کو اُس کی حالت کے مناسب نفع حاصل ہوتا ہے (پس زمین کو صلحاء کی مجاورت سے یہ نفع ہوا کہ اُسکو حرم بنا دیا گیا) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ صحبت کی نسبت (اور مقدار) ہی کے موافق خیر حاصل ہوتی ہے جس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اُس سے دوسرے کو شر نہ پہونچے تو اسی لئے حدیث مین آیا ہے ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم یہ ایسے لوگ ہین جنکے پاس بیٹھنے والا محروم نہین رہتا اور اگر مجاورت (اور صحبت اس طرح نہو بلکہ) اسکے خلاف ہو (کہ جسکی صحبت مین رہتا ہے اُسکو ایذاء پہونچاتا ہے) تو معاملہ برعکس ہوگا (کہ صحبت سے بجائے نفع کے ضرر پہونچے گا) اسی لئے اہل تحقیق نے فرمایا ہے کہ انسان محقق (عارف کامل) کی مثال آگ جیسی ہے کہ جو شخص احتیاط کیساتھ اُسے کام مین لائیگا اُس سے مختلف قسم کے منافع حاصل کرے گا جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے متاعا للمقوین علماء نے

[ف] زمین مدینہ اور اُسکے حوالی کا حرم ہونا متفق علیہ ہے لیکن احکام مین مثل حرم مکہ کے ہونا مختلف فیہ ہے ۱۲ ط

Marfat.com

اس کی تفسیر مین فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اہل حاجت کیلئے فائدہ کی چیز بنایا ہے اور جو شخص بد احتیاطی کیساتھ اُسکو استعمال کرے گا نقصان اُٹھائے گا۔ یہی حال انسان محقق کا ہے جو اُسے پہچان لے اور ادب کیساتھ اُس کی صحبت مین رہے وہ اُس سے بہت کچھ منافع حاصل کر لیگا اور جو (پہچاننے کے بعد) اُس کی تحقیر کرے گا اُسکو (بجائے نفع کے) ضرر لاحق ہوگا اگرچہ محقق (عارف) نے اُسکو ضرر دینے کا قصد بھی نہ کیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو اُس کیلئے جوش آتا ہے چنانچہ فرماتے ہین من اذی لی ولیا فقد اذننی بالمحاربۃ (جسنے میرے ولی کو ایذا دی اُسنے مجھے اعلان جنگ دیا ہے۔ اللھم انا نعوذبک من سخطک وسخط اولیاءک ونعوذبک من الحور بعد الکور ومن العمی بعد الھدی ونسئلک ان تجعل عاقبۃ امورنا رشدا برحمتک یا ارحم الراحمین) قولہ وھنا اشارۃ وھی ان برکۃ الجوار افادت الاعراض الرحمۃ الی قولہ فقد اذننی بالمحاربۃ''

ف - ایذا دینا ہر مسلمان کو بلکہ ہر حیوان کو حرام ہے جبکہ بلا وجہ ایذا دی جائے اور اولیاء و صلحاء کو ایذاء دینا زیادہ حرام ہے کہ گویا خدا کا مقابلہ ہے'' پھر ایذاء کے بھی درجے ہین ایک یہ کہ عمل سے بلا وجہ ایذاء
۹۹ دی جائے کہ عملاً اُن کیساتھ گستاخی اور بدتہذیبی کا معاملہ کیا جائے ایک یہ کہ زبان سے بلا وجہ اُنکو بُرا بھلا کہا جائے، یہ دونون صورتین ہر حال مین موجب وبال ہین۔ ایک یہ کہ اُنکو بُرا تو نہ کہا جائے نہ گستاخی کا برتاؤ کیا جائے لیکن اُن کی ولایت اور کمالات کا انکار کیا جائے۔ یہ تیسری صورت صرف اُس شخص کے حق مین موجب وبال ہے جو اُن کی ولایت و کمالات سے واقف ہے، ناواقف کو اس سے ضرر نہ ہوگا کیونکہ ولی کی ولایت کا ماننا یا اُس سے واقف ہونا فرض یا واجب نہین، اور اسلم یہ ہے کہ جس شخص کی ولایت کا بہت سے عقلاء اور صلحاء و علماء کو اعتقاد ہو اُس کی ولایت سے انکار نہ کیا جائے گو تمکو بذات خود اُس کی تحقیق نہو کیونکہ غیر ولی سے حُسنِ ظن مذموم نہین اور ولی سے بدظن ہونا بُرا ہے تو بلا ضرورت ایسے شخص کی ولایت سے انکار کیون کیا جائے جسکی ولایت کو بہت سے عقلاء اور صلحاء و علماء تسلیم کرتے ہین، رہا یہ کہ کسی کی ولایت کی تحقیق خود کیونکر کیجائے؟ تو اگر یہ طالب تحقیق عامی ہے جب تو اُسکو عقلاء اور صلحاء و علماء کی تقلید سے کام لینا چاہئے۔ اور اگر اسکو کچھ نور بصیرت حاصل ہے تو چند روز اُسکی صحبت مین رہ کر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کی طرف دنیا دارون کا میلان زیادہ ہے یا دیندارون کا۔ اسکی باتین دنیا کے متعلق زیادہ ہوتی ہین یا دین کے، اسکے پاس بیٹھنے سے دل دنیا کی طرف راغب ہوتا ہے یا آخرت کی طرف۔ گناہون سے

عبارات ولایت

Marfat.com

نفرت اور نیک کاموں کی رغبت اُسکے پاس بیٹھنے سے زیادہ ہوتی ہے یا نہیں۔ فرائض ونوافل واذکار مین وہ اپنے معمولات کا پابند ہے یا نہین، اُسکے اعمال واقوال واحوال سنت نبویہ کے موافق ہین یا نہیں؟ اور زیادہ وقت اُس کا اللہ کی یاد مین گذرتا ہے یا دنیا کے قصون مین، اگر چند روز اُسکے پاس رہنے سے یہ اندازہ ہو کہ اس شخص پر اللہ کی یاد، اللہ ورسول کی محبت غالب ہے۔ زیادہ اوقات اسی تذکرہ میں گذرتے ہین اور اُسکے اقوال وافعال واحوال سنت نبویہ کے موافق ہین تو سمجھ لیا جائے کہ وہ اللہ کا ولی ہے جسکو ایذاء دینا اللہ تعالیٰ کو اعلان جنگ دینا ہے ؀

نور حق ظاہر بود اندر ولی — نیک بین باشی اگر اہل دلی

پنجاہ و پنجم ۵۵ (حدیث صلوٰۃ النوافل قبل الفرائض وبعدها)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتین پڑھتے تھے اور اُسکے بعد دو رکعتین اور مغرب کے بعد اپنے گھر مین دو رکعتین پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو
۱۰۰ رکعتین اور جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے یہانتک کہ (گھر کی طرف) لوٹ جاتے پھر (گھر مین) دو رکعتین پڑھتے۔

شرح۔ ظاہر حدیث تین[۳] احکام پر دال ہے ؀۱ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد مسجد مین نماز پڑھتے تھے ؀۲ مغرب کے بعد مسجد مین نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ اپنے گھر مین دو رکعتین پڑھتے تھے ؀۳ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے اور پیچھے مسجد مین نماز نہ پڑھتے تھے جمعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر مین دو رکعتین پڑھتے تھے،، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱) یہان دو سوال ہین ؀۱ یہ کہ راوی نے صبح اور عصر کا ذکر کیون نہیں کیا؟ ان دونون کا کیا حکم ہے؟ (ان کے آگے یا پیچھے نفل نماز ہے یا نہیں؟) ؀۲ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نفل نماز کی جو صفت (اور کیفیت یہاں) منقول ہے یہ تعبد (محض) ہے جسکی علّت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی یا قیاسی حکم ہے جسکی علّت عقل مین آسکتی ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فجر وعصر کا گو یہاں ذکر نہیں مگر دوسری روایات مین موجود ہے کیونکہ ایک حدیث مین آیا ہے کہ بعد (طلوع) فجر کے بجز فجر کی دو سنتوں کے (نفل) نماز نہیں اس باب مین اور بھی بہت احادیث ہین۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں

Marfat.com

تخفیف کرتے تھے اور تخفیف کی علت بھی (بعض روایات مین) مذکور ہے - ایک حدیث مین آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے - اس باب میں بھی بہت احادیث ہین دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تعبّد (محض) ہے جب تو گفتگو ہی (کی ضرورت) نہین اور اگر یہ حکم کسی حکمت پر مبنی ہے تو وہ حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مین (عملاً اپنی اُمت کو) خدمت (اور عبدیت) میں ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جیسا ضمام (بن ثعلبہ) کو (قولاً) اسی کی ہدایت فرمائی تھی جبکہ اُسنے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے ذمہ (ان فرائض کے علاوہ) کچھ اور بھی ہے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے (کچھ نفل ادا) کرو تو جس چیز کی آپ نے قول سے ترغیب دی تھی اُسی کی اپنے عمل سے ترغیب دی کیونکہ آپ کی عملی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی تھی اور (قاعدہ بھی یہی ہے کہ) احکام کی پختگی عمل سے ہی زیادہ کامل ہوتی ہے اگرچہ قول بھی اس کیلئے کافی ہے جیسا شریعت (کے اصول) سے بارہا معلوم ہوچکا ہے - اور (حکمت نوافل کے بیان میں) یہ توجیہ بہت عمدہ ہے - یہان سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسان جس نیک کام کا دوسرون کو امر کرے یا ترغیب دے اُسپر خود بھی عمل کرنا چاہیئے یہانتک کہ قال کی ساتھ وہ اُس کا حال بن جائے تاکہ حق تعالےٰ کے اس ارشاد کے تحت مین داخل نہو (جسمین سخت وعید ہے) یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون ۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون، اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بُری ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہین ہو (ہرچند کہ یہ آیت دعوی کے متعلق ہے امر بالمعروف کے متعلق نہین مطلب آیت کا یہ ہے کہ ایسا دعویٰ نکرنا چاہیئے جسکو پورا نہ کیا جائے اور یہ بات سیاق سے بھی ظاہر ہے اور شان نزول سے بھی معلوم ہے مگر آیت کے ظاہری الفاظ مطلق قول پر دال ہین جسمین دعویٰ اور امر بالمعروف دونوں داخل معلوم ہوتے ہین پس امر بالمعروف مین بھی اس کا لحاظ کرنا چاہئیے کہ جس بات کا دوسرون کو امر کیا جائے خود بھی اُس پر عمل کیا جائے اور ہر حال مین آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل دوسرون کو نصیحت نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناصح کو بےعمل نہ ہونا چاہیئے) اسی لئے بعض اہل حال نے فرمایا ہے کہ فقیہ الکلام اور فقیہ الحال کو قیامت کی ہوائین چلنے اور دنیا کا بادل پھٹنے کے وقت معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں اس میدان کا شہسوار کون ہے؟ (اُسوقت حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جائیگا اور معلوم ہوگا کہ محض وعظ کہنا - کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اور مسائل کا حل کرنا کار آمد نہین

تعلیم عملی زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت تعلیم قولی کے

جس کام کا دوسرون کو امر کرو خود بھی اسپر عمل کرو

Marfat.com

(۱۷) نوافل کے مجموعی عدد کی حکمت

بلکہ احکام پر عمل کرنے اور اُسکو حال بنانے کی ضرورت تھی) اور جب ہم نوافل کے مجموعی عدد پر نظر کرتے ہیں تو اس حکمت (مذکورہ) کی ساتھ ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آجاتی ہے جو بہت ہی لطیف ہے اور وہ اہل ہمت کی خصلتوں میں سے (عجیب خصلت) ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن نمازوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (بطور نفل کے) زیادہ کیا ہے تتبع آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ (اُن کا مجموعہ) چوالیس ۴۴ رکعتیں ہیں اور ایک رکعت وتر کی (ان کے علاوہ) ہے تو کل پینتالیس ۴۵ رکعتیں ہوئی ان کو پانچ فرض نمازوں کیساتھ ملایا جائے تو پچاس ۵۰ نمازیں (پوری) ہوں گی اور یہی وہ اصلی عدد ہے جو اولاً فرض ہوا تھا جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت کرکے تخفیف کی درخواست کی تھی (تو پچاس سے پانچ رہ گئیں) لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کے حق میں درجۂ کمال کو اختیار فرمایا کہ اصلی فرض ہی کو پورا فرماتے تھے تاکہ ارشاد خداوندی الذی وفّی (کی تعمیل) میں آپکا قدم راسخ ہو جائے جیسے موسی علیہ السلام نے (شعیب علیہ السلام سے) فرمایا تھا ایما الاجلین قضیتُ فلا عدوان علیّ کہ ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کردوں یعنی آٹھ سال کی مُدت یا
۱۰۲ دس سال کی مدت تو مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا) پھر آپنے دونوں میں سے بڑی مدت کو پورا کیا کیونکہ انبیاء ورسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (بہت) بلند ہمت والے ہیں اور کیوں نہوں وہ تو مخلوق کی بہتروں سے بھی بہتر ہیں (اُن کا طریقہ یہی ہے کہ اعلے وافضل واکمل کو اختیار فرماتے ہیں) اب ہمیں ان چوالیس ۴۴ رکعتوں کے بتلانیکی ضرورت ہے چنانچہ دو ۲ رکعتیں تو (سنت) فجر کی ہیں اور بارہ ۱۲ رکعتیں چاشت کی ہیں جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور زوال (آفتاب) کے وقت عے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ے پوری آیت وابراہیم الذی وفی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حق تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پوری طرح ادا کیا تھا ۱۲ ظ - عے فی الاصل وعند الزوال بقدر ما کان ینہی عن الصلوۃ فی ذلک الوقت ثم رجع علیہ السلام فصلے فیہ اربعا الخ وفیہ تصحیف والصحیح عندی بعد ما کان ینہی عن الصلوۃ الخ ولم یظہرلی وجہ قولہ ثم رجع علیہ السلام فان الرجوع یدل علی النسخ ولیس ذلک من النسخ فی شئی فانہ صلے اللہ علیہ وسلم انما نہی عن الصلوۃ عند الاستواء وہذا النہی باق علے حالہ وصلے اربعا بعد الزوال حین تزول الشمس عن کبد السماء ولم ینہ عن الصلوۃ بعد الزوال قط فافہم

۱۲ ظ

Marfat.com

اوّلاً نماز سے منع فرماتے تھے پھر آپ نے (زوال کے بعد) چار رکعتین پڑھی ہین غالب گمان اس (نمانا) کی تحقیق عدد مین یہی ہے۔ اور ظہر سے پہلے ۲ دو رکعتین ظہر کے بعد دو رکعتین، عصر سے پہلے ۲ دو رکعتین مغرب کے بعد دو رکعتین تحیۃ المسجد کی ۲ دو رکعتین عشاء کے بعد دو رکعتین اور اگر صلوۃ فیئ الزوال کی دو رکعتیں ہون (چار نہون جیسا اوپر بتلایا گیا) تو چوالیس کا عدد پورا کرنے کیلئے وہ دو رکعتین شمار کر لی جائین جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مین وارد ہین کہ آپ اپنے بستر پر ۲ دو رکعتین پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے اور قیام اللیل (یعنی تہجد) کی بارہ رکعتین اور وتر کی ایک رکعت (مترجم کہتا ہے کہ فیئ الزوال کی دو رکعتین مان کر پینتالیس ۴۵ کا عدد پورا نہین ہوتا بلکہ فیئ الزوال کی چار مان کر بھی بستر پر سونے کے وقت کی دو رکعتین ملانے سے یہ عدد پورا ہوگا جیسا شمار کرنے والے پر مخفی نہین اور اسلم یہ ہے کہ فیئ الزوال کی دو رکعتین شمار کی جائین اور ظہر سے پہلے چار رکعتین کیونکہ حدیث ام حبیبہ وعائشہ رضی اللہ عنہما سے ظہر کے پہلے چار سنتون کا ثبوت ہوتا ہے اور یہی حنفیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اور بستر پر سونے کی ۲ دو رکعتین حضور سے دواماً ثابت نہین واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس تقریر پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ تمہارے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پانچ فرضون کے علاوہ پینتالیس ۴۵ رکعتین پڑھی ہین یہ تو ثابت نہوا کہ پینتالیس ۴۵ نمازین پڑھی ہین تاکہ مجموعہ پچاس نمازین ہون آگے اس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۴۵ رکعتین ہی ۴۵ نمازین ہین) کیونکہ ایک رکعت پر (شرعاً) نماز کا اطلاق ہوتا ہے جسکی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ان اللہ زادکم صلوۃ الی صلوتکم الا وھی الوتر۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نمازون مین ایک نماز اور بڑھا دی ہے سن لو وہ وتر ہے (اور وتر ایک رکعت ہے) تو (دیکھو) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت[ف] کو نماز

ف یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ وتر کم از کم ایک رکعت ہے یا تین رکعت حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کم از کم تین رکعت ہی مگر اس باب کی احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر حقیقت مین ایک ہی رکعت ہے مگر اس کی ساتھ دو رکعتون کا ملانا ضروری ہی اگر تنہا ایک ہی رکعت پر اکتفا کیا جائے تو حنفیہ کی نزدیک جائز نہین کیونکہ عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے مااجزأت رکعۃ واحدۃ قط کہ ایک رکعت تنہا کبھی کافی نہین ہوئی نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت نہین کہ آپنے کبھی وتر کی تنہا ایک رکعت پڑھی ہو پس یہ بھی صحیح ہے کہ وتر ایک رکعت ہے کیونکہ حقیقت مین ایک ہی رکعت وتر ہے اُس کی ساتھ ۲ دو رکعتین اسلئے ملائی جاتی ہین تاکہ ایک رکعت تنہا نہ ہو جسکو بعض احادیث مین بُتیرا کہا گیا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بُتیرا سے منع فرمایا ہے جب

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

فرمایا ہے، اور بظاہر اس (وتر کے بڑھانے) مین حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (۵۴ کے) عدد مین ایک کی کمی چھوڑ دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُسکو زیادہ کرکے کمی کو پورا کردیا تاکہ اللہ کے احسان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اُمت پر فضل کامل ہوجائے اللہ تعالیٰ ہمین بھی اپنے احسان سے اس امت کے صلحاء مین داخل کرے دنیا مین بھی آخرت مین بھی تو جیسا ابتدا مین اللہ تعالیٰ نے محض فضل اور تخفیف کیلئے (نمازون کا) عدد کم کردیا تھا (کہ پچاس کی جگہ پانچ کردین) اسیطرح (آخر مین) تفضل و تکمیل کیلئے (وتر کی ایک رکعت بڑھاکر) ثواب کو کامل کردیا (کہ اب ان ۵۴ نفل رکعتون کے پڑھنے والیکو حقیقی پچاس نمازون کا ثواب ملیگا اگرچہ تنہا پانچ فرض بھی پچاس نمازون کی برابر ہین کیونکہ ہر نماز کا ثواب دس کی برابر ہے مگر وہ حکمی پچاس ہین حقیقی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲)

یہان ایک لطیف گفتگو ہے وہ یہ کہ یہ امت (محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ) دوسری اُمتون پر گواہ کیون بنائی گئی؟ جیسا اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے وکذلک جعلناکم امۃ وسطا ای خیارا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ اور ایسا ہی ہمنے تمکو امۃ وسط یعنی بہترین امت بنایا تاکہ تم اور لوگون پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے اوپر گواہ بنین حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو (شب معراج میں) سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا تھا کہ مین بنی اسرائیل کو بہت زیادہ جھیل چکا ہون (اُن پر دو نمازین فرض کیگئی تھین وہ اُنکو بھی پوری طرح ادا نکرسکے) اور آپ کی اُمت (اُن سے کمزور ہے وہ) اسکی (یعنی پانچ نمازون کی) طاقت نہین رکھتی تو (جواب یہ ہے کہ) اللہ جل جلالہ نے اپنا فضل فرمایا کہ ہمارے آقا سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو درجۂ کمال کی توفیق عطا فرمائی کہ جو عدد اولا مطلوب تھا اُسکو (خود آپنے ہی) پورا کردیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وتر کی ساتھ دو رکعتون کا ملانا ضروری ہی تو یہ کہنا بھی صحیح ہی کہ وتر تین رکعت ہی بہرحال اس اختلاف سے شارح کے کلام پر کوئی اشکال وارد نہین ہوتا انکا یہ مدعا ہر حال مین ثابت ہی کہ شرعًا ایک رکعت کو بھی نماز کہا جاتا ہی واللہ اعلم۔ اسکی تائید فقہاء حنفیہ کے اس قول سی بھی ہوتی ہی کہ اگر کوئی شخص قسم کہائے واللہ لا اصلی بخدا مین نماز نہ پڑہون گا تو جبتک وہ ایک رکعت پوری نہ پڑہی حانث نہوگا جب ایک رکعت پوری پڑھ لے گا حانث ہوجائے گا کیونکہ ایک رکعت سے کم نماز نہین ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت کو شرعًا نماز کہا جاتا ہے ۱۲ ظ　ع　فی الاصل ولیظھر فیہ من الحکمۃ ان المولی سبحانہ لما نقص من العدد واحدۃ زادھا ھو جل جلالہ الخ وفیہ تصحیف عندی والصحیح ان المولی صلے اللہ علیہ وسلم الخ فافھم ۱۲ ظ

(باقی آیندہ)

Marfat.com

(اور اُمت کو بھی اس کی ترغیب دی) تاکہ گواہون کا تزکیہ (کامل ہو جائے کیونکہ تزکیہ وعدالت گواہی کی شرط ہے۔ پس اللہ کے فضل سے اس امت کا تزکیہ (اچھی طرح) ظاہر ہو گیا (کہ دوسری امتین باوجود قوت کے دو نمازون کو بھی پورا نکر سکین اور یہ اُمت باوجود ضعف کے پچاس نمازین ادا کرتی ہے)

ترقی کے دو دروازے

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو باوجود اُسکے ضعف کے اسی پر نہین چھوڑ دیا بلکہ آپ نے ہمارے لئے ترقی کے دو دروازے اور کھولدئے ایک تو اپنے اس ارشاد سے، رحم اللہ عبدا صلی اربعا قبل اربع وصلی اربعا بعد اربع ومن صلی بین العشائین اثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ، اللہ اُس بندہ پر رحم فرمائے جو چار (رکعت والے فرض) سے پہلے چار رکعتیں (نفل) پڑھ لے اور چار (رکعت والے فرض) کے بعد بھی چار رکعتین (نفل) پڑھ لے اور جو شخص مغرب وعشاء کے درمیان بارہ رکعتین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کیلئے جنت مین عالیشان محل بنائیں گے،،

(اس حدیث سے ظہر وعصر وعشاء کے پہلے اور پیچھے چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوئی مگر عصر کے بعد نماز نفل کی ممانعت احادیث مشہورہ متواترہ مین وارد ہے اور یہ حدیث اُنکے برابر نہین اسلئے بعد عصر کو اس حدیث سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ ترمذی نے بسند حسن روایت کیا ہے رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتین پڑھے اس مین عصر کے بعد کا ذکر نہین اسلئے نماز عصر سے پہلے ہی چار رکعتین پڑھنا چاہئیں بعد میں نہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲) ۱۰۵

اور اسکے مشابہ دوسری احادیث بھی اسکے ہم معنے وارد ہوئی ہین (جنمین نوافل کی ترغیب ہے) اور وہ بہت حدیثیں ہین،،

تعلیم افعال و اقوال مین تزکیہ کامل کی ضرورت ہے

دوسرا دروازہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے علاوہ ہمارے) بقیہ افعال و اقوال کے تزکیۂ کامل (کی ضرورت) پر بھی اپنے اس ارشاد مین اشارہ فرمایا ہے من لم تنھہ صلوتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا۔ جس شخص کو اُس کی نماز بیحیائی اور بُرے کامون سے نہ روکے اُسکو اللہ سے بُعد ہی بڑھے گا (قرب نہ بڑھے گا کیونکہ اس صورت مین اُس کی نماز نماز نہوگی بلکہ نری اُٹھک بیٹھک ہوگی جو عظمت الٰہی کے لائق نہیں بلکہ اُسکے منافی ہے اور یہ وعید اُس وقت ہے جبکہ یہ شخص گناہون سے نادم ہو کر توبہ بھی نکرتا ہو اگر توبہ کر لیتا ہو اور دل مین ندامت ہو تو بُعد نہ ہوگا بلکہ امید ہے کہ کسی وقت گناہون سے بالکل الگ ہو جائیگا۔ غرض گناہ سے ندامت ہونا توبہ کی توفیق

Marfat.com

ہوتا بھی نماز کی برکات کہاں سے ایک برکت نہیں)

پس لئے شبہات اور شہوات کے ساتھی تجھے اللہ کی قسم کچھ تو اپنی جان کی خبر لے، اپنے کو اس مقام رفیع اور عظیم الشان (درجے) سے محروم نہ کر اپنے نفس کو ذلت اور ملامت کے مقام میں کھڑا کر (شہوات پرستی میں آزاد نہ چھوڑ) کیونکہ جو شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرتا ہے اُس کی مروت (آدمیت) زائل ہو جاتی ہے اور دین برباد ہو جاتا ہے جسکی یہ حالت ہو اُس کا عمل برباد ہے اور جہنم اُسکے لئے زیادہ مناسب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم (برابر) روزہ رکھو یہانتک کہ (سوکھ کر) تانت کی طرح (لاغر) ہو جاؤ اور راتوں کو نماز پڑھو یہانتک کہ کمان کی طرح (خمیدہ) ہو جاؤ مگر تمہارے اندر ورع (اور تقویٰ) نہ ہو جو (محرمات سے) روکنے والا ہو تو یہ اعمال تمکو جہنم سے نہیں بچا سکتے" اور جوان آدمی جب اپنی شہوتوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اب اُس کا نفس حور و قصور کے حاصل کرنے کی طمع کرتا ہے (وہ اُن اعمال میں کوشش کرنے لگتا ہے جو جنت میں پہونچانے والے اور جہنم سے روکنے والے ہیں)

تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس عجیب حکمت میں تو غور کرو کہ آپ نے ان (نفل) نمازوں کو کس عجیب ترتیب کیساتھ متفرق اوقات میں رکھا ہے، اگر آپ ان سبکو ایک ہی وقت میں رکھتے یا ان کا ۱۰۴
عدد مقرر فرما دیتے جسمیں زیادتی یا کمی نہ ہو سکتی تو اس میں (امت کو) مشقت ہوتی اور شاید بہت لوگ ان (کے پورا کرنے) کی قدرت نہ پاتے، مگر آپ نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) ان میں سے بعض (نوافل) کو تو فرض نمازوں کی ساتھ رکھا اور جو بعض (نوافل فرض) نمازوں کیساتھ نہیں ہیں اُن کا وقت (بہت) وسیع ہے، مثلاً رات کی نماز (یعنی تہجد) ایک جانب میں ہے (جسکا وقت بہت ہے) اور چاشت کی نماز طلوع آفتاب سے زوال تک (ایک جانب میں) ہے (اور یہ بھی کافی وقت ہے) پھر اگر کوئی قیام اللیل (یعنی تہجد) اور چاشت کی نماز سے عاجز ہو وہ اُن نمازوں سے تو عاجز نہ ہوگا جو فرضوں کے ساتھ ہیں یہ تو سب ہی آدمیوں کو آسان ہیں۔ چنانچہ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی نمازی فرض نماز کو ادا کرتے ہوئے اُس سے پہلے اور پیچھے نفل نماز نہ پڑھتا ہو اور اگر کوئی ایسا ہو تو وہ (شاذ و) نادر کے حکم میں ہے (اور نادر بمنزلہ معدوم کے ہے) جسکا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تم اس لطیف اشارہ پر بھی نظر کرو کہ جب ہم سے اوّلاً پچاس نمازوں کا مطالبہ کیا گیا پھر فرض پانچ رہ گئیں تو اصلی فرض تو یہ پانچ ہی ہیں مگر کمال کا درجہ پچاس ہیں تو جتنی اُس اصل میں جو حکم قطعی ہے

Marfat.com

ثابت ہے کمی رہ گئی تھی اُسکو دوسری اصل سے جو اولاً مطلوب تھی پورا کر دیا گیا یعنی پانچ فرضوں کے ساتھ پینتالیس رکعتیں ملا کر اُن کو پچاس کر دیا گیا اور ان کا نام نفل رکھا کیونکہ یہ ضمنی (اور لازم) نہیں (بلکہ درجہ کمال حاصل کرنیکے واسطے ہیں) اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ فرمائیں گے میری بندہ کی نماز کو دیکھو اگر وہ فرض کو پوری طرح بجالایا ہو فبہا ورنہ دیکھو اگر اسکے پاس کچھ نوافل ہوں تو فرض (کی کمی) کو اُن سے پورا کردو۔ تو اُس اصل کو جو فرض ہے دوسری اصل سے جو کہ اولاً وضع کیگئی تھی پورا کر دیا جائیگا پس اس وقت اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد (ہر طرح) صادق آئے گا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ۔ کہ میرے یہاں بات نہیں بدلا کرتی چنانچہ گو فرض نمازیں اس وقت پانچ ہیں مگر وہی پچاس بھی ہیں کیونکہ اول تو پانچ کا ثواب پچاس کے برابر کر دیا گیا۔ پھر ان پانچ کی کمی کو نوافل سے پورا کر دیا گیا حالانکہ نفل فرض کے برابر نہیں مگر چونکہ اولاً پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں اسلئے ۴۵ نفلوں کو بھی فرض کا درجہ دیدیا گیا اسپر شاید یہ سوال وارد ہو کہ کیا ۴۵ رکعات سے زیادہ کو فرض کا درجہ نہ دیا جائیگا۔ کیا اُن سے فرائض کی کمی کو پورا نہ کیا جائیگا جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقتضیٰ یہی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام نوافل کو فرض کا مکمل بنا دیا ہے کیونکہ نفل ہونے میں یہ پینتالیس اور اس سے ۱۰۷
زیادہ سب برابر ہیں (واللّٰہ ذو الفضل العظیم) قولہ الوجہ الاول ھذا الذی جاء عنہ علیہ السلام من صفۃ ھذا التنفل ھل ھو تعبد لا یعقل الی قولہ فی الوجہ الثانی فجاء قولہ تعالیٰ ما یبدل القول لدی

ف۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ شارح نے حکمت تنفل کے متعلق جس علم عظیم کو ظاہر کیا ہے یہ اُن علوم میں سے ہے جو صوفیہ کیساتھ مخصوص ہیں اور در اصل یہ اسرار کشفیہ ہیں جن کے بیان سے زبان اکثر قاصر رہتی ہے اسی لئے ممکن ہے کہ اس تقریر کے بعض مقدمات اہل علم کی نظر میں مخدوش ہوں مگر علوم کشفیہ ذوقیہ کو مقدمات و دلائل کی حاجت نہیں صاحب ذوق کا انشراح صدر اسکے لئے کافی ہے،،

ف۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو سنن مؤکدہ کے بجالانے میں بھی تساہل اور تکاسل سے کام لیتے ہیں اُنکو متنبہ ہو جانا چاہئے کہ وہ اپنے کو بہت بڑے درجے سے محروم کر رہے ہیں اور اپنی بھلائی سے غفلت کر رہے ہیں، ایسا کون ہے جو فرائض کو بلا کم و کاست پوری طرح بجالاتا ہو

Marfat.com

کہ نوافل سے اُن کی تکمیل کا محتاج نہ ہو۔ پہلے زمانہ مین ایسے نمازی شاذ و نادر ہی ہوتے تھے جو فرائض کے پہلے اور پیچھے کچھ نوافل نہ پڑھتے ہون مگر آجکل ایسے لوگون کی کثرت ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اُنکو ہدایت دین اور ہمین اور سب مسلمانون کو تکمیل صلوٰۃ کی توفیق عطا فرمائین آمین۔

ف۔ یہاں سے سالکین کو سبق لینا چاہئیے کہ اُن پانچ فرضون کے علاوہ کم از کم ۴۵ رکعتین نوافل کی مع وتر کے پڑھنا چاہئین تاکہ حقیقۃً وحکماً ہر طرح پچاس ۵۰ نمازین ادا ہو جائین کیونکہ طریق سلوک مجاہدہ اور کثرت عبادت پر مبنی ہے اُنکو پینتالیس ۴۵ رکعات سے کم نوافل نہ پڑھنا چاہئین جسکی ایک صورت تو وہ ہے جو حضرت شارح نے بیان فرمائی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کی بارہ رکعتون اور وتر کی تین رکعتون کے علاوہ بتیس ۳۰ رکعتین اور پڑھی جائین۔

حنفیہ کے نزدیک سنن مؤکدہ کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں ظہر سے پہلے چار اور اُسکے بعد دو ۲ رکعتین مغرب کے بعد دو رکعتین عشاء کے بعد دو رکعتین ہین ان کی ساتھ وتر کی تین رکعات ملانے سے مجموعہ عدد پندرہ ۱۵ ہوا۔ ان کے علاوہ بتیس ۳۰ رکعات نوافل اس طرح پڑھ لی جائین کہ
۱۰۸ مغرب کی سنتوں کے بعد صلوٰۃ الاوابین چھ ۶ رکعات۔ تہجد آخر شب مین آٹھ ۸ رکعات۔ صلوٰۃ الاشراق چار رکعات۔ عصر سے پہلے دو رکعتین اور اسی مین تحیۃ المسجد کی نیت کر لی جائے، اگر آخر شب مین تہجد کے لئے بیدار ہونے کی اُمید نہ ہو تو عشاء کی سنتون کے بعد وتر سے پہلے یا پیچھے ۸ رکعتین تہجد کی نیت سے پڑھ لیجائین "

ف جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ شرعاً ایک رکعت پر بھی نماز کا اطلاق ہوتا ہے تو پچاس نمازین پورا کرنیکی ایک صورت یہ بھی ہے کہ پانچ فرض اور وتر کی رکعات کا مجموعہ بیس ۲۰ رکعات ہے ان کے علاوہ تیس ۳۰ رکعتین اور پڑھ لی جائین جنمین بارہ ۱۲ رکعات تو سنن مؤکدہ کی ہون اور چار اشراق کی اور ظہر کی دو سنتون کے بعد دو رکعتین عصر سے پہلے چار رکعتین مغرب کی سنتون کے بعد چار رکعتین عشا کی سنتون کے بعد دو نفلین، وتر کے بعد بہ نیت تہجد دو رکعتین۔

اگر کسیکو یہ ترتیب آسان نہو تو جسوقت فرصت زیادہ ہو اُس میں تعداد رکعات بڑھا کر تیس ۳۰ کا عدد پورا کر دے، مگر جو صورت ہمنے بیان کی ہے وہ بعض احادیث کے موافق ہے۔ مثلاً ایک حدیث قدسی میں ہے ابن اٰدم ارکع لی اربع رکعات من اول النہار اکفک اٰخرہ۔ اے ابن آدم! تو دن کے

Marfat.com

شروع میں میرے لئے چار رکعتیں پڑھ لیا کر میں دن بھر تیری حفاظت کروں گا اکثر علماء نے اس حدیث کو نماز اشراق پر محمول کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے رحم اللہ امرأ صلّی قبل العصر اربعاً جس کا ترجمہ گذر چکا۔ نماز عشا اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی فضیلت ایک حدیث میں گذر چکی ہے صلوٰۃ الاوابین کے بارہ میں اختلاف ہے کہ چھ رکعات علاوہ سنت مغرب کے ہیں یا مغرب کی سنتوں کی ساتھ، اگر کسی کو مغرب کے بعد چار نفلوں کا وقت نہ ملے وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لیا کرے کہ ایک حدیث میں جو اوپر گذر چکی ہے عشا سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت وارد ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کے بعد دو رکعتوں کو تہجد کا قائم مقام بتلایا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۔ یہ تو تزکیہ صلوٰۃ کی صورت تھی اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ جملہ افعال و اقوال میں تزکیہ کا اہتمام کرنا چاہئے اسی کا نام ورع اور تقویٰ ہے جس کے لئے اصلاح نفس کی ضرورت ہے جو مشائخ صوفیہ کی تربیت و تعلیم سے حاصل ہوتی ہے کہ وہی امراض قلب کے طبیب ہیں ؎

نفس نتوان کشت الا ظل پیر — دامن آن نفس کش را سخت گیر

۱۰۵ [illegible]

ف۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اسی طرح جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس میں واللہ اعلم حکمت یہ تھی کہ مغرب کا وقت تنگ ہے اور مشغولی کا وقت بھی ہے بعض لوگ ضروری کاموں کو ادھورا چھوڑ کر نماز کیلئے آجاتے ہیں جنکو نماز مغرب کے بعد جلدی پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، بعض لوگ اس وقت تھکے ماندے اور بعضے روزہ دار ہوتے ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تو صحابہ بھی مسجد کے پابند رہتے جس سے بعض کو تکلیف ہوتی جو آپ کو گوارا نہ تھی۔ حضور نے تو فرض مغرب کے متعلق بھی یہ فرمایا ہے کہ اگر شام کا کھانا سامنے رکھدیا جائے اور نماز کی اقامت ہونے لگے تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو نوافل کیلئے انکو مسجد کا پابند بنانا آپ کیسے گوارا فرماتے اسلئے مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے تاکہ اہل حاجت فرض پڑھتے ہی اپنے گھر چلے جائیں اور ضروری کاموں سے فارغ ہو کر یا کسیقدر راحت و آرام کر کے سنتیں پڑھیں اور جمعہ کے بعد بھی میں سنتیں اسلئے نہ پڑھتے تھے کہ ناواقف لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ دو رکعتیں ظہر کی چار رکعتیں پوری کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ یہ دو

Marfat.com

رکعتین فرض ہین جیسا بعض علماء کا قول ہے کہ جمعہ کا خطبہ ظہر کی دو رکعتون کا قائم مقام ہے حالانکہ خطبہ کو نماز سے بظاہر کچھ نسبت نہین تو ان دو رکعتون کو تو ضرور ظہر کی دو رکعتون کا قائم مقام سمجھ لیا جاتا کیونکہ نماز کو نماز سے پوری نسبت ہے - اب اس مین علماء نے گفتگو کی ہے کہ مغرب کی سنتون کا اور جمعہ کے بعد دو رکعتون کا مسجد مین پڑہنا کیسا ہے ؟ سو اسپر تو سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی بعد مسجد مین سنتین پڑہنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علت کی وجہ سے ان کو گھر مین پڑہا ہے وہ علت دوسرون کے حق مین مفقود ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ اُنکو گھر مین ہی ادا کیا جائے کیونکہ فضیلت حضور کے اتباع ہی مین ہے اگرچہ سلف مین بعض حضرات ان سنتون کو مسجد مین پڑہتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعتین پڑہنے کے بارہ مین علماء کا اختلاف ہے بعض نے مسجد مین پڑہنے سے منع فرمایا ہے بعض نے جائز کہا ہے مگر جائز کہنے والے بھی یہ فرماتے ہین کہ جمعہ کی نماز کے متصل نہ پڑھے بلکہ ایک دروازہ سے نکلکر دوسرے دروازہ سے مسجد مین آکر پڑھ سکتا ہے یا جس جگہ فرض جمعہ ادا کیا ہے اُس جگہ سے ہٹ کر یہ رکعتین پڑہے اور اگر جگہ بدلنے مین دشواری ہو تو کم از کم جمعہ کی نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھا رہے پھر یہ دو رکعتین پڑہے تاکہ وہ شبہ جاتا رہے کہ یہ دو ۱۱۰
رکعتین نماز ظہر کی چار پوری کرنے کیلئے ہین - اور اس مین تو کسی کا بھی اختلاف نہین کہ ان کا گھر مین پڑہنا ہی افضل ہے، یہ خلاصہ ہے اُس تقریر کا جو علامہ شارح نے اسی مقام پر بیان فرمائی ہے - اسکے بعد اُنہون نے اپنے زمانہ کے علماء پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے متصل یہ رکعتین پڑہتے ہین نہ جگہ بدلتے ہین نہ کچھ توقف کرتے ہین گویا اُنہون نے اس حدیث کو اور مسلم کی اُس حدیث کو سنا ہی نہین جسمین وارد ہے کہ ایک شخص جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر اُسی جگہ نفلین پڑہنے لگا تو حضرت عمر نے اُسکو اپنی طرف کھینچا اور فرمایا بیٹھ جاؤ (پہلی امتین اسی سے برباد ہوئی ہین کہ وہ نمازون مین فصل نہ کرتے تھے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رض کے قول کی تقریر و تصدیق فرمائی، یہ دونون حدیثین صحت اور شہرت کی انتہاء کو پہونچی ہوئی ہین - پھر بھی علماء زمانہ ان کی مضمون پر غور نہین کرتے پس علم اور اہل علم کہان چلے گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون ٥-

دین مین کیسی نئی نئی باتین پیدا ہونے لگین ؟ جنکا زیادہ حصّہ اس جماعت کے ہاتھون پیدا ہو رہا ہے جو علم کی طرف منسوب ہے ان کے پاس بجز الفاظ نقل کر دینے اور زبردستی بحث و مباحثہ اور فخر

Marfat.com

ومباہات کرنیکے کچھ نہین رہا۔ یہیہات علم اس طرح حاصل نہین ہوتا نہ اسکا یہ طریقہ ہے، علم تو اتباع سنت سے حاصل ہوتا ہے، اور نور (قلب) وحکمت (باطن) سے اتباع سنت مین سلف کی موافقت نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے فضل سے اسکی توفیق ارزانی فرمائین۔ آمین۔

ف۔ نوافل و وتر کا گھر مین ہی پڑھنا افضل ہے جیسا احادیث سے واضح ہے مگر چونکہ ایک زمانہ مین منکرین سنت کی جماعت پیدا ہوگئی جسنے سنن و نوافل کو بالکل ہی ترک کردیا تو اہل حق نے سنن مؤکدہ کو مسجد مین پڑھنا شروع کردیا تاکہ لوگ انکو منکر سنت اور تارک سنت سمجھکر بدنام نکرین اور منکرین سنت کا عملاً رد بھی ہوجاوے مگر جمعہ کے بعد نفلین پڑھنے مین اس کا خیال کرنا چاہئے کہ جس جگہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے اُسی جگہ نفلین نہ پڑھی جائین بلکہ وہان سے ہٹ کر یا کچھ دیر توقف کرکے پڑہین۔ فرض کے بعد معاً متصلاً نہ پڑہین۔ شارح نے جمعہ کے بعد دو رکعتین بیان فرمائی ہین۔ یہ اُن کا مذہب ہے حنفیہ کے نزدیک چار یا چھ رکعتین ثابت ہین دلائل اعلاء السنن مین ملاحظہ ہون۔

ف۔ علامہ شارح کی تقریر سے اتباع سنت کی تاکید اور فقہ علم اور فقہ حال کی تعریف بخوبی واضح ہے۔ اور فقہ حال ہی کا نام تصوف ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ شریعت کی جو باتین زبان سے بیان کیجاتی ہین وہ عملاً حال بن جائین۔ کیا اب بھی کسیکو یہ کہنے کا حق ہے کہ تصوف کا قرآن و حدیث سے ثبوت نہین، ماحق یہ ہے کہ محققین صوفیہ سے بڑھکر متبع کتاب و سنت کوئی جماعت نہین۔ جعلنا اللہ ممن تبعہم آمین۔

پنجاہ و ششم ۵۶ (حدیث غزاۃ بنی قریظہ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ظاہر کے لحاظ سے) غزوۂ احزاب سے (فارغ ہوکر) واپس ہوئے تو آپنے ہم سے فرمایا کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ (کے محلہ) مین (پہونچکر یعنی وہان جلدی پہونچو۔ نماز عصر کی وجہ سے تاخیر نکرو۔ نماز وہین جاکر پڑھو) تو (صحابہ یہ حکم سنتے ہی روانہ ہوگئے جن مین سے اکثر تو نماز عصر کے وقت بنو قریظہ کے محلہ مین پہونچ گئے اور) ایک جماعت کو راستہ ہی مین عصر کا وقت ہوگیا تو (ان مین دو فریق ہوگئے) بعض نے

Marfat.com

کہا کہ ہم تو عصر کی نماز بنو قریظہ مین پھونچکر ہی پڑہین گے راستہ مین نہ پڑہین گے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی تھا کہ بنو قریظہ مین پھونچنے سے پہلے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے۔ پس ہمکو اس ارشاد کی پوری تعمیل کرنا چاہئے) بعض نے کہا ہم تو (راستہ ہی مین) نماز پڑھ لیتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہ تھی (کہ نماز کو قضا کردو یا وقت مکروہ مین ادا کرو۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نماز عصر کی وجہ سے روانگی مین تاخیر نہ کی جائے۔ سو ہمنے روانگی مین تاخیر نہین کی بلکہ حکم کیساتھ ہی روانہ ہوگئے اور جب ہمنے حکم کی تعمیل کردی ہے تو اب راستہ مین نماز پڑھنا اور بنو قریظہ کے محلہ مین نماز پڑہنا برابر ہے) پھر (دونون فریق کی) اس (گفتگو اور اختلاف رائے) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے اُن مین سے کسی کو ملامت نہین فرمائی ''

شرح۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانیکا حکم دیا اور صحابہ نے اس حکم کی تعمیل مین سبقت کی اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ''

(۱۱۱) اس حدیث کے فوائد پر گفتگو کرنے سے پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہی جسکی
112 وجہ سے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانیکا حکم ہوا تھا سو واقعہ یہ ہے کہ جب صحابہ غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے (جسکو غزوۂ خندق بھی کہتے ہین کیونکہ اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کیلئے شرقی جانب مین بڑی گہری اور چوڑی خندق کہدوادی تھی کہ اسی طرف سے مدینہ مین دشمن کے آنے کا راستہ تھا باقی سمتین پہاڑون ٹیلون اور لوگون کے مکانات کی وجہ سے محفوظ تھین۔ فوج اُدہر کو نہیں آسکتی تھی ایک ایک دو دو آدمی آسکتے تھے تو اُن کے روکنے کو تیر اندازون کی مختصر جماعت کافی تھی۔ یہ لڑائی ۵ھ مین ہوئی ہے اسکے بانی یہود بنی نضیر تھے جو چند سال پہلے مدینہ سے جلا وطن کئے گئے اور خیبر مین جا بسے تھے۔ اُنہون نے مکہ جاکر قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے اُبھارا اور یقین دلایا کہ خیبر کے یہودی بھی تمہارے ساتھ ہونگے اور یہود بنو قریظہ بھی جو مدینہ مین رہتے ہین ہماری موافقت کرینگے چنانچہ اہل مکہ نے اپنی پوری جمعیت کیساتھ مدینہ کا رخ کیا اطراف وجوانب کے دیہاتی بھی اُن کے ساتھ ہوگئے۔ مدینہ پھونچتے پھونچتے ان کی تعداد دس بارہ ہزار ہوگئی۔ بنو قریظہ نے ان کی کثرت پر بھروسہ کرکے مسلمانوں سے غداری کی اور نقض عہد کرکے قریش کے ساتھ ہوگئے

(باقی آیندہ)

Marfat.com

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے باہر نکلکر مقابلہ کرنا پسند نہ فرمایا۔ شہر کے اندر رہکر ہی مقابلہ کا حکم دیا، لشکر قریش نے خندق کے پاس قیام کیا کیونکہ شہر میں گھسنے کا راستہ وہی تھا مگر خندق کا عرض وعمق دیکھکر اُن کے حوصلے پست ہو گئے اُس کا عبور کرنا آسان نہ تھا، دو چار بہادروں نے خندق مین گھوڑے ڈالے بھی مگر مسلمانون کی تیر اندازی نے اُنکو پار ہونے کی مہلت نہ دی۔ ایک دو بہادر ہمت کرکے پار بھی ہوئے تو حضرت علی اور حضرت زبیر جیسے بہادروں کی تلواروں نے اُنکو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اب قریش نے خندق کے کنارہ سے مسلمانون پر تیر برسانے شروع کئے تو مسلمانوں نے بھی تیر باری سے اُنکو جواب دیا کئی دن تک اسیطرح مقابلہ رہا سردی کا موسم تھا قریش کا لشکر کھلے میدان مین سردی سے پریشان تھا اُدہر سامان رسد بھی ختم ہونے لگا تو قریش نے بنو قریظہ پر تقاضا کیا کہ تم مدینے کے اندر سے مسلمانون پر حملہ کرو تاکہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں اور ہم خندق کو عبور کرکے شہر میں گھس آئین۔ بنو قریظہ نے قریش کی کمزوری اور بے بسی دیکھکر اُن کی

۱۱۳ موافقت سے پہلو تہی کی اور دوبارہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنا چاہی ابھی وہ پیام صلح بھیجنے نہ پائے تھے کہ اُسی رات ٹھنڈی ہوا بڑے زور سے چلی جس سے قریش کے خیمون کی طنابین ٹوٹ گئین کھلے میدان مین خیمون کی پناہ بھی باقی نہ رہی تو سب سے پہلے ابوسفیان اپنی سانڈنی پر سوار ہوکر مکہ کی طرف بھاگے اُنکو بھاگتا دیکھکر تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی صبح تک میدان بالکل صاف تھا کہ کفار مین سے ایک بھی مدینہ کے آس پاس نظر نہ آتا تھا۔ یا ایھا الذین

اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا ہ الی قولہ ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا و کفی اللہ المومنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا ہ۔ سورۃ الاحزاب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اس غیبی امداد پر شکرانہ فتح ادا فرمایا اور دوپہر تک احتیاطاً وہاں قیام کرکے مدینہ کا رُخ کیا) اسوقت مسلمانون مین کچھ لوگ زخمی بھی تھے جنکو قریش کی تیر باری سے زخم کاری لگا تھا (آپ ان کو ساتھ لیکر واپس ہوئے) اور بدن سے ہتھیار کھول کر غسل کرنیکا ارادہ فرمایا کہ اُسی وقت جبریل علیہ السلام ہتھیار بند تشریف لائے

Marfat.com

اور کہا کیا آپ ہتیار کہولنا چاہتے ہین حالانکہ ملائکہ ابھی تک ہتیار بند ہین (آپ نے فرمایا اب کیا کام رہ گیا ہے جسکے لئے ہتیار بند رہنے کی ضرورت ہی) جبریل علیہ السلام نے (کہا بنو قریظہ پر حملہ کرنا اور اُن کو غداری کی سزا دینا ہے پھر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پہونچا یا کہ اسی وقت (بنو قریظہ کی طرف) چلئے ابھی ہتیار نہ کہولئے اور جتنے مسلمان احزاب کے مقابلہ کو گئے تھے اُنکو بھی حکم دیجئے کہ اسیوقت (بنو قریظہ کی طرف) روانہ ہو جائین چنانچہ صحابہ روانہ ہو گئے اُن مین جو زخمی تھے وہ بھی دو دو آدمیوں کا سہارا لینتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے دشمن اسلام (یعنی احزاب قریش) نے (رات کی سردی سے بیتاب ہوکر اگرچہ راہ فرار اختیار کرلی تھی مگر دہوپ نکلنے پر حواس درست ہوئے تو اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور دوبارہ لوٹ کر) مدینہ پر حملہ کرنیکی طمع کرنے لگے کیونکہ اُنکو معلوم تھا کہ (تیرباری سے) مسلمان بہت زخمی ہو چکے ہین (اور ہمارے بہاگنے کی خبر سنکر خندق سے پہرہ بھی اُٹھالیا گیا ہوگا اب ہمکو دفعتًہ مدینہ مین گہس جانا دشوار نہ ہوگا اور زخم خوردہ لشکر اسلام کو ہمارے مقابلہ کی سکت نہوگی) وہ یہ
۱۱۴ خیالات ہی پکارہے تھے کہ دفعتًہ (کسی جاسوس وغیرہ کی زبانی) یہ خبر سنی کہ مسلمان (خندق سے واپس ہوتے ہی) اُسیوقت (بنو قریظہ کے مقابلہ کو) نکل کھڑے ہوئے ہین تو اللہ عزوجل ان لوگون کے دلون مین رُعب ڈالدیا (اُن کو معلوم ہوگیا کہ لشکر اسلام باوجود زخم خوردہ ہونے کے ان کی طرح بزدل اور کمزور نہین ہوا اُسکے وہی دم خم باقی ہین) تو سب (مکہ ہی کو) واپس بہاگے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے (اپنی عنایت اور رحمت سے) مسلمانون کے سر سے وہ بلا ٹالدی جو اُن لوگون نے مدینہ پر لوٹ کر حملہ کرنے کی صورت مین ڈالنا چاہی تھی (یہ تو مختصر حکایت واقعہ تھی اب سمجھو کہ اس سے کیا فائدے حاصل ہوئے) اس سے معلوم ہوا کہ نصرت (اور کامیابی) کا بڑا سبب امتثال امر ہے (کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالایا جائے) کیونکہ یقینًا زخمی مسلمان جو دو دو آدمیوں کے سہارے سے نکلے تھے نہ (دشمن سے) لڑنے کی طاقت رکہتے تھے نہ کسیکو دفع کر سکتے تھے (محض تعمیل حکم کیلئے نکل کھڑے ہوئے تھے) تو جب اُنہون نے حکم کے آگے گردن جہکادی اور معاملہ کو اللہ کی قدرت کے حوالہ کر دیا (اور زبان حال سے کہدیا کہ جتنا ہماری قدرت مین تھا ہمنے کردیا آگے جو کچھ ہوگا آپ کی قدرت

Marfat.com

سے ہوگا) تو اللہ تعالے نے اُن کی ایسی مدد کی کہ بدون لڑے کامیاب ہو گئے ان کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا۔ حضرات صحابہ نے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالے ہمسے صرف اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں اور نصرت (و کامیابی) محض اللہ کے (فضل و) انعام سے ہوتی ہے جو وہ اپنے اس ارشاد کی تصدیق کیلئے عطا فرماتے ہیں وکان حقا علینا نصر المؤمنین مسلمانوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے (جس کا محض اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہی اس میں بندہ کا کچھ دخل نہیں اس کا کام تو تعمیل حکم ہے انقیاد اور تسلیم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کامیابی عطا فرماتے ہیں) اور اپنے بندوں کیساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ قیامت تک یہی رہیگا کہ اور اللہ کی بات سے بڑھکر کس کی بات سچی (ہو سکتی) ہے؟ الیس یہ سنت اللہ بدل نہیں سکتی اگر کسی جگہ دشمن کے مقابلہ میں باوجود جملہ اسباب کامیابی مجتمع ہونیکے مسلمان ناکام رہے ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ بجا آوری احکام میں اُن سے کوتاہی ہوئی ہے) بندہ کی طرف سے اللہ کی مدد یہی ہے کہ اُسکے حکم کی تعمیل کرے اور جس بات سے منع کر دیا گیا ہے اُس سے پرہیز کرے

115 (اور درحقیقت یہ خود بندہ کی طرف سے اپنی مدد ہے کیونکہ تعمیل احکام اور اجتناب حرام سے جو کچھ نفع ہے بندہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ کو نہ اس کی طاعت سے کچھ نفع نہ معصیت سے کوئی نقصان، مگر یہ بھی اُن کی طرف سے نعمت پر نعمت ہے کہ اسکو اپنی نصرت فرما دیا حالانکہ وہ اس سے بری ہیں کہ کوئی اُن کی مدد کرے)

ف۔ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ شرعاً بندہ سے عمل مقصود ہے۔ کامیابی مقصود نہیں کیونکہ کامیابی اسکے اختیار میں نہیں اسکے اختیار میں عمل ہے پس عمل ہی کو مقصود سمجھنا چاہیے۔ ثمرات پر نظر نکرنا چاہئے جس شخص کا عمل مرضی آلہی کے موافق ہے وہ ظاہری ناکامی کی حالت میں بھی کامیاب ہے کیونکہ سب سے بڑی کامیابی رضائے الحق ہے اور وہ اسکو حاصل ہی اس بات کو پیش نظر رکھنے سے تمام پریشانیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ سالکین میں زیادہ تر پریشان وہ ہیں جو عمل کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ خاص حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں جنکو وصل اور وصول اور کامیابی کا لقب دے رکھا ہے، حالانکہ یہ حالات اور کیفیات بندہ کے اختیار میں نہیں۔ اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا پریشانی مول لینا ہے پس اُن کو قبل

Marfat.com

اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے جو ان کے اختیار میں ہے جس کا ان کو مکلف کیا گیا ہے جب عمل کامل
ہو جاتا ہے تو عادۃ اللہ یہ ہے کہ وصول و کامیابی عطا ہو جاتی ہے اور تکمیل اعمال کا طریقہ یہ ہے
کہ آداب ظاہرہ کو بھی ادا کیا جائے جو علمائے شریعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آداب باطنہ کی
بھی پوری رعایت کی جائے جو مشائخ طریق سے معلوم ہوں گے۔ آداب باطنہ میں بڑا ادب یہ ہے
کہ عمل ریا سے پاک ہو۔ رضائے حق کے سوا اس سے کچھ مقصود نہ ہو، اور عمل کے بعد دل میں تواضع
ہو عجب پیدا نہ ہو کہ میں نے اتنا بڑا کام کیا بلکہ عمل کو اللہ کا فضل سمجھے اپنا کمال نہ سمجھے، اعمال صالحہ
سے طبعاً فرحت اور مسرت کا ہونا عجب نہیں یہ تو عمل صالح کی خاصیت ہے کہ اس سے فرحت
ونشاط اور حلاوت باطنہ حاصل ہوتی ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا جیسا
گناہ کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے مومن کے دل کو رنج اور پریشانی ہوتی ہے حدیث میں ہے
اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مومن، عجب یہ ہے کہ عمل کو اپنا
کمال سمجھے جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ دوسروں سے جو اس کی برابر عمل نہیں کرتے اپنے کو افضل سمجھے
اور یہ آداب ظاہرہ و باطنہ جیسا مجاہدۂ باطن میں ہیں اسی طرح جہاد ظاہر میں بھی ہیں مسلمانوں ۱۱۶
کو جہاد ظاہر میں بھی ان آداب کی رعایت کرنا چاہئے، مثلاً ظاہری ادب یہ ہے کہ فتوی شرعی سے
جہاد کی اجازت ہو، اور جن شرائط کی ساتھ جہاد مشروط ہے وہ سب مجتمع ہوں اور باطنی ادب
یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا کچھ مقصود نہ ہو۔

ف۔ یہاں سے سیاسی جد وجہد کرنیوالے مسلمانوں کو بھی سبق لینا چاہئے کہ نصرت
الٰہی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کے حق میں امتثال حکم ہے، مسلمان تو اسی طرح کامیاب ہو سکتا ہے
مگر ہمارے سیاست دان اس سب سے بڑے سبب کا تو اہتمام نہیں کرتے دوسرے اسباب کے
پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ بعض دفعہ صلحاء بھی تو باوجود اصلاح اعمال
کے ناکام ہو گئے ہیں کامیاب نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک انفرادی
جو ہر شخص کی ذات سے الگ الگ متعلق ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے عمل کی اصلاح سے کامیاب ہو جاتا ہے
دوسرے اجتماعی جو مسلمانوں کے اجتماع سے متعلق ہیں۔ انفرادی اعمال میں صلحاء کبھی ناکام
نہیں ہوتے جبکہ امتثال حکم میں انہوں نے کوتاہی نہ کی ہو اور اجتماعی اعمال میں کامیابی کیلئے

Marfat.com

تنہا صلحاء کا اصلاح عمل کافی نہین بلکہ جماعت کی جماعت کا عمل درست ہونا چاہئے یا کم ازکم اُن مین سے اکثر کا عمل درست ہو اگر ایسا نہوا بلکہ اکثر کا عمل مرضیٔ حق کے خلاف ہوا تو نصرت و کامیابی لازم نہین لیکن اس صورت مین اگر ناکامی ہوئی تو جماعت ہی کو ناکام کہا جائیگا ہر شخص کو ناکام نہ کہا جائے گا کیونکہ جن کا عمل مرضیٔ حق کے موافق تھا وہ اُسوقت بھی حقیقۃً کامیاب ہون گے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے ایسے ہی موقع پر ایک شخص کو جواب دیا تھا جسنے بطور طعن کے دریافت کیا تھا کہ آپ کے بزرگون کی جدوجہد سے کیا حاصل ہوا، فرمایا ؎

سودا قمار عشق مین شیرین سے کوہ کن | بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز | اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہو سکا

وفی الحدیث ثم یبعثون علی نیاتھم واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہا یہ سوال کہ جماعت کی جماعت کے اعمال کی اصلاح تو بہت دشوار ہے۔ اس شرط کے تو یہ معنی ہوئے کہ مسلمان کسی وقت بھی کسی اجتماعی عمل مین کامیاب نہو سکین گے، جواب یہ ہے کہ کسی اجتماعی عمل مین کامیابی کیلئے زمانہ ماضی اور مستقبل مین اعمال کا درست ہونا شرط نہین اگرچہ کمال فلاح اسی سے وابستہ ہے بلکہ حالت موجودہ مین اصلاح عمل شرط ہے اور یہ کچھ دشوار نہین کیونکہ سچی توبہ سے ایک منٹ مین پچھلے گناہ معاف ہو سکتے ہین۔ پس جب مسلمان کسی اجتماعی عمل کو شروع کرنا چاہین اُسوقت سب سے پہلے اُن کا امیر حق تعالیٰ کی جناب مین اپنے تمام گناہون سے توبہ کرے پھر سب مسلمانون سے کہے کہ ہر شخص سچے دل سے توبہ کرے اسکے بعد حالت عمل مین اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے رہین۔ گناہون سے الگ رہین انشاء اللہ کامیابی ان کے قدم چومے گی، پس جہان دوسرے اسباب کیلئے جدوجہد کی جاتی ہے اس سب سے بڑے سبب کیلئے بھی تھوڑی سی کوشش کر لی جایا کرے تو کیا حرج ہے؟۔

شاید اس مقام پر کسی کے دل مین یہ سوال پیدا ہو کہ امام حسین علیہ السلام جماعت یزید کے مقابلہ مین کیون ناکام ہوئے + وہ تو امتثال احکام مین اُسوقت سب سے بڑھے ہوئے تھے اور اُن کے ہمراہی بھی سب صلحاء تھے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ نصرت اور کامیابی کیلئے امتثال حکم بہت بڑا سبب ہے مگر تنہا یہی کافی نہین بلکہ دوسرے اسباب کا مجتمع ہونا بھی ضروری ہے

Marfat.com

منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اہل حق کی جماعت سے اہل باطل کی جماعت دوگنی سے زیادہ ہو
اہل حق کے پاس سامان رسد وغیرہ کی کمی ہو، اگر اہل باطل کی جماعت دوگنی سے زیادہ ہو
یا اہل حق کے پاس کہانے پینے کا سامان نہو نہ کہین سے سامان رسد کے آنے کی
اُمید ہو تو اُسوقت اہل حق کو میدان سے بہاگ جانے یا دشمن سے دب کر صلح کر لینے کی
اجازت ہے اور بعض دفعہ ایسا کرنا واجب ہے جبکہ مقابلہ سے مسلمانون کو کچھ نفع پہونچنے کی
اُمید نہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت امام کی جماعت اہل باطل کی جماعت کے مقابلہ مین بہت کم تھی
بچے بڑے سب ملاکر بیاسی ۸۲ آدمی تھے اور لشکر یزید چار ہزار سے بھی زیادہ تھا پھر حضرت
امام کی جماعت کا پانی بند کر دیا گیا تھا سب کے سب پیاسے تھے اس حالت مین مقابلہ کے
جملہ اسباب مجتمع نہ تھے اسلئے حضرت امام کو شرعًا وہان سے بھاگ جانے یا صلح کرنیکی اجازت
تھی، بھاگنے کا تو راستہ بند تھا کیونکہ دشمن نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا، صلح کیلئے امام
نے پیام بھیجا تو ظالمون نے اُسکو بھی ٹھکرا دیا۔ اب حضرت امام کے سامنے دو ہی راستے
تھے یا یزید کی بیعت قبول فرما لیتے اور اس حالت مین شرعًا اس کی اجازت تھی چنانچہ بہت ۱۱۸
سے صحابہ نے اسی وجہ سے اُس کی بیعت قبول کر لی تھی کہ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ پاتے
تھے یا باطل کو نیچا دکہانے کیلئے اپنی جان پر کھیل جاتے شرعًا اس کی بھی اُن کو اجازت تھی
کیونکہ اس صورت مین اگرچہ ظاہرًا اہل حق کو کچھ فائدہ نہ تھا مگر باطنًا اہل حق اور اہل باطل سبکو
یہ نفع پہونچنے کی توقع تھی کہ اہل حق کو باطل کے سامنے سرنگون ہونے سے ہمیشہ کے لئے
نفرت ہو جائے گی اُن کی ہمتین اظہار حق کیلئے بلند ہو جائین گی اور جماعت یزید کو اپنا برسر
باطل ہونا واضح ہو جائیگا۔ چنانچہ آپ نے اسی دوسری صورت کو اختیار فرمایا اور تاریخ شاہد
ہے کہ قتل امام حسین رضؓ کے بعد یزید اور جماعت یزید سب کے سب عامۂ اہل اسلام کی نظرون
مین ایسے ذلیل وخوار ہوئے کہ ان کو کسی سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی تھی ہر طرف سے ان پر
نفرت ونفرین کے گولے برستے تھے شرم کے مارے کسی جگہ سر اُٹھانے کے قابل نہ رہے
شہادت امام نے اہل باطل کا باطل پر ہونا اچھی طرح دنیا پر روشن کر دیا اور فقہا نے
تصریح کی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر مین اگر جان کا خطرہ ہو تو صاحب حق کو تنہا اپنی

Marfat.com

جان پر کھیل جانے کی اجازت ہے اسکو القاء نفس فی التہلکہ نہ کہا جائے گا کیونکہ اس سے گو ظاہر میں اہل حق کو نفع نہ ہو مگر باطناً مسلمانوں کو اصلاح عقیدہ کا فائدہ حاصل ہو گا کہ منکر کا منکر ہونا اور بدعت کا بدعت اور قبیح ہونا سب مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا، کفار کے مقابلہ میں اس طرح جان پر کھیلنا جائز نہیں کیونکہ اس سے نہ مسلمانوں کو کچھ نفع ہے نہ اصلاح عقیدہ کفار کی توقع۔ اور اگر کسی وقت کوئی نفع متصور ہو مثلاً یہ کہ اس سے کفار کے دلوں میں ہیبت و رعب قائم ہوتا ہو یا اُن کی اغاظت ہو کہ مسلمانوں کی جان بازی سے اُن کے دل جلیں تو وہاں بھی اس کی اجازت ہے تفصیل کتب فقہ سے معلوم کیجائے'' اُمید ہے کہ اب اس مقام پر کوئی اشکال باقی نہ رہا ہوگا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امتثال احکام سے نُصرت کا وعدہ کفار کے مقابلہ میں ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں اگر مسلمان باہم قتال کریں تو صلحاء کا غلبہ لازم نہیں وفیہ کفایۃ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۱۱۲) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فحوی کلام پر بھی اُسی طرح عمل واجب ہے جیسا نص پر عمل کرنا واجب ہے فحوی کلام وہ ہے جو کلام کی قوت (اور تاکید) اور قرینہ حال سے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے یہ فرمایا کہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں تو وہ سمجھ گئے کہ مقصود قتال کے لئے نکلنا ہے اسلئے آپ نے مقصود کو صراحۃً بیان نہیں فرمایا کیونکہ قوت کلام سے صحابہ آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

فحوی کلام پر عمل بھی نص کی طرح واجب ہے

۱۱۹

ف: یہ تو جہاد اصغر کے متعلق (حکم) تھا جس میں دشمن سے (یعنی کافروں سے) مقابلہ ہوتا ہے۔ یہی حکم جہاد اکبر کا ہے جس میں نفس کی ساتھ جہاد ہوتا ہے (کہ اس میں بھی امداد غیبی اور کامیابی کا بڑا سبب امتثال امر ہے) اس کی طرف اللہ جل جلالہ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ کہ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پریشان کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے'' (اس میں جہاد نفس اور جہاد شیطان کیلئے اللہ کی طرف التجا کو کامیابی کا سبب بتلایا گیا ہے کیونکہ حالت جسقدر سنگین ہوتی ہے اُسی کے مناسب کامیابی کا ذریعہ بھی بڑا ہوتا ہے، چونکہ شیطان اور نفس کا معاملہ زیادہ سنگین ہے تو اُسکے مقابلہ میں کامیابی کا ذریعہ محض التجا قرار دیا گیا (کہ اللہ کی پناہ طلب کرو اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ) جیسا نفس کی مقابلہ میں

جہاد نفس اور جہاد شیطان میں کامیابی کا ذریعہ اللہ کی طرف التجا ہے

Marfat.com

کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق مجاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور جو لوگ ہمارے واسطے (اپنے نفس سے) مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُنکو اپنے (رضا و قرب کے) راستے دکھلا دیتے ہیں اور اس مجاہدہ میں امداد (غیبی) کا ذریعہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے مدد مانگو (تو اس کا مآل بھی استعاذہ والتجا کی طرف ہوا) چنانچہ ارشاد ہے ایاک نعبد وایاک نستعین اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں (یہ تو مجاہدۂ نفس ہوا) اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یہ التجا ہوئی جو مجاہدہ میں کامیابی کا وسیلہ ہے) اسی لئے بعض اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے خواہ کسی قسم کی ہو (ظاہری یا باطنی) تو میں التجا میں مشغول ہو جاتا ہوں پھر اُس کی پروا نہیں کرتا، اور التجا کے چند طریقے ہیں ایک یہ کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرمایا ہے من شغلہ ذکری عن مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین
۱۳۰ جو شخص میری یاد میں ایسا مشغول ہو جائے کہ مجھسے مانگنے (اور دعا کرنے) کی بھی اُسے فرصت نہ ہو میں اُسکو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں (اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جانا بھی التجا کی ایک فرد ہے) ایک صورت یہ ہے کہ صدقہ (خیرات) کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے استعینوا علی حوائجکم بالصدقۃ اپنی حاجات میں (کامیاب ہونے کیلئے) صدقہ سے مدد لو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دعا میں مشغول ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من الھم الدعاء فقد فتح علیہ ابواب الخیر جسکو دعا کی توفیق ہو گئی اُس پر خیر کے دروازے کھولدئے گئے اور اگر ان (تینوں) کے مجموعہ کو اختیار کر لیا جائے پھر تو کیا پوچھنا؟ کیونکہ اہل توفیق کا مشاہدہ ہے کہ خیر (حاصل ہونے) کا جو سبب بھی ہے وہ عین خیر ہے قولہ الوجہ الخامس فیہ دلیل علی ان فحوی الکلام الی قولہ ھو عین الخیر،

ف۔ یہ مضمون آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جو لوگ اثنائے سلوک میں کسی ضیق میں مبتلا ہو جائیں یا اور کسی قسم کی پریشانی پیش آئے اُنکو ان اسباب سے کام لینا چاہئے ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی جعلنا اللہ ممن جعلہ مظفرا بالمراد منصورا وجعل کربتنا کلھا ھباء منثورا۔

(باقی آئندہ)

Marfat.com

(۱۱۳) اس میں صوفیہ (کے ایک قول) کی دلیل بھی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ نفس کا مرجانا ہی اُس کی زندگی ہے جو شخص حیات کا طالب ہو اُسے مُردہ بن جانا چاہئے (اس مطلب کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے موتوا قبل ان تموتوا، مرنے سے پہلے ہی مرجاؤ۔ یعنی ظاہری موت سے پہلے ہی اپنے کو مُردہ بدست زندہ بنادو اپنے ارادہ واختیار و تجویز اور دعوی کو فنا کردو) کیونکہ حضرات صحابہ کی نظر میں جب اپنے نفس کی کچھ وقعت نہ رہی اور وہ اللہ کے راستہ میں موت پر راضی ہوکر نکل کھڑے ہوئے کیونکہ جو شخص اس حالت سے نکلے گا جو ہمنے صحابہ کی حالت اوپر بیان کی ہے وہ موت ہی کے ارادہ سے نکلے گا تو وہ اُسی وقت نصرت (اور کامیابی) اور ثواب وسلامتی سے کامیاب ہوگئے — یہی اہل توفیق کا حال ہے کہ اُنہوں نے جو کچھ پایا اسی سے پایا کہ اُن کی نظروں میں اپنے نفس کی کچھ قدر و قیمت باقی نہیں رہی وہ (ہر وقت اللہ کے حکم پر) اپنی جان دینے کو تیار رہے ہیں اور اہل دنیا اپنے نفس کی محبت سے ذلیل ہوگئے اُن کے لئے یہاں بھی ذلت لازم ہوگئی وہاں بھی، حدیث میں وارد ہے کہ ہر بندہ کے سر میں اُس کی (عقل و) حکمت ہے (جس کی باگ ایک[a] فرشتہ کے ہاتھ میں ہے اگر وہ بڑائی اور بلندی کا دعوی کرنے لگتا ہے تو فرشتہ اُسکے سر پر چوٹ لگا کر کہتا ہے پست ہو جا خدا تجھے ذلیل کرے اور اگر تواضع اختیار کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے بلند ہو جا خدا تجھے رفعت (وعزت) دے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے وہ دولت عطا فرمائیں جس سے اللہ تعالیٰ ہمکو اپنا مقرب بنالیں (آمین) **قوله** الوجه السادس فيه دليل صوفي الى قوله من الله علينا بما يه يقربنا اليه بمنته،،

پنجاہ وہفتم[۵۷] (حديث السنة يوم عيد الفطر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (عیدگاہ کو

---

[a] یہاں کوئی لفظ اصل کتاب میں چھوٹ گیا ہے۔ میں نے اپنے ذوق سے اُس کا ترجمہ کردیا ہے فان کان صوابا فمن اللہ ومن رسولہ وان کان خطأ فمنی ومن الشیطان ۱۲ ظ

Marfat.com

عید الفطر کے دن اُس وقت تک نہ جاتے جب تک چند چھوارے نہ کھا لیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اُن کو عدد طاق کی رعایت سے تناول فرماتے (مثلاً تین یا پانچ یا سات) شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ عید فطر میں سنت یہ ہے کہ کوئی شخص عیدگاہ کو بدون کچھ کھائے نہ جائے اور مستحب یہ ہے کہ چھوارے کھائے جائیں اور اُن میں عدد طاق کی رعایت کی جائے اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

(۱۴۱) چھوارہ (اور کھجور) مدینہ والوں کے لئے سب چیزوں سے زیادہ آسان (اور سہل الحصول) ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُسی چیز کو پسند فرماتے تھے جو آسان (اور سہل الحصول) ہو (اسلئے آپ عید کے دن چند چھوارے نوش فرماکر نماز کو چلے جاتے) اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ **ف** اس دن ناشتہ کیلئے تکلف کرنا خلاف سنت ہے کیونکہ دل اُسی میں مشغول رہے گا۔ اور سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کو بڑی فکر آخرت کی تھی یہانتک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ اپنے گھر والوں سے فرمایا کرتے تھے کھانا ایسا بناؤ جو پیا جاسکے ایسا نہ بناؤ جسے کھانے (اور چبانے) کی ضرورت ہو کیونکہ کھانے اور پینے (کی مدت) میں اتنی آیتوں کا فرق ہے (یعنی کھانے میں زیادہ دیر لگتی ہے جس سے تلاوت قرآن کا حرج ہوتا ہے پینے میں زیادہ دیر نہیں لگتی) پس یہ حضرات دنیا کو بقدر ضرورت ہی لیتے تھے قولہ فی الوجہ الثانی منہا انہا ایسر الاشیاء عندھم الی قولہ فما کانوا رضوان اللہ علیہم یاخذون من الدنیا الا قدر الضرورۃ ''

ف اس سنت پر سب سے زیادہ عمل حضرات صوفیہ کا ہے وہ بھی دنیا بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں اُس میں تکلف نہیں کرتے'' جو آسانی سے بلا مشقت وطلب میسر ہوا اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔

(۱۵۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ (ہر حال میں) امتثالِ امر ہی حقیقی خیر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا خلاف ہو، اگر امتثالِ امر میں خواہش نفس کی موافقت بھی ہو جیسا یہاں ہے (کہ عید کے دن سویرے ہی کچھ کھا لینا سنت ہے اور یہ سنت خواہش نفس کے موافق ہے)

۱۲۲ ناشتے کیلئے عید میں تکلف کرنا خلاف سنت ہے

ف: حقیقی خیر امتثال امر میں ہے

Marfat.com

اسکے سوا اور جو مواقع اسکے مشابہ ہون تو یہ بھی منجملہ نعمتون کے (ایک بڑی نعمت) ہے کیونکہ
اس وقت نفس اپنی خواہش کو بھی پورا کرتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے - ہمارے اس قول کی تائید
اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ مین عیدگاہ جانے سے پہلے
کچھ نہ کہاتے تھے یہانتک کہ (نماز کے بعد) اپنی ہدی یا قربانی کو ذبح فرماتے (پھر اُس مین
سے کہاتے) اور قربانی مین سے بھی سب سے پہلے گوشت جگر تناول فرماتے کیونکہ یوم النحر مین
جملہ طاعات سے افضل اراقۃ الدم (یعنی قربانی کرنا) ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ
چاہتے تھے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہین اُسکو پہلے تناول کیا جائے (اس سے یہ
بات ثابت ہو گئی کہ بعض دفعہ اُن افعال مین بھی ثواب ملتا ہے جو خواہش نفس کیموافق
ہین جیسے کہانا پینا وغیرہ یہ ضرور نہیں کہ ثواب اُسی کام مین ملاکرے جو نفس کے خلاف ہو)
یہان ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے گوشت جگر
کیون کہاتے تھے ؟ تو واللہ اعلم اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل جنت کیسا تھ تشبہ ہو جائے کیونکہ
۱۲۳ ایک روایت مین ہے کہ پہلا کہانا جو جنتی کہائین گے اُس مچھلی کا گوشت جگر ہو گا جسپر تمام
زمینون کا مدار ہے (اور یہ بھی احتمال ہے کہ کلیجی جلدی تیار ہو جاتی ہے گوشت کے پکنے مین دیر
ہوتی ہے اسلئے آپ پہلے کلیجی تناول فرمالیتے تاکہ زیادہ دیر تک بھوکا رہنے سے تکلیف نہو
واللہ تعالیٰ اعلم -

یہان سے معلوم ہوا کہ آجکل کے اہل تنعم دنیا دارون کا یہ طریقہ کہ عید الاضحیٰ کی رات مین پہلے سے
گوشت تیار کرتے اور قسم قسم کے کہانے پکاتے اور قربانی کا جانور ذبح کرنیسے پہلے ہی کہالیتے
ہین سنت کے خلاف ہے یہ تو اُن کا حال ہے جو قربانی کرتے ہین اور بہت سے تو قربانی چھوڑ
کر سنت کی مخالفت کرتے ہین (کہ باوجود صاحب نصاب ہونیکے قربانی نہین کرتے) غرض بعض
دفعہ شریعت کے اچھے کام بھی اُن بدعتون اور مخالفتون سے رنگدئے جاتے ہین جنکو لوگون
نے اپنا دستور العمل بنالیا ہے (چنانچہ قربانی کرنا سنت ہے مگر اسکو سنت کے موافق ادا نہین
کیا جاتا بلکہ رواج کے موافق ادا کیا جاتا ہے کہ قربانی سے پہلے ہی انواع و اقسام کے کہانے

بارِ سنت کی الفت سنت و رسم عادت

ع ۵ - ہذہ ترجمۃ قولہ زیادۃ الکبد وفی مختصر القاموس زائدۃ الکبد ھنیۃ منہ صغیرۃ الی جانبہ متنحیۃ عنہ ۱۲

Marfat.com

تیار کر کے کھائے جاتے ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھایا جائے اور یہ لوگ بطور حجت کے یوں کہدیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت (اور قوم کا رواج) یوں ہی ہے مگر ایسے لوگوں کو ہم آدمی کس طرح کہیں جو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑتے اور اپنی بری عادتوں کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں قولہ الوجہ الثالث فیہ من الفقہ ان حقیقۃ الخیر ھو نفس الامتثال الی قولہ ویؤثرون عادۃ نفوسھم الدنیۃ

ف یہ ہے تصوف حقیقی کہ ادنی ادنی عمل میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے صوفیہ محققین کے نزدیک وہ لوگ آدمی نہیں جو سنت نبویہ کو چھوڑ کر رسم و رواج کو اُس پر ترجیح دیں والمستعان یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ثواب کا مدار مخالفت نفس ہی پر سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ مدار فضیلت امتثال امر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا خلاف ہو خوب سمجھ لو۔

پنجاہ و ہشتم ۵۸ (حدیث العمل فی ایام التشریق)

۱۲۴ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی زمانہ میں عمل کرنا ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں (مراد ایام تشریق ہیں) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ اور جہاد بھی نہیں فرمایا جہاد بھی نہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کو خطرہ میں ڈالدے پھر کچھ لیکر واپس نہو،،

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ کسی زمانہ میں عمل کرنا ایام تشریق کے عمل کی برابر نہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں،، اسپر چند وجوہ سے کلام ہے

ف (۱۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایام اگرچہ عید کے دن ہیں مگر عبادت کیلئے ہیں لہو (ولعب) کیلئے نہیں،، تو آجکل جو بیہودگیاں ان دنوں میں کی جاتی ہیں وہ اس حدیث سے ممنوع ہیں۔ ایام عید عبادت کے لئے ہیں لہو و لعب کے لئے نہیں

اب اگر کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے احتجاج کرے لکل امۃ عید وھذا الیوم عیدنا۔ ہر امت کی ایک عید (ہوتی) ہے اور یہ دن ہماری عید کا ہے تو (اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس کی ساتھ) اُن کاموں کو بھی تو بتلا دیا ہے جو ان دنوں میں جائز کیے گئے ہیں (اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ یہ دن ہماری عید کا ہے) چنانچہ

Marfat.com

ارشاد فرمایا انما ھی ایام اکل وشرب وذکر اللہ - بس یہ دن کہانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے ہین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانون کی عید دوسری قومون کی عید کی طرح لہو ولعب کی عید نہین بلکہ ذکر اللہ کی عید ہے) نیز ارشاد فرمایا افضل ما یعمل فیھا اراقۃ الدماء سب سے افضل عمل جو ان دنون مین کیا جاتا ہے خون بہانا (یعنی قربانی کرنا) ہے اور اس مین سنت یہ ہے کہ اپنی قربانی مین سے خود بھی کہائے۔ صدقہ بھی کرے (دوستوں عزیزوں کو) ہدیہ بھی دے۔ غرض ان دنون مین سب سے اعلےٰ عبادت مشروع کیگئی ہے یعنی ذکر اللہ، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ما عمل ادمی عملا انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ - آدمی کوئی عمل اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہین کرتا، اور قربانی مین مال کا خرچ کرنا بھی مشروع کیا گیا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تنافسوا فی اثمانھا فانھا مطایاکم الی الجنۃ - قربانی کی قیمتون مین دل کہول کر خرچ کیا کرو کیونکہ وہ جنت تک (پہونچانے کیلئے) تمہاری سواریان ہین - اور قربانی مین صدقہ بھی مشروع کیا گیا
اور صدقہ جیسا حدیث مین ہے تطفی غضب الرب اللہ کے غصہ کو کم کرتا ہے - بس ان دنون 125
مین جس مجاہدۂ نفس سے منع کیا گیا ہے وہ صرف روزہ ہے اور کچھ نہین، باقی عبادات سب مطلوب ہین خواہ وجوبا یا استحبابا کیونکہ فرض (و واجب) تو بشرط قدرت کسی وقت بھی ساقط نہین ہوتا نہ عید مین نہ اور دنون مین، اور یہ حدیث (جو اس باب مین مذکور ہے) تمام مستحبات کی ترغیب دے رہی اور ان ایام مین اُن کے ادا کرنے کو دوسرے ایام سے افضل بتلا رہی ہے جس سے تاکید مقصود ہے (کہ ان ایام مین دوسرے دنون سے زیادہ مستحبات کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ ان ایام کا ہر عمل جہاد سے بھی افضل ہے)

یہان ایک سوال ہے کہ ان ایام مین اعمال کی فضیلت کسی علت کی بناء پر ہے یا تعبد محض ہے (جس کی کوئی علت نہیں) تو (جواب مین) ہم کہتے ہین کہ ایک علت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ قواعد شرع سے یہ بات ثابت ہے کہ اوقات غفلت مین عبادت کرنا افضل ہے جیسا مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہے کیونکہ یہ لوگون کی غفلت کا وقت ہے اسی طرح قیام اللیل (اور تہجد) کی فضیلت کہ وہ بھی غفلت کا وقت ہے لوگ اس وقت غفلت اور

اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے

Marfat.com

نیند میں ہوتے ہیں۔ اسیطرح نماز چاشت کی فضیلت کیونکہ اس وقت بھی لوگ اپنے اسباب (معاش) میں غافل ہوتے ہیں"، غرض ایسی نظیریں بہت ہیں (جن سے اوقات غفلت میں عبادت کی فضیلت ثابت ہے) تو چونکہ یہ ایام عید بھی کھانے پینے اور نفس کی راحت کے دن ہیں اسلئے ان دونوں میں لوگوں پر نیند اور غفلت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے (تو جو شخص ان دونوں میں عبادات اور ذکر میں لگا رہے گا اُسکو بہت بڑی فضیلت حاصل ہوگی)

باقی آجکل تو نیک کاموں سے رغبت ہی اُٹھ گئی انبوان دونوں کو لہو ولعب اور حرام کاموں کیلئے خاص کر لیا گیا ہے اور حجت کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (عید کے دن) حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوئے تو اُن کے پاس قبیلہ بنو النجار کی چھوکریاں (گا رہی اور) دف بجا رہی تھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی طرف پشت کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئے کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو لڑکیوں کو دھمکایا اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطان کا

۱۲۶ کا باجہ؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ان کو (اپنے حال پر) رہنے دو کیونکہ یہ عید کا دن ہے (ان کو بھی اپنا جی خوش کرنے دو) اگر یہ حدیث صحیح ہو تب بھی اس میں (جواز لہو ولعب کیلئے) کچھ حجت نہیں کیونکہ (بظاہر) یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے اُسوقت تو شراب بھی حلال تھی سود بھی حلال تھا۔ جوا بھی جائز تھا، اور بہت سے فرائض اس وقت تک فرض نہ ہوئے تھے، پھر حکم اسکے خلاف جاری ہوا (شراب و ربا و قمار حرام کر دئے گئے اور بہت سے فرائض لازم کئے گئے)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما بعثت بکسر الدف والمزمار میں تو ڈھپڑوں اور باجوں کو توڑنے کو مبعوث ہوا ہوں یہ سنکر صحابہ رضی اللہ عنہم (مجلس) نکلے اور بچوں کے ہاتھوں سے دف اور باجے چھین کر توڑنے لگے تو جن چیزوں کی اباحت ابتدائے اسلام میں بعض احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر بعد میں اُن کی حرمت ثابت ہو گئی اُن احادیث سے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرما دی ہے لھو المؤمن لا یکون الا فی ثلاث فی رمیہ عن قوسہ وتادیبہ لفرسہ وملاعبتہ لاھلہ

ف احقر کہتا ہے کہ یقیناً صحیح ہے فقد اخرجہ الشیخان وغیرہما ۱۲ ظ

Marfat.com

کہ مومن کا لہو (ولعب) تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا (ایک) کمان سے تیر اندازی کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستہ بنانا (۳) اپنی بیوی سے دل لگی کرنا (اسکی ساتھ کھیلنا) پھر ان تین پر چوتھی چیز کا اضافہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس مضمون میں بہت حدیثیں (وارد) ہیں (کہ ان تین کے سوا (لہو ولعب باطل ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بعض لوگ لہو (ولعب) کی باتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ اللہ کے راستہ سے گمراہ کریں۔ پس لہو شرعاً ممنوع ہے عید میں ہو یا غیر عید میں سوا اُسکے جو ہمنے ابھی بیان کیا (اور وہ بھی محض صورۃً لہو ہے حقیقۃً لہو نہیں کیونکہ تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری جہاد میں کار آمد ہے اور بیوی کی ساتھ دل لگی ہنسی کرنے میں اُس کی دلجوئی ہے جس سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور زوجین میں باہم تعلق محبت ہونا مصالح نکاح کی بنیاد ہے)

الوجہ الاول منہا ان فیہ دلیلا علی ان ھذہ الایام وان کانت ایام عید الی قولہ فاللھو ممنوع شرعا الاما ذکرنا لا اتفاقا

۱۲۷ ف مزامیر کی حرمت پر تو فقہاء کا اتفاق ہے اور دف کے متعلق جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ عیدین میں اور نکاح اور خوشی کے موقع میں جائز ہے بشرطیکہ ویسے ہی بیقاعدہ بجا دیا جاوے قواعد موسیقی کے طریقہ پر تطریب کی ساتھ نہ ہو کیونکہ آثار صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مواقع سرور میں بالخصوص نکاح میں دف کی اجازت دی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ منسوخ نہیں اور حضرت عائشہ کے گھر میں جو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں وہ باقاعدہ گانیوالیاں نہیں تھیں۔ حدیث میں تصریح ہے وجاریتان تغنیان ولیستا بمغنیتین کہ دو لڑکیاں گا رہی تھیں اور وہ گانیوالیاں نہ تھیں"، اور فتح مکہ کی حدیث میں غالباً دف کا لفظ نہیں ہے بلکہ معازف کا لفظ ہے اور معازف وہ باجا ہے جو ہاتھ سے بجایا جاتا ہے جیسے ستارہ ڈھولک۔ سارنگی۔ باربنیم وغیرہ، اور مزامیر وہ باجا جو منہ سے بجایا جائے جیسے نے۔ نفیری۔ بین وغیرہ دف کو معازف میں عام طور سے شمار نہیں کیا جاتا وہ الگ چیز ہے۔ یہ فقہا حنفیہ وشافعیہ کا مسلک ہے اور احوط وہ ہے جو شارح نے بیان کیا ہے کہ سب ہی سے احتراز کیا جائے

مومن کا لہو ولعب تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا

Marfat.com

واللہ اعلم بالصواب۔

ف۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو ایام تشریق مین عبادت کا اہتمام نہین کرتے اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ اسلامی عید دوسری قومون کی عید سے جدا ہے۔ اسلامی عید کا حاصل یہ ہے کہ سال بھر جو نفس کو مجاہدہ اور خلوت کی ساتھ عبادت مین مشغول کیا تھا چند دنون اُسے خوش کر کے بھی عبادت مین لگایا جائے تاکہ مجاہدہ سے جو بعض دفعہ ایک قسم کی افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اُس کی تلافی ہو جائے، ایام عید مین جب نفس کو اچھے کھانون اچھے کپڑون اور دوستون کی ملاقاتون سے خوش کیا جائے گا تو اب وہ انشراح اور خوشی کی ساتھ عبادت مین لگے گا پس ایام عید مین بھی نفس کو آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اُسے خوش کر کے کام مین لگایا جائے اگر عید کے دنون مین آزاد رکھا گیا تو وہ چند دن اور بھی آزاد رہنا چاہے گا اور اس طرح آزادی کا راستہ کھلنے سے سال بھر عبادات مین خلل رہے گا۔

ف۔ یہاں سے آجکل کے اہل سماع کو بھی سبق لینا چاہئے کہ وہ سماع مین اُن آلات لہو سے ۱۲۸
بھی پرہیز نہین کرتے جن کی حرمت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ دیگر آداب سماع کی تو کیا رعایت کرینگے کہ سامعین سب اہل ہون۔ ناجنس کوئی نہو۔ سنانے والا بھی اہل ہو۔ صاحب دل ہو۔ مضمون بھی لغو و بیہودہ نہ ہو بلکہ حمد و نعت یا کلام معرفت ہو۔ اور سماع بھی بحالت اضطرار ہو رہا ہو کہ بدون اُسکے قبض کسی طرح مرتفع ہی نہوتا ہو وغیر ذلک من الشرائط التی ذکرھا القوم الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ط

ایام تشریق ایام ابتلاء وامتحان ہیں

(۱۷) ایام تشریق کو ایک اور فضیلت بھی ہے کہ یہ ایام حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ابتلاء وامتحان کے ایام ہیں (پس ان مین اس ابتلاء کو یاد کر کے لہو و لعب سے بچنا چاہئے) پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر کرم فرمایا کہ محنت (و آزمائش) کو نعمت سے اور کتنی بڑی نعمت سے بدل دیا (کہ جنت سے ایک دنبہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ مین آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بانیٔ سنت اضحیہ بنا دیا گیا کہ اب قیامت تک کی تمام قربانیون کا ثواب اُنکو بھی ملتا ہے)

(باقی آیندہ)

Marfat.com

ان دو وصفوں کی وجہ سے یہ ایام تمام ایام سے افضل ہو گئے اور اللہ سبحانہ جب اپنے بندوں میں سے کسی پر کوئی احسان فرماتے ہیں اُسکو زائل نہیں کرتے پس اُن کیلئے اس فضیلت کو باقی رکھا اور اُس میں یہ زیادتی فرمائی کہ نعمت کو بھی باقی رکھا یعنی (ہمیشہ ہمیشہ کو) اُن کے لئے قربانی اور اُسکے متعلقات مشروع کر دئے گئے (کہ نماز بھی پڑھیں تکبیریں بھی عید کی نماز میں زیادہ کہیں اور ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیرات تشریق کی پابندی کریں) اور محنت (ومشقت) کو بھی اُن سے مرتفع کر دیا یعنی بچوں کے ذبح کرنے (کے حکم) کو (قبل از عمل ہی منسوخ کر دیا گیا اب اُن کی جگہ جانوروں کی قربانی واجب کر دیگئی) یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما العمل میں الف ولام جنس کا ہے کہ اس فضیلت میں فرائض ومستحبات علی اختلاف الدرجات سب مساوی ہیں یا لام عہد ہے جس سے مخصوص اعمال مُراد ہیں؟ تو لفظ کا صیغہ (اور اس کی صورت) دونوں کو محتمل ہے پس ان ایام میں جو فرائض ادا کئے جائینگے وہ بھی دوسرے ایام کے فرائض سے افضل ہوں گے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے متعلق فرمایا ہے من شهدها فی جماعة فكانما قام ليلة۔ جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اُس نے رات بھر نماز پڑھی" اور عشاء کے متعلق فرمایا ہے من شهدها فی جماعة فكانما قام نصف ليلة جس نے عشا جماعت سے پڑھی اُسنے گویا آدھی رات نماز پڑھی،، تو دیکھو یہ بھی جماعت سے ادا کی گئی ہے اور وہ بھی مگر دونوں کے ثواب میں آدھوں آدھ کا فرق ہے، اس کی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ صبح کی نماز میں عشاء کی نماز سے زیادہ مشقت ہے کیونکہ صبح کے وقت بہت لوگ جنابت کی حالت میں اور غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں عشاء کے وقت یہ بات نہیں ہوتی۔ اسیطرح ایام تشریق کے اندر لوگ کھانے پینے اور راحت کرنے بیویوں سے مشغولی ہونیکے سبب زیادہ غفلت میں ہوتے ہیں اس علت پر نظر کرکے یہ ایام اور دنوں سے افضل ہوگئے اور ان میں عمل کرنا مطلقاً جہاد کے مشابہ ہوگیا کیونکہ جہاد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرض اور نفل، اور ان ایام میں بھی ہر طرح کے اعمال ادا ہوتے ہیں

Marfat.com

فرائض بھی سنن و مستحبات بھی "

اور یہ بھی احتمال ہے کہ لام عہد کیلئے ہو جس سے اُن اعمال پر اشارہ ہوگا جو احادیث میں اوپر بیان ہوئے ہین کہ یہ دن کہانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہین ' اور بہتر یہی ہے کہ لفظ کو عموم پر رکہا جائے کہ اس مین زیادہ فائدہ ہے اس صورت مین ان حدیثون کا جو خاص اعمال پر دلالت کر رہی ہین مطلب یہ ہوگا کہ ان دنوں ہیں فرائض کے بعد جن اعمال کا اہتمام کرنا چاہیئے اُن مین سب سے مقدم وہ ہین جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہین یعنی قربانی کرنا۔ ذکر اللہ کرنا۔ صدقہ کرنا۔ یہ مطلب نہین کہ ان کے سوا اور اعمال نہ کئے جائین ہماری اس بات کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ما عمل آدمی افضل (کسی آدمی نے ان ایام میں کوئی عمل قربانی سے افضل نہین کیا) تو آپنے ان مخصوص اعمال کو افضلیت کے طور پر بیان فرمایا ہے اور جن اعمال کو افضلیت کے طریقہ پر بیان کیا جائے اُن کی ساتھ دوسرے اعمال بھی جمع ہو سکتے ہین اور اگر کوئی ان اعمال (مخصوصہ) پر قادر نہو (مثلاً
۱۳ قربانی کی وسعت نہین نہ صدقہ کر سکتا ہے) تو فرائض سے زیادہ کچھ نیک کام کر لینے سے اپنے کو محروم نہ رکہے (مثلاً ذکر اللہ اور تلاوت قرآن اور نوافل ہی کی کثرت کرے) قولہ فی الوجہ الاول وفضلت ایضا من نوع آخر اعنی ایام التشریق الی قولہ فلا یخلی نفسہ من الخیر الزائد علی الفرائض۔

(۱۱ھ) حدیث مین فضیلت جہاد پر بھی دلالت ہے کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے (ایام تشریق کے عمل کی فضیلت سنکر) عرض کیا ولا الجھاد (یا رسول اللہ اور کیا جہاد بھی اس سے افضل نہیں) اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فضیلت جہاد ثابت نہ ہو چکی ہوتی تو صحابہ اس طرح سوال نہ کرتے (معلوم ہوا کہ جہاد کی فضیلت اُن کو پہلے سے معلوم تھی) اور جہاد کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے اعمال البر فی الجھاد کیزقۃ فی البحر۔ نیک اعمال جہاد کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے سامنے ایک کلی پانی۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی چند قسمیں قرار دی ہین اور جہاد کی اعلے قسم مین اُس صورت کو بیان

فضیلت جہاد

Marfat.com

فرمایا جو دوسرے موقعہ مین شرعاً ممنوع ہے۔ چنانچہ فرماتے ہین (الا رجل) خرج یخاطر بنفسہ وما لہ۔ مگر وہ شخص جو جہاد میں نکلا اور اپنی جان ومال کو خطرہ مین ڈالدیا، حالانکہ دوسری مواقع مین جان ومال کو خطرہ مین ڈالنا ممنوع ہے پھر اس پر بس نہین بلکہ اس صورت کی فضیلت کو اس پر موقوف کیا گیا کہ جان ومال کو خطرہ مین ڈالدینے کے بعد ہلاکت محقق بھی ہوجائے چنانچہ ارشاد ہے فلم یرجع بشئ (کہ پھر ان مین سے کچھ لیکر واپس نہوا) حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہین۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت مین نہ ڈالو (جس سے معلوم ہوا کہ جان ومال کو قصداً ہلاکت مین ڈالنا ممنوع ہے) جواب یہ ہے کہ جو شخص مامور بہ مین اُسی کی نوع سے کچھ زیادتی کرتا ہے وہ زیادہ تعریف ومدح کا مستحق ہوتا ہے جیسا توکل مامور بہ ہے کہ شرط ایمان ہے اس مین جتنی زیادتی ہوگی اُتنی ہی مدح ہوگی چنانچہ ارشاد ہے (من توکل علی اللہ حق توکلہ) جو اللہ پر توکل کرے پورا توکل (اسی طرح تقویٰ کے بارہ مین ارشاد ہے اتقوا اللہ حق تقاتہ اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے) اسی طرح ایثار

۱۳۱ خصائل ایمان سے ہے اُس مین بھی اُسیوقت مدح ہوگی جبکہ زیادہ ایثار کیا جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (اور وہ دوسرون کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہین اگرچہ خود بھوکے رہین) اور اس کا تتبع کیا جائے تو بہت نظیرین ملیں گی، اب سمجھو کہ جہاد کا مشروع ہونا چونکہ ہلاکت نفس کی طرف مفضی ہے تو جو شخص جہاد کی موقعہ پر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالدیگا اسکو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ (یہ مامور بہ مین اُسی کی نوع سے زیادتی ہے اور) مامور بہ مین زیادتی کرنا اخلاص اور صدق کی دلیل ہے اور اخلاص وصدق تمام اعمال سے بلند تر ہین۔ نیز رضائے خداوندی مامور بہ کو پوری طرح بجالانے سے حاصل ہوتی ہے تو اُس مین زیادتی کرنا طلب رضا مین ترقی کرنا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے (حق تعالیٰ سے) عرض کیا تھا وعجلت الیک رب لترضی (اے اللہ اور مین آپ کے پاس جلدی کرکے آگیا تاکہ آپ راضی ہون۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مامور بہ مین زیادت موجب زیادت رضا ہے اور اسی پر زیادہ مدح ہوتی ہے اسی لئے جب شہسوار کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہین فارس احمق۔ بڑا احمق سوار ہے اور یہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی مدح ہے

مامور بہ مین اُسکی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے

Marfat.com

کیونکہ احمق ہی اپنے کو خطرہ مین ڈالتا ہے اور اسی سے اُس کی شہسواری ظاہر ہوتی ہے،،
اس مین صوفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہین کہ تم احوال نفیسہ تک بدون نفس نفیس کے ہلاک کرنے اور مجاہدات سے اُسکو خطرہ مین ڈالنے کے نہین پہونچ سکتے، اسی سے تم انتہا کو پہونچ سکتے ہو، جب (اس مُردار) کمینہ دنیا کا طالب یون کہتا ہے ع

احاول ملکا او اموت فاعذرا - مین ملک لیکے ہٹون گا یا اسی کی طلب مین مرجاؤن گا تاکہ معذور شمار کیا جاؤن، حالانکہ دنیا کی سلطنت حاصل بھی ہوجائے تو لامحالہ فنا ہونے والی ہے (اسکو بقا نہیں) اور آخرت مین (حکومت کا) غالب انجام یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ کی کلفت ہی نصیب ہوگی، تو اب تمہارے نزدیک اُس شخص (کی طلب) کا کیا حال ہونا چاہیئے جو دربار قدسی مین پہونچ کر مقعد صدق[1] سے قدرت والے بادشاہ کے نزدیک سرفراز ہوکر سلطنت ابد کا طالب ہے وہ تو یون کہیگا

دعولی یا عذالی - فی ھواہ خلعت عذاری - ودین کرا ہ عللونی - فتقواہ شعاری
۱۳۱ وزملوا مطایا اعمال حثیثۃ للجوار - وبالنفوس جودوا بلا - تلعثم منکم ولا انکار
وایقنوا بوصل الحبیب عند فیض الادمع الغزار -

(ترجمہ) اے ملامت گرو (ناصحوا) مجھے چھوڑ دو - مین نے اُس کی محبت مین حیا کو بالائے طاق رکھدیا ہے - اُسی کے ذکر سے میرا دل بہلاؤ کہ اُس کا تقوی ہی میرا اشعار ہے - اور اعمال کی سواریان تیار کرلو جو قرب (حاصل کرنے) کیلئے تیزی کیساتھ چلنے والی ہون اور اپنی جانوں کو بدون کسی رکاوٹ اور انکار کے پیش کردو - اور آنسوؤن کے بہنے کے وقت وصال محبوب کا یقین رکھو - قولہ الوجہ الثانی وفیہ دلیل علی فضیلۃ الجہاد الی قولہ عند فیض الادمع الغزار -

ف - جان کو خطرہ مین ڈالنا جہاد کے سوا دوسرے مواقع مین جائز نہین جہاد کے موقعہ پر جائز ہے کیونکہ جہاد کا موضوع ہی یہ ہے کہ قتال کے ذریعہ اللہ کا بول بالا کیا جائے اور قتال بدون جان کی بازی کے نہیں ہوسکتا تو وہان خطرہ مین اپنے کو ڈالدینا جائز بلکہ ممدوح ہے - چنانچہ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ اُنہون نے جہاد کے موقعہ پر تنہا ہزارون پر

[1] جنت کا اعلے درجہ ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

حملہ کیا دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بہتوں کو مار کر نکل آئے۔ یہ قاعدہ بہت ہی نفیس ہے کہ مامور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے دوسری نوع سے زیادتی کرنا محمود نہیں۔ مثلاً نماز میں جتنا بھی خشوع و خضوع ہوگا محمود ہوگا مگر اوقات میں زیادتی کرنا کہ جن اوقات میں شریعت نے نماز سے منع کیا ہے اُن میں بھی نماز پڑھنے لگے مذموم ہے کہ یہ دوسری نوع کی زیادت ہے۔ اسی طرح فرائض کی رکعات معینہ میں زیادتی کرنا مذموم ہے کہ حدود سے تجاوز ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

پنجاہ و نہم ۵۹ (حدیث جواز التنفل علی الدابۃ فی السفر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز (یعنی تہجد) پڑھا کرتے تھے جدھر بھی اُس کا رُخ ہوتا اور سر سے اشارہ کرتے تھے مگر فرائض (سواری پر) نہیں پڑھتے وتر اُسی پر پڑھ لیا کرتے تھے۔

۱۳۳ **شرح**۔ ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر نفلیں پڑھنا سفر میں جائز ہے خواہ سوار کا منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

نماز نفل کی فضیلت

(۱۱۹) حدیث سے نفل نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی نماز نفل کو ترک نہیں کیا حالانکہ سفر میں بوجہ مشقت کے فرائض کے اندر تخفیف ہو جاتی اور اُن کی ہیئت بدل جاتی ہے پھر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز نفل کو بدستور سابق مستحب قرار دیا اور اُس کے لئے نماز کا نام باقی رکھا جس کا بجالانا مطلوب ہے ۱۲۔

نماز کسی وقت کیوں ساقط نہیں کیا گیا

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ نماز کو مرض اور خوف اور سفر میں کیوں باقی رکھا گیا حالانکہ اُس کی صورت (ان عذروں کی وجہ سے) بدل جاتی ہے جیسا کہ معلوم ہے مگر کسی حالت میں بھی جب تک عقل باقی رہے نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی تو (جواب یہ) ہم کہتے ہیں واللہ اعلم اس میں دو حکمتیں ہیں ایک یہ کہ نماز کفر و ایمان میں فارق (اور ممیز) ہے اور ایمان کی علامت ہر حال میں مطلوب ہونا چاہیئے جیسا ایمان ہر حال میں مطلوب ہے مگر یہ کہ

Marfat.com

عقل ہی زائل ہو جائے تو اُس وقت انسان مکلف نہین رہتا (اسی طرح نماز بھی بجز زوال عقل کے کسی حال مین ساقط نہین ہوتی)

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز بندہ اور حق تعالےٰ کے درمیان وُصلہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے) اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے اور بندہ کے درمیان وصلہ ہو اُس کا (ہر حال مین) بندہ محتاج ہے اسی لئے نماز (ہر حالت مین) باقی رکھی گئی اور عذر کے موافق طرح طرح سے اُس مین تخفیف کردی گئی۔ جب سبکو معلوم ہے (کہ سفر مین چار فرض کے دو رہ جاتے ہین جماعت اور سنن مؤکدہ کا تاکد ساقط ہو جاتا ہے بیماری مین قیام کی قدرت نہ ہو تو بیٹھکر بیٹھنے کی طاقت نہو تو لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے)

اسی حقیقت کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ۔ مدد حاصل کرو صبح کے وقت اور شام کے وقت اور رات کی تاریکی مین کچھ عبادت کرکے (اس سے بھی یہی مُراد ہے کہ ان اوقات مین نماز کا کچھ
معمول ہونا چاہئے) کیونکہ بندۂ ضعیف کیلئے بڑی استعانت اُسی چیز سے ہوسکتی ہے جو ۱۳۷
جو اللہ تعالیٰ کی ساتھ اسکے تعلق کو بڑہانے والی ہو۔ اسی سے اُسکو اپنی امید کے موافق بہترین فائدہ حاصل ہوگا، اور جو کچھ ہمنے نماز کے بارہ مین کہا ہے اسی کے مشابہ عبادت کی شان بھی ہے (کہ وہ بھی کسی وقت ساقط نہین بلکہ بندہ کو ہر وقت عبادت مین رہنا چاہئے) کیونکہ حکمت ربانیہ اسکو مقتضی ہے کہ ہم سے عبادت اور اُس کا دوام مطلوب ہو اسی کے واسطے ہم پیدا کئے گئے ہین۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ مین نے جن وانسان کو بس اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرین، حالانکہ حق تعالیٰ ہم سے بھی مستغنی ہین اور ہماری عبادت سے بھی لیکن کسی وجہ سے جسکو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہین حکمت اسکو مقتضی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہین الذی یعلم السر فی السموات والارض یعنی وہی جانتا ہے آسمان وزمین کے پیدا کرنے کی حکمت کو، اسی طرح ہمارے پیدا کرنے اور تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کی حکمت کو بھی وہی جانتے ہین (رہا یہ کہ حکمت اسکو مقتضی کیون ہوئی۔ اسکے متعلق لوگون

فائدہ: عبادت کبھی کسی وقت ساقط نہین

Marfat.com

نے جو مختلف باتیں بیان کی ہیں اُن میں ہر ایک کیلئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور دلیل قطعی نبوت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کے ذریعہ اس باب میں کچھ وارد[ع] نہیں ہوا - پس ہمارے ذمہ اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے ایک ذرہ کو بھی بدون کسی حکمت کے نہیں پیدا کیا - اب اگر کسی صحیح طرق سے یا احتمال کے طور پر کوئی حکمت دکسی کی عقل میں آجائے اور اصول شریعت کے منافی بھی نہو تو اُس سے ایمان میں قوت ہوگی چنانچہ اگر اُس قاعدہ کے موافق ایمان لایا جائے جو ہمنے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور تمام چیزیں کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کیگئی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس کی ساتھ اللہ تعالیٰ کو (ضرورت وحاجت اور غرض سے) منزہ اور پاک بھی سمجھا جائے جیسا (اُن کی شان کے) مناسب ہے تو یقیناً اس سے ایمان میں ترقی ہوگی - اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمکو بھی یہ دولت عطا فرمائیں (اس تمہید کے بعد) پھر اُسی مضمون کی طرف عود کرتے ہیں جسپر ہمنے اشارہ کیا تھا کہ ہم کو جس کام کیلئے پیدا کیا گیا اور جو ہم سے مطلوب ہے وہ دوام عبادت ہی مگر ایک تو فطرۃً الانسان ضعیف البنیان ہے پھر اُسکو بشری ضرورتوں کی بھی احتیاج ہے جیسے کہانا پینا (سونا) وغیرہ جسکو ہم اپنے اندر بداہتہً محسوس کرتے ہیں تو (اب دیکھو) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو کیسی لطیف حکمت کی ساتھ جمع فرمادیا ہی جس پر بدون فیض ربانی اور الہام (رحمانی کے) کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی تھی وہ یہ کہ قواعد شریعت سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمام عبادات میں اعلیٰ اور عذاب الٰہی سے زیادہ نجات دینے والی چیز ذکر اللہ ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ عبادت یعنی ذکر اللہ کو ہماری تمام حرکات وسکنات میں مقرر فرمادیا جن میں سے بعض (مقامات) میں تو ذکر اللہ واجب ہے - بعض میں مستحب ہے اور مستحب میں بھی بعض کا استحباب

نشان ۳۴ علت خلقت عالم

۳۵ رعایت ضعف انسان سے دوام عبادت کا طریق (ذکر اللہ)

ذکر اللہ تمام عبادات میں اعلیٰ ہے

[ع] - اور جو وارد ہے وہ محدثین کے نزدیک بے اصل ہے یعنی کنت کنزا مخفیاً فخلقت الخلق لاُعرف اگرچہ محققین کے نزدیک اس کا مضمون صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

Marfat.com

مؤکد ہے بعض کا غیر مؤکدا چنانچہ آپنے ہمارے لئے یہ قاعدہ مقرر کردیا کہ کھانے پینے جماع کرنے کپڑا پہننے کپڑا اتارنے بستر پر لیٹتے گھر مین داخل ہونے قضاء حاجت کو جانے وہان سے نکلنے اور شکار کرنے اور حلال جانور کو ذبح کرنے اور کسی جگہ سفر کرکے جانے اور مہتم بالشان معاملہ مین گفتگو کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کا ذکر کرلیا کرین اور ہر موقعہ کے مناسب ذکر کا طریقہ بھی آپنے بتلادیا - ان مین سے بعض مقامات ایسے ہین کہ اگر وہان اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ شئے ہم پر حرام ہوجاتی ہے اُس کا کھانا جائز نہین ہوتا جیسے حیوان کو ذبح کرتے ہوئے یا شکار پر کتا یا تیر چھوڑتے ہوئے بسم اللہ کہنا (ضروری ہے) کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں - ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ - اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اُسے مت کھاؤ - اسی لئے اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے واسطے حلال کردیا گیا ہے اگرچہ وہ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہین رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کو مانتے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہین اُنکو بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم ویسا ہی ہے جیسا ہمکو ہے اور مجوس اللہ کو نہین مانتے (کیونکہ وہ مشرک ہین اور مشرک کیساتھ خدا کا ماننا نہ ماننے کے حکم مین ہے) تو اُن کا ذبیحہ ہمارے واسطے ہرگز حلال نہین کیونکہ نسبت مین بُعد ہوگیا ہے - اور بعض احوال مین اللہ کا نام لینا سنت ہے جیسے بیت الخلاء مین جاتے ہوئے گھر میں داخل ہونے کے وقت بستر پر لیٹتے ہوئے وغیرہ وغیرہ - ۱۳۶

بعض احوال مین اللہ کا نام لینا مستحب ہے جیسے کسی کا کام بناتے ہوئے خواہ دنیا کا کام ہو یا دین کا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اُن کے پاس جب کوئی کام کرنے والا آتا جیسے کپڑا سینے والا یا اور کوئی پیشہ کرنے والا اور آپ اُسکے حوالہ کوئی کام کردیتین تو درمیان مین دریافت کرتین کہ تو نے کام کرتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا ہے یا نہین اگر وہ کہتا ہان بسم اللہ کرکے مین نے کام شروع کیا ہے تو اُسکو کام پورا کرنے دیتیں اور اگر یہ کہتا کہ مین نے بسم اللہ کرکے کام شروع نہین کیا تو کام پورا کرنے سے پہلے ہی اُس کو اُٹھا دیتین کہ اللہ کا نام پہلے کیون نہین لیا تو ان مواقع میں اور جو ان کے مشابہ ہون اللہ کا نام لینا مستحب ہے اسی طرح نیند سے بیدار ہونیکے وقت وغیرہ وغیرہ

(باقی آئندہ)

Marfat.com

تم اس عجیب حقیقت اور سہل و لطیف طریقہ میں غور کرو (کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضعف کی رعایت کر کے کتنا آسان راستہ عبادت کا مقرر کر دیا کہ بندہ ہر وقت عبادت میں بھی مشغول ہو سکتا ہے اور اپنی ضروریات زندگی کو بھی پورا کر سکتا ہے) الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ کیا جس نے پیدا کیا وہ بھی (تمہاری حالت کو) نہ جانے گا حالانکہ وہ تو بڑا باریک بین اور خبردار ہے مگر یہ مقام اُسی کو حاصل ہوتا بلکہ اس کی بو بھی وہی پاتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت نبویہ کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ پھر جس حقیقت کی طرف ہمنے اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کو اپنے اس ارشاد سے اور بڑھا دیا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے۔ من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم ومن تقرب الی لشبر تقربت منہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اُس سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اُس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو ہاتھ سے زیادہ بڑھتا ہوں جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں (مطلب یہ ہے کہ بندہ جب میری طرف متوجہ ہوتا ہے میں اُس سے زیادہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس مقصود کو سمجھانے کیلئے اس عنوان خاص سے بیان کر دیا گیا جس کا ظاہر مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دل سے مسافت سے اور حرکت و سرعت سے منزہ ہیں) نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم (وہ اہل عقل کون ہیں؟ وہ ہیں) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوتے ہوئے بھی بیٹھتے ہوئے بھی لیٹتے ہوئے بھی، اس اشارہ میں غور کرو کہ ذکر پر ایسا دوام ہونا چاہیے کہ بندہ کی کوئی حالت بھی ایسی نہ ہو جس میں وہ مستقل عبادت میں مشغول نہ ہو اگر عبادت کا یہ طریقہ (یعنی ذکر) مشروع

تصحیح - مضمون رحمۃ القدوس حصہ دوم صفحہ ۱۸ مندرجہ النور بابتہ جلد ۲۲ صفحہ ۲۲ سطر ۸ میں تیس کی جگہ غلطی سے بیس ۲۰ لکھا گیا ہے اور اس عدد کی تفصیل میں بھی سطر ۱۱ میں تیس کی جگہ بیس لکھا گیا اسکو صحیح کر لیا جاوے اور سطر ۱۳ میں تحیۃ المسجد کی نیت کر لیجائے" کے بعد حسب ذیل عبارت کا اضافہ کر دیا جاوے - صلوٰۃ الضحیٰ ۴ رکعات ظہر کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں عشاء سے پہلے دو رکعتیں عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں اس طرح مجموعہ عدد رکعات

Marfat.com

نہ ہوتا تو دنیا سے بالکلیہ علیحدگی کے بغیر دوام عبادت کا تصور ہی نہ ہو سکتا اور یہ صورت ہماری فطری احتیاج کے منافی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس عجیب طریقہ سے ہماری احتیاج کی ساتھ عبادت کو جمع فرمادیا (کہ ذکر کو بھی عبادت کی اعلیٰ قسم بنادیا) اور اس طرح ہم کو تمام بھلائیوں کی طرف اپنے فضل و رحمت سے آسان اور نزدیک راستہ سے پہنچادیا اور یہ جو ہمنے بیان کیا ہے کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لینا چاہئے وغیرہ وغیرہ اس باب کی حدیثیں ہمنے یہاں بیان نہیں کیں کیونکہ یہاں ہمارا مقصود اس خیر کی طرف رہنمائی کرنا اور (مخاطب کے) دل میں اس (اہم مضمون) کو ڈالنا تھا تاکہ اس کی قدر کی جائے ورنہ جتنی حالتوں کے متعلق ہمنے ذکر کی تاکید کی ہے۔ان سب کے بارہ میں متعدد حدیثیں وارد ہیں ایک (دو) نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے (ہماری) عمر دراز کی اور توفیق الٰہی نے مدد کی تو انشاء اللہ ان سب احادیث کو مستقل کتاب[1] میں لکھیں گے تاکہ واقفیت حاصل کرنے والوں کو آسانی ہو۔بعونہ و فضلہ ان شاء اللہ تعالیٰ، اور اسی حقیقت کی وجہ سے صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس خاص حالت ہی کی وجہ سے ۱۴۸ اُن کو خواص کہا جاتا ہے اسیلئے صوفیہ نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا ہے کہ اگر تم ہماری محبت میں سچے ہو تو عاشق تو جہاں بھی جاتا ہے محبوب کے ذکر کیساتھ جاتا ہے (پس تمکو بھی ہر حال میں ہمارا ذکر کرنا چاہئے) کیونکہ دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور حضور (وقرب) حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے؛ انا جلیس من ذکرانی میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے، پس اگر تجھکو کچھ عقل ہے تو سمجھ لے کہ تجھ سے کیا قصد کیا گیا ہے اور اے مسکین تو کیا ہے اور کون ہے ؟ (تو اللہ کا محب ہے یا نہیں) اور محب ہونیکا دعوی کرتا ہے تو اُس کی دلیل بھی تیرے پاس ہے یا نہیں ؟) قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل علی افضلیۃ التنفل الیٰ قولہ ومن انت یا مسکین،

---

[1] معلوم نہیں وہ کتاب حضرت شارح نے لکھی ہے یا نہیں ؟ اور لکھی ہے تو طبع ہوئی یا نہیں۔لیکن اس باب میں حصن حصین بہت مکمل کتاب ہے اور حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم نے تتمۃ قربات عند اللہ وصلوات الرسول میں اُس کا بہت اچھا خلاصہ جمع فرمادیا ہے ۱۲ ظ

Marfat.com

سہولت ذکر اور دوام ذکر کا طریقہ

ف: شارح نے اس مقام پر جس علم عظیم اور حکمت باہرہ کی طرف اشارہ کیا ہے اُسکو واضح کرنے کی ضرورت ہے اسلئے اسکو کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ تم ذرا اپنے ذہن کو تو دیکھو کہ کیا یہ ایک لحظہ خیالات تصورات خواطر اور وساوس سے خالی بھی رہتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے کہ امڈا چلا آرہا ہے ایک لامتناہی مبدأ سے نکل رہا ہے اس کی حقیقت میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یا تو اچھے خیالات ذہن میں آتے ہیں یا بُرے، اس کی آمد کسی طریقہ سے روکی نہیں جاسکتی کونسی قوت اسکو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ خیالات ایک نامعلوم چشمہ سے ظہور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اُن کے فناء کرنے پر، لیکن انسان کو اتنی طاقت ضرور دیگئی ہے کہ اپنی توجہ بُری خیالات کیطرف سے ہٹا کر اچھے خیالات کی طرف مبذول کر دے یا علم نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہو سلبی خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے ذہن میں سلبی خیالات اضطراری طور پر پیدا ہوتے ہیں اب یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ ان خیالات کو گلے لگائیں اور معزز مہمان کی طرح عزت و وقار سے دل میں جگہ دیدیں ۱۳۹
یا یہ کہ ان کے ذہن میں آتے ہی ایجابی خیال کو ان کی سرکوبی کیلئے لے آئیں اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت کے مقابل کر دیں۔ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابلہ میں نور ہی کامیاب ہوگا کیونکہ ظلمت نور ہی کی غیبت کا نام ہے نور کے نہ ہونے ہی سے ظلمت پیدا ہوتی ہے جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے آسکتی ہے، شارع علیہ السلام نے یہی طریقہ ہمکو بتلایا ہے کہ تم اس پر تو قادر نہیں ہو کہ سلبی خیالات کو ذہن میں نہ آنے دو مگر اس پر قادر ہو کہ ایجابی خیال کو اُن کے مقابل کر دو۔ ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے جو تمام محامد و محاسن کے جامع اور تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اور طمانیت و سرور اور علو و قوت و عزت و سطوت کے مبدأ ہیں، اگر تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اُس میں جمانے کی کوشش کرو گے تو چند روز میں حق تعالیٰ کی صفات کا اپنے اندر ظہور دیکھو گے، فطرت انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس کے خیال اور ذہن میں رہتا ہے رفتہ رفتہ اُسی کی خو بو اس میں پیدا

Marfat.com

ہونے لگتی ہے۔ اس قانون کو ماننے کے بعد تم ہرگز سلبی خیالات پر توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے بلکہ ایجابی خیالات ہی کو دل میں جمانے کی کوشش کرو گے۔ اب تم ہی بتلاؤ کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کیلئے بھی حقیقی معنے میں خوش رہ سکتے ہو ؎

کیست از وے بہتر بگو اے ہیچکس تا بران دل شاد باشی یک نفس

اگر چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے تو پھر کیا حق تعالیٰ کی دھن سے بہتر اور کسی کی دھن ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محبوبیت گو وہ بظاہر کیسی ہی دلفریب اور دلکش کیوں نہوں نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار ہونا ہے اور ظلمت سے ضیق غم و حزن اور خوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ ظلمت میں کوئی چیز بھی اپنی صحیح خدوخال میں نظر نہیں آسکتی پس بظاہر نظر میں اشیاء کی یہ دلفریبی نفس کا دھوکہ ہے التباس ہے قوت واہمہ کی اختراع ہے تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ قلب پر چھا جاتا ہے ابھی اعتماد تھا ذرا دیر بعد خوف طاری ہو جاتا ہے، طبیعت میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آتی۔ اگر چشم بصیرت کھل جائے اور ظلمت کی جگہ نور دل میں جلوہ گر ہو جائے تو تمام اشیاء اپنی اصلی حالت پر نظر آنے لگیں گی۔ حیات طیبہ نصیب ہوگی ۱۴۰
طمانیت و برد قلب حاصل ہوگی خوف و حزن زائل ہو جائے گا استقلال و استحکام عطا ہوگا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ پس ہمکو نور قلب حاصل کرنا چاہیئے جس کا ذریعہ ذکر اللہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پھر حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے فاذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ ولا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ۔ پر پورا عمل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو۔ اور مقصود اس سے رضا و قرب الٰہی کے سوا کچھ نہ ہو۔ جب دل کی توجہ ذکر الٰہی کی وجہ سے خرافات دنیا سے ہٹ کر ایک مرکز پر مرکوز ہو گی تو خود بخود فاسد اور پریشان کن خیالات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ خیالات کی پراگندگی موقوف ہوتے ہی ایک روحانی کیفیت اور طمانینت سے قلب معمور ہو جائیگا اس دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد تمام چیزوں سے استغنا ہو جائے گا نہ کسی چیز کے حصول سے لذت ہوگی نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج۔ ہاں کسی چیز سے لذت ہوگی تو اللہ کی نعمت سمجھکر ہوگی اگر رنج ہو گا تو اللہ کی ناراضی کے خیال سے ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا بعدم رضا

Marfat.com

کا طریقہ قرآن وحدیث مین تمہارے سامنے ہے اپنے اعمال کو اُن سے جانچ لینے کے بعد پھر دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے سے رنج نہ ہوگا ؎

اذا رضیت عنی کرام عشیرتی فلا زال عضبانا علی لئامہا

ایک طریقہ کا ذکر یہ ہے کہ مختلف حالات مختلف اوقات کے متعلق جو دعائین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہین اُن کی پابندی کی جائے اس طرح کسی وقت بھی اللہ تعالی سے غفلت دل مین راہ نہ پائے گی کیونکہ ان کی پابندی اُسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ ہر وقت اللہ کی یاد دل مین جمی رہے پہلے پہل اس پابندی مین کسی قدر دشواری اسلئے ہوتی ہے کہ قلب مین اللہ تعالی کی یاد پوری طرح نہین جمی پھر ہر موقعہ پر دل مین خود بخود اس دعا کا تقاضا پیدا ہونے لگتا ہے جو حضور نے اس موقعہ کیلئے ارشاد فرمائی ہے ان دعاؤن کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اپنی ہر حالت ہر کیفیت اور دنیا کی ہر شئے کے متعلق یہ عقیدہ دل مین راسخ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے - دنیا مین جو چیز بھی ہے اللہ تعالی کی مخلوق اور محکوم ہے وہی رب اور حاکم ہین اُن کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ ہو سکتا نہ نفع دینے والا ۱۴۱
ہے نہ ضرر دینے والا - چونکہ ہمارا سابقہ رات دن ان ہی اشیاء سے رہتا ہے یہی ہمارے سامنے ہین یہی ہمارے دل ودماغ مین بسی ہوئی ہین، ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بھرے ہوئے ہین مگر سب فانی اور زوال پذیر ہین ان کا زوال وفنا ہمارے حزن وغم کا باعث ہوتا ہے تو ہمکو چاہئے کہ مخلوق کو دیکھکر خالق کی طرف ذہن کو منتقل کرین تاکہ ہر طرف حق تعالی ہی کا جلوہ نظر آئے - ہر شئی کی سلبی جہت سے توجہ کو ہٹا کر ایجابی جہت یعنی جہت حق کی طرف انتقال کرین - اس طرح یاد حق دل مین قائم ہونے لگے گی - اب ہمارے ذہن مین شئے نہ ہو گی حق ہوگا اور اُن تمام انوار سے قلب معمور ہونے لگے گا جو اللہ کی طرف رُخ کرنے سے حاصل ہوتے ہین - اور بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ سعادت ومسرت کا سرچشمہ خود ہمارا دل ہے - حق تعالی کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہے کسی اہل دل نے کہا ہے ؎

سوئے جنان بھی آنکھ اُٹھاتا ہے یار دل گردن جھکائے دیکھ رہا ہون بہار دل

دوسرا کہتا ہے ؎

Marfat.com

بیا بیا و تماشائے خوش نظارہ کن چہ گل شگفتہ بدل از نسیم کوئے حبیب

عارف شیرازی فرماتے ہین ؎

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجتست چون کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجتست

آفاق مین حق تعالیٰ ظاہر ہین ہر شئے کیساتھ جہت حق موجود ہے مگر علم صحیح کے استعمال سے وہم والتباس کو دور کرنے اور نظر کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات و اوقات کیلئے جو خاص خاص اذکار و ادعیہ تعلیم فرمائی ہین اُن کا مقصد یہی ہے ان کی پابندی سے نظر کی اصلاح ہوئی نقطۂ نظر بدلا تو معلوم ہوا کہ نفس و آفاق مین حق تعالیٰ نہان وعیان ہیں اُن سے ہی تعلق قائم کرنا اُن ہی کی یاد کا دل مین جانا تمام مسرتون اور سعادتون کا حاصل کرنا ہے، اللہ سے غفلت و ذہول اور خلق مین استغراق و انہاک تمام بلاؤن اور آفتون مین گرفتار ہونا ہے ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار عشق را با حیّ بلا قیوم دار

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازانجا پیشت آید آفتے ۱۴۲

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

گھر سے باہر قدم نکالو تو اللہ کو یاد کرو۔ بازار مین جاؤ تو اُسکو یاد کرو۔ دکان کھولو تو اللہ کو یاد کرو مسجد مین قدم رکھو تو اللہ سے دعا کرو باہر آؤ تو اُسی سے فضل کی درخواست کرو۔ بیوی بچون کو دیکھو تو اُس کی نعمت کا شکر کرو کھانا کھاؤ تو اللہ کے نام سے شروع کرو۔ کھانا کھا چکو تو اُس کی نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ سونے کا ارادہ کرو تو موت کو یاد کرکے اللہ کی حفاظت کا دامن پکڑو جاگو تو نئی زندگی عطا ہونے پر اللہ کی حمد کرو اسی طرح ہر حالت ہر وقت ہر کیفیت مین اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور حکومت و سطوت کا مشاہدہ کرو خود اپنی ذات کو اپنی ہستی کو بھی اللہ کی مخلوق و محکوم سمجھکر دیکھو۔ اللہ سے غافل ہوکر اپنی ہستی پر نظر نہ کرو یہ مراقبہ راسخ اور کامل ہونے کے ساتھ ہی فاینما تولوا فثم وجہ اللہ اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے معنی کی ابتدائی فہم حاصل ہونے لگے گی اور زبان حال سے یون کہنے لگو گے ؎

Marfat.com

حسن خویش از روئے خوبان آشکارا کردہ	پس بچشم عاشقان خود را تماشا کردہ

جعلنا اللہ وایاکم ممن راقب اللہ فوجدہ تجاھہ آمین۔

شصت و ششم (حدیث اشراط الساعۃ)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی یقبض العلم وتکثر الزلازل ویتقارب الزمان وتظھر الفتن ویکثر الھرج وھو القتل حتی یکثر فیکم المال فیفیض

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہانتک کہ علم (دنیا سے) اُٹھا لیا جائے اور زلزلے کثرت سے آئیں اور زمانہ قریب ہو جائے (یعنی گھٹنے لگے) اور فتنے ظاہر ہوں اور کشت وخون زیادہ ہونے لگے یہانتک کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے کہ بہنے لگے۔

۱۴۳ **شرح**۔ ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ پانچ چیزیں جو یہاں مذکور ہیں قرب قیامت کی علامات میں سے ہیں۔ اسکے متعلق چند باتیں بیان کرتا ہیں۔

(۱۲۰) یہ علم جو دنیا سے اُٹھایا جائیگا علم منقول ہے یا غیر منقول؟ تو اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ اس سے اُس نور کی طرف اشارہ ہے جسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (فیضان) فہم ہوتا ہے کیونکہ کتابیں تو ہمیشہ رہیں گی بلکہ زیادہ ہوتی رہیں گی لیکن فہم وعمل میں نقص ہوتا رہے گا یہانتک کہ (کسی وقت بالکل ہی اُٹھ جائیگا،، اس سے پہلے بھی ہم ایک حدیث کی شرح میں گفتگو کر چکے ہیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اُٹھائیں گے کہ لوگوں کے دلوں سے اُسکو نکالدیں (بلکہ اس طرح اُٹھائیں گے کہ علماء کو دنیا سے اُٹھا لیا جائے گا)

قولہ منھا ھن العلم الذی یقبض ما المراد بہ الی قولہ ینتزعہ من العباد۔

ف۔ معلوم ہوا کہ علم حقیقت میں نور ہے جو دل میں عمل اور تقویٰ کی برکت سے پیدا ہوتا ہے۔

علم حقیقی وہ نور ہے جسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان فہم ہوتا ہے

Marfat.com

(۱۲۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ زلزلے کثرت سے آئینگے۔ اسپر سوال یہ ہے کہ اس میں (یعنی قیامت کے قریب بکثرت زلزلہ آنے میں) کوئی ایسی حکمت ہے جسکو ہم سمجھ سکیں یا ہمکو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ حکمت تو یقیناً ہے اور (اللہ تعالیٰ کی) عادت جاریہ کے مقتضیٰ پر نظر کرکے وہ حکمت ظاہر بھی ہے مگر یقین کیساتھ کوئی نہیں کہسکتا کہ اس میں یہی حکمت ہے اسکے سوا کچھ نہیں ممکن ہے کہ جو ہمنے سمجھا ہے وہ نہ ہو کچھ اور حکمت ہو بہر حال شریعت کے تتبع (اور اُس میں تدبر) کرنے سے ہمیں زلزلہ کی دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ زلزلہ دو وجہ سے آتا ہے ایک انتقام کیلئے جب وہ کسی سے انتقام لینا چاہیں چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ زلزلہ سے بہت لوگ ہلاک اور برباد ہوئے ہیں حتی کہ ہمارے زمانہ تک بھی ایسا ہو رہا ہے چنانچہ جس وقت میں افریقہ میں تھا تو اتر کیساتھ یہ خبر پہونچی کہ افریقہ کی ایک بستی میں زلزلہ آیا جس سے وہاں کی پوری آبادی زمین میں دھنس گئی اور وہ لوگ اسی قابل تھے کیونکہ اُن میں فساد بہت بڑھ گیا تھا، دوسرے اُن لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کیلئے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ زلزلہ بھی (قدرت کی) نشانیوں ۱۴۴ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وما نرسل بالآیات الا تخویفا (اور ہم ان نشانیوں کو ڈرانے ہی کے واسطے بھیجتے ہیں) اور یقیناً قرب قیامت میں فساد بڑھ جائیگا تو اُس وقت زلزلے بطور عذاب کے بھی آئیں گے اور اسلئے بھی کہ جنکی تقدیر میں سعادت ہے وہ اس سے عبرت حاصل کریں دوسری حکمت یہ ہے کہ قیامت بہت زلزلے کے ساتھ آئے گی۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فدکتا دکۃ واحدۃ نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون حتی اذا فتحنا علیھم بابا ذا عذاب شدید اذا ھم فیہ مبلسون (اور ہمنے اُن کو عذاب سے پکڑا سو وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے نہ عاجزی زاری کرنے لگے یہانتک کہ جب ہمنے سخت عذاب کا دروازہ اُن پر کھولدیا تو اب وہ سٹ پٹاتے رہ گئے) مطلب یہ ہے کہ اول اُنکو معمولی عذاب سے پکڑا گیا تاکہ حجت تمام ہو جائے اور (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں جب اسپر بھی باز نہ آئے تو عذاب مہلک نے اُن کو آلیا۔ پس (صانع) حکیم کی سنت یہی ہے کہ پہلے تھوڑا سا عذاب بھیجتے ہیں تاکہ جس میں خیر کی اہلیت ہے وہ اللہ کی طرف رجوع کرے

اور جو عذاب ہی کے لائق ہیں اُن پر پورا عذاب نازل ہو

(باقی آئندہ)

Marfat.com

اسی قاعدہ کے موافق قیامت سے پہلے بہت زلزلے آئین گے کیونکہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ بندون کو اول ڈرا دیا جائے اگرچہ اس سے اُن لوگون کو نفع نہ ہوگا جن کیلئے عذاب ناگزیر ہے وہ برابر اپنی بدی مین ترقی کرتے رہین گے تو اُن کو سخت بلا کا سامنا ہوگا حکمۃ بالغۃ فما تغنی النذر۔ غرض قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہوگا جس سے تمام زمین ایکدم شکستہ ہوکر ریزہ ریزہ ہوجائیگی تو اس سے پہلے بہت سے زلزلے آوینگے تاکہ ان کی کثرت سے لوگون کو معلوم ہو جائے کہ اسی قسم کا ایک بڑا زلزلہ بھی آنیوالا ہے قولہ ویکثر الزلازل فھل ھذا فیہ معنی من الحکمۃ الی قولہ بوجود الزلزلۃ العظمی من جنسھا

ف۔ آیات الٰہیہ سے عبرت حاصل کرنا صوفیہ کا خاص مذاق ہے وہ ادنی ادنیٰ عذاب سے بھی گھبرا کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہین۔

(۱۲۲) زمانہ کے قریب قریب ہونے (اور گھٹنے) کا کیا مطلب ہے آیا نقصان حسّی مراد ہے یا نقصان باطنی؟ دونون احتمال ہین اور ظاہر یہ ہے کہ دونون ہی مراد ہین کیونکہ آثار مین دونون پر الگ الگ اشارہ وارد ہے، نقصان باطنی تو واقع ہوچکا ہے اب ہمکو نقصان حسّی اور نقصان باطنی (کی حقیقت) کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور آثار مین جو اشارہ دونون کے متعلق وارد ہے اُسکو بھی بتلانا ہے تو (سمجھو کہ) نقصان باطنی کا مطلب یہ ہے کہ عمل مین نقصان واقع ہوگا کیونکہ انسان کی عمر ہی اُس کا رأس المال (اور قیمتی سرمایہ) ہے اور اس کا نفع یہ ہے کہ عمل اچھا ہو اگر با برکت کامون مین کمی ہونے لگے تو زمانہ ناقص ہوگا کیونکہ اُس سے فائدہ کم ہوگا جیسے درخت اور پھل کی حالت ہے کہ اگر پھل مین کمی ہو تو کہا جاتا ہے یہ درخت ناقص ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہین۔ ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات۔ ہم تمکو ضرور آزمائین گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال و جان اور ثمرات کے نقصان سے (معلوم ہوا کہ ان[۵] چیزون کا نقصان بڑی مصیبت ہے جو بطور ابتلاء کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے بطور نعمت کے نہین آتی) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھین جس دن میرے علم کے اندر کچھ ترقی نہو اور نہ مین کسی پر کوئی احسان کرون تو اُس دن آفتاب کا طلوع ہونا میرے واسطے نامبارک ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی بقیہ عمر کی کوئی قیمت نہین ہوسکتی

۱۲۵ (زمانہ اور عمل) وقت مین کمی بے برکتی سے اور عمر و مال مین کمی

[۵] اس آیت کا ربط مقصود شارح سے ظاہر نہین ہوا ۱۲ ظ

Marfat.com

(کیونکہ) وہ اُس میں اپنی بگڑی کو بنا لیتا ہے، اور بگڑی کو بنانے کا طریقہ بجز توبہ اور عمل صالح کے کیا ہے کہ اسکے ذریعہ وہ اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے، اور قلت عمل کا منشا اسکے سوا کچھ نہیں کہ قلوب پر دنیا کی محبت غالب ہو اور اُسی میں دل مشغول ہو۔ دنیا کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دی جاوے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں) اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے بقولہ انتم فی زمان وذکر من صفات اھلہ انھم یبیعون اعمالھم قبل اھوائھم وسیأتی زمان وذکر من صفات اھلہ انھم یبیعون فیہ اھوائھم قبل اعمالھم، تم ایسے زمانہ میں ہو جسمیں خواہش (نفس) پر عمل (صالح) کو مقدم کیا جاتا ہے پھر ایک زمانہ آئیگا جس میں خواہش (نفس) کو عمل (صالح) سے مقدم کیا جائیگا وقال علیہ السلام من ابتلی بحظہ من دنیاہ فاتہ حظہ من اخرتہ ولم ینل من دنیاہ الا ما کتب لہ ومن ابتلی بحظہ من اخرتہ نال من اخرتہ ما احب ولم یفتہ من دنیاہ ما کتب لہ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دنیا کے حصہ کو مقدم کرے گا اُس سے آخرت کا حصہ فوت ہو جائے گا اور دنیا میں سے اُتنا ہی ملے گا جتنا اسکے لئے مقدر ہے اور جو آخرت کے حصہ کو مقدم کرے گا اُسکو آخرت میں اس کی خواہش کے موافق ملے گا اور دنیا بھی جتنی مقدر ہے فوت نہ ہوگی وقال علیہ السلام من شروط الساعۃ وذکر فیہ و تقل العمل۔ نیز آپ نے علامات قیامت میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اُس وقت عمل کم ہو جائے گا، اور اس مضمون میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ ۱۴۷

تو (اس تقریر سے) وہ بات واضح ہوگئی جو (نقصان) باطنی کے متعلق ہم نے عرض کی تھی اور یہ توفقہ اور نقل کے طریقہ پر (کلام) تھا۔ رہے حضرات اہل معاملہ (صوفیہ کرام) تو اُن کے طریق پر (نقصان معنوی کا) بیان یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں وقت ایک تلوار ہے اگر تو اُسکو نہ کاٹے گا وہ تجھے کاٹ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اُسکو عمل (صالح) میں نہ گذاروگے تو وہ تمکو (اس) ٹال مٹول ہی میں ختم کردیگا، یہ تو اعمال آخرت کے نقصان کا بیان تھا اور اب تو اعمال دنیویہ میں بھی نقصان ظاہر ہوگیا اور تمام معاملات میں اچھی طرح واضح ہوگیا ہے۔ چنانچہ اہل صنعت میں سے کوئی بھی اپنی صنعت میں اُس درجہ پر نہیں پہونچ سکتا جو پہلے آدمیوں کے متعلق سنا گیا ہے اسی طرح تاجر اور کاشتکار حتی کہ بادشاہ بھی اُس درجہ پر نہیں پہونچ سکتے اسکے علاوہ تمام دنیوی اسباب و ذرائع میں بہت ہی نقص واقع ہوگیا ہے جس کی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے

مسلمانوں کے اعمال دنیوی اور معاملات میں نقص بھی بے عملی کی وجہ سے ہے

Marfat.com

حقوق و احکام کے بجالانے مین کوتاہی اور سستی کرنے لگے اور باہم ایک دوسرے سے مکر (وفریب)
کرنے لگے ہین اسلئے اُن کے بدن اور مال اور عقل (ہر چیز) سے برکت اُٹھ گئی اور سب پر اس طرح وبال
آگیا کہ لوگون کو پتہ بھی نہین (کہ ہم کیا سے کیا ہوگئے ہین) چنانچہ لوگ تعجب کرتے ہین کہ یہ بے برکتی کہان سے
آگئی حالانکہ ہمنے طلب (اور محنت) مین کوشش کا کوئی دقیقہ نہین چھوڑا - زبان حال اُن (کے سوال
کا جواب دیتی ہے قل ھو من عند انفسکم - کہدو کہ یہ سب کچھ تمہارے ہی ذات سے ہے - کیونکہ
یہ صفات (اور یہ حالات جو تمہارے اندر ہین) تقاضائے ایمان کے خلاف ہین - ایمان تو جیسا رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ (چاہتا) ہے ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا
وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا - نہ باہم حسد کرو نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو نہ پیٹھ موڑ کر چلو اور اے اللہ کے
بندو آپس مین بھائی بھائی ہوجاؤ - نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن اپنے بھائی
مومن کیلئے وہی چاہتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے - نیز آپ کا ارشاد ہے اللّٰہ فی عون العبد ما کان
العبد فی عون اخیہ - اللہ تعالیٰ (اپنے) بندہ کی مدد کرتے رہتے ہین جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان)

ہمدردی اور خیر خواہی خلق سے مال مین برکت ہونیکا عجیب واقعہ

کی مدد کرتا رہتا ہے حضرات سلف کا یہی طریقہ تھا - چنانچہ مین نے ایک تاریخ مین دیکھا ہے کہ ایک
بادشاہ نے کسی ملک پر قبضہ کیا تو خزانہ مین گیہون کے دانے بھی دیکھے جو اُس گیہون سے بہت بڑے
تھے جو عام طور پر لوگون کی نظرون مین رہتا ہے - بادشاہ نے اسکے متعلق تفتیش کی (کہ یہ گیہون کس نے
خزانہ مین رکھے اور کسلئے رکھے) تو ایک بڑے بوڑھے نے جسکی عمر لمبی ہوگئی تھی بتلایا کہ مین اسکی
حقیقت سے واقف ہون بات یہ ہے کہ ایک جوان اور ایک بڈھے نے شرکت مین کھیتی کی تھی جب کھیتی
کٹ گئی اور خرمن تیار ہوگیا تو (دونون نے اسکے دو حصے کرلئے پھر) ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس
غلہ کو باری باری اُٹھانا چاہئیے ایک دفعہ تم اپنے حصہ مین سے کچھ اُٹھا کر گھر پہونچاؤ مین اپنے اور
تمہارے حصہ کا پہرہ دونگا - پھر مین اپنے حصہ مین سے کچھ اُٹھا کر گھر پہونچاؤنگا تم میرے اور اپنے
حصہ کا پہرہ دینا چنانچہ اس قرارداد کے موافق اول بڈھے نے اپنے حصہ مین سے کچھ اُٹھایا اور جوان
پہرہ پر رہا - بڈھے کے بال بچے بہت تھے تو جوان اپنے دل مین کہنے لگا یہ بڈھا آدمی ہے اسکے
بال بچے بھی ہین مجھے اس کی مدد کرنا چاہئیے تو وہ اپنے ڈھیر مین سے کچھ گیہون نکال کر اُسکے ڈھیر
مین ڈال دیتا - پھر جب جوان کے اُٹھانے کی باری آئی اور بڈھا پہرہ پر ہوا اُسنے اپنے دل مین کہا یہ

Marfat.com

جوان آدمی ہے لوگ اسکے پاس (ملنے ملانے کو) زیادہ آتے ہین مجھے اس کی مدد کرنا چاہئے اُسنے بھی
اپنے ڈہیر مین سے گیہون نکال کر جوان کے ڈہیر مین ڈالدیئے۔ غرض دونون یہی کرتے رہے (کہ جوان
اپنے پہرہ کے وقت بڈھے کے ڈہیر مین اپنے گیہون ملاتا رہا اور بڈھا اُسکے حصّہ مین اپنے حصہ سے
ڈالتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ) دونون باری باری گیہون اُٹھاتے رہے اور غلہ (مین برکت ہونے لگی کہ پہلے
سے) بڑہنے لگا حتیٰ کہ گیہون کا دانہ بھی بڑا ہونے لگا یہانتک (برکت ہوئی کہ) دونون ڈھوتے ڈھوتے
تھک گئے غلّہ کے اُٹھانے سے عاجز ہو گئے اور یہ بھی دیکھا کہ غلہ (کا دانہ) بہت بڑھ گیا ہے۔ عام طور پر
جتنا بڑا ہوتا ہے اُس کی حد سے بھی نکل گیا ہے تو ہر ایک نے دوسرے سے قسم دیکر پوچھا کہ تو میرے
پیچھے کیا کرتا رہتا ہے (جو غلہ مین اتنی برکت ہو گئی) تو ایک نے دوسرے کو بتلایا کہ مین تو تیرے
پیچھے ایسا کرتا ہون اُسنے کہا کہ مین بھی یہی کرتا رہتا ہون یہ قصہ بستی مین مشہور ہو گیا یہانتک
کہ بادشاہ کو بھی خبر پہونچی تو اُس نے کسی کو بھیجا تا کہ اس گیہون مین سے تھوڑا سا بادشاہ کے
سامنے پیش کرے۔ جب بادشاہ نے یہ گیہون دیکھا تو کہا اس مین سے کچھ (نمونہ کے طور پر) شاہی
خزانہ مین رکھدیا جائے تاکہ بعد والون کو اس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہو تو دیکھو جب ان دونون ۱۴۸
نے ادب کی ساتھ حقیقت ایمان کا حق ادا کیا تو اُن پر ایمان کی برکتین نازل ہوگئین۔ حق تعالیٰ شانہ
فرماتے ہین ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض
اور اگر ان بستیون کے باشندے ایمان لاتے اور تقوے اختیار کرتے تو ہم اُن پر آسمان وزمین سے
برکتون کے دروازے کھولدیتے (اب نہ ویسا ایمان ہے نہ ویسا تقویٰ تو وہ پہلی سی برکتین بھی نہیں
رہین) رہا حسّی نقصان تو وہ ابھی تک ظاہر نہین ہوا کیونکہ رات اور دن کے گھنٹے بدستور اپنے
حال پر ہین (اگرچہ یہ فرق ضرور ہو گیا ہے کہ ان گھنٹون مین جتنا کام پہلے لوگ کر لیتے تھے اب اتنا
کام نہین ہو سکتا) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حسّی نقصان کی بھی اطلاع دی ہے
چنانچہ ارشاد ہے کہ سال مہینہ کے برابر ہو جائے گا اور مہینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور
دن ایک گھنٹہ کے برابر ہو گا (الی آخر الحدیث) اس علامت کا ظہور ابھی باقی ہے،، وقولہ ویلتز
الزلازل فھل ھذا فیہ معنی من الحکمۃ+ الی قولہ فھذا ما لقی خروجہ،،
ف اعمال صالحہ اور تقوے سے وقت مین برکت ہونا صوفیہ کے نزدیک بلکہ بدیہیات سے ہے

Marfat.com

معتبر طریقہ سے سنا گیا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید دہلوی عصر کی نماز کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور مغرب تک ختم کر لیتے تھے، بعض بزرگان سلف نے تھوڑی عمر مین اس قدر کام کیا ہے کہ اُن کی تصانیف کے اوراق کو اُن کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن ہزار صفحے ہوئے آجکل تو اتنے صفحات کا مسودہ سے نقل کرنا بھی دشوار ہے اُن حضرات نے ان کو لکھا بھی تھا اور تصنیف کے طور پر لکھا تھا جس مین عبارت آفرینی اور تدبر و تامل اور تلاش و تحقیق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان ایام مین سے بچپن اور طالب علمی اور سفر و مرض کے ایام بھی نکال دئے جائین جن کا مستثنیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ اوسطاً ایک ہزار صفحہ روزانہ سے بھی بہت زیادہ ہوجائیگا

(۱۲۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ قتل کی کثرت ہوگی اس سے قتل ناحق مراد ہے کیونکہ حدود (الٰہیہ) کی وجہ سے قتل ہونا تو بستیون کیلئے بھی رحمت ہے اور مخلوق کیلئے بھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی زمین مین اللہ کی حدود مین سے ایک حد کا قائم کیا جانا اس سے بہتر ہے کہ اُسپر مہینہ بھر بارش ہوتی رہے ایک روایت مین (مہینہ بھر کی جگہ) چالیس دن وارد ہے اور قتل ناحق کی کثرت علم اور دین کی کمی ہی سے ہوتی ہے اور قیامت کے قریب یہ دونون کم ہوجائیں گے (تو قتل ناحق کی کثرت ہونے لگے گی) اس کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ قاتل کو خبر نہ ہوگی کہ اُسنے کیون قتل کیا اور مقتول کو پتہ نہ ہوگا کہ اُسکو کس وجہ سے مارا گیا قولہ علیہ السلام ویکثر الھرج وھو القتل الی قولہ ولا المقتول فیما ذا قتل۔

۱۴۹ علم شریعت اور دینداری قتل ناحق سے مانع ہے اور قلت علم و قلت دین فساد کی جڑ ہے

ف- آجکل قتل ناحق کی جسقدر کثرت ہے بیان سے باہر ہے، کافر سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ باہمی جنگ مین صرف فوج ہی پر حملہ نہین کرتے بلکہ کھلی بستیون پر بیدریغ بم برساتے ہین جس سے بہتی بیگناہ رعیت بلاوجہ تباہ ہوتی ہے جس مین عورت و مرد۔ بڑھے جوان۔ بچے بڑے سب ہی ہلاک ہوتے ہین، یہ تو کافرون کا حال ہے۔ اب مسلمانون کا سنئے اُنہون نے بھی کافرون کی دیکھا دیکھی یہی طرز عمل اختیار کر لیا ہے، جب کوئی جماعت کسی بات پر حکومت سے برسر پیکار ہوتی ہے تو وہ ریلون کی پٹریان اُکھاڑ کر پھینکدیتی ہے جس سے ریل گاڑی گر پڑتی ہے حالانکہ اُس مین ناکردہ گناہ مسافر سوار ہوتے ہین کوئی ان سے پوچھے کہ مسافرون نے

Marfat.com

تمہارا کیا بگاڑا تھا جو اُن کے ہلاک کرنے اور لوٹنے کو تمنے جائز سمجھ لیا۔ یہان سے معلوم ہوا کہ علم دین اور سچی دینداری ہی سے دنیا مین امن وامان قائم ہو سکتا ہے، علوم دنیویہ سے دنیا مین فساد ہی بڑہتا ہے آجکل علوم دنیا کی اشاعت ہر جگہ بہت زیادہ ہورہی ہے جا بجا اسکول اور کالج اور یونیورسٹیان قائم ہین مگر کسی طرح فساد مین کمی نہین آتی بلکہ دن بدن ترقی ہے اگر اسکی جگہ علم دین اور دینداری کو ترقی دی جاتی تو یقیناً دنیا فساد سے پاک ہو جاتی ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون ۰ اس حقیقت پر سب سے زیادہ یقین واعتقاد حضرات صوفیہ کو ہے اُن کے نزدیک اعمال سیئہ اور قلت دین سے آفات وبلیات کا نزول اور اعمال صالحہ وتقوی واستغفار وتوبہ سے ان کا مندفع ہونا بدیہیات سے ہے پہلے زمانہ مین عامۂ مسلمین کو بھی اس کا پختہ اعتقاد تھا مگر اب اس مین ضعف پیدا ہو گیا ہے مولانا فرماتے ہین ؎

ابر ناید از پئے منع زکوٰۃ وز زنا افتد بلا اندر جہات

۱۵۰ (۱۲۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے کہ بہنے لگے“ یہان مال سے چاندی سونا مراد ہے اور کچھ نہین اگرچہ عرب کے محاورہ مین اونٹ پر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اپنے عرف مین دوسری چیزون کو بھی مال کہتے ہین اور اس تخصیص کی ایک دلیل تو اسی حدیث مین موجود ہے اور ایک دوسری حدیثون مین ہے اس حدیث مین تو حضور کا یہ ارشاد ہے کہ مال بہنے لگے گا اور یہ صفت حقیقۃً اُن ہی چیزون مین استعمال کی جاتی ہے جو زمین سے نکلتی ہین مال ہو یا پانی (وغیرہ) کبھی مجازاً اور چیزون کیلئے بھی استعمال کی جاتی ہے مگر حقیقت چھوڑ کر لفظ کو مجاز پر بلا دلیل محمول نہین کیا جاتا بلکہ حکم یہ ہے کہ لفظ کو ظاہر پر محمول کیا جائے جبتک کوئی معارض شرعی موجود نہ ہو اور یہان کوئی معارض نہین ہے دوسری حدیثون مین جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث مین آیا ہے کہ نہر فرات (کا پانی ایک جگہ) سے (ہٹے گا اور وہان) سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا لوگ اُس پر باہم قتال کرین گے یہانتک کہ ہر سو مین سے ننانوے قتل ہو جائین گے صرف ایک بچے گا، نیز یہ بھی آیا ہے کہ زمین اپنے خزانون کو اُگلدیگی مگر یہ اُس وقت ہوگا جبکہ لوگون مین حرص بڑھ جائے گی اور حرص کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا

ظہور مہدی کی علامت کثرت مال اور فتنے

Marfat.com

پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دین گے کہ اپنے خزانے نکالدے (اُس وقت مال بہہ پڑے گا) یہانتک کہ آدمی اپنا صدقہ (اور زکوۃ) لیکر نکلے گا تو اُس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا جسکو دینا چاہیے گا وہ کہدیگا کہ اگر تم یہ صدقہ کل لاتے تو ہم لیلیتے آج تو ہمین اس کی حاجت نہین، ان حدیثون سے مال کے ظاہر ہونے اور بہنے کی کیفیت بھی معلوم ہوگئی کہ زمین اپنے خزانے اُگل دیگی اور سونے کا پہاڑ (نہر فرات سے) نکلے گا، اور اس کی جو علت بتلائی گئی ہے یعنی حرص کی ساتھ مال کی قلت وہ تو ہر زمانہ مین موجود ہے (تو اس فتنہ کے ظہور کا ہر وقت اندیشہ ہے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ آفتاب کبھی طلوع نہین ہوتا مگر اُسکے دونون طرف دو فرشتے ہوتے ہین اُن مین سے ایک تو کہتا ہے اللھم اعط لمنفق خلفا اے اللہ مال خرچ کرنیوالے کو (اُس کے مال کا) عوض دیجئے۔ دوسرا کہتا ہے اللھم اعط لممسك تلفا اے اللہ مال جمع کرنے والیکو بربادی دیجئے یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب قلت مال کا سبب حرص ہے تو پھر (غلبۂ حرص کیوقت) مال (زمین سے) کیون نکلے گا (کیونکہ اس علت کا مقتضا تو یہ ہے کہ جب تک لوگون مین حرص کا غلبہ باقی ہو مال کی کثرت نہو بلکہ قلت ہی رہے) جواب یہ ہے کہ مال کے ظاہر ہونے اور زیادہ ہونے مین فتنہ زیادہ ہے بالخصوص 151

جبکہ اُس علت کو بھی اسکی ساتھ ملا لیا جائے جو اوپر مذکور ہوئی کہ صدقہ قبول کرنیوالا بھی کوئی نہ ملیگا اس سے بڑھکر فتنہ کیا ہوگا (کہ مال کے پاک ہونے کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی محض وبال جان ہی ہوگا) اور خود مال کا زیادہ ہونا اور بہنے لگنا بھی بہت بڑا فتنہ ہے (کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ بیشک انسان سرکش ہوجاتا ہے جب وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے تو جب تک غلبۂ حرص کی ساتھ مال کی قلت ہو فتنہ کم ہے اگر مال زیادہ ہو فتنہ زیادہ ہوگا) اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اس مین (قیامت کی) جو علامات بیان کیگئی ہین اُن کی تصدیق کی جائے اور ان امور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین کرکے ایمان کو قوی کیا جائے اور ان فتنون سے بچنے کیلئے وہ عمل کیا جائے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، آپنے ایک دفعہ فتنون کا ذکر فرمایا تو عرض کیا گیا آپ ہمین کیا حکم دیتے ہین اگر ہمارے سامنے یہ فتنے آجائین تو آپنے فرمایا الجئوا الی الایمان والاعمال الصلحت۔ تم ایمان اور اعمال صالحہ کی پناہ ڈہونڈو۔ چنانچہ ان مین سے اکثر علامات اب ظاہر ہوچکی ہین تو کیا صادق مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق کوئی

Marfat.com

اپنی نجات کی تیاری کرنے والا ہے ؟
یہاں ایک صوفیانہ گفتگو بھی ہے وہ یہ کہ جب ان حضرات کو معلوم ہوگیا کہ ان بڑے بڑے فتنون سے بھی نجات ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے تو اُنہون نے یقین کر لیا کہ چھوٹے چھوٹے فتنون سے تو ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ بدرجہ اولی نجات حاصل ہو گی تو اُنہون نے ایمان اور عمل صالح کے سوا کسی کام مین اپنے کو مشغول نکیا بلکہ ہمیشہ کیلئے ان ہی مین لگ گئے، جب اُنہون نے دیکھ لیا کہ اس دنیا کا فناء لابدی ہے تو اُنہون نے اول کو آخر کر دیا اور آخر کو اول کر دیا (یعنی دنیا کو مؤخر اور آخرت کو مقدم کیا) اسلئے فرمایا ہے کہ جب یہ دنیا کا گھر باقی نہین رہے گا تو اس کا سامان بھی فناء ہو گا پس ایسے گھر کیلئے کام کرو جسکو فناء نہین اور جس کا سامان بھی باقی رہنے والا ہے اور اپنے اوقات کو نفع سے آباد رکھو اُنکو (عمل سے) خالی (چھوڑ کر برباد) نکرو،، وقولہ علیہ السلام حتی یکثر فیکم المال فیفیض المال ھنا المراد بہ الفضۃ والذھب الی قولہ ولا تدعہ خالیا
ف حضرات صوفیہ کا حرص وہوا سے منزہ ہونا اور کثرت مال کا طالب نہ ہونا مشاہد ہے ۔ یہ حدیث اُن کے مذاق کی تائید کرتی ہے

۱۵۲ شصت ویکم (حدیث ان لنفسک علیک حقا ولاھلک علیک حقا)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہین کہ مجھسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا مجھے یہ نہین بتلایا گیا کہ تم رات بھر (نماز مین) قیام کرتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہو مین نے عرض کیا بیشک مین ایسا کرتا ہون فرمایا اگر تم (ہمیشہ) ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھین (اندر کو) گڑ جائین گی اور تمہارا بدن لاغر ہو جائیگا (جس سے تکلیف ہوگی) اور تمہاری جان کا بھی تمپر حق ہے تمہارے گھر والون کا بھی تمپر حق ہے پس روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو (رات کو نماز مین) قیام بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو۔

شرح۔ ظاہر حدیث ہمیشہ رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے سے ممانعت پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ بشر اس سے عاجز ہے ۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ۔

(باقی آئندہ)

Marfat.com

(۱۲۵) کسی شخص پر کوئی حکم پوری تحقیق اور تفتیش کے بعد لگانا چاہئے کیونکہ راوی نے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رات بھر نماز پڑھتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہین تو حضور نے عبداللہ بن عمر پر اس روایت سے کوئی حکم نہین لگایا بلکہ پہلے اُن سے دریافت کیا اگرچہ حضور جانتے تھے کہ جس نے آپکو خبر دی ہے وہ بھی سچّا ہے کیونکہ حضرات صحابہ سب کے سب مقام صدق اور دیانت پر فائز تھے مگر تحقیق کا ایک پہلو باقی تھا کہ خود اُس شخص سے بھی دریافت کیا جائے تو حضور نے اس پہلو کو نہین چھوڑا بلکہ اُن سے دریافت کرنے کے بعد جب اُن کی زبان سے خود سُن لیا تب یقین کیا پس آپکے اس دریافت کرنے مین چند مسائل شرعیہ پر دلالت ہی ایک تو وہی جس پر ابھی اشارہ کیا گیا دوسرے یہ کہ تحقیق روایت کے متعلق قاعدہ شرعیہ مقرر کردیا جائے (کہ راوی ثقہ اور صادق بھی ہو جب بھی دوسرے پر کوئی حکم اُس وقت تک نہ لگایا جائے جب تک خود اُس سے معاملہ کی تحقیق نہ کرلی جائے) اور (تیسرے) یہ کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس وقت اس عمل کے متعلق اُس کی کوئی خاص نیت تھی جسکو زبان سے ظاہر نہین کیا اور اسی لئے وہ نقل مین نہین آسکی یا کوئی خاص نیت نہ تھی۔ نیز یہ ۱۵۳
بھی معلوم ہو جائے کہ یہ عمل کسی شرط پر معلّق تھا یا نہین اور اس شرط کا علم راوی کو تھا یا نہیں یا مروی عنہ نے یہ بات ویسی ہی کہدی تھی اس پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا اسلئے آپنے دریافت کیا تاکہ یقین کی ساتھ معلوم ہو جاوے کہ آیندہ کے لئے کیا ارادہ ہے اسکے سوا اور بھی بہت احتمالات ہین جنکو رفع کرنے کیلئے سوال کیا گیا واللہ اعلم۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ سنت کی چند قسمین ہین۔ اُن مین سے ایک سنت تو وہ ہے جسپر عمل کرنا واجب ہے گو اُسکے ثبوت کا یقین نہ ہو مثلاً دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرنا کیونکہ اُن کے متعلق غلطی کا بھی احتمال ہے اور سچا ہونا بھی ممکن ہے مگر ہمکو اُن کی شہادت پر حکم نافذ کرنے کا امر ہے جبکہ اُن کا عادل ہونا متیقن ہو۔ پس جو شخص کسی حکم کو اس حال مین نافذ کردے کہ شریعت کے موافق اُسکے سبب کا پورا ثبوت نہین ہوا تو اُس کا یہ فعل سراسر گمراہی ہے اگرچہ نفس الامر مین اُس کا فیصلہ بعینہٖ حق کے موافق ہی کیون نہ ہو کیونکہ ہمکو غیب پر حکم لگانے کا امر نہین کیا گیا بجز اللہ عز وجل پر ایمان لانے کے کہ یہان غیب پر حکم لگانے کا امر کیا گیا ہے۔ قولہ الوجہ الاول منہا ان الحکم لا یکون الا علی اکمل وجوہ التحقیق

Marfat.com

والتثبیت الی قولہ الا فی الایمان بہ عزوجل حیث امر نا بہ،،

ف حضراتِ صوفیہ مین جو علم ظاہر و باطن کے جامع ہین وہ روایات پر عمل کرنے مین بہت احتیاط سے کام لیتے ہین بدون تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہین لگاتے، بعض صوفیہ جو علم ظاہر کے جامع نہیں ہین حُسن ظن کی بنا پر روایات مین تساہل کر جاتے ہین یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتابون مین ضعاف اور احادیث موضوعہ کثرت سے پائی جاتی ہین مگر محققین صوفیہ کی یہ شان نہین واللہ تعالیٰ اعلم۔

[illegible] ۱۵۴

(۱۴۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی نگرانی مین کچھ رعیت ہو خواہ چھوٹی رعیت ہو یا بڑی اُسے اپنی رعیت کے جزئیات احوال کو معلوم کرنا چاہئے اور رعیت مین سے جسکو بھی کسی کے احوال کی کچھ خبر ہو اُسپر واجب ہے کہ سردار کو اُن احوال سے مطلع کردے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث مین) عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا ہے کیا مجھکو یہ نہین بتلایا گیا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو الخ اگر آپنے خود اُسکو دریافت نکیا ہوتا اور صحابہ کے نزدیک یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ اُنکو اپنے اور دوسرون کے جن احوال کا علم ہو اُس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتے رہین تاکہ اُسکے متعلق حکم الٰہی معلوم ہو جائے تو حضور کو کوئی بھی یہ خبر نہ پھونچاتا کیونکہ آپ کی ہیبت صحابہ کے دلون مین بہت تھی یہانتک کہ وہ اس تمنا مین رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آکر آپ سے کچھ دریافت کرے تو حضور جو کچھ جواب مین فرمائین اُسکو سنین اور اُس سے فائدہ حاصل کرین،، (تو بدون آپکے دریافت کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی بات حضور تک پھونچاتا)

قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان کل من کان مسترعی رعیۃ صغری او کبری الی قولہ فیستفیدون

ف اس دلیل و استدلال مین نظر ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے متعلق حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے من رآہ[عہ] بدیہۃ ھابہ ومن خالطہ نبشاشۃ احبہ جس سے واضح ہو گیا کہ ہر وقت کے پاس رہنے والون پر زیادہ ہیبت غالب نہوتی تھی بلکہ محبت غالب ہوتی تھی، احادیث و سیر کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہے کہ حضرات صحابہ بلا تکلف آپکے سامنے ہر قسم کی باتین کرلیا کرتے تھے حتے کہ غلام اور باندیان اور مسلمانون کے بچے بھی آپ سے بے تکلف تھے اور یہ جو ایک حدیث مین آیا ہے کہ صحابہ اس تمنا مین رہتے تھے کہ کوئی دیہاتی آکر آپ سے کچھ سوال کرے تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ صحابہ ہیبت کی وجہ سے آپکے سامنے

عہ جو آپکو دفعۃً دیکھتا اس پر آپکی ہیبت غالب ہوتی اور جو دل کھول کر ملتا جلتا اُس پر محبت غالب ہوتی تھی ۱۲ ادا

Marfat.com

بات نکر سکتے تھے صرف یہ معلوم ہوا کہ سوالات نہین کر سکتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے بعض بے تکلف سوالات سے ایک دفعہ آپ کو ایذا پہونچی تھی کیونکہ وہ سوالات بے ضرورت تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الذین آمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم جس مین اس قسم کے سوالات سے ممانعت کر دیگئی اسکے بعد صحابہ سوالات مین احتیاط کرنے لگے اور کسی عاقل دیہاتی کے آنے اور سوال کرنے کی تمنا کرنے لگے تھے کیونکہ دیہاتیون کے سوالات سے حضور پر گرانی نہ ہوتی تھی، رہا یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ہوئی سو اسکے متعلق کنز العمال مین تاریخ حاکم کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اُنکے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ عبداللہ رات بھر نماز پڑھتے ہین اور دن کو روزہ رکھتے ہین تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ (رات کو) نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو (اور دن مین) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو اور اپنے باپ عمرو بن العاص کی اطاعت کرو - ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے

155 کہ عبداللہ بن عمرو کی والدہ نے بھی اُن کی شکایت کی تھی کہ عبداللہ نے تو دنیا کو ترک ہی کر دیا ہے اُس سے کچھ واسطہ نہین بیویون کو چھوڑ دیا ہے اُن سے کچھ مطلب ہی نہین نہ وہ گوشت کھاتے ہین (ج ۷ ص ۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو کے جزئیات احوال کو خود دریافت نہین کیا بلکہ اُن کے والدین نے شکایت کی تھی اور اُنکے والدین کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت کا ایسا تعلق تھا کہ حضور کی ہیبت اس قسم کی باتون سے اُنکو مانع نہ تھی، یہ تو اس دلیل و استدلال پر کلام تھا باقی حضرت شارح کا مدعی اس دلیل پر موقوف نہین - دوسرے دلائل سے یہ مدعی ثابت ہے کہ ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتون کے احوال وافعال کی خبر گیری کرنا چاہئے البتہ تجسس سے پرہیز کرنا چاہئے کہ قرآن و حدیث مین تجسس سے نہی وارد ہے، ماتحتون کے احوال و افعال کی خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام اُن کے سپرد کرکے بیفکر نہ ہو جائے بلکہ تحقیق کرتا رہے کہ وہ اس کام کو کس طرح انجام دیتے ہین اور اگر اُنکے دوسرے اعمال کے متعلق کوئی شکایت پہونچے تو اُس کی پوری تحقیق کرکے اُن کو تنبیہ کیجائے واللہ تعالے اعلم -

Marfat.com

عبادات میں فرائض کو مقدم رکھنا چاہیے

(۱۲۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت مین فرائض (مستحبات و نوافل پر) مقدم کرنا مناسب ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہاری جان کا تم پر حق ہے تمہارے گھر والون کا تم پر حق ہے (تو آپ نے حقوق نفس اور حقوق اہل کو شب بیداری اور صوم دہر پر مقدم کرنے کا امر فرمایا ہے)

اس جگہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نفس کے حق سے کیا مراد ہے اسی طرح اہل کے حقوق کیا ہین؟ اور اہل سے یہان کون مراد ہے؟ سو حق نفس کے بارہ مین حضرات فقہاء اور اہل معاملات (یعنی صوفیہ کرام) مین اختلاف ہوا ہے، فقہاء تو یہ فرماتے ہین کہ حق نفس یہ ہے کہ جن حظوظ کی بوجہ بشریت کے نفس کو حاجت ہے اُن کو پورا کیا جائے (جیسے کھانا پینا سونا بیوی کے پاس جانا) اور کسی وقت نفس کو راحت بھی دی جائے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (دوسری حدیث مین) فرمایا ہے روحوا القلوب ساعۃ بعد ساعۃ، دلون کو کچھ کچھ دیر کے بعد آرام بھی دیا کرو۔ نیز آپ کا ارشاد ہے ان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقی۔ تیز دوڑانے والے نے نہ تو مسافت ہی کو طے کیا نہ سواری کو سلامت رکھا (کیونکہ برابر تیز دوڑانے کا نتیجہ ۱۵۴
یہی ہوتا ہے کہ جانور چلنے سے رہ جاتا ہے) مگر ان حضرات کے نزدیک بھی اس حظ کے پورا کرنیکی شرط یہ ہے کہ سنت کے موافق پورا کیا جائے اور اہل معاملات (صوفیہ کرام) فرماتے ہین کہ نفس کا تم پر حق یہ ہے کہ اُسکو مولیٰ کے سوا سب سے الگ کر دو (اس صورت مین یہ حدیث ایسی ہو گئی جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انصر اخاک ظالما او مظلوما اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسکو ظلم سے روک دے (حالانکہ ظلم سے روکنا اُسکو ناگوار ہو گا مگر اُس کا حق نصرت اسی طرح ادا ہو گا اُس کی ناگواری کی پروا نکی جائے گی اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے منقطع کر دینا اگرچہ اُسکو ناگوار ہو مگر اُس کی خیر خواہی کا حق اسیطرح ادا ہو گا خوب سمجھ لو) اور دونون قولون کو جمع کرنا بھی ممکن ہے اس صورت مین تقریر یہ ہو گی کہ تعلقات قلبیہ مین تو حق نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے اُسکو منقطع کر دو اور اسباب (ظاہرہ) مین حق نفس یہ ہے کہ خلاف شرع اسباب سے اُسکو جدا کر دو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ قلوب کو تمام احوال مین اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے

Marfat.com

لگاؤ نہ رہے (ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہے) اور اسباب ظاہرہ مین جو تصرف بھی ہو شریعت کے مطابق ہو جسکی رفعت شان پر سب کا اتفاق ہے اس طریقہ کی شاہد آثار نبویہ مین حضرت معاذ کی حدیث ہے جب اُنکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی ساتھ یمن بھیجا تاکہ لوگون کو دین کی تعلیم دین چنانچہ یہ دونون وہان پہونچے اور لوگون کی تعلیم کیلئے ایک ایک سمت کو روانہ ہو گئے جیسا کہ اُن کو امر کیا گیا تھا پھر کسی موقعہ پر دونون کا اجتماع ہوا تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا مین اُسکو (نماز مین) کھڑا ہوکر بھی پڑھتا ہون بیٹھکر بھی پڑھتا ہون لیٹ کر بھی پڑھتا ہون وقفہ وقفہ سے پڑھتا رہتا ہون۔ رات بھر نہین سوتا۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ مین تو (رات کو نماز مین) کھڑا ہوکر پڑھتا بھی ہون اور سوتا بھی ہون اور جیسا قیام سے ثواب کی امید رکھتا ہون اسی طرح سونے مین بھی ثواب سمجھتا ہون۔ پھر دونون اس اختلاف کا خود فیصلہ نہ کر سکے اور کسی نے دوسرے کی بات کو افضل نہ مانا یہانتک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر

۱۵۷ ہوئے اور آپ سے اس اختلاف کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا اے ابو موسیٰ معاذ تم سے زیادہ سمجھدار ہین، جو قیام (لیل) بھی کرتے ہین اور سوتے بھی ہین (اسی کے مناسب) بعض بزرگان طریق کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ اُن کو مناجات اور فضل (خداوندی) کی خاص حالت میسر ہوئی تو دعا کی کہ یہ حالت میرے لئے ہمیشہ رہا کرے تو اُن سے (بطریق الہام کے) کہا گیا تم بشر نہین ہو اور بشریت کے رہتے ہوئے یہ حالت ہمیشہ نہین رہ سکتی (ـه

در بزم عیش یک دو قدح درکش و برو یعنی طمع مدار وصال دوام را ۱-۱۲ حافظ)

بس جب تم ہمارے حکم اور نہی کی طرف رجوع کرتے رہو (ہمارے حکم کو بجالاؤ اور جس فعل سے منع کیا گیا ہے اُس سے باز رہو) تو تم ہمیشہ ہمارے پاس رہو گے (یعنی قرب کا مدار احوال پر نہین بلکہ اعمال پر ہے تم اپنے اعمال کو شریعت کے موافق رکھو ہر حال مین مقرب رہو گے احوال ہون یا نہون اگرچہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ استقامت اعمال سے استقامت احوال بھی عطا ہو جاتی ہے مگر احوال کیلئے دوام لازم نہین) رہا یہ کہ یہان اہل سے کون مراد ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ بیوی بچے وغیرہ جن کا نفقہ مرد کے ذمہ ہے سب ہی مراد ہون کیونکہ اگر انسان

Marfat.com

ہر وقت عبادت میں مشغول رہے گا ان کے حقوق کا ادا کرنا دشوار ہو جائے گا حالانکہ ان حقوق کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اہل سے صرف بیوی مراد ہو کیونکہ شوہر پر اُس کا حق یہ بھی ہے کہ اُس سے مقاربت کرے اور روزہ اور شب بیداری (کی کثرت) اس میں کمی کا باعث ہو گی جس سے ایک حق واجب میں خلل واقع ہو گا۔ مگر عام معنے پر حدیث کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں زیادہ فائدہ ہے (اور اس حدیث میں اہل کو زوجہ پر محمول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد اور ماں باپ وغیرہ کا حق بندہ کے ذمہ نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ چونکہ صحابی کے والدین نے خاص طور پر یہ شکایت کی تھی کہ عبداللہ کو تو نہ دنیا سے واسطہ نہ بیوی سے مطلب۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خصوصیت کیساتھ بیوی کے حق کی تاکید فرمائی بقیہ حقوق میں کوتاہی کی کسی نے شکایت نہ کی تھی تو یہاں اُن کے ذکر کی حاجت نہ تھی دوسرے مواقع پر بہت احادیث میں حضور نے جملہ اہل حقوق کے حقوق پر تنبیہ فرمادی ہے) قولہ الوجہ السادس فیہ دلیل علی ان الاولیٰ فی

۱۵۸ العبادۃ تقدیم الفرائض الی قولہ وحملہ علی الاعم اولی لانہ اکبر فی الفائدۃ۔''

ف یہ ہے اصلی اور حقیقی تصوف کہ فرائض کو نوافل و مستحبات پر مقدم کیا جائے لیکن آجکل کے جاہلوں کا تصوف یہ ہے کہ نماز قضا ہو جاوے روزہ قضا ہو جائے مگر پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ قضا نہیں ہو سکتا، بعضے جاہل صوفی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمنے تیس برس سے بیوی بچوں کی صورت نہیں دیکھی۔ بعضے اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم سے کسی بزرگ کا کوئی عُرس فوت نہیں ہوتا برابر ہر عرس میں شریک ہوتے ہیں، حالانکہ اس کی وجہ سے اُن کی صدہا نمازیں ریل کے سفر میں قضا ہو جاتی ہیں یا بیڈھنگے پن سے پڑھی جاتی ہیں مگر ان جاہلوں کے نزدیک نماز روزہ میں وہ ثواب کہاں جو عُرس اور قوالی میں ہے استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان لوگوں نے کیسا شریعت اسلامیہ کو مسخ کیا اور کس بری طرح تصوّف کو بدنام کیا ہے، یاد رکھو نہ یہ لوگ صوفی ہیں نہ ان کو تصوف کی ہوا لگی۔ تصوف تو اس کا نام ہے کہ دل نور ذکر سے منور ہو جاوے اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے اور اعمال میں شریعت کی پوری پوری موافقت ہو۔ جسکو یہ دولت حاصل ہے وہ صوفی ہے

Marfat.com

ورنہ مدعی اور جاہل ہے

ف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مدار قرب احوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ یہ بات آب زر سے لکھنے کی ہے۔ حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم نے اپنے مواعظ و ملفوظات میں بار بار اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور تکمیل میں سعی کرنا چاہئے کہ قرب اسی سے عطا ہوتا ہے ایک دفعہ سبحان اللہ دل سے خلوص کی ساتھ کہنے سے تو قرب ہوگا مگر گھنٹہ بھر کے استغراق اور دن بھر کے جوش و خروش سے کچھ بھی قرب نہ ہوگا کیونکہ احوال کو قرب میں دخل نہیں وہ تو صرف سہولت اعمال کیلئے عطا ہوا کرتے ہیں تاکہ سالک کی ہمت عمل کیلئے بلند رہے خود مقصود نہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے دسترخوان پر چٹنی کہ وہ غذا کیلئے معین ہوتی ہے خود مقصود نہیں ہوتی انسان کو چٹنی کے ذریعہ غذا سے پیٹ بھرنا چاہئے اگر کوئی چٹنی کی لذت پاکر اسی سے پیٹ بھرنے لگے یقیناً نقصان اٹھائے گا اور سب اسکو احمق بتلائیں گے"

(۱۲۸) حدیث میں (انسان کی بشری کمزوریوں پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ تکلف کی ساتھ ۱۵۹
قدر تحمل طبعی سے زیادہ عمل کرنا اکثر ضرر اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے (فانک ان فعلت ذلک) ھجمت عینٰک ونفهت نفسك (اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری آنکھیں (اندر کو) گڑ جائینگی اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے گا، اس کلام کا پرشوکت عنوان بتلا رہا ہے کہ طبیعت انسانی اپنے ضعف کی وجہ سے اس عمل کا تحمل نہیں کرسکتی جس کا ان صحابی نے ارادہ کیا تھا اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو وصال صوم سے منع فرمایا تھا (وصال صوم یہ ہے کہ لگاتار روزے رکھتا چلا جائے درمیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھائے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو ایسا کرتے ہیں فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے رات کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حسی طور پر آپ دغیبی کھانا کھاتے تھے کیونکہ اس صورت میں آپ کا وصال باقی نہ رہتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جیسی کھانے پینے والیکو (غذا سے) قوت حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

اسی بناء پر ایک بزرگ جب وصال کا ارادہ کرتے ایک روٹی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیتے تھے
ایک دن وہ کسی ضرورت سے باہر گئے تو کسی درویش نے وہ روٹی تکیہ کے نیچے سے نکال لی جب بزرگ
واپس آئے اور تکیہ کے نیچے روٹی کو نہ پایا پوچھا یہاں سے روٹی کہاں گئی ؟ درویش نے کہا حضور
آپ جیسے شخص کو اس روٹی کی ضرورت ہی کیا ہے (وہ تو کئی دن سے ویسی ہی رکھی ہوئی تھی ہمنے اُسکو
الگ کر دیا کہ جب کھاتے نہیں تو فضول رکھنے سے کیا فائدہ ؟) فرمایا ادب کی رعایت کرو کیا تمہارا
یہ خیال ہے کہ اسوقت میری جو حالت تم دیکھ رہے ہو یہ میری طبعی (اور فطری) حالت ہے (ہرگز نہیں
بلکہ محض فضل الٰہی اور فیض ربانی (اس کا سبب) ہے تو اگر کسی وقت مجھے حالت بشری کی طرف
لوٹا دیا جاوے (اور یہ فیض و مدد روک دی جائے) اسوقت اگر میرے پاس یہ روٹی ہوگی تو میں اس سے
دشمن کو دفع کرسکونگا (یعنی بھوک کو جو کبھی ہلاکت کی طرف مفضی ہو جاتی ہے اسی لئے اُسکو دشمن
کہد یا گیا یا شیطان کو دفع کرسکونگا جو فیض و مدد باطنی کے بند ہونے کے وقت سالک کو بہکانے
آتا ہے کہ لو تمہاری محنت و ریاضت کی وہاں یہ قدر کی گئی کہ مدد بند کردی گئی اب تم ہلاک ہو جاؤ گے
تو اُس وقت روٹی تکیہ کے نیچے سے نکال کر اُسکے وسوسہ کو دفع کر دیا جائے گا کہ میرے ۱۶۱۰
مالک نے ایک مدد بند کردی تو دوسری امداد تو اُس کی طرف سے موجود ہے کہ اُس نے
مجھے روٹی کھانے کو دی ہے جس سے بھوک کو دفع کرکے قوت حاصل کرسکتا ہوں)
اسی حقیقت کی بناء پر احکام کو اصلی اور اکثری حالت پر مبنی کیا گیا ہے مثلاً تین دن وقت کے
فاقے کے بعد مردار کو حلال کردیا گیا کیونکہ طبیعت انسان کی اصلی وضع اپنی کمزوری کی وجہ سے
اس مقدار سے زیادہ فاقہ کا تحمل نہیں کرسکتی اگر اس سے زیادہ کا تحمل کیا جائے گا تو انسان
کی حالت میں خلل واقع ہوگا جس سے بعض دفعہ موت کی نوبت آجائے گی اور اللہ تعالے فرماتے
ہیں مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم - اللہ تعالیٰ کو تمہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے
اگر تم شکر کرتے رہو اور ایمان لے آؤ (تو کسی حالت میں انسان کو ہلاکت میں پڑنے کی ضرورت
نہیں بلکہ جب خدا نے اجازت دیدی ہے بے تکلف مردار کھا کر اپنی جان بچائے اور قوت حاصل کرکے
ایمان اور عمل صالح میں ترقی کرے، عبدیت اور بندگی اسی کا نام ہے اسوقت طبعی نفرت پر عمل
کرکے مردار سے احتراز کرنا اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا خدا کی بندگی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی بندگی ہے، عاشق کی
شان یہ ہونا چاہیئے ؎ چون طمع خواہد زمن سلطان دین * خاک بر فرق قناعت بعد ازین -
(باقی آئندہ)

Marfat.com

عشق ومحبت کی شان یہ ہے کہ اگر ایک وقت محبوب سر پر تاج شاہی رکھے تو جیسا اُسوقت
خوش ہوکر محبوب کا شکریہ ادا کرتا ہے اسیطرح اگر دوسرے وقت تاج شاہی سر سے اُتار کر
ایک بھنگی کے سامنے عجز ونیاز کا حکم دے تو اس حکم کو بھی خوشی سے بلا چون وچرا بجالائے
عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن . دل بدست دگرے دادن وحیران بودن")
پھر اگر انسان کو کسی وقت اس سے زیادہ قوت عطا ہوجائے (کہ تین وقت سے زیادہ فاقہ
کرنے سے بھی اُسکو ضعف اور کمزوری نہو) تو یہ محض فضل واحسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکے
لئے دوسرا دروازہ کھولدیا ہے کیونکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے دوسروں کیلئے کھانے پینے سے قوت
عطا کرنے کا قانون مقرر کیا ہے اسیطرح اپنے خاص بندوں کیلئے بدون کھانے پینے کے قوت اور
ہمّت عطا کرنے کا قاعدہ جاری کردیا ہے تاکہ وہ اللہ کے سوا کسی کی طرف التفات نکریں تو جو
شخص اس شان کو دیکھکر (وصال صوم کو) اختیار کرکے ان لوگوں کی حرص کرنے لگے حالانکہ ابھی
اُسکو یہ فیض حاصل نہیں ہوا تو اُس کی حالت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور یہ شخص اس آیت کا مخاطب
ہوگا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مگر یہ کہ کسی کے ١٦١
ساتھ اس وجہ سے لطف کا معاملہ) ہوجائے کہ بزرگوں کیساتھ اُسکو حسن ظن ہے اُن کی
حالت کی تصدیق (اُسکے دل میں) ہے تو اور بات ہے لیکن غالب یہی ہے کہ اس شخص کو (ابتدا میں)
دشواری پیش آئے گی پھر بزرگوں کی حرمت کی وجہ سے دشواری اُٹھادی جائے گی، قولہ فی الوجہ
السابع فیہ دلیل علی ضعف البشریۃ الی قولہ ثم یحیل عنہ الحرمۃ
(۱۲۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین میں جس عمل کو مستحب کہا گیا ہے وہ بھی ہر حال میں مطلوب ہے
کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صم وافطر وقم ونم روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو
رات کو اُٹھو بھی اور سوؤ بھی اسکے اشارہ سے مستحب کا مطلوب ہونا مفہوم ہورہا ہے اور اشارہ کلام
اور فحوی کلام کا حکم وہی ہے جو نص کا حکم ہے مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا تو گویا رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کلام کے ضمن میں یہ فرمارہے ہیں کہ ادائے حقوق (زوجہ وغیرہ) میں ایسے
مشغول نہو کہ مستحبات کو بالکل ہی نظر انداز کردو بلکہ فرض اور مستحب دونوں کو بجالاتے رہو، اگر تم
قواعد شریعت میں غور کروگے تو سبکو اسی انداز پر پاؤگے (کہ فرائض اور مستحبات دونوں ہی کے

Marfat.com

اہتمام کا حکم کیا ہے) پس جسکے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے (کہ فرائض مین کوتاہی ہو رہی ہے یا مستحبات مین) جس سے کامیابی کا راستہ اسکو نظر آجاتا ہے اسیلئے (ایک بزرگ نے) فرمایا ہے کہ تمہارا اپنے نفس پر نظر کرنا سوا سے حجاب ہو جاتا ہے (یعنی ایسا شخص دوسرون کی خبرگیری اور خدمت نہین کرتا نہ اُن کے حقوق ادا کرتا ہے) اور اپنے نفس کے سوا دوسری چیزون مین مشغول ہونا اپنے نفس سے حجاب ہو جاتا ہے (کہ ایسا شخص اپنے نفس کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ نہین ہوتا دوسرون ہی کی فکر مین رہتا ہے پس نہ ہمہ تن دوسرون مین مشغول ہو نہ ہمہ تن اپنے نفس مین مشغول ہو بلکہ دوسرون کا حق بھی ادا کرے اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کرے) پھر اگر تمکو اپنے نفس (کی اصلاح و فکر) سے عُجب ہونے لگا (اپنے کمالات پر نظر کرکے اپنے کو کچھ سمجھنے لگا) تو دوسرون سے کچھ فائدہ نہ پہونچے گا اور اگر (اصلاح نفس مین اس طرح لگے رہے کہ) اپنے نفس (کے کمالات) سے اندھے بن گئے تو اپنی ذات سے بھی تمکو خیر حاصل ہوگی اور دوسرون سے بھی فائدہ پہونچے گا قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان

الملذ وب فی الدین مطلوب علی کل حال الی قولہ نلت خیرھا و خیر ما سواھا۔ ۱۶۲

ف اپنے نفس سے اُسی کو نفع پہونچتا ہے جو اُس کی فکر اصلاح سے غفلت نکرے ہمیشہ اسکو مہتم سمجھے اور دوسرون سے نفع اُسکو پہونچتا ہے جو اپنے کو سب سے کمتر سمجھے پانی نشیب کی طرف جاتا ہے بلندی کی طرف نہین چڑھتا اور اگر کبھی اتفاق سے بلندی پر جاتا بھی ہے تو نشیب کو بہہ کر جاتا ہے یہی حال فیض باطن کا ہے ؎

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود　　　ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

شصت و دو (۶۲) حدیث الاستخارۃ فی الامور کلہا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمکو تمام کامون مین استخارہ کی تعلیم (اس تاکید سے) فرماتے تھے جیسا قرآن کی سورت (اہتمام کے ساتھ) سکھلایا کرتے تھے، فرماتے کہ جب کسیکو کسی کام کا فکر (و تردد) ہو تو دو رکعتین نفل پڑھے اُن کے بعد یون کہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ

Marfat.com

بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ - اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ

(ترجمہ) اے اللہ میں آپ سے تجویز خیر طلب کرتا ہوں آپکے علم کے وسیلہ سے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت کے طفیل، اور مانگتا ہوں آپ سے آپکے بڑے فضل کا کچھ حصہ کیونکہ آپ قادر ہیں میں قادر نہیں آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ آپ تو علام الغیوب ہیں یا اللہ اگر آپکے علم میں یہ کام میرے لئے خیر ہو (یہاں مقصود کا نام لے یا تصور کرے) میرے دین میں بھی دنیا میں بھی اور انجام کار میں بھی تو اسکو میرے لئے تجویز کر دیجئے اور میرے لئے آسان بھی کر دیجئے پھر اس میں میرے لئے برکت (و ترقی) بھی دیجئے۔ اور اگر آپکے علم میں یہ کام میرے لئے شر ہو (یہاں بھی مقصود کا نام لے یا تصور کرے) میرے دین میں اور دنیا میں اور انجام کار میں تو اسکو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھے (بھی) اس (کے خیال) سے ہٹا دیجئے اور جہاں کہیں بھی خیر ہو اسکو میرے لئے مقدر فرما دیجئے پھر مجھے اس سے راضی رکھیئے"

فرمایا اور (درمیان میں) اپنی حاجت کا نام بھی لے (ترجمہ میں تو اس کا موقعہ بتلا دیا گیا اور اصل دعا میں اس کا موقعہ لفظ ھذا الامر ہے)۔

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دعائے استخارہ پر ترغیب دیا کرتے تھے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے"

صوفیہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی کام کے لئے استخارہ کیا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے (کسی جانب) کوئی فیصلہ کر دیا (مثلاً وہ مقصود پورا کر دیا یا اس سے دل کو ہٹا دیا یا ایسے اسباب پیدا کر دئے جس سے وہ معاملہ خود ہی ہٹ گیا) اور بندہ اس فیصلہ سے راضی نہ ہوا تو یہ انکے نزدیک کبائر میں سے ہے (یعنی بڑا گناہ ہے) جس سے توبہ کرنا اور باز آنا واجب ہے کیونکہ

بے سود ادب ہے۔ صوفیہ کا یہ ارشاد بہت ظاہر ہے کیونکہ جب بندۂ مسکین نے اپنے ایسے بڑے آقائے جلیل کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُسکے لئے جو صورت مناسب ہو تجویز کر دی جائے پھر یہ اللہ کی تجویز سے کیون راضی نہین ہوتا؟ یہ حالت تو نفاق کے مشابہ ہے بلکہ یہی تو عین نفاق ہے کیونکہ اس نے اپنا فقر اپنی احتیاج ظاہر کی (اور زبان سے) معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور دل مین اُسکے خلاف تھا اس حالت کو اُسکے اس قول سے کیا تعلق اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ (کہ یا اللہ مین آپ سے تجویز خیر طلب کرتا ہون آپکے علم کے وسیلہ سے، اللہ سے تجویز کی درخواست کرنا پھر اُس کی تجویز سے راضی نہونا دلگیر ہونا یہی تو نفاق ہے) ایک حدیث مین یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کسی پر اُس شخص سے زیادہ غضبناک نہین ہوتا جس نے مجھسے کسی معاملہ مین استخارہ کیا مین اُسکے متعلق ایک فیصلہ کر دیا پھر وہ میرے فیصلہ سے ناگواری ظاہر کرے۔ اوکما قال۔

قولہ بعد شرح الفاظ الحدیث وقد ذکر اھل الصوفۃ انہ من استخار فی شیٔ الی قولہ

۱۶۴ قضاء فکرہ اوکما قال

(۱۱۹) اسمین صوفیہ کیلئے بہت بڑی دلیل ہے جو ہمیشہ کیلئے فقر و احتیاج اور ہر سانس مین اللہ کی طرف یکسوئی کو اختیار کئے ہوئے ہین کیونکہ جب ذرا سی دیر کی احتیاج سے (جو استخارہ مین ظاہر کی جاتی ہے) اتنا بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے (کہ بندہ کی دو رکعت نماز اور اُسکے بعد دعا اللہ تعالیٰ کے دربار مین شفیع بن جاتی ہے) تو اگر یہ حالت دائمی ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ (خود ہی سمجھ لو ؎

آن دعائے بیخودان خود دیگر ست | آن دعا زو نیست گفت داور ست
آن دعا حق می کند چون او فناست | آن دعا ہا را اجابت از خداست
چون خدا از خود سوال و کد کند | پس دعائے خویشتن چون رد کند ۱۲)

صوفیہ مین سے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کسی درویش کو کوئی حاجت پیش آتی اُسکے متعلق اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے تو وہ اللہ کے فضل سے (بہت جلد) پوری ہو جاتی۔ اسپر کوئی درویش عرض کرتا کہ حضرت یا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا لیجانا بھی کتنی بڑی دولت ہے تو اُن کا جواب یہ ہوتا تھا کہ تم اُس سے ہٹے ہوئے کب ہو جو اُس کی طرف

Marfat.com

رجوع کرنے کی ضرورت ہو (التجا تو وہ لیجاوے جو اللہ سے غافل و محجوب ہے اور تم تو ہر وقت اسکی
طرف متوجہ ہو) ان بزرگون کے الفاظ مین غور کرو کسطرح اصول شریعت کے موافق
حد اعتدال پر کیسے ہوئے ہوتے ہین اگرچہ اُن مین سے بعضون کو یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ
اس موقع کے لئے کیا قاعدہ ہے (کیا جواب مناسب ہے) مگر اللہ تعالےٰ وقت پر اُن کی امداد
فرماتے ہین اُن کی زبان سے وہی نکلتا ہے جو موقع کے مناسب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکو جس دروازہ سے رزق دیا جائے اُسی کو لگا رہے اور
جب ہماری خیر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے مین ہے تو اس دروازہ سے کسی وقت ہٹنا چاہئے
کہ رجوع کی ضرورت ہو جیسا ان بزرگ نے فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے حق تعالےٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے من شغلہ ذکری عن مسألتی اعطیتہ
افضل ما اعطی السائلین جسکو میری یاد مجھسے سوال کرنے (اور دعا کرنے) سے روک دے
مین اسکو مانگنے والون سے بھی زیادہ دیتا ہون پس اپنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھو کہ تم
کسکے دروازہ پر کھڑے ہو؟ اور کس (عظیم الشان) جہت کی طرف متوجہ ہو رہے ہو ۱۶۵
(اُسکا ادب ملحوظ رکھکر دعا کرو اور جو مانگنا ہو مانگو پھر انشاء اللہ محروم نہ لوٹو گے)

قولہ فھذا اقوی دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ بباب من تقف ای جھۃ تقصد

ف ۱۔ دعائے استخارہ کے الفاظ کو بجنسہا ادا کرنا اور جس طرح حدیث مین وارد ہین اسی طرح
یاد کرنا چاہئے۔ معنی بھی یاد ہون تو بہت اچھا ہے تاکہ دعا دل سے اضطرار کی ساتھ ہو۔

۲۔ استخارہ واجبات یا محرمات و مکروہات مین نہین ہو سکتا کیونکہ واجب کا بجالانا ضروری
اور محرم و مکروہ سے بچنا لازم۔ پھر اُن مین استخارہ کا کیا مطلب؟ استخارہ صرف مباحات
مین ہوا کرتا ہے اور مستحبات مین بھی ہو سکتا ہے جبکہ دو مستحب مین سے ایک کو کرنا چاہتا ہو
اور یہ معلوم نہین کہ ان مین سے کونسا میرے واسطے زیادہ بہتر ہوگا،،

۳۔ مشہور یہ ہے کہ استخارہ مین جس جانب دل مائل ہو اُسی طرف خیر ہوتی ہے اُسیکو اختیار
کرنا چاہئے، مگر حدیث مین اسکا کچھ ذکر نہین اسلئے استخارہ کے بعد جس شق کو بھی اختیار
کرے گا اُس مین خیر ہوگی خواہ وہی جانب ہو جس کی طرف دل زیادہ مائل تھا یا دوسری جانب ہو

Marfat.com

غرض استخارہ کے بعد جس جانب پر عمل کی توفیق ہوگی اُسی میں خیر ہوگی ،،

ف - اس میں شک نہیں کہ اگر استخارہ کے بعد کسی جانب دل زیادہ مائل ہوا کہ استخارہ سے پہلے اُس طرف زیادہ میلان نہ تھا تو بظاہر یہ علامت اسکی ہے کہ اسی جانب کو اختیار کرنا بہتر ہے مگر وجوب اور لزوم کی علامت نہیں اسلئے اُسکے خلاف کو بھی اختیار کرنا جائز ہے جبکہ گناہ یا ضرر کا اندیشہ نہیں - بعض لوگوں کا جو یہ خیال کہ استخارہ کے بعد جس جانب دل زیادہ مائل ہو اسکے خلاف کرنا جائز نہیں یا اُس میں ضرر ہوگا غلط ہے اسیطرح جب تک دل کسی ایک طرف مائل ہو استخارہ کو بیکار سمجھتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو جائز یا دو مستحب کاموں میں تردد ہو کہ ان میں سے کسکو اختیار کریں تو استخارہ کرکے جس شق کو دل چاہے اختیار کرلے اُس میں ضرر نہ ہوگا پھر جس شق کو اختیار کرلیا اُسکو حق تعالےٰ کی تجویز سمجھکر اُس سے راضی رہنا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ اس میں خیر ضرور ہوگی جو اکثر تو مشاہدہ میں آجائے گی اور اگر کبھی اسکے مشاہدہ میں نہ آئے تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں اُن کے علم میں میرے لئے خیر ضرور ہے گو میری سمجھ میں نہ آئی ہو، استخارہ کے بعد جس شق کو ۱۴۴
اختیار کرلیا گیا اُس سے ناگواری اور ناراضی اور یہ خیال کہ مجھے دوسری شق اختیار کرنا چاہیئے تھی اُسی میں خیر ہوتی بہت بُری بات ہے جس پر حدیث میں وعید وارد ہوئی ہے ،،

حدیث شصت وسوم (حدیث ما بین بیتہ و منبرہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ... جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میری حوض پر ہوگا ،،

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کے درمیان جنت کا ایک روضہ ہے اور منبر حوض پر ہے اسکے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے ایک یہ کہ اسکا کیا مطلب ہے؟

ف اس مضمون کا ترجمہ بطور خلاصہ کے اسلئے کردیا گیا کہ مفید تحقیق ہے اور چونکہ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہیں ہے اسلئے نمبر نہیں دیا ۱۲ ظ

Marfat.com

کہ یہ قطعہ جنت کا روضہ ہے؟ کیا زمین کا یہ ٹکڑا بعینہ دنیا سے جنت مین منتقل کر دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس مین (نیک) عمل کرنے سے جنت مین ایک روضہ کا استحقاق ہو جاتا ہے؟ علماء اس باب مین مختلف ہین کسی نے پہلے قول کو لیا کسی نے دوسرے کو اور واللہ اعلم بہتر یہ ہے کہ دونون کو جمع کر لیا جائے کیونکہ ان مین سے ہر شق پر دلیل قائم ہے اور نظر و قیاس سے بھی ہر ایک کی تائید ہو رہی ہے (تو اُسکے ترک کی کوئی وجہ نہین) اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ قطعہ خود جنت ہی کا ٹکڑا ہو جیسا حجر اسود جنت کا پتھر ہے۔ نیل و فرات جنت کی نہرین ہین اور ہندوستان کے بعضے (خوشبودار) پھل (اور پھول) اُن بیجون سے پیدا ہوئے ہین جو آدم علیہ السلام کی ساتھ (اُن کے بدن پر چپکے ہوئے) جنت سے اُترے تھے۔ غرض حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی ہے کہ اس دنیا مین بھی جنت کے پانی اُسکی مٹی اُسکے پتھرون اُسکے میوون مین سے کچھ (بطور نمونہ کے) ہو یہ حکم جلیل (اللہ جل شانہ) کی حکمت ہے پس یہ قطعہ اسوقت بھی جنت کے باغون مین سے ایک روضہ ہے اور آخرت مین بھی جنت کا روضہ ہو جائیگا جیسا پہلے تھا اور اس مین عمل کرنے والے کو جنت کے روضہ کا استحقاق بھی ہوگا۔ یہی زیادہ ظاہر ہے دو وجہ سے ایک تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کی وجہ سے دوسرے اُس دلیل کی وجہ سے جو ہمنے اوپر بیان کی ہے اس صورت مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت ہوگی کہ جیسے اُن کو اللہ تعالےٰ نے جنت کا پتھر عطا فرمایا اسیطرح اپنے حبیب کو جنت کا روضہ عطا فرمایا۔

(۱۲۰) اس مین ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جب بیجان چیزون کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے شرف حاصل ہوتا ہے تو اُسکے شرف کا کیا پوچھنا جو اقوال و احوال آپ کا متبع ہو فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین کسیکو خبر نہین کہ اُن کیلئے کیا کچھ آنکھ کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے اسی وجہ سے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم جب کسی اجنبی کو مسجد مین دیکھتے جسکو پہلے سے نہ پہچانتے تھے اُس سے پوچھتے کہ تیرے پاس قرآن کتنا ہے پھر اُس کی حالت کے موافق رعایت کرتے اور اُسی کے مطابق مرتبہ عطا فرماتے کیونکہ اُن کے نزدیک رفعت اور بزرگی کا معیار قرآن کے سوا کچھ نہ تھا اسکے سوا جو اسباب

Marfat.com

فضیلت کے تھے اُس مین توسب برابر یا قریب قریب تھے اسلیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دفتر (بیت المال) مین صحابہ کے نام لکھے توسب سے مقدم اُن کو کیا جو نسب مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھے پھر اُن کو جو ہجرت مین مقدم تھے پھر باقی لوگون کو قرآن کے اعتبار سے مقدم و مؤخر کیا (کہ جس کے پاس قرآن کا جتنا حصہ ہوتا اُسی کے موافق اُسکو درجہ دیا جاتا) یہانتک کہ روایات مین آیا ہے کہ اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ آپ نے عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کو مجھ پر فضیلت کیون دی؟ فرمایا اسلیئے کہ اُسکے باپ میرے باپ سے پہلے اسلام لائے تھے ان سب کے بعد اللہ ورسول کی ساتھ محبت کا درجہ ہے کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قیامت کو دریافت کیا (کہ قیامت کب آئے گی) تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اُس کیلئے کیا (سامان) تیار کیا ہے اُسنے کہا مین نے قیامت کے لئے کوئی بڑا عمل تو تیار نہین کیا مگر مین اللہ سے اور اُسکے رسول سے محبت رکھتا ہون حضور نے فرمایا بیٹھ جا تو اُسی کی ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے۔

(تنبیہ) مگر دیکھو ایسا نہو کہ تمہاری محبت محض دعوی ہی کی محبت ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین چیزین جس مین ہون وہ ایمان کی حلاوت پالے گا اُن مین سے ایک یہ ہے کہ اللہ و رسول اُسکو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہون اس حدیث پر شروع کتاب مین کلام گذر چکا ہے، غرض بلندئ مرتبہ کا معیار ایمان اور اتباع ہے پھر جس کا دل چاہے اپنے کو ذلیل کرلے یا معزز بنالے۔

(۱۲۱) یہان سے معلوم ہوا کہ جو چیزین ضروریات بشریہ مین سے ہین وہ دنیا مین اصلا داخل نہین بلکہ ثواب ہی ثواب ہین کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا گھر اور میرا منبر (جس مین گھر اور منبر کو حضور نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور آپ کی طرف دنیا منسوب نہین ہوسکتی تو معلوم ہوا کہ گھر اور منبر دنیا مین داخل نہین) کیونکہ گھر تو بندہ کی ضرورت کی چیز ہے وہ آدمیون سے اُسکو چھپاتا ہے (اور بعض اوقات لوگون کی نگاہون سے مخفی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیوی کے پاس جانا اور قضاء حاجت کرنا وغیرہ وغیرہ) اور بارش اور دھوپ کی تکلیف سے بچاتا ہے اور اُس مین خلوت کی ساتھ اپنے رب کی عبادت ہوسکتی ہے

Marfat.com

اسیطرح دنیا کے جس سامان کی بھی انسان کو ضرورت ہو جس سے آخرت کے کامون مین مدد ملتی ہو وہ سب ثواب ہی ثواب ہے بشرطیکہ ضرورت کے موافق ہو (زیادہ نہو) ورنہ خواہش نفس کیلئے ہوگا اور نفسانیات مین شامل ہوکر دوسری قسم مین داخل ہو جائے گا۔ اسیلئے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کے گھرون کو مسجد نبوی مین شامل کیا بعض صحابہ نے فرمایا کاش ان مکانات کو اُن کے حال ہی پر چھوڑ دیا جاتا (مسجد مین شامل نہ کیا جاتا) تاکہ اس امت کے پچھلے لوگ بھی اپنے نبی کے گھرون کو دیکھ لیتے کہ وہ کس شان کے تھے (پھر اُن کی سادگی اور بے تکلفی اور قدر ضرورت کے موافق ہونے سے سبق حاصل کرتے) اُن کی بلندی قد آدم سے صرف ایک ہاتھ کی لمبائی کے برابر زیادہ تھی۔ اسیطرح آپ نے فرمایا ہے میرا منبر سو منبر مین اگرچہ کچھ ترفع ہے مگر حضور نے منبر صرف دین کی ضرورت کیلئے بنوایا تھا تاکہ تمام حاضرین اللہ کے احکام کو سن سکین اسلئے وہ ثواب ہی ثواب تھا۔ غرض انسان کو جس چیز کی اپنے دین کیلئے احتیاج

169 ہوا اور اُس مین دین کی مصلحت ہو وہ دنیا نہین ہے اگرچہ ظاہر مین سامان دنیا کے مشابہ ہو اسی علت کی بناء پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی اُسی وقت بنوائی جب آپ سے عرض کیا گیا کہ سلاطین روم کسی کے خط کو بدون مہر کے نہین پڑھتے (اور دعوت اسلام کے لئے سلاطین عالم کے نام خطوط بھیجنے کی ضرورت تھی) تو آپ نے اس (دینی) غرض کیلئے انگوٹھی بنوائی، اسیلئے علماء نے انگوٹھی پہننے مین اختلاف کیا ہے کہ یہ ہر شخص کیلئے مطلقاً سنت ہے یا صرف اُن ہی لوگون کیلئے سنت ہے جو صاحب حکومت ہون جس نے اُس علت پر نظر کی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی تھی اُس نے تو یہ کہا کہ انگوٹھی پہننا اُس کیلئے سنت ہے جسکو اس کی ضرورت ہو اور ضرورت کا ذکر اوپر آچکا ہے اور جس نے صرف آپ کے فعل پر نظر کی علت پر نظر نہین کی اُسنے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ مطلقاً سنت ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

الدین بالسنۃ محیاہ فلا تقصن فی فعلک سواہ
واحذر عوائد سوء قد اتلفت واھلکت محیاہ

Marfat.com

(ترجمہ) دین کی حیات سنت ہی ہیں اپنے افعال میں سنت کے سوا کسی چیز کا قصد نکرو. بڑی عادتوں سے بچو جو دین کی حیات کو تباہ و برباد کردیتی ہیں قولہ وفیہ دلیل علی ان ماھو من ضرورۃ التشہ لیس من الدنیا الی قولہ واھلکت حیاۃ ،،

شصت و چہارم حدیث کراھۃ الرسول ان یبیت عندہ ذھب ۱۴۲ او تبر

عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ عصر کی نماز پڑھی جب آپنے سلام پھیرا تو جلدی سے کھڑے ہوگئے اور اپنی ازواج میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور لوگوں کے چہروں سے آپنے محسوس کیا کہ انکو آپکے جلدی اُٹھ جانے سے تعجب ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس کچھ سونا ہے تو مجھے پسند نہ ہوا کہ شام کو یا رات کو وہ ہمارے پاس رہے اسلئے میں نے اسکے تقسیم کردینے کا حکم دیا ،،

شرح - حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر جو بات یاد آئے اُسپر عمل کرنا جائز ہے جبکہ وہ بات ایسی ہو جس سے نماز میں (نقصان نہ آتا ہو بلکہ) صلاح و کمال حاصل ہوتا ہو اور نماز کو فاسد کرنے والی بھی نہو،، اسپر چند وجوہ سے کلام ہے -

(۱۴۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک طاعت میں مشغول ہوتے ہوئے دوسری طاعت کا ارادہ کرنا یا اُسکو سوچنا جائز ہے مگر اس میں تفصیل کی ضرورت ہے کہ کس چیز کا یاد کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے اور کس کا یاد کرنا فاسد نہیں کرتا جسکے لئے اُن خواطر کی اقسام کا جاننا ضروری ہے جو نماز کے اندر انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور وہ چار قسم کے ہیں۔ نفسانی شیطانی - ملکی - ربانی -

خواطر ربانی تو نماز کے قبول ہونے کی علامت ہیں اور نماز پڑھنے والوں کا یہ اعلیٰ درجہ ہے (کہ نماز میں اُنکے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات وارد ہو) دنیا (کی زندگی) کے اعتبار سے یہی مناجات کی حقیقت ہے (اور آخرت کے اعتبار سے مناجات کی حقیقت اس سے بھی اعلےٰ ہے) اور اس درجہ سے کامیاب ہونے والے کچھ لوگ ہیں جو اسکو پہچانتے ہیں

۱۵۰ ایک طاعت میں مشغول ہوتے وقت دوسری طاعت کا سوچنا جائز ہے - خواطر دو طرح پر ہیں

Marfat.com

چنانچہ ایک بزرگ جو استاذ ان کے تھے اُن سے جب کوئی مرید یہ کہتا کہ میں نے نماز میں یا نماز کے باہر فلاں غرض کیلئے دعاء کی تھی تو وہ اُس سے دریافت کرتے کہ تو نے دعاء کے قبول ہونیکے متعلق کوئی جواب اور حضور قلب کی حالت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی خطاب بھی سنا؟ اگر وہ کہتا ہاں سنا ہے تو سمجھ جاتے کہ اسکو خصوصیت والوں کے درجات میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور اگر کہتا کہ میں نے تو کچھ نہیں سنا تو اُسکو عوام میں شمار کرتے اور فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اخلاص کی ساتھ خلوص قلب سے دعاء کرے اور اپنی درخواست کا جواب نہ سنے یہ تو محال ہے۔ اُنکے نزدیک یہ صورت محالات کی قبیل سے تھی کیونکہ اُن کا حال یہی تھا کہ انکو حضور قلب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب اور جواب مسموع ہوتا تھا اور اس صورت میں نماز سے قلب کو جسقدر راحت ملے گی ظاہر ہے) اسی حقیقت کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ نیز فرماتے ہیں ارحنا بھا یا بلال اے بلال ہمکو نماز سے راحت پہونچاؤ
۱۷۱ کیونکہ مجاہدہ کی پیاس شراب مناجات کی ٹھنڈک سے بجھ جاتی ہے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی گرمی (شوق و محبت) کو سکون ہوتا تھا۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ الدعاء فقمن ان یستجاب لکم، بندہ کو اپنے رب کا زیادہ قرب سجدہ میں حاصل ہوتا ہے تو سجدہ میں دعا بہت کیا کرو یہ دعاء اس قابل ہے کہ قبول کی جائے، کیونکہ اس میں قرب و اتصال کی شان ہے اسکو اہل قرب ہی سمجھتے ہیں اور اُن ہی کی ساتھ یہ حال مخصوص ہے اے اللہ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمکو بھی اس درجہ کا اہل بنا دے ورنہ (کم از کم) ہمکو اس کی تصدیق سے تو محروم نہ فرمایئے۔

اور خاطر ملکی وہ ہے جو کسی خیر کی طرف انسان کو رغبت دلائے جیسے وہ باتیں جو اس حدیث میں مذکور ہے پھر یہ خاطر کبھی تو ایسا ہوتا ہے جسپر تکو عمل کرنا چاہیئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خشوع کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی نماز کا اعلیٰ درجہ ہے یا اُس سے نماز کے اندر وسوسے منقطع ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں نماز کا حسن ہی زیادہ ہوگا جبتک دل اس

Marfat.com

مین اتنا مشغول نہ ہو کہ اُس سے نماز (کے ارکان وواجبات) مین خلل واقع ہو جائے کہ اس صورت مین نماز کا اعادہ کیا جائے گا جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک بار آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مغرب کی نماز پڑہائی اور اُس مین قراءت بھی لی بعد مین آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا (کہ آپ نے نماز مین قراءت نہین کی) فرمایا رکوع اور سجدہ کیسا تھا کہا گیا اچھا تھا فرمایا تو پھر کچھ حرج نہین مین شام کی طرف ایک لشکر کے تیار کرنے (کے خیال) مین رہا لوگون کو اُن کے مقامات پر متعین کیا اور بعض روایات مین ہے کہ آپ نے نماز کا اعادہ فرمایا اسلئے علماء مین اختلاف ہوا ہے کہ اگر رکوع وسجدہ پوری طرح ادا ہو گیا ہو اور قراءت نہ کیگئی ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہین (حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ قراءت بھی رکن صلوۃ ہے جسکے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے) اور اگر رکوع وسجدہ مین کچھ نقصان رہگیا ہو تو اعادہ (بالاتفاق) ضروری ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایک اعرابی سے جس نے نماز مین رکوع وسجدہ پوری طرح نکیا تھا جلدی جلدی نماز پڑھی تھی) فرمایا ارجع فصل فانك
۱۶۲ لم تصل لوٹو پھر نماز پڑہو کیونکہ تمنے نماز نہین پڑہی، کیونکہ اس صورت مین ارکان کے اندر نقص رہ گیا ہے۔ اور اگر خاطر نفسانی ہو تو اگر وہ ایسا خیال ہے جو نماز کے منافی ہے جیسے کسی جائز خواہش کو سوچنا (خواہ کہانے پینے کی قسم سے ہو یا بیوی بچون کا خیال ہو وغیرہ وغیرہ) تو نماز کا اعادہ مستحب ہے کیونکہ نماز سے اصل مقصود (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور) حضور قلب اور لذات نفس سے الگ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین ان اللہ لا یقبل عمل امرئ حتیٰ یکون قلبہ مع جوارحہ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہین فرماتے جب تک اُس کا دل اعضاء کے ساتھ نہو (کہ جس طرح اُسکے اعضاء قیام ورکوع وسجود وغیرہ مین لگے ہوئے ہین اسی طرح اُس کا دل بھی قیام ورکوع وسجود مین مشغول ہو کہ دل بھی اللہ کے سامنے بحالت قیام عرض معروض کرتا ہو اللہ کے سامنے عجز ونیاز کی ساتھ رکوع وسجدہ کرتا ہو) اب اگر قلب الی شہو تو مین مشغول ہوا تو وہ کہان اور نماز کہان؟ ہان اگر یہ نفسانی خطرہ ایسا ہو کہ دل مین آیا پھر الگ کر دیا گیا اور اُس کی طرف التفات نہوا تو انشاء اللہ مضر نہ ہوگا بشرطیکہ تکبیر تحریمہ اخلاص کیساتھ (حضور قلب سے) کہی گئی ہو کیونکہ ہمین بُرے خیالات

Marfat.com

کے دفع کرنے کا حکم ہے۔ نماز مین بھی اور نماز سے باہر بھی۔ مگر نماز مین ان کے دفع کرنے کی زیادہ تاکید ہے اُسی علت کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے احدث مع الذنب توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ گناہ کی ساتھ جلدی سے توبہ کرو مخفی گناہ سے مخفی طور سے توبہ کرو اور علانیہ سے علانیہ کرو (پس جب کوئی بُرا خیال دل مین آئے اُس سے فورًا توبہ کرو ہٹا لو یہی اُسکی توبہ ہے)

اور اگر وہ خیال ناجائز شہوت (حرام خواہش) کا خیال ہو تو نماز بالکل نہ ہو گی کیونکہ طاعت اور معصیت جمع نہین ہو سکتین، جب ہم سے حضور قلب کے فوت ہونے پر یہ کچھ کہا گیا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نماز کو قبول نہین فرماتے) تو اس بُری حالت کا تو کیا پوچھنا اور اگر شیطانی خطرہ ہو تو اُس کی دو حالتین ہین) اگر اُس کی طرف دل مائل ہو گیا اُسی مین لگ گیا اُس کی طرف متوجہ ہو گیا تو نماز فاسد ہے کیونکہ یہ بھی نفسانی خطرہ کی جنس سے ہے جو حرام خواہش کی ساتھ پیدا ہوتا ہے قاعدہ یہ ہے کہ جو خیال شہوانی ہو وہ نفسانی ہوگا اور جو معصیت کی قسم سے ہو وہ شیطانی ہوگا۔ اور اگر اُس کی طرف التفات نہوا اُس سے استغفار کر لیا اور توجہ کو ہٹا لیا تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ نماز فاسد نہ ہو گی (یہ دوسری قسم ہے) ۱۷۳

خواطر کی ایک قسم وہ ہے جو بطلان اور جواز کے درمیان ہے: وہ خواطر ہین جو کثرت کی ساتھ دل مین آتے ہین اور اُن کے دفع کرنے سے غفلت کی جاتی ہے اور اُن مین (قصدًا) دل کو مشغول بھی نہین کیا جاتا ان کے متعلق نہ اسپر کوئی دلیل ہے کہ ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے نہ اسکے عکس پر کوئی دلیل ہے قولہ منہا جواز العزم علی عمل طاعۃ وھو فی اخری الیٰ قولہ فلا دلیل لنا علی الفساد ولا علی ضدہ"

ف۔ خواطر نفسانی کی ایک قسم سے اور خواطر شیطانی سے مطلقًا نماز کا فاسد ہو جانا صوفیہ کا مذہب ہے۔ فقہاء کے نزدیک ان سے نماز فاسد نہین ہوتی ناقص ہو جاتی ہے یعنی کامل درجہ مین قبول نہین ہوتی اگرچہ درجہ صحت مین قبول ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو تارک صلوۃ شمار نہین کیا جاتا نمازی مانا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک ارکان کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے اور واجبات کے ترک سے واجب الاعادہ اور ترک خشوع سے مستحب الاعادہ ہوتی ہے

Marfat.com

ف خشوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نماز میں قصداً کوئی دنیوی خیال نہ لایا جائے بلکہ اپنی طرف سے نماز ہی کی طرف توجہ رکھی جائے اگر بلاقصد وسوسے آئے تو خشوع کیلئے مضر نہیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ اس طرح عبادت کرو جیسے خدا کو دیکھ رہے ہو۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے درجات ہیں۔

(۱۲۳) **ف** حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ نماز کے بعد (کچھ دیر) مسجد میں ٹھہرتے تھے (فوراً مصلے سے کھڑے نہ ہو جاتے تھے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جلدی گھر میں تشریف لیجانے سے تعجب کیا اگر یہ بات حضور کی عادت شریفہ کے خلاف نہ ہوتی تو صحابہ اسپر تعجب نہ فرماتے قولہ و فیہ دلیل علی ان عادۃ سیدنا صلے اللہ علیہ وسلم کانت الاقامۃ بعد الصلوۃ الی قولہ لم یتعجب منہ،،

ف - اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ بھی نماز کے بعد فوراً مسجد سے نہیں جاتے تھے بلکہ کچھ دیر تک اپنی جگہ پر رہتے تھے کیونکہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب گھر سے ۱۲۴ واپس تشریف لائے ہیں تو صحابہ بدستور اپنی حالت پر تھے، یہاں سے حضرات صوفیہ اور محققین علماء کی تائید ہوگئی جو نماز فجر اور عصر کے بعد کچھ دیر تک تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اہل ظاہر نے جو اس عمل سے انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنکو اشارات کلام تک رسائی نہیں اُن کا فہم ظاہر حدیث سے آگے نہیں بڑھتا،،

(۱۲۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کسی خیر کی طرف بلاتا ہے اکثر اوقات وہی خیر اُسپر غالب ہوتی ہے تاکہ حال قول کے موافق ہو چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے ملائکہ اُسکو دعا دیتے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا رباط ہے (یعنی سرحد اسلام کی حفاظت کے مثل ہے) چونکہ حضور نے اس بات کی ترغیب دی ہے تو آپ کی حالت پر بھی اسی کا غلبہ تھا صحابہ نے جب اسکے خلاف دیکھا تو اُن کو تعجب ہوا قولہ و فی ھذا دلیل علی ان یکون من یدعو الی خیر یغلب ذلک الخیر علیہ الی قولہ فلما رأوا منہ غیر ذلک تعجبوا،،

نماز کے بعد فوراً مصلے پر سے اٹھنا چاہئے

جو شخص کسی بات کی طرف دعوت دیتا ہے اسی پر غالب ہوتا ہے

Marfat.com

ف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کی دوسروں کو ترغیب دی جائے اُسپر خود بھی اکثر اوقات عمل کرنا چاہئیے،

(۱۲۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ عادت کے خلاف کرنے سے دوستوں کو تشویش ہوتی ہی جبکہ اُن کو اس کا سبب معلوم نہو چنانچہ صحابہ نے اسی وجہ سے تعجب کیا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحبت کا حق یہ ہے کہ اہل صحبت کی ادنی تشویش کو بھی حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اس واقعہ میں فوراً) واپس تشریف لائے اور صحابہ کو بتلادیا کہ اس وقت (خلاف عادت) جلدی گھر والوں کے پاس کیوں تشریف لیگئے تھے

قولہ وفیہ دلیل علی ان مخالفۃ العادۃ تقتضی التشویش علی الاخوان الی قولہ واخبارھم بسبب سرعۃ رجوعہ الی اھلہ "

ف صحبت کا حق یہ ہے کہ اہل صحبت کی ادنیٰ تشویش کو بھی دور کیا جائے

ف اس کا اہتمام حضرات صوفیہ کو سب سے زیادہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حسن معاشرت بھی دین کا بڑا جزو ہے۔

(۱۲۶) یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے گو اُس نے صاف طور سے اپنی حالت ظاہر نکی ہو اور سوال بھی نکیا ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے چہروں میں تعجب کے آثار ملاحظہ فرمائیے تو اُن کو اپنے فعل کا سبب بتلادیا (جس پر اُن کو تعجب ہوا تھا)

۵ ظاہری حالت کے موافق برتاؤ درست ہے - کیفیت قلب کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے

ف نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قلب میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات اُسی پر مخفی رہ سکتی ہے جسکے دل میں نور ہو اور نور سے مُراد وہ خاص نور ہے جو وارثان رسول کو عطا ہوتا ہی ورنہ یوں تو ہر مسلمان کو اپنے ایمان کے موافق کچھ نہ کچھ نور حاصل ہوتا ہی ہے (مگر وہ حالات قلبیہ کے ادراک میں کافی نہیں ہوتا اسکے لئے خاص نور کی ضرورت ہے جو کمال ایمان سے حاصل ہوتا ہے)

یہاں سے مفہوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈال کر اُن کے دلوں کی حالت پر استدلال فرمایا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے المؤمن ینظر بنور اللہ (مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب وہ اللہ کے نور سے دیکھے گا تو چہرہ کی علامات سے اُسپر دل کی حالت مخفی نہ رہے گی۔ اب اگر اُس کا ایمان قوی ہوا

Marfat.com

تو وہ اصحاب کشف سے ہوگا جو (دوسرون کے) دلون کو اپنی بصیرت کی آنکھون سے دیکھتے ہین۔ جیسا چہرون کو سر کی آنکھون سے دیکھتے ہین قولہ وفیہ دلیل علی العمل بما یظہر من الشخص دون افصاح وسوال الی قولہ کما یبصرون الوجوہ باعین رؤسہم

ف۔ اسکو فراست کہا جاتا ہے جو احوال رفیعہ مین سے ہے مگر مقاصد مین سے نہین اسلئے جسکو عطا ہو جائے نعمت آلہی کا شکر ادا کرے اور اُسکے فوت سے غمگین نہ ہونا چاہئے کیونکہ حالات اور کیفیات اختیار سے باہر ہین اور امور غیر اختیاریہ کے درپئے ہونا پریشانی کا سبب ہے شارح کے کلام سے شبہ ہوتا ہے کہ قوت ایمان کیلئے کشف لازم ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہین کیونکہ اہل طریق کا اتفاق ہے کہ ولایت کیلئے کشف لازم نہین خوب سمجھ لو۔

(۱۶۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ (اپنے کسی) نیک کام کا ذکر کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس سے حالت اخفا نہین بدلتی چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کی حالت تشویش ملاحظہ فرمائی تو (ازالۂ تشویش کی ضرورت سے) اپنا وہ نیک کام ظاہر فرمادیا جو آپنے (گھر جاکر) کیا تھا تاکہ اُن کے قلوب مطمئن ہو جائین کیونکہ بزرگون نے کہا ہے کہ جو شخص کسی نیک کام کو چھپا کر کرے پھر (بلاضرورت) اسکو (لوگون کے سامنے) بیان کردے تو وہ عمل دفتر علانیہ کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے (کہ اب وہ ثواب نہ ملے گا جو اخفاء عمل سے ملتا ہے بلکہ علانیہ کام کرنے کا ثواب ملے گا) اور اگر اُسکو دوبارہ بیان کردیا تو وہ دفتر ریا کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے (اب ثواب باطل ہوکر گناہ لکھا جاتا ہے) اور اگر کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے جیسی یہان موجود تھی یا اسکے مشابہ اور کوئی ضرورت ہو اور اظہار سے اپنی تعریف اور ثنا کی نیت نہو تو امید ہے کہ نیکی اپنی حالت پر رہے گی (ثواب اخفاء باطل نہ ہوگا) اہل توفیق نے تصریح کی ہے کہ شیطان کی چالوں میں سے ایک چال یہ بھی ہے کہ جب بندہ چھپا کر کوئی کام کرتا ہے تو اُس سے کہتا ہے کہ اسکو لوگون کے سامنے بیان کردے تاکہ تیری اقتدا کی جاوے (اور دوسرون کے عمل کا بھی تجھے ثواب ملے) چنانچہ وہ ایسا ہی کرتا ہے اور اس طرح ریا مین مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسکو خبر بھی نہین ہوتی بلکہ وہ اس خیال مین رہتا ہے کہ مجھے ثواب ملے گا جو کہ جہل مرکب ہے۔ قولہ وفیہ دلیل علی جواز ذکر المعروف الی نیکون جہلا مرکبا۔ ۱۷۶

[حاشیہ: ۱۷۶ بضرورت اپنے کسی نیک عمل کا اظہار جائز ہے — شیطان کا ایک مکر]

Marfat.com

ف۔ اقتدار کیلئے اپنے اعمال کا ظاہر کرنا ہر شخص کا کام نہیں یہ اُس کا کام ہے جسکی نظر مخلوق سے اُٹھ جائے اور مدح و ذم اُسکے نزدیک برابر ہو جائے۔

(۱۲۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے مال کو بیوی کے پاس رکھنا جائز ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس کچھ سونا تھا حالانکہ وہ آپ کی بیوی کے پاس تھا اسلئے بعض ازواج کے پاس تشریف لیگئے، اور اس کا (کس حدیث سے) پتہ نہیں ملا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایسی بھی تھی جسکی آپنے خود حفاظت کی ہو اور آپکے سوا گھر والوں میں سے کسیکو اُس کا پتہ نہ ہو اکثر یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک کام میں دوسروں کو نائب کر دینا جائز ہے چنانچہ حدیث میں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ میں نے اُسکے تقسیم کرنے کا حکم دیدیا (قواعد فقہ سے یہ نیابت طاعات مالیہ کیساتھ مخصوص ہے) قال وفیہ دلیل علی ان للرجل ان یترک مالہ عند اہلہ الی قولہ معلن علیہ دون اہلہ،، وقولہ فامرت بقسمہ،،

(۱) مال کو گھر والوں کی تحویل میں رکھنا جائز ہے

۱۷۷ **ف** بعض حضرات صوفیہ کا اسی پر عمل ہے کہ روپیہ پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے گھر والوں کی تحویل میں رکھتے ہیں اگر اُن کے گھر والے دیندار دیانت دار ہوں تو ایسا کرنا درست ہے جیسا حدیث سے معلوم ہوا ورنہ خود حفاظت کرنا چاہئے جیسا ولا تؤتوا السفہاء اموالکم سے مفہوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو اپنے اموال نہ دو جسکی تفسیر عورتوں اور بچوں سے کیگئی ہے جسکو حفاظت مال کا سلیقہ نہو۔

(۲) دن بھر مال کو اپنی ملک میں رکھنا خلاف زہد نہیں

(۱۲۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو دن بھر اپنی ملک میں رکھنا جائز ہے اس سے مقام زہد باطل نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ شام کو یا رات کو سونا ہمارے پاس رہے اور ایک دن رہنے سے آپنے کراہت ظاہر نہیں فرمائی اور اس سے زہد کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے اور مکروہ کے ارتکاب میں گناہ نہیں ہوتا جس سے مال جمع کرنے کا جواز بھی مفہوم ہو رہا ہے بشرطیکہ دسشبہ بھی مطلق نہ کرتا رہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زہد (باتوں سے نہیں ہوتا) صرف حال سے ہوتا ہے، اور حسی ہونا معنوی، زہد معنوی تو

یہ ہے کہ دل کو مال سے تعلق نہو اور حتی یہ ہے کہ مال کو علیحدہ کر دے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے اس موقعہ پر کیا۔ قولہ فیہ دلیل علی جواز ابقاء المال علی ملک صاحبہ طول یومہ الی قولہ واما
المسی فھو الخروج عنہ کما فعل سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ منہ

(۱۳۰) اس میں اُن صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو کسی معلوم شئی پر رات نہیں گذارتے (یعنی رات
کو وہ اپنے علم میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
مجھے یہ ناگوار ہے کہ شام کو یا رات کو ہمارے پاس سونا رہے۔ میں نے اس طریق کے ایک
بزرگ کو دیکھا ہے کہ دن میں اُن کے پاس جو کچھ فتوحات آتیں رات کو اُن میں سے کچھ نہ رہتی
تھی ایک دن اُن کی زیارت کو بڑی جماعت آگئی اور اُس دن فتوحات بھی بہت ہوئیں تو خادم نے
اپنے دل میں کہا اگر میں تمام فتوحات کو شیخ پر ظاہر کر دوں گا تو اس جماعت کیلئے کچھ بھی نہ بچے گا
وہ سب کو اپنے پاس سے الگ کر دیں گے اور یہ بہت بڑا مجمع ہے صبح کو ان کے ناشتہ کیلئے بھی کچھ
نہ ہوگا ہمیں ان کے واسطے ایک اچھی مقدار شیخ کو اطلاع کئے بغیر بچا لینا چاہئے جو کل کو انہیں کفایت
۱۷۸ کر سکے چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا (کہ کچھ فتوحات بچا لیں) اور باقی کو سامنے کر دیا۔ لوگوں نے کھایا
اور جو اُن سے بچا شیخ نے عادت کے موافق فقراء و مساکین میں اُسکے تقسیم کرنے کا حکم دیا
جب صبح ہوئی تو اُن کے پاس کچھ فتوحات نہ آئیں اب وہ خادم کھڑا ہوا اور دستر خوان بچھا کر
اُسنے بہت سا کھانا مہمانوں کے سامنے رکھدیا۔ شیخ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ اُسنے سارا
واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ حضرت اگر میں ایسا نکرتا (اور آپکے معمول کے موافق سارا بچا ہوا کھانا
خیرات کر دیتا) تو آج اس جماعت کے کھانے کو کچھ بھی نہ ہوتا۔ شیخ نے فرمایا (سبحان اللہ کیسی
اُلٹی سمجھ ہے) تمہاری اس حرکت نے ہی تو ہمکو آج کی فتوحات سے محروم کر دیا (اگر تم سب بچا ہوا
کھانا خیرات کر دیتے اور اللہ کی ساتھ جو معاملہ چلا آرہا تھا اُسکو نہ بدلتے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ
نہ بدلتے جس نے کل اتنی بڑی جماعت کے کھانے کا اپنے خزانہ سے انتظام کیا تھا کیا وہ آج اس سے
عاجز تھا مگر تمنے خلاف معمول کھانا بچا کر آج کی فتوحات کا دروازہ بند کر دیا) غرض جو کوشش
کرتا ہے وہ (مقصود کو) پا ہی لیتا ہے اور جو خلوص سے کام کرتا ہے اُس سے اخلاص۔ ذائق معاملہ
کیا جاتا ہے پس (اخلاص کامل اختیار کرو کیونکہ) یہ کہنے والا بڑی گہری نظر والا ہے اور معاملہ

Marfat.com

ایسے کریم کیساتھ ہے جو وعدہ کا پورا اور غنی اور مہربان ہے اسیلئے کسی نے کہا ہے کہ جس سے چاہو پوچھو اللہ تعالیٰ کو حقیقت کا پورا علم ہے (وہ دلوں کے ارادوں اور نیتوں سے خبردار ہیں مخلص اور غیر مخلص مؤمن اور منافق وہاں نہیں چھپ سکتا) قولہ وفیہ دلیل لاہل الصوفۃ الذین یبنون علی معلوم الی قولہ فقد بان للحق بالحقیقۃ علمہ

ف شیخ سے احوال کے معمولات خانقاہ کو بدلنا بڑا جرم ہے اس سے فتوحات بند ہو جاتیں اور نظام میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسیکو اس مرید کی طرح آئندہ کے متعلق کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اسلم یہ ہے کہ شیخ کو اپنے وسوسے سے مطلع کر کے یہ عرض کر دے کہ میری رائے میں کل کے واسطے کچھ بچا لینا مناسب ہے اگر شیخ اس رائے کو قبول کرے بچالے نہ قبول کرے تو اُسکے قول پر عمل کرے اور اللہ سے اُمید رکھے کہ آئندہ آج سے زیادہ فتوحات ہوں گی اور اگر بالفرض فتوحات نہوں تو ایک دن کے فاقہ سے موت تو نہ آجائے گی اتنی سی بات کیلئے شیخ کے معمول کو بدلنا اور اخفاء حال سے اُسکو مکدر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

شصت و پنجم (حدیث قضاء النافلۃ فی وقت الکراہۃ) ۱۶۹

کریب (مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھنے کے متعلق سوال کیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ نے جب عصر کی نماز پڑھ لی اور میرے گھر میں تشریف لائے تو دو رکعتیں پڑھنے لگے اس وقت میرے پاس انصار کے قبیلہ بنو حرام کی کچھ عورتیں بیٹھی تھیں تو (میں خود آپ کے پاس نہ جا سکی بلکہ) میں نے ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور اُسکو سمجھا دیا کہ تو حضور کے پہلو میں (آپ کے پاس) جاکر کھڑی ہو جانا پھر عرض کرنا کہ ام سلمہ کہتی ہیں یا رسول اللہ میں نے تو آپ سے یہ سنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے اور (اب) میں دیکھتی ہوں کہ آپ (عصر کے بعد) یہ دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں پس اگر آپ ہاتھ سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہٹ جانا چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا

Marfat.com

حضور نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ پیچھے ہٹکر کھڑی ہوگئی جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا اے ابوامیہ کی بیٹی (حضرت ام سلمہ مراد ہیں) تم نے عصر کے بعد دو رکعتین پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلۂ عبدالقیس کے کچھ لوگ آگئے تھے انہوں نے مجھے اُن دو رکعتوں سے مشغول کردیا جو ظہر کے بعد (پڑھی جاتی) ہیں سو یہ دو رکعتیں وہی (ظہر والی) ہیں (عصر کے بعد والی نہیں ہیں جنسے منع کیا گیا ہے)

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد نفل نماز جائز ہے جبکہ ظہر کے بعد کی سنتیں فوت ہوگئی ہوں، امام شافعی کا مذہب کا تو یہ ہے کہ عصر کے بعد مطلقاً نفل نماز جائز ہے خواہ ظہر کے بعد کی سنتیں فوت ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں مگر حدیث میں اس قول کیلئے کچھ حجت نہیں دو وجہ سے ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز دوسروں کی نفل جیسی نہیں کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب کوئی عمل کرتے تھے اسپر دوام کرتے تھے تو آپ کی نفل نماز دوسروں کی نذر نماز کے مثل (واجب) ہوتی تھی، دوسرے حدیث کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے مجھے ظہر کی دو رکعتوں سے مشغول کردیا تھا ۱۸۰
تو میں نے اُن کی قضا کی ہے اور قوت کلام کا درجہ اہل زبان کے نزدیک نص کے برابر ہے، اور اس کلام کی قوت اور شوکت بتلا رہی ہے کہ آپ کا یہ فعل اُس نہی کا ناقض یا ناسخ نہیں ہے جو عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے متعلق پہلے سے موجود تھی بلکہ آپ کا یہ فعل خاص علت کی وجہ سے تھا جو حدیث میں مذکور ہے اور نہی اپنے حال پر باقی ہے اس کا حکم بھی دائمی ہے اور یہ ایسی

ف نسائی اور طحاوی کی روایت میں یہ بھی ہے فعلت یا رسول اللہ فنقضیہما اذا فاتتنا قال لا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بھی ظہر کی دو رکعتوں کی (عصر کے بعد) قضا کرلیا کریں جو کبھی ہمسے فوت ہوجاویں۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ کذا فی اعلاء السنن ۱۲ ظ علامہ اس حدیث کی شرح میں حضرت مؤلف رحمۃ اللہ نے بہت طویل کلام کیا ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ یہاں اسلئے بیان کردیا تاکہ مدعیان جتہاد کو معلوم ہوجاوے کہ نفقہ اور اجتہاد کسے کہتے ہیں محض حدیث کا اثر کرلینے سے اجتہاد کا درجہ کبھی نہیں ہوسکتا ایس ائمہ مجتہدین کا قول کسی حدیث صحیح کے خلاف دیکھکر اُس پر نعل کرنا نری جہالت ہے، کیونکہ وہ ظاہر میں ہی خلاف ہوتا ہے۔ حقیقت میں خلاف ہوتا ہے ۱۲منہ

Marfat.com

بات ہے جس کا کوئی منصف انکار نہین کر سکتا اسیلئے امام مالکؒ اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا
مذہب یہ ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے نوافل
کو اپنے ذمہ لازم کرلیا تھا دوسرے ایسا نہین کر سکتے انکو نہی پر عمل کرنا چاہیئے جس کا حکم باقی
اور مستمر ہے البتہ لفظ حدیث پر بحث کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اقتدا کرکے نوافل کو اپنے ذمہ لازم کرے۔ پھر کسی عذر کی وجہ سے ظہر کی رکعتیں رہ
جائین اور عذر اتنا ممتد ہوجائے کہ ظہر کا وقت نکلجائے تو اُسکو عصر کے بعد اُن کی قضا جائز ہے
جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کیونکہ اللہ تعالے فرماتے ہین لقد کان لکم
فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تمہارے لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مین اچھی اقتداء
ہے۔ لیکن اس صورت مین بھی ایک سوال پھر باقی رہے گا وہ یہ کہ عصر کے بعد نوافل ظہر کی قضا
کرنا ہر عذر مین جائز ہے خواہ کیسا ہی عذر ہو؟ یا اسی عذر کی ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا کہ آپ اُن لوگون کو مسلمان کرنے مین مشغول تھے اُن کے دل
مین اصول شریعت کو جما رہے تھے جسکے لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے اگر ہم عموم کے ۱۸۱
قائل ہون تو ہر عذر مین اس فعل کو جائز کہا جائے گا اور اگر اسی عذر کی ساتھ حکم کو خاص کرین
تو جبتک کسیکو ایسا ہی عذر واقع نہو اس فعل سے منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کے سوا کسیکو ایسا عذر پیش آنا شاذ و نادر ہی ہے خصوصًا اس زمانہ
مین تو شاید ہی کسیکو ایسا عذر پیش آتا ہوگا اور اگر پیش بھی آئے تو اُس کی جگہ
دوسرا اس خدمت کو انجام دینے والے بہت مل جائین گے ہان اگر یہ فرض کرلیا جائے
کہ کسیکو دوسرا اس خدمت کا انجام دینے والا نہ ملے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر

۵؎ مگر خود یہ مسئلہ محل کلام ہے کہ نوافل کو بطور نذر کے اپنے ذمہ لازم کرلینا مناسب ہے یا نہیں
سو ظاہر یہ ہے کہ ایسا کرنا بہتر نہیں کیونکہ اگر یہ صورت افضل ہوتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس
وقت فجر اور عصر کے بعد نوافل سے منع فرمایا تھا اسیوقت یہ بھی بتلادیتے کہ اگر کوئی ان اوقات مین نفل
پڑھنا چاہے تو وہ نذر کے طور پر اپنے ذمہ کچھ رکعتیں لازم کرلیا کرے پھر اُنکو ان اوقات میں پڑھ سکتا ہے
صحابہ سے بھی اسکا ثبوت نہیں کہ انہوں نے نوافل کو بطور نذر کے اپنے ذمہ لازم لیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

Marfat.com

یہ بہت ہی نادر ہے اور مثل مشہور ہے النادر کالمعدوم اُس کیلئے کوئی حکم نہیں مقرر ہوسکتا اسی بناء پر واللہ اعلم امام مالک (و ابو حنیفہ رحمہما اللہ) نے اس حکم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (اور نسائی کی حدیث میں جو زیادت ہے وہ اس تخصیص کی صریح مؤید ہے)

(۱۳۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ مفضول فاضل پر (یعنی خورد اپنے بزرگ پر) سوال (وارد) کرسکتا ہے جب اُس سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اُس کی عادت دائمہ (اور ہیئت کے معمول) کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے (اسی بنا پر) استفسار کیا تھا اور (ظاہر ہے کہ) حضور کے زمانہ میں اور بعد میں بھی سب لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھوٹے ہی ہیں قولہ فیہ دلیل علی جواز استفہام المفضول علی الفاضل الی قولہ بالنسبۃ الیہ علیہ السلام مفضولون

ف مگر چھوٹوں کو بزرگوں کے کسی فعل پر سوال نہایت ادب سے کرنا چاہئے جیسا حضرت ام سلمہؓ نے کیا۔ صوفیہ میں بعض حضرات قوال بالمعروف مشہور ہیں وہ اپنے بزرگوں پر بھی گرفت کرتے تھے یہ حدیث اُن کی دلیل ہے مگر یہ درجہ اُسی کیلئے ہے جسکو طرق آداب کی رعایت معلوم ہو۔

(۱۳۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال سے پہلے منشأ سوال کی تحقیق کرلینا چاہئے چنانچہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہوا دیکھ رہی ہوں،، (اس قول سے تحقیق حال ہی مقصود تھی کہ اگر یہ نماز کوئی اور نماز ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں اور منشأ سوال کی تحقیق اسلئے ضرور ہے کہ شاید وہاں کوئی ایسی بات موجود ہو جو ظاہر بین کی نظر سے مخفی ہو (جسکے معلوم ہو جانیکے بعد سوال وارد ہی نہو) جیسا یہاں (واقعۂ حدیث میں) ہوا کہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی نماز کو عصر کے بعد کی رکعتوں پر محمول کیا تھا جس سے ممانعت ہو چکی تھی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قضا نماز تھی عصر کے بعد نفل نہ تھی)

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں تاخیر اچھی نہیں بلکہ جلدی کرنا ہی بہتر ہے (خصوصاً جب کسی فعل پر سوال ہو تو ابتداء فعل کی ساتھ ہی سوال کرنا چاہئے تاکہ اگر وہ فعل نسیان یا خطا کی وجہ سے ہو رہا ہو تو اُس کی تلافی ہوسکے۔ کام کر لینے کے بعد بجز استغفار کے

Marfat.com

تلافی نہ ہو سکے گی) چنانچہ حضرت ام سلمہ رضا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خلاف عادت ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سوال مین تاخیر نہین کی نہ اُس کا انتظار کیا کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائین تو سوال کرون بلکہ اُس وقت سوال مین جلدی کی حالانکہ وہ خود بھی مشغول تھین (کہ مہمانون کی خاطر داری کی وجہ سے خود دریافت کیلئے نہین جاسکین باندی کو بھیجا) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی (نماز مین) مشغول تھے (مگر سوال اس نماز ہی کے متعلق تھا اسلئے مؤخر نہین کیا گیا اگر کسی اور عمل کے متعلق ہوتا تو نماز سے فراغت تک مؤخر کرنا لازم تھا) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ (کے اس فعل) پر انکار نہین فرمایا (تو ثابت ہوا کہ جس عمل مین اشکال واقع ہو اُس پر ابتداء عمل ہی مین سوال کرنا درست ہے) قولہ فیہ دلیل علی ان الاستفہام لا یکون الا بعد التحقیق الخ قولہ ام بینک ہو علیہ السلام علیہا بعد،،

(۱۳۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی حالت مین نمازی سے ایسی بات کی نسبت سوال کیا جاسکتا ہے جس کا موقعہ نماز کے بعد نہ رہے چنانچہ حضرت ام سلمہ نے نماز ہی مین آپ سے سوال کیا کیونکہ اگر نماز سے فراغت تک سوال کو مؤخر کیا جاتا تو سوال بیفائدہ ہو جاتا (کیونکہ مقصود سوال سے یہ تھا کہ اگر آپ بھولے سے یہ نماز پڑھ رہے ہین تو اسکو ترک کردین اور ظاہر ہے کہ یہ مقصود نماز کے بعد حاصل نہ ہوسکتا تھا) یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز مین سوال کا جواب اشارہ سے دیا جاسکتا ہے اس سے نماز فاسد نہین ہوتی اور ناقص بھی نہین ہوتی بشرطیکہ تھوڑا سا اشارہ ہو (جس مین عمل کثیر کی نوبت نہ آئے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جب باندی نے (نماز کے اندر) گفتگو کی تو آپ نے دست مبارک سے اسکو اشارہ کیا (کہ پیچھے کھڑی ہو جائے) یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ دریافت کرنے کیلئے کسی ناواقف ان پڑھ کو قاصد بنا سکتے ہین بشرطیکہ اسکو اُن آداب کی تعلیم کردی جائے جو اس حکم کے (دریافت کرنے کے متعلق (شرعاً ضروری) ہین چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب اس باندی کو بھیجا تو اسکو سب کچھ بتلا دیا کہ تجھکو کیا کہنا چاہئے

نمازی سے ایسی نماز کے متعلق بات کرسکتے ہین - نماز مین اشارہ سے بات کا جواب دینا درست - ناواقف سے احکام شرعیہ دریافت کرسکتے ہیں

Marfat.com

اور کس طرح کرنا چاہئے۔ قولہ وفیہ دلیل علی جواز السوال لمن ھو فی الصلوۃ الی قولہ ما تقول و ما تقنع۔
ف۔ احادیث سے ان آداب کا استنباط ہو فیہ ہی کا حصہ ہے اور وہی ان آداب پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے ہین اگر حق تعالی کسیکو نور بصیرت عطا فرمائین تو اُسکو ہر حدیث مین مسائل تصوف صاف صاف نظر آئین گے۔

(۱۳۴) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان کی (بڑی) حرمت ہے (اُس کا احترام کرنا چاہئے) دیکھو حضرت ام سلمہ کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے (اور بلا واسطہ سوال کرنے) سے ایسی بات نے تو روکا کہ وہ ان عورتون (کی خاطرداری) مین مشغول تھین جو اُن کی زیارت (اور ملاقات) کو آئی تھین، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتون کا ایک دوسرے کی ملاقات کو جانا جائز ہے بشرطیکہ اس مین کسی حرام یا مکروہ کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان باتون کو دیکھ لیتے جو آپ کے بعد عورتون نے ایجاد کی ہین تو اُنکو مسجدون مین آنے سے روک دیتے تو جب (ان حرکتون کی وجہ سے) اُنکو مسجدون سے روک دیا گیا تو اور مقامات سے بدرجۂ اولی روکا جائے گا۔ ۱۳۵

حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر والون کے سامنے نفل نماز پڑھنا جائز ہے (یعنی اس مین ریا کا اندیشہ نہین نہ یہ خلوت کے منافی ہے کیونکہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کے سامنے نماز نہ پڑھی ہوتی تو اُن کو آپ کی نماز کا علم ہی نہ ہوتا (پس یہ جو کہا گیا ہے کہ نوافل مسجد مین نہ پڑھی جائین گھر مین پڑھی جائین اس کا یہ مطلب نہین کہ گھر مین بھی گھر والون سے چھپ کر پڑھی جائین اور راز اسمین یہ ہے کہ ریا کا خطرہ وہان ہوتا ہے جہان عمل کے دیکھنے والے ایسے لوگ ہون جنکا اپنے سے افضل ہونا طبعاً گوارا نہین ہوتا بلکہ اُن پر اپنی فوقیت اور فضیلت کی طبعاً خواہش ہوتی ہے اور اپنے گھر والون پر فوقیت وفضیلت کی خواہش نہین ہوتی بلکہ اُن کا فضائل دینیہ یا دنیویہ مین بڑھ جانا انسان کو طبعاً گوارا ہے کسی کی بیوی یا بچے اُس سے بھی زیادہ صاحب ولایت وفضیلت بن جائین تو اس سے اُسکو طبعاً خوشی ہوتی ہے ناگواری نہین ہوتی اسلئے اُنکے سامنے نفلین پڑھنے مین ریا نہین ہوتی اور سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے تو مسجد اور گھر ہر جگہ برابر تھی آپکو کسی جگہ بھی ریا کا خطرہ نہ تھا مگر آپکا عمل اس طریقہ پر ہوا کرتا تھا جسکے اتباع مین امت کیلئے بھی کچھ خطرہ نہ ہو خوب سمجھ لو) قولہ فیہ دلیل علی ان الصیف خومنہ الی قولہ ما علمت بہ

نا: شریعت میں مہمان کی بڑی حرمت ہے

نا: گھر والون کے سامنے نفلین پڑھنا

ف - عورتوں کا باہم ایک دوسرے کی ملاقات کیلئے جانا عام حالات مین تو کچھ زیادہ برا نہین بشرطیکہ غیبت وشکایت کی باتین نکرین - نماز کو وقت سے مؤخر نکرین لیکن تقریبات مین ان کا جمع ہونا مفاسد سے خالی نہین، اکثر بے پردگی بھی ہوتی ہے اور نمازین بھی برباد ہوتی ہین -

بلا ضرورت نمازی کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے

(۱۳۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت نمازی کے پاس (کھڑا ہونا (یا بیٹھنا) مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باندی کو اشارہ کیا کہ آپکے پیچھے کھڑی ہوجائے اور معلوم ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ تشویش (ضرور) ہوتی ہے قولہ فیہ دلیل علی کراھۃ القرب من المصلی الی قولہ تشویش ما ۱۲

ف - آجکل لوگون مین عام مرض ہے کہ کسی سے ملنا ہوتا ہے اور وہ نماز مین مشغول ہے تو اُس کے پاس جاکر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے ہین - حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوتی ہے یہ حدیث اُن کی حجت ہے -

۱۴۵ اگر نمازی سے کوئی ضروری بات نماز کی حالت ہی میں کہنا ہو تو اسکے پہلو میں کھڑا ہو کر کہے

(۱۳۶) یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت ہی مین نمازی سے کچھ کہنا ہو تو اُس کا قاعدہ یہ ہے کہ نمازی کے پہلو مین قریب جاکر بات کرے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے باندی سے یہی فرمایا کہ حضور کے پہلو مین کھڑی ہو کر عرض کرنا، قیاس فقہی بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ اگر یہ شخص پہلو مین کھڑا ہو کر بات کرے گا تو نمازی گوشۂ چشم سے دیکھکر اُسے پہچان لیگا اور ادنی اشارہ سے جواب دیدیگا - اگر سامنے کھڑا ہو گا تو وہ اسکو اپنے آگے سے ہٹائے گا کیونکہ وہ سامنے گذرنے والا ہو گا (اور اُسکے لئے دفع کا حکم ہے) اور اگر پیچھے یا کچھ دور کھڑا ہو گا تو بعض دفعہ پہچاننا دشوار ہو گا اور پہچان بھی لیا تو دور ہونے کی وجہ سے اُسکی بات پر توجہ نہ ہو سکے گی جس سے نمازی کو تشویش (اور پریشانی لاحق) ہو گی اور ایسی حالت میں اشارہ سے جواب دینا بھی بعض دفعہ آسان نہ ہو گا قولہ فیہ دلیل علی ان ادب من یسأل الی قولہ لا تمکن الاشارۃ الیہ الا بمشقۃ -

ف - سبحان اللہ یہی آداب ہین جنکی شریعت نے تشویش اور پریشانی سے بچانے کیلئے تعلیم کی ہے ان آداب کو دیکھکر بیساختہ ہر شخص شریعت اسلامیہ کی نسبت یہ کہنے پر

Marfat.com

مجبور ہو جاتا ہے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔

شریعت نے تو مسلمانوں کو ادنیٰ ادنیٰ تشویش سے بچانے کا اسقدر اہتمام کیا ہے مگر اب عوام اور خواص سب ہی اس سے بے پروا ہیں اُن کی حرکات سے کسی پر پریشانی کا پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تو پرواہ نہیں کرتے اسی کا نتیجہ ہے کہ باہم وہ الفت و محبت باقی نہیں جو کبھی مسلمانوں کی ساتھ مخصوص تھی فالی اللہ المشتکی ۔،،

(۱۳۷) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں سے (شریعت یا طریقت کا) علم حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ راوی نے حضرت ام سلمہ سے یہ مسئلہ (مذکورہ) دریافت کیا اور اُن پر اعتماد کیا لیکن (عورتوں سے علم حاصل کرنے میں) یہ شرط ہے کہ اُن میں اس کی اہلیت ہو چنانچہ حضرت ام سلمہ میں یہ اہلیت (بدرجہ کمال) موجود تھی (اور یہ شرط مردوں سے علم حاصل کرنے میں بھی ہے مگر اُن میں بکثرت قابل ہوتے ہیں اسلئے تصریح کی ضرورت نہیں عورتوں میں قابل کم ہوتی ہیں اسلئے شرط کی تصریح کردیگئی) اور اس سے حضرات سلف (صالحین رضی اللہ عنہم کا اہتمام بالدین بھی ظاہر ہے (کہ اُن کو دین کا کسقدر اہتمام تھا کہ راوی کو جس بات کا علم نہ تھا اُس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (بیفکری کی ساتھ اسکو ٹالا نہیں بلکہ حکم شرعی معلوم کرنے کی فکر میں رہے) اور یہ حضرات سبھی ایسے ہی تھے خدا اُن سے راضی ہو ایک ایک حدیث کیلئے کئی کئی دن کا (بلکہ مہینوں کا) سفر کرتے تھے اسی لئے کسی نے کہا ہے اذا کان لک بالدین اہتمام ففی المعالی لک قدر و ان اضعتہ فما خطرک فی الوجود بہ خطر۔ جبتک تمکو دین کا اہتمام ہے تو بلند مقامات میں تمہارے لئے عزت ہے اور اگر دین کو برباد کردیا پھر جو حالت بھی تمکو پیش آئے اُس میں خطر (یعنی خطرہ) ہے قولہ وفیہ دلیل علی جواز اخذ العلم من النساء الخ قولہ فما خطرک فی الوجود بہ خطر ۔،،

ف اس سے اُن صوفیہ کی تحقیق ظاہر ہوگئی جنہوں نے بعض بزرگ عورتوں سے استفادہ کیا ہے پہلے زمانہ میں جب مسلمانوں کے دن بھلے تھے عورتیں علوم ظاہرہ و باطنہ دونوں میں مردوں کی طرح کمال حاصل کرتی تھیں آجکل مسلمان عورتوں نے علم کی طرف سے ایسی غفلت برتی ہے کہ گویا

عورتوں سے علم حاصل کرنیکا جواز بشرط اہلیت ۱۸۶

Marfat.com

کبھی ان کو علم سے مس ہی نہ تھا اگر کچھ عورتوں کو علم کا شوق ہوتا بھی ہے تو اسکو دین میں انگریزی پڑھنے کا شوق ہوتا ہے جو روز بروز ترقی پا رہا ہے مگر اسکو علم کہنا ہی علم کی توہین ہے آجکل جہل کا نام لوگوں نے علم رکھدیا ہے سے علمیکہ رہ بحق ننماید جہالت ست - مردوں کو بھی آجکل علم دین کا اہتمام نہیں علوم دنیا ہی کا اہتمام ہے البتہ اگر کسی کے دس پانچ لڑکوں میں کوئی کودن بیوقوف ہوتا ہے جس سے امتحانات پاس کرنے کی اُمید نہیں ہوتی اور اسلئے اس کی تعلیم پر روپیہ خرچ کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا تو مری بکری خواجہ خضر کے نام اُسکو عربی پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کیلئے بھیجدیتے ہیں پھر ہمارے بھائی شکایت کرتے ہیں کہ آجکل رازی اور غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے - بھلا ان کودنوں اور بیوقوفوں کو کوئی رازی اور غزالی کیونکر بنا دیگا جو علم دین کے واسطے چھانٹ چھانٹ کر بھیجے جاتے ہیں قوم کو کچھ تو انصاف کرنا چاہئے اور اپنی اس غفلت اور بیحسی پر کچھ تو شرمانا چاہئے کہ دین کی ساتھ اُس کا کیا برتاؤ ہو رہا ہے اس بے پروائی کا نتیجہ بہت کچھ ہمارے سامنے آچکا ہے تو اس غلطی کا اعادہ نہ ہونا چاہئے ''

۱۸۷ ۶۶ شصت و ششم (حدیث سبعۃ اوامر و سبعۃ نواہی)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم فرمایا اور سات سے منع فرمایا - جنازہ کیساتھ چلنے کا ہمکو حکم دیا - اور بیمار کی عیادت کا - اور دعوت کرنے والیکی دعوت منظور کرنے کا (مراد ولیمہ کی دعوت ہے) اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور قسم پورا کرنے کا اور سلام کا جواب دینے کا - اور چھینکنے والے کو دعا دینے کا بشرطیکہ وہ بھی اول اللہ تعالیٰ کی حمد کرے یعنی الحمد للہ کہے تو سننے والوں کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے اگر وہ حمد نہ کرے یا آہستہ کرے تو دعا دینا لازم نہیں اور ہمکو چاندی کے برتن (استعمال کرنے) سے منع فرمایا اور سونے کی انگوٹھی (پہننے) سے اور حریر و دیباج اور پارچہ قسی و استبرق اور سرخ (ریشمی) گدوں سے بھی -

شرح حدیث کا ظاہری مطلب واضح ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات سے منع فرمایا ہے (مگر اسکے یہ معنے نہیں کہ امر و نہی کا انحصار ہی میں

Marfat.com

انحصار ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ صحابی کو اُس وقت ان امور کے متعلق علم شرعی ظاہر کرنے کی ضرورت کسی وجہ سے زیادہ معلوم ہوئی تو ان کو شمار کی ساتھ بیان فرما دیا کیونکہ شمار یاد کر لینے سے مضمون کا یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے) اب سوال یہ ہے کہ جن امور کا اس حدیث میں حکم ہوا ہے کیا سب کا ایک ہی درجہ ہے؟ اور وہ درجہ کیا ہے؟ وجوب ہے یا استحباب؟ اسی طرح جن اُمور سے نہی وارد ہوئی ہے وہ سب حرام ہیں یا مکروہ؟

جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا یہاں امر ہوا ہے سب واجب نہیں بلکہ بعض واجب ہیں بعض مستحب چنانچہ جنازہ کی ساتھ جانا مستحب ہے کسی کا اسکو واجب کہنا معلوم نہیں ہوا البتہ اگر جنازہ کا اُٹھانے والا اور نماز پڑھکر دفن کرنیوالا کوئی نہو تو جو لوگ اس حالت سے واقف ہیں اُن پر فرض عین ہو جائیگا۔ اسیطرح بیمار کی عیادت مستحب ہے اور اگر کوئی تیمار داری کرنیوالا نہو تو فرض کفایہ ہے (اور جنکو علم ہو جائے کہ کوئی بیمار کو نہیں پوچھتا اُن پر فرض عین ہے) دعوت کا قبول کرنا مطلقاً واجب نہیں صرف دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے
۱۸۸ بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا لہو و لعب نہو جو شرعاً حرام ہے اگر ایسی صورت ہو تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں۔ اور جس صورت میں واجب بھی ہے اُس میں بھی کھانا واجب نہیں صرف شرکت واجب ہے کھانے میں اختیار ہے خواہ کھاؤ یا نہ کھاؤ (اور دعا کر کے مبارکباد دیکر واپس آجاؤ کھانے سے عذر کر دو)

اسکے علاوہ اور دعوتوں میں تفصیل ہے بعض کا قبول کرنا مستحب ہے بعض کا مباح بعض کا حرام (تفصیل علماء سے معلوم کیجائے یا کتب فقہ کی مراجعت کی جائے)

مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے۔ اسیطرح قسم کا پورا کرنا واجب ہے (اگر اپنی ہی قسم ہے تو اُسکے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ اگر دوسرے نے قسم دی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ اُس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں اور حق یہ ہے کہ اگر اُس نے کسی امر واجب کی قسم دی ہے تو پورا کرنا واجب ہے مثلاً یوں کہے کہ تجھے خدا کی قسم نماز ضرور پڑھا کر اور اگر کسی مستحب کام کی قسم دی ہے تو قسم کا پورا کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کام کی قسم دی ہے تو اس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہے۔

سلام کا جواب دینا واجب ہے اس میں کسی کا خلاف معلوم نہیں ہوا (البتہ اگر کسی نے

Marfat.com

مجمع کو سلام کیا ہے تو ہر اک پر جواب واجب نہین سب پر فرض کفایہ ہے ایک کا جواب سب کی طرف سے جواب ہو جائے گا اور سب ہی جواب دیدین تو بہتر ہے) اور چھینکنے والیکو دعا دینا سنت مؤکدہ ہے جو شرعاً مطلوب ہے (اور بعض کے نزدیک واجب ہے اُسی تفصیل سے جو سلام کے جواب مین گذری اور اُسی شرط سے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اُسنے حمد بھی کی ہو)

اور جن چیزون سے حدیث مین منع کیا گیا ہے وہ سب حرام ہین - حریر و دیباج اور قسی و استبرق - یہ سب ریشمی کپڑوں کی اقسام ہین جو مردون کیلئے حرام ہین عورتون کیلئے جائز ہین - اسیطرح سونے کی انگوٹھی عورتون کو جائز ہے مردون کیلئے حرام ہے، اور یہان سے معلوم ہوا کہ منہی عنہ مامور بہ سے اشد ہوتا ہے (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز سے منع کرنا کسی کام کا حکم کرنے سے زیادہ سخت ہے) کیونکہ منہی عنہ تو سب حرام ہوتے ہین بشرطیکہ نہی لطریق لزوم کے ہو، اور مامور بہ سب واجب نہین ہوتے بعض واجب ہوتے
ہین بعض مستحب، تو وہ اخف (اور سہل) ہے اسیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۱۸۹
اذا امرتکم بامر فأتوا منه ما استطعتم وما نهيتكم عنه فلا تقربوا - جب مین تمکو کسی کام کا حکم کرون تو جتنا بجا لا سکو بجا لاؤ اور جس سے منع کر دون اُسکے پاس نہ جاؤ - اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتون کا امر کیا گیا ہے وہ سب واجب نہین بلکہ بعض مستحب بھی ہین اور واجبات سب تمہاری طاقت و استطاعت کے موافق ہین (طاقت سے زیادہ کو واجب نہین کیا گیا) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها اللہ تعالیٰ کسیکو اُس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہین فرماتے - یہ مطلب نہین ہے کہ واجبات مین سے جسکو تمہارا جی چاہے ادا کرو اور جسکو جی نہ چاہے چھوڑ دو - یہ کوئی عقلمند بھی سمجھ دو کا ایک سے زیادہ ہونا معلوم ہے نہین سمجھ سکتا، مگر یہ کہ کسی کے دل پر ہوائے نفس ہی غالب ہوگئی ہو (تو وہ جو چاہے سمجھ لے)

اور اوپر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ منہی عنہ سب حرام ہین بشرطیکہ نہی لطریق لزوم کے ہو، یہ شرط اسلئے ہے کہ بعض دفعہ نہی کی ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے

Marfat.com

کہ نہی کراہت کی وجہ سے ہے یا شفقت کی وجہ سے ہے جیسا (ایک دفعہ) رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے (صحابہ کو) وصال سے منع فرمایا تھا (وصال یہ ہے کہ روزہ پر روزہ رکھا جائے
درمیان مین رات کو بھی کچھ نہ کھایا جائے) اسیطرح اور جو نہی اسکے مشابہ ہو کہ قرینہ سے اس کا
شفقت کیلئے ہونا معلوم ہو جائے تو اُس سے حرمت ثابت نہ ہو گی مگر نہی مین ایسا قرینہ شاذ
و نادر ہی ہوتا ہے اکثر نہی لزوم ہی کیلئے ہوتی ہے اور امر مین ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ استحباب
یا ارشاد کے طور پر حکم ہوتا ہے۔ اسیلئے بعض علماء نے کہا ہے کہ امر سے وجوب پر استدلال
کرنے کیلئے قرینہ کی ضرورت ہے۔ اور نہی سے استدلال کرنے کیلئے قرینہ کی ضرورت نہین بلکہ نفی حرمت قرینہ کی محتاج ہے
(۱۳۸) اس مین صوفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہین کہ آقا کے امر کا مقتضی یہ ہے کہ
اُس کی تعمیل کی جائے کسی صورت سے بھی ہو (خواہ واجب سمجھکر تعمیل کرے یا مستحب سمجھکر)
کیونکہ غلام کے ذمہ تو مولیٰ کے حکم کا بجالانا ہے اسکے سوا کچھ نہین (غلام کو اس بحث کی
ضرورت نہین کہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے) پھر وہ اس سے آگے ایک قدم اور
بڑھاتے ہین کہ مولیٰ کے حکم کو غلامون کے حق مین احسان اور عنایت سمجھتے ہین کہ اُن کا اتنا ۱۹۰
درجہ تو ہوا کہ اُن سے سوال اور خطاب ہوا۔
جیسا حدیث مین ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی سے فرمایا کہ
مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو (فلان سورت) پڑھکر سناؤن حضرت ابی نے عرض کیا اور میرا وہان
ذکر ہوا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر حکم دیا ہے) فرمایا ہان تمہارا نام بھی لیا اور تمہارے
باپ کا بھی۔ یہ سنکر حضرت ابی اس خوشی مین کہ میرا اتنا درجہ ہو گیا (کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لین)
رونے لگے۔ (ذکر میرا مجھسے بہتر ہے کہ اُس محفل مین ہے) اور کبھی خوشی کے جلد سے بھی
آنکھون مین آنسو آجاتے ہین ؎
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست ✦ گفت مارا جلوۂ معشوق درین کار داشت
اور اسی لئے (کہ صوفیہ کو محض حق تعالےٰ سے خطاب اور سوال وجواب کی تمنا ہی
درجات عالیہ کی تمنا نہین)
حضرت رابعہ عدویہ نے (ایک بار) جبکہ بعض لوگون نے اشتیاق موت پر اعتراض کیا

Marfat.com

کہ موت کا اشتیاق تو اسکو ہونا چاہئے جسے یقین ہو کہ مرتے ہی جنت میں پہونچ جاؤنگا جسکو یہ یقین نہ ہو وہ کیونکر موت کا مشتاق ہو سکتا ہے) فرمایا تو کیا وہ مجھے دکھائیں گے بھی نہیں یون بھی نہ کہیں گے کہ یا امۃ السوء فعلت کذا وکذا۔ اے بری بندی تونے ایسا ایسا کیا تھا لوگون نے کہا ہان (اگر مواخذہ ہوا تو یہ تو ہوگا ہی) فرمایا تو میرا مقصود یہی ہے (مین اس سے زیادہ کی طالب نہیں بس وہ مجھسے خطاب کرلین پھر چاہے گالیان ہی دے لین ۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

احبک حبین حب الھوی وحبا لانک اھل لذاکا

فاما الذی ھو حب الھوی فشغلی بذکرک عما سواکا

واما الذی انت اھل لہ فکشفک لی الحجب حتی اراکا

مین آپ سے دو طرح کی محبت رکھتا ہون۔ ایک عاشقانہ (جس کا منشا دل کا آپ پر آجانا ہے) دوسری محبت اسلئے کہ واقعی آپ محبت کے قابل ہین۔ سو پہلی محبت کا اثر تو ۱۹۱
یہ ہے کہ آپ کی یاد مین مستغرق ہو کر مین نے سبکو (دل سے) بھلا دیا ہے۔ اور دوسری محبت کا مقتضی یہ ہے کہ آپ میرے آگے سے پردے اٹھادین تاکہ آپ کو (جی بھر کے) دیکھ لون۔ (یا یہ مطلب ہے کہ دوسری محبت اسلئے ہے کہ آپ نے میرے سامنے سے پردے اٹھادئے ہین۔ یہانتک کہ مین آپ کو نگاہ بصیرت سے دیکھ رہا ہون اور مشاہدۂ قلب نے بتلادیا کہ واقعی آپ ہی محبت کے قابل ہین دوسرا کوئی اس قابل نہین مگر یہ کہ وہ آپ ہی تک پہونچانے والا ہو مانع نہو واللہ تعالیٰ اعلم) قولہ وفیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ حتی اراکا ،،

شصت و ہفتم (حدیث وفاۃ الرسول وفضل ابی بکر)

حضرت (عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفات نبویہ کے قصہ مین) روایت ہے کہ حضرت ابوبکر (صدیق) رضی اللہ عنہ (حجرۂ نبویہ سے) باہر آئے

Marfat.com

جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگون کے سامنے تقریر کر رہے تھے (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت صدیق نے اُن سے کہا بس بیٹھ جاؤ - اُنہون نے (بیٹھنے سے) انکار کیا (اور برابر تقریر کرتے رہے) تو ابو بکر صدیق رضہ نے خطبہ دیا جس مین توحید و رسالت کی شہادت تھی تو سب لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر کو چھوڑ دیا (یعنی اُن کی طرف متوجہ نہ رہے) شہادت توحید و رسالت کے بعد حضرت صدیق نے فرمایا -

امابعد - تم مین سے جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو (وہ سن لے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وفات ہو چکی اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہو تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہ مرے گا - اللہ تعالیٰ فرماتے ہین وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الی الشاکرین - اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہین (خدا تو نہین ہین) اُن سے پہلے اور بھی بہت رسول گذر چکے ہین تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل
۱۹۲ ہو جائین تم اپنی ایڑیون کے بل (دین سے) لوٹ جاؤ گے اور جو (دین سے) پھریگا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور (جو اس حالت مین صبر و شکر کرے گا تو اللہ تعالیٰ شاکرین کو ضرور جزا دیگا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہین کہ اس آیت کو سنکر) بخدا لوگون کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بھی نازل کیا ہے - یہانتک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسکو پڑھا (تب اُن کو یہ آیت یاد آئی) پھر تو لوگون نے اس آیت کو سنکر یاد کر لیا - اسکے بعد ہر شخص اسی آیت کو پڑھتا ہوا پھرتا تھا -

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ صحابہ نے حضرت ابو بکر کو حضرت عمر پر ترجیح دی اس آیت کے متعلق چند باتین بیان کرنے کی ہین -

(۱۳۵) یہان یہ سوال ہوتا ہے کہ اس نازک موقعہ پر ان دونون حضرات مین اختلاف کیون ہوا حالانکہ دونون جس درجہ پر ہین ظاہر ہے، پھر اس کی کیا وجہ کہ حضرت صدیق نے آیت کو تلاوت کیا تو صحابہ کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا اس آیت کو اس وقت سے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا -

Marfat.com

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونون حضرات کے اختلاف کا سبب اسوقت تک معلوم نہین ہو سکتا جبتک یہ معلوم ہو کہ دونون کی حالت اسوقت کیا تھی اور دونون کا خاص مقام کیا تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہی پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حالت تو اس وقت یہ تھی کہ جب اُنکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیگئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس اندوہناک خبر سے گھبرا گئے تو حضرت عمر نے تلوار نیام سے نکال لی اور فرمایا اگر کسی کی زبان سے یہ بات نکلی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو اس تلوار سے اُس کا خاتمہ کر دون گا (حضور کی وفات نہین ہوئی بلکہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کو (بطور معراج کے) اُٹھالیا ہے آپ ابھی واپس آئین گے اور بعض لوگون کو قتل کر دین گے بعض کے ہاتھ کاٹ دین گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (وفات کی خبر سننے کے بعد) نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے نہ آپکو دیکھا (بلکہ خبر سنتے ہی تلوار نکال کر لوگون کو اس قسم کی گفتگو سے منع کرنے لگے) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت (ایک ضرورت سے) مدینہ کے باہر گئے ہوئے تھے جب اُنکو یہ خبر پہونچی تشریف لائے یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۹۳
پہونچے آپکے چہرۂ مبارک کو کھول کر دیکھا حضور کی آنکھون کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا میرے باپ ماں آپ پر قربان ہون آپ زندگی مین بھی پاکیزہ تھے مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہین اسکے بعد باہر آئے اور حضرت عمر بار بار اپنی اُسی بات کو دہرا رہے تھے حضرت صدیق نے اُنکو بیٹھ جانے کا حکم دیا مگر وہ نہ مانے اپھر حضرت صدیق نے وہ خطبہ شروع کر دیا جس کا مضمون حدیث مین مذکور ہے (یہ تو اُن حضرات کی اس وقت کی حالت تھی) اور اُن کی الگ الگ خاص حالت وہ تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد مین بتلائی ہے انا مدینۃ السخاء وابو بکر بابھا وانا مدینۃ الشجاعۃ وعمر بابھا وانا مدینۃ الحیاء وعثمان بابھا وانا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ (مین سخاوت کا شہر ہون ابو بکر اُس کا دروازہ ہین۔ مین شجاعت کا شہر ہون عمر اُس کا دروازہ ہین مین حیاء کا شہر ہون عثمان اُس کا دروازہ ہین مین علم کا شہر ہون علی اُس کا دروازہ ہین۔ ف اس حدیث کی صحت مین محدثین کو کلام ہے) اور (ظاہر ہے کہ) شجاعت سے مراد دین مین شجاعت (اور پختگی) ہی اسیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروق کا خطاب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسلام لانیکے دن ہی حق اور باطل مین فیصلہ کر دیا تھا کہ اُسی دن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت علانیہ

Marfat.com

ہونے لگی "- اور (یہ بھی ظاہر ہے کہ) سخاوت کی زیادتی یقین کی قوت ہی سے ہوسکتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ابوبکر زیادہ نماز اور زیادہ روزہ کی وجہ سے تم پر فوقیت نہیں لے گئے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے بڑھ گئے جو اُنکے دل میں ڈالی گئی ہے" اور وہ چیز کیا ہے؟ قوت یقین ہی تو ہے، اور جس کا یقین قوی ہوگا اُسکو حوادث کی قوت و شدت سے حرکت و اضطراب نہیں ہوسکتا (وہ ہر حالت میں کوہ وقار بنا رہتا ہے) وہ اپنے ہر کام کو یقین پر مبنی کرتا اور تمام حالات کی پوری تحقیق کرلیتا ہے، اور جس کا مقام قوت دین ہوگا جس کا (دوسرا) نام شجاعت ہے وہ اپنے ہر کام میں پوری احتیاط اور قوت کو ملحوظ رکھے گا (تمام حالات کی پوری تحقیق کے درپے نہیں ہوتا بلکہ عمل میں ہر محتمل پہلو کی رعایت کا اہتمام کرتا ہے) چونکہ حضرت عمر شجاعت اور قوت دین کے مقام پر تھے جب اُن سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے اور لوگوں کی حالت (اضطراب) کا مشاہدہ کیا تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے بلکہ ہر احتمال پر نظر کی اُن کو یہ بھی احتمال ہوا کہ حقیقۃً آپ کی وفات ہوگئی ہو اور یہ بھی احتمال ہوا کہ بطور معراج کی وفات ہو اور آپ واپس آجائینگے اور وقتی حالت کا مقتضا یہ تھا کہ اس واقعہ کو اُسی پہلو پر محمول ۱۹۲ کیا جائے جسمیں پوری احتیاط ہو یعنی معراج کی حالت پر، تاکہ لوگوں میں جو اضطراب اور زلزلہ سا پیدا ہوگیا ہے وہ زائل ہو جائے اور (اس احتمال پر نظر کر کے) اُن میں کسی قدر سکون پیدا ہوجائے، پھر (بعد تحقیق کے) اگر یہی پہلو صحیح نکلا جس پر واقعہ کو محمول کیا گیا تھا تو سبحان اللہ، اور اگر دوسرا پہلو نکلا کہ حقیقۃً آپ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ حقیقت سکون کی حالت میں اُن کے سامنے آئیگی کیونکہ صدمہ کی بات پر جب کچھ مدت گذر جاتی ہے نفس کو سکون ہوجاتا اور دل مضبوط ہوجاتا اور کسیقدر مطمئن ہوجاتا ہے اسیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ صبر وہی ہے جو صدمہ کی ابتدائی حالت میں ہو- اسیوقت مستقل مزاج اور غیر مستقل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور جب صدمہ پر مدت گذر جاتی ہے تو اسوقت تو سب ہی کو بے اختیار صبر آجاتا ہے - یہ بات سبکو معلوم ہے جسمیں کچھ شبہ نہیں، اسی بات نے حضرت عمر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا بلکہ اُنہوں نے لوگوں کے سامنے تقریر شروع کردی تاکہ اُن کا اضطراب اور زلزلہ کم ہوجائے) اگر وہ پہلے حضور کے پاس پہونچ جاتے اور حقیقی وفات کا مشاہدہ کرلیتے جیسا حضرت صدیق نے مشاہدہ کیا تو اُن کو اس بات کے ص

Marfat.com

کہ جھوٹ بات منہ سے نکالیں اور تحقیق سے پہلے جو کچھ اُنہوں نے کہا اُس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی حضور کی وفات تحقیق نہیں ہوئی احتمال ہے کہ یہ معراجی حالت ہو اور ممکن ہے کہ اس احتمال کے سوا دوسرا احتمال اُن کے ذہن ہی میں نہ آیا ہو کیونکہ اُن کا خیال یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ میں جس غلبہ کی خبر دی ہے وہ حضور کے سامنے ہی ہوگا جیسا آیت سے متبادر ہی ہے اور وہ غلبہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تو ابھی حضور کی وفات نہیں ہو سکتی) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب حضور کی زیارت کر کے وہ باہر آئے تو فرمایا کہ موت کے وقت بنو ہاشم (کے آدمیوں میں سے) جس قسم کی بو آیا کرتی ہے مجھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں سے وہی اسوقت آرہی ہے تو یہ حضرات تو وفات سے پہلے ہی موت کی بو سے علامت کو پہچان لیتے تھے تو کیا حقیقی وفات کے بعد آپ کو دیکھکر اُنہیں کچھ شبہ ہو سکتا تھا؟ یہ ناممکن ہے پس حضرت عمر (اسی لئے خبر وفات سنکر حضور کے پاس نہیں گئے بلکہ آپ) نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا جو اُن کی اپنی اصلی حالت کا مقتضا تھا جب صاحب یقین بزرگ تشریف لائے تو وہ اس حادثہ عظیم سے مضطرب نہیں ہوئے اُنہوں نے حقیقت حال معلوم کرنے سے پہلے کوئی بات نہیں کرنی چاہی (سیدھے) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے آپ کا چہرہ مبارک کھول کر دیکھا، جب اُن کو محقق ہو گیا کہ واقعی سچ مچ آپ کی وفات ہو گئی ہے تو غور کیا کہ اسوقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو اور سب مسلمانوں کو کیا ہے؟ تو فوراً قرآن کی آیت دل میں آئی جس میں اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد محکم موجود تھا جو قرآن میں تلاوت کیا جاتا ہے پس وہ حکم کے سامنے جھک گئے اور دل سے منقاد ہو گئے۔ پھر باہر آکر لوگوں کو بھی اللہ کے حکم کے سامنے جھک جانیکی ترغیب دی غرض دونوں بزرگوں نے اپنے مقام رفیع کے مقتضیٰ پر عمل کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی باتوں میں حکمت اور مصلحت رکھی تھی حضرت عمر کی بات سے تو منافقین دم بخود رہ گئے اُنکو یہ موقعہ نہ ملا کہ فوراً دشمنان دین کو اطلاع کر کے بھڑکا دیتے اور حضرت صدیق کے زبردست بلیغ خطبہ سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے اضطراب جاتا رہا اور مردانہ وار اس صدمہ

Marfat.com

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابوبکرؓ حق کے سوا کچھ نہین کہہ سکتے اور بدون یقین کے کوئی حکم نہین کرسکتے تو اب وہ
اُمید جاتی رہی جو پہلے اُن کے دل مین تھی کہ آپ دوبارہ تشریف لائینگے پس فرط قلق شوق و اضطراب محبت
نے پیرون مین ضعف پیدا کردیا کہ اب کھڑے ہونیکی بھی طاقت نہ رہی) سہ دو حملو فی الجبال حملتہا۔ و
لکن الفراق لا یطاق، اگر میرے اوپر پہاڑ لاد دئے جائین تو اُن کو اُٹھالون گا مگر فراق کے تحمل کی
طاقت نہین،، اسیطرح باقی خلفاء یعنی حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی جو حالت بیان کی گئی ہے وہ اُن کے مقام
کے مناسب تھی چنانچہ حضرت عثمان تو کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے تھے زبان سے کچھ نہ کہتے تھے اور حضرت علی
بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے (پہلے چلتے پھرتے بھی نہ تھے اور) بات بھی نہ کرسکتے تھے اس کی وجہ بجز اسکے کچھ نہ تھی کہ
ان پر اُنکے احوال رفیعہ نے ظہور کیا تھا کیونکہ حضرت عثمان مقام حیا مین تھے اور جسپر صفت حیا غالب ہوتی ہے
جب اسکو کوئی پریشانی پیش آتی ہے اُس سے بوجہ غلبۂ حیا کے بات نہین ہوسکتی اور حضرت علی کا مقام علم تھا
اور جس شخص کو خصوصیت کی ساتھ اللہ تعالیٰ کا علم زیادہ ہوگا وہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات (و علامات) کا
مشاہدہ کرتا ہے اُس پر خوف اور اذعان (و تسلیم) کا غلبہ ہوتا ہے وہ ادب کی وجہ سے اپنی طرف سے کوئی بات ظاہر
۱۹۶ نہین کرتا جبتک اللہ تعالیٰ کا حکم اُسکے سامنے نہ آجائے اور یہ نہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس واقعہ
سے یہی ہے جو عادت سابقہ سے ہمکو معلوم ہے یا کوئی نیا واقعہ ہے جسکی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ اپنے احکام (تکوینیہ و تشریعیہ) مین سے جو چاہتے ہین از سر نو پیدا کرتے ہین جیسا حدیث مین وارد ہے اور
اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کل یوم ھو فی شان اگرچہ علماء اہل سنت (اس کی تفسیر مین) فرماتے ہین کہ مراد
ابداء شان ہے انشاء شان نہین مگر یہ حق تعالیٰ کی نسبت سے ہے اور ہماری نسبت سے کسی (حالت یا حکم
کی انشاء و ابداء دونون ہوسکتی ہین جس کا ہمین پہلے سے علم نہ تھا اس مقام کی شرح اس سے زیادہ نہین
ہوسکتی عوام اس مین غور نکرین اور خواص خود سمجھ جائین گے) اسی حقیقت کی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتے
ہین انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء بس اللہ سے اسکے بندون مین وہی ڈرتے ہین جو (اللہ کی عظمت ذات
و صفات کے) عالم ہین قولہ ما سبب اختلاف ھذین السیدین الی قولہ من عبادہ العلماء۔ ف بزرگون کے طرز
معاملات مین جو بعض دفعہ اختلاف نظر آتا ہے اُس کا منشا احوال و مقامات کا اختلاف ہے، حقیقت کا اختلاف نہین
مقصود سب کا ایک ہی ہے یعنی حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اُن کی رضا کی طلب اسی لئے اختلاف امور ذوقیہ یا
اجتہادیہ ہی مین ہوتا ہے امور منصوصہ مین نہین ہوتا۔

(باقی آئندہ)

Marfat.com

ف: اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دین کی قوت اور یقین کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے نازک موقعہ پر بھی مستقل رہے اور اتنے مستقل رہے کہ اپنے کلام کو اسی قاعدہ سے شروع کیا جو سنت نبویہ کا مقتضا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ مہتم بالشان امور میں کلام کو اللہ سبحانہ کے ذکر وثناء سے شروع کرتے تھے"۔ فیہ دلیل علی قوۃ ابی بکر فی الدین

الی قولہ بذکر اللہ سبحانہ والثناء علیہ -

(۱۴۱) ف: اس سے حضرات صحابہ کا باہم ایک دوسرے کا ادب ملحوظ رکھنا بھی معلوم ہوا یہ بھی دین کا جزو ہے چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ (تاکہ میں کچھ بولوں) اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا (کہ تم غلط کہہ رہے ہو حضور کی وفات معراجی نہیں بلکہ حقیقی وفات ہے تم نے دیکھا نہیں ہے میں حضور کو دیکھ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور بیٹھ جانے کو اس لئے کہا کہ ان کی تقریر کی ساتھ اپنی تقریر شروع کر دینا ادب کے خلاف تھا۔ مطلب یہ تھا کہ بس تم کو جو کہنا تھا کہہ چکے اب میں کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ جائیں) قولہ وفیہ دلیل علی تادب الصحابۃ

الی قولہ ولم یزد علیہ فیما قال شیئاً

(۱۴۲) ف: نیز اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب کی رعایت اسی وقت تک ہے جب دین کی ضرورت (فوت) نہ ہو اور اگر (ادب سے) دین کی ضرورت (فوت ہوتی) ہو تو اب ادب کی رعایت نہ ہوگی بلکہ اس وقت ترک ادب ہی ادب ہوگا دیکھو جب حضرت عمر نے حضرت صدیق کی بات نہ مانی (اور خاموش نہ ہوئے) اور حالت نازک تھی تو انھوں نے (سیدھے منبر نبوی پر جا کر) اپنا خطبہ شروع کر دیا اور دین کی (ضرورت کی وجہ) سے ان کا ادب چھوڑ دیا (کیونکہ گفتگو کا ادب یہ ہے کہ جب تک ایک شخص بول رہا ہے دوسرا اپنی تقریر شروع نہ کرے مگر صورت حال کی نزاکت اور دینی ضرورت نے حضرت صدیق کو مجبور کر دیا کہ حضرت عمر کی گفتگو کی ساتھ ہی اپنی تقریر شروع کر دیں پھر بھی اتنا ادب ملحوظ رکھا کہ حضرت عمر مسجد کے صحن میں گفتگو کر رہے تھے حضرت صدیق نے وہاں تقریر شروع نہیں کی بلکہ مسجد کے اندر منبر نبوی پر تقریر فرمائی) اور اسی دینی ضرورت نے حضرت عمر کو حضرت صدیق کا ادب ملحوظ رکھنے سے روکا تھا کہ جب انھوں نے ان سے خاموش ہونے کو فرمایا خاموش نہیں ہوئے (برابر بولتے رہے کیونکہ وہ اپنے نزدیک اپنی گفتگو کو دینی ضرورت پر مبنی سمجھ رہے تھے کہ اس وقت

Marfat.com

منافقین کو دبانے کیلئے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ حضور کا وصال نہیں ہوا جب سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی اوس کے بعد تحقیق کی جائے گی کہ حضور کی واقعی وفات ہو گئی یا بیماری سے غشی آگئی ہے)

قولہ وفیہ دلیل علی تادب الصحابۃ رضی اللہ عنہم بعضہم مع بعض الی قولہ ویسکت حین اشار الیہ بالسکوت۔

ف۔ بعض لوگ ادب کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے بزرگ کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالے یہ صحیح ہے مگر خلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ کہنے والا اپنے بزرگوں کا مخالف ہے اون کو بزرگ نہیں سمجھتا یہ مطلب نہیں کہ شرعی مسائل میں اون کی رائے سے اختلاف بھی نہ کرے اگر مسائل شرعیہ میں اختلاف کو بھی بے ادبی میں داخل کیا جائے گا تو کیا نعوذ باللہ امام محمد بن حسن اور امام ابو یوسف بے ادب تھے جنھوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے حاشا وکلا یہ ہرگز بے ادبی میں داخل نہیں اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضرت عمر کے نزدیک اوس بات کی ضرورت تھی جو وہ کہہ رہے تھے اس لئے حضرت صدیق کے خاموش کرنے سے خاموش نہ ہوئے اور حضرت صدیق کے نزدیک حضرت عمر کی بات کی ضرورت اوس وقت تک تھی جب تک حقیقت واضح نہ ہوئی تھی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد صحابہ کو سنبھالنے اور اطمینان و استقلال کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور کفن دفن میں مشغول ہونے کی ضرورت تھی اس لئے آپ نے حضرت عمر کو خاموش رہنے کے لئے فرمایا کہ اب تمھاری بات کا وقت نہیں رہا میں حقیقت پر مطلع ہو کر آیا ہوں اب اوس کے مقتضا پر عمل کرنا لازم ہے پس ہر ایک نے دینی ضرورت کو ادب پر مقدم کیا، ہمارے اکابر کا عمل بھی حضرات شیخین کی اس سنت پر تھا کہ وہ ضرورت دینیہ کو ادب پر مقدم کرتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اپنے بزرگوں سے بعض امور میں اختلاف کرتے تھے مگر تہذیب کے عنوان سے تاکہ اختلاف رائے مخالفت کی حد تک نہ پہونچ جائے۔ افسوس آج کل اس طرز پر لوگ نہیں چلتے اختلاف رائے کو مخالفت و مخاصمت کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور تقریر و تحریر میں دوسرے کے ایمان و نیت پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے یہ لوگ دائرہ علم و تقوی سے خارج ہیں فالی اللہ المشتکی۔

(۱۳۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت اور دین کی پختگی کا مقتضا یہ ہے کہ مشکلات کیوقت کلام موجز (مختصر) کیا جائے اور حجت (دلیل) مؤثر و مستحکم بیان کی جائے۔ دیکھو حضرت صدیق کا یہ 198

Marfat.com

خطبہ من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات الخ کس قدر بلیغ اور غایت درجہ بلیغ ہے مگر مختصر بھی ہے (طویل نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ زیادہ لمبی چوڑی باتیں نہیں کیا کرتا چند جملوں ہی میں حقیقت کو واضح کر دیتا ہے) اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین و احکام کیلئے سب سے بڑی قطعی حجت کتاب اللہ ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور اسی پر حق کا مدار نہ ہوتا تو صحابہ سب کے سب سر تسلیم خم نہ کر دیتے اور ان ہی آیتوں کو بار بار نہ دُہراتے" قولہ وفیہ دلیل علی ان من الفصاحۃ والبلاغۃ الی قولہ یکررون الآی -

(۱۴۴) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام کو حق و باطل پر تقسیم کرنا بھی جائز ہے تاکہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے دیکھو حضرت صدیق نے ایسا ہی کیا ہے فرمایا کہ تم میں جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر چکے ہیں اور جو اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہیں وہ نہیں مر سکتے۔ حالانکہ حضرت صدیق کو قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے والا نہ تھا مگر آپ نے ایسی بات کو جو یقیناً محال تھی ایسی بات سے ملا کر بیان کیا جو سب کے نزدیک محقق اور یقینی تھی تاکہ اسی طرح حق مؤکد اور اہل حق ثابت قدم ہو جائیں۔ قولہ فیہ دلیل علی جواز تقسیم الکلام بین الحق والباطل الی قولہ تاکد الحق وتثبیتا لاھلہ -

ف - یہ بھی حضرات صوفیہ کی دولتوں میں سے ایک دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ قوت دین انکے فصاحت و بلاغت کلام بھی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی، مولانا جامی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی وغیرہم کی فصاحت و بلاغت معلوم ہے ہمارے زمانہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی فصاحت و بلاغت کا دنیا نے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت کی برابر مؤثر بیان کسی کا نہ ہوتا تھا بلاغت اسی کا نام ہے رنگینی الفاظ کا نام نہیں وقل لہم فی انفسہم قولا بلیغا حضرت کی شان میں یہ شعر بالکل سچا ہے ؎

ومن لبیان فی القلوب مؤثر ولبعدک قول القائلین فضول

اب ایسا بیان کون کرے گا جو دلوں میں اثر کرتا چلا جائے۔ آپ کے بعد تو بولنے والوں کی باتیں فضول ہی سی ہیں۔ اس مقام پر حضرت صدیق کو حالانکہ قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ سب کے سب اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں مگر حضور کی خبر وفات سن کر جو ان کے ہوش اُڑ گئے اور ایک حالت اضطراب پیدا ہو گئی اس پر اس عنوان سے تنبیہ فرمائی کہ یہ حالت تو اس کی ہونی چاہئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۹۹

Marfat.com

کی عبادت کرتا ہو اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اوس کو اس قدر پریشان و مضطرب نہ ہونا چاہیے۔
اہل بلاغت سمجھ سکتے ہیں کہ اس موقعہ کیلئے اس سے بہتر عنوان حقیقت کو واضح کرنے والا اور گرتوں کو سنبھالنے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ احقر نے اپنے قصیدۂ نعتیہ وسیلۃ الظفر میں اسی واقعہ کو اس عنوان سے بیان کیا ہے ؎

ما کان اثبتہ لکل مہمۃ	کادت تنزول لہا ذوات صخور
من کان یعبد احمد افوربکم	مات الحبیب ولات حین نکیر
من کان یعبد ربہ فہو الا لہ	الواحد القیوم خیر نصیر
ھذا الثبات فہل سمعت بمثلہ	ھذا الوقار وکان خیر وقور

حضرت صدیقؓ ہر مشکل موقعہ پر جہاں پہاڑ بھی ہلنے کو ہو جائیں بڑے ہی ثابت قدم تھے۔ ان کے اوس بلیغ خطبہ پر تعجب کرو جو اونھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر دیا تھا جبکہ بڑے بڑے صحابہ گھبرا اُٹھے تھے فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سُن لے کہ محبوب تو مر چکے اب اس سے انکار کی گنجایش نہیں اور جو رب محمد کی عبادت کرتا ہو تو اللہ واحد قیوم زندہ ہے اور بڑا اچھا مددگار رہے، یہ ہے ثبات قدم تم نے کہیں اس کی نظیر سُنی ہے؟ یہ ہے وقار و استقلال اور واقعی حضرت صدیق بڑے صاحب استقلال تھے، حضرت صدیق میں یہ استقلال اونکے مقام یقین کا ثمرہ تھا اور اسی لئے اون کو سب سے پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا کہ اوس وقت ایسے ہی صاحب استقلال کی مسلمانوں کو ضرورت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبائل عرب میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی اور بعضے مرتد ہو گئے تھے تو رخنۂ ردت کو بند کرنے کے لئے بڑے صاحب استقلال خلیفہ کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت صدیق نے سب سے پہلے اسی فتنہ کا سر کچلا اور اللہ نے اون کی مدد کی آپ نے مرتدین کو ذرا مہلت نہیں دی حالانکہ وقت نازک تھا فارس اور روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ تھا چنانچہ اسی نزاکت حال کو دیکھ کر حضرت عمر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مرتدین عرب کو اس وقت چھوڑ دیا جائے ان کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا پہلے بیرونی دشمنوں کا انتظام کیا جائے تاکہ لوگوں کی گھبراہٹ کو سکون ہو جائے وہ اس سے پریشان ہیں کہ اپنے ملک میں بھی جنگ کریں اور باہر والوں سے بھی مقابلہ کریں۔ حضرت صدیق نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ رد کیا کہ استیصال

Marfat.com

کے سانپ سے غفلت برتنا ہرگز مناسب نہیں ان کی سرکوبی سب سے پہلے ضروری ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے حضرت صدیقؓ نے فرمایا بخدا میں مرتدین سے ضرور قتال کروں گا چاہے صرف ہوا ہی میرے ساتھ ہو اور کوئی نہ ہو یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالے نے ہوا کو اون کی مدد کے لئے بھیجدیا کہ دفعۃً تمام مسجد ہوا سے بھر گئی اور جو لوگ حضرت صدیقؓ کی رائے کے خلاف تھے اون کے چہروں پر خاص طور سے ہوا نے کنکریاں ماریں جس سے گھبرا کر وہ سب مسجد سے باہر نکل گئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قتال میں حضرت صدیقؓ کا شرح صدر کردیا تو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے پھر اللہ تعالے نے میرا بھی شرح صدر کر دیا۔ چنانچہ ایک سال میں مرتدین کا فتنہ فرو ہو گیا پھر حضرت صدیقؓ نے ایک ہاتھ فارس کی طرف بڑھایا ایک ہاتھ روم کی طرف اور دونوں طاقتوں سے مقابلہ شروع ہو گیا نقشہ جنگ حضرت صدیقؓ نے بنادیا تھا اس کی تکمیل بعد میں ہوئی حضرت عمرؓ کا مقام شجاعت اور شدت فی الدین تھا تو حضرت صدیقؓ کے بعد مسلمانوں کو اون کی حاجت تھی تاکہ حضرت صدیقؓ کے بنائے ہوئے نقشہ پر جرأت کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں چنانچہ آپ کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اسلام تمام اطراف میں پھیل گیا اور بلند ہو گیا پھر قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو کمال کے بعد زوال ہوتا ہے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ اونکی خلافت میں ۶ سال کے اندر بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور سلطنت اسلام کمال درجہ پر پہونچ گئی پھر آخری ۶ سال میں زوال کے آثار پیدا ہونے لگے اور زوال شروع ہونے کے وقت مقام صبر و تسلیم و حیا کی ضرورت ہے اور یہ حضرت عثمانؓ کا خاص مقام ہے، اونھوں نے رعایا کی آزادی اور قلت اطاعت اور بیباکی اور قلتِ احترام خلیفہ پر کہ یہی زوال کا سرچشمہ ہے غایت حلم سے کام لیا جو کمال حیا کا مقتضا ہے پھر باغیوں کی بغاوت پر صبر و تسلیم سے کام لیا خود اپنی جان دیدی مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں اوٹھائے اور جس نے ایسا کرنا چاہا اوس کو روکدیا اس میں امت کو سبق تھا کہ جب رعایا میں بیباکی و آزادی پیدا ہونے لگے اوس وقت خلیفہ کو حلم سے کام لینا چاہیئے اور رعایا باغی ہو جائے تو اپنی اسلامی برادری سے جنگ نہ کرنا چاہیئے پھر حضرت علیؓ کی خلافت کے مسلمان محتاج ہوئے کیونکہ اون کا مقام علم تھا امت کو ضرورت تھی کہ باغیوں کے متعلق مفصل احکام کا علم ہو۔ اگر ہر خلیفہ اسی طرح قتل ہوتا رہا سو نظام درہم برہم ہو جائے گا لوگ ۳۰۱

Marfat.com

بغاوت کیا کریں گے اور خلیفہ کو قتل کر دیا کریں گے تو خلیفہ اور خلافت کا رعب جاتا رہے گا اور بہت جلد حکومت اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اس وقت حضرت علی نے اہل تاویل سے قتال کیا اور مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ اہل تاویل اور مارقین و خارجین کے احکام سے مطلع کر کے تولاً و عملاً حق کو واضح فرما دیا تھا کہ آئندہ کے لئے احتمال و اجمال باقی نہ رہے۔ غرض ہر شخص کا ایک مقام معلوم ہے اور مسلمانوں کو سب ہی کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے ہم پر بھی فضل فرمائیں اور ایسے اعمال کی توفیق دیں جن سے ہم اون کے قریب پہونچ جائیں اور قیامت میں اون ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور متقین کی جماعت میں بلا محنت و مشقت کے عافیت کے ساتھ اپنے فضل سے داخل فرما دیں آمین (اس تقریر کا اکثر حصہ حضرت شارح کے کلام سے ماخوذ ہے چونکہ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہ تھا مگر مضمون عجیب تھا اس لئے فائدہ کے ضمن میں بیان کر دیا گیا سبحان اللہ حضرت شارح نے بڑی خوبی سے مقامات خلفاء اربعہ پر روشنی ڈالی ہے مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان رہ گیا کہ وہ بھی خلیفۂ راشد ہیں اون ہی کی خلافت پر تیس سالہ ۲۰۲ مدت خلافت علی منہاج السنۃ تمام ہوئی ہے تو کہنا چاہیے کہ حضرت علی رض کے بعد مسلمانوں کو امام حسن کی خلافت کی طرف احتیاج ہوئی جن کا خاص مقام سیادت تھا جس کا مقتضا یہ ہے کہ جب قومی نزاعات کا طاقت سے خاتمہ نہ ہو تو سردار اپنی مصالحانہ روش سے اوس کا خاتمہ کر دے چنانچہ امام حسن رض نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کو اپنی شان سیادت سے صلح و اتفاق و اتحاد کی طرف واپس کر دیا اپنے کو خلافت سے معزول کر کے حضرت معاویہ کو خلافت سونپ دی اسی لئے اس سال کو عام الجماعۃ کہا جاتا ہے کہ اوس سال مسلمان پھر سے متفق و متحد اور مجتمع ہو گئے جس کی برکت سے صدیوں تک خلافت اسلامی باقی رہی اور ترقی کرتی رہی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱۴۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ مصائب میں تسلی کا سب سے بڑا ذریعہ بار بار قرآن (کی آیات) کو دُہرانا (اور بکثرت پڑھنا) ہے یہی حق ہے اور کھلی ہوئی بات ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کے لئے شفا اور رحمت ہیں اوس کی ایک شان شفا یہ بھی ہے کہ غم اور پریشانی کے وقت اوس سے تسلی حاصل ہوتی ہے چنانچہ (اسی لئے) صحابہ نے بار بار اس آیت کو دہرانا شروع کیا (جو حضرت صدیق نے اپنے خطبہ میں پڑھی تھی) کہ ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جس کی زبان سے وہ آیت نہ سُنی گئی ہو

مصائب میں بڑی تسلی قرآن کی تلاوت و تکرار سے ہوتی ہے۔

Marfat.com

کیونکہ اسی آیت کو سُن کر انہیں اللہ کا حکم تو معلوم ہو گیا تھا پھر بار بار دہراتے اور تکرار کرنے میں اس کے سوا کیا فائدہ تھا کہ وہ اس سے اپنے رنج و غم میں تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ قولہ فیہ دلیل علی ان اکبر التسلی فی المصائب تردادکتاب اللہ الی قولہ الا التسلی بھا علی ماھم فیہ من الحزن والبرحاء۔

ف ۔ ذکر اللہ سے اطمینان و تسلی حاصل ہونا صوفیہ کا مشاہدہ ہے وہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں اور ذکر اللہ کی اعلیٰ فرد نماز اور تلاوت قرآن ہے اور مصیبت کے وقت خصوصیت کے ساتھ آیت انا للہ و انا الیہ راجعون کا تکرار اور معنی و مطلب سمجھ کر بار بار پڑھتا رہنا بڑی تسلی کا ذریعہ اور دل کو سنبھالنے والا ہے۔

(۴۷۶) یہاں سے معلوم ہوا کہ جس بات میں مخاطب کی مصلحت ہو اوسے بتلانی چاہئیے اگرچہ ہم کو معلوم ہو کہ وہ اس بات کو پہلے سے جانتا ہے کیونکہ حوادث پیش آنے کے وقت انسان کا دل حادثہ سے ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ جانی پہچانی بات سے بھی غافل ہو جاتا ہے دیکھو صحابہ کو بھی کو یا اکثر کو یہ آیت معلوم تھی اوس کے نزول کا دن اور شان نزول بھی معلوم تھا مگر حادثہ (وفات نبوی) کے دفعۃً پیش آجانے سے قلوب ایسے پریشان ہو گئے کہ اسی آیت سے ذہول ہو گیا جو پہلے سے جانی ہوئی تھی"۔ پھر اوس شخص کا تو کیا حال ہو گا جسے پہلے سے کچھ بھی خبر نہ تھی اور ایسی مصیبت کا سامنا ہو گیا جو تحمل سے باہر ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عزی مصابا فلہ اجر المصاب۔ جس نے مصیبت زدہ کو تسلی دی اوسے بھی اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملتا ہے، کیونکہ یہ اوس کو وہ باتیں یاد دلاتا ہے جو اس وقت یاد کرنی چاہئیں جس سے اوس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے تو اس کی تسلی سے جتنا اوس کا غم ہلکا ہو گا اوسی قدر اوس کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یہ مصیبت پیش آتی اور اوس پر صبر کرتا تو جتنا ثواب اوسوقت ملتا وہی مصیبت زدہ کو تسلی اور دلاسا دینے سے ملے گا کہ اس نے اوس کو صابر بنا دیا ہے اور کسی کو صابر بنا دینے کا بھی وہی حکم ہے جو خود صبر کرنے کا ہے لقولہ علیہ السلام الدال علی الخیر کفاعلہ) اسی کے مناسب بعض حکماء کا یہ قول ہے جو حکمت پر مشتمل ہے کہ آدمی چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو عالم ہے اور اوس کو اپنا عالم ہونا بھی معلوم ہے (یہ مطلب نہیں کہ علم کا مدعی ہے بلکہ اوس کو احکام شرعیہ

نا

٢٠٣

Marfat.com

مستحضر ہیں اور اون پر نظر ہے اور جانتا ہے کہ اس وقت کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے) اوس سے علم حاصل کرو۔ دوسرا وہ جو جاہل ہے اور اوسے اپنا جاہل ہونا معلوم ہے اوس کو بتلاؤ اور تعلیم دو۔ تیسرا وہ جو جاہل ہے مگر اوسے اپنے جہل کی خبر نہیں (بلکہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے) اوس سے دور بھاگو کہ اوس کی فلاح کی امید نہیں یوں کسی کو خلاف عادت فلاح نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ چوتھا وہ جو عالم تو ہے مگر اوسے اپنا عالم ہونا معلوم نہیں (یعنی پریشانی یا اور کسی وجہ سے احکام وقتیہ اوس کے ذہن میں حاضر نہیں رہے اس لئے وہ حالت حاضرہ کے متعلق اپنے کو جاہل سمجھتا ہے) تو اوس کو یاد دلاؤ اس سے تم کو بھی نفع ہوگا (اور اوس کو بھی) قولہ وفیہ من الفقدان یذکر الشخص بالشئی الذی لہ فیہ مصلحۃ الی قولہ فذکروہ تنتفعوا بہ۔"

ف: حضرات صوفیہ کا اس پر پورا عمل ہے وہ برابر موت اور قیامت و جنت و نار کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو خصوص سالکین کو ان چیزوں کا علم ہے مگر غلبۂ اشغال دنیویہ کی وجہ سے اون سے ذہول ہو جاتا ہے۔ ۲۰۴

(۱۴۷) یہاں سے معلوم ہوا کہ امتحان کے وقت انسان کے دل کی حالت کھل جاتی ہے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات جو (مسلمانوں کے لئے) بڑی مصیبت تھی اوس نے سب لوگوں کے دلوں کی حالت کو واضح کر دیا کچھ لوگ (جو برائے نام مسلمان ہوئے تھے) مرتد ہو گئے اور بہت لوگ (جو سچے مسلمان تھے) ثابت قدم رہے، بعض لوگ کسی قدر فتنہ میں مبتلا ہوئے پھر واپس آ گئے تو آزمائش سے زبانی دعووں کی حقیقت کھل جاتی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے الٓمّٓ ۝ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ۝ الم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اون کو اتنا کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی (ضرور آزمائش ہوگی) اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی ہے پھر یقیناً اللہ تعالیٰ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر کے رہیں گے۔"

امتحان کے وقت دل کی حالت کھل جاتی ہے

اسی لئے صوفیہ کی محبت ہے جنھوں نے اپنے طریق کو امتحان اور صبر ہی پر قائم کیا ہے کہ انسان راحت اور تکلیف ہر حالت میں ثابت قدم رہے اسی لئے فرماتے ہیں جس کو یہ خوشی حاصل کرنا ہو کہ اوس کو کبھی

Marfat.com

کسی ناگواری کا سامنا ہو تو کسی ایسی چیز سے دل کو وابستہ نہ رکھے جس پر فنا کا اندیشہ ہو ا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے دل کو اور اپنی توقعات کو وابستہ نہ کرے) کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے امراو غیر اللہ ہے اور غیر اللہ وہ ہے جو تعلق مع اللہ سے مانع ہو پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو وابستہ کرنا منع نہیں کہ آپ سے وابستگی تو اللہ سے وابستگی ہے مگر حضور سے اللہ تعالیٰ کے برابر وابستگی نہ ہوگی کیونکہ آپ بھی تو واسطہ ہی ہیں اصل مقصود تو حق تعالیٰ ہیں پس اصل اور واسطہ میں فرق ہونا چاہئے اسی طرح مشائخ طریق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مانع نہیں بلکہ موصل ہے مگر وہ بھی معرفت رسول کا واسطہ ہیں تو یہاں بھی اصل اور واسطہ کا فرق ہونا چاہئے خوب سمجھ لو) قولہ وفیہ من الفقدان عند الامتحان یعرف المرأ ما احتوی علیہ جنانہ الی قولہ لان ماسواہ عزوجل مفقود"۔

ف: صوفیہ کے طریق کا امتحان پر مبنی ہونا یہ ہے کہ مشائخ طریق طالبین کا امتحان کرتے ہیں کبھی طلب دیکھنے کیلئے سختی کرتے ہیں کبھی انقیاد و تواضع کا امتحان کرنے کے لئے ذلیل کرتے ہیں ایسے مواقع پر طالب صادق ہی ٹھہرتا ہے جھوٹا نہیں ٹھہرتا دوسرے یہ کہ صوفیہ خود اپنا امتحان بھی کرتے ہیں بعض دفعہ کسی غریب آدمی کی خدمت کر کے دیکھتے ہیں کہ نفس میں ناگواری پیدا ہوئی یا اپنے حال پر رہا بعض دفعہ عمدہ لباس پہنکر غور کرتے ہیں کہ نفس میں تکبر پیدا ہوا یا اپنے حال پر رہا وغیرہ وغیرہ مگر شریعت کے خلاف کام کر کے نفس کو آزمانا جائز نہیں مثلاً عورتوں کو گھورنے لگے کہ دیکھوں نفس میں شہوت پیدا ہوئی یا نہیں وعلیٰ ہذا القیاس شریعت نے جس کام سے منع کر دیا ہے اوس کا ارتکاب امتحان کے واسطے بھی حرام ہے اور جن بزرگوں سے ایسا منقول ہے یا روایت غلط ہے یا غلبۂ حال تھا جس کی تقلید جائز نہیں۔ 205

ف۔ ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر راحت چاہتے ہو تو اللہ کے سوا کسی سے توقع نہ رکھو۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی توقع نہ رکھو۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت شارح نے یہاں بیان فرمائی ہے اور اوس کا مطلب اوپر لکھ دیا گیا کہ اصلی توقع اللہ تعالیٰ سے رکھنا چاہئے باقی سب سے اوسی قدر تعلق اور توقع رکھی جائے جو واسطہ کے مناسب ہے کیونکہ یہ حضرات اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہونچانے والے ہیں پس فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے۔ لا الٰہ الا اللہ لا رب سواہ۔

Marfat.com

ف - امتحان کے وقت دل کی اصلی حالت کا کھل جانا مشاہدہ ہے بعض لوگ اوسی وقت تک اللہ اور رسول کے عاشق ہیں جب تک راحت و آرام میں ہیں اور اگر کبھی کوئی مصیبت پیش آگئی تو ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں کہ ایمان ہی رخصت ہوجاتا ہے، آجکل مسلمانان ہندوستان ایسی آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں بعض جگہ مسلمانوں پر سخت مظالم و مصائب کا نزول ہورہا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے اور سب مسلمانوں کے ایمان کو سلامت اور محفوظ رکھے اللھم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ -

(۶۸) حدیث جواز بکاء الرحمۃ علی المیت

حضرت اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک
صاحبزادی نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ میرا ایک بچہ مر رہا ہے آپ ہمارے پاس تشریف لائیے آپنے
۲۰۶ جواب میں فرمایا کہ اوس سے میرا سلام کہو اور (میری طرف سے) کہدو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ
ہی کا ہے جو وہ لیلیتن اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ دیدیں اور اللہ کے پاس ہر چیز کی مدت مقرر ہے پس تم
صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ صاحبزادی نے پھر پیام بھیجا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں آپ
ضرور تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور حضرت سعد بن عبادہ اور معاذ بن
جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت لوگ آپ کی ہمراہ چلے (جب گھر پر پہونچے) تو بچہ کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اوس کا سانس اکھڑ رہا تھا راوی کا گمان ہے کہ صحابی
نے یہ بھی فرمایا کہ اوس کا سانس پرانی مشک کی طرح (بول رہا) تھا تو (یہ حال دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی (مبارک) آنکھیں (آنسوؤں سے) بہ پڑیں تو حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ یہ کیا؟ فرمایا یہ
رحمت ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں
سے رحمدلوں ہی پر تو رحمت فرماتے ہیں۔

تشریح - ظاہر حدیث اس پر دال ہے کہ رحمت کی وجہ سے رونا جائز ہے اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۴۸) موت کی تکلیف کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی

Marfat.com

نے حضور کو بلایا کہ اون کے بیٹے کی موت کے حادثہ میں تشریف لائیں اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اور ہر زمانہ میں تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ قولہ منہا استحضار ذوی الفضل عند معالجۃ الموت الی قولہ افضل العباد۔

(۱۴۹) مصیبت زدہ کو صبر کی تلقین کی جائے اور اوس کو تسلی دی جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی سے فرمایا فلتصبر ولتحتسب پس صبر کرو اور ثواب کی طلب کرو۔ قولہ فیہ دلیل علی امر احد صاحب المصیبۃ بالتصبر الی قولہ ولتحتسب۔

ف۔ یہ امور صوفیہ کے اخلاق میں داخل ہیں، اون کی وصیت ہے کہ میت کے پاس نزع کے وقت کسی عاقل وصالح کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا انتقال ہونے لگا تو وہ نزع کی حالت میں اپنی تجارتی کاروبار کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے مگر وہ اپنی دکان اور تجارت کی باتوں میں مشغول تھے اون کے بھائی بہت ہوشیار سمجھدار تھے انھوں نے کان پر منہ رکھ کر کہا بھائی صاحب کیا باتیں کر رہے ہو حاجی صاحب تم کو دیکھنے کیلئے ۲۰۷
تشریف لائے ہیں بس حاجی صاحب کا نام سن کر فوراً ذہن دوسری طرف منتقل ہو گیا کہا حاجی صاحب کے لئے قالین بچھاؤ تعظیم سے بٹھلاؤ پھر جو ذکر و شغل حاجی صاحب نے بتلا رکھا تھا اوس میں مشغول ہو گئے اور ذکر اللہ کرتے کرتے ختم ہو گئے، بس بزرگوں کو کسی کی موت کے وقت بلانے میں بڑی مصلحت ہے اون سے میت کو بھی قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل میت کو بھی تقویت ہوتی ہے۔

(۱۵۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو بلایا جائے تو اوس کو یہ بھی بتلا دیا جائے کہ کیوں بلایا جا رہا ہے (کیا کام ہے) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے اس طرح پیام بھیجا کہ میرا بچہ مر رہا ہے آپ تشریف لائیے، تو اونھوں نے تشریف آوری کی درخواست بعد میں کی پہلے بچہ کی حالت سے اطلاع دی قولہ وفیہ دلیل علی ان من السنۃ ان یخبر الذی یستدعی الی قولہ الا بعد ما اخبرتہ بموت ابنہا۔

ف۔ حسن معاشرت اور ادب کلام بھی اسلام کا بڑا جزو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کو اصلا پریشانی اور کلفت نہ ہو المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ میں ادب کلام بھی داخل ہے کہ بات صاف ہونی چاہئے ہر معاملہ صاف ہونا چاہئے، اس جزو کی طرف عوام تو عوام

Marfat.com

بہت سے خواص کو بھی توجہ نہیں حضرت اقدس حکیم الامۃ قدس سرہ[۵۷] نے اپنے تجدیدی کارناموں میں جہاں اور بہت سی عظیم الشان اسلامی خدمتیں انجام دی ہیں اون ہی میں سے ایک کارنامہ یہ ہے کہ باب حسن معاشرت کو زندہ فرمایا اس کے لئے آداب المعاشرت کے نام سے مستقل کتاب تالیف فرمائی بہشتی زیور۔ اور تعلیم الدین میں سلیقہ کی باتوں اور آداب کے لئے ابواب قائم فرمائے اپنے قیمتی ملفوظات میں شب و روز اس پر تنبیہ فرمائی۔ انتہا یہ کہ وصال سے چند گھنٹے پہلے قریب مغرب کے دریافت فرمایا کیا وقت ہے (کیونکہ حضرت کو محسوس ہو گیا تھا کہ مغرب کے بعد وصال محبوب کی گھڑیاں آنے والی ہیں) کسی نے جواب دیا دس منٹ باقی ہیں فرمایا مغرب کے آنے میں یا جانے میں، عالم نزع میں بھی ادب کلام کی تعلیم زبان فیض ترجمان سے جاری رہی کہ اتنا کہنا کافی نہیں کہ دس منٹ باقی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے تھا کہ مغرب کے آنے میں دس منٹ باقی ہیں اللہ اللہ اصلاح و تعلیم اور پابندی اصول اخیر لمحۂ حیات تک بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ واقعی آپ کے لئے بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے قلوب رجال میں لقب حکیم الامۃ مجدد الملت القا فرمایا تھا ایک حکیم امت اور مجدد کی یہی شان ہونا چاہیئے تھی کہ جس کام کیلئے دنیا میں تشریف لائے تھے آخری وقت تک اوس کو انجام دیتے رہیں، حقوق العباد اور امانات

[۵۷] آہ آج بجائے دام مجدہم اور دامت برکاتہم کے حضرت کے نام کے ساتھ قدس سرہ اور نور اللہ مرقدہٗ قلم سے لکھا جا رہا ہے کیا کہوں اسوقت دل پر کیا گذر رہی ہے ؎ تفطر قلبی اذ اُتیتک راحلا ٭ وکادت لما نشم الجبال تنزول ؎ کسے وہم تھا کہ نہ ہونگے وہ کسے تھا گمان کہ رہیں گے ہم ٭ ظفر آہ کیسے گئے ہیں وہ کہ چراغ دل ہی بجھا گئے ٭ وہ حکیم امت مصطفےٰ وہ مجدد طرق ہدیٰ ٭ وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔ ۱۶ رجب ۶۲ھ سے آنیوالی رات کو دوشنبہ کی سوا کے بعد عشاء کے وقت آفتاب رشد و ہدایت غروب ہو گیا دریائے حکمت و معرفت زیر زمین مخفی ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب کون محبت و شفقت کے لہجہ سے مولوی ظفر کہکر مجھے پکاریگا کون دست شفقت سر پر پھیریگا اور کون علمی و عملی کوتاہیوں پر تنبیہ کریگا اور کون علوم ظاہرہ اور احوال باطنہ کی گتھیوں کو سلجھائیگا اور کون اپنی بابرکت مجلس اور قیمتی ملفوظات سے تاریک دلوں کو منور کریگا ہائے ہائے انا للہ وانا الیہ راجعون ؎ فدتہ نفوسنا لو کان یبقی ٭ لکان لنا بہ ظل ظلیل۔ اب بجز اسکے کہ حضرت کے تذکرہ سے دل بہلایا کریں اور حضرت کیلئے رفع درجات اور ترقی مقامات کی دعا کریں اور حضرت کی تالیفات و تعلیمات کو شغل رکھیں اور تسلی کی کیا صورت ہے باقیات صالحات میں علاوہ مواعظ و تصنیفات کے دو ازواج محترمہ اور دو محبوب متعلقین بھی ابھی زندہ ہیں اہل سلسلہ کو ان سب کا احترام کرنا اور اون کے ادائے حقوق کا اہتمام کرنا چاہیئے والسلام ۱۲ ظ۔

Marfat.com

کا جس قدر اہتمام تھا زبان کی طاقت سلب ہونے سے پہلے اوس پر بھی تنبیہ فرما گئے۔ مفصل حالات و واقعات کے لئے احقر کا رسالہ حیاتِ اشرف ملاحظہ ہو جو انشا اللہ عنقریب کسی رسالہ میں شائع ہو جائے گا۔

بہر حال حدیث میں کلام کے اس ادب پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کو بلایا جائے تو اوسکو وجہ بھی بتلا دیجائے کہ کیوں بلایا جا رہا ہے محض اتنا کہنا مناسب نہیں کہ آپکو بلایا ہے اس سے سننے والے کو پریشانی ہوگی کہ نہ معلوم کیوں بلایا ہے اور جس کام کو بلایا ہے وہ ایسا اہم ہے بھی یا نہیں جو بدون جائے نہ ہو سکتا ہو اسی طرح بعض لوگ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے صرف اتنا عرض کرتے کہ تعویذ دیدو یا ایک تعویذ کی ضرورت ہے تو صاف فرما دیتے کہ میں تمہاری بات سمجھا نہیں جب وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوکر عرض کرتا کہ فلاں کام کے لئے تعویذ کی ضرورت ہے تو فرماتے کہ تم نے پہلے اس طرح کیوں نہیں کہا تھا جاؤ آدھ گھنٹہ کے بعد پوری بات کہکر تعویذ مانگنا۔ آپ نے دیکھا کہ اس آداب کی تعلیم حدیث میں موجود ہے مگر حدیث پڑھنے والے ان احکام کو اوس سے نہیں سمجھتے بس آمین رفع یدین اور قرأت فاتحہ وغیرہ اختلافی مسائل ہی پر زیادہ زور دیتے ہیں ان اتفاقی مسائل پر توجہ نہیں کرتے۔

(۱۵۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹا اپنے بڑے کو بھی قسم دے سکتا ہے چنانچہ حضور کی صاحبزادی نے دوسری مرتبہ جو پیام بھیجا اوس میں قسم دے کر عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے ضرور تشریف لایئے اس کو باب حلف اور یمین میں شمار نہ کیا جائے گا بلکہ طلب اور رغبت میں داخل کیا جائیگا یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیام کے بعد محض قسم دینے کی وجہ سے تشریف لے گئے یا اور کوئی وجہ تھی یا دوسری وجہ کے ساتھ یہ بھی ایک وجہ تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی بار کے بلانے پر آپ کیوں تشریف نہیں لے گئے، حالانکہ آپ تو غیروں کے ساتھ بھی رحمت اور حسن خلق کا معاملہ فرماتے تھے اپنی بیٹی کی ساتھ تو اور زیادہ اس کا ظہور ہونا چاہئے تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بلانے پر نہ جانا اس لئے تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ ایسے موقعہ پر بلایا جائے تو جانا واجب نہیں اسکو دعوت نکاح اور دعوت ولیمہ پر قیاس نہ کیا جائے (کہ وہاں دعوت کے بعد جانا ضروری ہے) دوسرے آپ کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا (بلند) درجہ ہے کہیں اوس کی

Marfat.com

وجہ سے صاحبزادی کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ کے آنے سے بچہ کی موت ٹل جائے گی یا کچھ دنوں کی مؤخر ہو جائے گی اس لئے اولاً آپ نے اون کو یہ بتلا دیا کہ اس معاملہ میں کسی کا کچھ دخل نہیں چنانچہ کہلا بھیجا اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی اللہ تعالیٰ جو کچھ لے لیں وہ بھی اون ہی کا ہے جو کچھ دیں وہ بھی اون ہی کا ہے اور ہر شخص کی ایک مدت اون کے یہاں مقرر ہے، پھر اون کو اس موقعہ و حالت کے احکام بھی بتلائے کہ تم کو صبر کرنا اور ثواب حاصل کرنے میں کوشش کرنا چاہیئے" امام مالک رحہ نے مؤطا میں (اسی کے مناسب) ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عالم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اوس کا انتقال ہو گیا تو ان کو سخت صدمہ ہوا حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا (افادۂ علمی کا دروازہ بند کر دیا) حالانکہ (کمال) علم و فضل کی وجہ سے لوگ اون کے (بہت) محتاج تھے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ اون کے پاس سوالات آتے تو خادم سوالات کو لے کر گھر میں جاتا اور اون پر جواب لکھوا کر لاتا اور لوگوں کے حوالہ کر دیتا۔ جب کچھ مدت تک یہی حال رہا تو ایک عابدہ نیک بی بی کو بھی اطلاع ہوئی وہ اون کے دروازہ پر پہونچی اور ۲۱۰
خادم سے کہا مجھے ایک ضروری بات پوچھنی ہے مگر بالمشافہ پوچھوں گی بواسطہ نہیں کہہ سکتی۔ خادم نے کہا کہ میں تم کو اندر نہیں بھیج سکتا چنانچہ سب لوگ تو (اپنا اپنا جواب لے کر) چلے گئے یہ بی بی دروازہ ہی پر بیٹھی رہیں خادم نے نرمی سے اون کو بھی جانے کے لئے کہا مگر وہ وہاں سے نہ ٹلیں اور کہا مجھے حضرت سے ملنا ضروری ہے جب دیر تک بیٹھی رہیں تب خادم نے (مجبور ہو کر) شیخ کو اسکی اطلاع دی اونھوں نے گھر میں آنے کی اجازت دی تو عرض کیا حضرت میرے کچھ پڑوسی ہیں جن سے میں نے کسی شادی میں جانے کے لیے چند زیورات عاریت لئے تھے اونھوں نے مجھے وہ زیورات عاریت دیدیئے پھر اوس شادی کے بعد بھی ایک مدت تک میرے ہی پاس وہ زیورات چھوڑ دیئے کہ اون کو استعمال کئے جاؤں اور اپنا بناؤ سنگار کرتی رہوں پھر اب وہ مجھ سے اپنے زیورات طلب کرتے ہیں مگر میرا دل واپس کرنے کو نہیں چاہتا کیونکہ مدت تک پاس رکھنے سے مجھے اون کی محبت سی ہو گئی ہے) شیخ نے فرمایا کہ اب تم کو ان کا اپنے پاس رکھنا جائز نہیں کیونکہ وہ تو عاریت تھے (تمہاری ملک نہ تھے) اور عاریت کو بجنسہ ادا کرنا لازم ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے" کہا حضرت میں نے تو ایک دن کے لئے مانگے تھے اونھوں نے برسوں میرے پاس رکھ چھوڑے (اب

Marfat.com

کیونکر دوں اب تو مجھے اون سے محبت ہو گئی ہے) فرمایا اب تو واپسی میں اور جلدی کرنا چاہئے کیونکہ اونھوں نے احسان پر احسان کیا (کہ ایک دن کی جگہ برسوں تمہیں استعمال کی اجازت دی) - ان بی بی نے کوشش کی کہ وہ کچھ تو گنجائش نکال دیں مگر وہ سختی پر سختی کرتے چلے گئے (کہ اب انکار کی اصلاً گنجائش نہیں) تو ان بی بی نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ کی بیوی بھی تو اللہ تعالےٰ کی عاریت ہی تھی جو چند روز کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھی پھر اپنی چیز لے لی تو آپ کا یہ رنج وغم اور لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ جانا کس لئے (آپ نے اللہ کی امانت کو خوشی کے ساتھ کیوں واپس نہیں کیا رنج وغم کو لے کر کیوں بیٹھ گئے) اس پر اون بزرگ نے اپنی حالت میں غور کیا (اور سمجھ گئے کہ میں نے غلطی کی) اور بی بی کا شکریہ ادا کیا اور اوسی وقت سے گھر کے باہر آنے لگے (اور افادات علمی کا دروازہ کھول دیا سبحان اللہ حضرات سلف کی عورتیں بھی کیسی سمجھدار تھیں کہ بڑے بڑے علما کو سبق دیتی تھیں اور اوس زمانہ کے علما بھی کیسے تھے کہ ایک عورت کے متنبہ کرنے سے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے اب تو ہم اپنے شیخ کے کہنے سے بھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے فالی اللہ المشتکی من فساد القلوب)۔

٢١١ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بلانے پر نہ جانا اس لئے تھا کہ اپنے اور پرائے سب کو یکساں طور پر حکم شرعی سے مطلع فرمادیں (کہ ایسی دعوت پر جانا لازم نہیں) اور دوبارہ بلانے پر تشریف لے جانا اپنی بیٹی کی قسم پورا کرنے کے لئے بھی تھا اور اوسی شفقت ورحمت کے مقتضا پر عمل کرنے کیلئے بھی جو آپ کی فطرت میں ودیعت تھی، اور صاحبزادی کی دلداری کے لئے بھی جبکہ اوس بات سے اطمینان ہو گیا جس کا پہلے احتمال ہوا تھا اس میں اہل طریق کی بھی دلیل ہے جو (دلداری اور) جبر قلوب کے قائل ہیں (مگر دلداری کیلئے یہ حدود بھی ہیں جن پر حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اول مفسدہ محتملہ کا انسداد کر دیا جائے پھر دلداری کی جائے) قولہ وفیہ دلیل علی جواز القسم علی الفاضل الی قولہ یقولون بجبر القلوب "۔

(۱۵۲) حدیث میں اس پر اشارہ ہے کہ اہل فضل کے فضل (وکرم) سے قطعی طور پر ناامید نہ ہونا چاہئے اگرچہ وہ (ایک دوبار) جواب بھی دے چکے ہوں۔ چنانچہ حضور کی صاحبزادی نے قاصد کو دوبارہ بھیجا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار انکار فرما چکے تھے (مگر وہ اس انکار سے قطعی ناامید نہ ہوئیں دوبارہ پھر درخواست کی) یہ تو مخلوق کے فضل وکرم کی طمع تھی تو اوس ذات کے فضل وکرم کی طمع کیسی

Marfat.com

ہونی چاہیئے جس کا مثل ہی کوئی نہیں ؟ اسی لئے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ گنہ گار بندہ (ایک دفعہ) اللہ جل جلالہ سے دعا کرتا ہے وہ اعراض فرماتے ہیں۔ وہ دوبارہ پھر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اب بھی اعراض فرماتے ہیں، وہ پھر دعا کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اے فرشتو! کیا تم میرے اس بندہ کو نہیں دیکھتے ؟ (کیسا بار بار مجھے پکار رہا اور درخواست کر رہا ہے ؟) وہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی نہیں جس کو پکارے (اور جس سے کچھ مانگے) میں تم کو گواہ کرتا ہوں میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی دعا قبول کی۔

ف - ہم نے اللہ والوں کے فضل وکرم کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا ہے جو اون کو لگا لپٹا رہتا ہے محروم نہیں رہتا ؎

تا دم آخر دمے آخر بود　　　　که عنایت با تو صاحب سر بود

بحمد اللہ وہ دم آخر میں بھی امیدواروں کو بشارت عالیہ ومبارک باد سے کامیاب فرما دیتے ہیں والعارف تکفیہ الاشارۃ وھی ابلغ من صریح العبارۃ تو جب اللہ والوں کے ۲۱۲
فضل وکرم کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا کیا پوچھنا ؟ اون سے تو کسی حال بھی مایوسی جایز نہیں برابر عرض ومعروض میں لگا رہنا چاہئے انشاء اللہ محروم نہ رہے گا افسوس ہے کہ آجکل ہم لوگوں نے دعا کی طرف سے بہت غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں بڑی تاکید سے ارشاد ہوا ہے لن یھلک مع الدعاء احد، دعا کی ساتھ ہرگز کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا،،
دوستو! دعا کا التزام رکھو اور یہ جان کر دعا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو پکارا جائے کوئی نہیں جس سے کچھ مانگا جائے کوئی نہیں جس کو حاجت روا سمجھا جاوے کوئی نہیں جس سے مدد طلب کیجائے انشاء اللہ محروم نہ رہو گے۔

(۱۵۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے گھر میں بدون بلائے جانا جائز ہے بخلاف ولیمہ (وغیرہ خوشی کے مواقع) کے کہ وہاں بدون بلائے نہ جانا چاہیئے) پر اس سے معلوم ہوا کہ سعد بن عبادہ ومعاذ بن جبل وابی بن کعب اور زید بن ثابت اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ چل کھڑے ہوے حالانکہ نہ حضور نے اون سے کچھ فرمایا نہ صاحبزادی نے اون کو بلایا نہ ان حضرات نے اجازت طلب کی۔ **ف** - افسوس ہے آجکل رنج وغم کے گھر جانے کیلئے بھی بعض لوگ بلانے کے منتظر رہتے ہیں

Marfat.com

حالانکہ گھر والا اس وقت خود اپنی پریشانی اور غم میں مبتلا ہوتا ہے اوس کو کسی کے بلانے کی فرصت کہاں ہوتی ہے مسلمان آجکل ترقی کے تو طالب ہیں مگر اوس کی بنیاد کو جو کہ اتفاق و اتحاد ہے خود اپنے ہاتھوں سے کاٹتے جاتے ہیں ؎

پھوٹ مسلم کو کر رہی ہے تباہ — آہ لوہے کو کھا رہا ہے زنگ
اُڑ کے وہ آسمان پر پہونچے — ہم ابھی تک اُڑا رہے ہیں پتنگ

(۱۵۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی شدت اور خفت کو شقاوت یا سعادت کی علامت نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ بچہ (جس کی موت کا حال حدیث میں ہے) مکلف نہ تھا (بلکہ معصوم تھا) با ینہمہ اوس پر موت کی شدت ہو رہی تھی۔ اس میں جو کچھ حکمت ہے اوس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت فجاءۃ (اچانک کی موت) کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ دو گھروں میں سے ایک میں جلدی پہونچا دیتی ہے (تو اوس کو بری علامت نہ سمجھنا چاہیئے اور بعض احادیث میں جو ایسی موت سے پناہ مانگی گئی ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ اوس میں انسان کو وصیت وغیرہ کا موقعہ نہیں ملتا نیز ایسی موت سے زندوں کے دلوں پر سخت چوٹ لگتی ہے اون کے دل دہل جاتے ہیں) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہونچا تھا تو اوس پر موت میں سختی کی جاتی ہے تاکہ اوس درجہ پر پہونچ جائے۔

ف۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطراریہ سے بھی ترقی ہوتی ہے ففیہ حجۃ لمن قال بہ

(۱۵۵) دین میں ادب یہ ہے کہ بڑا آدمی پہلے گفتگو شروع کرے چنانچہ اس موقعہ پر حضرت سعد بن عبادہ نے اول گفتگو کی حالانکہ جو کچھ اونھوں نے دیکھا تھا سب ہی دیکھ رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کا ادب کیا کیونکہ اون کی عادت سے یہ بات معلوم ہے کہ گفتگو شروع وہی کرتا تھا جو سب سے مقدم (و معظم) ہو پس حضرت سعد بن عبادہؓ نے گفتگو کا افتتاح کیا (کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ادب (و تہذیب) کی رعایت ضروری ہے اور یہ کہ سوال سے پہلے بزرگوں کا نام بھی (ادب سے) لیا جائے چنانچہ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللّٰہ ماھذا؟ یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ پہلے حضور کا نام (ادب سے) لیا پھر ادب سے سوال کیا اور سوال میں بھی اختصار ملحوظ رکھا اس لفظ پر کچھ زیادتی نہیں کی"

(۱۵۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ آنسوؤں کی حقیقت اور اون کے سبب کے متعلق جو باتیں لوگوں نے

Marfat.com

بیان کی ہیں سب لغو ہیں لوگوں نے اس کے متعلق پانچ چھ باتیں یا اس کے قریب بیان کی ہیں جن میں سے ایک بات کو (عام طور سے) اچھا سمجھا گیا ہے کہ گناہوں کی شرمندگی سے دل کو پسینہ آتا ہے (وہ آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے نکلتا ہے) اسی سے اور باتوں کو بھی بنایا گیا ہے مگر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بتلا دیا ہے کہ یہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے جس کو رحمدل بندوں کے دل میں ودیعت کر دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فانما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء (کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحمدلوں ہی پر رحم فرماتا ہے) اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہ آنسو اوس رحمت کی وجہ سے نکلتے ہیں جو رحمدلی مومنوں کے دلوں میں رکھی ہوئی ہے۔ تو جیسا کہ علوم میں سمجھ (کی طاقت) اوس نور سے پیدا ہوتی ہے جو علماء کے قلوب میں ہوتا ہے اسی طرح یہ آنسو اون رحمدلوں کی آنکھ سے بہتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت ہے، یہ بھی حکیم کی ایک حکمت ہے"۔

فانما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اونہی پر رحمت فرماتے ہیں جن کے دل میں رحمت (کا مادہ) ہے یعنی رحم والوں کے سوا کسی پر رحمت نہیں فرماتے اب یا ۲۱۴
تو اس کو ظاہر ہی پر رکھا جائے اور کلام کے حصر پر نظر کر کے دوسرے دل سے رحمت کی نفی کر دی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حصر مقصود نہ ہو بلکہ اہل رحمت کے لئے حکم رحمت کو ثابت کرنا مراد ہو دوسروں سے نفی مراد نہیں" جیسے بولتے ہیں انما الجمیل یوسف بن حسین تو یوسف علیہ السلام ہی حسن سے اون کے لئے حسن وجمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے دوسروں سے نفی کا قصد نہیں ہوتا (اہل بلاغت کی اصطلاح میں یوں کہنا چاہئے کہ حصر حقیقی مراد نہیں بلکہ حصر اضافی ہے یعنی دوسروں سے خاص درجہ حسن کی نفی مقصود ہے مطلق حسن کی نفی نہیں اسی طرح یہاں پر رحمدلوں کے لئے خاص درجہ کی رحمت ثابت کر کے بیرحموں سے اوس درجہ کی نفی کی گئی ہے۔ مطلق رحمت کی نفی نہیں کی گئی) اور کبھی ایسے کلام سے (جس میں لفظ انما لایا گیا ہو) صرف استحقاق کا بتلانا مقصود ہوتا ہے (حصر کا قصد نہیں ہوتا نہ حقیقۃً نہ اضافۃً) جیسے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ان الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ۔ بیشک جو لوگ ایمان لے آئے اور مہاجر ہو گئے اور جنھوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں (یہاں بھی کلام میں حصر ہے کیونکہ خبر کے معرفہ ہونے سے معنی حصر پیدا ہو جاتے ہیں مگر) مطلب یہ ہے کہ اون کو وعدہ

Marfat.com

الٰہی کی امید کا حق ہے اور دوسرے جو رحمت کے امیدوار ہیں وہ بلا وجہ امیدوار ہیں، تو یہاں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے (ایک یہ کہ حصر مقصود ہو مگر حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کہ یہی لوگ اپنی امید میں حق بجانب ہیں دوسرے گو امیدوار ہیں مگر اون کی امید بلا سبب ہے دوسرے یہ کہ) مقصود (حصر نہیں بلکہ) ان لوگوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ استحقاق رحمت کا حکم بیان کر دیا گیا دوسروں سے نفی مقصود نہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کچھ جھونکے (وقتاً فوقتاً) ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں (اون کی ہوا) پہونچا دیتے ہیں (اس کے لئے مہاجرین و مجاہد ہونا شرط نہیں بلکہ ایمان بھی شرط نہیں بعض دفعہ کافر کو بھی رحمت کا جھونکا لگجاتا ہے تو اوس کو ایمان کی توفیق ہو جاتی ہے) خواہ اوس میں رحمت (کا مادہ) ہو یا نہ ہو۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ (قیامت کے دن) انبیاء و رسل اور ملائکہ اور علماء و صالحین شفاعت کریں گے پھر حق تعالےٰ فرمائیں گے انبیاء شفاعت کر چکے ملائکہ شفاعت کر چکے نیک بندے شفاعت کر چکے اب ارحم ۲۱۵
الراحمین کی شفاعت باقی ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (اور بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر) بعض ایسے آدمیوں کو جہنم سے نکالیں گے جن کو (انبیاء و رسل کے خیال میں) قرآن نے جہنم میں محبوس کر دیا تھا یعنی یہ وہ لوگ ہونگے جنکو سب کافر سمجھکر جہنم میں چھوڑ دینگے اسی لئے کوئی انکی شفاعت نہ کریگا مگر وہ واقع میں کافر نہ تھے مؤمن تھے لیکن ایمان اتنا کمزور اور خفی تھا کہ انبیاء و ملائکہ کو بھی اونکے ایمان کا پتہ نہ لگیگا ارحم الراحمین عالم الغیب اونکو خود اپنی رحمت سے بدون کسی کی شفاعت کے جہنم سے نکالینگے اس سے ثابت ہوا کہ رحمتِ مطلقہ رحمہ اِن کیواسطے مخصوص نہیں۔ البتہ اگر رحمت سے مراد ایمان ہو اور ایمان سے مراد ایمان کامل ہو تو یہی لوگ حقیقت میں رحمت کے مستحق ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس رحمت کے ساتھ اہل ایمان ہی مخصوص ہیں یعنی کاملین اور ایسی رحمت سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں خشوع کی مدح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے والذین ھم فی صلوتھم خاشعون، پس حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہو گی کیونکہ اس صورت میں حکم اون ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسروں سے جن میں ایمان نہیں مطلقاً رحمت کی نفی ہے اور مومنین سے مطلقاً نفی نہیں بلکہ خاص رحمت کی نفی ہے۔

ورنہ مطلق رحمت اون کیلئے یقیناً ثابت ہے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ اونکے ساتھ

Marfat.com

(کسی کو) شریک کیا جائے اس کے سوا (اور گناہوں کو) جس کے لئے چاہیں گے معاف فرماویں گے (پس ہر مومن کے لئے استحقاق مغفرت ثابت ہے اور مغفرت بھی رحمت کا ایک فرد ہے) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کا نفاق کامل ہوجاتا ہے تو اوس کی آنکھیں اوس کے اختیار میں ہوتی ہیں جب چاہتا ہے اون کو بہالیتا ہے بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے کیونکہ آنسو آنسو برابر ہیں (ایک حدیث میں اون کا سبب رحمت کو قرار دیا گیا دوسری میں نفاق پر مبنی کیا گیا) جواب یہ ہے کہ ہاں ظاہر میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر شرط پر نظر کرنے کے بعد کچھ تعارض نہیں رہتا کیونکہ جس آنسو کا سبب کمال نفاق فرمایا گیا ہے یہ وہ ہے جو بلا وجہ اپنے اختیار سے نکالا جائے اور رونے کے موقعہ پر روک لیا جائے جیسا ہر زمانہ میں لوگ ان مسکینوں کی حالت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جو حلقے بنا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں پھر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ ہم ایسے تھے ہم ویسے تھے اور یہ تمام بیان غلط اور جھوٹ ہوتا ہے جس کا جھوٹ ہونا اون لوگوں کو جو انکے اصول و فروع سے واقف ہیں اچھی طرح معلوم ہوتا ہے پھر جب وہ اپنا پورا حال بیان کر چکتے ہیں تو بے تحاشا رونے لگتے ہیں بارش کی طرح اون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں یہ حال دیکھ کر ناواقف گمان کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے (بھلا جھوٹ باتیں کہہ کے بھی کوئی اس طرح رویا کرتا ہے) پھر اوس پر ترس کھا کر ہر طرف سے صدقہ و خیرات کی بارش ہونے لگتی ہے ایسے واقعات ان لوگوں سے بہت منقول ہیں۔ چنانچہ وہ کتاب جو بنو ساسان کی طرف منسوب ہے جس میں اون کے حالات (عروج و نزول) کا ذکر ہے وہی اس کے ثبوت کو کافی ہے (کہ رونا اختیاری بھی ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر روتے ہیں اون کا رونا بناوٹی ہوتا ہے) لوگ اون کی حالت کا برابر معائنہ کرتے ہیں،، اور جس رونے کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے (کہ اوس کا منشاء رحمت ہے) یہ وہ ہے جو کسی سبب سے پیدا ہو مثلاً موت کو یاد کرکے یا کسی کے حال پر ترس کھانے سے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنسو اس موقعہ پر نکلے جبکہ آپ نے بچہ کو موت کی سختی برداشت کرتے ہوئے دیکھا حالانکہ وہ کمسن (معصوم) تھا یا اللہ کے خوف سے رونا آئے یا اور کسی حالت کے سوچنے سے رونے لگے جیسا منقول ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بہت زیادہ

Marfat.com

رو رہی تھیں پوچھا اے فاطمہ کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کچھ نہیں قبر میں جانے کو سوچکر رونے لگی ا کہ دیکھئے وہاں کیا حال ہو؟ اللہ اللہ نبی کی صاحبزادی کو تو قبر کا اتنا فکر اور ہم لوگ آجکل کیسے بے فکر ہیں) تو یہ سب ایک ہی قسم کا رونا ہے جس کو ایمان کامل کی حقیقت مقتضی ہے اور یہیں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے نوع پر اشارہ کیا ہے جنس پر اشارہ نہیں فرمایا (مطلب یہ ہے کہ جو رونا میرے اس رونے کی قسم سے ہو اوس کا منشاء رحمت ہے یہ مطلب نہیں کہ ہر رونے کا منشاء رحمت ہے اب دونوں حدیثوں میں کچھ تعارض نہ رہا) جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعد بن عبادہ اور جو صحابہ اس وقت تھے اون میں سے کسی کی آنکھ سے بھی آنسو نہیں نکلا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روئے اور آپ کے رونے کا منشاء کمال ایمان تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق سب سے زیادہ کامل الایمان ہیں، اسی لئے آپ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ السلام والتحیۃ) کے انتقال کے وقت فرمایا تھا تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب آنکھیں رو رہی ہیں دل غمگین ہے مگر (زبان ودل) سے ہم ایسی بات نہ کہیں گے جو اللہ کو ناراض کرے کیونکہ موقعہ پر رونا اور غم کرنا ایمان کا مقتضی ہے جیسا اللہ کی ناراضی کے اسباب کو ترک کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔ 217

ف ۔حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی طویل تقریر سے بھی یہ مقام پوری طرح حل نہیں ہوا۔ یہ اشکال ہنوز باقی ہے کہ اگر ایسے مواقع پر رونا کمال ایمان کا مقتضی ہے تو کیا یہ حضرات صحابہ اون صوفیوں سے بھی ناقص الایمان تھے جن کے رونے کو شارح نے کمال ایمان میں داخل کیا ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ضرور ناقص تھے مگر دوسروں کی نسبت سے ہرگز ناقص نہ تھے پس اگر ایسے موقعہ پر رونا صوفیہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے تو یہ دلیل صحابہ میں کیوں نہ پائی گئی، جو کچھ میری سمجھ میں حدیث کا مطلب آیا ہے وہ عرض کرتا ہوں فان کان صوابا فمن اللہ ورسولہ وان کان خطأ فمن نفسی۔ میرا خیال یہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اس وقت دل سے ضرور روئے اون کے دلوں پر بھی رقت طاری ہوئی مگر اونھوں نے یہ سمجھکر کہ رونا کمال صبر کے منافی ہے شدت ضبط سے کام لیا اس لئے اون کی آنکھوں

Marfat.com

سے آنسو نہیں نکلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا
(کیونکہ وہ تو رونے کو مطلقاً صبر کے خلاف سمجھتے تھے) حضور نے بتلادیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل
آنا صبر کے خلاف نہیں صبر کے خلاف جزع فزع ہے کہ چلا کر روئے اور زبان سے بیان کرے اور
ایسے موقعہ پر آنکھوں سے آنسو نکل آنا جبکہ اپنے عزیز کا انتقال ہو رہا ہو دلی ہمدردی اور رحمت
کا مقتضیٰ ہے بعض دفعہ دلی ہمدردی اور رحمت کے غلبہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب
یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسو کا نکلنا رحمت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر اگر آنسو بہنے لگیں
تو اون کا منشار قلبی رحمت ہے، اور اس سے حضرات صحابہ بھی خالی نہیں دل اون کے بھی بے تسبیح رہے
تھے مگر وہ ضبط سے کام لے رہے تھے حضور نے بتلادیا کا تنے ضبط کی ضرورت نہیں زبان کو اور دل کو
قابو میں رکھنا چاہئے کہ دل مین اللہ کی شکایت پیدا نہ ہو اوس کے حاکم و حکیم ہونے کو دل میں مستحضر
رکھے اور زبان سے کوئی بیجا بات نہ نکلنے پائے پس اب حدیث پر کوئی اشکال باقی نہ رہا کیونکہ
حاصل یہ ہوا کہ شرط کمال ایمان ایسے موقعہ پر دل سے رونا دل کا پسیجنا ہے اور صحابہ اس سے 218
محروم نہ تھے آنکھوں سے آنسو نکلنا شرط کمال ایمان نہیں کیونکہ وہ اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیاری
پر کمال ایمان موقوف نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس موقعہ پر آنسو نکل آئیں تو یہ بھی مذموم نہیں نہ صبر کے
خلاف ہے بلکہ اوسی رحمت قلبی کا اثر ہے جو شرط کمال ایمان ہے اور یقیناً دل میں اپنے عزیزون
قرابت دارون اور بچوں کی ساتھ ہمدردی و رحمت کا ہونا کمال ایمان کا مقتضیٰ ہے اون کی وفات
پر دل ضرور پگھلنا چاہئے ورنہ قساوت ہو گی و ابعد الناس من اللہ القلب القاسی
سنگدل آدمی اللہ تعالےٰ سے بہت دور ہے، اس تقریر کے بعد یہ اشکال بھی حدیث پر نہ رہا کہ
دوسری حدیث میں تو آنسوؤں کو کمال نفاق سے مسبب بتلایا ہے کیونکہ حضور کے اس ارشاد کا کہ
یہ آنسو رحمت کے ہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر آنسو رحمت ہی سے نکلتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے
موقعہ پر آنسوؤں کا نکل آنا رحمت قلب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نیز حدیث میں آنسوؤں کی حقیقت
کا بیان نہیں محض سبب قریب کا بیان ہے شارع علیہ السلام کو ان چیزوں کی تحقیق سے کچھ غرض
نہیں بلکہ سبب قریب بتلادینا مقصود تھا تاکہ اس کو صبر کے خلاف سمجھنے کا شبہ دفع ہو جائے واللہ اعلم
(۱۵۷) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ گریہ و زاری بہت کرتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے گریہ کو اوس رحمت کا اثر قرار دیا ہے جو قلوب میں رکھی گئی ہے۔ چنانچہ بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ بہت رویا کرتے تھے جس سے اون کی آنکھوں میں آشوب ہوگیا۔ لوگ کسی طبیب کو لائے اوسنے کہا میں اس شرط سے علاج کرسکتا ہوں کہ جب تک آشوب کا اثر باقی رہے آپ رونا موقوف کردیں فرمایا ایسی آنکھ کس کام کی جس سے رویا نہ جائے بخدا میں اس شرط کو منظور نہیں کرسکتا اور مجھے تمہاری دوا کی بھی ضرورت نہیں بلکہ روتے روتے ہی مرجاؤں گا اور بھلا غمزدہ کی تسلی کا سامان آنسوؤں کے سوا بھی کسی چیز میں ہے؟ -

ف - اوپر تبلایا جاچکا ہے کہ رحمت کا اثر حقیقت میں دل کا رونا ہے آنسوؤں سے رونا ضرور نہیں اگر کسی کا دل روتا ہو آنسو نہ نکلتے ہوں اوس کو پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مقصود حاصل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر دل کے رونے کے ساتھ آنکھیں بھی رونے لگیں تو اس میں ظاہر باطن کا اجتماع ہے اور یہ صورت افضل ہے چنانچہ ایک حدیث میں گذرچکا ہے ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عینیاہ کہ قیامت میں جن سات شخصوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا اون میں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا تو اوس کی آنکھیں بہنے لگیں جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کا رونا بھی پسند ہے اسی لئے ایک حدیث میں ہے فان لم تبکوا فتباکوا کہ اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالیا کرو۔ اسی وجہ سے صوفیہ کو گریہ وزاری محبوب ہے اور اس میں وہ اپنی آنکھیں جاتی رہنے کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ۱۲ مترجم

(۱۵۸) اس حدیث کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس یقینی سخت وقت کو یاد رکھا جائے (یعنی موت کو) جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اس کے حملہ سے پہلے سامان کی تیاری کرلی جائے، کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کسی عزیز سے موت کو نہیں روک سکے اور خود اپنے سے بھی نہیں روک سکے تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ جس سے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کل نفس ذائقۃ الموت کہ ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے بعض حکماء نے خوب فرمایا ہے ؎

ولو کانت الدنیا تدوم لاھلھا   لکان رسول اللہ حیا وباقیا
فحسبك یا ھذا اذا کنت عاقلا   مقیلا وکن فیھا لذا دلك داعیا

اگر دنیا (کی زندگی) کسی کے لئے ہمیشہ رہا کرتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ضرور زندہ باقی

رہتے ۔ پس اگر تو عاقل ہے تو تجھے اتنا کافی ہے کہ دنیا کو قیلولہ[عـــہ] کی جگہ سمجھ اور اس میں اپنے توشۂ راہ کو محفوظ کر لے ، اور بدون سامان کے موت کے منہ میں جانے سے بچار کہ تیرے ہاتھ تقوے سے خالی ہوں (اور موت کا وقت آجائے) اللہ کا تابعدار بندہ بن جا کیونکہ موت یقیناً کسی نہ کسی وقت دفعۃً آجائے گی قولہ وھذا اشارۃ دھی ان اھل الفضل لا یقطع الایاس منھم الی قولہ فالحمام لک مفاجع "

ف ۔ مراقبہ موت وذکر موت صوفیہ کا خاص شعار ہے ، یہی چیز ہے جس نے اون کی نگاہ میں دنیا کو حقیر کر دیا ہے ، اسی نے اون کے لئے ترک لذات و مجاہدات کو آسان کر دیا ہے اس پر بعض[عـــہ] نوجوانوں نے اعتراض کیا ہے کہ صوفیہ نے اسلام کا جو نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے یہ وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے وہ اسلام تو فتوحات اور حصول سلطنت کا دین ہے جس کے لئے علائق دنیا کا بقا لازم ہے اور صوفیہ نے جو اسلام پیش کیا ہے اوس میں ترک علائق دنیا لازم ہے جو رہبانیت ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دنیا کی محبت اور اوس کے علائق دل میں باقی رکھ کر فتوحات اور حصول سلطنت کی ہرگز تعلیم نہیں دی بلکہ قلب کو حب دنیا اور اوس کے علائق سے پاک کرنے کے بعد جہاد کی تعلیم دی ہے اسی لئے حدیث میں وارد ہے واللہ اعلم بمن یقاتل فی سبیلہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اوس کے راستہ میں جہاد کرنے والا کون ہے ، یعنی جو شخص نام و نمود یا محبت قوم و حمیت وطن کے لئے قتال کرتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں ، اب ہم کو بتلایا جائے کہ یہ درجہ اخلاص وخلوص کا اوس شخص کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے جس کا دل حب دنیا اور علائق دنیا سے پاک نہیں پس صوفیہ جہاد فی سبیل اللہ کے منکر نہیں بلکہ نام و نمود اور غرض نفسانی کے لئے جہاد کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ پہلے اپنی وہ حالت بناؤ جو صحابہ کی تھی ۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار ۔ وہ ایسے لوگ تھے جن کو بیع و شرا اور دنیا کے تمام کاروبار) اللہ کی یاد سے نماز کی پابندی سے زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتے تھے وہ اوس

عـــہ قیلولہ دوپہر کے لیٹنے کو کہتے ہیں جو عموماً تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ راحت کم کرو کام زیادہ کرو ۱۲

عـــہ مثلاً ڈاکٹر زکی مبارک مصری مصنف کتاب الاخلاق عند الغزالی ۱۲

Marfat.com

دن سے ڈرتے تھے جس میں آنکھیں اور دل الٹ پلٹ ہو جائیں گے الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انکو زمین پر سلطنت عطا کر دیں تو نماز کی پابندی کریں زکوٰۃ دیں نیک کاموں کا امر کریں۔ برے کاموں سے روکیں۔ یعنی جہاد سے ان کی غرض محض اللہ کا بول بالا کرنا اور زمین کو فواحش اور فساد سے پاک کرنا تھی، واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا اون پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ وہ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اون کے دلوں میں ایسی الفت پیدا ہو گئی کہ اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی ہو گئے اور یہ صفت بدون اتفاق کے پیدا نہیں ہو سکتی اور اتفاق خود غرضی اور ذاتی مفاد سے قطع نظر کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ محبت دنیا و علائق دنیا سے دل پاک ہو جائے اسی لئے ارشاد ہے لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ کوئی شخص اوس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے واسطے وہی نہ چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے صحابہ کی یہی شان تھی ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ خود اونکو کیسا ہی فاقہ ہو۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے واسطے کرتے تھے وطنیت یا قومیت کے جذبہ سے نہ کرتے تھے صوفیہ مسلمانوں کو ایسا مجاہد بنانا چاہتے ہیں جو محض اللہ کے واسطے کام کرنے والے ہوں مگر لوگ اون کی تعلیم کا مضحکہ اڑاتے اور دوسرے طریقوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور برابر ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں یہ کہنا غلط ہے کہ صوفیہ محققین رہبانیت کی تعلیم دیتے ہیں بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے عروج کا وہ کونسا زمانہ ہے جس میں صوفیہ جہاد سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے، ہندوستان میں تو صوفیہ نے بڑے بڑے کارنامے کئے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اون ہی کے دم سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ مترجم

۲۲۱

ف۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صوفیہ نے جو مجاہدہ نفس اور ترک لذات و ترک علائق کی تعلیم دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ساری عمر ترک لذات اور ترک علائق ہی میں گزار دے بلکہ تھوڑے دنوں کے لئے ایسا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اچھی طرح پیوست ہو جائے کسی کام میں اللہ کی یاد سے غفلت نہ ہو کسی کام میں خواہش نفس کا میل نہ ہو جو کام ہو اللہ کے لئے

Marfat.com

ہو قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کچھ دنوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترک علائق اختیار فرمایا ہے کان یخلو فی غار حراء یتحنث فیہا آپ نبوت سے پہلے غار حرار میں خلوت کے لئے جایا کرتے تھے مسلمانوں کی کل زندگی تمام تر مجاہدات اور ترک علائق ہی میں گذری، جب یہ حالت پیدا ہو جائے کہ بیع وشرار اور دنیا کا کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہ کرسکیں اور دست بکار و دل بہ یار کی شان ہو جائے تو اب ترک علائق اور خلوت وغیرہ کی حاجت باقی نہیں رہتی بلکہ اب صوفیہ اس کو خدمت خلق کی تعلیم فرماتے ہیں۔ فرمایئے اس میں کونسی بات خلاف سنت ہے؟۔

ف - یہ تو نوجوانوں کے شبہ کا جواب تھا باقی اس میں شک نہیں کہ جن صوفیہ کے طرز عمل سے ان نوجوانوں کو تصوف پر اعتراض پیدا ہوا ہے وہ بھی تصوف کی اصل حقیقت سے دور جا پڑے ہیں انھوں نے محض اذکار و اشغال و مراقبات ہی کا نام تصوف رکھ لیا ہے حالانکہ یہ امور مستحبہ محض واجبات و فرائض کی تکمیل کے لئے تصوف میں اختیار کئے جاتے ہیں جب واجبات و فرائض میں شان احسان پیدا ہو جائے تو اب ایک خاص وقت خلوت کاملہ کا مقرر کر کے بقیہ اوقات میں واجبات و فرائض اور خدمت خلق بجالانا چاہئے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لئے دو نمونے ہیں ایک مکی زندگی دوسرے مدنی زندگی، جہاں مسلمان برسر حکومت ہوں وہاں حضور کی مدنی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہئے جہاں برسر اقتدار نہ ہوں وہاں مکی زندگی کو رہبر بنانا چاہئے اور ظاہر ہے کہ مکی زندگی میں بھی باوجود حکومت نہ ہونے کے جمود محض نہ تھا بلکہ تبلیغ احکام و اشاعت اسلام میں سعی و سرگرمی برابر جاری تھی یہ جو صوفیہ اور علماء میں اس وقت جمود محض ہے کہ ایک جماعت نے خانقاہوں کو سنبھال رکھا ہے ایک نے مدارس کو اور تبلیغ و اشاعت اسلام سے کسی کو بھی سروکار نہیں یہ جمود بیشک خلاف سنت ہے صوفیہ کو لازم ہے کہ اپنی خانقاہوں سے اصحاب نفوس قدسیہ کو مختلف مقامات میں تبلیغ احکام و اشاعت اسلام کے لئے تعینات کریں علماء پر فرض ہے کہ ایک جماعت مبلغین کی تیار کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتے رہیں جن کا کام تحصیل چندہ نہ ہو بلکہ خدمت اسلام و تبلیغ احکام ہو اگر اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے تو امید ہے کہ مکی زندگی مدنی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔

Marfat.com

شصت و نہم (حدیث الرؤیا فی تعذیب العصاۃ

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (صبح) پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تھا تو عرض کردیا کرتا تھا آپ کچھ تعبیر ارشاد فرما دیا کرتے۔ عادت کے موافق ایک بار ہم سے پوچھا کہ رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ہم نے عرض کیا کوئی نہیں فرمایا آج کی رات میں نے دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارض مقدس کی طرف لے چلے دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اوس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے اوس بیٹھے ہوئے کے کلّے کو اوس سے چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے پھر دوسرے کلّے کی ساتھ بھی یہی معاملہ کر رہا ہے اور وہ کلّا اوس کا درست ہو جاتا ہے پھر اوس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے میں نے پوچھا یہ کیا بات
۲۲۳ ہے وہ دونوں شخص بولے آگے چلو ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک آدمی پر گذر ہوا جو لیٹا ہوا ہے اور اوس کے سر پر ایک شخص بڑا بھاری پتھر لئے کھڑا ہے اوس سے اوس کا سر زور سے پھوڑتا ہے جب وہ پھر مارتا ہے پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے وہ اوس کے اُٹھانے کو جاتا ہے تو لوٹ کر واپس نہیں آنے پاتا کہ اوس کا سر اچھا خاصا جیسا پہلے تھا ویسے ہی ہو جاتا ہے اور وہ پھر اوس کو اوسی طرح پھوڑتا ہے میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے اور ایک غار پر پہنچے جو تنور کی طرح تھا نیچے سے چوڑا اوپر سے تنگ اوس میں آگ جل رہی ہے اور بہت سے ننگے مرد اور ننگی عورتیں اوس کے اندر (بھرے ہوئے) ہیں جس وقت آگ اوپر کو اُٹھتی ہے وہ سب بھی اوپر کو اُٹھتے ہیں یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں جب آگ نیچے کو بیٹھتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک نہر پر پہنچے جس میں خون بھرا ہے ایک شخص اوس میں کھڑا ہے نہر کے درمیان اور کنارہ پر دوسرا شخص کھڑا ہے اوس کے سامنے پتھر پڑے ہیں جب وہ پہلا شخص کنارہ کی طرف آتا اور نہر سے نکلنا چاہتا ہے دوسرا اوس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور جہاں سے آتا ہے اوسی جگہ لوٹا دیتا ہے جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح پتھر منہ پر مار کر واپس کر دیتا ہے میں نے کہا یہ

Marfat.com

کیا ہے۔ بولے آگے چلو ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک سرسبز باغ میں پہونچے جس میں بڑا درخت تھا اوس کی جڑ میں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اون کے پاس بہت سے بچے تھے اور درخت کے پاس ہی ایک اور شخص تھا جن کے سامنے آگ تھی وہ اوس کو بھڑکا رہا ہے یہ دونوں مجھے لے کر درخت پر چڑھے اور ایک گھر میں لے گئے جس سے زیادہ خوبصورت مکان میں نے نہیں دیکھا اوس میں بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے پھر اس سے نکال کر دوسرے گھر میں لیگئے وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھا اوس میں بھی کچھ بڈھے تھے کچھ جوان تھے میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا اب یہ تو بتلاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یہ کیا تھا بولے ہاں اب بتلاتے ہیں وہ شخص جس کا کلہ چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا آدمی ہے جس کی جھوٹ بات لوگ سن کر تمام جہان میں پھیلاتے ہیں اوس سے قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا وہ اوس کو چھوڑ کر رات بھر سوتا ہے اور دن میں بھی عمل نہیں کرتا اوس سے قیامت ۲۲۴
تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں دیکھا ہے وہ زانی ہیں۔ اور جس کو آپ نے خون کی نہر میں دیکھا ہے وہ سود خور ہے اور درخت کی جڑ میں جن بزرگ کو دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اون کے گرد جو بچے دیکھے یہ لوگوں کی اولاد ہیں (جو بچپن میں انتقال کر گئے اون کی پرورش ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں) اور جو شخص آگ بھڑکا رہا ہے وہ مالک داروغہ جہنم ہے اور جس گھر میں آپ پہلے گئے تھے وہ عام مؤمنین کا مقام ہے اور یہ دوسرا گھر شہداء کا ہے اور میں جبریل ہوں۔ یہ دوسرا میکائیل ہیں اب ذرا اپنے سر کو اوپر اٹھائیے میں نے سر اٹھایا تو اپنے اوپر بادل کی طرح ایک چیز دیکھی کہا یہ آپ کا گھر ہے میں نے کہا مجھے اپنے گھر میں جانے دو کہا ابھی آپ کی کچھ عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا اگر آپ کی عمر پوری ہو جاتی تو اپنے گھر میں پہونچ جاتے۔

شرح - ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کے بعد صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اور آپ اون کی خوابوں کی تعبیر بھی دیا کرتے تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس دن حضور نے اپنے اس خواب کو بیان فرمایا اوس دن کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۹) یہاں چند سوالات ہیں (۱) نماز سے مراد پانچوں نمازیں ہیں یا کوئی ایک نماز؟ (۲)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کے خواب دریافت فرماتے تھے اس میں کیا حکمت ہے ؟ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب کس لئے بیان فرمایا ؟

جواب یہ ہے کہ بظاہر نماز سے صبح کی نماز مراد ہے کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ من رأی منکم اللیلۃ رؤیا آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ؟ صبح کی نماز کے بعد ہی بولے جا سکتے ہیں، اس سے یہ علمی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ امام نمازیوں کی طرف منہ کرکے اپنی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں یہ بھی قیام کے قائم مقام ہے بلکہ (جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہ ہو اون میں امام کا اپنی جگہ پر نمازیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا) یہی سنت ہے اس سے اون لوگوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنی جگہ سے کھڑا ہو جانا لازم ہے یہاں تک کہ بعضے متقشف امام نماز سے فارغ ہوتے ہی ایسے (گھبرا کر) کھڑے ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی چوٹ کی تکلیف سے کھڑا ہوتا ہے اور اسکو وہ دین سمجھتے ہیں حالانکہ اس طرح دو عظیم الشان خیر اون سے فوت ہو جاتی ہیں ایک تو ملائکہ کا استغفار کرتا رہنا جب تک نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ملائکہ ہر اوس شخص کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے جب تک حدث نہ کرے وہ کہتے رہتے ہیں اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما اے اللہ اس پر رحم فرما۔ دوسرے اس سنت کی مخالفت ہوتی ہے جو اسی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضور جب نماز سے فارغ ہوتے ہماری طرف منہ کرکے بیٹھتے تھے اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اگر حضور کھڑے ہو کر متوجہ ہوا کرتے تو حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ حضرات صحابہ نے اس سے بھی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے تاکہ امت آپ کی اقتدا کرے (اگر اس جگہ قیام ثابت ہوتا تو صحابہ ضرور بیان فرماتے) میں اندلس میں جن بڑے مقتدا علماء سے ملا ہوں اون کو نماز کے بعد قیام کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ وہ بدون قیام کے ہی لوگوں کی طرف منہ کرکے بیٹھ جاتے تھے (مترجم کہتا ہے کہ ہمارے اکابر علماء کا عمل بھی علماء اندلس کے مطابق ہے ۱۲)۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل پر دوام فرمانا (کہ ہمیشہ روزانہ لوگوں سے یہ پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے ؟) اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب اجزاء نبوت سے ہے (مگر ایک جزو کے وجود سے کل کا وجود نہیں ہو جاتا کل کا وجود جملہ اجزاء کے اجتماع سے ہوتا ہے مثلاً کسی شخص کو قرآن کا ایک

Marfat.com

جزو یاد ہو جائے تو اوس کو حافظ قرآن نہ کہا جائے گا جب تک پورا قرآن حفظ نہ ہو خوب سمجھ لو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اوس کے اہتمام (اور نگہداشت) کی ترغیب دیتے تھے۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اہتمام تھا تو ہم پر آپ کا اتباع واجب ہے اگرچہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے نہ بھی ہوتا چہ جائیکہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے (تو اب تو زیادہ اہتمام چاہئیے)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ابتدا رخیر اسی سے ہوئی ہے کیونکہ نبوت سے (۶ ماہ) پہلے آپ سوتے ہوئے سچے خواب دیکھتے تھے (جو کہ نبوت کی تمہید تھی) جیسا کتاب کے شروع میں پہلی ہی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے وحسن العھد من الایمان اپنے رفیق[عہ] سے اچھا برتاؤ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن عہد کی رعایت کرنے والا کون ہوگا؟ آپ کا ایمان تو سب سے زیادہ قوی اور کامل ہے۔ رہا آپ کا (خواب سُن کر) تعبیر دینا سو اس میں صحابہ کو تعلیم تھی اون کو تعبیر خواب کا طریقہ بتلانا تھا کیونکہ جس کو یہ علم آجائے وہ بھی اوس کے حق میں اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جیسا یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے ۲۲۶
ذٰلکما مما علمنی ربی یہ علم (تعبیر) اون علوم میں سے ہے جن کی میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے اور انسان کو جو بات معلوم ہو جائے جس کا پہلے اوسے علم نہ تھا وہ اوس کے حق میں ایک نعمت ہے رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خواب بیان کرنا تو (اس کی وجہ ظاہر ہے کہ) آپ کا خواب وحی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا ہر خواب باجماع علماء وحی ہوتا ہے اور وحی کا چھپانا آپ کو جائز نہ تھا کیونکہ وہ تو اللہ کی طرف سے بندوں کیلئے ایک حکم ہے اور حکم الٰہی کا پہونچانا رسول اللہ پر لازم ہے) دوسرے اس خواب میں جیسا انشاء اللہ ہم بتلائیں گے سمجھدار کے لئے بہت سے احکام ضروریہ اور فوائد مہمہ ہیں تو حضور نے اون احکام اور فوائد پر (اُمت کو) مطلع کرنا چاہا۔ قولہ صلاۃ ھل المراد بھا العموم وھی الخمس او واحدۃ منھا۔ الی قولہ فاراد الاخبار بتلک الاحکام والفوائد۔

ف۔ یہاں سے صوفیہ کے اس عمل کی کہ وہ بھی اپنے متعلقین کے خوابوں کو اہتمام سے سُنتے اور اون کی تعبیر دیتے ہیں اصل معلوم ہو گئی۔ کیونکہ جن لوگوں کا سلوک موافق سنت نبویہ طے ہوتا ہے اون کو حصولِ نسبت سے

عہ یہی وجہ تھی کہ حضرت جنیدؒ آخر عمر تک تسبیح ہاتھ میں رکھتے رہے کسی نے پوچھا کہ حضرت اب تو آپ کو تسبیح کی حاجت نہیں رہی تو فرمایا اسی کی برکت سے تو حاجت نہیں رہی تو کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دوں؟ او کما قال ۱۲ ظ

Marfat.com

پہلے رؤیائے صالحہ صادقہ بکثرت نظر آتے ہیں بعض دفعہ ان خوابوں میں عجیب عجیب علوم القاء ہوتے ہیں
تو مشائخ ان خوابوں سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس سالک کا سلوک سنت نبویہ کے موافق ہے اور عنقریب
اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے گی، مگر اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ فساد میں بعضے ذاکرین
جھوٹ بھی بولتے ہیں اور جھوٹے خواب گھڑ کر شیخ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور بعضے جھوٹ تو نہیں
بولتے مگر اون کے خواب پریشان خیالات ہوتے ہیں اس لیے مشائخ اہل تحقیق آجکل کے خوابوں پر
زیادہ توجہ نہیں فرماتے خصوصاً جبکہ یہ دیکھا جائے کہ لوگ اچھا خواب دیکھ کر ہی اپنے حُسنِ حال پر قانع
ہو رہے ہیں تو سختی کی ساتھ خواب پر توجہ کرنے سے منع فرماتے ہیں، حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہٗ
فرماتے تھے کہ میں نے لوگوں کے ہزار خوابوں میں سے ایک دو کو اس قابل پایا کہ اوس کو خواب کہا جاسکے ورنہ
سب اضغاث احلام پریشان خیالات ہی پائے۔ اھ بعض بھولے بھالے مشائخ جو اپنے زمانہ کی حالت
سے واقف نہ تھے محض سنت صوفیہ سمجھ کر اپنے متعلقین کے خواب روزانہ اہتمام سے سُنا کرتے تھے اور
اون کے متعلقین ایسے جھوٹے جھوٹے خواب روزانہ تصنیف کیا کرتے تھے کہ جن کے سر نہ پاؤں مگر وہ
سب کی تصدیق کرتے تھے اور اگر کوئی مرید یہ کہتا کہ میں نے خواب میں فلاں بزرگ کو دیکھا ہے وہ فرماتے
ہیں کہ اپنے پیر سے اتنی رقم لے کر ہمارے مزار پر آؤ تو یہ حضرت فوراً وہ رقم اوسکے حوالہ کر دیتے تھے پس خواب کے معاملہ میں شیخ کو اتنا
بھولا نہ بننا چاہیے اگر حضرت حکیم الامۃ کے سامنے کوئی ایسا خواب بیان کرتا اول تو کسی کو اس قسم کی
جرأت ہی نہ تھی تو وہ یقیناً یہ جواب دیتے کہ وہ بزرگ جب خود مجھے حکم دیں گے اوس وقت رقم دونگا
اس کی کیا وجہ ہے خواب میں تم سے تو کہہ گئے اور مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔

ف ۔ اللہ کی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا بطور شکر کے اون کا اظہار لازم ہے واما بنعمۃ ربک
فحدث اس لئے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ اس ناچیز کے خوابوں کی بابت حضرت
اقدس سیدی مرشدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ مولوی ظفر احمد
کے خواب تو واقعات ہوتے ہیں اور حضرت سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے بندہ کے بعض خواب اپنی
مجلس میں بطور استدلال کے بیان فرمائے اور متعدد خواب تربیت السالک میں نقل کرائے ہیں"
اور الحمد للہ کہ بندہ کو حق تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی مناسبت عطا فرمائی ہے اللھم فلک الحمد ولک
الشکر حمداً کثیراً کما تحب و ترضیٰ۔

ف۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرض وفات میں مجھ سے فرمایا کہ مولانا ایسی تدبیر کرو کہ مجھے نیند آئے کیونکہ آجکل مجھے جب نیند آتی ہے اچھا خواب آتا ہے اور اچھا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے کبھی نہیں ہوتی اور پھر خواب میں علوم صحیحہ کا القا ہوتا ہے چنانچہ آجکل میرے اوپر خواب میں علوم کا القا ہوتا ہے پھر فرمایا کہ یہ تحریک تبلیغ (بطرز خاص) بھی خواب میں مجھ پر منکشف ہوئی تھی۔

(۱۶۰) اس حدیث میں اون لوگوں کے لئے جن کو اس پر ایمان اور تصدیق حاصل ہے ایک بڑا فائدہ ہے بشرطیکہ تصدیق حقیقی ہو (کہ سچے دل سے وہ حضور کے اس خواب کو وحی الٰہی سمجھتے ہوں) وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت نفس یا شیطان کی طرف سے (اون گناہوں میں سے جن کا عذاب یہاں مذکور ہے) کسی گناہ کا ارادہ دل میں آئے اوس وقت اس ہلاکت خیز منظر کو یاد کرے تو نفس سرکشی سے رک جائیگا اور ایسے ہی فوائد کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس تفصیل سے مطلع فرمایا ہے کیونکہ جس شخص کو عذاب کا محض اجمالی علم ہو مقدار و کیفیت کی خبر نہ ہو وہ اوس کے برابر نہیں جو تفصیل سے باخبر ہے اس کو پہلے سے زیادہ خوف ہوگا، چنانچہ ایک عابد زاہد کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ اون سے بعضے شیطان آدمیوں کو حسد تھا وہ اُن کی بابرکت حالت سے (دل دل میں) جلتے تھے تو چاہا کہ (کسی ترکیب سے) اون کو لوگوں کی نظروں سے گرادیں تو اونھوں نے ایک بہت ہی حسین جمیل عورت کو (اس کام کے لئے) تیار کیا اوس کو خوب پٹی پڑھا دی کہ تو پہلے اوس سے یہ کہنا پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنا اس کے بعد اوس کو بنا سنوار کر عابد کے پاس لے گئے۔ اور وہاں جا کر آپس میں جھگڑنے اور لڑنے لگے جیسے یہ عورت اون میں سے ایک کی بیٹی ہے اور اوس کے بارہ میں جھگڑا ہے (شوہر کہتا ہے کہ اس کو میرے گھر کیوں نہیں بھیجتے باپ کہتا ہے کہ ابھی یہ رخصت کے قابل نہیں اور تو نے ابھی تو میری شرطیں پوری نہیں کیں وغیرہ وغیرہ) پھر لڑائی جھگڑے کے بعد) عابد کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ حضرت آج ایک رات کے لئے آپ اس لڑکی کو اپنے گھر کے ایک کونہ میں جگہ دیدیں کل کو (جب ہمارا فیصلہ ہوجائے گا) ہم اوسے لیجائیں گے اور اسی قسم کی دوسری باتیں بنائیں عابد نے انکار کیا تو یہ لوگ از راہ اکرام کرار پر اصرار کرنے لگے یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عابد نے اون کی بات مان لی اور عورت کی صورت تک نہ دیکھی (ویسے ہی بدون دیکھے اوس سے کہدیا کہ جا گھر میں کسی جگہ آرام کر)

گناہ کا خیال آنے پر اون عذابوں کو یاد کرنا چاہئے۔

Marfat.com

جب رات زیادہ گذر گئی اور یہ عابد برابر اپنی عبادت میں مشغول رہا (عورت کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا)
تو وہ بناؤ سنگار کی ساتھ دفعۃً اوسی کے پاس پہونچی اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے تو گھر میں تنہا ڈر لگتا ہے آپ کے
پاس رہنا چاہتی ہوں مقصود یہ تھا کہ اپنا چہرہ عابد کو دکھلائے اور منہ کھول کے اوسی کے پاس بیٹھے (تاکہ
صورت دیکھ کر اوس کی شہوت کو ہیجان ہو) چنانچہ پاس بیٹھ کر اوس نے (ادہر اودہر کی باتیں کر کے)
عابد کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا پھر کھلے لفظوں میں مقصود ظاہر کر دیا کہ میں تو آپ پہ عاشق ہوں تمنائے
وصال مجھے یہاں کھینچ کر لائی کاملے یہ لڑنے جھگڑنے والے میرے باپ یا شوہر کچھ نہیں ہیں بلکہ سب
میرے دوست آشنا ہیں میں نے ہی اون سے درخواست کی تھی کہ اس بہانہ سے مجھے آپ تک
پہونچادیں) اور بیحیائی کے کام پر اوس کو ابھار نے لگی جب عابد نے اوس کی طرف سے اس قسم
کی کوشش (اور کشش) دیکھی تو کہا اچھا تھوڑی دیر کی مجھے مہلت دے پھر چراغ میں تیل
ڈالا اور اوس میں موٹی سی بتی ڈالی، جب اوس کی لو تیز ہو گئی تو اوس میں اپنی اونگلی دیدی اور کچھ دیر
تک برابر اوسے آگ میں رہنے دیا جب اونگلی خوب جلنے لگی اور آگ کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو عابد چیخ مار کر ۲۲۹
بیہوش ہو گیا۔ عورت پر اوس کی اس حالت سے اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ اوس کے
سچے معاملہ سے رعب طاری ہو گیا اور وہ بھی گناہ کے ارادہ سے رک گئی جب صبح ہوئی اور
وہ شیطان آدمی اوسے اپنی ساتھ لے گئے تو رات کی کیفیت دریافت کی عورت نے سارا ماجرا سنادیا
(اور بتلادیا کہ واقعی اس شخص کا معاملہ خدا کی ساتھ سچا ہے اس کو پریشان کرنا اچھا نہیں) تو وہ
شیطان بھی اپنے ارادہ سے باز آگئے۔ کسی نے (اسی مضمون کو) شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

نفسی علی البرد لیس تقوی ولا علی ایسر الحرارۃ
فکیف تقوی لحر نار وقودھا الناس والحجارۃ

میرے نفس کو نہ سردی کی سہار ہے نہ تھوڑی سی گرمی کی۔ تو اس کو اوس آگ کی کیونکر
سہار ہوگی جس کا ایندہن[1] آدمی ہیں اور پتھر قولہ وفیہ فائدۃ کبری الی قولہ الناس والحجارۃ۔

[1] وقود کا ترجمہ عام طور سے ایندہن کیا جاتا ہے اس کا صحیح ترجمہ سلگاؤ ہے یعنی جس سے آگ سلگائی جاتی ہے
جیسے سُتلی اور باریک سا چیپٹی وغیرہ کہ جس طرح دنیا کی آگ ان چیزوں سے سلگتی ہے دوزخ کی آگ آدمیوں اور پتھروں
سے سُلگتی ہے نعوذ باللہ من حر النار و من غضب الجبار و نسئل العفو و العافیۃ من العزیز الغفار فی الدنیا
و فی دار القرار آمین ۱۲ ظ۔

Marfat.com

ف۔ حضرات صوفیہ کرام کی یہی تعلیم ہے کہ جب گناہوں کی طرف نفس کا میلان ہو تو ان آیات واحادیث کا مطالعہ کیا جائے جن میں گناہوں پر وعید اور عذاب شدید مذکور ہے اور نفس پر یاس وقنوط اور خوف کا غلبہ ہونے لگے تو آیات رحمت اور ثواب جنت کو یاد کر کے خوف کو معتدل کرنا چاہئے یہ حدیث ان کی مؤید ہے۔

(۱۶۱) حدیث کا یہ جملہ کہ "جس کا سر پھوڑا جا رہا ہے یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالٰی نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے تو وہ رات کو اس سے اعراض کر کے سوتا ہے اور دن میں بھی اس پر عمل نہیں کرتا قیامت تک اس سے یہی معاملہ ہوتا رہے گا" محل اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیام لیل (رات کو بعد عشاء کے نماز میں قرآن پڑھنا) مستحب ہے اور ترک مستحب پر عذاب نہیں ہوتا تو ترک قیام لیل پر عذاب کیسے ہوگا؟۔

جواب یہ ہے کہ قیام لیل کے واجب ہونے (نہ ہونے) میں علماء کا اختلاف ہے بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں مگر وہ بقدر فواق ناقہ کو واجب کہتے ہیں (زیادہ نہیں قدر فواق ناقہ اتنی مدت کو کہتے ہیں جس میں دودھ نکالنے سے پہلے اونٹنی کے بچہ کو تھن سے لگایا جاتا ہے تاکہ وہ دودھ اتارے پھر جلدی سے اس کو الگ کر دیتے ہیں اور یہ مدت عادۃً دو تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں کم از کم دو تین رکعت ادا ہو سکتی ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے لابد من قیام باللیل ولو قدر فواق ناقۃ (قیام لیل ضروری ہے اگرچہ فواق ناقہ کے برابر ہو) اس قول پر تو کسی سوال اور بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ حدیث بھی ان علماء کی ایک دلیل ہے (جو قیام لیل کو واجب کہتے ہیں) ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ قیام لیل مستحب ہے جمہور (فقہاء وعلماء) اسی طرف ہیں۔ اس قول پر بیشک وہ سوال وارد ہوگا (کہ ترک مستحب پر عذاب کیوں ہوا) سو اس کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ جب کسی کو کبائر پر عذاب ہوگا تو ان کے ساتھ صغائر پر بھی عذاب ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے تو ہم تمہاری سیئات (صغائر) کو معاف کر دیں گے جس سے (بطور مفہوم مخالف کے) معلوم ہوا کہ اگر کبائر سے نہ بچا گیا تو (صغائر معاف نہ ہوں گے کیونکہ ان کے معاف ہونے کی شرط کبائر سے بچنا ہے بلکہ اس صورت میں) سب پر عذاب ہوگا" اور متفق علیہ مستحب

قیام لیل واجب یا مستحب ۲۳۰

کو چھوڑنا مختلف فیہ مستحب کے چھوڑنے کے برابر نہیں (بلکہ دونوں میں فرق ہے متفق علیہ مستحب کا چھوڑنا تو گناہ کی کسی قسم میں داخل نہیں اور مختلف فیہ مستحب کا چھوڑنا ایک قول پر تو کچھ نہیں مگر دوسرے قول پر گناہ کبیرہ ہے) اس لئے ہم نے ترک قیام لیل کو صغائر میں شمار کر لیا ہے اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحب ہے مگر بعض علماء اوس کو واجب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (سب سے پہلے) بندہ کی نماز کو دیکھا جائے گا اگر اوس کو (اچھی طرح) بجالایا ہو فبہا اور اگر نماز میں نقص ہوا تو اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائینگے میرے بندہ کے اس عمل کو (اچھی طرح) دیکھو اگر اوس نے کچھ نوافل بھی ادا کئے ہوں تو ان سے اوسکی نماز (کی کمی) کو پورا کر دو۔ اسی طرح تمام اعمال کے ساتھ معاملہ ہوگا کہ اگر فرائض کو کامل طور سے نہ ادا کیا گیا ہو اور اوس جنس کی نوافل موجود ہوں اون سے فرض کی تکمیل کر دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (محض) فضل و رحمت (کا معاملہ) ہے۔ تو جب اس شخص نے قیام لیل کو ترک کر دیا
جس سے اون نمازوں کی تلافی ہو سکتی تھی جو اوس نے دن میں ضائع کی تھیں تو ترک قیام لیل پر عذاب ۲۲۳۱
دیا گیا کیونکہ اوس نے وہ کام نہیں کیا جس سے فرض کی تلافی ہو جاتی۔ تو اس پر عذاب ہونا در اصل اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ عذاب تو درحقیقت فرض کے نقصان پر ہوگا مگر قیام لیل سے اوس نقصان کی تلافی ہو کر عذاب ٹل جاتا جب عذاب کو ٹالنے والا کام بھی نہ ہوا تو اوسی کی طرف عذاب کو منسوب کر دیا گیا۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا رات کا اٹھنا (نفس کو) بہت پامال کرتا ہے اور بات کو بہت صاف (اور سیدھا) کرتا ہے (تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے میں بڑا مجاہدہ نفس پر ہے اور اوس وقت جو کچھ پڑھا جاتا یا دعا کی جاتی ہے یا ذکر کیا جاتا ہے سب دل سے نکلتا ہے اسلئے قیام لیل کی بڑی فضیلت ہے اور یہ عمل ایسا ہے جس سے فرض نمازوں کی کوتاہی کی تلافی ہو جاتی اور عذاب ٹل جاتا ہے تو جس نے فرائض میں کوتاہی کر کے اس افضل ترین مستحب کو بھی ترک کر دیا ہو اوس کے عذاب کو ترک فرض کے ساتھ اس مستحب کے ترک پر بھی حوالہ کیا جائے گا) اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم۔ اسی لئے علماء نے ہر فرض کے ساتھ اوسی نوع کی نوافل کی تکثیر کو مستحب فرمایا ہے کیونکہ ممکن ہے فرض میں کچھ کمی رہ جائے (تو نوافل سے پوری ہو جائے گی)۔

Marfat.com

تیسرا جواب یہ ہے کہ نام عنہ باللیل (وہ رات کو قرآن سے اعراض کرکے سوتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ سو کر رات کی نمازیں فوت کرتا ہے تو گو لفظ عام ہے مگر مراد خاص ہے (یعنی قیام لیل مستحب کا ترک مراد نہیں بلکہ نماز فرض کا ترک مراد ہے کہ رات کو قرآن کے احکام سے اعراض کرکے عشا سے پہلے سو رہتا ہے اور صبح کے بعد تک سوتا رہتا ہے نہ عشا کی نماز پڑھتا ہے نہ صبح کی اس صورت میں عذاب ترک فرض پر ہوا نہ ترک مستحب پر)۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مقصود بطور کنایہ کے یہ ہے کہ اس شخص کو خدا نے قرآن کا علم دیا تھا پھر وہ نہ دن میں اوس پر عمل کرتا تھا نہ رات میں لم یعمل فیہ بالنہار سے دن میں عمل نہ کرنے کو بتلایا گیا اور نام عنہ باللیل سے رات میں عمل نہ کرنا مراد ہے کیونکہ کسی چیز سے اعراض کرکے سو رہنا کمال ترک پر دلالت کرتا ہے۔ قولہ وھنا بحث وھو کیف یقع العذاب علی ترک القیام باللیل الی قولہ لانہ ابلغ فی الترک ؎

۲۳۴ ف۔ اور پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معراج جسمانی سے مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نبوت سے پہلے سچے خواب بطور تمہید نبوت کے نظر آتے تھے اسی طرح معراج جسمانی سے پہلے خواب میں چند بار معراج روحانی ہوئی ہے تاکہ طبیعت معراج جسمانی کی متحمل ہو جائے یہ حدیث بھی غالباً معراج روحانی سے متعلق ہے اور معراج جسمانی سے پہلے قیام لیل ہی فرض تھا جیسا سورۃ المزمل کی تفسیر سے واضح ہے معراج جسمانی کے بعد جب پانچ وقت کی نمازیں فرض ہو گئیں قیام لیل کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ پس اگر مان لیا جائے کہ یہ عذاب ترک قیام لیل ہی کی وجہ سے ہو تو یہ حکم اوس وقت کا ہے جبکہ قیام لیل فرض تھا۔

اور چھٹا جواب یہ ہے کہ قیام لیل جمہور کے نزدیک بھی واجب ہے مگر قیام لیل سے مراد تہجد نہیں جو عشا کے بعد کچھ دیر سو کر جاگنے کے بعد ادا کی جاتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے ما کان بعد العشاء فھو من قیام اللیل نماز عشا کے بعد جو نماز بھی ہو وہ قیام لیل میں شامل ہے اور نماز عشا کے بعد نماز وتر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، تو جو شخص عشا کے بعد نماز وتر ادا کریگا اوسکو تارک قیام لیل نہیں کہا جائے گا، تارک قیام لیل وہ ہے جو عشاء پڑھ کر سو جاتے اور وتر نہ پڑھے۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اگرچہ وتر کو واجب نہیں کہا مگر فرائض کے بعد آکد السنن

Marfat.com

(تمام سنتوں سے زیادہ مؤکد) فرمایا ہے جس کے ترک کی وہ بھی اجازت نہیں دیتے تو اختلاف محض لفظی ہے، تمام سنن مؤکدہ سے زیادہ مؤکد جو شئے ہوگی وہ واجب ہی ہوگی" پس وعید ترک مستحب پر نہیں بلکہ ترک واجب پر ہے"

ہمارے اکابر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ مالابد منہ میں نماز تہجد کو سنن مؤکدہ میں شمار کیا ہے اور مواظبت نبویہ سے اسپر استدلال کیا ہے اور غالباً اون سے پہلے ابن ہمام رح نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ رح کا بھی کچھ مدت تک یہی قول تھا لیکن جب احقر نے اعلاء السنن میں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ قول خلاف اجماع ہے فقہاء اربعہ میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا جملہ فقہاء نے تہجد کو نوافل میں ہی شمار کیا ہے اس لئے یوں کہنا چاہیئے کہ تہجد تو سنت غیر مؤکدہ ہے مگر قیام لیل بقدر وتر واجب ہے تو حضرت نے اس تحقیق کو پسند فرمایا۔ اہل علم اس بحث کو اعلاء السنن میں ملاحظ فرمائیں گے تو زیادہ لطف آئیگا۔

۲۳۳ **ف**۔ اس میں شک نہیں کہ صوفیہ کو تہجد کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور اسی لئے حدیث کے اس فائدہ پر تنبیہ کر دیگئی کہ اسی سے صوفیہ کے اس اہتمام کی دلیل نکلتی ہے" اون کا قول ہے کہ جس کو جو نعمت ملی ہے وقت تہجد ہی میں ملی ہے،، عارف فرماتے ہیں ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند | وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

اسلئے تہجد کا اہتمام ضرور کرنا چاہیئے اگر پچھلی رات کو اٹھنے کی ہمت نہ ہو تو عشا کے بعد ہی کچھ نفلیں زیادہ پڑھ لی جایئں کہ اگر تہجد حاصل نہ ہو تو قیام لیل ہی حاصل ہو جائے۔ قیام لیل اور تہجد کا ثواب قریب ہی قریب ہے، قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا بھی امر ہے۔ یا ایھا المزمل قم اللیل الا قلیلا اور تہجد کا بھی امر ہے ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک، تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر بیدار ہو جائے اور وضو وغیرہ کر کے نماز میں مشغول ہو جائے قیام لیل کے لئے عشا کے بعد سونا ضروری نہیں فرض عشا کے بعد جو نماز بھی پڑھی جائے گی قیام لیل میں داخل ہوگی، اس میں شک نہیں کہ قیام لیل کی افضل صورت تہجد ہے مگر جس کو سونے کے بعد بیدار ہونے کی ہمت نہ ہو اوس کے لئے عشا کے بعد ہی کچھ نفلیں پڑھ لینا مناسب ہے کہ یہ بھی قائم مقام تہجد کے ہے، چنانچہ حضرات صحابہ نے قیام لیالی رمضان (تراویح) کے لئے عشا کے بعد ہی کا وقت رکھا

Marfat.com

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان آخر شب میں کیا تھا مگر چونکہ سب لوگوں کا آخر شب میں جمع ہونا دشوار تھا اس لئے تراویح کا وقت بعد عشا کے رکھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد نفلیں پڑھ لینا بھی تہجد کے قائم مقام ہے اگرچہ اوس کے برابر نہ ہو"۔ تو جسے افضل صورت کی ہمت نہ ہو اوسے بالکل بھی تو تہجد سے محروم نہ ہونا چاہیئے" اور پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے کہ جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے تو یہ دو آیتیں اوس کے لئے تمام رات کے قیام سے کفایت کریں گی" تو جو لوگ عشاء کے بعد تہجد پڑھنا چاہیں اون کو دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی یہ دو آیتیں بھی ضرور پڑھ لینا چاہئیں (آمن الرسول سے آخر سورۃ تک) انشاء اللہ وہ تمام رات کی شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ حدیث پر سچے دل سے یقین و اعتماد ہو اسی واسطے میں نے لفظ انشاء اللہ استعمال کیا ہے ورنہ مجھے بحمد اللہ اس میں ذرا بھی شبہ اور شک نہیں

(۱۶۲) اس حدیث کا (بڑا) فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو کچھ وعدہ اور وعید مذکور ہے اوس پر ایمان (اور یقین) کیا جائے اور نجات کا سامان کرنے کے لئے کام کیا جائے اسی فائدہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے مضامین پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے اہل طریق (صوفیہ کرام) کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ علم کو حال بنا لیتے ہیں (کسی حدیث یا آیت کو پڑھ کر سرسری طور سے نہیں گزر جاتے بلکہ اوس میں اس قدر تامل اور فکر کرتے ہیں کہ وہ دل پر جم جاتی اور ہر دم اوسکا مضمون مستحضر اور پیش نظر رہتا ہے علم کو حال بنانے کا یہی مطلب ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ قلب اوس حدیث یا آیت کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے اور یہی علم سے مقصود ہے ورنہ محض لفظی علم ہوگا) چنانچہ ایک طالب کا واقعہ ہے کہ وہ بہت دنوں تک اپنے شیخ (کی مجلس) سے غائب رہا پھر (ایک مدت کے بعد) آیا تو شیخ نے فرمایا برخوردار! اتنی مدت تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟ کہا حضرت میں نے آپ سے دو آیتیں سنی تھیں اون پر عمل کر رہا تھا تاکہ اون کو اپنا حال بنا لوں۔ چنانچہ میں نے اس غرض کے لئے نفس کی ساتھ مجاہدہ کیا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور ان دو آیتوں کو میرا حال بنا دیا یا اسی کے قریب کچھ اور الفاظ تھے"۔ شیخ نے فرمایا برخوردار وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ کہا ایک تو یہ آیت ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اوس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اوس کو بھی

۲۴۴ علم کو حال بنانا چاہیئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اوس کو ہر دم مستحضر رکھے۔

Marfat.com

دیکھ لے گا"۔ دوسری یہ آیت ہے، "وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا ویعلم مستقرہا ومستودعہا" زمین میں چلنے والا کوئی جاندار نہیں مگر اللہ کے ذمہ اوس کا رزق ہے اور اللہ جانتا ہے اوس کے قرار کی جگہ کو بھی اور اوس کی ودیعت گاہ کو بھی (جہاں وہ بطور امانت رہتا ہے بعض نے مستقر کی تفسیر ماں کے رحم سے اور مستودع کی تفسیر باپ کی پشت سے کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ مستقر سے مراد وہ گھر ہو جہاں انسان رات کو قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد جائے دفن ہو جہاں مرنے کے بعد رکھا جائے گا واللہ اعلم) تو میں نے نفس کی ساتھ اس بات کے لئے مجاہدہ کیا کہ نیک کاموں کا التزام کرے اون میں سے ذرہ برابر بھی نہ چھوٹنے پائے اور برے کاموں کو چھوڑ دے اون میں سے ذرہ برابر کا بھی ارتکاب نہ کرے، اور میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ زمین پر چلنے والوں میں سے ایک جاندار میں بھی ہوں تو میرا رزق اللہ کے ذمہ ہے وہ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے ٹھکانہ کو بھی تو اب میں نے رزق کے ساتھ نفس کے تعلق اور لگاؤ کو قطع کردیا اللہ تعالیٰ کے وعدۂ جمیل پر بھروسا کرکے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے چنانچہ حق تعالیٰ عز وجل نے اب میرے لئے رزق کو ۲۳۵
آسان کردیا ہے وہ اپنے حسن لطف اور وعدہ کے موافق مجھے روزانہ رزق پہونچاتے ہیں، شیخ نے کہا برخوردار من! مبارک ہو تم تو عابدین سے فوقیت لے گئے، آقاؤں کا غلاموں سے یہی تو مقصود ہے (کہ غلام اپنے آقا ہی کے ہوکر رہیں ادھر ادھر نظر نہ کریں) اسی لئے کسی کہنے والے نے کہا ہے "اذا کان وعدک بالرزق لا یخلف وطلبت الامر من غیرہ لا یعرف فحسبی تصدیق وعد لا یخلف واشتغالی بامر غیرہ منی لا یعرف"۔ جب رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ تجھ سے وعدہ خلافی نہیں کرسکتے اور کسی دوسرے سے بھی کوئی چیز طلب نہیں کی جاسکتی تو مجھے اوس وعدہ کی تصدیق کافی ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا اور آئندہ ماسوا اللہ کے کام میں مشغولی میری طرف سے نہیں ہوگی"۔

ف - علم کو حال بنانا تو سب کے نزدیک ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث وقرآن کے وعدے اور وعید میں دل پر جم جائیں کہ ہر دم مستحضر اور پیش نظر رہیں، مگر حال کا یہ اثر کہ ہر صاحب حال تارک اسباب بھی ہوجائے ضروری اور لازم نہیں، حضرات صحابہ سے زیادہ کامل الیقین کون ہوسکتا ہے مگر تم دیکھو گے کہ اجلۂ صحابہ بلکہ قریب قریب تمام تر صحابہ اسباب معاش میں مشغول تھے کوئی تاجر تھا کوئی کاشتکار کوئی صنعت وحرفت سے روزی کماتا تھا کوئی بیت المال سے وظیفہ لیتا تھا۔ بہرحال

Marfat.com

شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ مسلمان اون اسباب معاش کو ترک کر دیں جو قدرت نے کسی حکمت سے اس عالم اسباب میں حصول رزق کے لئے مقرر فرمائے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے قبضہ میں نفع و ضرر کی طاقت نہیں، اور جن اہل حال پر ترک اسباب کا داعیہ غالب ہوتا ہے اون کو بھی اسباب یقینیہ کے ترک جائز نہیں صرف اسباب ظنیہ کا ترک جائز ہے تفصیل کے لئے تربیت السالک حکیم الامۃ رح ملاحظہ ہو۔

ترک اسباب کے شرائط

ف ۔ ترک اسباب ظنیہ کے جواز کی چند شرطیں ہیں (۱) قلب پر ترک اسباب کا شدید تقاضا ہو جس کی مخالفت دشوار ہو جائے یا شیخ کا حکم ہو (۲) مخلوق سے نظر بالکل اُٹھ جائے کسی شخص کے بغرض ملاقات آنے پر یہ خیال دل میں نہ آنے پائے کہ یہ مجھے کچھ ہدیہ دے تو اچھا ہے (۳) ایسا نہ ہو کہ ترک اسباب کے بعد ہر ہدیہ قبول کرنے لگے بلکہ قواعد شرعیہ سے جو ہدیہ واقعی ہدیہ ہو قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے (۴) تارک اسباب کا عزم اور حوصلہ اس قدر بلند ہونا چاہیئے کہ سلاطین واغنیاء سے زیادہ اپنے کو غنی سمجھے کیونکہ اون کی حاجتیں تو دوسروں کے ہاتھ میں ہیں اور متوکل کی ہر حاجت خود اوسی کے ہاتھ میں ہے کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آئی ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور حاجت پوری ہوگئی۔ (۵) صاحب اہل وعیال کو ترک اسباب جائز نہیں مگر یہ کہ اوس کے اہل وعیال بھی اوسی کی طرح صاحب حال ہوں اور اگر ترک اسباب کے وقت صاحب عیال نہ تھا پھر حق تعالیٰ کی طرف سے باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد صاحب اہل وعیال بن گیا تو اس میں کچھ کراہت نہیں گو اوس کے اہل وعیال صاحب حال نہ بھی ہوں کیونکہ باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد ظن غالب یہ ہے کہ اوس کے اہل وعیال کو ترک اسباب سے پریشانی کا سامنا نہ ہوگا، اور ان احکام کا مدار ظن غالب ہی پر ہے (۶) اگر کسی کے ترک اسباب سے اوس کے اہل وعیال کو تنگی اور پریشانی فاقہ وغیرہ کی پیش آنے لگے تو اوس پر اسباب میں مشغول ہونا واجب ہے مگر یہ کہ اہل وعیال سب بالغ ہوں اور وہ بھی اس کی طرح صاحب حال ہوں تنگی اور فاقہ پر راضی ہوں تو اور بات ہے اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو اون کو اپنی موافقت پر مجبور کر کے پریشان کرنا جائز نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے، اگر ایسا نہ کرے گا گنہگار رہیگا اور اہل وعیال کو اپنے نفقہ کے لئے قاضی کی عدالت میں اس پر دعویٰ کرنے کا حق ہے،، تفصیل کے لئے احیاء العلوم باب التوکل ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

ف ۔ شرائط توکل و ترک اسباب پر نظر کرنے کے بعد نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ کہنا کہ صوفیہ توکل کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ تعطل کی تعلیم دیتے ہیں بالکل غلط ہے جس حالت میں صوفیہ محققین توکل بصورت ترک اسباب کی اجازت دیتے ہیں اوس وقت یہ شخص ترک اسباب پر مجبور اور اختیار اسباب سے معذور ہو جاتا ہے، اس وقت وہ معطل نہیں ہوتا بلکہ سلاطین سے زیادہ غنی اور مستغنی ہوتا ہے چنانچہ اون کے واقعات اس پر شاہد ہیں، ایک دفعہ محمد شاہ تغلق نے اپنے امرار وزرار اور اہل دربار کو منع کر دیا تھا کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیار کے یہاں کوئی نہ جانے پائے نہ کوئی اون کو ہدیہ نذرانہ پیش کرے اوس کا خیال یہ تھا کہ سلطان جی کا لنگر جو اس قدر وسیع ہو رہا ہے کہ دونوں وقت تین چار ہزار درویش کھانا کھاتے ہیں اور مخلوق برابر اون کی طرف کھنچی چلی آرہی ہے اس کا مدار میرے امرار وزرار و اہل دربار کے ہدایا پر ہے اگر یہ ہدایا اور نذرانے بند ہو گئے تو لنگر بند ہو جائے گا اور لنگر بند ہو جانے کے بعد مخلوق کا میلان بھی اس طرف کم ہو جائے گا چنانچہ ایک مہینہ تک تمام ہدایا اور نذرانے بند رہے لیکن لنگر پھر بھی بند نہ ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی پر تھا 247
معلوم ہوا کہ ان حضرات کی فتوحات کا مدار انسانوں کے ہدایا وغیرہ پر نہیں اگر ساری مخلوق اپنا ہاتھ روک لے جب بھی اون کے کام انشاء اللہ بند نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی دوسری مخلوق کو اون کی خدمت کے لئے مسخر کر دینگے وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ یہ تو قدیم واقعہ ہے اور ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ تحریک خلافت کا ہندوستان میں بہت زور تھا اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ شرکت ہنود کی وجہ سے اوس سے الگ تھے تو بعض اہل خلافت نے یہ کوشش کی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں جو لوگ ہدایا اور نذرانے بھیجتے ہیں اون کو اس سے روکدیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس سال ہمیشہ سے بھی زیادہ ہدایا اور نذرانے آئے کہ پہلے تو اوسط ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا تھا اوس سال تین سو روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے جو زیادتی کی تھی وہ برابر بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ اخیر میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا تھا حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت قدس سرہ کے یہاں قبول ہدایا سے زیادہ رد ہدایا کا اوسط تھا وہ ہدایا قبول کم کرتے تھے واپس زیادہ کرتے تھے کیونکہ شرائط قبول سخت تھیں جن کی پابندی کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے تھے اس پر بھی کسی کے کم کرنے سے اون کی

Marfat.com

آمدنی کم نہیں ہوتی تھی سچ ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیئ قدرا ۱۸۔

(۷۰) حدیث لا حسد الا فی اثنتین

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا حسد الا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل آتاہ اللہ حکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا الناس (ترجمہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ قابلِ رشک دو ہی (شخصوں کی) حالتیں ہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالےٰ نے مال دیا ہو پھر اوسے (راہِ) حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہو۔ دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ دی ہو (یعنی قرآن وحدیث کا علم دیا ہو) پھر وہ اوس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اوس کی تعلیم (بھی) دیتا ہے۔

شرح۔ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں حسد جائز ہے ان کے ماسوا کسی اور صفت میں جائز نہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

حسد اور غبطہ کے احکام

(۱۶۴۳) یہاں حسد سے کیا مراد ہے؟ بظاہر حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازاً غبطہ (اور رشک) مراد ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون رشک کرنیوالوں کو اسی میں رشک کرنا چاہیے، حسد کی حقیقت یہ ہے کہ جو شئی عادۃً ایک سے دوسرے کیطرف منتقل ہوسکتی ہے اوس کا اپنی طرف منتقل ہونا اور دوسرے سے زائل ہونا چاہے یہ جائز نہیں اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللہ من فضلہ، مردوں کے لئے اون کی کوشش (اور کسب) سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے اون کی کوشش (اور عمل) سے حصہ ہے (تو ایک دوسرے کی حالت کی تمنا نہ کرے) اور اللہ سے اوس کا فضل مانگو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو کوئی نعمت دی ہو تو اوس شخص سے اوس نعمت کو طلب نہ کرو بلکہ اللہ سے دعا مانگو کہ جس طرح اوس کو نعمت دی ہے تم کو

Marfat.com

بھی اپنے فضل سے عطا فرمائے کیونکہ جس کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ کا فضل و احسان ہے خدا کے ذمہ نہ کسی کا کچھ آتا ہے نہ کسی کا کوئی استحقاق ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا حسدت فلا تبغ اگر تم کو کسی سے حسد پیدا ہو تو حد سے نہ بڑھو کیونکہ ہم بتلا چکے کہ حسد میں ایک سے دوسرے کی طرف نعمت کا منتقل ہونا مطلوب ہوتا ہے اور (انتقال کی دو صورتیں ہیں) کبھی اس طرح انتقال ہوتا ہے کہ صاحب نعمت کو پہلے سے بھی زیادہ خیر حاصل ہو جائے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس کپڑا دیکھا اس کو تمنا ہوئی کہ یہ کپڑا مجھے مل جائے اور اوس سے مانگ بھی لیا خدا نے کپڑے والے کو اوس سے بھی بہتر (کپڑا یا اور) کوئی چیز عطا فرمادی اور اوس نے یہ کپڑا حاسد کو صدقہ کر دیا یا اوس کے ہاتھ بیع کر دیا اس صورت میں حاسد کا مقصود بھی پورا ہو گیا اور محسود کی نعمت میں ترقی ہو گئی (ایسے انتقال کی تمنا حسد حرام نہیں)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا اس طرح چاہے کہ اوس کو ضرر اور نقصان پہونچے مثلاً کسی کے پاس دنیوی ساز و سامان دیکھ کر یہ تمنا کی جائے کہ یہ سامان میرے پاس آجائے اور محسود مر جائے یا قتل ہو جائے یا شہر سے نکال دیا جائے وغیرہ وغیرہ ایسے انتقال کی تمنا جائز نہیں) یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اذا حسدت فلا تبغ کہ حسد میں حد سے تجاوز نہ کرو یعنی دوسرے کے نقصان کی تمنا نہ کرو۔ مناسب تو یہ ہے کہ کسی سے حسد بالکل ہی نہ کیا جائے (اوس کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا ہرگز نہ چاہو) اگر کسی کی کوئی چیز تم کو پسند ہو اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اپنے فضل سے تم کو بھی یہ نعمت عطا فرمادے اگر اس پر قدرت نہ ہو اور تمہارا دل اوسی چیز کا بعینہ طالب ہو تو اوس کے ضرر اور نقصان کی تمنا نہ کرو کہ یہ حد سے تجاوز ہے اور (یہی وہ حسد ہے جو) بہت بڑا گناہ ہے۔ میں نے تاریخ میں (ایک واقعہ) دیکھا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالی نے دنیا کا ساز و سامان بہت کچھ دیا تھا اوس کو دیکھ کر ایک مسکین نے گلی کوچوں اور بازاروں میں یہ صدا لگانی شروع کی کہ اے اللہ مجھ پر بھی رزق کا دروازہ اوسی طرح کھول دے جیسا فلاں شخص پر کھول دیا ہے اوس مالدار کا نام لے کر پکارتا۔ تو اوس نے مسکین کو بلا کر کہا کہ تو میرے پیچھے کیوں پڑ گیا تجھے اللہ تعالی سے دعا مانگنے کے واسطے یہی بات رہ گئی کہ مجھ جیسا ہونا چاہتا ہے، اگر تو میرا نام لینا نہیں چھوڑے گا تو میری شہرت

۲۳۹

Marfat.com

زیادہ ہو جائے گی (دنیا میں میری تونگری کا چرچا ہو جائے گا) جس سے ممکن ہے کسی وقت مجھے تکلیف کا سامنا ہو جائے (چوریا ڈاکو میرے درپئے ہو گئے تو بڑی مصیبت ہو گی) مسکین نے کہا میں تو اپنی صدا کو نہیں بدلوں گا میں نہ تجھے گالی دیتا ہوں نہ برا کہتا ہوں (اللہ سے دعا کرتا ہوں) تو جو میرے جی میں آئے گا دعا کروں گا (دعا سے کسی کو روکنے کا حق نہیں) اوس نے کہا اچھا بتلا تو روزانہ اپنے واسطے کتنی رقم چاہتا ہے مسکین نے کوئی مقدار بتلائی مالدار نے کہا کہ اتنی مقدار روزانہ تجکو میرے یہاں سے پہونچ جایا کرے گی تو اپنے گھر بیٹھ نہ میرا نام لے نہ کسی سے سوال کر چنانچہ مرتے دم تک اوس نے یہ احسان جاری رکھا (ایک دن بند نہیں کیا تو اس طرح کی دعا بھی پکار پکار کر بازاروں گلیوں میں کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے کی نعمت کی طلب اوس کو ضرر پہونچا کر ہے کہ خواہ مخواہ چور ڈاکو اوس کے پیچھے لگ جائیں) قولہ هل هذا الحسد هنا حقیقۃ او مجاز الی قولہ فنبغی یجری علیہ ذلك المعروف حتی توفی ۔

ف - یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو حسد کی حقیقت مشہور ہے کہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہا جائے ۲۴۰
یہ تو صحیح ہے مگر طلب زوال مطلقاً گناہ نہیں گناہ یہ ہے کہ طلب زوال دوسرے کے ضرر کیساتھ ہو اگر ضرر کی ساتھ طلب زوال نہ ہو تو یہ حسد حرام میں داخل نہیں گو خلاف اولیٰ ضرور ہے غبطہ اور رشک میں دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا نہیں ہوتی صرف اپنے لئے اوس جیسی نعمت کی طلب ہوتی ہے یہ جائز ہے اور اس میں بھی تفصیل ہے جو تفسیر بیان القرآن میں تحت آیت ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض مذکور ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے ۔

ف - چونکہ حسد بھی اون امراض قلبیہ سے ہے جس کے ازالہ کا صوفیہ کو بہت اہتمام ہے اس لئے اس تحقیق کو بیان کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ آجکل اس مرض سے اکثر صوفیہ بھی خالی نہیں الا ماشاء اللہ جہاں کسی کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہوا اور لوگ اوس کے درپئے ہوئے یاد رکھنا چاہئے کہ تصوف کی بنیاد اخلاص پر ہے اور حسد کی ساتھ اخلاص کبھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے اس مرض سے غافل نہ ہونا چاہئے اللھم انا نعوذ بك من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا ۔

حکمت سے مراد قرآن و حدیث کی فہم ہے

(۱۶۴) بظاہر یہاں حکمت سے مراد کتاب اللہ کی سمجھ (قرآن وحدیث کی فہم) ہے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

فرماتے ہیں ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا جس کو حکمت دی گئی اوس کو بڑی خیر
دے دی گئی۔ علماء نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ کی فہم ہے
اس کی دلیل خود اسی حدیث کے اس لفظ میں موجود ہے کہ وہ اوس کی ساتھ فیصلہ کرتا ہے، اور
(وجود و ظہور) اسلام کے بعد کوئی شخص اپنے فیصلہ میں ثواب کا مستحق جب ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ
اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کرے اور کتاب اللہ کی فہم میں سنت رسول
کی فہم بھی داخل ہے کیونکہ دونوں حکمت کا مصداق ہیں اور دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ایک ہی
حکم ہے یہی وہ دو قیمتی وزنی چیزیں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
لن تضلوا ما تمسکتم بہما کہ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ
نہ ہو گے، اور اگر دوسروں کو بھی ان کی تعلیم دی جائے یہ تو درجۂ کمال ہے کیونکہ جو شخص اللہ کی
طرف سے (ان کی) فہم دیا گیا ہو اوس پر خود بھی عمل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہو وہ تو اعلےٰ
مقامات پر (فائز) ہے یہی لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۲
کا ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اوس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب ختم نہیں
ہوتا۔ ایک ولد صالح (نیک لڑکا یا لڑکی) جو اوس کے لئے دعا کرتا ہے۔ دوسرے صدقہ جاریہ
(مسجد و مدرسہ و سرائے مسافر خانہ۔ کنواں۔ نہر وغیرہ جو اس کے بعد بھی چلتے رہیں) تیسرے وہ
علم جس سے اس کی موت کے بعد لوگ نفع حاصل کرتے رہیں اور ان تینوں میں اعلیٰ (و افضل) علم
ہے، اور وہ علم جس میں یہ اجر عظیم (حاصل ہوتا) ہے وہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے یا وہ جو اون سے
مستنبط ہو (یعنی علم فقہ) حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھتا رہے اور (اسکے بعد کسی
جگہ) بیٹھ کر خیر کی تعلیم دیتا رہے اوس کو آسمانی بادشاہت میں عظیم (بڑا سردار) کا لقب دیا جاتا ہے
اب سوال یہ ہے کہ کتاب (و سنت) کی فہم سے کیا مراد ہے؟ اگر اوامر و نواہی اور حلال و حرام کا سمجھنا
مراد ہے اور کچھ نہیں تو یہ حکمت تو متقدمین کو حاصل ہو چکی پچھلوں کے لئے اس کا کچھ حصہ باقی نہیں
رہا کیونکہ اصول قائم ہو چکے احکام ثابت (و مدون) ہو چکے (اب پچھلوں کا کام صرف اتنا ہے کہ
ان ہی قواعد و اصول و فروع سے نئے نئے حادثات کا حکم معلوم کرتے رہیں اور گو یہ بھی حکمت ہی میں
داخل ہے مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمت مجتہدین اور سادات کے اصحاب کے حصہ میں آچکی ہے) یا یہ

Marfat.com

کہ اوامر و نواہی کا علم حاصل کر کے احکام کی حکمتوں (اور اون کے اسرار) کو بھی معلوم کیا جائے قرآن کی امثال و قصص کے فوائد کو سمجھا جائے کہ ہر ہر مثال اور قصے میں کیا حکمت (اور کیا راز مخفی) ہے اگر یہ مراد ہے تو یہ حکمت تو قیامت تک ختم ہونے والی نہیں، اس سے پہلے اور پچھلے سب اپنی قسمت کے موافق حصہ لے سکتے ہیں اسی کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق علی کثرۃ الرد ولا یشبع فیہ العلماء قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوں گے وہ باوجود بار بار پڑھنے کے پرانا نہیں ہوتا (ہر دفعہ تازہ بہ تازہ معلوم ہوتا ہے) اور علماء اس سے سیر نہیں ہو سکتے (بلکہ برابر نئے نئے علوم حاصل کرتے رہیں گے) اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فلما تراء االجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا ان معی ربی سیھدین ہ فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم ہ جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے
لگیں (یعنی بنی اسرائیل اور قوم فرعون) تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا یقیناً ہم تو پکڑ لئے گئے ۲۴۴
(کیونکہ آگے سمندر ہے اور پیچھے دشمن) فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ یقیناً میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ مجھے (نجات کا) طریقہ بتلائے گا پس ہم نے (فوراً) وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اپنے عصا کو سمندر پر مارو (اوس کا مارنا تھا) کہ فوراً سمندر پھٹ گیا اور اوس کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند (کھڑا) ہو گیا (اور درمیان میں خشک راستہ بن گیا) اب معلوم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ واقعہ کس لئے بیان فرمایا اور اس سے کیا بات سمجھی گئی جس میں ہم کو (موسیٰ علیہ السلام) کی تقلید کرنا چاہیئے؟ میرے علم میں علماء متقدمین نے اس حقیقت سے تعرض نہیں کیا، حالانکہ ہم کو اس قصہ کا مخاطب بنایا گیا ہے اور یہ واقعات بیفائدہ ہمارے سامنے نہیں بیان کئے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فاقصص القصص لعلھم یتفکرون ان واقعات کو (لوگوں کے سامنے) بیان کیجئے تاکہ وہ (اون میں) غور کریں، پس واللہ اعلم۔ اس قصہ کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر بدون حکم خداوندی کے نہیں نکلے تھے پھر سمندر اون کے سامنے حائل ہو گیا اور پیچھے سے (دشمن کی) جماعت پہونچ گئی ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو عادت جاریہ کے موافق بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ پکڑ لئے گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے (نجات کا طریقہ) معلوم کرنا چاہا کہ شاید اون کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے

Marfat.com

اس وقت کے لئے کوئی خاص ہدایت ہو جب پر دشمن کا سامنا ہونے کے وقت عمل کرنے کا حکم ہو، کیونکہ اون کا
یہ کہنا کہ "ہم تو پکڑے گئے"، جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو اونھوں نے دیکھا
تھا کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے دشمن ہے اس سے مقصود بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام
کے پاس جو کچھ (طریقہ نجات کا) ہو اوسے معلوم کیا جائے (صورت حال سے اون کو مطلع کرنا مقصود نہ تھا
کیونکہ صورت حال تو اون کے سامنے بھی تھی پس یہ جملہ خبریہ حقیقت میں انشائیہ استفہامیہ تھا) پھر
موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ دشمن کا مقابلہ کرتے بس اون کے پاس اس
یقین کے سوا کچھ نہ تھا کہ جس خدا نے اون کو (مصر سے) نکلنے کا حکم دیا پھر اس حکم کی تعمیل کی توفیق دی
وہ اون کے ساتھ ہے اور وہ اون کو دشمن کے حوالہ نہ کرے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عادات جاریہ وغیرہ
پر نظر نہ کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت کی پابند نہیں وہ جو چاہے کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں کر سکتے
ہیں اس لئے اونھوں نے (قوت یقین کے ساتھ) جواب دیا کلا ان معی ربی سیھدین ہرگز
نہیں (ہمیں کوئی نہیں پکڑ سکتا) کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے (نجات کا) راستہ بتلائیگا ۲۴۳
گویا موسیٰ علیہ السلام کے پر زور جواب کا حاصل یہ تھا کہ اے قوم! میرے پاس تم سے زیادہ کوئی چیز
بجز قوت ایمان کے نہیں ہے مجھے اپنے رب پر پورا اور سچا یقین ہے کہ وہ مجھے میری اور تمہاری سبکی
نجات کا راستہ بتلائے گا، چنانچہ وہ جواب سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ فوراً وحی نازل ہوئی فاوحینا
الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر کہ اپنے عصا کو سمندر پر مارو۔ اس میں فاء تعقیب بتلارہی
ہے کہ جواب کے ساتھ ہی وحی نازل ہوئی اور یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق
(خاص) کی خبر دی اوسی وقت اون کو (طریق نجات کی) ہدایت ہوئی جیسا باعظمت و جلال ہستی کی
شان کے لائق ہے جب کوئی کمزور اوسی پر بھروسہ کرے (اور اوس کی پناہ میں آجائے تو وہ اپنی
شان کے مناسب مدد کیا کرتا ہے) چنانچہ اس کے بعد اون کا اور اون کے دشمن کا جو انجام ہوا وہ
اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیا ہے (کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کا پانی پھٹ کر خشک
راستہ بن گیا اور دشمن اوس میں گھسا تو پانی برابر ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اسی
طرح اے مخاطب جس کے سامنے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے اگر تو بھی اپنے پروردگار کے حکم کی پوری طرح تعمیل
کرے گا جیسا تجکو حکم ہوا ہے اور خدا کے سوا کسی چیز سے اپنے دل کو نہ اٹکائے گا تو وہ ہر ضرورت کے موقعہ پر

Marfat.com

نصرت و کامیابی سے تیری مدد کرے گا ایسے موقع پر تجکو عادت جاریہ پر نظر کر کے گھبرانا نہ چاہیئے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا (بلکہ یقین کے ساتھ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ ضرور نجات کا راستہ اپنی قدرت سے خلاف عادت پیدا کر دے گا) پس تجکو اپنے ایمان میں موسوی العقل ہونا چاہیئے (اور عقل موسوی کا فیصلہ یہی تھا کہ عادت اور اسباب کوئی چیز نہیں اللہ تعالیٰ خلاف عادت بھی سب کچھ کر سکتے ہیں) تو تیری ہوائے نفسانی کا فرعون اللہ کی مہربانی سے دریائے ہلاکت میں غرق ہو جائے گا اور ایسے ہی ہر وہ شخص بھی (تباہ ہو جائے گا) جو تیرے ساتھ برائی کا قصد کریگا، کیونکہ حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں وکان حقا علینا نصر المؤمنین ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے، قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ اسی وعدہ کی تصدیق کے لئے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جو قصہ وعدہ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اوس سے وعدہ کی تصدیق وتاکید ہی مقصود ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ
تمہاری مدد کرے گا۔ اور بندہ کی طرف سے اللہ کی مدد یہی ہے کہ اوس کے امر کا اتباع کرے اور جس ۲۴۴
چیز سے منع کیا ہے اوس سے دور رہے (اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کیونکہ اوامر و نواہی الٰہیہ کی پابندی میں بندہ ہی کا نفع ہے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نفع نہیں مگر یہ اون کا لطف و کرم ہے کہ اس کو اللہ کی مدد فرما دیا)۔

اس قصہ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی حکم الٰہی کی تعمیل کرنے والا ہو باقی سب اوس شخص کے مطیع ہوں تو سب کی مدد (اللہ کی طرف سے) کی جائے گی، کیونکہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب یقین اون کے سوا کوئی نہ تھا مگر چونکہ وہ سب اون کے مطیع تھے تو اس عجیب و غریب نصرت کی برکت سب ہی کو حاصل ہو گئی۔

اس میں ایک اور بھی اشارہ ہے جو اس مضمون (سابق) کو مؤکد کر رہا ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم میں سبقت کی (کہ اللہ کے حکم سے مصر سے نکل پڑے) تو اونھوں نے سچے یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ حکم دینے والا اپنے بندہ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا جو اوس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے کیونکہ یہ تو وعدہ خلافی ہے اور وعدہ خلافی جناب حق میں محال ہے۔ پس جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں حکم الٰہی کے موافق کر رہا ہوں جیسا اون کا حکم ہے (ویسا ہی کر رہا ہوں) اور تعمیل حکم کا منشا

Marfat.com

محض ایمان اور طلب ثواب ہے تو اوس کو نصرت آلہی میں شک نہ کرنا چاہئے اور کچھ بھی وسوسہ اور شبہ دل میں نہ لائے اگر اوس کے دل میں شک نے راہ لی تو تصدیق میں ضعف ہو گا اور تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور ایمان کی کمزوری خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے گو اس کو شعور نہ ہو اور یہ دشمن کی چال ہے (شیطان اسی طرح انسان کو فریب دیا کرتا ہے) بعض دفعہ اس شک ہی کی وجہ سے نصرت میں دیر ہوتی ہے۔ اور اس تاخیر کی وجہ سے اس کا ضعف یقین بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ شقاوت عظمیٰ (بڑی بدبختی) کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی دشمن کی ایک بڑی چال ہے (کہ اسی طرح وہ مومن کو کفر تک پہونچانا چاہتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اون لوگوں کی تعریف کی ہے جو حکم آلہی کی تعمیل کرتے ہوئے یقین پر جمے رہے جیسا ہم نے ابھی بتلایا پھر اون کا کیسا محمود انجام ہوا۔ تو ہم کو بھی اس بات میں اون کی تقلید کرنا چاہئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم ۰ یہ مومن وہ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کو (قریش نے) بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اون سے ڈرو (اور میدان بدر کا رخ نہ کرو) تو اس خبر نے اون کے یقین وایمان کو (اور بھی) بڑھا دیا اور اونھوں نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے پس (اس یقین کا) انجام یہ ہوا کہ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (کامیاب) واپس ہوئے اون کو ذرا بھی کلفت نے نہ چھوا اور اس کے بعد اللہ کی رضامندی اون کو حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل (وکرم) والے ہیں، اس مضمون میں اور بھی بہت آیات ہیں۔

ف۔ قرآن کی امثال وقصص سے ایسے فوائد معلوم کرنا جن سے مسلمانوں کو اپنی حالت کی اصلاح واستقامت میں مدد ملے علم اعتبار کہلاتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا استنباط ہے جیسا آیات احکام سے فقہاء استنباط کرتے ہیں اس کو قرآن کی تفسیر نہیں کہنا چاہئے بلکہ عبرت ونصیحت حاصل کرنے کیلئے ان فوائد سے مستفید ہونا چاہئے، بعض ناواقفوں نے صوفیہ کے ان اشارات واعتبارات کو قرآن کی تفسیر سمجھ لیا ہے یہ اون کی غلطی ہے۔ تفسیر وہی ہے جو لغت عرب اور محاورات عرب کے موافق کلام کا مدلول ہے اس سے زیادہ جو کچھ ہو گا استنباط واعتبار کہلائے گا۔

Marfat.com

ف ۔ قرآن وحدیث میں جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے اوس سے مراد دین کی سمجھ ہے یا ہر وہ بات جو دین
کے لئے نافع ہو۔ فلسفہ کو حکمت کہنا اور فلاسفہ کو حکماء کہنا بعد کی اصطلاح ہے۔

ف ۔ قرآن کی امثال وقصص سے اس قسم کے فوائد و لطائف استنباط کرنا جو اس مقام پر مذکور
ہیں حضرات صوفیہ کی ساتھ مخصوص ہے اور یہی وہ حکمت ہے جو قیامت تک ختم نہ ہوگی یہاں سے
تصوف کی اہمیت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

تمنائے خیر بھی مفید ہے گو وہ خیر حاصل نہ ہو

(۱۶۵) شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمیں دنیا یا آخرت میں اس سے کیا فائدہ
ہوگا کہ ہم کسی ایسے مالدار کی حالت کی تمنا کریں جو مواقع خیر میں اپنا مال خرچ کرتا ہے یا کسی
عالم کی حالت کی تمنا کریں جو علم سے فیصلہ کرتا اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے جبکہ ہم جانتے
ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اہلیت نہیں تو جو شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ کیونکر ایک عالم
کی حالت کی تمنا کرسکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں کسی طرح اوس کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا
۲۴۶ جواب یہ ہے کہ (تمنا تو محال کی بھی ہوسکتی ہے اور یہ تو امور ممکنہ ہیں ان کی تمنا بدرجہ اولیٰ ہوسکتی
ہے پس) اگر یہ شخص اللہ کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کرکے (سچے دل سے) اوس کی حالت کی
تمنا کریگا اس کو اوس کے برابر ثواب ملے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ دنیا چار شخصوں کے لئے ہے (یعنی دنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں) ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ
نے مال بھی دیا علم بھی دیا وہ اس مال (کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے) میں اپنے خدا سے
ڈرتا ہے (حرام طریقہ سے کمانے اور حرام کاموں میں خرچ کرنے سے بچتا ہے) اوس سے
اپنی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ کا بھی حق ہے (زکوٰۃ
وصدقہ وغیرہ اور اون حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے) یہ تو سب سے افضل (واعلیٰ) درجہ
میں ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا مال نہیں دیا تو وہ سچی نیت کے ساتھ اللہ
سے کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا میں بھی فلاں (مالدار عالم صالح) کی طرح کام کرتا۔
ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔ ایک وہ ہے جس کو اللہ نے مال دیا علم نہیں دیا اور وہ جہل
کی وجہ سے مال میں گڑبڑ کرتا ہے نہ اوس (کے کمانے اور خرچ کرنے) میں اللہ سے ڈرتا ہے
اور نہ اوس سے صلہ رحمی کرتا ہے نہ اوس میں اللہ کا کچھ حق جانتا ہے یہ سب سے بدتر درجہ

Marfat.com

ہیں ہے۔ ایک وہ ہے جس کو اللہ نے نہ علم دیا نہ مال دیا اور وہ (اپنے دل میں) یوں کہتا ہے
کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (جاہل مالدار) کی طرح کام کرتا (مزے اڑاتا اور
عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا) تو یہ اپنی نیت کے ساتھ ہے ان دونوں کا گناہ برابر
ہے، اس حدیث میں علم سے مراد یہ ہے کہ مال میں اللہ کا حق معلوم ہو اور اتنا علم تو قریب
قریب ہر شخص کو ہوتا ہی ہے بجز معدودے چند کے" اور جب یہ معلوم ہے کہ اللہ کا بھی
مال میں حق ہے مگر اوس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تو اس کو علماء سے دریافت کر کے
اون کے فتوے کے موافق عمل کرنا چاہیئے پس اول تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مال میں اللہ
کا حق ہے پھر اوس کے ادا کرنے کا عزم ہونا چاہیئے پھر اوس کا طریقہ دریافت کرنا چاہیئے
پھر طرق واجبہ اور مستحبہ میں مال خرچ کرنا چاہیئے جس کو یہ علم حاصل ہو اوس کو عالم کہا جائیگا
(کیونکہ حقوق مال کے متعلق جتنا علم ضروری ہے وہ اس کو حاصل ہے) اس حدیث سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ بے انتہا خیر خواہی واضح ہے کہ آپ ۲۴۷
اون کو ہر اوس چیز کی ہدایت فرماتے ہیں جس سے دونوں جہان میں نفع حاصل ہے چنانچہ
ان دو چیزوں میں حسد (اور رشک) کو جائز فرمایا تا کہ رشک کرنے والے کو بھی یہ بلند درجہ
حاصل ہو جائے جس کے حاصل ہونے کا طریقہ اوس کو معلوم نہ تھا (کیونکہ مفلس اور بے علم
آدمی کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ مجھے افلاس اور جہل کی حالت میں بھی مالداروں اور عالموں کی برابر
درجہ مل سکتا ہے) حکایت ہے کہ بنی اسرائیل پر ایک دفعہ سخت قحط ہوا تو اون کا ایک عابد
ریت کے ٹیلہ پر سے گزرا اور دل سے یہ تمنا کی کہ اگر میرے پاس ریت کے اس ٹیلہ کی برابر غلہ
ہوتا تو بنی اسرائیل پر صدقہ کر دیتا سچی نیت سے تمنا کی تھی اور اللہ کے ساتھ اوس کا معاملہ سچا
تھا تو اوس زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ فلاں عابد سے کہدو کہ میں نے اوس کا
صدقہ قبول کر لیا ہے، پس سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ہم کو بھی لطیف پیرایہ
میں عمدہ تعلیم سے خیر کے وہ تمام خزانے بتلا دیں جو پہلی امتوں نے حاصل کیے تھے۔ اسی طرح اگر
کسی شخص کی عمر علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی وہ اگر کسی عالم کی حالت کی تمنا کریگا اوسکو
اس نیت اور عزم کا ثواب ملیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیۃ المؤمن

Marfat.com

ابلغ من عملہ مومن کی نیت اوس کے عمل سے زیادہ (اللہ کے یہاں) پہونچنے والی ہے ایک دیندار بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ایک بیمار بھائی کے پاس (بیمار پرسی کو) گئے تو بیمار نے کہا قصد کر لیجئے کہ ہم سب مل کر حج کو چلیں گے پھر سب ملکر جہاد کریں گے پھر سب ملکر سرحد اسلام کی حفاظت کریں گے۔ بزرگ نے کہا بھائی صاحب! آپ کی حالت تو یہ ہے (کہ بستر سے لگے ہوے ہیں اور ارادے یہ ہیں) کہا اگر زندہ رہے تو ارادہ پورا کر کے رہیں گے اور مر گئے تو ہم کو نیت کا ثواب ملے گا جبکہ سچی نیت ہو (سچے دل سے ارادہ ہو) یہ لوگ ہیں وہ جو اللہ اور رسول کی بات کو سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی ساتھ اس تمنا سے دو باتیں اور بھی حاصل ہونگی ایک اپنی عمر برباد جانے پر ندامت ہوگی (کہ میں نے فلاں عالم کی طرح اپنی عمر کو تحصیل علم میں کیوں نہ خرچ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الندم توبۃ ندامت ہی کا نام توبہ ہے۔ دوسرے اس کو اہل خیر سے محبت ہوگی دوسروں سے اون کو افضل سمجھے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المرأ مع من احب آدمی اوسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا (مراد حب عقلی ہے حب طبعی نہیں پس اگر کسی کو کسی کافر یا فاسق عورت سے عشق بلا اختیار ہو جائے مگر عقلا وہ اللہ و رسول اور اہل اللہ سے محبت رکھتا ہے تو وہ اہل اللہ کے ساتھ ہی رہے گا انشاء اللہ تعالےٰ) اور کبھی کسی بات میں جو اون سے سُنے گا اس کو اون کی اتباع بھی نصیب ہو جائے گی اس میں اور اون میں کسی قدر مناسبت (اور موافقت) ہو جائے گی والتشبہ بالکرام فلاح اور بزرگوں کی ساتھ مشابہت حاصل کرنا بھی فلاح (اور کامیابی) ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کی ساتھ سچا ہوا تو بطور خرق عادت کے اللہ تعالےٰ اسکے لئے علم کا دروازہ کھولدیتے ہیں جیسا فتوح الشام میں یوقنا کے متعلق مذکور ہے کہ وہ عربی زبان بالکل نہ جانتے تھے جب مسلمانوں نے اون کا قلعہ فتح کر کے اون کو قید کر لیا تو صبح کو عربی بولنے لگے اور قرآن کی چند سورتیں حفظ پڑھنے لگے اور اسلام لے آئے مسلمانوں کے امیر نے پوچھا کہ یہ حالت تم کو کیونکر عطا ہوئی تو بتلایا کہ میں نے رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا آپ نے مجکو عربی زبان سکھلادی اور قرآن کی سورتیں یاد کرائیں پھر مسلمانوں کو ان کے اسلام سے بہت نفع پہونچا۔ ۲۴۸

یہ حکایت ہم نے صرف اسلئے بیان کی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ علم بطور خرق عادت کے بھی حاصل ہوسکتا ہے (تو اوس کی تمنا لغو اور بیفائدہ نہیں ہوسکتی) یا اللہ تعالیٰ اس (تمنا کرنے والے) کو اس کی برکت سے اوسی طرح مال دیدیتے ہیں جیسا مالدار کو دیا ہے (تو یہ تمنا بھی بے فائدہ نہیں کیونکہ مال تو صبح و شام آنے جانے والا ہے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ دم کے دم میں کسی مفلس کو مالدار بنادے خصوصاً جبکہ اوس کی نیت یہ ہو کہ مال حاصل ہونے پر نیک کاموں میں خرچ کریگا غریبوں کی امداد کریگا قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا۔ اگر بطور خرق عادت کے یہ مالدار نہ بھی ہوا تو اس نیت کا ثواب تو اوس کو ملتا رہے گا) پس ہم نے جو بات اوپر کہی تھی وہ (اچھی طرح) واضح ہوگئی کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ غایت شفقت اور حسن تعلیم پر دلالت ہے (کہ حضور نے اپنی امت کو وہ تمام باتیں بتلادی ہیں جن سے اون کو دونوں جہان میں فائدہ حاصل ہو) اس حدیث سے چند علمی مسائل اور بھی معلوم ہوگئے

۲۴۹ ایک یہ کہ حدیث و قرآن کے سمجھنے میں پوری کوشش کرنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں ہی میں بڑی خیر (و برکت) ہے دوسرے یہ کہ جس کو اپنے ماتحتوں پر کچھ بھی ولایت (اور حکومت) حاصل ہو اوس کو سوچنا چاہیئے کہ وہ اون کو کسی طرح اپنی حسن تعلیم سے خیر (اور نفع) پہونچا سکتا ہے تاکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار (اس سنت میں بھی) ہوجائے اگر اور کسی پر زور نہ ہو تو اپنے نفس پر تو ہر شخص کا زور ہے (تو کم از کم اپنے آپ ہی کو نفع اور خیر پہونچانے کے طریقے سوچا کرے) حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ علم سے پورا نفع بدون عمل کے حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں و یقضی بہا کہ ایک شخص کو اللہ نے علم دیا ہے تو وہ اوس کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ (معلوم ہوا کہ عالم کی حالت قابل رشک اوسی وقت ہے جب وہ اوس پر عمل کرتا ہو)۔

اور اس میں صوفیہ (کے اس عمل) کی بھی دلیل ہے کہ اون میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ سوال (پہلے) کرتا ہے کہ تمہارا مقام (آجکل) کون سا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ یہ سوال وہ اس لیئے کرتے ہیں تاکہ اس ترقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو (کیونکہ حضور یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان برابر ترقی میں رہے تنزل نہ ہونے پائے اگر

Marfat.com

عمل سے ترقی نہ کر سکے نیت خیر ہی سے ترقی کرے) اور تاکہ ایک کو دوسرے کی حالت پر رشک ہو (تو وہ بھی اوس مقام کیلئے کوشش کرے جو دوسرے کو حاصل ہے اگر وہ مقام حاصل نہ بھی ہوا تو کوشش اور نیت کی برکت سے ہی اوس کی برابر ہو جائے گا)۔

اسی لئے (کسی عارف نے) فرمایا ہے، جب میرا نفس آپ کا (غلام) ہو جائے اور آپ میرے ہو جائیں تو میں دونوں جہان کا مالک ہوں دونوں جہان میرے ہیں،، قولہ وقد یقول السامعون او بعضھم وای فائدۃ لنا الی قولہ فانا صاحب الدارین وھالی "

ف ۔ واقعی فقہاء اور صوفیہ ہی سچے حکماء ہیں، دیکھو اس حدیث سے ان عجیب وغریب فوائد کو معلوم کرنا کتنی بڑی حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صوفیہ کو عطا فرمائی ہے، اے اللہ میری تمنا سچے دل سے یہ ہے کہ میری بقیہ عمر درس قرآن اور درس حدیث میں تمام ہو اور عافیت اور راحت وطمانیت اور دل جمعی بدرجہ اتم مجھے عطا ہو زندگی دنیا میں بھی اور موت کے وقت بھی اور موت کے بعد قبر میں بھی اور میدان حشر میں بھی اور اے اللہ مجھے اور میرے اہل وعیال واحباب کو بھی یہ دولتیں عطا ہوں ۲۵۰
ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین

(۱۷) حدیث فضل الصدقۃ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دل میں) کہا میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کرونگا، وہ اپنا صدقہ (خیرات کا مال) لیکر نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دیدیا صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے اوس نے کہا اے اللہ آپ ہی کے لئے حمد ہے، میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زناکار عورت کو دیدیا صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اوس نے کہا اے اللہ آپ ہی کے لئے حمد ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لیکر نکلا اور ایک غنی کو دیدیا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ آج (رات) غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اوس نے کہا اے اللہ آپ ہی کے لئے حمد ہے چور (کے صدقہ) پر اور زانیہ (کے صدقہ) پر اور غنی (کے صدقہ) پر، تو اوس کے پاس پیام پہونچا کہ تیرا چور کو صدقہ

Marfat.com

دینا (بیکار نہیں گیا)۔ امید ہے کہ وہ چوری سے باز آجائے اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) امید ہے کہ وہ زنا سے بچ جائے اور غنی پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) امید ہے کہ اوس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت سے خرچ کرنے لگے۔

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی ساتھ حسنِ معاملہ کو جاری رکھنا رفعت درجات کا سبب ہے"

"دیکھو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اوس پر برابر جما رہا ایک صدقہ کے بے محل صرف ہونے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ صدقہ کرتا رہا تو اوس کے درجات قرب میں ترقی ہوتی رہی اور ہر صدقہ قبول ہوتا رہا کوئی بھی بیکار نہ گیا اگرچہ بظاہر بے محل صرف ہوا تھا")۔

(۱۶۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی یہ حکم ہماری شریعت کی طرح تھا کیونکہ سیاق حدیث بتلا رہا ہے کہ یہ صدقہ رات کو کیا گیا تھا (اور بعض الفاظ میں اس کی تصریح بھی ہے) "منہا الدلیل علی صدقۃ السر الی قولہ فاصبح الناس یتحدثون"۔

ف۔ صوفیہ کو اس کا بہت اہتمام ہے مگر یہ حکم صدقۂ نافلہ کے لئے ہے فرض کا اخفاء بہتر نہیں اوس کو علانیہ دینا چاہیئے جیسا نماز میں نفل کا اخفا افضل ہے اور فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔

(۱۶۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے دل سے اچھے کام کے متعلق باتیں کرنا جائز ہیں کیونکہ اس شخص نے کہا تھا کہ میں آج ضرور صدقہ کروں گا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کسی سے کہا تھا تو معلوم ہوا کہ اوس نے اپنے دل سے کہا تھا اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ نیت اچھی طرح محقق (اور مضبوط) ہو جاتی ہے وفیہ دلیل علی جواز مفاوضۃ المرأ مع نفسہ الی قولہ تحقیق النیۃ۔

ف۔ اسی سے فقہاء حنفیہ کے اس قول کی دلیل واضح ہوگئی کہ نماز وغیرہ میں زبان سے بھی نیت کر لینا اچھا ہے اہل ظاہر نے اس کو بدعت کہا ہے مگر اونھوں نے اس حدیث میں غور نہیں کیا

(۱۶۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا اور آمیزش (نفس وغرض) سے

Marfat.com

پاک کرنا ہی کامیابی کا بڑا وسیلہ ہے۔ دیکھو (اس شخص نے خالص رضائے حق کے لیے عمل کیا تو) اوس پر کیسا فضل ہوا اور کیسی بشارت دی گئی کہ امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا ہو۔ جب اوس نے اپنی سی کوشش خرچ کر دی اور مقدر سے جو کچھ پیش آیا اوس پر راضی رہا (تو اللہ تعالےٰ نے اوس کا ہر صدقہ قبول فرمایا اور اوسی کے برمحل ہونے کی بشارت دی) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے لیے مصرفِ خیر کا تلاش کرنا پہلی شریعتوں میں بھی مطلوب تھا جیسا ہماری شریعت میں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تخیروا لصدقاتکم اپنے صدقہ کے لئے مصرفِ خیر تلاش کرو۔ اور اس حدیث میں بھی ہے کہ جب اس شخص نے سُنا کہ اس کا صدقہ غیر مستحق کے پاس پہونچا ہے تو اوس نے صدقہ کا اعادہ کیا وفیہ دلیل علی ان تحقیق العمل للہ تعالیٰ الیٰ قولہ فی غیر مستوجب لہا۔

ف۔ اس حدیث کی شرح میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صدقہ نفل تھا یا فرض، حضرت شارح کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض نہ تھا بلکہ مستحب تھا کیونکہ تیسری دفعہ بھی اوس کا صدقہ بے محل صرف ہوا تھا پھر اوس نے اعادہ نہیں کیا اگر فرض ہوتا تو پھر اعادہ کرتا مگر یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہوگا حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب صدقہ کرنے والا اچھی طرح سوچ سمجھکر یہ گمان کر کے کسی کو صدقہ دے کہ یہ فقیر محتاج اور مستحق ہے بعد میں معلوم ہو کہ مستحق نہ تھا تو صدقہ ادا ہو جائے گا خواہ فرض ہو یا نفل البتہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صدقہ لینے والا اس کا بیٹا یا غلام یا بیوی یا شوہر ہے تو فرض کا اعادہ لازم ہے کیونکہ صدقہ گھر ہی میں لوٹ آیا ہے باہر نہیں گیا اور اگر صدقہ نافلہ ہو تو اعادہ لازم نہیں کیونکہ صدقہ نفل ہر شخص پر ہو سکتا ہے خواہ اولاد و اصول ہی کیوں نہ ہوں" اور اوس شخص نے جو صدقہ کا اعادہ کیا تو یہ عزیمت تھی اور عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے یا ممکن ہے پہلی امتوں کے لئے اس صورت میں اعادہ لازم ہو۔ آج کل صدقہ کیلئے مصرف تلاش کرنے میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے عام طور سے صدقات و زکوٰۃ کا روپیہ سائلوں کو یا چندہ مانگنے والوں کو دیدیا جاتا ہے حالانکہ اوس کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو نہ خود اپنے واسطے سوال کرتے ہیں نہ کسی مدرسہ اور انجمن کے واسطے چندہ کرتے ہیں، للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضرباً فی الارض یحسبهم الجاہل اغنیاء من التعفف ط۔

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرض وفات میں فرمایا کہ زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے

۲۵۴

Marfat.com

(گو زکوۃ فرض اور ہدیہ سنت مگر بعض دفعہ سنت فرض سے بڑھ جاتی ہے جیسے تلاوت قرآن سنت ہے اور اوس کا سُننا اوس شخص پر جس کو آواز پہونچ رہی ہے فرض ہے مگر تلاوت کا درجہ سماع سے زیادہ ہے اسی طرح ابتدائے سلام کرنا سنت ہے اور اوس کا جواب دینا فرض ہے مگر ابتدائے سلام کا درجہ جواب سے بڑھکر ہے اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر وہ مال کو پاک کرنے والی ہے اور ہدیہ سنت ہے مگر وہ قلب مُسلم کو خوش کرنے کے واسطے ہے اس لئے اس کا درجہ زکوٰۃ سے بڑھا ہوا ہے) پھر فرمایا زکوٰۃ دینے والوں پر مصرف کا تفقد لازم ہے جو شخص جس قدر اللہ پر بھروسہ کر کے صبر کرتا ہے اوسی قدر اہل اموال پر بقدر اوس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہو جاتی ہے یہ ہیں اصل مصارف زکوٰۃ مگر یہ اہل اموال سائلین کو اور چندہ والوں کو دیکر سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی .... پھر فرمایا کہ جس شخص کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد برکت نہ ہو سمجھ لو کہ اوس نے زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے یمحق اللہ

۲۵۴ الربوا ویربی الصدقات اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں" اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

(۱۶۹) فـ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم ظاہر پر لگایا جائیگا جب تک اوس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو۔ اور یہ کہ تمام ادیان (سابقہ) میں اسی پر عمل تھا کیونکہ یہ شخص رات کو نکلا اور ان لوگوں کو (جن پر صدقہ کیا گیا) بظاہر مسکین سمجھا تو اوس نے اون کی ظاہری حالت کے موافق عمل کیا اور صدقہ دیدیا۔ جب اوس کے گمان کے خلاف ثابت ہوا تو اوس نے عمل کا اعادہ کیا۔ حدیث میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے سچے دل سے کوئی چیز خیرات کرے اور مال حلال طیب ہو تو اللہ تعالیٰ اوس کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ اس کی خیرات کو اس کی تجویز سے بہتر مصرف میں پہونچاتے ہیں جیسا حدیث کے آخر میں بشارت کے مضمون سے واضح ہے اور اوس میں جو امید کا لفظ ہے یہ شک کے واسطے نہیں بلکہ یقین کے واسطے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے جس سے مقصود تسلی ہے اور تسلی یقینی خبر ہی سے ہو سکتی ہے (مگر محاورات شاہی میں وعدہ کے موقع پر امید ہی کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اوس کا حق بادشاہ پر ہے بلکہ وعدہ شاہی کو محض فضل و کرم سمجھے۔

ظاہر پر حکم لگایا جاویگا۔

Marfat.com

اس موقعہ کے مناسب ایک شخص کی حکایت ہے کہ اوس کے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ کیلئے
سو دینار (اشرفیاں) خیرات کرو۔ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا اور عرض کیا حضرت مجھے بتلائیے
یہ خیرات کس کو دوں؟ فرمایا کل کو سویرے شہر پناہ پر پہونچ جاؤ جو شخص سب سے پہلے تم کو
ملے اوس کو دیدو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو سب سے پہلے ایک شخص ملا جو دنیا دار (مالدار) مشہور
تھا اور اوس کی حالت سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا (لباس اور ظاہری شان سے فقیر مسکین
معلوم نہ ہوتا تھا) اس نے دل میں کہا کہ اس غنی کو صدقہ کیونکر دوں؟ پھر خیال کیا کہ شیخ
مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں (اون کے ارشاد پر عمل کرنا چاہیئے) چنانچہ مال اوس کے حوالہ
کر دیا۔ مال دینے کے بعد دل میں خلجان پیدا ہوا تو اس نے کہا، بخدا میں بھی اسکے پیچھے پیچھے
رہوں گا دیکھوں یہ کیا کرتا ہے، چنانچہ دور سے اوس کے پیچھے ہو لیا (کہ اوس کو خبر نہ ہو) تو دیکھا
کہ اوس نے ایک ویرانہ میں جا کر اپنے کپڑے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر پھینکی ہے اس نے
وہاں جا کر دیکھا تو مری ہوئی مرغی تھی یہ پھر اوس کے پاس چلا یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ۲۵۴
ہو گیا تو اوس نے دروازہ کے پیچھے کھڑا ہو کر کان لگائے اور سنا کہ وہ اپنے بال بچوں سے
کہہ رہا ہے خوش ہو جاؤ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے فتوحات بھیجی ہیں اور سارا قصہ بیان کیا
وہ سب خوش ہو گئے۔ پھر وہ بازار گیا اور گھر والوں کے لئے کھانا خریدا۔ یہ بھی اوس کے پیچھے
رہا اور ساتھ ہی لوٹا تو کھانے کو دیکھ کر بال بچوں کی خوشی بھی دیکھی اون کی باتیں بھی سنیں
تو معلوم ہوا کہ سب فاقہ سے تھے۔ اس نے اس پر بس نہ کیا بلکہ جب یہ شخص کھانے پینے سے
فارغ ہو کر باہر آیا تو قسم دے کر اوس کا حال پوچھا اوس نے کہا تین دن سے ہمارے گھر میں کسی نے
کچھ نہیں کھایا (سب فاقہ سے تھے) میرے پاس کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جس کو بیچکر کھانا لاتا صرف
یہ کپڑے بدن پر ہیں جن سے اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں (کہ لوگ اس شاندار لباس کو دیکھ کر مجھے
مالدار سمجھتے ہیں) آج میں گھر سے نکلا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس کے ذریعہ ان کا فاقہ توڑ دوں
تو میں نے وہ مرغی مری ہوئی پائی جس کو تم نے مجھے پھینکتے ہوئے دیکھا میں نے (دل میں) کہا اللہ کا شکر
ہے آج ہم اس سے کچھ سہارا کرلیں گے کل کو اللہ اور کچھ دیگا میں اوس کو لیکر جا رہا تھا کہ تم نے مجھے
وہ رقم دی تو اب مردار ہمارے واسطے حرام تھا میں نے اوس کو پھینکدیا اور تمہارے عطیہ سے کھانا

Marfat.com

خریدا) اب تو یہ شخص بڑا خوش ہوا اور جا کر شیخ سے سارا قصہ بیان کیا، فرمایا برخوردارمن! جو اللہ کی ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اوس کی ساتھ اللہ تعالیٰ کی سنت (اور عادت) یہی ہے کہ اوس کے واسطے سب سے بہتر اور عمدہ حالت تجویز فرماتے ہیں"۔ قولہ وفیہ دلیل علی ان الحکم للظاہر الی قولہ خیر الامور واحسنہا۔

ف ۔ عزیز من! تمام تر مدار سچائی اور خلوص پر ہے اس کے لیے اہل طریق نے یہ ریاضات و مجاہدات تجویز فرمائے ہیں جو صوفیہ میں رائج ہیں مگر سمجھ لو کہ ریاضات و مجاہدات خود مطلوب نہیں بلکہ اون کے ذریعہ صدق و خلوص کی تحصیل مطلوب ہے اگر یہ حاصل نہ ہو تو ریاضات و مجاہدات سب بیکار ہیں اور یہ حاصل ہو جائے تو سب کار آمد ہیں اور اگر بدون مجاہدہ و ریاضت کے کسی کو یہ دولت مل جائے تو اوس کو مجاہدہ و ریاضت کی اصلاً حاجت نہیں پس تقویٰ و کثرت ذکر کافی ہے۔

۲۵۵ ف ۔ ظاہر پر حکم لگانا صوفیہ کے یہاں بھی معمول ہے پس جو لوگ مشائخ کے اعمال و احکام کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں غلط ہے حقیقت الامر کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لا یعلم الغیب الا ہو، اور معصوم بجز نبی کے کوئی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو، صوفیہ کو اپنے مشائخ کی ساتھ محبت و عقیدت تو لازم ہے مگر عقیدت کو حد سے نہ بڑھانا چاہیے جب عقیدت حد سے بڑھ جاتی ہے شخصیت پرستی پیدا ہو جاتی ہے جو تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔

(۱۷۰) حدیث سے تسلیم و رضا کی برکت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ اس شخص کی کوشش بظاہر ہر دفعہ ناکام رہی مگر وہ تنگدل نہ ہوا اور ہر دفعہ تسلیم و رضا کی شان سے اللہ تعالیٰ کی حمد) کرتا رہا اور اپنے معاملہ کا اعادہ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس کو بشارت سے نوازا گیا وفیہ دلیل علی برکۃ التسلیم والرضا الی قولہ فاعقبہ تلک البشارۃ۔

ف ۔ تسلیم و رضا کا دوسرا نام تفویض ہے کہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اوس کی رضا پر راضی رہے، صوفیہ کی یہ خاص شان ہے ؎

غیر تسلیم و رضا کو چارۂ　　　در کف شیر نر خونخوارۂ

(۱۷۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ اکثر مالداروں میں حرص کا مادہ زیادہ ہوتا ہے دیکھو اس شخص نے

Marfat.com

آخر میں جس کو صدقہ دیا وہ غنی تھا مگر اوس نے صدقہ لے لیا حالانکہ وہ اوس کا مستحق نہ تھا۔ اور اگر مالداروں میں حرص زیادہ نہ ہوتی تو اون کے پاس مال ہی نہ جمع ہوتا (الا ماشاء اللہ) وفیہ دلیل علی ان غلبۃ الشح فی الغالب من الاغنیاء الیٰ قولہ ما اجتمع المال لھم فی الاغلب منھم۔

ف ۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مالداروں میں حرص نہیں ہوتی کیونکہ اون کے پاس تو بہت کچھ ہے اون کی نیت بھری ہوئی ہے، دل غنی ہے، مگر واقعہ یہ نہیں جو مالدار باقاعدہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں اُن کا تو دل غنی ہوتا ہے مگر جو زکوٰۃ نہیں نکالتے اون میں غریبوں سے زیادہ حرص ہوتی ہے اس لئے اہل اموال کے ہدایا میں غربا کو ہدایا سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ بڈھوں کی نظر جوانوں سے زیادہ پاک ہوتی ہے یہ بھی صحیح نہیں بڈھوں میں شہوت زیادہ ہوتی ہے گو جھوٹی ہی شہوت ہو جوانوں میں شہوت کم ہوتی ہے مگر جب ہوتی ہے سچی ہوتی ہے۔ جیسے بڈھوں کو بھوک زیادہ لگتی ہے گو اون سے کھایا ۲۵۶
نہیں جاتا بہت تھوڑا کھاتے ہیں اور یہ جھوٹی بھوک ہے جو اون کو بار بار ستاتی ہے اونکو بھوک کی سہار نہیں ہوتی اور جوان کو بھوک زیادہ نہیں لگتی اپنے وقت پر لگتی ہے اور سچی بھوک لگتی ہے۔ پس بڈھوں سے جوان عورتوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے مگر یہ کہ بالکل گور کا حریرہ ہو گیا ہو۔ تو وہ غیر اولی الاربۃ من الرجال میں داخل ہو گا۔ یہاں سے اون لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنی عورتوں کو پیروں کے سامنے بے پردہ لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت تو بوڑھے ہو گئے ہیں اون سے پردہ کی کیا ضرورت ہے اور اون مشائخ کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو عموماً مالداروں کے ہدایا کو خلوص پر مبنی سمجھتے ہیں۔

(۱۷۲) اس حدیث میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر اوس کے قبول ہونے کی اُمید نہ ہو یا قبول نہ ہونا محقق بھی ہو جائے، کیونکہ غلام کو اپنے مولیٰ کی خدمت سے چارہ نہیں۔ دوسرے خدمت ہی سے قبول کی اُمید کی جا سکتی ہے چنانچہ بنی اسرائیل کے واقعات میں مذکور ہے کہ اون میں ایک عابد نے برسوں اللہ کی عبادت کی تو اوس زمانہ کے نبی پر وحی آئی کہ میرے فلاں بندہ سے کہدو جتنی چاہے عبادت کرے وہ جہنمی ہے۔ نبی نے اوس کو یہ پیام پہونچا دیا اوس نے

بندہ کو کسی وقت خدمت قطع نہ کرنا چاہئے گو بظاہر قبول کی امید نہ ہو

Marfat.com

کہا میرے پرورگار کے فیصلہ پر آفریں ہے پھر اپنے گھر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ عبادت کرنے لگا اور عرض کیا خداوندا! میں تو آپ کی عبادت اوس وقت بھی کرتا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھ میں کچھ بھی اہلیت نہیں تو اب کیونکر عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنی دوزخ کا اہل بنادیا ہے (دوزخ بھی تو آپ ہی کی ہے نسبت اب بھی باقی ہے تو مجھ میں کچھ تو اہلیت ہے کہ آپکی ساتھ کسی قدر تعلق ہو گیا) چنانچہ وہ عبادت میں سرگرم رہنے لگا اور پہلے سے زیادہ کام کرنے لگا تو اللہ تعالے نے اون ہی پیغمبر کے پاس پھر وحی بھیجی کہ اوس عابد سے کہدو جو چاہے (عمل) کرے وہ جنتی ہے کیونکہ اوس نے اپنے کو (کسی قابل نہیں سمجھا) حقیر و ذلیل جانا (اللہ اللہ خدا کو تواضع کس قدر پسند ہے یہی راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہے مگر تواضع سے زیادہ دشوار بھی کوئی چیز نہیں تکبر اور ریا سب سے اخیر میں صدیقین کے دماغ سے باہر ہوتی ہے) کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ لئن ادتم منی السلو عنکم فلیس لی منکم بد وان ابعد تم اگر آپ یہ چاہیں کہ میں آپ سے اپنے دل کو خالی کرلوں تو مجھے تو آپ سے چارہ نہیں خواہ آپ رد کریں۔ (یا قبول کریں) قولہ وفیہ دلیل لاھل الصوفۃ الذین یقولون لا تقطع الخدمۃ الی قولہ وان ابعد تم۔

ف۔ اس شخص نے تو وحی آنے پر بھی عبادت کو قطع نہ کیا حالانکہ وحی علم قطعی کا موجب ہے پھر کسی کو اپنے کشف یا الہام پر اعتماد کر کے عبادت قطع کرنے کا کیا حق ہے؟ ایک بزرگ کے پاس اون کا مرید آیا اور عرض کیا کہ جب میں ذکر کرنے بیٹھتا ہوں یہ آواز آتی ہے کہ تو کافر ہے، بزرگ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے محبوبوں کی عادت ہے عشاق کو پریشان کیا کرتے ہیں، کام میں لگے رہو اور اس آواز پر التفات نہ کرو۔ (غالباً کافر سے مراد کافر بالطاغوت تھا مگر مرید گھبرا گیا وہ معنی مشہور پر ہی محمول کرنے لگا) شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک بار وحی میں اسکو جہنمی کہا گیا دوبارہ جنتی کہا گیا اور دونوں میں مستقبل کی خبر ہے تو ان متعارض خبروں کو کیونکر جمع کیا جائے گا اور اگر ایک کو ساقط کیا جائے تو کلام الٰہی میں خطا و کذب لازم آئے گا تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک جگہ جہنم میں بنی ہوئی ہے ایک جگہ جنت میں، اگر ایمان نصیب ہو گیا تو اس کو جہنم کی جگہ پہلے دکھلائی جاتی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لاتے تمہارا

Marfat.com

ٹھکانا یہاں ہوتا مگر اب یہ جگہ کسی کافر کو دی جائے گی اور تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے پھر اوسکو جنت کا درجہ دکھلایا جاتا ہے تاکہ زیادہ خوشی اور قدر ہو اسی طرح کافر کو پہلے جنت کا ٹھکانا دکھلایا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان لاتا یہاں پہونچتا مگر اب تیرا ٹھکانا جہنم میں ہے پھر اس کو جہنم کا درجہ دکھلایا جاتا ہے تاکہ حسرت اور غم زیادہ ہو۔ پس پہلی بار جو وحی میں کہا گیا کہ جو جچا ہے کہ تو جہنمی ہے اوس سے جہنمی حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازاً جہنمی مراد تھا کہ تیری جگہ جہنم میں بھی تجویز کی ہوئی ہے اگر ایمان نہ لاتا اور دوسری وحی میں جنتی سے حقیقی جنتی مراد ہے، پس تعارض نہ رہا مجازاً ہر مومن کو جہنمی اور ہر کافر کو جنتی کہا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شخص کی جگہ جنت اور دوزخ دونوں میں نامزد ہے، رہا یہ کہ مجازاً جہنمی کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ جواب صوفیہ کے مذاق پر تو یہ ہے کہ یہ دشنام محبت تھی جو عشاق کے امتحان کے واسطے دی جاتی ہے، اور اللہ تعالےٰ کو تو امتحان کی ضرورت نہیں مگر بندونکو اس قسم کے واقعہ سے عاشق کے صدق وخلوص کا علم ہو جاتا ہے اور فقہاء کے مذاق پر جواب یہ ہے کہ لوگوں کو یہ مسئلہ بتلانا مقصود تھا کہ اگر کسی کو اپنے جہنمی ہونے کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عبادت اور تعلق مع اللہ کو قطع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے یقین کے خلاف بھی کرسکتے ہیں نیز یہ بھی بتلانا تھا کہ خدا کو تواضع پسند ہے۔ ۲۵۸

ف۔ اس شخص کے اس قول سے کہ، اب کیونکر عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنی دوزخ کا اہل بنادیا ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نانوتوی کے ایک قول کی تائید ہوگئی، مولانا کے زمانہ میں ریاست رامپور میں ایک ذاکر شاغل کو بحالت قبض یقین ہوگیا کہ میں شیطان ہوں۔ غریب بہت پریشان ہوا اور اسی پریشانی کے عالم میں رامپور ہی کے ایک بزرگ سے ملنے گیا اون سے اپنا حال عرض کیا کہ حضرت میں تو شیطان ہوں اونھوں نے بجائے تسلی اور دستگیری کے یہ جواب دیا کہ اگر تو شیطان ہے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسکو یقین ہوگیا کہ میں واقعی شیطان ہوگیا ہوں کہ اتنا بڑا بزرگ بھی مجھ پر لاحول پڑھتا ہے واپس آکر اوس نے خودکشی کرلی، مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ کو اس واقعہ کی اطلاع پہونچی تو فرمایا کہ ہم تو فلاں صاحب کو بزرگ اور عارف سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ وہ تو کورے ہی ہیں، اگر وہ شخص میرے پاس آتا اور مجھ سے کہتا کہ میں شیطان ہوگیا ہوں تو میں یہ جواب دیتا کہ پھر کیا ہوا شیطان بھی تو اوسی کا ہے نسبت اب

Marfat.com

بھی قطع نہیں ہوتی، اس جواب کے ساتھ ہی اوس کا قبض مبدل بہ بسط ہوجاتا اور ہلاکت سے بچ جاتا (سمعتہ من سیدی حکیم الامتہ رح) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر وحی سے بھی کسی کو جہنمی کہا جائے پھر بھی وہ جنتی ہوسکتا ہے اگر ایمان و عمل صالح پر جمارہے تو صرف کسی بزرگ یا شیخ کے بُرا کہنے سے کسی کو بُرا نہیں کہا جاسکتا جب تک خود اوس کے اعمال بُرے نہ ہوں، اہلِ طریق اس معاملہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ شیخ کے اقوال کو آیت و حدیث سمجھکر فیصلہ کرنے لگتے ہیں خود تحقیق نہیں کرتے حالانکہ مشائخ بھی بشر ہیں بشریت سے بری نہیں اون کی بہت سی باتیں بشریت سے ناشی ہوتی ہیں جن کو جاننے والے جانتے ہیں"۔

ف۔ چور کے متعلق جو کہا گیا کہ امید ہے وہ اس صدقہ کی وجہ سے چوری سے باز آجائے یہ تو ظاہر ہے کیونکہ انسان عموماً تنگی اور فقر ہی کی وجہ سے چوری کرتا ہے اور چور کا چوری سے رُکجانا بڑی چیز ہے کیونکہ مسلمان اس کے ضرر سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقہ سے بھی افضل ہے اور زانیہ کے متعلق جو کہا گیا کہ شاید وہ زنا سے توبہ کرلے یہ بھی اسی وجہ سے ہے کیونکہ بعض عورتوں کو زناکاری پر فقر و احتیاج ہی برانگیختہ کرتا ہے جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہیں کرسکتیں اور زنا کے ذریعہ روپیہ کماتی ہیں ایسی عورت کو جب کچھ رقم دیدی جائے گی تو وہ اس حرکت سے باز آجائے گی ہمیشہ کو نہیں تو کچھ دنوں کو سہی، اور کسی کے ذریعہ زانیہ کا زنا سے توبہ کرلینا صدقہ سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من حمر النعم تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالٰے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت کردیں یہ تمہارے واسطے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (جو عرب کا قیمتی مال ہے) ہاں جو عورتیں غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کرتی ہیں اون کو صدقہ دینے سے یہ امید نہیں کہ زنا سے باز آجائیں گی (قالہ الشارح فی وجہ) اور گو اس مضمون کو مسائل تصوف سے تعلق نہیں مگر اوپر جو مصرف زکوٰۃ کی تحقیق اور تفقد کی تاکید کی گئی ہے اوس سے تعلق ہے، اور عموماً بہت لوگ اس سے غافل ہیں، لوگ زناکار عورتوں کو صدقہ نہیں دیتے نہ چوروں کو حالانکہ اون کو صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے کہ شاید وہ گناہوں سے توبہ کرلیں"۔ مولانا جمال الدین مرحوم وزیر ریاست بھوپال کو کسی نے خبر دی کہ آج بھوپال میں ایک بڑی خوبصورت

Marfat.com

رنڈی آئی ہے تو فوراً آپ نے اپنے منشی کو اوس کے پاس بھیجا کہ تم کو وزیر صاحب بلاتے ہیں وہ وزیر صاحب کے یہاں پہونچ گئی آپ نے اوس کو ایک دومنزلہ مکان پر ٹہرادیا اور کھانے پینے اور دیگر ضروریات رہائش کا انتظام کردیا اوس کی روزانہ فیس پانچ سو روپیہ تھی یہ فیس بھی ہر دن اوس کو پہونچاتے رہے اور نوکروں سے کہدیا کہ اس کے پاس کوئی آئے جائے تو اوس کو روکا نہ جائے مگر مجھے اطلاع دی جائے کہ کون آیا اور کون گیا۔ وزیر صاحب کے مکان پر کس کی مجال تھی جو اوس سے ملنے آتا۔ غرض ایک مہینہ تک اوس کو اپنے مکان پر رکھا روزانہ فیس دی مگر کسی کو اوس کے پاس نہ پہونچنے دیا ایک مہینہ کے بعد اوس نے خود ہی اجازت طلب کی کہ میں بھوپال سے باہر جانا چاہتی ہوں تو آپ نے اوس کو اجازت دیدی اور وہ اوسی دن بھوپال سے باہر چلی گئی۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ مولانا جمال الدین وزیر بڑے نیک اور متقی ہیں اونھوں نے اس رنڈی کو اپنے مکان پر صرف اس لئے رکھا ہے ....

.... تاکہ بھوپال کے نوجوان خراب نہ ہوں مگر ظاہر ۲۶۰

میں اون کا یہ فعل ایسا تھا جو کسی متقی سے نہیں سُنا گیا تو شہر میں بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں جب وہ رنڈی چلی گئی تو رئیسہ بھوپال نے مولانا سے پوچھا سُنا ہے آپ نے مہینہ بھر تک رنڈی کو اپنے مکان پر رکھا اور روزانہ فیس بھی دی۔ فرمایا ہاں صحیح ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ بازار میں رہی تو میری ریاست کے نوجوان لڑکے گناہ کرکے تباہ و برباد ہوں گے اونکی صحت بھی خراب ہوگی اور رقم بھی ضائع ہوگی تو میں نے اوس کو اپنے گھر پر ایک دومنزلہ کمرہ دیدیا تاکہ ریاست کا کوئی آدمی اوس سے ملوث نہ ہو اور خدا کے فضل سے ریاست کی ملازمت سے میں نے بہت کچھ روپیہ کما لیا ہے تو میں نے ریاست کے جوانوں کو بچانے کے لئے ایک مہینہ میں پندرہ ہزار روپئے اوس پر خرچ کردیئے مجھے یہ رقم کچھ بھی معلوم نہیں ہوئی اور میری ریاست کے آدمی اس بلا سے محفوظ رہ گئے۔ رئیسہ پر مولانا کے اس بیان کا بہت گہرا اثر ہوا اور کہا مولانا واقعی آپ نے ریاست کی خیر خواہی کا حق ادا کردیا یہ تو آپ نے ایسا کام کیا جس کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں جاتا تھا پھر مولانا کو ایک بڑی رقم نذر کی اور خلعت شاہانہ سے نوازا۔ مولانا جمال الدین مرحوم کی نظر اس نکتہ پر پہونچ گئی کہ زانیہ کو صدقہ دینا افضل ہے تاکہ وہ بھی زنا سے بچیں اور مسلمان

Marfat.com

نوجوان بھی اس بلا سے بچے رہیں"۔ افسوس ہے آجکل اہل اموال کو اس طرف توجہ نہیں" اون کو لازم ہے کہ اسمبلی کے ذریعہ یہ قانون مسلمانوں کے واسطے پاس کرائیں کہ ہر مسلمان مرد عورت کو سینما، تھیٹر وغیرہ دیکھنا جرم ہے ہر مسلمان مرد عورت کو شراب کی خرید و فروخت اور استعمال جرم ہے اور ہر مسلمان عورت کے لئے زناکاری کو ذریعہ کسب معاش بنانا جرم ہے" قانونی طور پر ان افعال کو جرم قرار دیا جائے اور انپر سزائے تازیانہ یا قیدخانہ مقرر کرائی جائے اور مسلمان ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے واسطے اسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیئے۔ نیز زناکار عورتوں کو شادی پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو صدقات و خیرات سے اون کی خبرگیری کی جائے"۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم الامۃ رح کے پاس ایک رنڈی کا خط آیا کہ میں نے آپ کی کتاب بہشتی زیور پڑھ کر زنا سے توبہ کر لی ہے مگر بجز اس پیشہ کے میرے پاس کوئی ذریعہ کسب معاش کا نہیں دعا کیجئے کہ میں اپنی توبہ پر قائم رہوں حضرت اقدس نے جواب دیا کہ میں تمہارے واسطے دعا کرتا ہوں اور جب تک تمہاری شادی نہ ہو جائے ماہوار پندرہ روپیہ برابر تمہارے پاس پہونچتے رہیں گے چنانچہ بہت دنوں تک یہ رقم جاتی رہی۔

۲۶۱ (۱۷۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کا تمام سامان جو کچھ بھی (انسان کے پاس) ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطیہ ہے خدا پر کسی کا کچھ حق نہیں اس کی دلیل حدیث کا یہ جملہ ہے فینفق مما اعطاہ اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اوسے عطا فرمایا ہے اوس میں سے خرچ کرے۔ تو سب کو عطیہ قرار دیا گیا ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور یہی حق ہے، حدیث سے اس صدقہ کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس کے فعل کو صحابہ کے سامنے بیان فرمانا اس کی دلیل ہے کہ حضور اوس کے اتباع کی ترغیب دے رہے ہیں کہ دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے) اور فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کر دیا کیونکہ جب اوس نے صدقہ کیا اور تقدیر اوس کی تجویز سے موافق نہ ہوئی (کہ جس کو صدقہ کا مستحق سمجھا تھا وہ مستحق ثابت نہ ہوا) تو اوس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تسلیم و رضا سے کام لیا یہ تو حقیقت پر عمل تھا اور اسی کی برکت سے اوس کا عمل سالم رہا (ضائع نہ ہوا جیسا بعد میں پیام الٰہی نے بتلایا) اور شریعت کا ادب یہ تھا کہ اوس نے صدقہ کا اعادہ کیا اور تین بار اعادہ کیا۔ ہر دفعہ میں شریعت

سرمایہ انسان کے پاس جو کچھ ہے عطیہ الٰہی ہے۔

Marfat.com

وحقیقت کو جمع کرتا رہا اور یہ بڑا بلند حال ہے جیسا پہلے بھی کئی جگہ بتلایا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے بلا مشقت کے یہ حال (رفیع) عطا فرمائیں" (آمین)۔ قولہ فیہ دلیل علی ان جمیع متاع الدنیا ھبۃ من اللہ الی قولہ من اللہ علینا بھا بلا محنۃ بمنہ"۔

ف۔ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرنا اہل طریق کا خاص وظیفہ ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

اہل طریق کو علماء ظاہر سے اسی امر میں امتیاز ہے کہ وہ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرتے ہیں علماء ظاہر صرف شریعت کا لحاظ کرتے ہیں حقیقت کا نہیں۔

(۴۷) حدیث صدقۃ المرأۃ من مال زوجھا

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انفقت المرأۃ من طعام بیتھا غیر مفسدۃ کان لھا اجرھا بما انفقت ولزوجھا اجرہ بما کسب وللخازن مثل ذلک لاینقص بعضھم اجر بعض شیئا۔ ۲۶۲

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خرچ کرے بشرطیکہ گھر کو برباد نہ لگائے تو عورت کو خرچ کرنے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کمانے کا ثواب ملے گا اور خزانچی کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ ایک دوسرے کے ثواب کو ذرا بھی کم نہ کرے گا۔

شرح۔ ظاہر حدیث کا مطلب واضح ہے مگر دونوں جگہ مالک کی اجازت شرط ہے کیونکہ کسی کا مال بدون اوس کی اجازت کے خرچ کرنا جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یحل مال امرأ مسلم الا عن طیب نفس منہ کسی مسلمان کا مال بدون اوس کی خوشی کے حلال نہیں۔ ہاں اجازت میں زبان سے ہی ہونا شرط نہیں بلکہ عرف و عادت بھی کافی ہے جیسے سائل کو روٹی کا ٹکڑا دیدینا یا کسی کو نمک یا آگ یا پانی دیدینا یا روٹی کیلئے خمیر دیدینا کہ عرفاً ان چیزوں میں تنگی نہیں کیجاتی بلکہ عورت کو اجازت اور وسعت ہوتی ہے اور ان چیزوں کا دینا مستحب بھی ہے حدیث میں اوس شخص کے متعلق جو کسی کو نمک دیدے وارد ہوا ہے کہ اوسکو اوس شخص کی برابر ثواب ملیگا جو اس کھانے کو صدقہ کرے جو اسی نمک سے۔

Marfat.com

تیار ہوا ہے۔
خمیر دینے والے کے بارہ میں بھی ایسا ہی وارد ہوا ہے اسی طرح کوئی کسی کو آگ دیدے تو جتنا کھانا اس آگ پر پکایا جائے گا اوس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور کسی کو ہانڈی دیدے تو جتنا کھانا اس ہانڈی میں پکے گا (جب تک بھی پکتا رہے گا) اوس کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق بہت احادیث ہیں جن سے تھوڑی سی چیز کے دینے پر بہت ثواب بیان کیا گیا ہے، ان چیزوں سے انکار کرنا مروت اور حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں تو عرفاً عورت کو ان چیزوں کے دینے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے ان چیزوں کا مانگنا معیوب نہیں اور ان میں بخل کرنا سخت معیوب شمار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ما وقی به المرأ عرضه كتب له صدقة جس چیز کے ذریعہ انسان اپنی آبرو کو بچائے اوس میں بھی اوس کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، مگر یہ کہ مالک یا شوہر کی طرف سے کوئی علامت ایسی پائی جائے جو عرف کے صریح خلاف ہو اس صورت میں اصل پر عمل کیا جائے گا اور عورت کو ان چیزوں کا دینا ممنوع ہوگا یا اوس کی مرضی سے زیادہ دینا منع ہوگا۔" یہاں سوال یہ ہے کہ جب مال شوہر کا ہے تو عورت کو کس بات کا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ عورت بھی اپنے شوہر کی خزانچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخازن الذی یعطی ما امر به طیبة به نفسه احد المتصدقین کہ جب خزانچی اوس چیز کو خوش ہو کر دیدے جس کے دینے کا اوسے حکم ہوا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا (تو عورت کو بھی خزانچی کی طرح صدقہ کا ثواب ملے گا رہی خزانچی کے لئے ثواب کی علت تو) کیونکہ جب اوس نے خوشی سے دیدیا اور جس کو دینے کے واسطے کہا گیا تھا اوس کو پریشان نہ کیا بلکہ حکم کے ساتھ فوراً ہی دیدیا تو اوسے مسلمان کا دل خوش کرنے کا ثواب ملے گا کیونکہ دیر کرنے میں (ایک تو لینے والے کو پریشانی ہوتی ہے دوسرے) یہ بھی احتمال ہے کہ دینے والے کی نیت بدل جائے تو دیر کرنا محتاج کے حرمان کا سبب اور جلدی کرنا احسان کا سبب ہوگا کیونکہ دیدینے کے بعد اگر مالک کی نیت بدلے گی تو یہ بہت بعید ہے کہ وہ اوس کے ہاتھ میں سے واپس لینے کی کوشش کرے تو چونکہ خزانچی خوشی کے ساتھ جلدی دیدینے

Marfat.com

میں مالک کی اعانت نیک کام میں کر رہا ہے اسلئے ثواب کا مستحق ہوگا۔ پھر خزانچی جس قدر سہولت اور عجلت کے ساتھ رقم دیگا اوسی قدر لینے والے کو خوشی اور فرحت ہوگی جس سے احسان میں زیادتی ہوتی ہے اور جس چیز سے احسان میں زیادتی ہے وہ بھی احسان ہی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ واضح ہوگیا کہ خزانچی بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (جبکہ خوشی کے ساتھ وہ رقم دیدے جس کے دینے کا اوسے حکم ہوا ہے)۔

نیز ایک اور حقیقت بھی ہے وہ یہ کہ نفس انسانی کی فطرت میں حرص اور بخل ہے اوس کے قبضہ میں دنیا کا جو سامان بھی ہو وہ اوس کو اپنے ہاتھ سے نکالنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ وہ بھی جانتا ہو کہ یہ اوس کی ملک نہیں تو جب وہ کچھ خرچ کرے گا ثواب ملے گا کیونکہ خرچ کرنے میں نفس کی طبعی حالت کی مخالفت اور حکم آلہی کی موافقت ہے، دیکھو تمام عالم جانتا ہے کہ جو کچھ اون کے پاس دنیا کا سامان ہے وہ سب اللہ تعالے کی ملک ہے اور ان کے ہاتھ میں بطور عاریت کے (امانت) ہے اور اوس میں سے تھوڑی مقدار کے خرچ کرنے کا اون کو حکم ہوا ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی میں برکت کا، اور اگر خرچ نہ کریں تو عذاب کی وعید ہے اور باقی مال سے برکت کے اوٹھ جانیکی دہمکی ہے پھر بھی صدقہ واجبہ ادا کرنے والے بہت کم ہیں، اسی طرح خزانچی جانتا ہے کہ اوس کے قبضہ میں جو کچھ ہے مالک کا ہے اور اگر وہ مالک کے حکم کے بعد کسی کو دینے میں دیر کرے گا مجرم ہوگا اور جلدی کرے گا سہولت سے دیدے گا تو ثواب ملے گا پھر بھی تم بہت کم لوگوں کو ایسا پاؤگے جو لوگوں کو پریشان کئے بغیر رقم دیدیں کیونکہ اون کو مال کے ساتھ تعلق طبعی ہو جاتا ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان جب تک ستر شیطان کے جبڑے کلّے نہیں توڑ لیتا اوس وقت تک صدقہ نہیں کرتا۔ (مطلب یہ کہ شیطان اس کے مال پر دانت بھینچے بیٹھے رہتے ہیں جب یہ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کو روکتے ہیں اون کا مُنہ توڑ کر یہ صدقہ کرنے پاتا ہے۔
الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا (ط)
مگر مالک اور خزانچی میں فرق یہ ہے کہ مالک تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اوس کے ہاتھ سے کوئی نہیں چھین سکتا قیامت تک اس کا حساب اسی کے ذمہ رہے گا اور خزانچی یہ سمجھتا ہے کہ مالک اس کو معزول کرکے اپنا مال واپس لے سکتا ہے۔ اور اگر مال اس کے پاس بھی رہا تو اوس کا فائدہ مالک ہی کو پہونچے گا۔

Marfat.com

پھر بھی حرص و طمع کی وجہ سے کسی کو دینے میں حیلہ و حجت کرتا ہے اس میں بھی حکیم کی حکمت ہے (هذا

خلاصة ما ذكره الشارح في شرحه۔

(۱۷۳) اس حدیث سے صوفیہ کے طریق کی خوبی (اور فضیلت) ظاہر ہے کیونکہ (اون کا عمل

اسی پر ہے کہ) جس کام میں نفس کی مخالفت ہو اور شرعاً ممنوع نہ ہو اوس میں ثواب ہے، اس

قاعدہ کی قواعد شرعیہ کے موافق جس قدر بھی تحقیق کرو گے انشاء اللہ صحیح پاؤ گے کہیں ٹوٹے گا

نہیں اس لئے اہل طریق نے مخالفت نفس کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہے یہاں تک کہ ایک نصرانی

راہب نے اسی واسطے اسلام قبول کر لیا کہ اوس نے مخالفتِ نفس کا عہد کر رکھا تھا تو ایک

مسلمان عالم نے اوس کی حسنِ عبادت دیکھ کر تعجب کیا نصرانی راہب نے اون سے پوچھا آپ نے

میرا حال کیسا پایا؟ فرمایا بہت اچھا ہے مگر ایک بات کی کسر ہے کہا وہ کیا؟ فرمایا بس یہ کہ تم مسلمان

نہیں ہو، نصرانی نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر اسلام لے آیا۔ اس پر اوس کے گرجا والے

شور کرنے لگے اوس نے کہا بتلاؤ مجھے تمہارے اندر یہ مرتبہ کس چیز سے حاصل ہوا؟ سب نے

بالاتفاق کہا کہ مجاہدہ اور مخالفت نفس کی وجہ سے، کہا اسی چیز نے مجھے اسلام پر مجبور کیا کیونکہ

جب اس عالم نے میرے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو میرے نفس نے اوس کو قبول نہ کیا اس سے

میں سمجھ گیا کہ اسلام حق ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے نفس کی مخالفت سے پایا ہے تو میں نے مخالفت

نفس ہی کے لئے اسلام قبول کر لیا اور سمجھ گیا کہ اسلام دین برحق ہے کیونکہ نفس حق ہی سے بھاگتا ہے اسکے

بعد اوس کا اسلام بہت اچھا ہو گیا۔ قوله فيه دليل لحسن طريق اهل الصوفة الى

قوله وحسن اسلامه ۔

ف۔ اصل مجاہدہ مخالفت نفس ہی ہے کیونکہ نفس اکثر شہوات و محرمات کی طرف راغب ہوتا ہی

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا اور سونا بھی چھوڑ دو کہ نفس تو ان کاموں کی طرف بھی راغب

ہے کیونکہ یہ رغبت شہوت حرام نہیں بلکہ مامور بہا ہے اسی طرح بیوی بچوں کی محبت و دلداری

بھی رغبت حرام نہیں بلکہ مامور بہا ہے ان چیزوں میں مخالفت نفس جائز نہیں البتہ ان میں حدود

کی رعایت لازم ہے حد سے زیادہ رغبت میں نفس کی مخالفت کی جائے، اور اس کے حدود کا

اجمالی علم حضرت حکیم الامۃ رح کے وعظ حفظ الحدود۔ اور حقوق البیت کے مطالعہ سے ہو سکتا

ف: مخالفت نفس میں ثواب ہے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو

Marfat.com

ہے اون کو پیش نظر رکھا جائے۔

(۷۳) حدیث اتلاف اموال الناس

بخاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال اس نیت سے (قرض) لے کہ اون کو ہضم کر جائے گا اللہ تعالےٰ اوس کو برباد کر دیں گے۔ امام بخاری رح فرماتے ہیں (کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے پاس قرض ادا کرنے کا کوئی سامان نہ ہو اوس کو قرض لینا جائز نہیں اسی طرح جس کے بیوی بچے ہوں اوس کو اپنا تمام مال صدقہ کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے بال بچوں کا حق ہضم کر کے اون کو پریشان کریگا) مگر یہ کہ وہ صبر کی ساتھ معروف ہو اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقہ سے ہو جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنا سارا مال صدقہ کر دیا (اور گھر پر اللہ اور رسول کے نام کے سوا کچھ نہ رکھا) اسی طرح انصار نے مہاجرین کو ترجیح دی (خود تنگی اوٹھائی مہاجرین کو راحت پہونچائی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے (خواہ اپنا مال ہو یا دوسروں کا) پس کسی کو یہ جائز نہیں کہ صدقہ کے بہانہ سے لوگوں کا مال ضائع کرے (یعنی صدقہ کرنے کے لئے لوگوں سے قرض لے اور قرض لیکر ادا نہ کرے صدقہ کے لیے بھی قرض لینا ایسے شخص کو جائز نہیں جس کے پاس ادائے قرض کا سامان نہ ہو) یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں تعلیق یا معلق کہلاتی ہے اور بخاری رح کی تعلیقات حجت ہیں جبکہ جزم کی ساتھ مذکور ہوں کیونکہ وہ دوسرے طرق سے موصول ہوتی ہیں۔ ۲۶۶

شرح۔ اگرچہ حدیث کا لفظ عام ہے مگر لوگوں کا مال لینے سے مراد قرض لینا ہے کیونکہ قرض لینے کی چند شرطیں ہیں جن کی بہت لوگ رعایت نہیں کرتے جسکی وجہ سے لوگونکے اموال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فقہاء نے قرض لینے کیلئے جو شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) اس کے پاس اتنا سامان ہو جس سے ہر حال میں قرض کو ادا کر سکے۔

(۲) یا مضطر ہو کہ اوس پر تین وقت کا فاقہ گذر چکا ہو جس کی وجہ سے دوسروں کے مال میں اس کا حق واجب ہو گیا ہو کیونکہ ایسے محتاج کو اگر کوئی دینے سے انکار کرے تو اوس کو لڑکر اوس سے کھانا وغیرہ لینا جائز ہے اگر مالدار مارا گیا تو وہ بڑا مقتول ہوگا اور مضطر مارا گیا تو شہید

Marfat.com

ہو گا پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ فراخی میسر آنے کے بعد مضطر کو وہ مال جو اس نے جبراً دوسرے سے لیا ہے واپس کرنا واجب ہے یا نہیں (حنفیہ کا قول یہ ہے کہ واپس کرنا واجب ہے اور یہی قول جمہور کا ہے) خلاصہ یہ کہ قرض لینے کی چار صورتیں ہیں جن میں سے تین جائز ہیں ایک ناجائز ہے۔

(۱) یہ کہ اس کے پاس اتنا سامان موجود ہو جس سے قرض کو ہر حال میں ادا کیا جا سکے (زندگی میں بھی مرنے کے بعد بھی) یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اسکے پاس قرض ادا کرنیکا سامان نہیں مگر اسنے قرض دینے والے سے اپنا حال بیان کردیا کہ میرے پاس اس قرض کے ادا کرنیکا کچھ سامان نہیں اگر کچھ میرے پاس آگیا ادا کردونگا ورنہ مجھ سے مطالبہ نہ کیا جائے یہ بھی جائز ہے گو بعض علماء کا اس کے جواز میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ جائز ہے۔

(۳) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو مگر اس میں وہ اوصاف مجتمع ہوں جو صدیق اکبر اور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم میں موجود تھے یعنے صبر و توکل اور کثرت سخاوت" اور بدون ضرورت شرعیہ کے قرض نہ لے اور ضرورت سے زیادہ قرض نہ لے اس صورت میں بھی قرض لینا جائز ہے قواعد شرعیہ اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ ۲۶۷

(۴) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو نہ ضرورت شرعیہ موجود ہو نہ مال والے سے اپنا افلاس بیان کرے اس صورت سے قرض جائز نہیں اور یہی صورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا دی ہے۔ کیونکہ شرعی ضرورت کو بہت لوگ نہیں جانتے عوام ہی نہیں بلکہ علماء ظاہر بھی نہیں جانتے۔ انھوں نے اپنے واسطے کچھ قاعدے خود بنا لیے ہیں جن کو شرعی ضرورت میں شمار کرلیا ہے (مثلاً مہمان نوازی اور لنگر خانہ کا جاری کرنا کہ جب ہم سے کوئی ملنے آتا ہے تو اوس کو کھانا کیسے نہ کھلایا جائے حالانکہ مہمان وہ ہے جو قرابت کیوجہ سے ملنے آئے یا اوس کا مقصود صرف ملاقات ہو کوئی اور غرض دنیوی یا دینی نہ ہو جیسے طلب اصلاح نفس۔ یا تعلیم و تلقین ذکر حاصل کرنا یا کسی مقدمہ وغیرہ کے لئے دعا کرانا یا تعویذ وغیرہ لینا کان اغراض کیلئے آنے والا مہمان نہیں ہوتا اور جو مہمان ہو اوس کے لئے بھی تکلف کرنا اوس وقت جائز ہے جبکہ وسعت ہو ورنہ جو کچھ گھر میں موجود ہو وہی مہمان کے سامنے پیش کر دینا چاہئے اس سے زیادہ تکلف نہ کیا جائے اور اگر فاقہ ہو تو مہمان سے کہہ دینا چاہئے کہ میرے یہاں

Marfat.com

آج فاقہ ہے تم بھی فاقہ کرو جب خدا دے گا ہم بھی کھائیں گے تم بھی کھانا۔ مگر تم دیکھو گے کہ علماء بھی ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتے مہمان نوازی اور لنگر خانہ کے لیئے قرض پر قرض لیتے رہتے ہیں) اور اس طریقہ سے لوگوں کا مال لینا اپنے لئے مباح سمجھتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ ہم مضطر ہیں لوگوں کے مال میں ہمارا حق واجب ہو چکا ہے ہم کو قرض لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جو کچھ ہم لے رہے ہیں ہمارا حق ہے اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ قید بڑھا کر تنبیہ کی ہے کہ بدون سامان ادا کے قرض لینا اوسی شخص کو جائز ہے جو صبر کی ساتھ معروف ہو، یہ نہیں کہ ضرورت کیوقت خود اپنے دل سے یہ سمجھ لے کہ میں قرض لے کر نفس کو مجاہدہ میں ڈالوں گا اور لوگوں کے تنگ کرنے پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اون کا حق ادا ہو جائے اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ سب حدیث النفس ہے اور نفس بڑا خیانت کرنے والا ہے صابر وہ ہے جس کو عام طور پر لوگ صابر سمجھتے ہوں یہ نہیں کہ خود اپنے دل سے اپنے کو صابر سمجھنے لگے (اور ضرورت شرعیہ وہ ہے
جس کو شریعت کے جاننے والے فقہاء ضرورت کہیں خود تمہارا اپنے دل سے کسی ضرورت کو ۲۶۸
شرعی ضرورت قرار دینا کافی نہیں) پھر معروف بالصبر ہونے کیلیئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ صبر ایثار کی شان سے ہو اور ایثار بھی اللہ کے واسطے ہو کہ اللہ تعالے کی رضا کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر مقدم کرتا ہو، یہ نہیں کہ شہرت کے واسطے یا غرض نفسانی کے واسطے صبر کرتا ہو یا مجبوری کا صبر ہو کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں (اس حالت میں صبر نہ کرے تو کیا کرے) اس حالت میں صبر نہ کرنے یا کم صبر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ صبر کرنا صبر نہ کرنے سے اچھا ہے اگرچہ ایسا صبر کرنے والا مردوں کی صف میں کھڑا نہیں ہو سکتا نہ اوس کو اہل وفا میں شمار کیا جائے گا۔ صابر وہ ہے جو صبر کے ساتھ ایثار میں بھی معروف ہو کہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقہ اور احتیاج اور تنگی میں مبتلا ہو۔ ان شرطوں کو دیکھو اور ان میں غور کرو کیا اس زمانہ میں ان کا وجود کسی میں ممکن ہے؟ (بالکل نہیں) مگر یہ کہ شاذ و نادر (کسی ایک دو میں ہوں تو ہوں) پس ہم نے جو قرض کی چار صورتیں بیان کر کے تین کو جائز اور ایک کو ناجائز بتلایا ہے یہ فقہی تقسیم ہے کیونکہ احکام بیان کرنے والے پر تمامی احکام کا بیان کر دینا ضروری ہے گو اون میں سے کوئی صورت نادر ہی کیوں نہ ہوں جس کا وقوع ممکن نہو۔ اسی لئے یہ تقسیم

Marfat.com

بیان کردی گئی ورنہ ہماری حالت کے اعتبار سے تو صرف دو ہی صورتیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں کیونکہ تیسری صورت جس میں حضرت صدیق اکبر اور حضرات مہاجرین وانصار کے ایثار کو دلیل میں بیان کیا گیا ہے آجکل جائز نہیں کیونکہ اوس کی شرطیں اس زمانہ میں عام طور سے مفقود ہیں (هذا خلاصة ما ذكره الشارح في شرحه۔

(۱۷۴) ف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنا اور) دوسروں کا مال ضائع کرنے سے عموماً منع فرمایا ہے تو تم کو اس عموم کی تخصیص کا حق نہیں کہ یوں کہنے لگو کہ میں تو صدقہ کرنے کے لئے قرض لے رہا ہوں اور یہ اضاعت مال میں داخل نہیں"۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ بھی سراسر اضاعت ہے۔ جب تک تم دوسرے کو صاف صاف نہ بتلا دو کہ میں یہ قرض صدقہ کرنے کے واسطے لے رہا ہوں (میرے پاس اس کے ادا کرنے کا کوئی سامان بھی نہیں) اگر اللہ تعالیٰ نے میرے پاس کچھ بھیجدیا تمہارا قرض ادا کر دوں گا ورنہ مجھ پر کوئی مطالبہ تمہارا نہ ہوگا اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو خیر ورنہ صدقہ کے واسطے بھی قرض لینا جائز نہیں۔ اس میں علاوہ اس کے کہ تم اپنی رائے سے شارع علیہ السلام کے عام لفظ کو خاص کر رہے ہو ایک علت اور بھی ہے وہ یہ کہ تمہارے ذمہ پر تو ایک حق لازم ہو گیا اور جو صدقہ تم نے کیا ہے اوس کا قبول ہونا یا نہ ہونا محتمل ہے تو جو حق ثابت ہو چکا ہے اوس سے ایک مشکوک اور محتمل چیز کیونکر تم کو بری کر سکتی ہے (پس یہ خیال لغو ہے کہ اگر قیامت میں قرض دینے والے نے مطالبہ کیا تو میں وہ ثواب اوس کو دیدوں گا جو صدقہ سے مجھے ملا ہے کیونکہ ثواب ملنا قبول ہونے کی فرع ہے اور قبول ہونا محتمل ہے)۔ تو شرعاً و عقلاً (کسی طرح) یہ صورت جائز نہیں، تم کو اس خطرناک صورت کے ارتکاب پر اون حکایات سے جرأت نہ کرنا چاہیئے جو بعض بابرکت حضرات سے منقول ہیں مثلاً ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اون کے زمانہ میں سخت قحط ہوا تو اونھوں نے بہت سا مال قرض لیا اور اوس سے غلہ خرید کر مسکینوں کو تقسیم کر دیا جب مال والے اپنے مال کا مطالبہ کرنے آئے بزرگ نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کیجئے پھر فرمایا بوریا اٹھا کر دیکھو کیا اوس کے نیچے کچھ نظر آتا ہے؟ اونھوں نے بوریا اوٹھایا تو اوسکے نیچے بہت مال تھا فرمایا اپنے مال کے برابر لے لو اونھوں نے (شمار کیا تو) اوس کو برابر سرابر پایا تو ان بزرگ کے واقعہ میں چند احتمالات ہیں ایک یہ کہ اون کا (رزق کے بارہ میں) حق تعالیٰ

Marfat.com

کے ساتھ خاص معاملہ تھا اونھوں نے اوسی کے موافق عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من رزق من باب فلیلزمہ جس کو جس دروازہ سے روزی ملتی ہو اوسی کو چمٹا رہے۔ اور اہل توفیق (یعنی بزرگان دین) نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے لئے اللہ تعالےٰ خرق عادت کے طور پر کوئی دروازہ خیر کا کھولدیں تو شرعاً وہ اوسی کے ساتھ مخصوص ہے (دوسروں کو اوس کی تقلید جائز نہیں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بزرگ مستجاب الدعوات ہوں (اون کی دعا قبول ہوتی ہو یا نہوتی ہو اور انکو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنی ساتھ معلوم ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب اون کا معاملہ اللہ کی ساتھ سچا تھا تو اون کا صدقہ قبول ہو گیا اور جب اللہ تعالےٰ نے صدقہ قبول کر لیا تو وہ حاجت کے وقت اپنے بندہ کو ضائع کرنے والے نہیں تھے حاشا وکلا۔ (اور صدقہ کا قبول ہو جانا صدق نیت اور خلوص سے معلوم ہو سکتا ہے) پس جس شخص کو یہ حالت نصیب نہ ہو اوس کو ان جیسے بزرگوں کی تقلید (ایسے افعال میں) جائز نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کی حالات (اور کرامات) کو تو تسلیم کیا جائے گا مگر اون کی تقلید نہیں کی جائے گی اور نہ اون پر اعتراض کیا جائے گا کیونکہ (ہمارے اندر) وہ حال نہیں جو ان اعمال کا سبب ہے، اسی لئے بعض اہل طریق کا ارشاد ہے جب تم نے اپنا سب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور تمہارا دل اوس کے دروازہ سے چمٹ گیا اور تمہارا ہاتھ دنیا سے رک گیا اور تمہارا حال اللہ کے امر و نہی سے گھر گیا (یعنی تمہارا کوئی حال مرضی الٰہی کے خلاف نہ ہوا) تو تم دنیا سے الگ ہو اگرچہ دنیا میں لگے رہو۔ غرض صحت حال کی علامت اونھوں نے یہ بتلائی ہے کہ ہر طرح امر و نہی سے گھرا ہوا ہو۔ یہی سب باتوں کا خلاصہ ہے (یعنی تصوف کا حاصل ہے) اور یہی وہ امر حق ہے جس پر تمام اہل حال و اہل قال (صوفیہ و علماء متفق) ہیں (سب کے نزدیک کمال اس کا نام ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اوامر و نواہی کی تعمیل میں بدرجۂ کمال لگا رہے) اللہ تعالےٰ ہم کو بھی اون میں سے کرے جن پر یہ انعامات ہوئے ہیں انہ ولی حمید" قولہ اذا منع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضاعۃ مال الغایۃ عموما الی قولہ ولی حمید"۔ 270

ف۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک بزرگ پنجاب کے آئے جن پر چار ہزار روپیہ قرض ہو گیا تھا وہ مجھ سے ایک رئیس کے نام سفارش چاہتے تھے میں نے

Marfat.com

سفارش کردی۔ پھر دریافت کیا کہ آپ کے ذمہ اتنا قرضہ کیونکر ہوا۔ کہا میرے یہاں لنگرخانہ ہے جتنے بھی مرید آتے ہیں لنگرخانہ سے کھانا کھاتے ہیں پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کھاتے بھی تھے اور نذرانہ بھی دیتے تھے اب کچھ دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ لوگ لنگرخانہ سے ہفتوں کھانا کھا جاتے ہیں اور کچھ دیتے نہیں اسلئے قرضہ ہو گیا۔" یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ میں نے اسی واسطے اپنے یہاں لنگرخانہ نہیں رکھا بس جو آتا ہے اوس کو بتلا دیا جاتا ہے کہ قیام کی جگہ یہ ہے اور طعام کا انتظام فلاں فلاں کرتے ہیں اون سے معاملہ طے کرلو۔" لنگرخانہ کر کے کون یہ دردسر مول لے کہ کس نے کتنے دن کھایا اور کس نے کیا دیا؟ اب اگر کوئی مجھے کچھ بھی نہ دے تو مجھے وسوسہ نہیں آتا اور جو دیتا ہے بڑے نخروں سے لیتا ہوں کہ اس میں ہدیہ کی شرائط بھی موجود ہیں یا نہیں خلوص بھی ہے یا نہیں؟ لنگرخانہ کرنے کے بعد یہ تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ میں شرائط و خلوص کی تحقیق کی جائے، الا ماشاء اللہ۔" دیکھئے یہ بیچارے لنگرخانہ کر کے

٢٧١ کس قدر پریشان ہوئے اور مریدوں نے بھی غضب ہی کیا کہ آئے کھا گئے اور دیا دلایا کچھ بھی نہیں۔ جب اون کو معلوم تھا کہ شیخ کے پاس نہ زمین ہے نہ جائداد ہے نہ اور کوئی آمدنی ہے لنگرخانہ کا مدار مریدوں ہی کے نذرانہ پر ہے ایسی حالت میں ہفتوں ٹھہر کر کھا جانا اور بدوں نذرانہ دیئے چلا جانا شیخ کو تکلیف ہی دینا ہے چنانچہ بیچاروں کو اپنے مذاق کے خلاف ایک رئیس کے پاس سفارش لے جانے کی نوبت آگئی۔" میں کہتا ہوں یہ بھی غنیمت ہے کہ ان بزرگ کو قرض ادا کرنے کی تو فکر ہوئی بعضے تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور یہ سمجھکر کہ ہم نے تو صدقہ کے واسطے قرض لیا ہے اگر ادا نہ ہوا کیا ہے قیامت میں قرض والا مواخذہ کرے گا تو وہ ثواب اوس کو دیدیں گے جو صدقہ سے ہم کو ملا ہوگا۔ سبحان اللہ اور اگر ثواب ہی نہ ملا ہو بلکہ عذاب لکھا گیا ہو تو کیا دیدو گے؟ یہ سب نفس کے بہانے ہیں جن سے وہ گناہ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بہانے اور بیہودہ دلیلیں نہیں چل سکتیں، پس سالکین کو قرض سے بہت بچنا چاہئے، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض کبھی نہیں ہوتا، اگر ایسا نہ ہو سکے تو قرض اپنی وسعت و ہمت سے زیادہ نہ کیا جائے اور فکر کر کے جلد ادا کیا جائے تاکہ حدیث کی وعید سے محفوظ رہیں۔"

Marfat.com

(۲۷) حدیث الامر بالصدقۃ علی کل مسلم

ابی بردہ اپنے باپ (بردہ) سے روایت کرتے ہیں رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی (صدقہ کے لئے کوئی چیز) نہ پائے (یعنی مفلس غریب ہو تو وہ کیونکر صدقہ کرے) فرمایا اپنے ہاتھوں سے (کچھ) کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہونچائے اور صدقہ بھی کرے، عرض کیا اگر کوئی (اوس کی بھی طاقت) نہ پائے (کہ اوسکو کوئی دستکاری نہیں آتی) فرمایا وہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے عرض کیا اگر اوس کا بھی موقع نہ پائے (خواہ اس وجہ سے کہ اوس کے سامنے کوئی محتاج مصیبت زدہ نہیں ہے یا جس قسم کی مدد کی اوس کو ضرورت ہے اوس سے یہ عاجز ہے) فرمایا تو وہ نیک کام کرتا ہے بُرے کاموں سے بچتا رہے یہی اوس کے لئے صدقہ ہے"

۲۷ **شرح**: حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اس میں صدقہ کا امر ہے اور صدقہ کرنے کیلئے کوئی ذریعہ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے۔ اور بظاہر یہ امر استحبابی ہے وجوبی نہیں دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں منجملہ اون کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لاصدقۃ الا عن ظہر غنی صدقہ نہیں ہے مگر غنا کے بعد" اور یہاں ہر مسلمان کا صدقہ بیان کیا گیا ہے تو یہ واجب نہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی دو رکعتوں کی بابت فرمایا کہ وہ اس صدقہ کو ادا کر دیتی ہیں (جو یہاں مذکور ہے) جبکہ صدقہ پر قدرت نہ ہو۔ اور اس حدیث کے آخر میں جو حضور نے یہ فرمایا ہے کہ نیک کام کرتا رہے بُرے کاموں سے بچتا رہے یہی اوس کے لئے صدقہ ہے تو یہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ صدقہ کرے یا نہ کرے کیونکہ بُرا کام کرنا اور اچھا کام چھوڑنا کسی حال میں جائز نہیں لیکن (یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ) یہاں نیک کاموں سے مُراد وہ اعمال ہیں جو واجب سے زیادہ ہیں (اسی طرح بُرے کاموں سے مُراد وہ اعمال ہیں جو کبائر کے علاوہ ہیں اور واجبات سے زیادہ کام کرنا اور کبائر کے علاوہ صغائر سے بھی بچنا) یہ صدقہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھی بات بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف کی چیز ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت اور خندہ پیشانی کی ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے"

Marfat.com

او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" اور اس سے معلوم ہوا کہ دین سارا کا سارا ہی مطلوب ہے فرض بھی اور مستحب بھی اور دونوں کا شریعت میں پورا اہتمام ہے"۔ حدیث میں صدقہ کی فضیلت پر بھی دلالت ہے (ھذا خلاصۃ ما ذکرہ الشارح فی شرحہ)۔

(۱۷۵) اس میں صوفیہ (کے طریق) کی بھی دلیل ہے جنہوں نے اپنے طریق کی بنیاد سخاوت اور ایثار ہی پر قائم کی ہے چنانچہ اون میں سے ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رات کو اون کے گھر میں صدقہ کی کوئی چیز رہے (بلکہ رات سے پہلے پہلے اوس کو خیرات کر دیتے تھے) "فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ من الصدقۃ المعلومۃ فی بیوتھم"

(۱۷۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں میں (فقیر کم اور) غنی زیادہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اطلاق کے ساتھ ہر مسلمان پر صدقہ لازم فرمایا ہے حالانکہ یقیناً بعض ایسے بھی تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں (تو اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ لوگوں میں زیادہ تر غنی ہوتے ہیں غربا کم اسلئے آپ نے اوّل مطلقاً ہر شخص پر صدقہ لازم فرمایا۔ شاذ و نادر کا لحاظ نہیں کیا گیا جب صحابہ نے عرض کیا کہ کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو اوس وقت فقیروں کا حکم بیان کر دیا گیا)

بعض علماء نے مساکین کی قلت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے صدقہ واجبہ میں صرف چالیسواں حصہ فرض کیا ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ بقدر نصاب مال ہونے پر واجب کیا ہے کہ چاندی پانچ اوقیہ (دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ) ہو اور سونا بیس دینار (یعنی ساڑھے سات تولہ) ہو اور علیم رحیم (جس کا علم بھی کامل ہے اور رحمت بھی کامل ہے) اپنے (غریب) بندوں کے لئے ایسی مقدار مقرر نہیں کر سکتا جو اون کے واسطے کافی نہ ہو حالانکہ وہ اون کی شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیرہ کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی نہ جانے گا حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے تو چونکہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ مساکین کم ہوں گے اور یہ بھی معلوم تھا کہ (جتنے بھی ہوں گے) اون کو (اغنیاء کی دولت کا) چالیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرض کر دی گئی۔ اور اگر اغنیاء سب کے سب اس مقدار زکوۃ کو جو اللہ تعالےٰ نے اون پر واجب کی ہے نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے" قولہ فیہ دلیل

Marfat.com

علی ان الیسار تو فی الناس اغلب الی قولہ ما احتاج مسکین لان یسأل احداً
ف ۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ تو یقیناً صحیح ہے کہ اغنیاء مسلمین کی دولت کا چالیسواں حصہ اور زمینداروں کی پیداوار زمین کا عُشر غرباء مسلمین کے لئے کافی ہے اور اگر اغنیاء زکوٰۃ و عشر نکالتے رہیں تو کسی مسلمان مسکین کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں میں فقیر کم اور اغنیاء زیادہ ہوں گے" کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت فقیر زیادہ ہوں اور اغنیاء کم مگر اون کی دولت اتنی زیادہ ہو کہ اوس کی زکوٰۃ اور عشر تمام فقراء کے لئے کافی ہو جائے، پس اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء باقاعدہ پوری زکوٰۃ اور عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض اغنیاء میں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے اسی لئے صدیوں سے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے، **دوسرے** یہ کہ ہندوؤں کے اختلاط سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے بھیک مانگنے کو عیب سمجھنے کے بجائے ہُنر سمجھ لیا اور اس کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے اون سے لاکھ کہا جائے کہ ہٹے کٹے تندرست آدمی کو بھیک مانگنا جائز نہیں تم کو مزدوری کرنا چاہئیے یا دستکاری سیکھ کر پیٹ پالنا چاہئیے مگر اون کی عقلیں مسخ ہو گئی ہیں وہ بھیک مانگنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مالداروں کی خیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے اور یہ لوگ ہزار ہا روپیے جمع کرنے کے بعد بھی بھیک مانگنا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ جب وہ مرتے ہیں اُن کی جھونپڑیوں میں سے ہزار ہا روپیہ نکلتا ہے پس ان کو غریب اور فقیر سمجھنا غلط ہے اور ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا رقم برباد کرنا ہے۔ پس مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا انتظام کرنا چاہئیے پھر ہر شہر اور ہر قصبہ کے امرا کو اپنی بستی کے فقراء کی تحقیق کرنا چاہئیے تحقیق کے بعد زکوٰۃ دی جائے اور اون سے کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کی رقم کے بھروسہ ہی پر نہ رہو بلکہ جو کچھ اس وقت تم کو دیا جا رہا ہے اوس سے تجارت یا اور کوئی کاروبار شروع کرو تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ پہلے زمانہ کے فقراء ایسے ہی تھے وہ ایک دفعہ زکوٰۃ لے کر اوس سے کاروبار کرنے لگتے تھے، البتہ یتیم بچے اور بیوہ عورتیں یا بوڑھے اور اپاہج مجبوراً زکوٰۃ کے بھروسہ پر رہتے تھے جن میں سے یتیم بچے تو تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر جب بالغ ہو جاتے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بیوہ عورتیں دوسری شادی کو عیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دنوں کے بعد زکوٰۃ سے مستغنی ہو جاتی تھیں اگر اب بھی اس کا رواج پوری طرح ہو جائے تو بیوہ عورتیں بہت کم رہ جائیں"۔

Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ اپاہج اور معذوروں کی تعداد زیادہ نہیں اس طریقہ پر انتظام کی ساتھ عمل کیا جائے تو یقیناً مالدار اور زمیندار مسلمانوں کی زکوٰۃ وعشر مسلمانوں کا افلاس دور کرنے کے لئے کافی ہوجائے۔

(۱۷۷) حدیث سے کسب معاش کی فضیلت بھی معلوم ہورہی ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو اور اوس سے دین میں مدد ملتی ہو لفظ یعمل بیدہ اس پر دال ہے جس سے اون تمام صنعتوں کا جواز مفہوم ہوتا ہے جو ہاتھ سے کی جاتی ہیں (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہوں) حدیث میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ اپنی ضرورت کو صدقہ پر مقدم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ ارشاد ہے یعمل بیدہ فلینفع نفسہ ویتصدق (جس کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو) وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے پھر اپنے کو فائدہ پہونچاے اور صدقہ بھی کرے۔ تو حضور نے دستکاری کے بعد اپنے کو فائدہ پہونچانا پہلے بیان کیا پھر صدقہ کو بیان کیا، اس میں تم غور کروگے تو بڑا عجیب اشارہ پاؤگے کیونکہ اگر آپ صرف اتنا کہدیتے یعمل بیدہ ویتصدق کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور صدقہ کرے تو صحابہ کے سوال کا تو جواب ہوجاتا کیونکہ وہ تو صدقہ ہی کے بارہ میں سوال کررہے تھے مگر کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ بس میں تو صدقہ کرنے کے واسطے کام کروں گا اور خود اپنی ذات کے لئے اللہ پر توکل کروں گا جو وہ دینگے لے لوں گا حضور نے بنفع نفسہ بڑھا کر بتلادیا کہ اپنے کو نفع پہونچانا مقدم ہے کیونکہ سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے امر اہم کو مقدم کرے اس کے بعد صدقہ کرے۔ پھر یہ لفظ انسان کی تمام ضرورتوں کو عام ہے خواہ اس کی ذات سے متعلق ہوں یا اہل وعیال سے یا اپنے گھر کی حاجت سے جو عادۃً بشر کو لاحق ہوتی ہیں بشرطیکہ شریعت کے موافق ہوں کہ یہ قید تو تمام حالات میں لازم ہے۔" وفیہ دلیل علیٰ فضل التکسب الی قولہ فان ھذا الاصل فی کل الامور"۔

ف۔ تم دیکھتے ہو کہ شریعت میں صدقہ کا کس قدر اہتمام ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ بھی اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرے اور اپنی حاجت کو پورا کرکے کچھ صدقہ کرے اس کی وجہ ایک تو یہی ہے کہ شریعت مسلمانوں کے افلاس کو دور کرنا چاہتی ہے۔ شریعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ تندرست ہٹا کٹا آدمی دوسروں کے ہاتھ کو دیکھے بلکہ اوسے خود کسب معاش کرکے دوسروں پر

Marfat.com

صدقہ کرنا چاہیئے۔ اگر ہر تندرست مسلمان اس پر عمل کرنے لگے اور کوئی بھی بیکار نہ رہے کسی نہ کسی کام میں لگ جائے خواہ مزدوری ہی کرنے لگے یا جنگل سے گھاس اور لکڑی کاٹ کر بیچے یا اور کوئی صنعت وحرفت اختیار کرے تو یقیناً مسلمانوں میں بھیک مانگنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ دوسری وجہ صدقہ کے اہتمام کی یہ ہے کہ اس سے بخل کا مادہ نکل جاتا اور سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص صدقہ کا اہتمام کرے گا اور روزانہ کچھ نہ کچھ خیرات کرنے کا التزام کرے گا تم دیکھوگے کہ کچھ عرصہ کے بعد اوس میں سخاوت کی صفت پیدا ہو جائے گی" جو اخلاق حمیدہ میں اعلیٰ درجہ کی صفت ہے، نیز صدقہ کی عادت سے دنیا کی محبت بھی دل سے نکل جائے گی اسی لئے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ سخاوت زہد کا دروازہ ہے بلکہ وہی عین زہد ہے، صدقہ کا اہتمام وہی کرتا ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت ہو بھی تو صدقہ کی عادت سے انشاء اللہ دل اس گندگی سے پاک ہو جائے گا و حب الدنیا رأس کل خطیئۃ، دنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے، جب یہ دل سے نکل جاتی ہے۔ پھر گناہوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے"۔ ۶۷۷

(۱۷۸) حدیث کا مفہوم تمام انواع (صدقات) کے بتلانے کے بعد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس کا نفع متعدی ہے جب اس سے عاجز ہو تو اوس کے قریب یا اوس کے قائم مقام کی ترغیب دی کہ (ہاتھ سے) کام کرے پھر خود بھی نفع حاصل کرے صدقہ بھی کرے کیونکہ اس کا نفع بھی متعدی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے تو اوس کے قائم مقام اوس امر کی ترغیب دی کہ کسی حاجتمند پریشان کی مدد کرے، (کہ اس کا نفع بھی متعدی ہے) اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نیک کاموں میں ان جیسا (اون کی برابر) کوئی کام نہیں لیکن جو معروف یعنی جو بھلائی بھی اس سے ہو سکے کرے۔ معروف سے مراد وہ عمل ہے جو شرعاً پسندیدہ اور مستحب ہو اگرچہ اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں کے راستہ میں سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے یا چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لیا کرے مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مستحب کام سے خالی نہ رکھے کوئی مستحب کام (فرائض و واجبات سے زیادہ) کر لیا کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو (معمولی ہی درجہ کا ہو) کیونکہ اس میں بھی صدقہ یعنے ثواب ہے اور اگر

نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے

Marfat.com

تم کسی مستحب پر بھی قدرت نہیں رکھتے تو تمہارا شر سے رُک جانا یعنے بُرے کاموں کو جو شرعاً
ممنوع ہیں چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اون لوگوں کو تسلی دی ہے جو (فرائض و واجبات سے زیادہ) مستحبات کے بجالانے سے
عاجز ہوں بشرطیکہ واقعی عاجز ہوں (خواہ مخواہ) عاجز بنتے نہ ہوں (کہ اون کو شر سے بچنے میں
بھی ثواب ملے گا پس وہ بُرے کاموں سے بچتے رہیں، اور یہ تسلی ویسی ہی ہے جیسے ایک
حدیث میں آیا ہے کہ فقرار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر
عرض کیا کہ مالدار (صحابہ) صدقہ کیو جہ سے ہم پر سبقت لے گئے (نماز روزہ وغیرہ تو وہ بھی
کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ صدقہ بھی کرتے ہیں اور ہم اس سے عاجز ہیں) تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو ایسی بات بتلاتا ہوں جو صدقہ سے بھی (تمہارے واسطے) بہتر ہے تم
ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ کہو اور لا الٰہ الا اللہ ۲۷۷
وحدہ لاشریک لہ (لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر) کہہ کر سو کا عدد پورا کر دیا کرو یہ
(صدقہ سے بھی) بڑھ کر ہے، اغنیار صحابہ کو یہ خبر پہونچی تو وہ بھی ہر نماز کے بعد یہ عمل کرنے لگے۔
نقرار پھر حضور کے پاس واپس آئے اور کہا یا رسول اللہ اغنیار نے تو وہ عمل بھی شروع کر دیا جو
آپنے خاص ہمکو بتلایا تھا) حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسکو چاہے عطا کرے" (یعنی اب تمکو یہ تمنا نہ
کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالی اونکو فضیلت نہ دیں ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض) اور یہاں سے
معلوم ہوا کہ شریعت ہمسے پورے دین (پر عمل) کا مطالبہ کرتی ہے فرائض کا بھی نوافل کا بھی اور مستحبات کا بھی جسکا
طریقہ یہ ہے کہ اولاً فرض کو مقدم کیا جائے پھر مستحبات و نوافل میں جو اعلیٰ ہو اوس کو اختیار کیا جائے اور
جو سب ہی کو بجالائے (تو سبحان اللہ) اوسکے کیا کہنے ہیں اور جو مستحبات میں سے ادنیٰ کو بجالائے
اعلیٰ کو چھوڑ دے اوس نے پسندیدہ طریقہ کو چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ خیر سے محروم نہیں ہو گا اور
جو شخص مستحبات میں سے کچھ بھی نہ بجالائے اوس نے اپنے کو بہت خسارہ میں رکھا تو اب وہ
بُرے کاموں ہی سے بچتا رہے اس پر بھی اوس کو ثواب ملے گا اگر یہ بھی نہ کیا تو اوس کے ہاتھ سے
دین جاتا رہا اوس کے پاس دین کا کوئی نشان نہیں نسأل اللہ العافیۃ بمنہ۔ قولہ
فمفہوم الحدیث علی ہذا التنویحات الی قولہ نسأل اللہ العافیۃ"

Marfat.com

ف - صوفیہ اور فقہاء میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے اسی لئے اون اعمال کو افضل کہا جاتا ہے جن کا نفع متعدی ہے، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قاعدہ مستحبات و نوافل میں ہے فرائض میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ زکوٰۃ نماز سے افضل ہو حالانکہ بالاتفاق ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل نماز ہے حالانکہ اوس کا نفع لازم ہے اور زکوٰۃ کا نفع متعدی ہے مگر فرائض میں قاعدۂ مذکورہ جاری نہیں، یہ قاعدہ مستحبات میں ہے کہ جس مستحب کا نفع متعدی ہو وہ اوس سے افضل ہے جس کا نفع لازم ہے اور مستحبات میں بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے، بعض دفعہ شیخ مبصر طالب حق کے لئے اون اعمال کو ترجیح دیتا ہے جن کا نفع لازم ہے اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو امراض قلب پر پوری نظر ہے وہ جانتا ہے کہ جس شخص کی اصلاح نفس پوری طرح نہیں ہوئی اوس کو نفع متعدی کا اہتمام مفید نہیں ہوتا بلکہ عجب و کبر کا سبب بن جاتا ہے اس لئے مبتدئ سلوک کو خدمتِ خلق کے خیال سے بھی روکا جاتا ہے جیسا بعض
لوگ ذکر و شغل و اصلاح باطن میں اس قصد سے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد ۴۷۸
ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے یہ خیال عجب و کبر سے پیدا ہوتا اور اوس کو بڑھاتا ہے۔ مبتدی سلوک کو صرف اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہئے یہ وسوسہ بھی نہ لانا چاہئے کہ بعد میں دوسروں کی اصلاح کروں گا۔ اسی طرح اوس کو وعظ کہنے سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعظیم و تکریم سے اوس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے وعظ میں خلوص پیدا نہیں ہوتا وہ ایسی تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے جس سے لوگوں میں تعریف ہو نام مشہور ہو تو ایسا نفع متعدی کس کام کا جس میں اخلاص نہ ہو جملہ اعمال کی روح اخلاص ہے اگر اخلاص نہیں تو عمل مقبول نہیں خواہ اوس کا نفع لازم ہو یا متعدی۔"

میں نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں خدام کے اصرار سے وعظ کے لئے کھڑے ہوئے اوس وقت اتفاق سے کسی مسئلہ منطق کی تقریر درمیان میں آگئی، حضرت مولانا نے اوس مسئلہ کی ایسی تشریح فرمائی کہ علماء منطق نے بھی نہ سنی ہوگی اثناء تقریر میں ایک بہت بڑے معقولی عالم تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا کی نظر جو اون پر پڑی فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ گئے جب جلسہ

Marfat.com

منتشر ہو گیا تو ایک بزرگ نے عرض کیا کہ آپ نے فلاں صاحب کے آنے پر تقریر کیوں بند کر دی یہی تو موقع اس تقریر کا تھا تاکہ اون کو بھی معلوم ہو جاتا کہ علماء دیوبند معقول و منطق میں بھی کسی سے کم نہیں، فرمایا ہاں یہی خیال تو میرے دل میں بھی آ گیا تھا کہ اب موقع ہے اسی لئے تقریر بند کر دی۔ مطلب یہ تھا کہ جب وعظ میں اس خیال سے کوئی تقریر کی جائے کہ اب موقع ہے اب مخالفوں کو بھی ہمارا کمال معلوم ہو گا تو خلوص کہاں باقی رہا اس وقت تقریر بند کر دینا چاہئے، سبحان اللہ یہ حضرات اطباء قلوب تھے نفس کے مکر و کید پہ ہر وقت اون کی نظر رہتی تھی، اگر ہم جیسے ہوتے تو کسی نہ کسی تاویل سے خلوص کا دعوی کر لیتے اور تقریر بند نہ کرتے مثلاً یہی تاویل کر لیتے کہ ہم اپنا کمال نہیں ظاہر کرتے بلکہ اپنے بزرگوں اور اُستادوں کا کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالے کے سامنے یہ تاویلیں نہیں چل سکتیں ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ‏ ‏ ‏ ‏ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

باخدا تدبیر و حیلہ کے رواست

کار با او راست باید داشتن ‏ ‏ ‏ ‏ رایت اخلاص و صدق افراشتن

پس صدقہ کرنے والے کو بھی اخلاص کا اہتمام کرنا چاہئے اسی لئے صدقۂ نافلہ کو چھپا کر دینا افضل ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں نے کیا دیا۔

(تنبیہ) یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ "کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے" حالانکہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد کرنے میں ملتا ہے خواہ حاجتمند ہو یا نہ ہو پریشان ہو یا نہ ہو، کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ اللہ تعالے اپنے بندہ کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے، جواب یہ ہے کہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد میں ملتا ہے مگر جب صحابہ نے صدقہ کی انواع سے سوال کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اون کو ایسے اعمال بتلا دیں جن کا ثواب صدقہ کی برابر ہو۔ سو ظاہر ہے کہ حاجتمند پریشان کی مدد میں ثواب زیادہ ہے اگر حاجتمند نہ ہو تو ثواب کم ہے اور حاجتمند ہو پریشان نہ ہو جب بھی اوس قدر ثواب نہ ہو گا جتنا حاجتمند پریشان کی

Marfat.com

مددطلب ہے پس اس صفت کے زیادہ ہونے سے مدد کا ثواب اس قدر ہوگیا کہ صدقہ فوت ہونے کی تلافی ہوجائے گی"۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں مدد سے مراد مالی امداد نہیں کیونکہ یہ عمل اوس شخص کے واسطے بتلایا گیا ہے جو صدقہ مالیہ سے بالکل عاجز ہے مدد سے یہاں مراد یہ ہے کہ پریشان آدمی کو پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتلادیا جائے اگرچہ اپنے پاس سے کچھ نہ دو مثلاً اوس سے یوں کہدو کہ میں تم کو ایک صورت بتلاتا ہوں جس سے یہ پریشانی دور ہوجائے گی اتنا کہنے ہی سے پریشان آدمی کو اس درجہ خوشی ہوگی کہ صدقہ لینے سے نہ ہوتی، مثلاً ایک آدمی راستہ بھول گیا ہے تم اوس سے کہو کہ آؤ میں تم کو اوس جگہ پہونچادوں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو یقیناً گم کردہ راہ کو تمہاری اس بات سے بیحد خوشی ہوگی، یا کسی پر مقدمہ قائم ہوگیا ہے تم اوس سے کہو کہ میں تم کو فلاں رئیس کے پاس پہونچائے دیتا ہوں وہ تمہاری سفارش حاکم سے کردے گا۔ خود سوچ لو کہ اتنا کہنے سے پریشان آدمی کو کس قدر تسلی ہوگی یا کسی کا کوئی عزیز قریب مرگیا ہو اور وہ اوس کے غم میں پریشان ہو تم اوس کی تسلی و تعزیت کے لئے ادہر ادہر کی باتیں کرنے لگو اور ادس کا غم غلط کردو تو اوس کو کس قدر راحت ہوگی"۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی مالی امداد نہ کرسکے وہ ان طریقوں سے کسی پریشان آدمی کی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام کرے تو اوس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندہلوی رئیس الاتقیا تھے ایک دفعہ آپ پیادہ سفر کر رہے تھے اور عادت اکثر پیادہ سفر کرنے کی تھی راستہ میں ایک بوڑھے کو دیکھا سر پر لکڑیاں لادے ہوئے جارہا ہے اور بوجھ کی وجہ سے سانس پھول رہی ہے آپ آگے بڑھے اور دس سے کہا بھائی تم تھک گئے ہو لاؤ کچھ دور تک میں یہ بوجھ لے لوں اوس نے مقدس صورت دیکھ کر کہا کہ تم بھی تو بوڑھے ہو مجھ سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے فرمایا ہاں ٹھیک ہے مگر میں خالی ہاتھ سفر کر رہا ہوں اس لئے تم سے زیادہ تھکا ہوا نہیں اوس نے کہا مگر تمہاری صورت شریفانہ ہے تم نے بوجھ اٹھانے کا کام کب کیا ہوگا فرمایا نہیں بھائی کام تو سب ہی کو کرنا پڑجاتا ہے غرض بہت اصرار کی ساتھ اوس سے لکڑیوں کا بوجھ لے کر اوس کے گانوں تک پہونچادیا۔ اوس کا گانوں ایک یا دو میل کے فاصلہ پر تھا راستہ میں باتیں ہونے لگیں تو وہ بوڑھا پوچھتا ہے کہ میاں تم مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی جانتے ہو جو کاندہلہ میں رہتے ہیں فرمایا ہاں جانتا ہوں

Marfat.com

کہا مجھے اون سے ملنے کا بہت ہی شوق ہے نہ معلوم وہ آجکل کاندھلہ ہیں یا کہیں باہر ہیں جب اوسکا گاؤں آگیا اور اوس نے آپکے سر پہ سے بوجھ اُتار لیا اوس وقت فرمایا کہ بھائی مظفر حسین تو میرا ہی نام ہے کاندھلہ رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں لوگ مولوی مظفر حسین بھی کہدیتے ہیں یہ سُنکر بوڑھا پیروں میں گر پڑا کہ حضرت یہ آپنے کیا کیا فرمایا کیا حرج ہے مسلمان مسلمان کے کام آہی جاتا ہے۔ یہ بھی حاجتمند پریشان کی مدد کی ایک صورت ہے اور تم سوچوگے تو اور بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ اپنے حاجتمند پریشان بھائیوں کی پریشانی دور کرنے کی تدبیریں سوچا کریں اور اون کی مدد کیا کریں اگر سب مسلمانوں میں بھی ایک وصف پیدا ہو جائے تو اون کے دن پھر جائیں اور یہ صورت حال بدل جائے جو اس وقت اون پہ وبال کی طرح مسلط ہے جس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہر شخص کو اپنی فکر ہے دوسروں کی فکر نہیں ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہے اپنی ذاتی منفعت کو قوم کی منفعت پر مقدم کرتا ہے جب تک کسی قوم میں یہ مرض موجود ہے وہ کبھی دنیا میں عزت وراحت حاصل نہیں کرسکتی۔

دوسروں کو پریشان کرنا گناہ ہے اور خود کو پریشان کرنا ثواب ہے۔

(۱۷۹) اس جگہ ایک بات پر تنبیہ (ضروری) ہے وہ یہ کہ شریعت کی حکمت میں غور کرو۔ کہ دوسروں کو راحت پہونچانا اور اون کا دل خوش کرنا تو ثواب ہے جبکہ اللہ کے واسطے ایسا کیا جائے اور دوسروں کو ضرر پہونچانا اور پریشان کرنا گناہ ہے مگر خود اپنے نفس کو پریشان کرنا اوس کو مجاہدہ (اور مشقت میں ڈالنا ثواب ہے جبکہ اللہ کے واسطے کیا جائے۔ چنانچہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے (بطور وصیت کے) فرمایا تھا وزعزع بالخوف قلبك فان ذلك مما یرضی ربك اپنے دل کو خوف سے جھڑجھڑاتے رہو کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ غور کرو اس میں کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ حکیم کوئی کام بدون حکمت کے نہیں کرتا (تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہے) چنانچہ اس کی حکمت ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی۔ وہ یہ کہ (واللہ اعلم) اگر تم اپنے آپ کو خوش کروگے اگرچہ یہ دعوی بھی کرو کہ اللہ کے واسطے ایسا کر رہے ہو جب بھی نفس کے دسیسہ (اور مخفی کید) سے بہت کم سالم رہوگے کیونکہ اس میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے (اور جس عمل میں حظ نفس شامل

Marfat.com

ہو اوس کا اللہ کے واسطے ہونا بہت دشوار ہے اس لئے اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب نہیں بلکہ
اوس کو مجاہدہ و مشقت میں ڈالنا ثواب قرار دیا گیا) اور یہ سد ذریعہ کی جنس سے ہے جو کہ شریعت کا قاعدہ
کلیہ ہے (کہ جو چیز کسی وقت شر کا ذریعہ بننے لگے اوس کو شروع ہی سے روکدیا جاتا ہے یہ نہیں کہ ذریعہ
بننے کے وقت تو منع کیا جائے اور پہلے جائز رکھا جائے) اس کی ایسی مثال ہے کہ حق تعالیٰ نے مکہ کو
خشک رکھا کہ وہاں کھیتی نہیں ہوتی اور وہاں تک پہونچنا بھی مشقت سے خالی نہیں تاکہ وہاں
جانا اور قیام کرنا خالص اللہ کے واسطے ہو کیونکہ اوس میں (بظاہر) کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس (کی
لذت اور حظ) کے مناسب ہو۔ اور اگر برعکس معاملہ ہوتا کہ مکہ سرسبزی اور شادابی اور
(کثرت) فواکہ میں دمشق جیسا ہوتا تو وہاں جانا اور قیام کرنا خالص عبادت کے لئے نہ ہوتا
کیونکہ اوس کی سرسبزی میں حظ نفس اور تفریح بھی شامل ہو جاتی (اسی طرح یہاں سمجھو کہ اپنے
نفس کو خوش کرنے میں چونکہ حظ نفس کی بھی آمیزش ہے اس لئے اوس میں ثواب نہیں بلکہ
دوسروں کو خوش کرنے میں ثواب ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ غیروں کو خوش کرنا اگر خالص اللہ ۲۸۲
کے واسطے ہو تو اس میں نفس کو کچھ نہ کچھ تعب ضرور ہوتا ہے کم از کم یہی بات ہے کہ ہر شخص
کا دل ہر قسم کی بھلائی کو اپنے واسطے جمع کرنا چاہتا ہے اب اگر دوسرے کے لئے ایثار کریگا
(اور اوس کو کچھ بھلائی دینا چاہیگا) تو دل پر تعب ہوگا اور یہ (دل کا تعب ظاہر کے تعب سے)
زیادہ گراں ہے تو (اس صورت میں) عبادت خالص اللہ کے واسطے ہوگی اور عبادت
کی جڑ اخلاص ہی تو ہے حق تعالےٰ فرماتے ہیں مخلصین لہ الدین کہ اللہ کے لئے اخلاص
کی ساتھ عبادت کا امر کیا گیا ہے) تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے اسباب
بھی بتلادیئے تاکہ اس کی برکت سے بندہ کو اللہ کی طرف سے مدد پہونچے اسی لئے یمن بن ارق
رحمہ اللہ نے جو دونوں جماعتوں کے بڑے ہیں (علماء کے بھی صوفیہ کے بھی) فرمایا ہے کہ میں نے
عبادت کے معاملہ میں سفر کی غربت (یعنی گھر چھوڑنے) سے زیادہ کسی چیز کو اوس میں معین
نہیں پایا کیونکہ وطن اور اہل و عیال اور ہمسایوں کے پاس رہنے میں نفس کو بہت سے موانع
(اور حظوظ نفسانیہ) پیش آتے ہیں (جو خالص اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے ہیں) ایک
بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر وطن سے دور رہنے میں میرے دین کی اصلاح ہو تو اللہ تعالیٰ وطن اوس

Marfat.com

اہل وعیال اکے پاس رکھ کر) اپنے سے مجھے متوحش نہ کرے جبکہ میری ہمت (اور توجہ) اللہ سے وابستہ ہے اور میرا ارادہ اپنے دین کی درستی کا ہے۔" قولہ وھنا تنبیہ وھو النظر الی حکمۃ الشرع الی قولہ وعزمی فی اصلاح دینی۔"

ف - یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون - آپ ان سے کہہ دیجئے کہ (جب قرآن ایسی چیز ہے پس ان) لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے (اور اس کو دولت عظیمہ سمجھ کر لینا چاہئے) وہ اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں۔ اس آیت میں نعمت قرآن سے خوش ہونے کا امر ہے اور جس بات کا امر ہو اس کے بجالانے میں ثواب یقینی ہے تو اپنے نفس کو خوش کرنے میں بھی ثواب ہوا۔ نیز ایک حدیث میں ہے اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمن جب تم کو اپنے نیک عمل سے خوشی ہو اور
۲۸۳ برے کام سے رنج ہو تو تم مؤمن ہو۔ اس میں نیک عمل سے خوش ہونے کو ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے۔ اور ایمان کی علامت کا مطلوب ہونا اور عمل مطلوب پر ثواب کا ہونا ظاہر ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں تو قرآن سے اور اسلام سے خوش ہونے کا امر ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے جس سے ہر مسلمان کو خوش ہونا چاہئے اور بحمد اللہ ہر مسلمان کو اس کی خوشی ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب کا وارث اور اس کے آخری پیغمبر کا امتی ہے مگر یہ خوشی وہ نہیں جس سے یہاں بحث ہو رہی ہے یہاں ایسی چیز پر خوشی مراد ہے جو اسی کی ساتھ مخصوص ہو جیسے اپنا علم وعمل وعبادت وغیرہ۔

اور حدیث میں مسرت سے مراد طبعی مسرت ہے جو بے اختیار نیک عمل سے ہوا کرتی ہے جیسے گناہ سے ایک قسم کی پریشانی اور وحشت ورنج بھی ہر مسلمان کو بے اختیار ہوتا ہے غرض حدیث میں مسرت اختیاری مراد نہیں، اور شارح کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی خاص حالت سے اپنے نفس کو قصداً خوش کرنے میں ثواب نہیں اس پر کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے کیونکہ بعض دفعہ اپنی کسی خاص حالت سے بھی اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی پر بحالت قبض حزن وغم یا خوف

Marfat.com

کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ یاس کے قریب حالت پہونچ جائے اوس وقت اللہ تعالٰی کی وہ نعمتیں جو خاص اپنے اوپر ہیں سوچ کر دل کو خوش کرنا اور یاس کو دور کر کے رجا کی کیفیت پیدا کرنا ثواب ہے کیونکہ خدا کی رحمت سے یاس اور نا امیدی کفر ہے اور رجا ایمان ہے تو جو خوشی کفر سے بچا کر ایمان کی طرف لائے یقیناً اوس میں ثواب ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی کی محبت دل میں غالب کرنے کے لئے اللہ تعالٰی کی اون نعمتوں کو جو اپنے ساتھ مخصوص ہیں سوچنا اور اون سے خوش ہونا ثواب ہے کیونکہ یہ خوشی غلبۂ محبت الٰہی کا ذریعہ بن رہی ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے یہی وہ احوال ہیں جن کے لئے شیخ محقق سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے وہی سمجھ سکتا ہے کہ کس کے لئے اپنے دل کو خوش کرنا ثواب ہے اور کس کے لئے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا ثواب ہے۔

ف۔ اوپر کہا گیا ہے کہ مکہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس (کی لذت اور حظ) کے مناسب ہو۔
میں نے یہاں "بظاہر" کی قید اسلئے بڑھا دی ہے کہ باطن میں جمال کعبہ معظمہ اس قدر کشش اور دلربائی ٢٨٤
کی شان رکھتا ہے کہ جب مؤمن کی اوس پر پہلی بار نظر پڑتی ہے تو سفر کا تمام تکان جاتا رہتا ہے اور اون تمام مشقتوں کو بھول جاتا ہے جو وہاں پہونچنے تک پیش آئی تھیں، کچھ نہ پوچھئے کہ پہلی نظر سے دل میں کس قدر ٹھنڈک اور انشراح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں، بلا تشبیہ کعبہ معظمہ دنیا میں جنت ہے جس طرح جنت میں قدم رکھتے ہی انسان اون تمام مشقتوں کو بھول جائے گا جو جنت تک پہونچنے میں برداشت کی تھیں اور بیساختہ کہے گا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور، یہی حال کعبہ معظمہ کو پہلی بار دیکھ کر ہوتا ہے، اور اس کا احساس جس طرح مؤمن کے دل کو ہوتا ہے کفار کے دلوں کو بھی ہوتا ہے بشرطیکہ دل میں کچھ احساس نیک و بد کا باقی ہو۔ غلبۂ مادیت سے بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو۔ کعبہ معظمہ میں علاوہ انوار باطنیہ کے ظاہری اعجاز بھی ایسا ہے جس سے مؤمن کا ایمان کامل ہوتا اور کافر کو ایمان کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے اگر وہ انصاف سے کام لے، ایک یہ کہ کعبہ معظمہ کی حرمت کی وجہ سے چاروں طرف کچھ دور تک مخصوص قطعہ کو زمین حرم قرار دیا گیا ہے جس میں شکار کرنا ممنوع اور درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے تم دیکھو گے کہ اس زمین حرم میں بھیڑیا اور

Marfat.com

اور بکری ساتھ ساتھ چلتے ہیں نہ بکری بھیڑیئے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اوس پر حملہ کرتا ہے۔ زمین حرم سے باہر نکلتے ہی پھر بکری بھیڑیئے کا شکار ہے، نیز تم دیکھوگے کہ ہزاروں پرند کعبہ کا چکر کاٹ کر نکلتے ہیں اوس کے اوپر سے کوئی نہیں جاتا۔ دوسرے تم منیٰ میں دیکھوگے کہ تین پتھروں پر تین دن تک کنکریاں ماری جاتی ہیں اور یہ سلسلہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے ممکن ہے اوس وقت حجاج کی شمار کم رہتا ہو مگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج وداع کے بعد سے تو آج تک حجاج کی شمار ہر سال لاکھ دو لاکھ سے کم نہیں ہوتی اب سوچو کہ جن مقامات پہ ہزاروں برس سے اس قدر بے شمار کنکریاں پڑتی چلی آتی ہیں وہاں تو ان کنکریوں سے پہاڑ بن جاتا مگر مشاہدہ ہے کہ شام تک کنکریوں کا جس قدر انبار عظیم نظر آتا ہے صبح کو اوس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا تھوڑی سی معدودے چند کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں باقی سب غائب ہو جاتی ہیں شاید تم کہو کہ حکومت نے اون کے اٹھوانے کا انتظام کیا ہوگا۔

ہرگز نہیں کسی کا دل چاہے تو رات دن پہرہ دیکھ لے اوس کو خود معلوم ہو جائیگا کہ حکومت کی طرف سے اون کے اٹھوانے کا کوئی بندوبست نہیں پھر یہ کنکریاں کہاں چلی جاتی ہیں؟ حدیث میں آتا ہے کہ جو قبول ہو جاتی ہیں اون کو فرشتے اٹھالیتے (اور جنت میں پہونچا دیتے) ہیں[۵۵] اور جو قبول نہیں ہوتیں وہ یہیں رہ جاتی ہیں، یہ زندہ معجزہ ہے جو زمانہ رسالت سے اب تک باقی ہے اور جب تک خانہ کعبہ کا حج ہوتا رہے گا باقی رہے گا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ف ۔ اوپر امام یمن بن رزق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مذکور ہوا ہے کہ اصلاح حال اور عبادت کے معاملہ میں غربت یعنی گھر چھوڑنے سے زیادہ اونھوں نے کسی چیز کو معاون نہیں پایا یہی وہ چیز ہے جس پر اس زمانہ میں ہمارے محترم بزرگ اور مخلص دوست مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زور دیا کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ اپنے گھر پہ رہ کر پوری اصلاح نہیں

ع۵۵ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بحمد اللہ حجاج میں ہر زمانہ میں مقبول زیادہ ہوتے ہیں مردود بہت کم، بس وہ جو بمبئی سے ہر سال کسی شیخ احمد خادم روضہ نبوی کے نام سے ایک اشتہار شائع ہوتا ہے وہ بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے مدینہ میں کوئی بھی شیخ احمد خادم روضہ نبوی نہیں ہے نہ معلوم یہ کس ملحد کی حرکت ہے جو ہر سال جھوٹا اشتہار شائع کرتا رہتا ہے مسلمانوں کو اوس پر ہرگز توجہ نہ کرنا چاہیئے اور جس کو بھی وہ اشتہار ملے فوراً جلا دینا چاہیئے ۱۲-ظ

Marfat.com

ہوتی لوگوں کو دین کے واسطے گھر چھوڑنے کی عادت کرنا چاہئے کیونکہ گھر پر کچھ ایسے مشاغل مکان اور دکان اور تعلقات کے لگے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پوری طرح انسان کا دل دین کے واسطے فارغ نہیں ہوتا باہر وہ مشاغل اور موانع نہیں ہوتے تو جتنا وقت دین کے واسطے باہر نکل کر دیا جائے گا اوس میں دل کی توجہ کامل ہوگی اور قلب دین کے واسطے فارغ ہوگا اسی لئے مولانا اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ گھر سے نکلو اور ایک چلّہ یا دو چلّہ یا جتنا وقت بھی سہولت سے دیا جا سکے گھر سے باہر نکل کر دین کے واسطے دو اور اس تمام وقت کو اس طرح تقسیم کرو کہ کوئی لمحہ بھی بیکار ضائع نہ ہو۔ کچھ دیر تعلیم دین حاصل کرو۔ کچھ دیر ذکر اللہ میں مشغول رہو کچھ وقت تبلیغ میں صرف کرو کہ ناواقف مسلمانوں کو کلمۂ اسلام اور اوسکے معنی بتلاؤ۔ بے نمازیوں کو نرمی اور شفقت سے نمازی بنانے کی کوشش کرو۔ کچھ دیر تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہو غرض یہ سارا زمانہ غربت کا ایسا گذارو کہ چند دنوں کے لئے حضرات صحابہ کا نمونہ بن جاؤ۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے طریقۂ تبلیغ سے فریضۂ تبلیغ بھی ادا ہوتا ہے اور خود اپنے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ اون اصول پر پوری طرح عمل کیا جائے جو مولانا نے بتلائے ہیں ولمثل ھذا فلیعمل العاملون۔ ۲۵۶

(۱۰۵) اس حدیث سے بعض اصولیین کا رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ترک عمل پر ثواب نہیں ہوتا۔ (صرف عمل پر ثواب ہوتا ہے یعنی بُرے کام کے چھوڑنے پر ثواب نہیں) کیونکہ وہ عمل نہیں (بلکہ عدم عمل ہے) یہ لوگ راستہ سے چوک گئے اور گمراہی میں بہت دور پہونچ گئے وہ محض اپنی عقل سے ثواب (کا قاعدہ) مقرر کرنا چاہتے ہیں کتاب اور سنت کو نہیں دیکھتے، چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے، ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (ان کافروں سے کہدو کہ) اگر وہ (کفر سے) باز آجاتینگے تو اون کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور باز رہنا ترک عمل ہی تو ہے اس میں کچھ شک نہیں (مگر اس میں ایک اشکال ہے جو بضمن فوائد مذکور ہوگا) اور حدیث (ایک دو نہیں اور بھی بہت ہیں منجملہ اون کے) ایک تو یہی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے ولیمسک عن الشر فانہا لہ صدقۃ اور شر سے بچتا رہے کہ یہ بھی اوس کے لئے صدقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نیک اعمال کو فلیعمل بالمعروف میں جمع فرما دیا ہے (کہ نیک اعمال کرتا رہے) اور جملہ اقسام شر کو اسی لفظ میں جمع فرما دیا ہے ولیمسک عن الشر

ترک عمل پر بھی ثواب ملتا ہے جبکہ بہ نیت ثواب ہو

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک اعمال میں سے کوئی سا عمل کرے یا بُرے اعمال میں سے کسی عمل کو ترک
کرے ہر صورت میں اوس کے لیئے صدقہ (کا ثواب) ہے۔ یہاں تمہارے دل میں یہ کھٹک نہ ہونی
چاہیئے کہ صدقہ (کا ثواب) مجموعہ پر ہوگا یعنی نیک عمل کرنے کے ساتھ بُرے عمل کے چھوڑنے پر
ثواب ہوگا تنہا بُرے عمل کے چھوڑنے پر نہ ہوگا) کیونکہ الفاظ حدیث اس مفہوم کو ادا نہیں کرتے اور
یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے اون کا قول ہے کہ نیکی اوس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک
بُرے عمل کو نہ چھوڑا جائے۔ جمہور امت (کا قول) اسکے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فمن
یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جو ذرہ برابر نیکی
کرے گا اوس کو بھی دیکھ لے گا یعنی اوس کی جزا پائے گا) اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اوس کو بھی
دیکھ لے گا (اب اگر نیک عمل کی جزا بُرے اعمال کے چھوڑنے پر موقوف ہو تو لازم آئے گا کہ ذرہ برابر
نیکی کچھ کام نہ آئے گی حالانکہ یہ نص کے خلاف ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث
میں فرماتے ہیں اتق محارم اللہ تکن اعبد الناس اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچتا ۲۸۷
رہ تو سب سے بڑا عابد بن جائے گا (اس میں بھی عمل خیر کی شرط نہیں صرف عمل شر سے بچنے پر بشارت
دی گئی ہے) اور آیات و احادیث اس باب میں بہت ہیں تو سبحان اللہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے
کس قدر محروم ہو گئے۔ "قولہ وفیہ رد علی بعض الاصولیین الی قولہ فسبحان من حرم
طریق الرشاد"
ف۔ میں نے اس مسئلہ کو مسائل تصوف میں اسلیئے داخل کر دیا کہ صوفیہ نے اس سے اپنی کتابوں
میں بحث کی ہے اگرچہ یہ مقاصد میں سے نہیں۔ مگر مسئلہ مشکل ہے جس میں علماء امت نے بحث
کی ہے اور ممکن ہے آجکل بھی اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والے اس کو مشکل سمجھ رہے ہوں اسلیئے
جی چاہا کہ اپنی بساط کے موافق اس کو حل کر دو کیا عجب ہے کسی کو فائدہ پہونچ جائے۔ اب سُنیئے
حضرت شارح نے اس حدیث سے اون اصولیین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک فعل
پر ثواب نہیں ہوتا۔ میں نہیں معلوم کر سکا کہ یہ اصولیین کون ہیں کیونکہ اصول حنفیہ میں یہ قول کسی کی
طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری کُتُب اصول میں ثواب و عقاب سے اس مسئلہ میں بحث
ہی نہیں کی گئی اصل بحث صرف یہ ہے کہ انسان اوامر شرعیہ میں تو بالاتفاق فعل کا مکلف ہے

Marfat.com

یعنی جس بات کا شریعت میں امر ہے انسان اوس کے کرنے کا مکلف ہے لیکن جن اشیاء سے منع کیا گیا ہے جن کو نواہی کہتے ہیں وہاں فعل کا مکلف ہے یا عدم فعل کا؟ اصولیین کہتے ہیں کہ وہاں بھی فعل کا یعنی نفس کو گناہ سے روکنے کا مکلف ہے اور یہ فعل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ منہیات میں فعل کا مکلف نہیں بلکہ عدم فعل کا مکلف ہے کہ وہ کام وجود میں نہ آئے خواہ نفس کو روکنے کی وجہ سے وجود میں نہ آئے یا اسلئے کہ اس کا ارادہ عدم کی ساتھ متعلق ہوا اصولیین فرماتے ہیں کہ ارادہ اور مشیت کا تعلق عدم سے نہیں ہو سکتا پس اگرچہ شریعت کا مقصود تو یہی ہے کہ فعل ممنوع وجود میں نہ آئے مگر خود عدم کوئی شئے نہیں جس سے مشیت کا تعلق ہو سکے اسلئے ضرور ہے کہ منہیات میں انسان کو کف النفس کا یعنی نفس کو روکنے کا مکلف کہا جائے تاکہ اوس سے مشیت متعلق ہو سکے اور اسی طرح قدرت کے تحت میں آسکے نفس عدم سے تو نہ مشیت متعلق ہو سکتی ہے نہ وہ قدرت کے تحت میں آسکتا ہے اوس کا مکلف کیونکر کہا جائے گا؟ معتزلہ کسی دلیل سے یہ تو ثابت نہیں کرسکے کہ عدم فعل قدرت کے
تحت میں آسکتا ہے اونھوں نے اصولیین پر یہ اعتراض کر دیا کہ تمہارے قول پر لازم آتا ہے کہ اگر ۲۸۸
کسی شخص کو فعل حرام کی طرف میلان ہی نہ ہو جیسا حضرت صدیق سے منقول ہے کہ میرے دل نے شراب کو کبھی نہیں چاہا نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں تو اون کو کچھ فضیلت حاصل نہ ہو کیونکہ کف النفس نہیں پایا گیا نفس کو روکنا تو اوسی وقت ہو سکتا ہے جب خواہش ہو اصولیین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں گو کف النفس نہیں پایا گیا مگر اوس سے اعلیٰ درجہ عصمت کا موجود ہے جو کف النفس سے بھی افضل ہے ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا ارتکاب اس لئے نہیں کیا کہ اوس کو حرام کا خیال ہی نہیں آیا تو چاہئے کہ وہ گنہ گار ہو کیونکہ اوس نے نفس کو روکا نہیں جواب یہ ہے کہ جب تک اوس کو حرام کا خیال نہ آئے وہ کف النفس کا مکلف ہی نہیں تو گنہ گار کیوں ہو جب خیال آوے اوس وقت نفس کو روکنے کا مکلف ہے ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو زنا کی طرف میلان ہوا اور اوس نے نفس کو میلان سے نہ روکا مگر زنا کیا بھی نہیں تو اس کو گنہ گار ہونا چاہئے حالانکہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے ارادہ پر تو ثواب لکھا جاتا ہے عمل ہو یا نہ ہو مگر سیئہ کے ارادہ پر گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک عمل نہ ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ سے اوس کو گنہ گار ہونا چاہئے مگر حدیث کی وجہ سے ہم اوس کو گنہ گار نہیں کہتے یہ اللہ تعالےٰ کی

Marfat.com

رحمت ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ارادہ سے مراد قصد جازم نہیں بلکہ حدیث النفس ہے کہ دل میں خیال آیا مگر ابھی پختہ نہیں ہوتے دیا خیال ہی کے درجہ میں رکھا تو یہ معاف ہے کیونکہ اسکا روکنا دشوار ہے الا من عصمہ اللہ اور اگر قصد جازم ہوگیا تو اب اگر گناہ کا صدور اس لئے نہیں ہوا کہ اس نے خدا کے خوف سے نفس کو روک دیا تو یہاں کف النفس موجود ہے وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر اس لئے صدور نہ ہوا کہ کوئی مانع حسی پیش آگیا مثلاً عورت راضی نہ ہوئی یا تنہائی کا موقعہ نہ ملا یا اور کوئی سبب پیش آگیا اس صورت میں یہ گنہگار ہے کیونکہ اس نے نفس کو گناہ سے نہیں روکا اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اصولیین نے ثواب وعقاب سے بحث نہیں کی وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح اوامر میں انسان فعل کا مکلف ہے اسی طرح نواہی میں بھی فعل کا یعنی کف النفس اور ترک کا مکلف ہے عدم فعل کا مکلف نہیں ثواب وعقاب سے معتزلہ نے اپنے اعتراضات میں بحث کی ہے اوس کا جواب اصولیین نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ترک بالقصد پر ثواب کے قائل ہیں ترک بلاقصد پر ثواب کے قائل نہیں اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کاملین گناہوں کو بالقصد نہیں چھوڑتے بلکہ اسلیئے ۲۸۹
چھوڑتے ہیں کہ اون کو معاصی سے نفرت ہے اون کو گناہ کا خیال ہی نہیں آتا تو اصولیین کے قول پر لازم آتا ہے کہ ان حضرات کاملین سے وہ لوگ افضل ہوں جن کو گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے پھر نفس کو روکتے ہیں اور غالباً یہی اشکال حضرت شارح کو پیش آیا ہے اوسکا جواب اصولیین نے یہ دیا ہے کہ ان کاملین کو کف النفس سے بڑھ کر دوسری فضیلت عصمت کی حاصل ہے اس لئے ناقصین اون سے افضل نہیں ہو سکتے اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہوجائے کہ ترک بلاقصد پر مطلقاً ثواب ملتا ہے تو اصولیین اس کے قائل ہوجائیں گے مگر ابھی تک کسی نص سے اسکا ثبوت نہیں ملا اور حضرت شارح نے جس قدر دلائل بیان کئے ہیں اون میں کسی دلیل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ترک بلاقصد پر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف میں کفار کو خطاب ہوا ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے اون کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائینگے یہاں یقیناً کفر سے باز آنے کا مطلب قبول اسلام ہے اور وہ اوسی وقت معتبر ہے جب بالقصد ہو بلاقصد ہرگز معتبر نہیں اور اگر کوئی کافر صرف کفر سے باز آجائے اسلام قبول نہ کرے اوس کے لئے ہرگز وعدۂ مغفرت نہیں اور یہ صورت محض فرضی ہے کیونکہ بدون قبول اسلام کے کفر سے باز

Marfat.com

آنے کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا، بہر حال یہاں ترک کفر بالقصد اور قبول اسلام بالاختیار مراد ہے بلا قصد ترک کفر اور بالاضطرار قبول اسلام پر مغفرت مرتب نہیں ہوتی"۔ اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اوس میں بھی ولیمسک عن الشر سے قصد و اختیار کے ساتھ گناہوں کا چھوڑنا مراد ہے بلا قصد چھوڑنا مراد نہیں کیونکہ لفظ امساک متعدی ہے جس کے وہی معنی ہیں جو کف النفس کے معنی ہیں اور اوس پر اصولیین ثواب کے قائل ہیں اسی طرح اتقی محارم اللہ میں بھی اتقاء متعدی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ارادہ و اختیار سے محارم اللہ کو چھوڑ دے۔ اسکا حاصل بھی وہی کف النفس ہے، البتہ ایک حدیث بظاہر اہل اصول کے خلاف ہے وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی بضع احدکم لصدقۃ قالوا یا رسول اللہ ھل فی بضع احدنا صدقۃ قال نعم ارأیتم لو جعلھا فی حرام کان علیہ وزر قالوا نعم قال فکذلک او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ یہ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے (جبکہ بیوی یا شرعی باندی سے ۲۴۰
مشغول ہو) صحابہ نے اس پر تعجب کیا کہ یا رسول اللہ کیا شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے فرمایا بتلاؤ اگر وہ حرام جگہ میں اس کو استعمال کرتا تو اوس پر گناہ ہوتا؟ عرض کیا ہاں گناہ ہوتا فرمایا تو ایسے ہی (جب حلال جگہ استعمال کیا ثواب بھی ہوگا) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جانے میں اس لئے ثواب ملا کہ حرام جگہ سے باز رہا تو حرام سے بچنے میں مطلقاً ثواب ہوا خواہ اس قصد سے بیوی کے پاس گیا ہو یا نہ گیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب ہے اور حرام جگہ جانے میں گناہ ہے" پھر اس کی وجہ بتلا دی گئی کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب اس لئے ہے کہ وہ زنا سے بچنے کا سبب ہے اور جو عمل کسی حرام سے بچنے کا ذریعہ ہو اوس میں ثواب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تو عمل پر ثواب ہے نہ کہ محض ترک عمل بلا قصد پر" تفصیل اس کی یہ ہے کہ بیوی کا دیانۃً حق ہے کہ مرد گاہے گاہے اوس سے ہمبستری کرے تاکہ اوس کی عفت و عصمت محفوظ رہے اسی طرح خود اپنے کو حرام سے بچانے کے لئے بھی قضاء شہوت ضروری ہے، تو چونکہ بیوی کے پاس جانے میں اوس کی اور اپنی عفت کی حفاظت بھی ہے اور بیوی

Marfat.com

کے حق کی ادائگی بھی ہے اسلیئے ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثواب عمل پر ہے محض ترک حرام بلاقصد پر نہیں اور یہی حکم باندی کے پاس جانے کا ہے جبکہ شرعی باندی ہو کیونکہ اوس کی عفت کی حفاظت بھی مولیٰ پر واجب ہے"۔

یہ تو اصولیین حنفیہ کا مذہب ہے اصولیین مالکیہ کا مذہب مجھے معلوم نہیں کہ وہ مطلقاً ترک عمل پر ثواب کا انکار کرتے ہیں یا ترک بلاقصد پر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعضے مطلقاً ترک پر ثواب کے منکر ہیں جیسا حضرت شارح کے بیان سے واضح ہوتا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ گناہ کو بالقصد ترک کرنا اور اوس سے بچنا عین تقویٰ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی ۵ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش (نفسانی) سے روکتا رہا تو اوس کا ٹھکانا جنت ہے، اس میں ترک ہوی پر وعدۂ ثواب کی تصریح ہے" اور یہ حدیث جس کی شرح کی جارہی ہے
صراحۃً اس پر دلالت کررہی ہے کہ برے کاموں سے رکنا صدقہ ہے اس سے پہلے ایک حدیث ۲۹۱
گذر چکی ہے جس میں سات شخصوں کے لئے قیامت میں سایۂ عرش کی بشارت ہے جن میں ایک وہ شخص بھی ہے جس کو کسی خوبصورت معزز عورت نے اپنی طرف بلایا اور وہ یہ کہکر رک گیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں یہاں بھی ترک پر ثواب کا وعدہ ہے اسی طرح حدیث غار میں بھی یہی مضمون ہے جو پہلے گذر چکی پس یہ کہنا کہ ترک پر مطلقاً ثواب نہیں سراسر نصوص کے خلاف ہے البتہ ترک بلاقصد پر ثواب کی تصریح کسی روایت میں نظر سے نہیں گذری اگر کوئی صحیح روایت اس مضمون میں صریح ہو تو وہ اصولیین کے قول سے مقدم اور راجح ہوگی کیونکہ اس باب میں قیاس کوئی چیز نہیں اس کا مدار محض نصوص پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم ورحم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سب مسلمانوں کی حسنات کو سیئات پر غالب کردیں فانہ بہم رؤف رحیم۔ اوپر معاصی سے غفلت کے متعلق ایک سوال وجواب مذکور ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص معاصی سے غافل ہو اوس کو گناہ نہیں کیونکہ غفلت کی حالت میں وہ کف النفس کا مکلف نہیں اس پر سوال یہ ہے کہ اوس کو ثواب بھی ہے یا نہیں اصولیین کے جواب میں ثواب سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ میرے نزدیک اس میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دیکھنا چاہیئے کہ معاصی سے غفلت کا منشاء

Marfat.com

کیا ہے؟ اگر منشار طاعات وحسنات میں انہماک ہے تو اس غفلت پر ثواب ملے گا کیونکہ اس غفلت کو اللہ تعالٰی نے مدح و ثنار کے موقع پر بیان فرمایا ہے ان الذین یرمون المحصنٰت الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ (جو لوگ پاکدامن غافل بے خبر مؤمن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں اون پر دُنیا و آخرت میں لعنت ہے) یہاں غافلات کا یہی مطلب ہے کہ وہ بُرے کاموں کو جانتی ہی نہیں ہیں بس اپنے دینی مشاغل اور گھر کے کام کاج میں لگی رہتی ہیں" اور اگر غفلت کا منشاء دنیا میں انہماک ہے کہ اس کو اپنی تجارت یا ملازمت کے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی جو گناہوں کی طرف التفات ہو تو اگر تجارت یا ملازمت وغیرہ موافق شریعت ہو اور فرائض و واجبات میں اوس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتی ہو تو اوس میں بھی ایسا انہماک جو معاصی سے روک دے محمود ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ان اللہ یبغض الرجل البطال اللہ تعالٰی بیکار آدمی سے نفرت کرتے ہیں (کیونکہ بیکاری ہی میں گناہوں کی فرصت ملتی ہے) جب بیکاری ناپسند ہے تو کام میں لگا رہنا اللہ تعالٰی کو پسند ہے اور جو چیز اون کو پسند ہو اوس پر ثواب ضرور ہے گو اوس قدر نہ ہو جس قدر طاعات وحسنات میں مشغول رہنے سے ملتا اور اگر مسلمان کسب معاش میں بھی اپنی نیت درست کرے کہ اہل وعیال کا حق ادا کرنے اور فقرار کی امداد کرنے اور دین کی خدمت کرنے کے واسطے دنیا کمائے[ع] تو وہ بھی حسنات میں داخل ہو جائے گی مگر یہ نیت صرف لفظوں سے نہیں ہوتی بلکہ سچے ارادہ سے ہوتی ہے" اور اگر یہ غفلت کسی مکروہ میں انہماک سے ہے جیسے شطرنج یا کھیل کود میں ایسا منہمک رہتا ہے جس کی وجہ سے او معاصی کا خیال ہی نہیں آتا تو اگر یہ انہماک فرائض و واجبات میں بھی خلل انداز ہوتا ہے تو اس غفلت میں گناہ ہے اور اگر فرائض و واجبات میں مخل نہیں ہوتا تو اس غفلت میں نہ ثواب ہے 292

ع ایک حدیث میں ہے ان من الذنوب ذنوبا لا یکفرھا الصلوٰۃ ولا الصوم ولا الحج ویکفرھا الھم فی طلب المعیشۃ الطبرانی وابونعیم صاحب الحلیۃ ولفظ المصنف فی بھجۃ النفوس لا یکفرھا الا الکد علی العیال ۱۲ منہ گناہوں میں سے بعض گناہ وہ ہیں جنکا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے اون کا کفارہ طلب معاش میں فکر سے ہوتا ہے ایک لفظ میں یہ ہے کہ اون کا کفارہ عیال کے لئے مشقت کرنے سے ہوتا ہے۔ ۱۲ ظ

Marfat.com

نہ گناہ ہاں یہ شخص اون لوگوں سے اچھا ہے جو معاصی میں منہمک رہتے ہیں، اور اگر کسی ایک گناہ میں ایسا منہمک ہے جس کی وجہ سے دوسرے گناہوں کی طرف التفات نہیں ہوتا تو یہ غفلت بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا منشا ر انہماک فی المعصیۃ ہے واللہ تعالٰی اعلم اے اللہ ہمیں ایسا بنا دے جیسا آپ چاہتے ہیں اے اللہ! ہمیں اپنے دین کی خدمت کی توفیق دے اے اللہ! ہمارے ذریعہ سے اپنی دین کو عزت اور غلبہ دے اللھم اجعلنا کما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ آمین۔

(۷۵) حدیث اخذ المال بسخاوۃ النفس

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے دیا پھر سوال کیا تو آپ نے پھر بھی مجھے دیا پھر مانگا تو پھر بھی دیا اسکے بعد ارشاد فرمایا اے حکیم یہ مال (دیکھنے میں سبز (اور دل کو) مرغوب ہے تو جو اسکو نفس کی استغناء کی ساتھ لے اسکے لئے تو مال میں برکت عطا کیجاتی ہے اور جو شخص کی طمع و حرص کی ساتھ لے اوس میں برکت نہیں دی جاتی اوس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے بعض آدمی کھاتا ہے اور اوس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور (یاد رکھو) اونچا ہاتھ جھکے ہوئے ہاتھ سے اچھا ہوتا ہے"۔

شرح۔ حدیث کا ظاہری مطلب تو یہ ہوا کہ استغنار نفس کی ساتھ جو مال ملے اوس میں برکت ہوتی ہے اور حرص و طمع سے جو کچھ لیا جاتا ہے اوس میں برکت نہیں ہوتی، حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا بھی ثبوت ہو رہا ہے کہ مانگنے والے نے بار بار مانگا اور ہر دفعہ آپ دیتے رہے۔ بار بار مانگنے سے پریشان نہیں ہوئے۔

فـ (۱۸۱) حدیث سے ثابت ہوا کہ مال حاصل کرنے (اور جمع کرنے) کے ساتھ بھی زہد ہو سکتا ہے اور زہد کے ساتھ مال حاصل کرنے پر چند فائدے مرتب ہوتے ہیں ایک تو زہد کا ثواب دوسرے دل کا چین تیسرے رزق میں برکت۔ زہد پر تو حدیث کا یہ لفظ دلالت کر رہا ہے فمن اخذہ بسخاوۃ نفس جس نے اس مال کو سخاوت نفس کے ساتھ لیا (جس کا ترجمہ ہم نے استغنا سے کیا ہے) اور (ظاہر ہے کہ) سخاوت نفس ہی تو زہد کی حقیقت ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ زہد

Marfat.com

مال کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے) رہی دل کی چین تو اس کی دلیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے
الزھد فی الدنیا یریح القلب والبدن دنیا سے بے رغبت ہونا دل کو بھی راحت دیتا ہے اور بدن کو
بھی۔ اور انسان کیلئے یہی سب سے بڑی راحت ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے کہ دل کو بھی چین ہو اور بدن کو بھی
اور برکت رزق پر حدیث کا یہ جملہ دلالت کر رہا ہے بورک لہ فیہ کہ اس کے مال میں برکت عطا کی جاتی ہے۔ اور
اس مجموعہ) پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ زہد میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی بھلائی تو یہ
اسکے مال میں برکت ہوتی ہے جس سے حریص آدمی محروم ہے وہ دنیا جمع کرنے میں رہتا ہے مگر برکت نہیں پاتا دوسرے
زاہد کو دل اور بدن دونوں کی چین حاصل ہوتی ہے جس سے اہل دنیا یکسر محروم ہیں حالانکہ دنیا میں راحت کی حقیقت
یہی ہے کہ دل اور بدن کو چین ہو) اور آخرت کی بھلائی یہ ہے کہ زہد کا ثواب ملیگا اور اس سے حساب کم ہوگا کیونکہ
زہد کی وجہ سے وہ مال کے حقوق واجبہ (زکوۃ و نفقات لازمہ) کو ادا کرتا رہے گا اور جس مال میں شبہ ہوگا اس سے
الگ رہیگا اور یہی پوری سعادت ہے (کہ قیامت میں ثواب کا مستحق ہو اور باز پرسی سے بچا رہے)۔
اور طالب دنیا کو دنیا میں بھی خسارہ ہے آخرت میں بھی۔ دنیا کا خسارہ تو یہ کہ دل اور بدن دونوں بے چین رہتے
ہیں چنانچہ حدیث میں ہے والحرص فیھا یتعب القلب والبدن دنیا کی حرص دل کو بھی تعب میں ڈالتی ہے اور
بدن کو بھی۔ اور یہ انتہا درجہ کی مصیبت اور مشقت ہے زیادہ سامان دنیا جمع کر لیے جو امید قائم کی تھی وہ پوری
نہیں ہوتی کیونکہ اسکی برکت جاتی رہتی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص دنیا کو اشراف
نفس (یعنی حرص) سے لیگا اسمیں برکت نہیں دی جاتی اور اس سے بڑھکر محرومی کیا ہوگی کہ انسان سرتاپا پریشانی و مشقت
ہی میں رہے پھر بھی جو امید قائم کی تھی وہ پوری نہ ہوئی تم اسکا مشاہدہ حسی طور پر یوں کر سکتے ہو کہ اہل دنیا کی جان
(دسترخوان) پر جا دیکھیے ہیں کھانا بہت ہوتا ہے اور کھاتے وقت (تھوڑے ہی میں) پیٹ نہیں بھرتا بلکہ بہت زیادہ کھانے سے
پیٹ بھرتا ہے اور جتنا کھایا جاتا ہے اسکی نسبت سے (بدن اور دماغ و قلب میں) طاقت کم آتی ہے اور اہل تجرد
زاہدین کا کھانا دیکھنے میں کم ہوتا ہے مگر اس سے بڑی جماعت کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جتنا کھاتے ہیں اسکی
نسبت سے ان میں توانائی اور طاقت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے، پھر اہل دنیا کو اس پریشانی اور مشقت
کے ساتھ دوسری مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ ان میں باہم حسد اور کینہ اور غیبت اور بخل بھی پیدا
ہو جاتا ہے پھر یا تو وہ بخل کی وجہ سے دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتے یا کم ادا کرتے ہیں یا اپنے حقوق
پوری طرح وصول کرنا چاہتے ہیں (کہ پائی پائی کا حساب کرتے ہیں) ان تمام مصائب اور مشکلات کے

Marfat.com

علاوہ آخرت کا خسارہ جدا رہا جس میں عذاب بھی ہے اور ذلت بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اُس سے بچائے (آمین)۔ (قولہ فیہ دلیل قد لقیح الزھد مع الاخذ الیٰ قولہ اعاذنا اللّٰہ منہ بمنّہ)

ف بعض لوگوں کے نزدیک زہد کے معنی یہ ہیں کہ مال و دولت سے بالکل کنارہ کش ہو جائے مال کو ہاتھ بھی نہ لگائے کسی کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے نہ تجارت و ملازمت اور صنعت و حرفت میں مشغول ہو یہ غلط ہے۔ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کو دل سے چھوڑ دے اور اسکی پرواہ نہ کرے کہ کس نے اسکو لیا زہد آرزو کم کرنے کا نام ہے زاہد وہ ہے جس نے اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ بعضے ظاہر میں مفلس و فقیر ہیں مگر پھر بھی خدا سے غافل ہیں اور بعضے ظاہر میں مالدار ہیں مگر انکا باطن دوامِ حضور مع اللہ سے مالا مال ہے۔ حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بتلا دیا گیا ہے کہ جو اس مال کو اشرافِ نفس یعنی حرص و طمع سے لیتا ہے وہ زاہد نہیں اور جو سخاوتِ نفس یعنی استغناء سے لیتا ہے وہ زاہد ہے گو اس کے پاس بہت کچھ ہو مگر دل اُس کی محبت سے خالی ہو اور مال سے دین کے کاموں میں مدد لیتا اور حقوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔

تصوف اور زہد کی حقیقت غیر اللہ سے منہ پھیر لینا اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور ہر حالت کی باگ تفویض و رضا کے ہاتھ میں دیدینا اور دروازہ کرم کے کھلنے کا منتظر رہنا اللہ کے فضل پر اعتماد کرنا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہنا اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ہے خوب سمجھ لو۔ آجکل کے مشائخ میں زاہد کی پہچان یہ ہے کہ جو ہر ہدیہ قبول نہ کرتا ہو بلکہ بعض کو قبول کرتا ہو بعض کو رد کر دیتا ہو جو شخص کسی کا ہدیہ رد نہ کرتا ہو سب کو قبول ہی کر لیتا ہو وہ زاہد نہیں

ف ہمنے اہل اللہ کے کھانے میں کھلی آنکھوں برکت کا مشاہدہ کیا ہے یہ حضرات بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں بعض دفعہ عین وقت پر زیادہ مہمان آگئے تو گھر میں جو کھانا موجود تھا وہی اُن کے سامنے لاکر رکھدیا اور سب کے سب اس سے سیر ہو گئے حالانکہ جب کھانا سامنے آیا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ اتنے بڑے مجمع کو یہ تھوڑا سا کھانا کیونکر کافی ہوگا مگر بسم اللہ کرکے کھانا شروع کیا تو کافی سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اہل اللہ کے یہاں کا کھانا اہل دنیا کے کھانوں سے لذیذ بھی زیادہ ہوتا ہے اور اُس سے قلب و دماغ اور جسم کو وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جو مالداروں کے مرغن قیمتی کھانوں سے نہیں ہوتی ہے

(۸۲) حدیث میں فضیلت صوفیہ کی بھی دلیل ہے جنکے طریق کی بنیاد ہی زہد پر ہے کیونکہ وہ سلوک کا پہلا دروازہ ہے اسی لئے یمین بن رزق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دل میں فقر اور غنا اندیشہ (یا فکر) ہو اور منصب یا ریاست کی طلب ہو تو تمہارا قدم دین کے راستہ میں نہیں جم سکتا یہ تو دائمی فقر (اور محرومی) کی کنجی ہے قولہ وفیہ دلیل لفضل اھل الصوفۃ الی قولہ فذالک مفتاح فقر الابد۔

Marfat.com

ف اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کہا گیا ہے کہ زاہد وہ ہے جس کا دل محبتِ منصبِ دنیوی اور طلبِ ریاست
سے پاک ہو اگر بلا طلب اور بدون محبت کوئی منصب مل جائے اور خلاف شریعت نہ ہو اسکا قبول کرلینا
خلاف زہد نہیں حضرات خلفاء راشدین سے زیادہ زاہد کون ہوگا مگر سب کے سب صاحبِ منصب خلافت تھے
اسی طرح بہت سے اولیاء کرام صنعت و حرفت والے تھے کسب حلال کیلئے اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے بعض اولیاء کرام
صاحب خانقاہ تھے مگر ان کے یہاں کثرت سے ہدایا اور نذرانے آتے تھے جنکی وجہ سے ان کا دربار شاہانہ معلوم ہوتا تھا
مگر ان کے قلوب حب دنیا سے پاک تھے جس پر انکے احوال و واقعات شاہد تھے۔

(۱۴۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ جس بات کو مخاطب نہ سمجھ سکے اُس کے سمجھانے کیلئے ایسی مثال بیان کرنا چاہیئے
جس سے وہ اچھی طرح بات سمجھ جائے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص
حرص کے ساتھ مال جمع کرتا ہے اُسکے مال میں برکت نہیں ہوتی اور اُسکا حال ایسا ہوتا ہے جیسے بعض آدمی کھاتا ہے مگر
اُسکا پیٹ نہیں بھرتا، کیونکہ عام طور سے اکثر آدمی خصوصاً اس زمانہ کے لوگ برکت کی حقیقت نہیں جانتے (انکے نزدیک
برکت یہ ہے کہ اور دیکھنے میں) کوئی شے زیادہ ہو جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرما کر جسکو
سب جانتے ہیں بتلا دیا کہ برکت ایک خاص چیز ہے جو اللہ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جو عام طور سے لوگ سمجھتے
ہیں۔ اب تم اس مثال میں غور کرو کہ کھانے سے ہر شخص کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے تاکہ بھوک کی تکلیف جاتی
رہے مگر پیٹ بھر جانا تمھارے اختیار میں نہیں یہ نعمت اللہ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح پیدا ہوتی ہے
کہ تمکو نظر بھی نہیں آتی چنانچہ بعض دفعہ آدمی بہت کھانے کے بعد بھی بھوکا رہتا ہے اس کا پیٹ نہیں بھرتا
اسی طرح استسقا کی بیماری میں بہت پانی پینے سے بھی پیاس نہیں بجھتی اسی طرح برکت بھی خدا کے
حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ کوئی محسوس چیز نہیں) اب اگر کوئی آدمی بہت کھانے کے بعد بھی بھوکا ہے
تو اس کا کھانا خسارہ ہی خسارہ ہے کیونکہ جس فائدہ کیلئے اُس نے کھایا تھا کہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی
رہے وہ حاصل نہ ہوا۔ اسی طرح مال کی ذات میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ مقصود وہ منافع ہیں جو مال کے ذریعہ سے
حاصل کئے جاتے ہیں (یعنی راحتِ قلب و بدن وغیرہ) تو اگر مال زیادہ ہوا اور یہ فوائد مقصودہ حاصل نہ ہوئے
تو ایسے مال کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، تم اس حالت کا مشاہدہ اہل دنیا اور اہل دین میں اس طرح کروگے کہ اہل
دنیا اپنی ضرورتوں کو (تھوڑے مال سے پوری نہیں کرسکتے بلکہ) بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں
اسی لئے انکو مال بڑھانے کے سوا (اور کوئی صورت نظر نہیں آتی تو رات دن اسکے سوا) اور کچھ دھندا نہیں

۲۹۶

Marfat.com

ہوتا ان کی نظر سے وہ چیز غائب رہتی ہے جو اس کے علاوہ ہے (یعنی اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ضرورتیں تھوڑے مال سے بھی پوری ہو سکتی ہیں جبکہ اُس میں برکت شامل ہو جائے) اور تم دیندار لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ ان ہی ضرورتوں کو جنھیں اہل دنیا بہت زیادہ مال سے پوری کرتے ہیں بہت تھوڑے مال سے پوری کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ ان سے بھی اچھی طرح پوری کرتے ہیں۔ اور یہ (فرضی قصہ نہیں بلکہ) بکثرت مشاہدہ میں آرہا ہے بشرطیکہ کوئی غور اور تامل سے کام لے" قولہ وفیہ دلیل علی جواز ضرب المثل الی قولہ ھذا موجود کثیر لمن تاملہ ونظرہ"

ف ہمنے اہل اللہ میں اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا ہے اور اہل دنیا کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہماری آمدنی تو تنخواہ کی ہے اور زمین کی بھی اور فلاں کی تنخواہ ہی تنخواہ ہے زمینداری کچھ نہیں اور تنخواہ بھی ہم سے بہت کم ہے پھر بھی اُسکے گھر کا انتظام ہم سے اچھا اُسکے بچوں اور گھر والوں کا لباس ہمارے بچوں سے اچھا یا ہمارے برابر ہے پھر ہم اتنی دولت کے ساتھ بھی وہ کام نہ کر سکے جو اس نے جو...... تھوڑی سی آمدنی میں کر لئے ہیں" یہ برکت نہیں تو اور کیا ہے ؟ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جو حسی طور پر آنکھوں سے نظر آجائے بلکہ وہ خدا کی دی ہوئی مخفی نعمت ہے جیسے کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد سیری اور سیرابی مخفی چیز ہے ۲۹۷ جسکو وہی جانتا ہے جس کا پیٹ بھرا اور پیاس بجھی ہے دوسرے محسوس نہیں کرتے" اسی طرح برکت بھی غیر محسوس شئے ہے جس کا مشاہدہ آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ اہل دین و اہل دنیا کی حالت کا موازنہ کرنے سے ہوتا ہے "

ف شارح فرماتے ہیں کہ یہاں جو مثال کے ذریعہ برکت کا خدا کی طرف سے ہونا بتلایا گیا ہے یہ صحابہ کے سمجھانے کے لئے نہیں کیونکہ ہم کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ صحابہ برکت کی حقیقت سے واقف تھے انکو اس کا مشاہدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں اور خود اپنے واقعات میں بارہا ہو چکا تھا اور وہ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار دیکھ چکے تھے کہ ایک دو آدمی کا کھانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پورے لشکر کو کافی ہو گیا اور سب کے سیر ہونے کے بعد بچ بھی رہا بعض دفعہ کھانا کھاتے ہوئے صحابہ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھانا نیچے سے خود زیادہ ہوتا چلا آرہا ہے کھانے والوں کے لقموں سے کم نہیں ہوا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا) پس یہ مثال دوسروں کے سمجھانے کیلئے بیان کی گئی ہے جو صحابہ کے بعد آنے والے تھے اس تشریح اور بیان کے بعد اب ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ آجکل عام طور سے اُن لوگوں کی حالت کیا ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ؟ افسوس طریقے ہی بدل گئے اور بہت سے امور میں حق مشکوک ہو گیا یا اُسکا انکار کیا جانے لگا چنانچہ تم اہل علم میں سے بعض کو برکت کی حقیقت سے ناواقف

Marfat.com

یا منکر پاؤ گے جس کا سبب وہ بری عادتیں ہیں جو کثرت سے اون ہی لوگوں میں پائی جاتی ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس دہوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علمار اور صلحا رہیں فانا للہ وانا الیہ راجعون اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے فرمایا تھا کیف بک یا حذیفۃ اذا ترکت بدعۃ قالوا ترکت سنۃ اے حذیفہ! اوس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسی بدعت کو چھوڑو گے تو لوگ کہیں گے کہ اس نے سنت کو چھوڑ دیا حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہوں قال اقرضہم من عرضک لیوم فقدک فرمایا اون کو اپنی آبرو پر حملہ کرنے دو اوس دن کے (ثواب کے) لئے جب تم دنیا میں نہ ہوگے، مطلب یہ ہے کہ تم حق اور سنت پر عمل کرتے رہو اور اون کو جو وہ چاہیں بکنے دو، کیونکہ تم کو تو اس صورت میں ثواب ہی ثواب ہے جب وہ ناحق تمہاری آبرو پر حملہ کریں۔ (ھذا ترجمۃ ما ذکرہ الشارح فی شرحہ ادخلتہ فی الفوائد لعدم تعلقہ بالمسائل بل بالمواعظ فافہم)۔ ۲۹۸

(**تنبیہ**) یہ تو شارح نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے اب ذرا ہمیں اپنے زمانہ کا حال بھی دیکھنا چاہئے) کیا یہ وہی زمانہ نہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی؟ کیا آج اگر کوئی رواجی مولود نہ پڑھے بلکہ سنت کے موافق ذکر رسول کرے اوس کو برا بھلا نہیں کہا جاتا؟ کیا اگر کوئی میلاد میں قیام نہ کرے اوس کو وہابی کہکر بدنام نہیں کیا جاتا؟ اور اگر کوئی عالم صوفی قوم کے ہدایا اور نذرانوں پر رہ کر مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالنا چاہے بلکہ ملازمت یا صنعت و حرفت و تجارت سے کسب حلال کرنا چاہے اوس کو حب دنیا سے بدنام نہیں کیا جاتا؟ حالانکہ جواز ترک اسباب کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان مجرد ہو صاحب عیال نہ ہو اور ملازمتوں میں بہتر وہ ہے جس میں تعلیم دین پر اجرت نہ ہو۔

(۱۸۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے اس کی شرح میں علمار اور صوفیہ کے درمیان اختلاف ہے علمار فرماتے ہیں کہ بلند ہاتھ دینے والا ہے اور پست ہاتھ لینے والا صوفیہ برعکس کہتے ہیں کہ بلند ہاتھ لینے والا ہے اور پست ہاتھ دینے والا۔ کیونکہ لینے والا تم کو تھوڑی سی چیز کے عوض بہت سا ثواب دیتا ہے (یعنی ثواب کا ذریعہ بنتا ہے) کہ ایک کے بدلے

دس اور (بعض دفعہ) سات سو تک (ثواب دلواتا ہے) اور دینے والا ثواب (ہی کیلئے دیتا ہے تو وہ اس) کا منتظر اور محتاج ہے"۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ دونوں قولوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ دینے والے کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وہ تم سے اپنے عطیہ کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہو دوسرے یہ کہ (وہ تم سے درخواست نہیں کرتا بلکہ) تم اوس سے سوال کر رہے ہو اس صورت میں تو دینے والے کا ہاتھ بلند ہے اور (لینے والے کا پست ہے کیونکہ) تم کو سوال کی ذلت پہونچ چکی اور (آثار میں) آیا ہے کہ ذلت ہر سوال میں ہے چاہے راستہ ہی کا سوال ہو۔ اور جو اس کا انکار کرے وہ بداہت کا انکار کرتا ہے۔ اور اگر وہ تم سے اپنی عطا کے قبول کرنے کی درخواست کر رہا ہے تو اوس نے تمہارے سامنے اپنی عزت و جاہ کو گرا دیا کہ وہ تم سے ایسی درخواست کر رہا ہے جس میں تم مختار ہو اور وہ محتاج ہے یا تو اس لئے کہ وہ اپنے ذمہ سے واجب شرعی ادا کرنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ وہ اس ہدیہ کے ذریعہ دُنیا یا آخرت کی بھلائی کا اُمیدوار ہے۔
۲۹۹ اس صورت میں وہ اپنے ہدیہ سے تم پر احسان کا قصد نہیں کرتا بلکہ اپنی بھلائی کا قصد کر رہا ہے تو تمہارا اوس کو قبول کر لینا احسان ہے اور دینے والا سائل و محتاج ہے اوس کا ہاتھ پست ہے لینے والے کا ہاتھ بلند ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ہماری دعوت کرتا ہے تو (پہلے) اوس کا احسان ہے پھر اگر ہم دعوت قبول کر لیں تو اب ہمارا (اوس پر) احسان ہے، اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اوس کا واقعہ بھی اسی کی تاکید کرتا ہے (کہ دینے والے کا ہاتھ بلند ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد (الید العلیا خیر من الید السفلی) سائل ہی کے متعلق فرمایا ہے جبکہ اوس نے بار بار سوال کیا (تو معلوم ہوا کہ پست ہاتھ سائل ہی کا ہے۔ "قولہ الید العلیا خیر من السفلی ھنا خلاف بین العلما واھل الصوفۃ الیٰ قولہ لما کرر سوالہ مرۃ اھ ا"۔

ف۔ بعض احادیث میں تصریح ہے والید العلیا المنفقۃ والسفلی السائلۃ رواہ مسلم اونچا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ اس لئے دینے والے کے ہاتھ کو نیچا کہنا بظاہر صحیح نہیں البتہ بعض روایات میں بجائے المنفقۃ کے المتعففۃ بھی وارد ہے (رواہ ابوداؤد) جس کا مطلب یہ ہے کہ اونچا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہے اور نیچا ہاتھ سوال کرنے

Marfat.com

والا ہے۔ اس روایت پر لینے والے کے ہاتھ کو بھی اونچا کہہ سکتے ہیں جبکہ وہ سوال نہ کرے بلکہ دینے والا خود اوس سے قبول ہدیہ کی درخواست کرے۔ اور بہرحال میں نیچا ہاتھ سوال کرنے والے کا ہے۔ پس شارح کی توجیہ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ بھی بعض الفاظ حدیث سے مؤید ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ان سائلین کو حقیر نہ سمجھو یہ تمہارے محسن ہیں کہ تمہارے اموال کا بوجھ اُٹھا کر آخرت میں پہونچانے ہیں تو یہ تمہارے مزدور ہیں مگر دنیا کے نہیں بلکہ حمال آخرت ہیں (قالہ سیدی حکیم الامۃ عنہ) حاجی صاحب کا یہ مطلب نہیں کہ سائلین کا ہاتھ اونچا ہے جیسا بعض صوفیہ نے کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اون کو اپنا محسن سمجھکر صدقہ دوگے تو ثواب کامل ہوگا حقیر سمجھکر دوگے تو صدقہ کا ثواب کم ہو جائےگا،، اگر سائل کے ہاتھ کو اونچا کہا جائے گا تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا اون کا ہاتھ اونچا تھا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہو سکتا پس یہ نفس صدقہ کا ۳۰۰
سائل کے ہاتھ کو اونچا کہنا اس لئے کہ وہ دینے والے کے لئے ثواب کا ذریعہ بنتا ہے ہرگز صحیح نہیں سائل کا ہاتھ اونچا نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی وقت دینے والے کا ہاتھ نیچا ہو جائے جبکہ وہ کسی کو ہدیہ دینا چاہے اور وہ قبول نہ کرے پھر اس کے اصرار سے یا درخواست والتجا سے قبول کرے واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت شارح فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی اچھے ہیں دینے والا بھی اور لینے والا بھی البتہ دینے والا زیادہ اچھا ہے کیونکہ حضور نے بلند ہاتھ کو خیر فرمایا ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں بہت اچھا) اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نفس حسن میں دونوں شریک ہیں اور ایک میں خوبی زیادہ ہے جیسے ہم کہیں زید خیر من عمرو زید عمرو سے بہتر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عمرو میں کچھ بھی خوبی نہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ زید کا درجہ اوس سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ یہ دونوں ہاتھ اچھے ہیں کیونکہ ان سے نیکی کی گئی ہے (ایک نے احسان کیا دوسرے نے احسان قبول کرکے اوس کو ثواب کا مستحق کیا) پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت دوسری وجہ سے ہوگی یا تو نفس فعل پر نظر کرکے یا مال پر یا نیت وقصد پر نظر کرکے

Marfat.com

یا ان سب کا مجموعہ ہے۔ ان علتوں ہی کی وجہ سے (علماء وصوفیہ میں) خلاف واقع ہوا۔ اھ مگر یہ استدلال اوس وقت صحیح ہوگا جبکہ لفظ خیر کو اسم تفضیل مان لیا جائے ورنہ محاورات میں بہ کثرت اس کا استعمال معنی تفضیل سے خالی ہو کر بھی آتا ہے۔

(۱۸۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں کیونکہ آپکا ارشاد (الید العلیا خیر من السفلی) کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اون لوگوں میں سے ہونا چاہیئے جن کا ہاتھ اونچا ہے اون میں سے نہ ہو جن کا ہاتھ نیچا ہے مگر یہ (تعلیم) مقامات دینیہ میں ہے دنیا اور دنیا کے سامان میں نہیں (کیونکہ) دنیا میں تو بقدر ضرورت دکفایت پر بس کرنے کی تعلیم ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ دنیا میں سب سے اونچا ہونے کی تعلیم نہیں)

"قولہ فیہ دلیل علی ارشاد الشارع الی الاعلی الی قولہ لا فی الدنیا وحطامہا"

ف۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسکو دنیا اور دین دونوں کے لئے عام کہا جائے جب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ہونا چاہیئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اونچا ہونا چاہیئے یعنی سوال سے بچنا اور دوسروں کو دینا چاہیئے اور یہ حالت یقیناً محمود و مطلوب ہے دنیا کے سامان میں بھی کسی کا محتاج اور دست نگر ہونا اچھا نہیں ایک حدیث میں ہے المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیر مسلمان صاحب قوت کمزور سے بہتر ہے اور یوں دونوں ہی اچھے ہیں اس حدیث میں صوفیہ کی حجت ہے کیونکہ وہ بھی مقامات عالیہ کی ہدایت فرماتے ہیں ہر کام میں عزیمت اور فضیلت حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں حتی الامکان بلا ضرورت ادنی حالت پر قناعت نہیں کرتے نماز کو بھی کامل کرنا چاہتے ہیں اور ذکر کو بھی اور خدمت خلق کو بھی وعلیٰ ہذا القیاس۔ ۳۰۱

(۱۸۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل فضل اور اہل معاملہ اور دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے اسمیں کچھ ذلت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے سوال سے کچھ تعرض نہیں فرمایا بس اون کو ایک قاعدہ کلیہ بتلا دیا (کہ استغنا کے ساتھ مال لینے کا یہ ثمرہ ہے اور حرص کے ساتھ لینے کا یہ نتیجہ ہے) اور اگر اوس کے سوال میں کوئی بات (کراہت یا حرمت کی) ہوتی تو آپ اوس کو کبھی نہ چھپاتے بلکہ اوسے کچھ دیتے بھی نہیں جب تک سوال کی کراہیت (وغیرہ) نہ بتلا دیتے کیونکہ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کے بیان کرنے والے ہیں اور ضرورت کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں، پس آپ کے ارشاد کی شوکت بتلا رہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لینا (اور مانگنا) دوسروں سے لینے (اور مانگنے) کے مثل نہیں الید العلیا خیر من السفلی بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تو تمام حالات میں بلند ہی ہے کیونکہ آپ کے دست مبارک جیسا کس کا ہاتھ ہے؟ یہ کھلی ہوئی بات ہے جس میں کچھ بھی خفا نہیں (پس حضور سے مانگنے میں اصلاً ذلت نہیں بلکہ عین سعادت اور بہت بڑی عزت ہے اسی لیے آپ نے صحابی کو سوال سے منع نہیں فرمایا بلکہ حرص مال سے منع فرمایا ہے) اور بطور وراثت کے یہی حکم اون حضرات کا ہے جو آپ کے بعد منصب خلافت پر سرفراز ہوے اگرچہ وہ آپ کی مثل نہیں اسی طرح خلیفہ کا نائب اور اوس کا نائب جب تک سلسلہ خلافت باقی رہے بشرطیکہ وہ اہل فضل اور دیندار ہوں" قولہ وفیہ دلیل علی جواز سؤال اھل
۳۰۳ الفضل والدین واھل المعاملۃ الی قولہ اذا کانوا من اھل الفضل والدین"

ف۔ اہل معاملہ سے مراد وہ حضرات ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالے سے درست ہے یعنے بزرگان دین کہ وہ بھی باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں گو ظاہر میں صاحب سلطنت نہ ہوں اون سے مانگنے میں بھی ذلت نہیں کیونکہ وہ کسی مسلمان کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ اور سوال سے منع کرنے کی علت یہی ہے کہ اس سے انسان ذلیل ہوتا ہے ولا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ اور مسلمان کو یہ نہ چاہئے کہ اپنے کو ذلیل کرے۔ تو جہاں سوال میں ذلت نہ ہو وہاں کراہت نہ ہوگی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے ان المسئلۃ کد یکد بھا الرجل وجھہ الا ان یسأل الرجل سلطانا او فی امر لابد منہ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنا ذلت ہے جس سے آدمی اپنے چہرہ کو ذلیل کرتا ہی مگر یہ کہ بادشاہ سے سوال کرے (تو ذلت نہیں) یا ایسی حالت میں سوال کرے کہ بدوں سوال کے چارہ نہ ہو (تو معذور رہے) علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ سلطان کے قبضہ میں بیت المال ہے جس میں سب کا حق ہے تو اوس سے مانگنا اپنا حق مانگنا ہے اوس کی جیب سے تو کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اپنا حق مانگنے میں کچھ ذلت نہیں۔

Marfat.com

(۱۸۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ تحصیلِ علم میں غنا سے بہت مدد ملتی ہے، حکمت کا مقتضی یہی ہے چنانچہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو (مسئلہ سوال کی) اوس وقت تعلیم دی جبکہ تین مرتبہ مال دے کر اون کو غنی کر دیا، قولہ وفیہ دلیل علی ان من اقوی الاسباب فی حمل العلم بمقتضی الحکمۃ الجدۃ الی قولہ حتی اغناہ بتکرار العطاء ثلثا"

ف:- یہ استدلال قوی نہیں، ہاں حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو مال کے متعلق حکم شرعی سوال پورا کرنے کے بعد بتلانا چاہیے کیونکہ سوال پورا کرنے سے پہلے اوس کا دل پریشان ہوتا ہے اس حالت میں وہ حکم شرعی کو پوری طرح نہیں سمجھے گا اور ممکن ہے وہ یہ خیال کرے کہ مجھے ٹالنے کے واسطے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو عالم کو متہم سمجھے گا۔ اور اس صورت میں سائل کو شرمندگی اور خجالت بھی زیادہ ہوگی، اور اگر پہلے اوس کی حاجت پوری کر دیجائے تو اوس کا دل اس قسم کے خیالات سے خالی ہو جائے گا پھر اوس کو تحصیل علم سے فائدہ ہوگا۔

اور جس مسئلہ کو حضرت شارح نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ تحصیل علم کے لئے جمعیت قلب اور اطمینان کی ضرورت ہے اور غنا سے ہی یہ بات حاصل ہوتی ہے فقر کی حالت میں انسان کو اپنے کھانے کپڑے کی فکر سے فرصت نہیں ہوتی وہ اطمینان سے علم کیونکر حاصل کرے گا۔ پس طالب علم یا تو غنی ہونا چاہیے اور اگر فقیر ہو تو اوسے کھانے کپڑے کی فکر سے مطمئن کر دینا چاہیے چنانچہ ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب امام ابو یوسف پڑھنے کے لئے آئے تو امام ابو یوسف کے باپ نے اون کو درس سے اوٹھانا چاہا اور کہا میں اپنے بچے کو شغل معاش میں لگانا چاہتا ہوں کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں میری آمدنی اپنے گھر کے خرچ کو کافی نہیں ہوتی یہ لڑکا بھی کچھ کمانے لگے تو گھر کا خرچ پورا ہوگا" امام صاحب نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ابھی یہ بچے ہیں اور کچھ علم بھی حاصل نہیں کیا تم کو ان سے کتنی آمدنی کی امید ہے؟ اوس نے کچھ مقدار بتلائی امام صاحب نے فرمایا تم اس کو ہمارے پاس پڑھنے دو اور جتنی رقم تم نے بتلائی ہے اس سے بھی زیادہ ہم تم کو ہر مہینہ دے دیا کریں گے چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور امام ابو یوسف اطمینان کے ساتھ تحصیل علم میں لگے رہے پھر دنیا جانتی ہے کہ وہ کس درجہ کے امام ہوئے، امام ابو حنیفہ نے اسی طرح بہت سے طلبہ کو

Marfat.com

اپنے پاس سے دیکر پڑھایا ہے جو اون کے بعد بڑے درجہ کے مفتی اور قاضی اور عالم ہوئے۔ اسی حکمت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے مدارس دینیہ میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ غریب طلبہ کو مدرسہ سے کھانا کپڑا کتابیں مفت دی جائیں تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تحصیل میں لگے رہیں۔ اور اسی وجہ سے اہل طریق نے اپنی خانقاہوں میں غریب سالکین کے لیے امداد کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اغنیاء کو تحصیل علم شرعی اور طلب طریق باطن کا شوق نہیں رہا۔ اب اہلِ دنیا کی عقلمندی دیکھو کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان طلبہ اور سالکین کو کسبِ معاش میں مشغول ہونا چاہیے یہ لوگ قوم کے اوپر بار ہیں تو اون کو سمجھ لینا چاہیے کہ کسبِ معاش کی فکر میں مشغول ہو کر تحصیل علم اور طلب طریق پوری طرح نہیں ہو سکتی اور جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ طلبہ اور سالکین قوم پر بار ہیں وہ اپنا ہاتھ روک لیں اور دیکھیں کہ خدا ان کو رزق پہونچاتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھو ان مدارس کا مدار اللہ کے بھروسہ پر ہے وہ خود
ایسی جگہ سے اون کو رزق پہونچاتا ہے جہاں گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور سمجھ لو کہ اگر یہ مدارس ۴۰۳
اور خانقاہیں ویران ہو گئیں تو ہندوستان سے اسلام اور دین کا نام مٹ جائے گا ہندوستان میں دین کا جو کچھ نام ونشان باقی ہے ان ہی کی برکت سے باقی ہے۔ ہاں یہ ضرور تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقی مدارس اور خانقاہیں کون سی ہیں اور نام ونمود کی کون سی ہیں سب کو ایک ہی لاٹھی ہانکنا حماقت ہے۔"

(۱۸۷) ف حدیث سے معلوم ہوا کہ تین بار تک سوال کرنا جائز ہے چوتھی بار ممنوع ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ دوسری دفعہ سوال کرنے پر دیتے رہے اور خاموش رہے اور تیسری بار سوال کرنے پر بھی دیا اور علمی مسئلہ بتلا کر اس کے بعد سوال کرنے سے روک دیا کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں قوت ایمان کی وجہ سے اس قدر فہم اور ذکاوت تھی کہ اون کو ادنیٰ اشارہ بھی روکنے کے واسطے کافی تھا (اس لیے گو حضور نے آئندہ سوال کرنے سے صراحۃً منع نہیں فرمایا بلکہ سخاوت نفس کی تعلیم دی اور حرص مال سے روکا مگر اشارۃً آئندہ سوال کرنے ہی سے روک دیا گیا جس کو صحابی سمجھ گئے اور اونھوں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں گا چنانچہ وہ مال غنیمت میں سے اپنا حق بھی کسی خلیفہ سے نہ لیتے

Marfat.com

تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنا پڑا کہ لوگو، گواہ رہو میں حکیم بن حزام کو اوس کا حق دینا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں لیتے)۔

اور اس میں اون صوفیہ کی بھی حجت ہے جو زنبیل کے قائل ہیں (کہ اگر کسی درویش متوکل کو دو تین دن تک فتوحات نہ ہوں اور ہلاکت کا اندیشہ ہونے لگے تو وہ زنبیل ہاتھ میں لیکر نکل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زنبیل لیکر نکلنے کی شرط یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا قصد کرکے نہ نکلے اور نہ کسی سے زور دیکر مانگے نہ قسم کھائے بلکہ صرف اللہ سے سوال کرے پھر اگر تقدیر اوسے کسی کے گھر پر یا کسی آدمی کے پاس پہونچادے تو اوس سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی شرط ہے کہ بدون سخت ضرورت کے نہ نکلے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا بأس ان یشکو المؤمن حاجتہ لاخیہ المؤمن اس میں کچھ حرج نہیں کہ مسلمان اپنی حاجت کو اپنے بھائی مسلمان کے سامنے ظاہر کردے (تو سخت مجبوری میں سوال کرنا جائز ہے) پھر جس شخص کے پاس تقدیر نے اوس کو پہونچادیا اگر اوس نے دیدیا تو بہتر اور نہ دیا تو یہ بھی اچھا ہے اب وہ دوسرے کے پاس جائے اور تیسرے کے پاس جائے اگر تینوں نے کچھ نہ دیا تو آگے نہ بڑھے اور سمجھ جائے کہ اللہ تعالےٰ کا مقصود یہ ہے کہ صبر و تسلیم سے کام لے اب اپنی جگہ واپس آجائے کسی اور سے سوال نہ کرے یہانتک کہ حق تعالےٰ اس کے پاس فتوحات پہونچادیں یا جو اون کی مرضی ہو کریں، اب ذرا تم دیکھو تو کہ آجکل اہل علم اور اہل حال دونوں میں سے کوئی بھی اوس راستہ پر ہے جس کو اوس کے بزرگوں نے کتاب وسنت سے استنباط کیا ہے جیسا ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں اور اس حدیث (کی شرح) میں بھی کچھ حصہ مذکور ہے، نہیں خدا قسم! (آجکل کوئی جماعت بھی اپنے بزرگوں کے راستہ پر نہیں) راستے بدل گئے اور (سیدھے راستہ پر) چلنے والے کم رہ گئے۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون، قولہ وفیہ دلیل علی جواز تکرار السؤال ثلاثا والرابعۃ ممنوعۃ الیٰ قولہ فانا للہ الخ۔

ف۔ حضرت شارح مجھے معاف فرمائیں اس حدیث میں اہل زنبیل کے لئے کوئی حجت نہیں۔ ہاں اس میں اشارۃً یہ مسئلہ ضرور ہے کہ جس سے سوال کیا جائے تین دفعہ سے زیادہ نہ کیا جائے مگر

۳۰۵

Marfat.com

یہ اس میں کہاں ہے کہ زنبیل لے کر نکلنا جائز ہے اور جو زنبیل لیکر نکلے وہ تین آدمیوں سے آگے نہ بڑھے۔ اس کے لئے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسلام میں زنبیل کی کوئی اصل نہیں یہ صرف راہبوں اور جوگیوں کا طریقہ ہے اسلام کا اصول پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے اگر کوئی صدقہ نہ کر سکے تو اپنے ہاتھوں سے کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہونچائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے اسی لئے ہمارے اکابر نے سالکین کو سوال سے مطلقاً منع فرمایا ہے اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوتا اوس کو مزدوری کر کے پیٹ پالنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے بعض خدام اسٹیشن پر مزدوری کرنے جاتے اور مزدوری کر کے اپنا کام چلاتے تھے سوال ہرگز نہ کرتے تھے، اسی طرح جو شخص تارک اسباب ہو اگر کسی وقت اوسکو فتوحات حاصل نہ ہوں۔ تو فتوحات بند ہونے سے اوس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اوسکا ترک اسباب پسند نہیں اوسے کسب معاش کا کوئی حیلہ کرنا چاہیئے زنبیل لے کر سوال کے لئے ہرگز
نہ نکلے۔ اور مولانا رومی نے شیخ سبزرزی رح کا جو واقعہ لکھا ہے وہ اون کا خاص حال تھا جسمیں ۳۰۶
وہ معذور تھے اہل حال کے حال کو تسلیم کیا جائے گا مگر اون کی اقتدا نہیں کی جائے گی جبتک کسی پر ویسا ہی حال غالب نہ ہو واللہ تعالےٰ اعلم۔

(۷۶) حدیث کراھیۃ السوال

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی لوگوں سے برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں آئے گا اس حالت سے کہ اوس کے چہرہ میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔"

شرح حدیث بتلا رہی ہے کہ زیادہ سوال کرنے والے کے چہرہ پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مراد ہر سوال نہیں کیونکہ علمی سوال تو مامور بہ ہے حق تعالےٰ فرماتے ہیں فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون اگر تم کو (کوئی حکم) معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کرو۔ (یعنی اون سے حکم شرعی دریافت کرو) اسی طرح راستہ کا سوال بھی اس میں داخل نہیں کیونکہ گم کردہ راہ کو راستہ بتلانا مامور بہ ہے (تو اوس کا دریافت کرنا بھی جائز ہے)

Marfat.com

اب صرف دنیا کے سامان کا سوال باقی رہ گیا وہی یہاں مُراد ہے (یعنی بھیک مانگنا کسی سے
روپیہ پیسہ کا سوال کرنا) اور یہ بھی ہر حالت میں ممنوع نہیں کیونکہ ضرورت کے وقت سوال
جائز ہے (بلکہ بعض کے نزدیک لازم ہے جبکہ بدون سوال کے جان بچانے کی کوئی صورت نہ
ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا بأس للمؤمن ان یشکو حاجتہ
لاخیہ المؤمن مسلمان کے لئے اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنی حاجت کو اپنے مسلمان بھائی سے
ظاہر کردے جس شخص کو سخت بھوک (سے ہلاکت کا اندیشہ) ہو اوس کے متعلق علماء میں
اختلاف ہے کہ اوس کے لئے صبر کرنا افضل ہے (کہ کسی سے سوال نہ کرے) یہاں تک کہ مر جائے
تو شہید ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واصبر لحکم ربک فانک باعیننا اپنے رب
کے حکم کیلئے صبر کئے رہو کیونکہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو (جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی تقدیر
کا منتظر رہنا چاہئے کسی سے سوال نہ کرنا چاہئے) یا اوس کو سوال کر کے جان بچانا افضل ہے
ورنہ گنہ گار ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے اس میں کچھ حرج ٣٠٧
نہیں کہ اپنی حالت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کردے اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو اوسنے
خودکشی کا سامان کیا تو ایک جماعت کے قول پر گنہ گار ہوگا (اور یہ اختلاف اوس صورت میں ہے
جبکہ اس کے پاس فاقہ دور کرنے کی کوئی چیز نہ ہو اور اگر وہ صورت ہو جس کو آجکل بھوک ہڑتال
کہا جاتا ہے کہ کھانے پینے کا سامان موجود ہے اور یہ بطور سیاسی جبر کے بھوک ہڑتال کر رہا ہے
اس میں اگر مرے گا تو سب علماء کے نزدیک خودکشی کا گناہ ہوگا خوب سمجھ لو) پس حدیث میں
دنیا کا سوال مراد ہے جبکہ بدون حاجت اور سخت ضرورت کا ہو اوسی پہ وعید ہے (جبکہ مرنے سے
پہلے توبہ نہ کی ہو) اور اگر توبہ کر لے تو امید ہے کہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا (اور وعید سے بچ جائیگا)
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے التوبۃ تجب ما قبلھا توبہ اون تمام گناہوں
کو ساقط کر دیتی ہے جو توبہ سے پہلے کئے تھے۔ ہاں یہ سوال باقی رہا کہ توبہ کے وقت جو مال اسکے
پاس سوال حرام سے جمع کیا ہوا باقی ہے اوس کو کیا کرے؟ سو ظاہر ہے کہ مال حرام کو اپنے قبضہ
میں رکھنا جائز نہیں اب اگر اون لوگوں کو پہچانتا ہے جن سے سوال کیا تھا تو اون ہی کو (یا انکے
ورثہ کو) واپس کردے اور اگر نہیں پہچانتا تو اوس مال کو صدقہ کردے (اور صدقہ کا ثواب اون کو

Marfat.com

پہونچائے تو یہ حقیقت میں اون کی طرف سے صدقہ ہوگا اپنی طرف سے نہیں پس اوس حدیث کے خلاف نہ ہوگا جس میں وارد ہے لاتقبل صدقۃ من غلول کہ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کیونکہ وہ اوس صورت میں ہے جبکہ حرام مال کو اپنی طرف سے صدقہ کرے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ جب مال کا مالک معلوم نہ ہو نہ اوس کے ورثہ معلوم ہوں تو یہ لاوارث کا مال ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اوس کے وارث فقراء ہیں تو فقراء کو پہونچا دینا اصل مالک کے وارثوں کو پہونچا دینا ہے کیونکہ فقراء کے ذریعہ سے اوس کو ثواب مل جائے گا خوب سمجھ لو) اور یہ حکم جیسا مردوں کے لئے ہے ویسا ہی عورتوں کے لئے ہے اگرچہ حدیث میں لایزال الرجل وارد ہے جس سے بظاہر مردوں کے ساتھ حکم کا خاص ہونا مفہوم ہوتا ہے مگر عموماً احکام شرعیہ میں مرد کا ذکر بوجہ فضیلت کے ہوتا ہے اور عورتیں تبعاً مراد ہوتی ہیں، نیز یہ وعید اوس شخص کے لئے ہے جو سوال کی عادت کرے جیسا لایزال الرجل کے لفظ سے واضح ہے تو اگر کسی نے ایک دوبار
۳۰۸ سوال کیا ہو عادت نہ کی ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں (گو بلا ضرورت سوال کرنے کا گناہ اوس کو بھی ہوگا مگر قیامت میں بدنام نہ کیا جائے گا پس توبہ اس کو بھی لازم ہے ھذا حاصل ما ذکرہ الشارح فی شرحہ)۔

(۱۸۸) **ف** حدیث سے معلوم ہوا کہ علم (دین) کی سب ہی کو ضرورت ہے کیونکہ سب سے کم درجہ کے لوگ بھیک مانگنے والے جن کے پاس دنیا کا کچھ ساز و سامان نہیں ہوتا اون سے بھی سوال پر حساب کیا جائے گا کہ اون کا سوال حکم شرعی کے موافق تھا یا خلاف تھا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ (یہاں سے اون لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو بدون علم شرعی کے شیخ یا مولانا بنے ہوئے ہیں) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہل سے کوئی معذور نہ ہوگا یعنے یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ ہم کو خبر نہ تھی ہم جاہل تھے) کیونکہ جب یہ مانگنے والے بھی باوجود اپنی مسکنت کے معذور نہ ہوئے اون سے بھی سوال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اور لوگ کیسے معذور ہو سکتے ہیں۔ اور **ف** یہاں سے معلوم ہوا کہ علم تمام فضیلت کی چیزوں سے افضل ہے جبکہ اوس پر عمل بھی کیا جائے کہ اسی سے معزز اور ذلیل میں امتیاز ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (ضرورت کے وقت) غیر مسلم سے مانگنا بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما یزال الرجل لیسأل الناس بعض آدمی لوگوں سے

ہر شخص کو علم دین کی ضرورت ہے

علم تمام فضائل دینی سے افضل ہے

Marfat.com

برابر مانگتا رہتا ہے" اور یہ لفظ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو عام ہے، اسی لئے ایک بزرگ اپنے گھر سے بیرون ضرورت (اور سخت حاجت) کے نہیں نکلتے تھے اور جب نکلتے تو غیر مسلم کے سوا کسی مسلمان کے گھر پر نہ جاتے تھے ان سے کسی نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں بدون ضرورت و احتیاج کے گھر سے نہیں نکلتا اب اگر مسلمان کے دروازہ پہ جاؤں تو اندیشہ ہے کہ وہ میرا سوال رد کر دے۔ تو اوس پر کوئی بلا نازل ہو جائے۔ کیونکہ اوس پر شرعاً میری جان کا بچانا واجب ہے (اس واجب میں کوتاہی کرے گا تو بلا نازل ہونے کا اندیشہ ہے) تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کو تکلیف پہونچے اور ذمی (غیر مسلم) میری جان بچانے کا مکلف نہیں اگر وہ مجھ سے ہمدردی کرے گا امید ہے اوس کو بھلائی پہونچ جائے اور اگر میرا سوال رد کر دے گا تو اوسے میری وجہ سے کسی گزند پہونچنے کا اندیشہ نہ ہوگا (سبحان اللہ! ان بزرگ کی نیت کا کیا کہنا اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کا برا نہیں چاہتے" مگر حدیث سے اس مسئلہ کا استنباط واضح نہیں کیونکہ حدیث میں سائل کی مذمت کی گئی ہے مدح نہیں کی گئی تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مذمت میں اس بات کو بھی دخل ہو کہ وہ سب ہی سے سوال کرتا رہا نہ مسلم کو دیکھا نہ غیر مسلم کو،، فقہاء حنفیہ نے کافر کی مزدوری اور ملازمت کرنے میں بھی یہ قید لگائی ہے کہ جائز کام میں ملازمت یا مزدوری ہو اور اوس سے مسلمان کی ذلت نہ ہوتی ہو جب مزدوری اور ملازمت میں یہ شرط ہے تو غیر مسلم سے مانگنا کیونکر جائز ہوگا کہ سوال تو خود ہی ذلت ہے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم شریف اور سخی اور نیک دل ہو ضرورت میں سوال کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو بلکہ عزت کرتا ہو تو اوس سے سخت احتیاج کی حالت میں سوال کا مضائقہ نہیں اور ذمی غیر مسلم اکثر ایسے ہی ہوتے تھے کہ اللہ والوں کی عزت کرتے تھے باقی آجکل تو مسلمان بھی سوال کرنے والوں کی عزت نہیں کرتے خواہ کیسے ہی حاجتمند اور کیسے ہی اللہ والے ہوں غیر مسلم تو کیا کریں گے پس ایک زمانہ کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا)۔

ف حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے والوں کو سچا ہی سمجھنا چاہئے (بلا وجہ اون کو جھوٹا نہ سمجھنا چاہئے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں سوال کرنے والے کی تو مذمت کی ہے مگر) دوسروں کو سچے اور جھوٹے (سائلوں) میں فرق کرنے کو نہیں فرمایا (بس اون کو جائز ہے کہ سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دیں مگر یہ کہ کسی کے متعلق تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی

Marfat.com

ہو کر اس نے سوال کو پیشہ بنالیا ہے تو اوس کو دینا جائز نہیں کما فی حاشیۃ الترمذی عن اللمعات وغیرہ)

چنانچہ ایک بابرکت بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک دن چلے جارہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ بالکل ننگا ہے لوگوں سے اللہ کے واسطے کپڑا مانگ رہا ہے آپ نے اپنا ایک کپڑا اُتار کر اوس کو دیدیا بعض لوگوں کو اس شخص کی عادت معلوم تھی کہ وہ حیلہ اور مکر کرتا ہے (کپڑا پاس ہوتا ہے پھر بھی ننگا ہو کر کپڑا مانگتا ہے) اور اوس کو بیچکر ناجائز کاموں میں صرف کرتا ہے چنانچہ یہ بزرگ واپس ہوئے تو کسی نے خبر دی کہ میں نے اس سائل کو فلاں جگہ دیکھا تو اوس کے بدن پر آپ کا دیا ہوا کپڑا نہ تھا (وہ پھر ننگا پھرتا ہے) اور ممکن ہے اوس نے آپ کے کپڑے کو بیچکر ناجائز کاموں میں اوس کی قیمت کو استعمال کیا ہو۔ بزرگ کو یہ سُنکر غصہ آیا اور پھر فرمایا ذرا مجھے اوس تک پہونچادو تاکہ خود اس حالت کا مشاہدہ کروں جب اوس کے پاس پہونچے تو جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا (کہ واقعی وہ تو پھر ننگا پھر رہا ہے) پوچھا ارے تونے وہ کپڑا کیا کیا جو میں نے دیا تھا وہ تو بہت قیمتی تھا (اوس کو بیچکر تو ایک کی جگہ چار پانچ کپڑے بنا سکتا تھا مگر تو پھر بھی ننگا ہے) اوس نے جواب دیا کہ اپنا کپڑا اوس سے مانگو جس کو تم نے دیا ہے اور مجھے اوسکی ساتھ رہنے دو جس کی میں نافرمانی کر رہا ہوں۔ فرمایا بیشک تونے سچ کہا، پھر اوس کو اوسی حال میں چھوڑ کر واپس آگئے (مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بزرگ نے اس سائل کو پھر بھی کچھ دیا۔ ممکن ہے کہ تحقیق حال کے بعد پھر نہ دیا ہو۔ اور اوس کے جواب کو اس لئے رد نہیں کیا کہ اوس نے معقول بات کہی تھی کہ جب تم ثواب کی نیت سے صدقہ کر چکے اور مجھے مستحق سمجھکر دے چکے تو تمہارا ثواب کہیں نہیں گیا پھر اب تم کو مجھ سے باز پرس کا حق نہیں اگر میں نے اوس کو ناجائز کام میں صرف کیا اس کا میں ذمہ دار ہوں گا آپ ذمہ دار نہیں تو صدقہ ماضیہ کے متعلق یہ بات صحیح ہے جیسے پہلے ایک حدیث میں گذر چکا ہے کہ کسی نے زانیہ اور چور اور غنی کو رات کے اندھیرے میں صدقہ دے دیا تھا تو وہ قبول ہو گیا۔ باقی آئندہ کے لئے ایسے شخص کو دینا جائز نہیں جو حیلہ و مکر سے سوال کرتا ہے اور سوال کر کے بدمعاشی کرتا ہے ۱۲۔

جب تم اپنے نیک کام میں سچے اور مخلص ہو تو جس کی ساتھ تمہارا معاملہ ہے اوس کے فضل میں ۳۱۰

Marfat.com

رہو وہ بھی تم کو سچا قرار دے گا اور (مقرب) خاص بندے گا: قولہ وفیہ دلیل علی ان جمیع
الناس محتاجون الی العلم الی قولہ مصدقا مخلصا"

ف۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مُراد علم دین اور علم احکام ہے، جب مسلمانوں کے دن اچھے تھے اسی پر عزت وذلت کا مدار کار تھا مگر آج اس علم کی وہ عزت باقی نہیں رہی جس میں کچھ تو عامۂ مُسلمین کی خطا ہے کہ اونھوں نے دنیا کو دین پر مقدم کر دیا ہے اور کچھ علما کی بھی خطا ہے کہ اونھوں نے وعظ گوئی کو نذرانے وصول کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے، اگر علما لوجہ اللہ محض تبلیغ کی نیت سے وعظ کہیں اور معاوضہ یا نذرانہ قبول نہ کریں بلکہ واپس کر دیں تو اون کی عزت بہت بڑھ جائے صدق اور خلوص کی ہر عمل میں ضرورت ہے جبھی اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور جو عمل بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جاتا ہے اوس کا ثمرہ آخرت میں تو یقینی ہے دنیا میں بھی مل کر رہتا ہے انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔

۳۱۱

(۱۸۹) اس میں کیا حکمت ہے کہ اس سائل کے چہرہ میں قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا؟ سو بات یہ ہے کہ چہرہ کا حُسن گوشت ہی سے ہے اسی لئے مٹاپے سے چہرہ کا حُسن بڑھ جاتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اوس کے چہرہ میں ذرہ برابر حُسن نہ ہوگا کیونکہ اُس نے دنیا میں اپنے چہرہ کی آب وتاب کھو دی تھی یعنی حیا کو اتار کر رکھدیا تھا جو بھیک مانگنے سے روکتی ہے جب اوس نے بلا ضرورت حیا کو اُتار دیا تو آخرت میں اوس کا حُسن ظاہری زائل کر دیا جائے گا کیونکہ آخرت میں وہ چیزیں محسوس ومشاہد ہوں گی جو یہاں معنوی (اور باطنی) ہیں کیونکہ حکمت اس کو مقتضی ہے کہ دُنیا میں جو گناہ کسی نے کیا ہوگا آخرت میں اوس کا ایک نشان ہوگا جس سے سب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے یہ گناہ کیا ہے تاکہ عذاب کے ساتھ ذلت بھی جمع ہو جائے کہ تمام عالم میں اس کی شہرت ہو جائے چنانچہ جھوٹی گواہی دینے والے کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ وہ قیامت میں اس حال سے اُٹھے گا کہ اوس کی زبان سے آگ نکلتی ہو گی۔ اور سود خوار ہاتھ پیر مارتا ہو گا جیسے مست اونٹ مستی میں ہاتھ پیر مارتا ہے اور یتیموں کا مال کھانے والا قبر سے اس طرح اُٹھیگا کہ آگ کے شعلے اوس کی ناک سے سانس کی ساتھ نکلتے ہوں گے اسی طرح اور بہت گناہ ہیں جنکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اون کے لئے قیامت میں خاص علامتیں

Marfat.com

ہوں گی) اور اس خبر کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس بڑی رُسوائی اور ذلت کے عذاب سے بچیں اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان کے صدقہ ان سب سے پناہ دیں۔کسی نے کہا ہے اپنا انجام اچھا بنا اگر تجھے کچھ عقل ہے اور اوس دن کی رُسوائی سے بچ جو بہت ہی سخت ہیبتناک ہے جس کا طریقہ اللہ کی اطاعت و تقویٰ ہے جو ہمیشہ تجھ پر انعام کرتا اور تیرے عمل کی قدر دانی کرتا ہے"

قوله ما الحكمة في كونه يأتي يوم القيامة ولامن عدلهم في وجهه الى قوله بتقوى مولى لم يزل عليك منعما شكورا۔

ف۔صوفیہ کا کشف ہے کہ دنیا میں جو امور معانی و اعراض کی قسم سے ہیں آخرت میں جواہر و محسوس ہوں گے، اسی مضمون کو کسی نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ دنیا میں بھی اوس کے ساتھ ساتھ ہے یعنی اعمال صالحہ جنت ہیں کہ یہی اعمال آخرت میں اوس کو عجیب خوبصورت اشکال میں نظر آئیں گے جن سے راحت پہونچے گی اور اعمال سیئہ دوزخ ہیں کہ یہی آخرت میں خوفناک صورتوں میں اس کے سامنے آئیں گے اور ستائیں گے"۔اس سے بعض عقلمندوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صوفیہ بھی فلاسفہ کی طرح جنت و دوزخ کو خیالی چیز سمجھتے ہیں موجود اور مشاہد نہیں مانتے،صوفیہ کے کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔صوفیہ کے نزدیک جنت و نار اس دنیا سے الگ موجود اور مستقل مخلوق ہیں چنانچہ بعض نے اپنے کشف سے جنت دوزخ کی پیمائش تک بیان کر دی ہے اون کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور نقمتیں انسان کے اعمال سے ملتی جلتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خود سمجھ لے گا کہ یہ نعمت فلاں عمل کا صلہ ہے اور یہ نقمت فلاں عمل کی سزا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو حضرت شارح نے بیان فرمایا ہے کہ جو امور دنیا میں معنوی تھے وہ آخرت میں محسوس و مشاہد ہو جائیں گے۔اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جنت و دوزخ محض خیالی ہیں بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو چیزیں دنیا میں خیالی سمجھی جاتی ہیں وہ آخرت میں خیالی نہ رہیں گی بلکہ محسوس و مشاہد بن جائیں گے، بعض لوگوں نے شیخ ابن عربیؒ کے کلام سے یہ سمجھا ہے کہ دوزخ کچھ مدت کے بعد فنا ہو جائے گی اور کفار و مشرکین کا عذاب ختم ہو جائے گا، سو جان لینا چاہئے کہ شیخ کے کلام میں یہ مضمون ملاحدہ نے ملحق کر دیا ہے، شیخ کا یہ مذہب ہرگز نہیں، وہ نصوص قطعیہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے، علامہ شعرانی رح نے ۱۲منہ

Marfat.com

الیواقیت والجواہر میں تصریح کردی ہے کہ شیخ کی فصوص کا جو صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے اوس میں کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے ہاں بعض نسخوں میں کچھ باتیں خلاف شرع ملتی ہیں سو تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اون میں ملاحدہ اور یہود نے الحاق کیا ہے خوب سمجھ لو۔

(۷۷) حدیث اقران الحج والعمرۃ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی عقیق میں سُنا فرماتے تھے کہ آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک قاصد آیا (جس نے یہ پیام پہونچایا) کہ اس مبارک میدان میں نماز پڑھیے اور کہیے کہ عمرہ بھی حج کے اندر ہے۔

شرح۔ حضرت شارح کو اس حدیث پہ ایک اشکال واقع ہوا ہے جسکا جواب بھی اپنے مذہب کے موافق دیا ہے، اشکال یہ ہے کہ عمرۃ فی حجۃ (عمرہ بھی حج کے اندر ہے) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد ملایا گیا حالانکہ قواعد شرع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمرہ کو احرام حج کے بعد نہیں کیا جاتا بلکہ حج کو احرام عمرہ کے بعد کیا جاتا ہے مگر حنفیہ کے مذہب پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ اون کے نزدیک افعال حج شروع کرنے سے پہلے عمرہ کا احرام اور اعمال عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام ایک دوسرے کی ساتھ ملایا جاسکتا ہے اور اگر افعال شروع کر دیئے گئے تو حج پہ عمرہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا عمرہ پر حج کا اضافہ ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتک اعمال حج یا عمرہ شروع نہیں کئے تھے کیونکہ ابھی تک آپ مکہ معظمہ نہیں پہونچے تھے اور اعمال حج و عمرہ مکہ پہونچکر ہی شروع ہوتے ہیں یہ واقعہ وادی العقیق کا ہے یعنی ذوالحلیفہ کا جو مدینہ سے چھ میل ہے اور مدینہ والوں کی میقات ہے اسی جگہ سے وہ احرام باندھتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں باندھا تھا نہ حج کا نہ عمرہ کا کہ رات کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ نے یہ پیام پہونچایا کہ اوس وادی مبارک میں نماز پڑھیے اور نماز کے بعد عمرہ و حج دونوں کا احرام ساتھ ساتھ باندھیے جس کو قران کہا جاتا ہے اور یہ حدیث حنفیہ کے اس دعوے کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔ مفرد یا متمتع نہ تھے۔ اس کے بعد شارح نے ملاحدہ

Marfat.com

کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے اور اوس کی کیفیت میں اس قدر اختلاف روایات ہے کوئی کہتا ہے آپ قارن تھے کوئی کہتا ہے مفرد تھے کوئی کہتا ہے متمتع تھے، اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے صحابہ کی نقل پر وثوق نہیں رہتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو پوری طرح ضبط نہیں کر سکے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹ کا احتمال خبر میں ہو سکتا ہے استدلال اور نظر میں نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عام طور پر بطریق اعلان) یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے قران کیا ہے یا تمتع۔ اگر ایسا ہوتا اور پھر بھی صحابہ نقل میں اختلاف کرتے تو اشکال ہو سکتا تھا اور جب ایسا نہیں بلکہ ہر شخص نے آپ کے افعال سے ارادہ و نیت پر استدلال کیا ہے استدلال میں اختلاف ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام کی ساتھ اپنے قارن ہونے کو اسلئے ظاہر نہیں فرمایا کہ پھر سب ہی قارن بننے کی کوشش کرتے اور سب کے لئے قران مناسب نہیں ہو
کیونکہ اوس میں احرام طویل ہوتا ہے طویل مدت تک محظورات احرام سے بچنا ہر ایک کو آسان نہیں ۳۱۴
پھر قارن پر قربانی بھی واجب ہے جس کی سب کو استطاعت نہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قران کا حکم دیا کسی کو تمتع کا کسی کو افراد کا تاکہ سب صورتوں کا جواز معلوم ہو جائے ناقلین نے اس امر کو آپ کا فعل قرار دیا اور محاورات میں ایسا ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے رجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو رجم کیا، حالانکہ آپ نے خود رجم نہیں کیا صرف حکم دیا تھا اسی طرح بولا جاتا ہے بنی الامیر المدینۃ امیر نے فلاں شہر بنایا حالانکہ وہ خود نہیں بناتا صرف حکم دیتا ہے غرض حکم کو فعل کہدینا محاورات میں شائع ہے۔"

تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کی نیت کی تھی اور قارن پر یہ واجب نہیں کہ تلبیہ میں ہر دفعہ حج وعمرہ دونوں کا نام لیا کرے بلکہ ایک دفعہ دونوں کو جمع کر کے پھر ایک کے ذکر پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔ تو آپ نے کبھی تو لبیک بعمرۃ وحجۃ کہا جس نے اس کو سنا اوس نے کہا حضور قارن تھے کبھی فرمایا لبیک بحجۃ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ مفرد ہیں۔ اوس نے افراد کی روایت کی کبھی فرمایا لبیک بعمرۃ جس نے یہ سنا وہ سمجھا کہ آپ متمتع ہیں،

Marfat.com

اور اس سے تو حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا جس نے بھی اوس کو سنا محفوظ رکھا اور جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کردیا، اب یہ مجتہد اور محقق کا فرض ہے کہ تمام روایات کو جمع کر کے راجح اور مرجوح کو معلوم کرے چنانچہ بحمد اللہ محققین نے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے کیونکہ بیس سے اوپر صحیح اور صریح حدیثیں اس پر دال ہیں اور دس وجوہ سے ان روایات کو دوسری روایات پر ترجیح ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو زاد المعاد ابن القیم ص۱۹۳ ج ا کا مطالعہ کرے۔ یا اعلاء السنن ص۱۷ ج ۱۰ اسے مراجعت کرے"

(لطیفہ) حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے بوادر النوادر میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک عالم سے جو کہ فارسی میں احقر کے استاد ہیں ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کمی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے اکثر مسائل مختلف فیہ ہیں اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں متفقہ فیصلہ ہوجاتا انھوں نے جواب دیا کہ یہی دلیل ہے ان کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا۔ اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہوجانا خصوص جبکہ محل تحقیق معانی ہوں جبکہ مادیات مشاہدہ میں اختلاف ہوجاتا ہے" ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے" ص۸۰۲

315

میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل حج ہی کے واقعہ میں یہ ہے۔ کہ اوھوں نے اس بات کو بھی نہیں چھوڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک کس وقت کہا تھا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اوھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آپ نے کس وقت لبیک کہا فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی تو حج کیا تھا اس لئے اون میں اختلاف ہو گیا، میں سب سے زیادہ اس کو جانتا ہوں (کیونکہ میں آپ کے قریب تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے تشریف لے چلے جب آپ نے مسجد ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں اوسی جگہ احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد لبیک کہا۔

Marfat.com

پچھ لوگوں نے سُنا اور اوس کو محفوظ کرلیا (اون کی روایت یہی ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد لبیک کہا) پھر آپ ناقہ پر سوار ہوے جب ناقہ آپ کو لے کر کھڑی ہو گئی اوس وقت بھی لبیک کہا بعض لوگوں نے اسی وقت آپ کا تلبیہ سُنا کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا سب آپ کے پاس نہیں رہ سکتے تھے یکے بعد دیگرے آپ کے پاس سے گذرتے تھے ان لوگوں نے بھی کہا کہ حضور نے اوس وقت لبیک کہا جب ناقہ کھڑی ہو گئی پھر آپ آگے بڑھے جب بیدار کی بلندی پر چڑھے اوس وقت بھی لبیک کہا بعض لوگوں نے اس وقت آپ کا تلبیہ سُنا پہلے نہیں سُنا تھا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کی بلندی پر چڑھتے ہوے تلبیہ کہا۔ اور خدا کی قسم! حضور نے اپنی نماز (احرام) ہی کی جگہ (پہلے) لبیک کہا اور ناقہ کے کھڑے ہونے کے وقت بھی (دوبارہ) لبیک کہا اور بلندی بیدار پر بھی لبیک کہا (کیونکہ احرام کے بعد تو ہر اختلاف حال میں لبیک کہنا مستحب ہے) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابن عباس رضؓ کی روایت کو لیا وہ اوسی جگہ لبیک کہتے ہیں جہاں (احرام) کی ۲۱۶
دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور شرط مسلم پر صحیح کہا ہے ذہبی نے اوس کی تائید کی ہے اور یہ روایت سُنن ابی داؤد میں بھی ہے" اور اب فقہاء کا عمل اسی پر ہے۔ اسی طرح آپ کے حج کی ہر ہر بات کو صحابہ نے محفوظ کر کے روایت کیا ہے مثلاً مدینہ سے کس دن خروج ہوا کس وقت کوچ ہوا ظہر کہاں پڑھی عصر کہاں پڑھی؟ راستہ میں کس مقام پر نزول ہوا کتنی جگہ پڑاؤ ہوا ہر منزل پر آپ کس جگہ کھڑے ہوے کہاں پیشاب کیا؟ کہاں اونٹنی کو چکر دیا؟ کس جگہ غسل کیا کس جگہ دعا کی۔ مکہ میں کس راستہ سے داخل ہوے؟ کس دن اور کس وقت داخل ہوے؟ مکہ میں داخل ہو کر کس دروازہ سے بیت اللہ میں آئے آتے ہی پہلے کیا کام کیا؟ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ کس تاریخ کو منیٰ کی طرف چلے؟ منیٰ میں کتنی نمازیں پڑھیں؟ وہاں سے عرفات کی طرف کب چلے؟ عرفات کس وقت پہونچے؟ وہاں کیا خطبہ دیا؟ وہاں سے کب لوٹے؟ اور کس راستہ سے .... واپس ہوتے راستہ میں کہاں وضو کیا؟ کہاں پیشاب کیا؟ مزدلفہ کب اور کس وقت پہونچے؟ مزدلفہ میں کتنا قیام ہوا وہاں سے کس وقت کوچ ہوا منیٰ کب پہونچے؟ وہاں آتے ہی پہلے کیا کام کیا کس ترتیب سے

Marfat.com

کیا لوگوں نے اس تمام سفر میں آپ سے کیا کیا مسائل دریافت کئے؟ حضور نے اون کا کیا جواب دیا؟ منی میں کتنے خطبے دیئے؟ اون میں کیا فرمایا؟ طواف زیارت کب کیا رمی جمار کس طرح کیا؟ منی سے واپس ہو کر کہاں نزول ہوا؟ وہاں سے مدینہ کو کس وقت اور کس دن واپسی ہوئی پھر واپسی کے حالات بھی اس تفصیل سے بیان کئے گئے۔ کوئی ہے جو اس اہتمام کی مثال پیش کر سکے؟

فضیلت انسان

حدیث سے انسان کی فضیلت بھی تمام مخلوقات پر مفہوم ہو رہی ہے کیونکہ کسی مکان یا زمان کی فضیلت انسان ہی کے فائدہ کے لئے ہے کہ وہ اون میں عبادت کا مامور ہے اور اوس کا ثواب بڑھتا ہے چنانچہ اس کی تصدیق حق تعالے شانہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ٥ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے اپنی طرف سے (اپنے حکم سے) اون تمام چیزوں کو مسخر کر دیا (یعنی تمہارے کام میں لگا دیا) ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں (کیونکہ اگر انسان نہ ہو تو ان کا کوئی نقصان نہیں اور یہ نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جائے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات انسان کے واسطے ہیں انسان اون کے واسطے نہیں تو کیا انسان اشرف المخلوقات ہو کر بیکار محض ہے اس کے متعلق کوئی کام نہیں؟) یقیناً اس میں دلائل ہیں اون لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں (وہ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ان چیزوں کو ہمارے کام میں لگانا ہمارے بس کی بات تو نہیں کیونکہ چاند سورج ستارے۔ پہاڑ۔ بادل۔ ہوا۔ دریا۔ ہمارے بنائے ہوئے نہیں نہ اون کے نظام پر ہم کو قدرت۔ اسی طرح زمین سے جو ہمارے واسطے غلہ پھل ترکاری اور اقسام و انواع کی نعمتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ جانوروں سے دودھ وغیرہ مل رہا ہے ہم نے اس میں کچھ نہیں کیا؟ پھر کس نے ان چیزوں کو ہمارے واسطے بنایا اور سب کو ہمارے کام میں لگا دیا؟ اسی نقطہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے پھر اوس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا اور اوس کے راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی فکر ہوتی ہے اور انسان سمجھ جاتا ہے کہ جس نے میرے واسطے یہ تمام سامان کیا ہے اوس نے ضرور میرے فرائض بھی کچھ رکھے ہیں۔ اور ایسا مہربان مالک مجھے اندھیرے اور گمراہی میں نہیں چھوڑ سکتا اس کے بعد اوس کو رسولوں اور رہنماؤں کی تلاش ہوتی ہے پھر طالب صادق محروم نہیں ہوتا وہ اللہ کے آخری سچے رسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہونچ جاتا

Marfat.com

اور قرآن وحدیث سے اپنی طلب کی پیاس بجھاتا ہے) غرض ان تمام مخلوقات سے ہمیں کو فائدہ پہونچ رہا ہے اور ہمارے ہی اوپر رحمت ہو رہی ہے۔" قولہ فیہ دلیل علی ان اللہ عزوجل یفضل ما یشاء من خلقہ الی قولہ فکان الفائدۃ لنا ورحمۃ بنا۔

ف۔ شریعت نے تو کسی زمان یا مکان کی فضیلت اس لئے بتلائی تھی کہ ہم اوس میں عبادت کرکے ثواب زیادہ حاصل کریں، لیکن اب اس فضیلت کو لہو ولعب کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے یا آمدنی وصول کرنے کا وسیلہ۔ چنانچہ شب قدر کی فضیلت کا یہ حشر ہو رہا ہے کہ اوس رات تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے تو مسجد میں فضول چراغان کی جاتی ہے۔ مٹھائی کا انتظام ہوتا ہے اور مسجد میں وہ شور وغل برپا ہوتا ہے کہ نہ مسجد کا ادب ملحوظ رہتا ہے نہ نماز پڑھنے والوں کی نماز کا خیال کیا جاتا ہے، عید وبقر عید کا دن خوشی کا ہے تاکہ سب مسلمان جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں ذکر اللہ زیادہ کریں اللہ کا بول بالا کریں۔ اوس کو بھی تماشا بنا لیا گیا بہت آدمیوں کی عید تو کپڑوں کی عید ہوتی ہے نماز کا اہتمام برائے نام ہوتا ہے اور عید کی نماز کے بعد تم نوجوانوں کو ہوٹلوں اور سینما گھروں میں رنگ رلیاں مناتے پاؤ گے استغفر اللہ! عاشورا محرم میں روزہ کی فضیلت ہے اوس میں وہ خرافات ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی رام لیلا کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ربیع الاول میں ولادت نبویہ کی وجہ سے فضیلت اسلئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام زیادہ پڑھا جائے آپ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کیا جائے مگر لوگوں نے اس کو بھی ایک تہوار بنا لیا جس میں سوائے محفل میلاد کے اور کچھ نہیں ہوتا اور محفل میلاد بھی اپنی طرف سے ایک خاص صورت اختراع کرکے منعقد کی جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر آتے ہی قیام کیا جاتا ہے اور قیام میں گلے ملا کر درود شریف پڑھا جاتا ہے پھر حاضرین کو مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور میلاد خوان کو نذرانہ دیا جاتا ہے، اگر کوئی اسی طریقہ کو بدعت کہے تو اوسکو وہابی کہکر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ میلاد خوانوں کے نذرانے موقوف ہوتے ہیں مگر یہ صورت اوسی وقت تک بھی ہے جب تک میلاد خوانوں کو نذرانے مل رہے ہیں اور اگر عامۂ مسلمین اون سے برابر میلاد پڑھوائیں اور نذرانہ بند کردیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خود بھی اس کو بدعت کہنے لگیں گے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس زمان یا مکان کو فضیلت دی ہے اوس میں عبادت مطلوب ہے لہو ولعب اور جشن آرائی مطلوب نہیں اب وہ خود فیصلہ کرلیں کہ اون کا عمل مقصود شریعت کے موافق ہے یا خلاف

١١٨

Marfat.com

واللہ المستعان"۔

واقعہ یہ ہے کہ ان ایام فضیلت کے آنے سے پہلے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہی ان ایام میں بھی باقی رہتی ہے اور ان کے بعد بھی نہ ایام میں عبادت کا اہتمام ہوتا ہے نہ ان کے بعد پھر محض ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ؟ جتنی رقم ان ہنگامہ آرائیوں میں ہر سال صرف ہوتی ہے اگر اوس کو کسی تعمیری کام میں صرف کیا جاتا تو مسلمانوں کی حالت سنبھل جاتی اور ان ایام میں اپنی حالت درست کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو نصرت خداوندی شامل حال ہوتی مگر لوگ صرف ہنگامہ آرائی کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں عمل کا اہتمام بالکل نہیں۔

(۷۸) حدیث الانابۃ عن الحج

۳۱۹ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج وداع میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ پر اللہ کا فریضہ حج عائد ہو گیا ہے مگر وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر جم (کر بیٹھ) نہیں سکتا تو کیا میں اوس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں (کر سکتی ہو)۔"

شرح۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حج میں نیابت ہو سکتی ہے، اب گفتگو یہ ہے کہ کیا حج فرض اور نفل دونوں میں نیابت ہو سکتی ہے؟ جیسا امام شافعی سے منقول ہے یا صرف نفل میں ہو سکتی ہے فرض میں نہیں، سو اس عورت نے اپنے باپ کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ سواری پر نہیں جم سکتا اس کا مقتضا یہ ہے کہ اوس پر حج فرض نہ تھا کیونکہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں من استطاع الیہ سبیلا کہ (حج اوس پر فرض ہے) جو راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور اس شخص کو طاقت نہ تھی تو اوس پر فرض عائد نہ تھا (مگر سوال کرنے والی کے سوال میں تصریح ہے کہ فریضۂ حج اوس کے باپ پر عائد ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس سے زیادہ صریح عبداللہ بن زبیر کی حدیث ہے کہ ایک شخص قبیلۂ خثعم کا حضور کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر نہیں جم سکتا ہے اور حج اوس پر فرض ہے تو کیا میں اوس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟

Marfat.com

فرمایا کیا تم اوس کے سب سے بڑے بیٹے ہو؟ کہا ہاں فرمایا بتلاؤ اگر تمہارے باپ پر (کسی کا) دین ہوتا اور تم اوس کو ادا کر دیتے تو کیا اوس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو بس تم اوس کی طرف سے حج کرو۔ رواہ احمد والنسائی وقال الحافظ ان اسنادہ صالح ص ج ۱۰۔ اعلاء۔

اس میں سوال کرنے والے نے اپنے باپ کی حالت بیان کر کے صاف کہا کہ اوس پر حج فرض ہے اور حضور نے اس کا رد نہیں کیا بلکہ ادا دین کی مثال دے کر اوس کو حکم دیا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے، اسی لئے امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ صحت بدن و امن طریق شرط وجوب ادا ہے شرط نفس وجوب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من استطاع الیہ سبیلا کی تفسیر میں صرف زاد و راحلہ کا ذکر فرمایا ہے صحت بدن و امن طریق وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا تو جس زاد و راحلہ کی قدرت موجود ہے اوس پر حج فرض ہوگا اب اگر مرض اور ضعف وغیرہ بھی نہیں تو خود حج کرنا فرض ہے اور اگر کوئی مرض یا راستہ کی بدامنی یا بڑھاپا مانع ہو گیا۔ تو خود حج کرنا فرض نہیں بلکہ حج بدل کرا دینا یا وصیت کر جانا فرض ہے یہی قول صحیح ہے اگرچہ مذہب میں اور بھی روایات ہیں بہر حال یہ حدیث حج فرض میں جواز نیابت پر دال ہے اور نفل اوس کے تابع ہے ۱۲۔)

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ (حج کی طرح) اور طاعات بدنیہ میں بھی نیابت جائز ہے یا نہیں (جیسے نماز۔ روزہ) تو جمہور کے نزدیک جائز نہیں، اور جن آئمہ نے حج میں نیابت جائز کی ہے صرف اسی حدیث کی وجہ سے جائز کی ہے اور تم دیکھ رہے ہو کہ اون میں بھی اختلاف ہے کہ یہ حدیث حج فرض کے متعلق ہے یا نفل کے۔ دوسرے حج میں انفاق مال کی جہت غالب ہے طاعت بدنیہ اوس کے تابع ہے اور عبادات مالیہ میں نیابت جائز ہے اور فرض مالی میں بلا اختلاف جائز ہے۔ باقی عبادات بدنیہ (محضہ) میں نیابت جائز نہیں صرف بعض لوگوں نے شذوذ کے طور پر خلاف کیا ہے (یعنی وہ عامہ فقہاء سے الگ ہو کر ایسا کہتے ہیں) کہ اگر کوئی مر جائے اور اوس کے ذمہ فرض روزہ ہو تو ولی اوس کی طرف سے روزہ رکھ دے جمہور علماء کہتے ہیں کہ اوس کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا (بلکہ فدیہ ادا کر سکتا ہے) ایک حدیث میں (یہ لفظ) وارد ہوا ہے یصوم عنہ ولیہ کہ ولی اوس کی طرف سے روزہ رکھ دے بعض علماء نے اسپر عمل کیا مگر جمہور کے نزدیک اس پر عمل درآمد صحیح (طور سے ثابت) نہیں ہوا۔ (جمہور کہتے ہیں کہ جن صحابہ نے یہ حدیث روایت

Marfat.com

کی ہے اون کا فتویٰ ہی خود اس کے خلاف ہے چنانچہ حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے لا یصلین احد عن احد ولا یصومن احد عن احد ولکن ان کنت فاعلا تصدقت عنہ او اھدیت۔ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اوس کی طرف سے صدقہ کر دو یا ہدیہ کر دو یعنی قربانی کر کے غربا کو بانٹ دو۔ پس یا تو یہ کہنا چاہیئے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے وہ حکم ابتدائی اسلام میں ہوگا یا یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث اوس صورت میں ہے جب میت نے وصیت نہ کی ہو یا وصیت کی ہو مگر کچھ مال نہیں چھوڑا تو وارث پر فدیہ واجب نہ ہوگا ہاں اگر وہ چاہے اپنے پاس سے فدیہ ادا کر دے یا نماز پڑھ کر روزہ رکھ کر میت کو اوس کا ثواب پہونچا دے اور دوسری حدیث اوس صورت میں ہے جب میت نے وصیت کی ہو اور مال بھی چھوڑا ہو اس وقت وارث کا نماز روزہ کفایت نہ کرے گا بلکہ فدیہ ادا کرنا واجب ہوگا" ھذا ھو تفصیل ما ذکرہ الشارح فی المقام والبسط فی الاعلاء واللہ تعالیٰ اعلم)۔

(۱۹۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ شرعی معلوم کرنے میں نیابت جائز ہے (کہ کسی کی طرف سے دوسرا استفتا کرلے) چنانچہ اس عورت نے اپنے باپ کے متعلق استفتا کیا (اور حضور نے حکم شرعی بتلا دیا یہ نہیں فرمایا کہ اپنے باپ سے کہو وہ خود آکر سوال کرے) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی دوسرے کی طرف سے حکم شرعی دریافت کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے بات چیت کرنا اور اجنبی مردوں کا اوس کی آواز سننا جائز ہے اگرچہ اوس کی آواز بھی عورت ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) جس کا سننا اجنبی کو جائز نہیں مگر ضرورت میں جائز ہے (اور یہ موقعہ ضرورت کا تھا کہ حکم شرعی معلوم کرنا تھا) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوس نے مسئلہ دریافت کیا اور حضور نے اوس کی بات کو سنا (اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور اوس کو بات کرنے سے منع کر دیتے اور فرماتے کہ کسی محرم کے ذریعہ سے سوال کرو) اور اس سے معلوم ہوا کہ متقی حکام اور فقہا کی ساتھ اون کے دربار وغیرہ میں) بیٹھنا جائز ہے اگرچہ اون کے پاس مرد اور عورتیں سب ہی آتے ہوں کیونکہ جس وقت اس عورت نے سوال کیا تھا اوس وقت عبد اللہ بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور دوسری احادیث میں بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں حاضر رہتی تھی اسی طرح احکام (شرعیہ) کا تقرر ہوا ہے (کہ آپ نے جس کو بھی جو کچھ بتلایا اور جس کے بھی سوال کا جواب دیا صحابہ کی ایک جماعت اوس کو سنتی اور محفوظ کرتی تھی پھر اونھوں نے بعد والوں کو احکام پہونچائے جو کتب حدیث میں جمع کر دیئے گئے) اگر یہ صورت دوسروں کے لئے جائز نہ ہوتی صرف آپ کی ذات سے خاص ہوتی کہ وہاں تقرر احکام کے لئے اس کی ضرورت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور ظاہر فرما دیتے (مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ حضور کے بعد خلفاء راشدین کا عمل بھی اسی پر رہا کہ اون کی مجلس میں ایک خاص جماعت اہل شوریٰ کی موجود رہتی تھی جو خلفاء کے احکام کو سنتے اور محفوظ کرتے اور ضرورت کے موقعہ پر مشورہ بھی دیتے تھے"۔ قولہ فیہ دلیل علی جواز النیابۃ فی العلم الی قولہ لکان یذکر ذلک ویبینہ"

ف ۔ صوفیہ کے نزدیک بھی ایک شخص دوسرے کے متعلق سوال کر سکتا ہے بشرطیکہ اوس کی مخفی حالت کے متعلق سوال نہ ہو مثلاً یہ سوال کر سکتا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہے وہ بیماری میں اپنے معمولات پورے نہیں کر سکتا تو کیا کرے لیکن یہ سوال نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص میں بد نگاہی کا مرض ہے اوسکو کیا کرنا چاہئے یہ سوال مریض کو خود کرنا چاہئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ ۲۷۶

ف ۔ ضرورت کے موقعہ پر عورت کو عالم کے پاس جانا اور حکم شرعی دریافت کرنا جائز بلکہ بعض دفعہ واجب ہے جبکہ اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو مگر عالم کو تنہائی میں عورتوں سے بات نہ کرنا چاہئے یا تو اپنے گھر والوں کے سامنے بات چیت کرے یا مجمع عام میں اگر عالم کے گھر پر سوال کرنے کا موقعہ مل جائے تو عورت کو عالم کے سامنے نہ آنا چاہئے بلکہ پردہ کے پیچھے سے بات کرے اور اگر عالم کے گھر والوں میں کوئی اس قابل ہو کہ سوال سمجھ کر صحیح طور سے عالم کے سامنے بیان کر سکے تو اجنبی عورت کو خود بات نہ کرنا چاہئے بلکہ بواسطہ سوال کرنا چاہئے اور اگر اوس کے گھر والوں میں کوئی سوال کو صحیح طور سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ خود پردہ کے پیچھے سے بات کرے اور مجمع عام میں سے سوال کی ضرورت ہو تو عورت کو منہ کھول کر نہ آنا چاہئے بلکہ برقعہ پوش ہو کر آنا چاہئے اور اس عورت نے جس کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے منہ کھول کر اس لئے بات کی کہ وہ احرام کی حالت میں تھی اور حالت احرام میں عورت کو منہ کھولنا جائز بلکہ ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ زمانہ حج میں جو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتا عورتوں کے منہ کھولنے

Marfat.com

سے ابتک کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا، مگر پھر بھی زمانہ فساد پر نظر کرکے آجکل فقہاء نے حالت احرام میں بھی، عورتوں کو منہ چھپانے کی تاکید کی ہے مگر کپڑا منہ سے علیحدہ رہنا چاہیے جس کے لئے اس قسم کے پنکھے ایجاد ہو گئے ہیں جن کو سر پر رکھنے سے نقاب چہرہ سے الگ رہتا ہے۔

(۷۹) حدیث مایلبس المحرم فی الحج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ محرم کون کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (محرم) قمیص نہ پہنے نہ عمامہ باندھے نہ پائجامہ پہنے نہ برنس (لمبی ٹوپی کا نام ہے جو زمانہ قدیم میں مستعمل تھی جو پورے سر کو گردن سمیت محیط ہوتی تھی) اور نہ موزے پہنے مگر یہ کہ کسی کے پاس نعل نہ ہو (وہ جوتہ جس میں ایڑی نہیں ہوتی) تو وہ موزے پہن سکتا ہے بشرطیکہ ان کو ٹخنے سے نیچے (کرکے) کاٹ دے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس لگی ہو (یہ بھی ایک گھاس ہے خوشبودار جس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

شرح:۔ ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حالتِ احرام میں ان کپڑوں کا پہننا اور ایسے موزے پہننا جن سے ٹخنے ڈھک جائیں اور زعفران و ورس سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ ممانعت ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ بعض کو بیان فرما کر تنبیہ کی گئی ہے جو ان کے مثل ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۱۹۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ سائل سے اس طرح کلام کرنا چاہیے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ سمجھ گیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے اسی طرح کلام فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ اس جواب سے پوری بات سمجھ جائے گا تو آپ اتنی سی بات پر اکتفا نہ فرماتے جو حدیث میں مذکور ہے بلکہ مبالغہ کی ساتھ تشریح فرماتے، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث نبوی اور قرآن شریف میں زبان عربی کے قاعدے کے موافق ہی غور کرنا چاہیے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں اسی لئے حق تعالٰے فرماتے ہیں فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون (ہم نے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں) یعنی بقاعدۂ زبان عربی جس مطلب کو کلام مقتضی ہے اوس کو سمجھ جائیں تاکہ ادن سے عیب

Marfat.com

بات کا ارادہ کیا گیا ہے اوس کو سمجھ کر نصیحت حاصل کریں (اور اوس پر عمل کریں)"۔ قولہ ان المتکلم یخاطب السائل بحسب ما یعلم انہ یفہم عنہ الی قولہ فیتذکرون عند ذلک"۔

ف ۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ بات صاف ہو اور پوری ہو اذہوی نہ ہو تا کہ مخاطب اچھی طرح مطلب سمجھ جائے جن لوگوں نے حضرت کے مکاتیب و رسائل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت کا جواب مختصر بھی کافی ہوتا تھا، صوفیہ اور علماء کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے

ف ۔ جو لوگ قرآن و حدیث میں بدون ذوق عربیت کے غور کرنا چاہتے ہیں اون کی غلطی بھی واضح ہو گئی آجکل بعض جہلاء صوفیہ قرآن سے اپنے طریقہ کو قواعد عربیت کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی طرح بعض لوگ محض ترجمہ دیکھ کر مجتہد بننا چاہتے ہیں بعضے تھوڑی سی صرف و نحو پڑھ کر قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا چاہتے ہیں یہ سب قرآن و حدیث میں تحریف کرتے ہیں۔ جس کو زبان عربی سے ذوق نہ ہو اوس کو علماء محققین سے رجوع کرنا لازم ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"۔ ۳۲۴

(۱۹۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل جزئیہ کی تحقیق کرنا جائز ہے کیونکہ اس شخص نے جزئیات ہی سے سوال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کو جواب دیا جس سے اس قسم کے سوال کا جواز معلوم ہو گیا"۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (احکام) دین کا پوچھنا ضرورت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ اس شخص نے محرم کے لباس کو دریافت کیا حالانکہ وہ اس وقت محرم نہ تھا اسی کے مناسب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک رات وہ اپنے زمانہ کے ایک امام کے پاس رہے جن پر عبادت کا (زیادہ) غلبہ تھا اگرچہ اوس زمانہ کے سبھی ائمہ کا یہی حال تھا (مگر پھر بھی بعضوں پر کسی ایک شان کا غلبہ ہوتا تھا) تو وہ امام تو رات بھر نماز میں مشغول رہے اور امام شافعی لیٹے رہے، صبح کو اون عالم کی بیوی نے کہا یہی وہ امام شافعی ہیں جن کی آپ تعریف کیا کرتے تھے آپ تو رات بھر نماز پڑھتے رہے اور وہ رات بھر بے حس و حرکت لیٹے رہے اون بزرگ نے اپنی بیبی کی بات کا تذکرہ امام شافعی سے کیا تو فرمایا کہ میں آج رات بھر استنباط مسائل میں مشغول رہا اور اسی مسئلے دلیل و برہان کی ساتھ اپنے ذہن میں جمع کر لئے اون بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ جس کے لیٹے رہنے پر تو نے اعتراض

بیان جواز تحقیق مسائل جزئیہ

Marfat.com

کیا تھا اوس نے اس رات میں اسّی مسائل استنباط کیے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ بھی میری ساری عبادت سے افضل ہے (کیونکہ میری عبادت تو صرف میرے لئے ہے اور مسائل کا استنباط ساری اُمت کو نافع ہے جس سے قیامت تک وہ دین کا راستہ معلوم کرے گی) ذرا تم ان حضرات کی بزرگی اور باہمی انصاف اور علم کے احترام کو تو دیکھو اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (واقعی یہ حضرات امام تھے) اور یہی حق ہے جبکہ اللہ کے واسطے ہو (کہ ہر عالم دوسرے کا احترام کرے اور صرف اللہ کے واسطے احترام کرے)" قولہ وفیہ دلیل علی البحث فی جزئیات الدین الیٰ قولہ وھو الحق اذا کان للہ "۔

ف ۔ اسی قسم کا واقعہ امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ کا امام شافعی کے ساتھ منقول ہے کہ امام شافعی اخیر شب میں تہجد کو اٹھے اور امام محمد لیٹے رہے، صبح کو شافعی نے دریافت کیا کہ آپ نے رات تہجد کیوں نہیں پڑھا فرمایا تم نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے اور میں اون آیات سے مسائل استنباط کر رہا تھا یہاں تک کہ دو سو سے زیادہ مسائل میں نے جمع کر لیئے اس لئے تہجد کو نہ اٹھا، یہ ہیں وہ حضرات جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے نوم العالم عبادۃ عالم کا سونا اور لیٹنا بھی عبادت ہے، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کی عادت تھی کہ سوتے ہوئے پنسل کاغذ اپنے پاس رکھ لیتے تھے اگر رات کو کوئی مسئلہ علم ظاہر یا علم باطن کا قلب پر وارد ہوتا فوراً بتی جلا کر اوس کو لکھ لیتے تھے، بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ دن میں ڈاک پوری نہ ہوئی تو رات کو تہجد کی نماز ہلکی ہلکی رکعتوں سے ادا کی اور ڈاک لکھنے بیٹھ گئے کیونکہ اوس میں طالبین کی اصلاح و تربیت ہوتی تھی جو تہجد سے اہم و اقدم ہے ۔ 325

ف ۔ حضرات فقہاء نے استنباط مسائل کے لئے تہجد کو ہمیشہ ناغہ نہیں کیا بلکہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوجاتا تھا جبکہ قلب پر دفعۃً مسائل کا ورود ہونے لگتا .... اور تہجد میں مشغول ہونے سے اس سلسلہ کے منقطع ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ورنہ حضرات فقہاء کو علم ظاہر کے ساتھ عبادت کا بھی بہت زیادہ اہتمام تھا اس عمل ہی کی برکت سے علم ظاہر میں ترقی اور نور پیدا ہوتا تھا اور اسی کی برکت سے بعض دفعہ اون کے قلب پر دریائے علم موجزن ہوتا تھا تو اس وارد کا حق ادا کرنے کے لئے اوسی میں مشغول رہتے اور اوس وقت تہجد کو ناغہ کر دیتے پھر بعد طلوع

Marfat.com

آفتاب کے اوس کی قضا کر لیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ وارد کا غلبہ ہمیشہ نہیں ہوا کرتا مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ذاکر شاغل صوفی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رح کے مہمان ہوئے عشا کے بعد مولانا محمد یحییٰ صاحب نے صوفی صاحب سے فرمایا اگر تہجد پڑھنا چاہتے ہو تو اپنا پلنگ مولوی ظفر احمد کے پاس بچھاؤ وہ رات کو اٹھے گا تم بھی اوٹھ جاؤگے اور اگر سونا چاہتے ہو تو اپنا پلنگ میرے پاس بچھا لو۔ صوفی نے کہا میں تو آپ ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا، چنانچہ اوس رات دونوں حضرات صبح تک سوتے ہی رہے۔ صبح کی نماز کے بعد وہ صوفی کہنے لگے مولانا ایسی نیند تو روز سلادیا کرو۔ واللہ رات بھر اللہ تعالیٰ کا ایسا حضور رہا کہ مجھے نماز میں بھی ابتک ایسا حضور حاصل نہیں ہوا" مولانا محمد یحییٰ صاحب رح کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا بھائی ہمارے پاس تو بس یہی ہے"۔ اللہ اللہ ایسے حضرات کی نیند پر ناقصوں کے ہزار تہجد قربان ہیں ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۱۹۴) حاجی (حالت احرام میں) جن باتوں کا مکلف کیا گیا ہے کہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے خوشبو نہ ۳۲۶
لگائے زینت نہ کرے اس کی کوئی حکمت ہے یا محض تعبد ہے جس کی علت عقل میں نہیں آسکتی؟ اگر محض تعبد ہے تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ قواعد شرعیہ حکمت پر مبنی ہیں تو اسکی حکمت میں غور کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب اللہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں ایک ہی نشانی نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں چنانچہ حکم حج سے پہلے ارشاد ہے فیہ آیات بینات بیت اللہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور یہ لفظ عام ہے جو معنوی حکمتوں اور حسّی نشانیوں سب کو شامل ہے یا حسّی نشانیوں کے ساتھ خاص ہے جیسا بعض علماء نے فرمایا ہے کہ (بیت اللہ میں ایک نشانی قدرت[عہ] یہ ہے کہ) وہاں (پہونچکر) کوئی مخدوم نہیں دیکھا جاتا (بلکہ سب ہی ایک شان میں نظر آتے ہیں نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز) اور (دوسرا نشان قدرت) رمی جمار میں (ہے) کہ ہر سال اون پر کنکریاں ماری جاتی ہیں (اور یہ سلسلہ ہزاروں برس سے چلا آرہا ہے ہر سال لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل

عہ اور ایک بڑا نشان قدرت تو یہ ہے کہ بیت اللہ ہزارہا برس گذر جانے پر بھی محفوظ ہے جبکہ بڑے بڑے سلاطین کے محلات کا نام و نشان تک باقی نہیں کعبہ معظمہ سے قدیم تر عمارت آج دنیا کے پردہ پر کسی جگہ موجود نہیں ۱۲۔ ظ

Marfat.com

ہر جمرہ پر لاکھوں کنکریاں مارتے ہیں) مگر اون کا کوئی نشان وہاں باقی نہیں رہتا حالانکہ اون کے اٹھانے اور صاف کرنے کا کوئی انتظام نہیں جس کا جی چاہے تحقیق کرے تو عقل کا مقتضا یہ تھا کہ اسی مقام پر کنکریوں سے ایک پہاڑ بن جاتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو کنکریاں قبول ہو جاتی ہیں اون کو فرشتے اٹھا لیتے ہیں) تو یہ (حسی نشان قدرت) بھی اون آیات کثیرہ کا ایک حصہ ہے (جن پر فیہ آیات بینات میں اشارہ کیا گیا ہے اور تیسرا حسی نشان قدرت یہ ہے کہ زمین حرم کے اندر بھیڑیا اور بکری ساتھ ساتھ رہتے ہیں نہ بکری بھیڑیئے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اوس پر حملہ کرتا ہے اور جہاں زمین حرم سے باہر ہوئے پھر بکری بکری ہے اور بھیڑیا بھیڑیا تو اس میں سوچنے اور سمجھنے والوں کو تنبیہ ہے وہ غور کریں گے تو اون کی سمجھ میں بہت سی نشانیاں قدرت کی آجائیں گی ان آیات کے عموم سے ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق حصہ لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ اوس پر منکشف کر دیں کیونکہ اس میں عجیب عجیب حکمتیں ہیں،، چنانچہ (لباس احرام کے متعلق)
اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو حکمت ہمیں معلوم ہوئی وہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حجاج اپنے ۳۲۷
گناہوں کا بوجھ اتارنے (اور گناہوں سے معافی چاہنے کو) جاتے ہیں اس حالت کے مناسب یہی صورت ہے کہ ذلت کی شکل بنا کر جائے لذات نفس سے علیحدہ ہو کر جائے کہ وہی گناہوں میں مبتلا کرتی ہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے ملائکہ سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو اونھوں نے کہا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں جو اوس میں فساد کریں گے خون ریزی کرینگے اور ہم بحمد اللہ آپ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (ہم اس کے لئے حاضر ہیں ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟) قال انی اعلم ما لا تعلمون سے " اللہ تعالیٰ[ع۵] کو غصہ آگیا

ع۵ یہ حدیث میری نظر سے نہیں گذری البتہ ملا علی قاری نے معالم التنزیل سے نقل کیا ہے کہ امام علی بن الحسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام البیت المعمور ہے اور فرشتوں کو اوس کے طواف کا امر کیا پھر جو فرشتے زمین پر رہتے ہیں اونکو حکم دیا کہ ایسی تعمیر پر اسی کی برابر زمین میں ایک گھر بنائیں اونھوں نے بنایا (باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۸ پر دیکھئے)

Marfat.com

(اور فرمایا بس میں جانتا ہوں جو کہ تم نہیں جانتے) تو فرشتوں نے سات دفعہ عرش کا طواف کیا اور توبہ واستغفار کیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اون کی توبہ قبول کی پھر فرمایا زمین میں ایک گھر بناؤ جس کا گنہ گار انسان طواف کرے تو میں اون کی توبہ قبول کروں جیسا (عرش کے طواف سے) تمہاری توبہ قبول کی۔ اور اون کی بھی مغفرت کر دوں جب تمہاری مغفرت کی۔ فرشتوں نے یہ گھر (کعبہ معظمہ) بنایا تو جو اس غرض سے آئے حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ اوس کی حالت مقصود کے مناسب ہو، دیکھو عید (کی نماز) کے لئے نکلنا چونکہ طلب رحمت (وانعام) کے لئے ہے عبادت صوم پورا کرنے کے بعد تو اوس میں خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہننا مطلوب ہے کیونکہ اس وقت کے مناسب یہی ہے یہ حالت استقامت اور امتثال امر کی ہے (کہ امتثال امر کے بعد انعام حاصل کرنے کے لئے بارگاہ عالی میں حاضر ہوے ہیں تو اچھی شکل سے آنا چاہیئے) اور نماز استسقاء کے لئے نکلنا اوس مصیبت کے دور کرنے کے لئے ہے جو (قحط کی شکل میں) نازل ہوئی ہے تو اوس وقت تضرع و مسکنت (خشوع و خضوع) کے ساتھ نکلنا چاہیے (کپڑے بھی اچھے نہ ہوں بلکہ میلے کچیلے ہوں) کیونکہ اس وقت گناہوں کا ارتکاب کرکے بارگاہ میں آئے ہیں حدیث میں آتا ہے جب بندے گناہ کرتے ہیں حق تعالیٰ اون سے بارش کو روک لیتے ہیں تو اس حالت کے مناسب یہی صورت ہے کہ مسکنت و ذلت کی شکل میں آئیں دعا میں ۳۲۸

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۷ کا)

اور اوس کے طواف کا زمین والوں کو حکم کیا گیا جیسا آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے بیت اللہ کو بنایا تھا وہ اوس کا حج کرتے تھے جب آدم علیہ السلام نے حج کیا فرشتوں نے کہا آپ کا حج قبول ہے ہم نے آپ سے دو ہزار برس پہلے اس کا حج کیا ہے واللہ اعلم۔ پس اگر یہ حدیث جو شارح نے بیان کی ہے صحیح نہیں تو کچھ اشکال نہیں اور اگر صحیح ہے تو اس سے عصمت ملائکہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ملائکہ کا مقصود اعتراض نہ تھا بلکہ حکمت دریافت کرنا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے ایسی مخلوق کو خلافت دینے میں کیا حکمت ہے؟ مگر عنوان خلاف ادب تھا اسلئے حق تعالےٰ ناراض ہوئے پس ملائکہ کی یہ بات گناہ کے درجہ میں نہ تھی صرف لغزش کے درجہ میں تھی جو عصمت کے منافی نہیں ۱۲ ظ۔

Marfat.com

مارے خوف کے ہاتھ بھی اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلی زمین کی طرف ہو (جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے) کہ ہماری حالت پلٹ دیجئے۔ اسی طرح حج میں ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ حج میں بہت بڑی طلب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حج میں روز محشر کا نمونہ ہے کیونکہ وہاں بھی ایک ہی دن میں تمام روئے زمین کے آدمی جمع ہوں گے (حج میں بھی ایک تاریخ میں تمام اطراف کے آدمی جمع ہوتے ہیں) اور جیسا قیامت میں مختلف مقامات پر ٹھہرنا ہوگا (کبھی میدان میں جمع ہوں گے کبھی حساب کیلئے بلائے جائیں گے کبھی میزان عمل پر جائیں گے وغیرہ وغیرہ) اسی طرح یہاں بھی مختلف مقامات مقرر ہیں کبھی (میدان عرفات میں اجتماع عظیم ہے کبھی) رمی جمار ہو رہا ہے کبھی منی۔ مزدلفہ میں وقوف ہو رہا ہے (کبھی طواف زیارت کیلئے جا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ) اور جیسا دنیا سے آخرت کی طرف جاتے ہوئے اہل وعیال اور مال سب چھوٹ جاتے ہیں اور بجز کفن اور ضروریات دفن
۳۲۹ کے (دنیا کی) اور کوئی چیز ساتھ نہیں جاتی اسی طرح حاجی اپنے اہل وعیال اور وطن سے مفارقت
کرتا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے موت کی ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم (اور اگر ہم ان کے اوپر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانیں دیدو یا گھروں سے نکل جاؤ تو بہت کم آدمی اس فرض کو پورا کرتے) اور اوس کے ساتھ بھی بقدر ضرورت سفر کے مال ہوتا ہے غالب عادت یہی ہے باقی سب چھوڑ جاتا ہے، نیز جیسا میت کو قیامت سے پہلے مختلف مقامات میں ٹھہرنا ہوتا اور قسم قسم کے خطرات پیش آتے ہیں جن سے بعض لوگ خلاصی پا جاتے ہیں جن کو اللہ تعالٰی خلاصی دینا چاہیں اور بعض ہلاک ہو جاتے ہیں اسی طرح حج کے راستے میں بھی بہت مشقتیں پیش آتی ہیں چنانچہ ارشاد ہے لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس (اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر ایسے شہر میں پہنچاتے ہیں جہاں تم بدون جانوں کو مشقت میں ڈالے نہیں پہنچ سکتے تھے) اور بعض لوگ حج کے راستہ ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں جیسا وہاں (بعض لوگ قیامت سے پہلے ہی ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں) مگر دونوں ہلاکتوں میں ایک فرق ہے کہ یہاں تو صرف اتنی ہی ہلاکت ہے کہ جان بدن سے نکل جاتی ہے جس میں بعض دفعہ سعادت (اور شہادت) بھی مل جاتی ہے اور وہاں کی

Marfat.com

ہلاکت خطرات کی کثرت سے ہوتی ہے جن سے خلاصی نہیں ہوتی تو وہ شقاوت اور ناکامی کی ہلاکت ہے (حج کے راستہ میں ہلاک ہونے والا اس سے محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالے کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ کے واسطے اپنے گھر سے نکل چکا پھر راستہ میں موت آجائے تو اوس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا وہ انشاء اللہ محروم نہیں) اگر قیامت (سے پہلے اور میدان قیامت میں تو لوگ ننگے کھڑے ہونگا در حج میں ننگے نہیں ہوتے اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے (اکثر) لوگ ننگے ہوکر وقوف (عرفہ وغیرہ) کرتے تھے مگر اب شریعت نے اس کو روک دیا اور ستر ڈھانکنے کے لئے لباس کو ضروری قرار دیا مگر سلا ہوا کپڑا اور زینت کا لباس ممنوع کر دیا گیا بس مُردہ کی طرح لنگی اور چادر میں احرام ہونا چاہئے اور اوس کو حج پورا ہونے تک رکھنا چاہئے) کیونکہ قیامت کا تو ہول اس قدر ہوگا کہ کسی کو کسی کے ستر پر نظر کرنے کی مہلت نہ ہوگی اور حج میں نظر سے مانع کوئی نہیں ہے تو لباس کی ضرورت ہے، اور قیامت میں کسی کے پاس خوشبو نہ ہوگی ایسا ہی یہاں بھی (زینت اور خوشبو سے منع کر دیا گیا) نیز قیامت میں حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی اور کسی ۳۷۰
کی نہ ہوگی سب کے دعوے ختم ہو جائیں گے اسی طرح حج میں جس غرض سے جاتے ہیں یعنی گناہوں کی مغفرت اور معافی اس میں بھی کسی کا کچھ دخل نہیں سب کے سب گردن جھکائے منتظر کھڑے ہوتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالے کیا فیصلہ فرماتے ہیں (مغفرت سے نوازتے اور حج کو قبول فرماتے ہیں یا اُلٹا منہ پر مارتے ہیں پھر میدان عرفات میں بادشاہ اور رعایا امیر و غریب سب ایک لباس میں ہوتے اور سب کے سب اللہ تعالے کے سامنے عاجزی و انکساری اور زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھائے ہوتے ہیں اوس وقت کوئی خادم اور مخدوم نظر نہیں آتا بلکہ صاف ان الحکم الا للہ کا نقشہ سامنے ہوتا ہے) ایک بزرگ سے منقول ہے کہ اونھوں نے ایک بار حج کیا حج سے فارغ ہو کر سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ہیں (اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں) ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال ہمارے پروردگار کے گھر کا کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ نے، اوس نے پھر سوال کیا کہ ان میں سے کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا صرف چھ کا۔ یہ بزرگ گھبرا کر جاگ اُٹھے اور بار بار کہتے تھے کاش مجھے کوئی بتلادے کہ میں بھی ان چھ میں سا ہوں؟ دوسرے دن پھر سوئے (مگر کچھ معلوم نہ ہوا)

Marfat.com

تیسرے دن پھر سوئے تو اون ہی دو فرشتوں کو دیکھا کہ پھر آسمان سے اترے ہیں اور پہلے کی طرح سوال وجواب کر رہے ہیں جب ایک نے یہ جواب دیا کہ اس سال صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے تو دوسرے نے سوال کیا کہ ہمارے پروردگار نے باقیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ پہلے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کی سفارش ایک ایک لاکھ کے لئے قبول فرمالی (اس طرح سب ہی کا حج قبول ہو گیا) اب یہ بزرگ فرحاں وشاداں بیدار ہوئے، اسی طرح قیامت میں کوئی نجات پانے والا ہے کوئی ہلاک ہونے والا کوئی مقبول ہے کوئی غیر مقبول ہے کوئی سفارش کرنے والا ہے کسی کے لئے سفارش ہو رہی ہے لیکن شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہو گی اور کوئی محض فضل سے ناجی ہو گا (بدون اجازت کے کوئی کسی کی سفارش نہ کرے گا من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ اور کسی پر فضل بھی ہو گا شفاعت بھی ہو گی" قولہ وھنا بحث وھو ھل ھذہ الصفات التی کلف بھا الحاج من ترک المخیط وترک الطیب الی قولہ ولکن باذنہ وفضلہ وقد یکون للمجموع"

ف۔ اگرچہ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہیں مگر حج کی روح کا بیان ہے اس لئے اسکا ترجمہ کر دیا گیا تاکہ حجاج عموماً اور صوفیہ خصوصاً حج میں اور نماز میں اس روح کو ملحوظ رکھیں کیونکہ نماز میں بھی حج کی شان موجود ہے کہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا امر ہے تو استقبال قبلہ کے ساتھ موت اور قیامت کا منظر سامنے ہونا چاہئے پھر انشاء اللہ خشوع آسان ہو جائے گا" اور اس شان سے حج کیا جائے گا تو انشاء اللہ قبول ہو گا"

(۱۹۵) اس حکمت کے معلوم ہو جانے سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ قرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات اور عبادات ہی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ مقام (عرفات وغیرہ) ایسا مقام ہے جس میں بڑے بڑے جرائم کی مغفرت ہوتی ہے جیسا حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن زیادہ ذلیل اور حقیر نہیں دیکھا جاتا کیونکہ وہ اوس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمارہے ہیں تو اپنے سر پر مٹی ڈالتا جاتا اور کہتا جاتا ہے کہ جس قوم کو میں نے پچاس یا چالیس سال تک گناہوں

Marfat.com

ہیں مبتلا رکھا اون کو ایک ساعت میں بخش دیا گیا (او کما قال علیہ الصلوٰۃ و السلام) تو ایسے مقام تک پہونچنا آسان نہیں بلکہ بڑی مشقت سے پہونچنا ہوتا ہے ہاں جس پر اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے آسان کردیں (اوس کے لئے حج آسان ہوجاتا ہے مگر ایسے تھوڑے ہی ہیں اسی طرح مقامات عالیہ باطنہ کثرت مجاہدات وعبادات وذکر ہی سے حاصل ہوتے ہیں آسانی سے حاصل نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ ۵

نازپرورده تنعم نبرد راه بدوست — عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

اور اس میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ حج میں اس موقف (یعنی میدان حشر) کو یاد کرے جس کا یہ نمونہ ہے تاکہ مولیٰ کریم کی طرف سچے دل سے التجا کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ اور رغبت اور اپنی احتیاج کا اظہار ہو کہ اوسی سے تمام خیر کی امید کی جاسکتی ہے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں امن یجیب المضطر اذا دعاہ (کیا وہ جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہی جب وہ اوسے پکارتا ہے کیا اوس کی ساتھ بھی کوئی اور معبود ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اکثر لوگ نادان ہیں جو ایسے خدا کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ سبحانہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے (وہ مضطر ومحتاج کی دعا ضرور قبول کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اون ہی سے کرے جن پر محض اپنے فضل سے احسان فرمایا اور اون کو کوئی مشقت نہیں اُٹھانا پڑی، اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔" قولہ و یترتب علیہ من معرفۃ الحکمۃ الی قولہ لارب سواہ "

۳۴۲

ف - عام قاعدہ تو یہی ہے کہ مقامات عالیہ بڑے بڑے مجاہدات اور کثرت عبادات سے حاصل ہوتے ہیں مگر یہ اوس وقت تھا جب مسلمانوں میں طلب دین غالب اور طلب دنیا مغلوب تھی اب معاملہ برعکس ہے اس زمانہ میں جو لوگ دین کی طلب میں مشغول ہوتے ہیں اون کو تھوڑے سے مجاہدہ ہی سے مقامات عالیہ حاصل ہوجاتے ہیں۔ یہی مطلب اوس حدیث کا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر اوامر کا دسواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہوجاؤ ....

.... پھر ایک زمانہ آئے گا کہ اگر مسلمان اوامر کا دسواں حصہ

Marfat.com

بجالائیں تو کامیاب ہو جائیں گے، حدیث میں اوامر سے فرائض و واجبات مُراد نہیں کہ اون میں سے تو کسی کا ترک بھی کسی وقت جائز نہیں بلکہ وہ مجاہدات و عبادات مراد ہیں جو شریعت نے فرائض و واجبات کی تکمیل کے لیئے بتلائے ہیں جن سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے ان مجاہدات و عبادات کا دسواں حصہ بھی آج کل نجات اور کامیابی کیلئے کافی ہو جاتا ہے ، ایک بزرگ کا قول ہے کہ آجکل طالبان خدا کم ہیں اور اسامیاں (یعنی مقامات) وہی ہیں جو پہلے تھیں جن کا پُر کرنا ضروری ہے تو آجکل جس میں طلب کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے اوس کو بہت جلد کسی نہ کسی اسامی پر فائز کر دیتے ہیں تو اس زمانہ میں کام تھوڑا کرنا ہوتا ہے اور مرتبہ بڑا مل جاتا ہے۔ دنیا ابدال و اقطاب و اوتاد و نقبا و اصحاب ولایت سے کسی وقت خالی نہیں ہو سکتی ورنہ قیامت آجائے مگر پہلے یہ مقامات بہت زیادہ کام کرنے پر عطا ہوتے تھے آجکل تھوڑی سی محنت میں حاصل ہو جاتے ہیں بشرطیکہ طلب صحیح اور اخلاص کامل ہو۔ اسی لیئے آجکل سالکین کو صوفیہ متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ مفید نہیں کہ اون کی تشدید کو دیکھ کر بہت لوگ یہ ۴۳۳

سمجھ جاتے ہیں کہ درجۂ ولایت حاصل کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہے کیونکہ احیاء العلوم وغیرہ میں ہر بات کو بڑی سختی اور باریکی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا تحمل آجکل کی طبائع سے نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں طالبانِ سلوک کو حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کا مطالعہ ہی نافع ہو سکتا ہے، حضرت نے اس زمانہ کی طبائع کے موافق دستور العمل تجویز کیئے اور امراض قلب کے معالجات بیان فرمائے ہیں جن پر عمل دشوار نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ جس سلوک کو لوگوں نے بہت دشوار سمجھ رکھا تھا حضرت رح نے اوس کو پھول سا ہلکا کر دیا ہے اور جس چیز کو معمہ سمجھا جا رہا تھا اوس کو ایسا صاف اور بے غبار کر دیا ہے کہ ہر شخص حقیقت تک باسانی پہونچ سکتا ہے، جس تصوف کو خلاف قرآن و حدیث کہا جا رہا تھا حضرت نے اوسکی اصلی حقیقت کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے ملاحظہ ہو مسائل السلوک اور التکشف و التعرف وغیرہ۔

ف۔ حج میں تو جو باطنی حکمتیں ہیں وہ تو آپ نے سمجھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ میں اب بھی وہ نشان ہائے قدرت موجود ہیں جن میں انصاف کی ساتھ غور کرنے سے کافر بھی

Marfat.com

ایمان لے آئے اور مومن غور کرے تو اوس کا ایمان کامل ہو جائے اسی لئے حج کو مکمل ایمان کہا گیا ہے
اب ہم بعض ظاہری حکمتیں بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جو حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہ یہ
کہ ہر قوم اور ہر سلطنت میں ایک دن اجتماع اور دربار عام کا ہوتا ہے جس میں دور اور نزدیک
والے سب ہی جمع ہوتے ہیں تاکہ حکومت کے احکام پر مطلع ہوں ایک دوسرے سے مل کر تبادلہ
خیالات کریں اور شعائر سلطنت کی تعظیم بجا لائیں اسی طرح حج ملت اسلامیہ کا دربار ہے
جس میں اطراف عالم سے مسلمان جمع ہوتے ہیں اون کی شوکت اور اجتماعی شان ظاہر ہوتی ہے
شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ اسلامی برادری بہت
دور تک پھیل چکی ہے خوش ہوتا ہے آپس میں اتحاد و اتفاق بڑھتا ہے کلمۂ اسلام بلند ہوتا اور
اللہ کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور اگر دنیا میں خلافت اسلامیہ کا وجود ہو تو خلیفہ کو تمام اطراف کے
مسلمانوں کی حالت معلوم ہو سکتی ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال حج کرتے
تھے اور اپنے عمال (گورنروں) کو بھی ہر سال حج کرنے کی تاکید فرماتے تھے کیونکہ جب گورنر حج ۴۳۳
کو جائے گا اوس کی ساتھ اوس کے ملک اور صوبہ کے بھی بہت آدمی ہوں گے اس طرح خلیفہ
کو ہر ملک اور ہر صوبہ کے آدمیوں سے اپنے عمال و ولاۃ (گورنروں۔ حاکموں) کے عدل و
انصاف یا بے راہ روی کی اطلاع آسانی سے ہو جاتی تھی پھر ان عمال و ولاۃ کے اجتماع سے
ملکی مسائل اور سیاسی مصالح پر بھی مشورہ کا موقع ملتا تھا اور سال آئندہ کے متعلق ایک
خاص طریقہ اور لائحۂ عمل طے ہو جاتا تھا میں نے بچپن میں ایک اخبار میں کسی امریکن ڈاکٹر کا مضمون پڑھا تھا جس میں
لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ چار باتوں کیلئے مدت سے کوشش کر رہے ہیں مگر باوجود ہر قسم کے ذرائع و وسائل
مہیا ہونے کے اُن کو اب تک کامیابی نہیں ہو سکی اور حیرت ہے کہ پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) پہلے
ہی قدم میں تھوڑی سی مدت میں ان چاروں میں کامیاب ہو گئے۔

ایک یہ کہ ہم ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی تجویز میں ہیں مگر ہنوز روز اول ہے پیغمبر
اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی کو تمام مسلمانوں کی مشترک بین الاقوامی زبان بنا دیا تم کسی
ملک میں چلے جاؤ ہر جگہ مسلمان عربی میں اذان دیتے عربی میں نماز پڑھتے عربی میں خطبہ دیتے ہیں
ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی الگ الگ زبان کی ساتھ عربی زبان سے بھی لگاؤ ضرور ہے (اون کا

Marfat.com

سلام بھی عربی میں ہے اور خطبہ نکاح بھی عربی میں قرآن بھی عربی میں ہے دوسری قوموں کے پاس توراۃ وانجیل کے تراجم ہی رہ گئے ہیں اصل کتاب مفقود ہے وغیرہ وغیرہ)۔

دوسرے ہم ایک بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز میں ہیں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں بھی کامیابی حاصل کرلی ہے کہ ہر سال تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمان مکہ میں حج کے لئے جمع ہوتے ہیں جو بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس ہے،

تیسرے ہم ایک بین الاقوامی سرمایہ جمع کرنا چاہتے ہیں جس میں ناکام ہیں مگر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں بھی کامیاب تھے۔ "بیت المال" تمام مسلمانوں کا بین الاقوامی مشترک خزانہ تھا جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق تھا اور جب تک خلافت اسلامیہ قائم رہی بیت المال بھی قائم رہا جس سے سب مسلمان فائدہ حاصل کرتے تھے"۔

چوتھے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ بین الاقوامی وحدت حاصل کریں اور یہ رنگ و نسل اور جغرافیہ کی بنا پر اقوام کی تقسیم باطل ہو جائے مگر ابھی تک ناکام ہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی قدم میں اس کو کامیابی کے ساتھ حاصل کرلیا اور فرمادیا انما المؤمنون اخوۃ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم کو بلال حبشی بھی اوسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ابوبکر و عمرؓ نظر آتے ہیں ہر ایک دوسرے کا احترام و عزت کرتا ہے (فاروق اعظم حضرت بلال کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تھے سیدنا بلال یہ ہمارے سردار بلال ہیں) مگر مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب حکمتیں حکمت کے درجہ میں ہیں اصل علت نہیں فرض حج کی علت محض اللہ تعالے کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر یہ حکمتیں نہ بھی ہوتیں جب بھی حج فرض تھا مگر اللہ و رسول کے احکام کی یہ خاص شان ہے کہ ان میں علاوہ تکمیل عبدیت اور اطاعت کے انسان کی دنیوی مصالح بھی بہت ہوتی ہیں۔ جو شخص دین کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیتا ہے دنیا خود بخود غلام بن کر آجاتی ہے۔

٣٣٥

(۸۰) حدیث جواز الشرب من السقایۃ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سقایہ (زمزم) پر تشریف لائے (یہ ایک حوض تھا جس میں لوگوں کے پینے کے واسطے زمزم کا پانی بھرا جاتا تھا) اور پینے کے لئے پانی مانگا حضرت عباس نے کہا اے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ اون کے پاس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی لے آؤ (مطلب یہ تھا کہ ٹھنڈا پانی گھر سے لاؤ کیونکہ عرب میں دیر تک برتن میں رکھا ہوا پانی ٹھنڈا اور عمدہ ہو جاتا ہے)۔ حضور نے فرمایا مجھے (اسی میں سے) پلا دو کہا یا رسول اللہ اس میں تو لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں فرمایا پلاؤ بھی غرض اوس میں سے آپ نے پانی پیا پھر (چاہ) زمزم پر تشریف لائے جہاں لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے فرمایا کام کئے جاؤ تم اچھا کام کر رہے ہو پھر فرمایا اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ (ہجوم کر کے) تم پر غالب آجائیں گے تو میں (سواری سے) اتر کر رسی یہاں رکھتا گردن پر اشارہ فرمایا (اور خود پانی کھینچتا)۔

شرح - حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جس پانی میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہوں وہ پاک ہے
۳۳۶ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ کسی کا ہاتھ پاک ہو کسی کا پاک نہ ہو مگر آپ نے سقایہ سے پانی پیکر بتلا دیا کہ ایسے احتمالات (بلا دلیل) پر عمل نہ کیا جائے گا جب تک یہ امر محقق نہ ہو جائے کہ کسی نے ناپاک ہاتھ ڈالا ہے کیونکہ پانی اپنی ذات سے پاک ہے بلا دلیل اوس کو ناپاک نہ کہا جائیگا اسی لئے فقہاء نے اون حوضوں اور مشکوں کے پانی سے وضو کو جائز کہا ہے جو راستوں پر بنے ہوئے یا رکھے ہوتے ہیں جن سے جانور پانی پیتے ہیں اور جانوروں کی ناک کا غبار وغیرہ بھی اون میں مل جاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کا میل بھی جس میں ناپاکی کا احتمال ہو سکتا ہے مگر محض احتمال اور شک سے پانی کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ حضرت شارح نے اس حدیث سے ماء مستعمل کی طہارت پر بھی استدلال کیا ہے مگر استدلال ناقص ہے کیونکہ ماء مستعمل وہ ہے جس میں ازالہ حدث کی نیت سے یا وضو اور غسل کی نیت سے ہاتھ ڈالا جائے اور یہاں ایسا نہ تھا سقایہ میں صرف پینے کے واسطے ہاتھ ڈالتے تھے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

(۱۹۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ پینے کے لئے پانی مانگنا حضر اور سفر دونوں میں جائز ہے پانی کا مانگنا اور چیزوں کے مانگنے کی برابر نہیں (کہ اون کا سوال ممنوع ہے خاص مشروط ہی سے جائز

Marfat.com

ہے پینے کے لئے پانی مانگنا ہر حال میں جائز ہے) .... (بعض فقہا نے اس کی تصریح کی ہے (مگر یہ قید ضروری ہے کہ دوسرے کے پاس حاجت سے زیادہ پانی ہو اور اوس نے داموں سے نہ خریدا ہو ورنہ بدون سخت مجبوری کے پانی کا سوال بھی نہ کیا جائے)

نیز معلوم ہوا کہ سبیل عام کا پانی جس کو صدقہ نہ کہا گیا ہو غنی اور فقیر سب کے لئے حلال ہے یہ (وہ) صدقہ نہیں (جو غنی پر حرام ہوتا ہے) اس میں کسی پر خاص طور سے احسان نہیں ہوتا (بلکہ وقف عام ہے سب کو اوس سے پینے کا حق ہے) دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سقایہ سے پانی پیا جس میں کچھ لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے مگر وہ اپنے عمل کو اللہ کے واسطے کر چکے اور پانی کو اپنی ملک سے نکال چکے تھے، اگر یہ بھی صدقہ کی طرح ہوتا تو آپ ہرگز نہ پیتے کیونکہ صدقہ آپ پر حرام تھا اور اگر اس میں کچھ کراہت ہوتی جب بھی آپ نہ پیتے مگر آپ سقایہ پر تشریف لے گئے اور اوس میں سے پانی طلب کیا۔ قولہ فیہ دلیل علی طلب ۳۳۷
شرب الماء الی قولہ فاستسقی۔

ف۔ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہیں مگر بعضے خشک زاہد وہمی ہو جاتے ہیں۔ اون کے وہم کا اس میں علاج ہے، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کے ایک خادم خانقاہ کے کنویں سے وضو نہیں کرتے کہ یہاں اکثر لوگ ننگے پاؤں باہر سے آتے ہیں اس لئے کنویں کے آس پاس کی زمین ناپاک ہے اور کبھی وہاں ڈول رکھا جاتا ہے اور بدوں پاک کئے کنویں میں ڈالدیا جاتا ہے اس لئے کنواں ناپاک ہے حضرت حکیم الامۃ رح نے فرمایا کہ میاں پھر تم میرے پیچھے نماز کیسے پڑھتے ہو جبکہ میں اسی کنویں سے وضو کرتا ہوں کہا نماز تو آپ کے پیچھے جائز ہے اسی طرح بعض لوگ وقف عام کی چیز کے استعمال میں وہم کرتے ہیں مگر فقہا نے تصریح کی ہے کہ سقایہ اور حوض اور کنواں اور سرائے و مقبرہ وغیرہ جو مسافروں اور ہر وارد و صادر کے لئے بنائی جاتی ہے اوس میں فقیر و غنی سب برابر ہیں اوس کو صدقہ خاصہ پر قیاس نہ کیا جائے اور دلیل بھی حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے

(۱۹۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں اور مردوں کے مجمع کے سامنے عورتوں کا تذکرہ جائز ہے

Marfat.com

اس میں کچھ کراہت نہیں دیکھو حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں کے سامنے کہا کہ اے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضور نے اس پر عتاب نہیں کیا بلکہ کچھ بھی نہیں فرمایا، آجکل بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اگر عورتوں کا تذکرہ اون کی زبان پر آجاتا ہے تو اوس کے بعد حاشاک (توبہ توبہ) بھی کہتے ہیں اور اس کو تہذیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے:" قولہ وفیہ دلیل علیٰ جواز ذکر النساء بمحضرۃ اھل الفضل الی قولہ بل ھی من البدع"

ف - آجکل عام لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ پیروں کے سامنے اپنی عورتوں کو لے جاتے ہیں اور پیر صاحب سب کے سامنے عورتوں سے بات چیت کرتے ہیں یہ تو نہایت قبیح بدعت ہے جس کے مفاسد ظاہر ہیں اور زاہدانِ خشک کی یہ حالت ہے کہ وہ عورتوں کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے حضرت حکیم الامۃ رح بعض دفعہ اپنے گھر والوں کی کوئی بات مجلس میں کرتے تو بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقار کے خلاف ہے - انھوں نے تکبر کا نام وقار رکھ لیا ہے" اور یہاں سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں کو پردہ کا کس قدر اہتمام تھا کہ عورتوں کا ذکر بھی مردوں کے سامنے تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے، آجکل ذکر سے تو کیا عار ہوتا ہے عورتوں کو مردوں کے سامنے لانے اور جلسوں اور جلوسوں میں لے جانے سے بھی عار نہیں کیسا انقلاب ہوا ہے؟ خدا خیر کرے نہ معلوم اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟ -

(۱۹۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کو ٹھنڈا کرنا (اور ٹھنڈا پانی پینا) جائز ہے - حضرت عباس نے اس لئے تو فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضور کے لئے پانی لاؤ - کیونکہ حجاز میں تھوڑی دیر کا رکھا ہوا پانی ٹھنڈا اور لذیذ ہو جاتا ہے اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عباسؓ ایسا نہ کہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ بات سن کر سکوت نہ فرماتے، اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت خاص طریقے سے پوری کرنا ہو تو اوس کو وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس کی بات قبول کرنے سے کوئی مانع اسکے سوا نہ تھا کہ آپ ایک قاعدہ شرعیہ بتلانا چاہتے تھے کہ جس پانی میں لوگوں کے ہاتھ پڑتے ہوں (اور ناپاکی کا یقین نہ ہو) وہ پاک ہے (محض وہم سے اوس کو ناپاک نہیں کہا جائے گا مگر آپ نے

Marfat.com

اس وجہ کو بیان نہیں فرمایا صرف اتنا ہی فرمایا کہ اس میں سے پلا دو) دوسرے آپ تکلف سے بھی بچنا چاہتے تھے جو آپ کا خاص طریقہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ ہمیشہ سہل و آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ اوس میں گناہ نہ ہو اور اس میں حضرات صوفیہ کی دلیل ہے کہ وہ بھی ترک تکلف کی تعلیم دیتے ہیں۔" قولہ وفیہ دلیل علی جواز تبرید الماء الی قولہ یقولون تبترث التکلف"

ف۔ بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ پانی ٹھنڈا پینا زہد کے خلاف ہے گرم پینا چاہیے یہ صحیح نہیں کیونکہ سید الزاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی مرغوب تھا اس واقعہ میں ایک خاص وجہ سے آپ نے سقایہ کا پانی پیا ہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی، ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حکیم الامۃ رحمہ سے فرمایا تھا کہ میاں اشرف علی پانی جب پیو ٹھنڈا پیو، ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پیکر زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر دل نہ کہے گا" واقعی سچ فرمایا دوسرے گرم پانی معدہ کے لئے مضر بھی ہے اسی طرح پانی بہت ٹھنڈا بھی زیادہ برف سے نہ کرنا چاہئے کہ وہ بھی اعصاب کے لئے مضر ہے" اعتدال ہر چیز میں افضل ہے"

ف۔ حضرت عائشہ کی حدیث پر ایک اشکال مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اللہ تعالے کی طرف سے اختیار دیا جاتا تھا تو اس میں کسی شق کے گناہ ہونے کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے پھر حضرت عائشہ رض نے یہ کیوں فرمایا مالم یکن اثما جبکہ اوس میں گناہ نہ ہو، اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہاں استثنا منقطع ہے متصل نہیں علماء کے لئے یہ جواب کافی ہے اور عوام کو غور کرنے کی ضرورت نہیں دوسرا جواب حضرت حکیم الامۃ نے دیا تھا جو بہت لطیف ہے مگر اس وقت باوجود تلاش کے نہیں ملا اور میں اوس کو حضرت ہی کے الفاظ میں لکھنا چاہتا تھا اگر کسی کو مل جائے یہاں نقل کرے۔

(۱۹۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام میں ایک پہلو حظ نفس کا ہو اور دوسرا پہلو مصلحت دین کا ہو اگرچہ دینی مصلحت درجہ استحباب ہی میں ہو تو دین کا پہلو مقدم کیا جائے گا کیونکہ (واقعہ حدیث میں ٹھنڈا پانی پینے میں تو نفس کی راحت تھی اور سقایہ سے پینے میں دینی فوائد

Marfat.com

تھے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے پہلو کو حظ نفس کے پہلو پر ترجیح دی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی تصریح بھی فرمادی ہے فقال انتم فی زمان یقدمون اعمالھم علی اھوائھم و یأتی زمان یبدؤن باھوائھم علی اعمالھم آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں مسلمان (دینی) اعمال کو اپنی خواہش (اور حظ نفس) پر مقدم کرتے ہیں اور ایک زمانہ آئیگا جس میں مسلمان اپنی خواہش (اور نفسانی لذات) کو اعمال (دین) پر مقدم کریں گے۔" قولہ فیہ دلیل علی انہ اذا اجتمع حظ النفس و امرما فی الدین الی قولہ یبدؤن باھوائھم علی اعمالھم۔"

ف۔ وہ زمانہ بھی غنیمت تھا جس میں مسلمان اعمال دین بجا تولاتے تھے گو لذات نفس کے بعد ہی سہی اب تو وہ زمانہ ہے جس میں لذات اور حظوظ نفس کے لئے احکام شرعیہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے فالی اللہ المشتکی، اس حدیث میں صوفیہ کی دلیل ہے کیونکہ اون کے طریق ۴۳۰
کی بنا اسی پر ہے کہ ہر کام میں دین کے پہلو کو حظ نفس کے پہلو پر مقدم کیا جائے۔

گھر میں عورت کی مالکیت ہے

(۲۰۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تصرف کی مالک عورت ہی ہے کیونکہ حضرت عباس نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ (اور اون کے پاس سے حضور کے واسطے پانی لاؤ) اگر گھر میں حکومت اور تصرف کا اختیار عورت کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو یوں فرماتے کہ جاؤ خود گھر سے پانی لے آؤ یا کسی دوسرے کو تصرف کا اختیار ہوتا تو اوس کا نام لیتے اور یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ فضل بن عباس نابالغ ہوں گے اس لئے ایسا کہا گیا کیونکہ اون کا اس وقت بالغ عاقل ہونا تاریخ سے ثابت ہے وہ حضرت عباس کی اولاد میں سے سب سے بڑے تھے اون ہی کے نام پر حضرت عباس کی کنیت ابوالفضل تھی) اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کو بھی نیک کام میں شریک کر لینا مستحب ہے کیونکہ جب حضرت عباس کی بیوی کو یہ خبر ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مجھ سے پانی مانگا گیا ہے تو وہ برتن کی صفائی اور پانی کی عمدگی اور ستھرائی کا اہتمام کرتیں جس سے اون کو خوشی بھی ہوتی اور ثواب بھی ملتا۔" قولہ وفیہ دلیل علی ان المرأۃ ھی المتصرفۃ فیما فی البیت الی قولہ فیکون لھما فی ذلک اجر و سرور۔"

Marfat.com

ف یہ مسئلہ دوسری حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا وارد ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران اور حاکم ہے۔ اس سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو صوفیہ اور علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے گھر میں بیویوں کی حکومت ہے وہی ہر تصرف کی مالک ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ شریعت کی تعلیم ہی ہے کہ گھر میں تصرف کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں اور باہر کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہو نظام اسی طرح قائم ہو سکتا ہے دو عملی میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے اگر گھر کے سامان وغیرہ کا اختیار ایک کے ہاتھ میں نہ ہوا متعدد ہاتھوں میں ہوا تو کوئی بھی اپنے کو ذمہ دار نہ سمجھے گا اور جب کوئی ذمہ دار نہ ہوا تو گھر کی بربادی لازم ہے اور ظاہر ہے کہ مرد سے گھر کی حفاظت نہیں ہو سکتی اُسکو تو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کونسی چیز کہاں ہے اور کتنی مقدار میں ہے اسلیئے بیوی ہی کے ہاتھ میں اس کا انتظام ہونا چاہیئے کہ وہی حفاظت پوری طرح کر سکتی ہے بس گھر والو میں جو شخص بھی کوئی چیز لے اُس سے پوچھکر اُسکو اطلاع کر کے لے تاکہ نظام درست رہے مگر یہ جبھی ہے کہ بیوی میں انتظام اور حفاظت کا سلیقہ بھی ہو بدسلیقہ کے ہاتھ میں تصرف و اختیار دینا مناسب نہیں پھر مرد اپنے ہی ہاتھ میں اختیار رکھے یا اولاد میں سے جسکو ہوشیار دیکھے اُسکو اختیار سونپ دے فالصّٰلحٰت قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ اللہ میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ عورتیں ہی مرد کے گھر کی محافظ ہیں بشرطیکہ اُن میں صلاحیت ہو،

ف حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہما گھر کے اندر تھیں مجمع میں نہیں تھیں جس سے پردہ کا ثبوت ہوتا ہے اور یہاں سے اُن لوگوں کے اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو پردہ کو عورتوں کی تذلیل و توہین سمجھتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت اسقدر ہے کہ گھر میں حکومت و اختیار اُن ہی کا ہے اور کسی کا نہیں اور اُن کو پردہ میں اسلیئے رکھا جاتا ہے کہ قیمتی شے کو چھپایا ہی جاتا ہے دیکھو ہر شخص اپنی دولت کو چھپاکر تجوری میں اور تالوں میں رکھتا ہے تاکہ چور کا ہاتھ وہاں تک نہ پہونچے اور یقیناً عورت کی قدر و منزلت مال سے زیادہ ہے، تو انکی حفاظت مال سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے تاکہ بوالہوسوں کی نگاہ ان تک نہ پہونچ سکے جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ باہر پھراتے ہیں معلوم ہوتا ہے اُن کے دل میں مال کی برابر بھی اُن کی وقعت نہیں یا اُن کے نزدیک دنیا میں مال کے چور تو ہیں عورتوں کے ڈاکو نہیں مگر یہ بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے عورتوں کے ڈاکو مال کے چوروں سے زیادہ موجود ہیں، جس پر وہ واقعات شاہد ہیں جو رات دن اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۰۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال و جواب میں اختصار ہی بہتر ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو جائے

Marfat.com

کیونکہ جب حضور سے یہ کہا گیا کہ لوگ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے ہیں، آپ نے اتنا ہی فرمایا اسقنی مجھے اسی میں سے پانی دو۔ زیادہ کچھ نہیں فرمایا (سائل کا مطلب یہ تھا کہ اسمیں گندگی کا احتمال ہے مگر اُس نے بھی اس احتمال کو صاف صاف نہیں کہا حضور نے بھی صاف نہیں فرمایا کہ محض احتمال سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ مقصود دونوں جگہ واضح تھا) **قولہ** وفیہ دلیل علیٰ ان الاختصار فی الجواب والسوال ھو الاولی الیٰ قولہ ولم یزد علیٰ ذلک شیئاً"

ف حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کے جوابات خطوط میں مختصر ہوتے تھے مگر کافی شافی ہوتے تھے یہ حدیث اُن کے اس طرز کی دلیل ہو مگر ایسا اختصار نہو کہ مقصود ہی واضح نہو کہ وہ بلاغت کے خلاف ہے"

(۲۰۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا ہی سنت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پانی پیکر اُس جگہ سے چلکر چاہ زمزم پر تشریف لیگئے، دوسرے (اسمیں یہ بھی حکمت تھی کہ) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پانی پیا وہاں چند احکام بیان فرمائے پھر دوسری جگہ تشریف لیجا کر دوسری نیکی کی حالانکہ دونوں مکان بظاہر برابر تھے وہاں بھی لوگ پانی ہی پلا رہے تھے مگر آپ کا جانا ان لوگوں کو خوش کرنے کیلئے تھا (جو زمزم پر کام کر رہے تھے) اگر آپ اُن کے پاس نہ جاتے اُن کے دل شکستہ ہوتے کہ ہم اپنے کام کی وجہ سے حضور کے دیدار اور شرف ہم کلامی سے محروم رہے) نیز (یہ بھی ہوتا کہ) لوگ سقایہ کو زمزم سے افضل قرار دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سقایہ پر تشریف لیگئے تھے زمزم پر نہیں گئے تھے تو آپ کا ان لوگوں کے پاس جانا دوسری نیکی تھی (جسمیں چند در چند مصالح دینیہ تھیں) پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ "کام کرتے رہو تم اچھا کام کر رہے ہے" یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جو لوگ (اچھا) کام کر رہے ہوں انکو اُس عمل پر رغبت دلانا چاہیے (اُن کا حوصلہ بڑھانا چاہیے) تاکہ وہ نشاط کیساتھ کام کریں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وتعاونوا علی البر والتقویٰ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (اور مدد میں یہ بھی داخل ہے کہ اُس کام کی فضیلت بیان کیجائے جو دوسرا کر رہا ہے) مگر کام کرنے والے کی مدح کرنا اس کے خلاف ہے (وہ مناسب نہیں) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (کے سامنے کسی ایک شخص کی مدح اُس کے منہ پر کی تھی تو آپ) نے فرمایا قطعتم ظھر الرجل تم نے تو اسکی کمر توڑ دی کیونکہ ذات کی مدح کرنے سے بعض دفعہ دوسرے میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سم قاتل ہے۔ کام کی تعریف میں یہ مفسدہ نہیں بلکہ اس سے تو دوسرے کو عمل کی رغبت بڑھتی ہے مثلاً تم کسی کو روزہ رکھتے دیکھو تو اُس کے سامنے روزے کے فضائل بیان کر دو یا جہاد کرتے دیکھو تو جہاد کے فضائل بیان کر دو

کھانا کھا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے۔

Marfat.com

جو (قرآن وحدیث میں) وارد ہوئے ہیں اس سے اسکو اپنے کام میں تقویت حاصل ہوگی، اور حضور کا ان لوگوں کے کام کو عمل صالح فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تمکو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ کسی عمل کا صالح ہونا یہی ہے کہ اُس پر ثواب مرتب ہو۔ **قولہ** وفیہ دلیل علی ان من السنۃ الانصراف عند الفراغ من الشرب والاکل الی قولہ فائدتھا ما یترتب علیھا من الثواب۔"

ف کھانے پینے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا اسلئے سنت ہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ بس کھا پی چکے وہیں جمکر بیٹھنے سے شبہ ہوگا کہ شاید ابھی نیت نہیں بھری کچھ کسر باقی ہے، اور اگر اپنا گھر نہیں دوسرے کا گھر ہے تو وہاں جمکر بیٹھا رہنے سے اسکے کاموں کا حرج ہوگا ممکن ہے اب اُس کے گھر والے اسی جگہ کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں تمہارے بیٹھا رہنے سے اُن کو تکلیف ہوگی البتہ اگر اپنا گھر ہے اور وہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے واسطے مخصوص ہے وہاں سے پانی پیکر ہٹ جانا ضروری نہیں کیونکہ وہاں سے ہٹ کر پھر اسی جگہ آؤ گے جبکہ وہ جگہ بیٹھنے ہی کے واسطے مخصوص ہے، قرآن میں واذا طعمتم فانتشروا (جب کھانا کھا چکو تو چلدو) دوسرے کے گھر کے متعلق ہے البتہ اگر گھر والا کھانے کے بعد بھی روکنا چاہے تو پھر وہاں بیٹھنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ اب اُس کے حرج اور تکلیف کا اندیشہ نہیں رہا اور حدیث میں پانی پیکر ہٹ جانا اسی جگہ کے متعلق ہے جہاں اور لوگ بھی پانی پینے آتے ہیں، ایسی جگہ بھی چاہیے کہ جو پی چکے وہ دوسروں کیلئے جگہ خالی کر دے یہ آداب معاشرت ہیں جو مسلمانوں کے گھر کی دولت ہے مگر افسوس اب مسلمان اس سے بالکل بیخبر ہیں کہ اُن کی شریعت نے معاشرت کے متعلق کیسے عجیب وغریب اصول بتلائے ہیں۔

ف ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا یہ بھی اسلامی اصول ہے تاکہ انسان برابر ترقی میں رہے صوفیہ کو اس کا خاص اہتمام ہے آجکل کے صوفیہ کو بھی اس سے سبق لینا چاہیے۔

ف کسی کی تعریف سامنے کرنا منع ہے جبکہ اُسمیں عجب پیدا ہونے کا خطرہ ہو پیچھے تعریف کرنا منع نہیں کہ اس سے محبت واتفاق بڑھتا ہے"

(۲۰۳) جو کام فرض نہو بلکہ مستحب ہو اور اُسکے کرنے پر کسی مفسدہ کے مرتب ہونے کا اندیشہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ لوگ مجھے یہ کام نہ کرنے دیں گے تو اس کا چھوڑ دینا جائز ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کے ہجوم کا اندیشہ نہوتا تو میں اپنی گردن پر رسی رکھکر زمزم کا پانی کھینچتا (اور لوگوں کو پلاتا) یعنی آپ نے ایسا اسلئے نہیں کیا کہ لوگ آپ کو ایسا نہ کرنے دیں گے رسی کھینچنے کیلئے سب ٹوٹ پڑیں گے پھر ممکن ہے ہجوم سے کسی کے چوٹ لگ جاتی" **قولہ** وفیہ جواز

Marfat.com

ترک العمل ما لم یکن فرضا الی قولہ فیہ اذیٰ“

ف صوفیہ محققین کا اس پر پورا عمل ہے تم دیکھو گے کہ انھوں نے سماع مباح کو اس لئے ترک کر دیا کہ اسمیں مفاسد کا خطرہ ہے چنانچہ بزرگوں کے سماع مباح کے واقعات سنکر لوگوں نے مزامیر و معازف کیساتھ سماع شروع کر دیا اور صوفیہ چشتیہ کو بدنام کرنے لگے کہ اُن کا سماع ایسا ہی تھا حالانکہ وہ اسکی حرمت کی تصریح کر رہے ہیں۔ اور سماع مباح کیلئے سخت شرطیں بیان کرتے ہیں جنکی رعایت آجکل کہاں ہے؟ اسی طرح محققین صوفیہ نے اپنے بزرگوں کا عرس بھی موقوف کر دیا کہ لوگوں نے اسکو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اسیطرح توجہ کا حلقہ بھی موقوف کر دیا کہ آجکل اس میں منافع سے زیادہ مفاسد ہیں۔

اہل برکت سے برکت حاصل کرنا چاہیے۔

(۳۴۰) یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل برکت سے برکت حاصل کرنا مطلوب ہے جبکہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ سعی کی اسی لئے تو کرتے تھے کہ انکو آپ کیساتھ لگنے سے برکت حاصل کرنے کا شوق تھا قاعدہ ہے کہ جب کریم اپنے محبوب کا عمل قبول کرتا ہے اُس کی ساتھ شریک ہونے والوں کو بھی محروم نہیں کرتا اور کیسے محروم کر دیں وہ تو خود فرماتے ہیں ھم القوم لا یشقیٰ جلیسھم یہ وہ ہیں جنکے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا جب پاس بیٹھنے کا یہ ثمرہ ہے تو کسی عمل میں انکی ساتھ شریک ہونا کیا کچھ ہو گا؟ (اور حدیث میں اس شوق و رغبت پر انکار نہیں کیا گیا صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ لوگوں کے اس شوق کی وجہ سے حضور اپنا شوق پورا نکر سکیں گے اور ہجوم سے کسی کی تکلیف کا بھی خطرہ تھا) اور یہاں سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بزرگوں سے اس امید پر ہر حالت میں ملنے ملانے کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اُن کے فضل سے کچھ حصہ مل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کو رحمت ہی رحمت بنایا ہے ہمکو چاہیے کہ اللہ کی اس رحمت کو غنیمت سمجھیں، (اور اہل فضل سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہی نکریں مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ کسی کو یا اُن کو ہجوم سے ایذا نہ پہونچے ورنہ وہ خود اس کا اہتمام کریں گے کہ ہجوم نہ ہونے پائے جیسا واقعہ حدیث میں حضور نے ہجوم سے بچنے کیلئے اُس عمل کو چھوڑ دیا جس کا ارادہ کیا تھا) اسی لئے صوفیہ کا درجہ دوسروں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے اچھا گمان رکھتے ہیں (ہر ایک دوسرے سے فیض حاصل کرنے کا طالب ہوتا ہے) میں اندلس کی ایک بستی میں جس کا نام بلفیق ہے جو بابرکت بزرگ شیخ ابو اسحٰق رحمہ کا وطن ہے اللہ تعالیٰ اُن سے امثال سے نفع پہونچائے گیا تو وہاں یہ دستور دیکھا کہ جب کسی کے متعلق کسی سے دریافت کیا جاتا کہ فلاں صاحب کہاں ہیں تو ہر شخص اس طرح جواب دیتا کہ سیدی فلان نفع اللّٰہ بہٖ فی المواضع الفلانی وہ ہمارے سردار اللہ اُن سے نفع پہونچائے فلانی جگہ پر ہیں یہ تو نہایت تعظیم کا حال تھا (کہ کسی کا نام بھی بدون سیدی اور نفع اللہ بہ کے نہ لیتے تھے) مگر سامنے بجز سلام شرعی کے کچھ نہ تھا اور اگر اسکو پکارتے تو نام لیکر پکارتے اور (سیدی وغیرہ) کچھ نہ بڑھاتے، میں نے مدت تک اپنے قیام کے

زمانہ میں سب کا یہی برتاؤ دیکھا اس میں ذرا بھی تغیر نہ پایا قولہ فیہ دلیل علی طلب التبرک بالمبارکین الی قولہ لم یتغیروا عنہ"

ف شاید کسی کو اس جگہ یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بڑے بدتمیز تھے کہ اپنے بزرگوں کو نام لیکر پکارتے تھے تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اہل عرب اسکو بدتہذیبی شمار نہیں کرتے تھے وہ اپنے بادشاہوں کو بھی نام لیکر پکارتے تھے مکہ میں شریف حسین مرحوم کے زمانہ تک یہ دیکھا گیا کہ اہل عرب اُن کو یا شریف حسین کہکر پکارتے تھے اب دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اُن میں بھی تکلف آگیا اور جلالۃ الملک کہکر بادشاہ سے بات کرتے ہیں مگر پھر بھی عجم کی برابر تکلف نہیں آیا، اصل تہذیب یہی ہے کہ پیچھے پیچھے تو نام لیکر یاد کریں سامنے تعظیمی الفاظ سے خطاب کرتے ہیں ایک قسم کی اجنبیت ظاہر ہوتی ہے اسلئے قدیم اہل عرب اپنے بڑوں کے سامنے بے تکلف بات کرتے زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے پیچھے کسی کے سامنے نام لیتے تو بہت تعظیم سے لیتے تھے آجکل معاملہ برعکس ہے کہ سامنے تو بہت تعظیم ہے اور پیچھے اعتراض ہے البتہ اہل محبت سامنے اور پیچھے یکساں رہتے ہیں مگر آجکل اہل محبت کہاں؟ قلیل ما ہم- آجکل تو اکثر اہل غرض ہیں الا ماشاء اللہ

ف ہمارے اکابر کا بھی یہی طرز تھا کہ جس مستحب کام سے لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوتا اسکو چھوڑ دیتے تھے کیونکہ ہجوم میں پریشانی بہت ہے آنے والوں کو بھی اور خود کو بھی اسی لئے حضرت حکیم الامۃ بعد وعظ کے مصافحہ سے گھبراتے تھے کہ اسمیں ہجوم بہت ہوتا تھا پھر اس مستحب کے اہتمام میں کسی کی تکلیف کا خیال ہوتا ہے نہ راحت کا بعض لوگوں کے چوٹ لگ جاتی ہے اسی طرح حضرت نے تراویح میں قرآن سنانا بھی اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ حضرت کا قرآن سننے کو لوگ دور دور سے آتے تو خانقاہ میں ہجوم بہت ہو جاتا تھا آخر عمر میں ختم قرآن گھر پر کرتے تھے۔

(۲۰۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارہ سے بات کرنا بھی جائز ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں نہ بزرگی کے خلاف ہے، نہ اس سے بزرگوں کے درجہ میں کوئی نقصان یا خلل واقع ہوتا ہے نہ اسمیں کوئی اعتراض کی بات ہے، دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی گردن مبارک پر اشارہ فرمایا- اور یہاں سے یہی معلوم ہوا کہ اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں اور اسمیں اہل اشارات کی دلیل ہے یعنی حضرات صوفیہ کی کہ وہ بھی اپنے کلام میں اشارات استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں) کہ اشارات ہی سے خفی اور نازک بات کو سمجھانا چاہیئے (جس سے مخاطب تو مطلب سمجھ جاتا ہے اور نااہل کو کچھ پتہ نہیں چلتا نااہل کو ان باتوں سے دور ہی رکھنا چاہیئے)۔

Marfat.com

وفیہ دلیل علی الکلام بالاشارۃ الی قولہ وان الابلاغ فیہا فیہا خفی ورق"

ف حدیث میں تو اشارہ محسوس پر ہے مگر اس سے مضامین دقیقہ پر اشارہ بھی جائز ہو گیا کیونکہ اصل علت میں اشتراک ہے، اور صوفیہ کے اشارات کی دلیل خود فقہاء کے کلام میں موجود ہے انھوں نے دلالت کلام کی چار قسمیں بتلائی ہیں عبارۃ النص۔ اشارۃ النص۔ اقتضاء النص و دلالۃ النص، جب یہ معلوم ہو گیا کہ صوفیہ اپنے کلام میں اشارات بھی استعمال کرتے ہیں تو اب ہر کس و ناکس کو اُن کی کتابوں کا دیکھنا جائز نہیں صرف اسی کو اُن کا مطالعہ جائز ہے جو اُن کی اصطلاحات و اشارات کو بخوبی سمجھتا ہے شیخ ابن عربیؒ نے تصریح کی ہے کہ نا اہل کو ہماری کتابوں کا مطالعہ حرام ہے

(۲۰۶) یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زمزم (سے پانی بھرنے) والوں کو تو فرمایا کام کئے جاؤ تم اچھا کام کر رہے ہو اور نماز کے بارہ میں فرمایا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنا (مسجد میں نماز پڑھنے سے) افضل ہے بجز فرض کے (کہ اُس کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنا افضل بلکہ ضروری ہے سوال کا حاصل یہ ہے کہ زمزم کا پانی بھرنا بھی تو عمل مستحب ہے اس سے اخفا کا حکم کیوں نہ دیا گیا) جواب یہ ہے کہ جن مستحبات و نوافل کو اظہار و اخفاء دونوں طرح کیا جا سکے وہاں تو اخفاء افضل ہے اور جن مستحبات کی صورت و وضع ایسی ہے کہ اخفاء کے ساتھ اُن کو ادا نہیں کر سکتے جیسے لوگوں کو پانی پلانا۔ اور علم دین کا درس دینا اور جہاد کرنا (جبکہ فرض عین نہ ہوا ہو) وغیرہ وغیرہ وہاں فضیلت کا مدار نیت کی درستی پر ہے (اخفا پر نہیں کیونکہ وہ کام اخفا کیساتھ ہو ہی نہیں سکتا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (دوسری حدیث میں فرماتے ہیں) اوقع اللہ اجرہ علی قدر نیتہ اللہ تعالیٰ اُسکو اسکی نیت کے موافق ثواب دیتے ہیں (نیت میں جسقدر خلوص ہو گا اُسی قدر ثواب ہو گا)۔ اہل سلوک کو ایسی بات کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے اعمال میں ترقی کے پہلو پر نظر رکھتے ہیں خواہ نیت سے ترقی ہو یا بات سے ہو یا عمل سے ہو یا زمانہ (کی برکت) سے ہو یا جگہ (کی فضیلت) سے ہو یا مجموعہ سے ہو اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کفی بالعبادۃ شغلا (انسان کیلئے) عبادت کا شغل کافی ہے (اس شغل کی ساتھ دوسرے اشغال جمع نہیں ہو سکتے) کیونکہ اسکی وہی حالت ہوتی ہے جو دنیا میں تاجر کی ہوتی ہے جس طرح اسکو ہر وقت مال کے بڑھانے کی دُھن ہوتی ہے اسی سوچ اور فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح مال کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح اہل معاملات کی حالت اپنے مولیٰ کیساتھ ہے اُن کو بھی رضائے حق کے سوا کوئی شغل نہیں نہ اسکے بغیر اُن کو چین آتا ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں"

جس آنکھ نے آپ کو نہیں دیکھا اُس نے کسی دل خوش کرنے والی چیز کو نہیں دیکھا اور جس آنکھ نے آپکو

Marfat.com

دیکھ لیا وہ کسی ناگوار چیز کو نہ دیکھے گی۔ آپ کی تجلی جلال (کا مشاہدہ) اسکی کسر کو پورا کر دیتا ہے (یعنی کسی ناگوار چیز کے دیکھنے سے اگر طبعی ناگواری ہوتی بھی ہے تو اسمیں تجلی جلال بھی تو ہوتی ہے اور آپ کی ہر تجلی محبوب ہے خواہ بصورت جمال ہو یا بصورت جلال ہو ۵ اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ ہمکو غصہ پہ پیار آتا ہے) جیسے آسمان کی بارش زمین کی خشکی کو دور کرتی ہے (تو اسکی گرج اور کڑک سب ہی گوارا ہوتی ہے اسی طرح تجلی جلال سے زمین قلب کو جو زندگی اور شادابی نصیب ہوتی ہے وہ ظاہری ناگواری کو گوارا بنا دیتی ہے) قسم ہے آپ کے علم کی حرمت کی جسکے سامنے میرا ضعف ظاہر ہے کہ آپ کا لطف ہی میری بدحالی کی شکستگی کو جوڑنے والا ہے۔" **قولہ** وھھنا بحث وھولم قال لاھل زمزم اعملوا الی قولہ جبر لرھب لھا۔"

ف یہ شبہ نہ کیا جائے کہ صوفیہ چشتیہ ذکر جہر کی تعلیم دیتے ہیں بعض دفعہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے کو کہتے ہیں حالانکہ ذکر تو آہستہ بھی ہو سکتا ہے بدون تسبیح کے بھی ہو سکتا ہے تو یہاں اظہار سے اخفا افضل ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اگر ذکر سے ثواب ہی مقصود ہو تو یقیناً ذکر خفی ذکر جہر سے افضل ہے بجز ان مواقع کے جہاں شریعت نے جہر شروع کیا ہے، لیکن چشتیہ ذکر جہر محض ثواب کیلئے نہیں بتلاتے بلکہ ذکر کو قلب میں پیوستہ کرنے کیلئے بتلاتے ہیں اور تجربہ ہے کہ یہ مقصود بدون جہر کے جلدی حاصل نہیں ہوتا جیسے ایک شخص قرآن حفظ کرنے کے واسطے سبق یاد کر رہا ہو تو اس کا مقصود محض ثواب نہیں بلکہ ثواب کی ساتھ حفظ کرنا بھی مقصود ہے تو وہ اخفا کی ساتھ سبق یاد نہ کریگا بلکہ جہر سے کریگا کیونکہ آہستہ پڑھنے سے یاد نہیں ہوتا یا بہت دیر میں ہوتا ہے۔ پس نفس جہر میں خود کوئی ثواب نہیں جبکہ شرعاً جہر کا امر نہیں بلکہ وہ ذکر کو دل میں پیوستہ کرنے کا ذریعہ ہے اور ذکر کا دل میں جمنا مطلوب و محمود ہے تاکہ کسی وقت اللہ تعالیٰ سے غفلت نہو اور قاعدہ ہے کہ مطلوب کا مقدمہ بھی مطلوب ہوتا ہے اس طرح یا بواسطہ یہ جہر بھی محمود اور موجب ثواب ہو گیا جیسا حفظ کرنے والے کا جہر محمود اور موجب ثواب ہے، اسی طرح تسبیح ہاتھ میں رکھنا خود کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ وہ دل کیلئے مذکر ہے تسبیح ہاتھ میں رہنے سے قلب ذکر یا مذکور کی طرف متوجہ رہتا ہے اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے تو اس کا مقدمہ اور ذریعہ بھی بواسطہ مطلوب ہو جائیگا خوب سمجھ لو۔

ف درس و تدریس اور وعظ و تقریر اور تحریر وغیرہ میں نیت درست کرنا ضروری ہے تاکہ ثواب سے محروم نہو درس و تدریس اور وعظ وغیرہ میں تبلیغ احکام کی نیت کیجائے اگر ان کاموں کیلئے ملازمت کیجائے تو محض تنخواہ کی نیت نہ کیجائے کہ وہ تو ہر حال میں ملے گی۔ نیت یہ کیجائے کہ میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے واسطے یہ کام کر رہا ہوں اور تنخواہ اس واسطے لیتا ہوں تاکہ دلجمعی اور بے فکری سے اس فرض کو ادا کر سکوں۔

Marfat.com

عـ۸۱ (حدیث تقدیم صلاۃ الفجر بالمزدلفۃ یوم النحر)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا سوا دو نمازوں کے آپ نے (مزدلفہ میں) مغرب و عشا کو جمع کیا اور فجر کی نماز بھی وقت سے پہلے پڑھی اور یہ حج کے موقعہ پر ہوا۔

شارح ظاہر حدیث سے تبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت پر نہیں ہوئیں مگر واقع میں ایسا نہیں کیونکہ مغرب کی نماز تو عشا کے وقت میں پڑھی گئی تھی لیکن فجر اپنے وقت پر ادا کیگئی مگر چونکہ اس دن حضور نے نماز فجر صبح ہوتے ہی پڑھی تھی جو آپ کی عادت معروفہ کے خلاف تھا تو صحابی نے اسکو بے وقت کہدیا مطلب یہ تھا کہ جس وقت کی عادت تھی اس سے پہلے نماز پڑھی (جس سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ حضور کی عادت نماز فجر میں اسفار کی تھی اور وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ اسفار نکرتے تھے بلکہ ایسے وقت نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں تاریکی اور بیرونی حصہ میں روشنی ہوتی تھی)

(۳۰۷) یہاں سے معلوم ہوا کہ دین کے احکام کا تذکرہ اور ان میں گفتگو کرنا بھی دین ہے اگرچہ حکم ظاہر ہو سبکو معلوم ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کی کیفیت مشہور تھی آجتک بھی اسی کے موافق عمل ہو رہا ہے مگر پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کیا۔ میں بعض بزرگوں سے ملا ہوں جو علم و عمل میں اعلیٰ درجہ پر تھے جب کبھی وہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو ان کی بات چیت مسائل دینیہ ہی میں ہوتی تھی وہ بھی مشکل مسائل میں نہیں نہ باطنی حالات میں گفتگو ہوتی تھی اسکے سوا اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ جب آپس میں ملتے تو کہتے آؤ کچھ دیر ایمان کی باتیں کریں یعنی مسائل دین میں گفتگو کریں، کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی حالت یہ ہے کہ اسمیں جب زیادہ گفتگو ہوتی ہے تو بعض وقت دل رکنا جاتا اور پریشان اور تنگ ہو جاتا ہے مگر ایمان اور اسکے فروع اور اہل ایمان کے حالات میں گفتگو سے اہل تحقیق کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے (اسلئے وہ کسی وقت بھی اس سے دل تنگ نہیں ہوتے) جیسے علم کو جتنا بھی خرچ کرو بڑھتا ہی ہے علم کے سوا دوسری چیزوں کو خرچ کرو تو گھٹتی ہیں۔ پس تم ایسا راس المال (اور سرمایہ) نیلو جو خرچ کرنے سے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ اور غنا حاصل ہوتی رہے اور تمھارا سرمایہ ذرا بھی کم نہ ہو اسی لئے بعض حکما نے فرمایا ہے کہ علم ربانی عطیہ ہے علما تمکو ایک چیز پوری کی پوری دیدیتے ہیں اور ان کے خزانہ میں اس سے

[illegible]

Marfat.com

کچھ کمی نہیں آتی کیونکہ جب کوئی تمکو علم دیتا ہے تمھارے پاس اُس کے علوم و معارف سب ہی آجاتے ہیں مگر اُس کے پاس جو علم تھا اُسمیں کمی نہیں آتی بلکہ اُس میں ایک نئی قسم کی ترقی ہو جاتی ہے کیونکہ علمی تذکرہ سے خود عالم کو بھی پہلے سے زیادہ تنبہ ہو جاتا ہے اور ثواب زیادہ ملا وہ الگ رہا جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے

قولہ وفیہ دلیل علی ان من الدین ذکر الحکم فی الدین الی قولہ الذی ھو خیر من الکل "

ف صوفیہ اور علما کو چاہیئے کہ اپنی مجلسوں کو علمی و اصلاحی تذکرہ سے خالی نہ رکھیں سلف کا طریقہ یہی تھا آجکل بعض علمار کی حالت یہ ہے کہ اُن کی مجلس میں بجز ادھر اودھر کے قصوں یا سیاسی جھگڑوں کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ حالت تنزل دین کی علامت ہے، عارف کا تو یہ حال ہونا چاہیئے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ہم نے اپنے اکابر کی مجلسوں میں بجز علمی و اصلاحی گفتگو کے فضول قصّے نہیں دیکھے الا نادر اوالنادر کالمعدوم"

(۲۰۸) یہاں سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ احکام دین کا روایت کرنا خصم کی حجت کو زیادہ قطع کرنے والا ہے اگرچہ اُس پر عمل درآمد ہو رہا ہو اور سبکو اس کا علم ہو کیونکہ روایت ہی سے تو یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی اسی طرح تھا جس طرح عمل ہو رہا ہے پھر ایک دوسرے سے نقل در نقل ہوتا رہے گا (تو ساری امت کو قیامت تک یہ علم ہوتا رہے گا) اگر امام عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان فرماتے اگرچہ عمل اُس کے موافق ہو رہا ہے تو ہمکو کس طرح یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کوئی مخالف اگر اس کا انکار کرتا تو ہم اسکو کیا جواب دیتے یا خود ہمارا دل حقیقت حال پر مطلع ہونا چاہتا تو کیونکر تسلّی ہوتی ؟ کسی نے خوب کہا ہے کہ دین میں کوشش کرتے رہو اور اُسکو بدون کسی اصل کے نہ لو اور وہ کتاب اللہ ہے اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو ایک ثقہ دوسرے ثقہ سے روایت کرتا ہے اور اجماع اور قیاس شرعیہ بشرطیکہ تم شرط قیاس سے متصف ہو اور (ان کے سوا) پانچواں کوئی طریق معتدل نہیں" **قولہ وفیہ من الفقہ ان زوا الی قولہ لبس طریقۃ بالعدل۔**

ف یہاں سے صوفیۂ زمانہ کو سبق لینا چاہیئے جو علم کتاب و سنت و اجماع و قیاس حاصل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو علم شریعت ہے اور ہمارا علم طریقت سینہ بہ سینہ ہے، ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سینہ بہ سینہ بجز نسبت باطنہ کے کچھ نہیں اور نسبت باطنہ بدون علم و عمل کے حاصل نہیں ہوتی اور علم احکام سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے بزرگوں کا ارشاد ہے ما اتخذ اللہ من ولی جاھل، اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتے اور جن صوفیہ کو ان پڑھ کہا جاتا ہے وہ جاہل نہ تھے بقدر ضرورت علم دین اُن کو حاصل تھا خواہ کتابوں سے یا صحبت علماء

Marfat.com

سے اس کے بعد ہی ان کا عمل کامل ہوا اور عمل کامل سے نسبت باطنا ان کے قلب پر فائض ہوئی پس جو عمل کسی آیت یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت نہو اسکو رد کیا جائے گا احکام آلہیہ سینہ بہ سینہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور یہاں سے اُن علماء کی بھی غلطی واضح ہوگئی جو بدون شرط قیاس کے اپنے کو مجتہد سمجھ بیٹھتے ہیں قیاس کیلئے علاوہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط کمال ذوق عربیت ہے کیونکہ قرآن کریم عربی فصیح معجز میں نازل ہوا ہے جسکو سب سے زیادہ سمجھنے والے وہی تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب تھے کہ اسوقت تک ذوق عربیت پوری طرح محفوظ تھا۔ تفسیر سلف کو چھوڑ کر آجکل جو نئی نئی تفسیریں قرآن کی کی جاتی ہیں یقیناً تحریف میں داخل ہیں، چنانچہ اس زمانہ کے ایک مفسر نے، سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھی نہ محض خواب تھا بلکہ ایک درمیانی کیفیت تھی جو نبوت کی ساتھ مختص ہے جسکی حقیقت ہم بیان نہیں کر سکتے، مگر اسکو یہ عقل نہ آئی کہ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کو مکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اسوقت اہل مکہ نے اس سے کیا سمجھا تھا؟ یقیناً سب نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراج جسمانی ہی سمجھا تھا اسی لئے تو استہزاء کیا اور مضحکہ اڑایا اور بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا اور اُن قافلوں کا حال پوچھا جو مکہ سے شام کی طرف گئے تھے، اور جسوقت حضرت ابوسفیان رضؓ سے ہرقل نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عقل کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے انھوں نے جواب دیا ھو صائب الرائی فینا غیر انا انکرنا منہ شیئاً کہ وہ بڑے صائب الرائی ہیں لیکن اُن کی ایک بات ہمکو اوپری معلوم ہوئی پوچھا وہ کیا؟ کہا وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مکہ سے بیت المقدس گیا وہاں سے آسمانوں پر گیا پھر صبح سے پہلے گھر واپس آگیا یہ بات ہماری عقل میں نہیں آئی اس پر بیت المقدس کے پادری نے کہا وہ سچ کہتے ہیں مجھے وہ رات معلوم ہے جسمیں وہ بیت المقدس تشریف لائے تھے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ حلبیہ وغیرہ،، غرض تو تمام سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مشرکین نے جو قرآن کے اول مخاطب تھے قرآن سے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراج جسمانی ہی سمجھا اسی وجہ سے انکار کیا اسی لئے نشانات دریافت کئے اگر معراج جسمانی کا دعوی نہ ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہی فرما دیتے جو آج چودھویں صدی کا نیا مفسر کہتا ہے کہ معراج جسمانی کا مجھے دعوی نہیں بلکہ یہ ایک خاص کیفیت ہے جو نبی کے ساتھ مختص ہے تم اسکو نہیں سمجھ سکتے آپ کو بیت المقدس کا نقشہ بتلانے اور قافلوں کی حالت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دنیا جانتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر کو لقب صدیق اسی دن دیا گیا جب انھوں نے معراج کی تصدیق کی جبکہ بہت سے ضعفاء اس بات کو سنکر مرتد ہو گئے تھے اگر اس نئے مفسر کی تفسیر کو صحیح مان لیا جائے تو اُنکی تصدیق میں کچھ بھی کمال نہ تھا نہ ضعفاء

نئے مفسر کا قرآن کے واقعہ معراج میں تحریف کرنا ہے۔

Marfat.com

کو ارتداد کی نوبت آنے کی کوئی وجہ تھی نہ مشرکین کو استہزار اور مضحکہ کا کوئی موقعہ تھا۔ مگر خدا تا س کرے اس مرعوبیت کا کہ آجکل دوسروں کے اعتراض سے خوفزدہ ہو کر مسلمانوں کے نئے مفسر قرآن ہی کو بدلنے لگے اور ایسی تحریفیں کرنے لگے جو قواعد عربیت کے خلاف اور اہل عرب کی فہم سے بہت دور ہیں۔

۸۲۔ (حدیث الصدقۃ بجلال البدن وجلودہا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُن اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کو صدقہ کردوں جو (حج کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) قربانی میں نحر کئے گئے تھے"

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ قربانی کے اونٹوں کی جھولوں اور کھالوں کے صدقہ کا حکم کیا گیا اس پر چند سوالات ہیں ایک یہ کہ یہ امر وجوب کیلئے تھا یا استحباب کیلئے؟ دوسرے حضرت علی رضؓ کے اس بات کے بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ تیسرے اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس حکم کیلئے مخصوص کیا؟ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امر استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں کیونکہ خود قربانی کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو جھول اور کھال اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے اس بات کو اسلئے بیان کیا تاکہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ صدقہ کرنے میں کسی کو نائب بھی کرسکتے ہیں اسکے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرات صحابہ کو اس سے خاص فرحت اور فخر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کسی بات کیساتھ خاص طور سے خطاب فرمائیں دیکھو حضرت علی کو اپنے سب ناموں میں زیادہ محبوب بوتراب تھا کیونکہ یہ کنیت حضور نے دی تھی۔ نیز حکم کی پختگی بھی مقصود ہے کہ یہ مسئلہ کسی کے واسطے سے نہیں بلکہ میں نے بلاواسطہ حضور سے سنا ہے اور بذات خود اسکو معلوم کیا ہے۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس حکم کیساتھ اسلئے مخصوص فرمایا کہ اُن کو علم زیادہ تھا اگرچہ حضرات خلفاء سبھی علماء تھے لیکن حضرت علی کو وجوہ خیر میں سے اس خیر میں فضیلت حاصل تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ حضرت علی کو حضور نے اپنی قربانی کے اونٹوں کے نحر کرنے میں نائب کیا تھا (کیونکہ آپکے سو اونٹوں میں سے تریسٹھ تو خود اپنے ہاتھ سے نحر کئے تھے بقیہ کو حضرت علی کے سپرد کیا تھا کہ وہ نحر کریں) تو کھالوں اور جھولوں کے صدقہ میں بھی اُن ہی کو نائب کر دیا گیا ھذا خلاصۃ ما ذکرہ الشارح فی شرحہ)

(۲۰۹) یہاں سے معلوم ہوا کہ قربانی اور صدقہ وغیرہ میں (اگر کسی کو نائب کرنے کی ضرورت پڑے تو

Marfat.com

مستحب یہ ہے کہ کسی عالم کو نائب کیا جائے کہ یہ بھی قربت کو کامل کرنے والا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک کام واجب نہ ہوں اُن میں مستحب یہ ہے کہ (ضرورت نیابت کے موقعہ پر) اپنے عزیز قریب کو حکم دیا جائے چنانچہ حضور نے حضرت علی کو نحر ہدی اور صدقہ جلال و جلود کا حکم دیا کیونکہ وہ حضور کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے اس نیابت سے اُن کو خوش کرنا مقصود تھا اگر حضور کسی دوسرے کو اس صدقہ کا حکم دیتے تو احتمال تھا کہ اُن کی خاطر میں تغیر پیدا ہو جاتا اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی طرف سے صدقہ وغیرہ میں نائب کر دیا تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے اور شکستہ نہ ہو **قولہ** ویترتب علیہ من الفقہ ان المندوب فی النیابۃ الی قولہ ادخال سرور وجبر قلب۔

ف یہ نیابت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاتی معاملہ میں تھی اور ذاتی معاملات ہی میں اہل قرابت کو مقدم کرنا مستحب ہے، جبکہ اُن کو علم بھی زیادہ ہو پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ حضور کا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے متعلق ہے اُسمیں اسی کو تقدم ہوگا جسے عام مسلمان مقدم کریں اور یہ بڑا ہی مسئلہ ہے جسمیں زیادہ بحث کی اصلا ضرورت نہیں ایک مقام پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین کی خلافت جس ترتیب سے واقع ہوئی ہے وہی عین حکمت اور ضرورت کے موافق تھی

(۲۱۰) ایک وجہ حضرت علی کو اس حکم کیساتھ مخصوص کرنے کی یہ بھی تھی کہ حُسن صحبت (اور حُسن معاشرت) کا مقتضا یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اسکی تکمیل بھی اسی کے ہاتھوں سے کرائی جائے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن کی طرف بھیجا تھا کہ وہاں سے قربانی کے اونٹ لائیں (چنانچہ وہ اپنی ساتھ لیکر آئے اور حج کے موقعہ پر مکہ پہونچے) تو حسن صحبت کے قاعدہ سے اُن ہی کو آپنے بقیہ قربانی میں نائب کیا اور اُن ہی کو کھالوں اور جھولوں کے تصدق میں نائب کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حُسن صحبت کی رعایت کرنے والا کون ہے؟ وفیہ وجہ من حسن الصحبۃ الی قولہ ومن احسن صحبۃ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

ف جب اس قصہ میں وجوہ نیابت متعدد ہو سکتے ہیں تو کسی ایک وجہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں ہو سکتا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“

ف حُسن صحبت و ادب معاشرت بھی دین کا بڑا اہم شعبہ ہے جسکی طرف سے آجکل بہت غفلت ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ اس کے آداب کو قرآن و حدیث سے علما بھی کم سمجھتے ہیں حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ بھی بڑا کارنامہ ہے کہ آپنے دین کے اس باب کو زندہ کیا اور اسکی تعلیم و تلقین میں بڑا اہتمام فرمایا۔

Marfat.com

(۲۱۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ پر امور خیر کو مفتوح فرما دیں تو اسکو بیان کرنا چاہیے بشرطیکہ اسمیں اپنے کسب و اختیار کو دخل نہ ہو (محض وہب و فضل ہو) کیونکہ جن امور میں کسب و اختیار کو دخل ہے انکو بیان کرنا تو اپنا تزکیہ (اور اپنے منہ سے اپنی تعریف) ہے اور (اس سے) حق تعالیٰ نے (منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد) فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم (اپنی تعریف خود کرو) اور جو امور محض وہب و فضل سے حق تعالیٰ عطا فرمائیں ان کا بیان کرنا شکر میں داخل ہے بشرطیکہ نیت طلب جاہ سے سالم ہو چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں التحدث بالنعم شکر نعمتوں کا بیان کرنا بھی شکر ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کروگے تو میں تم (پر اپنی نعمتوں) کو بڑھا رہوں گا۔ دیکھو حضرت علی نے (اس حدیث میں) یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقہ کا امر فرمایا (جس میں اس نعمت کا ذکر ہے کہ حضور نے محض وہب و فضل سے اُن کو اس حکم کیساتھ مخصوص فرمایا) پھر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ (اس کے بعد) جو کچھ میں نے کیا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے امر سے کیا جسمیں دعوٰی اور تزکیہ سے برات کا اظہار ہے جیسے کوئی کسی کو صدقہ کرتے ہوئے دیکھے اور وہ کہدے کہ یہ صدقہ واجب ہے (نافلہ نہیں) اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسمیں میری تعریف کی کوئی بات نہیں کیونکہ حضرات صحابہ اور پہلے زمانہ کے مسلمانوں کے نزدیک واجبات کا ادا کرنا تعریف کا سبب نہ تھا کیونکہ واجب کا ادا کرنا تو لازم ہے اور واجبات کے ادا کرنیمیں سب ہی لوگ برابر تھے (اس زمانہ میں فرائض و واجبات کو کوئی نہیں چھوڑتا تھا تو اس میں تعریف یا کمال کچھ نہ تھا) اسی لئے بعض عابدین نے فرمایا ہے کہ خدا تارکین صلوٰۃ کو جزائے خیر نہ دے انھوں نے (خود تو نماز چھوڑ دی اور) ہمکو نماز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بڑے عابد ہیں (یعنی ان کے ترک صلوٰۃ نے ہمکو عابدین میں داخل کر دیا اگر وہ بھی نماز پڑھا کرتے تو ہمارا کچھ بھی کمال نہ تھا) اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو اُن باتوں کا تذکرہ (کبھی کبھی) کر دیتے ہیں جنکی ساتھ اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مخصوص فرمایا ہے اس کا منشا محض اپنی خوشی کا اظہار اور نعمت کا شکر تھا وہ دعوٰی عمل سے بری تھے۔ آجکل کے آدمیوں کی طرح نہ تھے جو واجبات کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے اور چاہتے یہ ہیں کہ اُن کو اہل برکت میں شمار کیا جائے (لوگ اُن کو بزرگ اور شیخ سمجھیں) ایسے ہی لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا (اور وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کیجائے ایسے کاموں میں جو انھوں نے نہیں کئے) اسمیں صوفیہ کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ اہل طریق کو چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اُن پر جن نعمتوں کو مفتوح کیا ہے اپنے دوستوں کے سامنے بیان کر دیا کریں بشرطیکہ مجلس میں کوئی اجنبی نہ ہو کیونکہ اس سے اہل طریق کا ایمان قوی ہوتا ہے اور ایمان کی زیادتی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے نیز اس سے اُن کو نفس کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس طریق میں صدق (و خلوص) سے کام کرنے والے کم ہو گئے یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہی سمجھ بیٹھے کہ یہ (طریق تصوف) ایسی چیز ہے جس کا

Marfat.com

بستر لپیٹ دیا گیا ہے (اب دنیا میں نہ کہیں طریق کا وجود ہے نہ اہل طریق کا) تو یہ خیال اُن کو ترقی سے ہمت پست کرنیکا سبب ہو جاتا ہے (اب اگر مشائخ طریق حق تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو بیان کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مفتوح کی ہیں تو اس سے سننے والوں کی ہمت بلند ہوگی وہ سمجھیں گے کہ اب بھی وہ حالات و مقامات حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے زمانہ میں حاصل ہوتے تھے) مجھ سے ایک شخص نے جسکو طریق سے وابستگی تھی پھر عمل میں سُست پڑ گیا پھر اپنے زمانہ میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کے اندر حالات صوفیہ کا کچھ حصہ موجود تھا تو دوبارہ مجاہدہ اور خدمت میں مشغول ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کشود کار سے سرفراز ہو گیا بیان کیا کہ واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری سُستی اور کاہلی کا سبب صرف یہ ہوا کہ میں نے اپنے اندر کوئی بات نہ دیکھی اور نہ کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جس میں وہ باتیں موجود ہوں جو صوفیہ کی کتابوں میں لکھی ہیں میں نے کہا کہ اب اس طریق کا بستر لپیٹ دیا گیا ہے تو میں نے کیوں خواہ مخواہ سر مارا۔ پھر جب میں نے فلاں شخص میں کچھ وہ باتیں دیکھیں جو قوم کی کتابوں میں لکھی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ طریق تو باقی ہے لیکن سالک کم ہو گئے ہیں اب میں پھر خدمت اور مجاہدہ میں لگ گیا جسکے بعد میری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں (کہ بحمد اللہ فتوحات الٰہیہ سے کامیاب ہو گیا ہوں) تو فتوحات الٰہیہ کے بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے (کہ جو لوگ طریق کو دشوار اور معدوم سمجھ بیٹھے ہیں اُن کی ہمتیں بلند ہو جائیں) اسی کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ جب تو اپنے حال میں سچا ہو تو تیرا بولنا اور خاموش رہنا دیکھنے والوں کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے **قولہ** وفیہ دلیل علی التحدث بما فتح اللہ بہ علی العبد الی قولہ لمن راک فلاح "

ف کتب صوفیہ میں بزرگوں کی کرامات و تصرفات اور کشفیات اور حالات و کیفیات کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کو دیکھکر بعض لوگ اُن کی تحصیل کے طالب ہو جاتے ہیں اور جب حاصل نہیں ہوتیں تو مایوس اور بددل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ امور اختیار سے باہر ہیں اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا پریشانی میں پڑنا ہے اور بعض کتابوں میں مقامات و اخلاق حمیدہ کی تعریف ایسی تدقیق اور کاوش سے کیگئی ہے جسے دیکھکر بہت لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان مقامات و اخلاق کا حاصل ہونا آجکل محال نہیں تو دشوار ضرور ہے حالانکہ فی نفسہ اُن کی تحصیل دشوار نہیں۔ دشواری بعض مصنفین کے بیان میں ہے کیونکہ اخلاق حمیدہ کی تحصیل اور اخلاق رذیلہ کی اصلاح شرعاً مامور بہ ہے اور شریعت نے وسعت و طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کیا لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا وما جعل علیکم فی الدین من حرج اس پر صراحۃً دال ہے، پس تصوف کا حاصل یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہو پھر اس میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ البتہ امور اختیاریہ میں خلوص و صدق حاصل کرنے اور شائبہ نفس سے بچنے کیلئے کسی شیخ سے رجوع کی ضرورت ہے

Marfat.com

جسکی صحبت اور تعلیم کی برکت سے قلب میں خلوص اور صدق جلد پیدا ہو جاتا اور نفس کے مکائد پر نظر ہو جاتی ہے یہ بات خود کتابیں دیکھکر جلدی حاصل نہیں ہو سکتی اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی مریض اپنے مرض کا علاج کتابیں دیکھکر کرے تو دیر میں شفا ہو گی اور ممکن ہے شفا نہ ہو بلکہ مرض بڑھ جائے اور کسی طبیب حاذق کے حوالے اپنے کو کردے تو جلد شفا ہو جاتی ہے اسی طرح امراض قلب سے شفا طبیب روحانی کے ذریعہ جلدی حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد نسبت باطنہ کے حصول کا درجہ ہے وہ تو کتابوں سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی یہ دولت مشائخ طریق کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہے خوب سمجھ لو اور بحمد اللہ ہر زمانہ میں ایسے مشائخ موجود رہتے ہیں جنکے وسیلہ سے یہ دولت طالبین کو حاصل ہوتی رہتی ہے طلب اور تحقیق شرط ہے بدون تحقیق کے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

۸۳ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطار رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی محرم حالت احرام میں بھول کر یا جہالت سے خوشبو لگالے یا (سلا ہوا) کپڑا پہن لے تو اس پر کفارہ نہیں۔

شارح یہ عطار کا مذہب ہے متفق علیہ نہیں، نسیان میں تو امام شافعی بھی اُن کے موافق ہیں اور امام مالک کے نزدیک نسیان میں بھی کفارہ ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں سہو سے سجدۂ سہو لازم ہوتا اور اس سے نقصان کا جبر ہو جاتا ہے اسی طرح احرام میں سہو و نسیان معاف نہیں بلکہ جبر نقصان کیلئے کفارہ لازم ہے اور یہاں سہو و عمد دونوں میں کفارہ ہے نماز میں صرف سہو سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے عمد میں نہیں باقی جہل کی صورت میں جہانتک مجھے معلوم ہے کسی عالم نے عطار کی موافقت نہیں کی بلکہ نص قرآنی فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو) اُنکا رد کر رہی ہے قرآن نے کسی کو جہل کی وجہ سے معذور نہیں قرار دیا اور اگر جہل عذر ہو جائے تو اس کا درجہ علم سے بڑھ جائے گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں (ہذا ما قالہ الشارح فی شرحہ اس مسئلہ میں امام مالک کی دلیل ایک حدیث ہے کہ ایک شخص حالت احرام میں خوشبو لگائے عبا پہنے ہوئے حضورؐ کے سامنے آیا تو آپ نے اسکو خوشبو کے دھونے اور عبا کے اتارنے کا حکم دیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا کیونکہ اسکو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا اور عبا پہننا منع ہے جمہور کی طرف سے جواب کتب فقہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے)۔

(۲۱۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ کتابوں میں کوئی روایت دیکھکر فتوی دینا ہر شخص کو جائز نہیں یہ کام اُن ہی لوگوں کا ہے جو اسکے اہل ہیں اور فیصل شدہ بات کے جاننے والے اور مدلول کلام کے سمجھنے والے ہیں،

Marfat.com

اسی مسئلہ کو دیکھو اگر کوئی ناواقف آدمی عطار کا یہ قول دیکھے وہ تو اسی پر عمل کرنے لگے گا اور سمجھے گا کہ سب علمار کا یہی قول ہو (کیونکہ یہاں کسی کا خلاف مذکور نہیں) اب وہ اپنے امام پر جھوٹ بات لگانے کا مجرم ہوگا اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈالے گا چنانچہ ایک عالم کے متعلق جو مذہب مالک پر فتوی دیتے تھے ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ عطار کے قول پر فتوی دیتے (اور اسی کو مالک کا مذہب سمجھتے) ہیں حالانکہ مالک کا مذہب ہم اوپر بتلا چکے ہیں (کہ وہ کسی جزو میں بھی عطا کے موافق نہیں نہ نسیان میں نہ جہل میں) ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمکو معرفت علم کا صحیح راستہ دکھلائیں اور اس پر اپنی رضا کیلئے عمل کی توفیق دیں لارب سواہ قولہ ویترتب علیہ من الفقہ انہ لایجوز الحکم بمجرد النقل الی قولہ لارب سواہ

ف ہرچند کہ یہ مسئلہ تصوف کے مسائل سے نہیں مگر اسکی ضرورت علمار اور صوفیہ دونوں کو ہے، آجکل یہ مرض عام ہو کہ کتابیں اور ترجمے دیکھکر حکم شرعی یا باطنی بیان کرنے لگتے ہیں اور بعض تو مجتہد بن جاتے ہیں حالانکہ کتابیں اور ترجمے دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے اور علمار کے پاس مدت تک رہنے سے حاصل ہوتا ہے ۵

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را　　　عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

۸۴ (حدیث بنا مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو نجار سے فرمایا اے بنی نجار مجھ سے (اس زمین کی) قیمت کا معاملہ کرلو انھوں نے کہا ہم اسکی قیمت اللہ کے سوا کسی سے نہیں لینا چاہتے تو آپ نے مشرکین کی قبروں کے کھودڈالنے کا حکم دیا اور خراب زمین کو برابر کردیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا پھر ان کو مسجد کے قبلہ (کی دیوار) میں اوپر تلے رکھدیا گیا"

شرح حدیث کا ظاہر تو یہ ہو کہ مسجد مدینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنائی گئی ہے جبکہ آپنے (مکہ سے) مدینہ کو ہجرت فرمائی - اس میں چند وجوہ سے کلام (کی ضرورت) ہے۔

(۳۱۴) یہاں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے متعلق اس کے مالک سے یہ درخواست کرنا کہ اسکو ہمارے ہاتھ بیچدو جائز ہے اگرچہ اس نے پہلے سے بیچنے کا خیال ظاہر نکیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو نجار مجھ سے اس زمین کی قیمت لیلو۔ حالانکہ ان لوگوں نے اس زمین کو بیچنے کیلئے پیش نہیں کیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی صنعت یا پیشہ سے مشہور ہوچکا ہو یا اس کا خاندان مشہور ہوچکا ہو اسکو اس پیشہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اسکو ناگوار نہو) اور یہ ان

Marfat.com

القاب میں داخل نہیں جنسے منع کیا گیا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی النجار (اے بڑھئی کی اولاد) یہ صنعت اُن کے آبا و اجداد میں کسی نے اختیار کی تھی اُس سے خاندان مشہور ہو گیا آپنے اُسی مشہور نسبت سے اُن کو خطاب فرمایا (کیونکہ یہ نسبت اُن کو ناگوار نہ تھی)۔

نیز یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ کیا گیا ہو پھر مالک اُسکو ہدیہ کردے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ مالک پر دباؤ ڈالنے کا قصد نکیا گیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا ہدیہ قبول کر لیا حالانکہ پہلے آپنے خریدنے کا قصد کیا تھا۔ اور اس بات کی دلیل کہ مالک پر دباؤ ڈالنے کا قصد نہ ہو یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اولاً یہ فرمایا تھا کہ مجھ سے اس زمین کی قیمت لیلو سچ مچ دل سے فرمایا تھا کیونکہ نبی حق کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے وہ نہ حیلہ بہانہ کرتے ہیں نہ ایسی بات مجازاً کہہ سکتے ہیں (اُن کی مراد وہی ہوتی ہے جو الفاظ کا حقیقی مدلول ہے) جسکے دل میں اس کے خلاف کا وسوسہ بھی ہو وہ نبی کی تنقیص کرتا ہے جو ہرگز جائز نہیں اور اگر زبان سے صاف طور پر اسکو ظاہر کرے گا قتل کیا جائیگا۔

ہاں یہاں پر ایک مسئلہ قابل غور ہے وہ یہ کہ ہدیہ کرنے والے کے خلوص کی تصدیق محض دعوے سے نہ کی جائے گی جبتک خلوص پر قرینہ قائم نہ ہو جو اسکو واضح کردے جیسا ان صحابہ کا قول ہے لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ ہم اسکی قیمت بس اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ اور ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ (ہدیہ نہیں کررہے تھے بلکہ) صدقہ کر رہے تھے کیونکہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہدیہ کرنے والا بھی تو ثواب کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہدیہ کرے صدقہ اور ہدیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ صدقہ تو صرف اللہ کیلئے ہوتا ہے بشرطیکہ ریا کو دخل نہو اور ہدیہ کی بہت صورتیں ہیں جنکو کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے جنمیں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ کیلئے ہو اسمیں ہدیہ والے کو بھی صدقہ والے کی طرح ثواب ملتا ہے اگرچہ ہدیہ کرنے والے نے ان حضرات صحابہ کی طرح صاف صاف نہ کہا ہو کہ میں اللہ کے واسطے ہدیہ کرتا ہوں بلکہ اور کوئی قرینہ اس کے قائم مقام ہو بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی ہدیہ آتا اور اُن کو کسی قرینہ سے) معلوم نہوتا کہ یہ کس قسم کا ہدیہ ہے تو وہ ہدیہ کرنیوالے سے فرماتے میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ سچ بتلاؤ تمھارے نزدیک میرا اس ہدیہ کو قبول کر لینا اچھا ہے یا رد کر دینا اچھا ہے؟ وہ قسم کھا کر جو صورت بیان کر دیتا اُس کے موافق عمل کرتے تھے۔ اور اُن کے اس فعل کا منشا دعوی سے بچنا تھا اگرچہ وہ بڑے صاحب کشف تھے لیکن محض اپنے کشف کی بنا پر کسی کا ہدیہ رد نکرتے تھے تاکہ دعوے کی صورت نہ ہو جائے بلکہ ہدیہ دینے والے کی قسم پر عمل کرتے تھے)۔

قولہ منہا جواز طلب الاشیاء للبیع الی قولہ وان کان علی ما روی عنہ من اھل الکشف والاطلاع

ف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو بہت سے تکلف کر دیا تھا جیسا واقعات صحابہ سے واضح اور

Marfat.com

روشن ہے اسلئے آپ کسی چیز کو خریدنا چاہتے اور صحابہ اسکو ہدیہ کر دیتے تو انہیں خلاف خلوص کا شبہ ہوتا تھا مگر آجکل مشائخ نے اپنے مریدوں کو بے تکلف نہیں بنایا وہ اگر کسی مرید سے یہ کہیں گے کہ اپنی فلاں چیز ہمارے ہاتھ بیع کر دو اور وہ کہدے کہ نہیں حضور میں اسکو ہدیہ کرتا ہوں تو وہ محض شرماشرمی ایسا کہتا ہے دل سے نہیں کہتا الاماشاءاللہ پس اُن کو اس حدیث پر عمل اُسوقت جائز ہے جبکہ مریدوں کو اپنے سے ویسا ہی بے تکلف بنادیں جیسا حضور نے صحابہ کو بنایا تھا۔

ف ہدیہ میں خلوص و محبت کی تحقیق ضروری ہے ہر ہدیہ کو بلا تحقیق قبول نکرنا چاہیئے ورنہ لوگ حریص اور دنیا دار مشہور کر دیں گے جس سے فیض عام میں کمی ہو جائے گی اور اپنا نفس بھی حریص ہو جائیگا۔ اگر کوئی اور صورت تحقیق کی نہو تو اپنے قلب سے رجوع کرنا چاہیئے جس ہدیہ کو دل قبول کرے لیلیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے" تحقیق خلوص کی ایک صورت وہ بھی ہے جو یہاں ایک بزرگ سے منقول ہے مگر یہ اُس زمانہ میں مفید تھی جب ہدیہ کرنے والے سچے ہوتے تھے وہ قسم دینے کے بعد جھوٹ نہیں بولتے تھے صاف کہدیتے تھے کہ حضرت واقعی میرے ہدیہ کا قبول کرنا آپکے حق میں اچھا نہیں آجکل ایسے سچے مرید کہاں؟

(۲۱۴) یہاں اس پر بھی اشارہ ہے کہ جو شخص ازل میں سعید ہو چکا ہے اسکو اُن فتنوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا جو اس پر گذرتے رہتے ہیں۔ دیکھو اس قطعۂ زمین کیلئے (جسمیں مسجد نبوی بنائی گئی) یہ سعادت عظمٰی مقدر ہو چکی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد بنائی جائے گی اسی میں آپکا نزول ہوگا اسی میں آپ کی قبر شریف ہوگی تو اسکو مشرکین کے قبضہ میں رہنے اور اُن کی خلاف شرع حرکات کا مورد بننے اور اُن کی قبرگاہ ہونے سے کچھ ضرر نہیں پہونچا (اسی لئے کہا گیا ہے) جب انجام اچھا ہو جائے تو ہر برائی جاتی رہتی ہے اور اگر انجام برا ہو تو ہر اچھی حالت بدل جاتی ہے **قولہ وھنا اشارۃ الی قولہ فکل یحول**"

سعید ازلی کو فتنوں سے ضرر نہیں۔

ف یہی وہ منزل ہے جس سے ہر عارف لرزاں ترساں ہے سبکو عاقبۃ حسنی کی طلب ہے اور اس سے پہلے وہ اپنی کسی حالت سے مطمئن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حسن ختام و عاقبۃ حسنی سے سرفراز فرمائیں آمین۔

(۲۱۵) یہاں سے معلوم ہوا کہ عمل کی خوبی یہ ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں وسعت کے موافق عمل کرے اگر غنی ہو تو غنا کے موافق عمل کرے تنگدست ہو تو تنگدستی کے موافق عمل کرے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات مہاجرین اپنے وطن اور مال کو چھوڑ کر مدینہ پہونچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد بنانے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس وقت کی حالت کے موافق کام کیا کہ مسجد کو کچی اینٹوں سے بنایا چھت میں کھجور کی شاخیں لگائیں اور کھجور کی کڑیوں سے ستون قائم کئے اُن ہی کو دیواریں اوپر تلے لگایا جیسا قصف النخل قبلۃ المسجد سے ظاہر ہو رہا ہے پکی اینٹوں یا چونہ وغیرہ سے نہیں بنایا نہ کسی قسم کا تکلف کیا جو آپ پر بار ہو

ہر کام اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہئے۔

Marfat.com

پرگرانی کا سبب ہوتا۔ سنت کا مقتضا یہی ہے اور کتاب اللہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے لینفق ذو سعۃ من سعتہ ہر شخص کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "خرچ میں آسان روش اختیار کرنا زیادہ کمانے سے بہتر ہے"

قولہ وفیہ دلیل علی ان من حسن التصرف الی قولہ من الزیادۃ فی الکسب"

ف حضرات صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے کہ ہر حالت میں ہمت اور وسعت کے موافق کام کرتے ہیں اس سے زیادہ کا تکلف نہیں کرتے دنیا و آخرت دونوں کی راحت اسی میں ہے سال زیادہ ہو اور خرچ بے تکا ہو تو راحت نہیں مل سکتی۔ اگر خرچ اندازہ سے ہو اور آمدنی قلیل ہو تو راحت ہی راحت ہے اہل اللہ کی حالت کا مشاہدہ اسکی دلیل ہے کہ ان کی برابر دنیا کی راحت بھی کسی کو نہیں"۔

(۲۱۶) یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کو زیادہ اہتمام اپنے دین کا ہونا چاہیئے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچکر سب سے پہلے جس چیز پر نظر کی وہ مسجد تھی (کہ اپنے مکانات بنانے سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کا فکر ہوا) جو آخرت کا کام تھا (اور دینی ضرورت تھی)

یہاں سے ان فقراء کے قول کی دلیل بھی معلوم ہوگئی جو فرماتے ہیں کہ جب درویش زہد اختیار کرے اور اپنی تمام مملوکات کو خیرات کرنے کا ارادہ کرے تو جو چیزیں دین کیلئے ضروری ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہونگی انکو ملک سے نکالنا جائز نہ ہوگا بلکہ قدر ضرورت کا رکھنا واجب ہے جیسے وضو کا برتن اور بدن چھپانے کیلئے کپڑا اور جانماز وغیرہ کیونکہ جن چیزوں کے نکال دینے سے دین کا کوئی کام دشوار ہو جائے ان کو ملک سے نکالنا جائز نہیں دین تمام چیزوں میں اہم اور اقدم ہے اسی لئے کہا گیا ہے تم دین کی فکر رکھو اور اسکے سوا کسی چیز کی پروا نکرو کیونکہ انسان کی عزت دین ہی سے ہے اور کسی چیز سے نہیں **قولہ** وفیہ دلیل علی ان اہم ما علی المرء النظر فی امر دینہ الی قولہ لا بما سواہ"

ف شاید کسی کو شبہ ہو کہ آجکل تو دین سے عزت نہیں بلکہ دنیا میں مال ہی سے عزت ہے جواب یہ ہے کہ اب بھی دین ہی سے عزت ہے بشرطیکہ دین ہو محض دین کی صورت نہ ہو دین اخلاص کا نام ہے اہل اخلاص کی اب بھی عزت ہے اور ہر زمانہ میں رہے گی اور جن اہل دین کو تم ذلیل دیکھتے ہو ان میں دین کی صورت ہی صورت ہے اور وہ بھی ناقص۔ اگر ان میں حقیقی دین ہوتا ہرگز ذلیل نہ ہوتے، وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین و لکن المنافقین لا یعلمون"

۸۵ حدیث خروج الدجال وفتنتہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال مدینہ کے

Marfat.com

ایک سنگستان میں (مدینہ سے باہر) پڑاؤ کریگا اسوقت اسکے پاس ایک شخص جو سب آدمیوں سے اچھا ہوگا یا فرمایا اچھے لوگوں میں سے ہوگا جائے گا اور (اسکے منہ پر) کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو دی تھی۔ دجال (لوگوں سے) کہے گا بتلاؤ اگر میں اسکو مار ڈالوں اور پھر زندہ کردوں کیا اسکے بعد بھی تم میرے معاملہ میں شک کروگے۔ سب کہیں گے نہیں چنانچہ وہ اسکو قتل کریگا پھر زندہ بھی کردیگا۔ تو وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا بخدا آج سے پہلے مجھے تیرے معاملہ میں اسقدر بصیرت نہ تھی جتنی اب ہے (میں پہلے سے زیادہ وثوق کیساتھ آج پھر کہتا ہوں کہ تو کذاب ہے) دجال کہیگا اچھا میں اسکو پھر قتل کرتا ہوں مگر اب اسکو اس شخص (کے قتل) پر دسترس نہوگی۔

تشریح حدیث کا ظاہری مفہوم دو باتیں ہیں ایک یہ کہ دجال کو جو خرق عادات عطا کئے گئے ہیں وہ خود اس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں کیونکہ اس کے خرق عادات اسکے دعوے کو پورا کرنے سے قاصر ہوں گے (چنانچہ وہ اس شخص کے دوبارہ قتل کرنے کا دعوی کریگا مگر اس پر دسترس نہ ہوگی اپنا سا منہ لیکر رہ جائیگا) دوسرے اس شخص کی قوت ایمان معلوم ہوگئی جو دجال کے پاس جائیگا (اور اس کے منہ پر تکذیب کریگا) دجال کا کا اتنا بڑا فتنہ اسے کچھ ضرر نہ دے سکے گا،، اس حدیث کے معانی پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(٢١٧) حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ خرق عادت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ جو دعوی نبوت کی سچائی پر دلالت کرے اس کا تو بستر لپیٹ دیا گیا (اب ایسی خرق عادت ظاہر نہیں ہوسکتی جو صدق نبوت پر دلالت کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں) مگر ہم اسکو محض معرفت کی غرض سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا علم بھی دین ہے ایک قسم وہ ہے جو ولایت پر اور اسکے تحقق پر دلالت کرے۔ ایک قسم وہ ہے جو محض مجاہدات و ریاضات کا ثمرہ ہے اگرچہ مجاہدہ کرنے والا فاسق اور کافر ہی ہو۔ اس قسم سے بہت لوگ بوجہ جہالت کے فتنہ میں پڑجاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جسکو سیمیا کہتے ہیں جسکی حقیقت یہ ہے کہ بعض ارواح کو بلایا جاتا ہے اور بعض ستاروں کو مسخر کیا جاتا ہے اس سے بھی بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں (وہ ایسے لوگوں کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اسکو بزرگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں) ان میں سے ہر قسم کی ایک خاص علامت ہے جس سے پہچاننے والا پہچان لیتا ہے مگر وہی پہچانتا ہے جس کے دل میں نور ایمان ہے اور ان اقسام کو جانتا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی جو نبوت پر دلالت کرنے والی ہے علامت یہ ہے کہ اسکی ساتھ تحدی بھی ہوتی ہے یعنی خرق عادت ظاہر کرنے والا یہ دعوی کرتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں ایسا ایسا کرسکتا ہوں (جو دوسرا کوئی نہیں کرسکتا اگر کسی کو نبوت میں شک ہو تو میرا مقابلہ کرکے دکھلائے) اسکے بعد جیسا اس نے دعوی کیا تھا اسکے مطابق ظہور ہو جائے (اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکے) مگر

خرق عادات کی اقسام اور معجزہ و کرامت و استدراج و شعبدہ و سحر میں فرق

Marfat.com

اب کسی کو اس قسم کا دعویٰ کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں لا نبی بعدی ("کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں") اور یہ حدیث تواتر سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا نبی ہونا دلائل عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے تو حضور کے بعد جو کوئی بھی دعویٰ نبوت کرے یقیناً جھوٹا ہے اور اس دعوے کے بعد اس کے ہاتھ سے کوئی خرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ جن چیزوں کو وہ خرق عادت قرار دیگا انہی سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائیگا (جیسا پنجاب میں ایک مدعی نبوت اسی قریب زمانہ میں ہوا تھا اور اس نے اپنی پیشین گوئیوں کے سچا ہونے کو معجزہ قرار دیا تھا مگر دنیا جانتی ہے کہ اسکی صدہا پیشین گوئیاں غلط ہوئیں اور جن لوگوں نے اس کے مقابلہ میں پیشین گوئیاں کیں ان کی اکثر باتیں صحیح ہوئیں)۔

دوسری قسم جو صدق ولایت پر دلالت کرتی ہے وہ ولی کے ہاتھوں بدون تعدی اور دعوے کے ظاہر ہوتی ہے اسکی شرط یہ ہے کہ اس شخص کی حالت سنت کے موافق ہو اتباع سنت کا اہتمام کرتا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کسی بندے کو ولی نہیں بناتے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے"، اور اگر ولی کسی وقت بوجہ ضرورت کے کرامت کا دعویٰ کرے بسبب حکم یا ارشاد الٰہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دعوے کو پورا کر دیتے ہیں کیونکہ ولی کی کرامت تصدیق نبوت کی برکت ہے، جو کرامت بھی کسی ولی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ یہ صرف اسکو صدق اتباع ہی سے حاصل ہوتی ہے اسکی مثال میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہے کہ ایک بزرگ (حج کے ارادہ سے سمندری جہاز) پر سوار ہوئے ان کی ساتھ اور بھی حاجی سوار ہو گئے اس جہاز میں بادشاہ کا گیہوں بھرا ہوا تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا جہاز والوں نے باہم مشورہ کیا کہ غلہ تو شہادت کے ذریعہ ناپ تول کر بھرا گیا ہے اور یہ حاجی اپنے اختیار سے سوار ہو گئے ہیں ہمارے اوپر ان کی ذمہ داری نہیں تو (جہاز کو ہلکا کرنے کیلئے) ان حاجیوں کو سمندر میں پھینک دینا چاہئے گیہوں کو بچا لینا چاہئے کہ اس کا ہم سے مطالبہ ہوگا یہ بات ان بزرگ کے کان میں پہونچی جب آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے یہ ارادہ پختہ کر لیا ہے تو جہاز والوں سے فرمایا تم (جہاز کو ہلکا کرنے کیلئے) گیہوں پھینک دو اس (کے پورا کرنے) کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ انھوں نے جتنی مقدار کم کرنا چاہی سمندر میں پھینک دی جسکو اللہ ہی جانتا ہے پھر سمندر کو سکون ہو گیا اور منزل مقصود پر سلامتی سے پہونچ گئے تو اب ان بزرگ سے گیہوں کا مطالبہ کیا فرمایا وہ شہادت نکالو جسمیں گیہوں کی مقدار لکھی ہوئی ہے اسکے بعد بقیہ گیہوں کو پیمانہ سے ناپو جتنا کم ہوگا اس کا میں ضامن ہوں چنانچہ پیمانہ سے غلہ ناپا گیا تو اس مقدار سے بھی زائد تھا جو شہادت میں لکھی ہوئی تھی اور بزرگ کو چھوڑ دیا گیا اس وقت انھوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ واللہ میں نے یہ کرامت محض ضرورت کیوجہ سے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں کی جان کا بچانا لازم تھا (تو ایسی صورت میں ولی کو کرامت کا دعویٰ جائز ہے) اور اگر کوئی شخص بلا ضرورت کے کرامت کا دعویٰ

Marfat.com

کرے وہ اہل طریق کے نزدیک ولیا میں سے نہیں بلکہ اُن لوگوں میں ہے جنکے متعلق ارشاد ہے سنستدرجھم من حیث لایعلمون، ہم اُن کو اس طرح آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں کہ اُن کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کرامت ہمارے واسطے لطف نہیں بلکہ قہر ہے اسی کا نام استدراج ہے) اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کا حصہ یہی ہے (کہ چند کرامات کا اُن سے ظہور ہوگیا) حضرات صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ جو شخص اسلئے عبادت کرے کہ اُس سے کرامات ظاہر ہوں یا اسکی دعا قبول ہونے لگے یا دنیا میں اُس کا درجہ بلند ہو جائے بزرگ مشہور ہو جائے (یا کشف ہونے لگے وغیرہ وغیرہ) تو یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (ان کو دربار تک رسائی نہیں ہوتی)

اور تیسری قسم جو مجاہدات کی وجہ سے ہو کیونکہ مجاہدات وریاضات سے بھی خوارق عادات کا ظہور ہونے لگتا ہے مگر وہ نافذ نہیں ہوتیں (یعنی اُن کی تاثیر کرامت ولی کی طرح کامل نہیں ہوتی اُن سے اس شخص کی وہ عظمت و صولت ظاہر نہیں ہوتی جو کرامت ولی میں ہوتی ہے) اور نہ اُن کا کشف نگاہ کی مسافت سے آگے بڑھتا ہے یہ قسم کافر و مومن دونوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہ تو محض مجاہدہ کا اثر ہے نفس مجاہدہ وریاضت سے بھی باطن منور ہو جاتا اور قلب صاف شفاف آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے جسمیں ہر چیز منقش ہو جاتی ہے جو اسکے سامنے آجائے اور جو سامنے نہ آئے وہ منقش نہیں ہو سکتی چنانچہ ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ سفر میں ایک گرجا پر گذرے جہاں بہت سے راہب تھے انھوں نے اُن کے مجاہدات کو دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ خوب مجاہدہ کرتے ہیں یہ خیال آنا تھا کہ راہبوں نے فوراً خادم سے کہا کہ آپ کی خاطر کرو اچھی طرح میزبانی کرو۔ اور عبادت خانہ میں جہاں بُت رکھے ہوئے ہیں ٹھہراؤ۔ اُس نے ان بزرگ کو بُت خانہ میں پہونچایا تو دل میں ان لوگوں کی حماقت و نادانی کا خیال آیا کہ سارے مجاہدے ان بتوں کی پرستش کے واسطے کر رہے ہیں یہ خیال آنا تھا کہ دفعۃً سب راہب چلائے اس کو نکالدو باہر کردو یہاں مت ٹھہراؤ۔ بزرگ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لوگ اتنی جلدی دل کے خطرہ پر مطلع ہو گئے مگر ان لوگوں کا مکاشفہ نگاہ کی مسافت سے آگے نہیں بڑھتا اور اگر ایمان و اتباع سنت کے ساتھ مجاہدہ کیا جائے تو عرش و عرش کے نیچے تک کا کشف ہونے لگتا ہے (بشرطیکہ کشف سے مناسبت ہو کیونکہ بعض طبائع کو کشف سے مناسبت نہیں ہوتی تو اُن کو اصلاً کشف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی مجاہدے کریں جیسے بعض لوگوں کو خواب سے مناسبت نہیں ہوتی تو ہزار تدبیروں سے بھی خواب نظر نہیں آتا خوب سمجھ لو) متبع سنت مجاہدہ کرے تو ساری دنیا اُس کے نزدیک ایک قدم کی برابر ہو جاتی ہے جسمیں وہ جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے جتنا بھی حق تعالیٰ اُس پر دروازہ کھولدیں۔

چوتھی قسم جسکو سیمیا کہتے ہیں جسمیں ارواح کو حاضر کیا جاتا یا بعض ستاروں کو مسخر کیا جاتا ہے اسکی بھی چند علامتیں ہیں۔ جو لوگ ستاروں کو مسخر کرتے ہیں اُن میں ہر ستارہ کی پرستش کرنے والے کی ایک علامت ہے جس سے اسکو پہچان سکتے ہیں مثلاً جو شخص ستارہ زحل کی پرستش کرتا ہے اُس کا لباس خراب خستہ گندہ ہوتا ہے اسکی زندگی

Marfat.com

اور نشست و برخاست بھی گندی ہوتی ہے ناواقف آدمی اُسکی یہ حالت دیکھکر سمجھتا ہے کہ بڑے زاہد متقی ہیں
عیش و آرام سے نفور ہیں حالانکہ اسمیں زہد و ورع کا دخل کچھ نہیں یہ حالت صرف اُس ستارہ کی وجہ سے ہے جسکی وہ
پرستش کر رہا ہے اور جبتک اسکے معبود کا دورہ رہیگا جو اُن کے خیال میں چھتیس سال ہے اسوقت تک اسی حالت
پر رہیگا اس میں کمی نہیں کر سکتا اگر ایک ساعت بھی اس میں کمی کریگا سارا کیا کرایا عمل برباد ہو جائیگا اسی طرح
ہر ستارہ کی پرستش کا ایک خاص نشان ہے مگر ستارہ زحل کا عابد اُن کے نزدیک سب سے زیادہ منحوس حالت میں رہتا ہے
اور جو شخص زہرہ کو حاضر کرتا ہے اُس کا حال اسکے برعکس ہوتا ہے اُس کا لباس بھی عمدہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور ہر
حالت میں انشراح و انبساط سے رہتا ہے اسکی نشست و برخاست بھی عمدہ طور سے ہوتی ہے، مگر ہر حالت میں ان
سب کا مقصود حظ نفس اور طلب جاہ اور مخالفت سنت اور بدعات کا ایجاد ہے جنکے ذریعہ عوام کو اپنی طرف مائل
کرتے اور اسکو طریق حکمت و معرفت اور ریاضت و مجاہدہ بتلاتے ہیں حالانکہ یہ سب اسکے برعکس طریق ضلالت
و جہالت میں داخل ہیں خدا ہمکو اس سے بچائے الغرض جس خرق عادت کی ساتھ اتباع شریعت کی حکومت نہو
وہ ہر جہت سے نافذ نہیں ہوتی (صرف ایک جہت سے نافذ ہوتی ہے) اور جب اُس کے مقابلہ میں صاحب حقیقت
آجاتا ہے تو اُسکے سامنے اسکی کچھ نہیں چلتی اُس کا عمل دشوار ہو جاتا یا بہت کم چلتا ہے جیسی صاحب حقیقت کی
ایمانی قوت ہوگی اسی قدر اہل باطل کا عمل کمزور ہو جائیگا اسی لئے یہ لوگ عموماً جاہلوں سے زیادہ ملتے ملاتے
(اور ان ہی کو اپنے جال میں پھانستے) ہیں (اہل علم و اہل صلاح سے دور رہتے ہیں کیونکہ اُن کے سامنے ان کا
عمل نہیں چلتا) اور جس شخص کو اتباع سنت کی ساتھ خرق عادت عطا ہوتا ہے وہ شاہانہ حالت میں رہتا ہے
کسی حیلہ اور مکر سے یا کسی مادی اور غیر مادی طاقت سے اُسکو مغلوب نہیں کیا جا سکتا اسکی حالت روزانہ ترقی
پذیر ہوتی ہے گھٹتی نہیں تمام آدمی اور سارا عالم وجود اُسکے نزدیک ایک صد پر ہیں (وہ سبکو لاشی اور ناقابل
اعتبار سمجھتا ہے کسی سے اللہ کے سوا نہیں ڈرتا) جس طرح چاہتا ہے جس چیز میں چاہتا ہے تصرف کرتا ہے مگر دعویٰ
نہیں کرتا۔ اگر کبھی دعویٰ کرتا ہے تو اپنی طاقت و قوت سے بیزاری ظاہر کرکے اللہ کی طاقت و قوت پر بھروسہ
کرکے دعویٰ کرتا ہے اسکو سب سے زیادہ اپنے اوپر اندیشہ ہوتا ہے (کہ مبادا دربار حق سے مردود نہ ہو جاؤں) ہاں
جب اُس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں آتی ہیں (اسوقت خوش ہوتا ہے) اسکی علامت یہ ہے کہ سب سے زیادہ
متواضع ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کا عذر قبول کرتا ہے مگر جبکہ دین کا معاملہ ہو (تو اُسوقت تواضع سے
کام نہیں لیتا بلکہ سیاست سے کام لیتا ہے مگر دل میں اپنے کو دوسروں سے کمتر ہی سمجھتا ہے گو ظاہر میں حکومت و سیاست
کرتا نظر آئے) وہ سب سے زیادہ مخلوق خدا پر شفقت کرنے والا ہوتا ہے اپنے کو سب سے کمتر جانتا ہے۔ اُس کے پاس
جو خیر بھی ہے (خواہ کرامات ہوں یا کمالات) سبکو اللہ تعالیٰ کی عطا اور احسان سمجھتا ہے اپنا کوئی استحقاق نہیں

Marfat.com

سمجھتا، لوگوں کو اتباع سنت کی ترغیب دیتا ہے (اور خود بھی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے) خاموش زیادہ رہتا ہے ضرورت کے وقت بولتا ہے، بہت ہوشیار رہتا ہے۔ لوگوں سے طمع نہیں رکھتا۔ آخرت کا خیال ہر وقت دل کے سامنے رہتا ہے کسی پر اپنا کوئی حق نہیں سمجھتا، دوسروں کے حقوق اپنے ذمہ بہت سمجھتا ہے سامنے بھی اور پیچھے بھی بشرطیکہ اخوت ایمان موجود ہو (یعنی ایمان کی وجہ سے وہ ہر مسلمان کا اپنے ذمہ حق سمجھتا ہے) مدح و ثنا سے بھاگتا ہے (نفرت کرتا ہے) تنہائی اور خلوت سے مانوس ہوتا ہے، احسان کرتا رہتا ہے ایذا رسانی کم کرتا ہے بلکہ نہیں کرتا۔ ہر چیز اس سے محبت کرتی ہے، حتی کہ وہ زمین بھی جس پر چلتا ہے اور آسمان بھی جو اس پر سایہ کرتا ہے اسی طرح زمین و آسمان کی مخلوقات بھی۔ آسمان والے اسکو زمین والوں سے زیادہ پہچانتے ہیں وہاں یہاں سے زیادہ مشہور ہوتا ہے، خبیث مال نہیں کھاتا نہ بری باتیں سنتا ہے اسکو گنہگار کی معصیت سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے خود اس نے گناہ کیا ہے نیک آدمیوں کی طاعات سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے اسی کو اس کا ثواب ملے گا ظاہری صورت میں آدمی ہوتا ہے مگر باطن میں فرشتہ نورانی مقدس ہوتا ہے۔ اسکے اوصاف کہاں تک بیان کئے جا سکیں سکے لیے تو دفتر بھی کافی نہیں اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے فضل و کرم سے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی رحمت سے اُن کو عطا فرمائی ہیں اور اُن کے طفیل میں ہم پر بھی رحم فرمائیں وصلے اللہ علی محمد نبیہ وعبدہٖ غرض چونکہ اکثر لوگ اہل طریق سے ناواقف ہیں جہل غالب ہو رہا ہے اسلئے جس سے بھی کوئی خرق عادت دیکھتے ہیں خواہ کسی قسم کی ہو اُسکو بزرگ کہنے لگتے ہیں یا ان مفسدوں کے فساد کی باتیں سنتا ہے تو اہل حقیقت پر بھی طعن کرنے لگتا (اور اُن کی کرامات کو بھی شعبدہ اور فریب کہنے لگتا) ہے اس طرح اُن کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حال سے خالی نہیں اگر یہ احتیاط سے کام لیگا تو اُن کی حالت کو محتمل سمجھے گا (کہ نہ معلوم یہ کرامت ہے یا شعبدہ) یا اُن کو اہل فساد میں داخل کریگا اس صورت میں حرمان کی ساتھ خسارہ بھی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں کیلئے بہت غیرت آتی ہے (وہ اُن کے برا بھلا کہنے والوں کو سخت سزا دیتے ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے من اهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ جس نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھے اعلان جنگ دیا ہے **قولہ** فاما خرق العادۃ فقد تکلم العلماء علیہ وھو علے اربعۃ اقسام الی قولہ فقد بارزنی بالمحاربۃ۔

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ نفس مجاہدہ سے بھی باطن منور ہو جاتا ہے اور قلب مثل صاف شفاف آئینہ کے ہو جاتا ہے یہاں حضرت شارح نے لفظ باطن اور قلب کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے ورنہ قلب اصطلاحی کو بدون ایمان کے نور نہیں نصیب نہیں ہوتی نفس مجاہدہ سے صرف لطیفہ نفس کی صفائی ہو جاتی ہے جو مادی ہے اور قلب روح اور سر (خفی و اخفی جو غیر مادی جواہر ہیں بدون ایمان کے منور نہیں ہو سکتے حضرت مجدد الف ثانی

Marfat.com

رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں اسکی تصریح فرمائی ہے " یہ لطائف غیر مادیہ بدون معرفت حق کے منور نہیں ہوتے اور معرفت حق بدون اسلام کے نہیں ہوسکتی خوب سمجھ لو ۔

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ اہل حقیقت کے سامنے اہل باطل کی کچھ نہیں چلتی ہمنے اپنے اکابر میں اس کا مشاہدہ کیا ہے' ایک دفعہ مسلمانوں اور آریوں میں مناظرہ تھا ہندوؤں کی طرف ایک جوگی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جسوقت مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ کیلئے کوئی عالم کھڑا ہوتا وہ جوگی سر جھکالیتا اور مسلمان عالم کی تقریر کمزور ہوجاتی اس کیفیت کو ایک صاحب دل نے بھانپ لیا اور سیدی حضرت مولوی خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہ کو اطلاع دی اب حضرت نے بھی اپنا سر جھکالیا تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ وہ جوگی کرسی چھوڑکر بھاگا پھر جلسہ میں آخر تک نہ آیا اور علماء اسلام کی تقریریں زوردار ہونے لگیں کفار کے مناظر مغلوب ہوگئے اور مسلمان مظفر و منصور واپس آئے ۔ اسی طرح ایک جوگی نے ریل میں حضرت مولانا موصوف کے ایک مرید پر تصرف کیا جس سے اُن کے دل میں وساوس شیطانی آنے لگے اور وہ اسقدر پریشان ہوئے کہ چلتی ریل سے کود نے کا قصد کرلیا دفعۃً حضرت مولانا کی صورت سامنے نظر آئی کہ فرماتے ہیں کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل یہ کہنا تھا کہ تمام وساوس کافور ہوگئے اور جوگی کا تصرف باطل ہوگیا وہ خود کہنے لگا کہ تمہارا پیر بڑا کامل ہے اب تو انھوں نے جوگی کو بہت برا بھلا کہا اور وہ نادم ہوکر خاموش ہوگیا۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری اور حضرت مولانا حکیم الامۃ تھانوی کے سامنے بھی جوگیوں اور شعبدہ بازوں کی کچھ نہیں چلتی تھی اور مجبور ہوکر انھیں ماننا پڑتا تھا کہ یہ لوگ اہل حق ہیں ان کی باتوں میں نورانیت ہے۔ مجھ سے خود بعض ہندوؤں نے ان حضرات کے کمال کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کیا بحمد اللہ ان حضرات کے خدام میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اہل باطل کے تصرفات نہیں چل سکتے اور ان کو مغلوب ہوکر اہل حق کے کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ مجاہدہ وریاضت کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لیتے ہیں جھوٹ نہیں بولتے ۔

ف متبع سنت صاحب کرامت کی جو علامات یہاں بیان کیگئی ہیں الحمد للہ ہمنے اپنے اکابر میں ان کا ظہور بدرجۂ اتم پایا ہے۔ دنیا اُن کے اتباع سنت و زہد و ورع اور تقوی اور خشیت و شفقت علی الخلق سے واقف ہے، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں موجود ہیں وہ اسکی شہادت دیں گے اس زمانہ میں ان اوصاف کمال کی جامع ہستی حضرت ہی کی ذات تھی نور اللہ مرقدہ واعلی درجتہ فی علیین ۔

(۲۱۸) یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کرسکتا نہ اُن پر سکوت کرسکتا ہے دیکھو یہ شخص جسکے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہترین ہونے کی شہادت دی ہے حالانکہ جانتا تھا کہ دجال مدینہ کے اندر نہیں آسکتا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تنہا اُس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا پھر بھی قوت ایمانی

Marfat.com

اسکو دجال کے پاس جانے اور اسکی جماعت کی موجودگی میں اسکو جھوٹا کہنے پر مجبور کیا اگرچہ وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے کے بعد بچ کر آئیگا یا نہیں قوت ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے اگرچہ تنہا ہی رہ گیا ہو جیسا ابوبکر صدیق نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا جبکہ بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور صحابہ کی (عام) رائے یہ ہوئی کہ اسوقت ان لوگوں سے چشم پوشی کیجائے سختی نہ کیجائے کیونکہ روم و فارس کا خطرہ سر پر موجود تھا) مگر صدیق اکبر رضی نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں ان سے ضرور مقابلہ کرونگا اگرچہ میرے ساتھ ہوا ہی ہو اور کچھ نہو (یہ لفظ دبور کا ترجمہ ہے اور بعض نے اسکو تشدید سے پڑھا ہے جسکے معنی زنبور یعنی بھڑ کے ہیں) حضرت صدیق نے یہ بات پوری بھی نہ کی تھی کہ تمام مسجد ہوا سے (یا بھڑوں سے) بھر گئی یہاں تک کہ سب لوگ مسجد سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت صدیق سے یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ ان کی رائے حق ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس رائے پر شرح صدر عطا فرمایا جس پر حضرت صدیق کو شرح صدر ہو چکا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ نصرت الٰہی قوت ایمان کے موافق ہوتی ہے (جسقدر ایمان قوی ہوگا اسیقدر نصرت قوی ہوگی) **قولہ** وفیہ دلیل علیٰ ان من قوی ایمانہ الیٰ قولہ الا بقدر قوۃ الایمان "

ف جب کسی بدعت اور منکر پر نکیر کرنے والا کوئی نہو تو قوت ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اسوقت یہ نہ دیکھے کہ میں تنہا ہوں تنہا کیونکر انکار کروں میرے انکار سے کیا فائدہ ہوگا؟ اسوقت بدعت اور منکر پر ضرور انکار کیا جائے تاکہ حق ظاہر ہو جائے گو ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو کیونکہ اگر کسی نے بھی انکار نکیا تو عام مسلمان گمراہ ہو جائیں گے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسوقت مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ مامون کے زمانہ میں پھیلا اور بعض علماء گول مول بات کہکر چھوٹ گئے بعضوں نے تقیہ کے طور پر مامون کی موافقت میں جواب دیدیا تو مجھے بھی خیال ہوا کہ گول مول بات کہکر چھوٹ جاؤں کہ دفعۃً مجھے معلوم ہوا کہ لاکھوں مسلمان دربار سے باہر دوات قلم لئے کھڑے ہیں کہ احمد بن حنبل جو کچھ کہیں گے اسی پر اعتقاد رکھیں گے تو میں نے عزم کر لیا کہ حق کو صاف صاف کہونگا تاکہ امت گمراہی میں مبتلا نہو چاہے میرا کچھ ہی حشر ہو۔ غرض جب بدعت اور منکر پر صاف صاف نکیر کرنیوالا کوئی نہو اسوقت صاحب حق کو اپنی جان کی پروا نکرنا چاہیے حق کو صاف صاف کہنا چاہیے خوب سمجھ لو۔

ف یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل بدعت قوت ایمان سے محروم ہیں گو اہل بدعت میں بعض اہل نسبت بھی ہیں مگر انکی نسبت میں وہ نور نہیں ہوتا جو متبع سنت صاحب نسبت میں ہوتا ہے۔

(۲۱۹) یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی بہتری (اور اچھائی) قوت ایمان کے موافق ہے (جتنا ایمان قوی ہوگا اسیقدر بہتری ہوگی) جب ایمان قوی ہوتا ہے تو یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اللہ نے جو لکھدیا ہے وہی پیش آئیگا چاہے بیٹھا رہے یا حرکت کرے پس مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا یا ترغیب دی ہے اسکو پورا

مسلمان کی بھلائی قوت ایمان کے موافق ہے

Marfat.com

کیا جائے چنانچہ ارشاد ہے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولانا و علی اللہ فلیتوکل المومنون
فرما دیجئے کہ ہمکو اس کے سوا کچھ پیش نہ آئیگا جو اللہ نے لکھدیا ہے وہی ہمارا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو
بھروسہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ شخص (جس کا حدیث میں ذکر ہے) تنہا جا کر دجال کی تکذیب کریگا کہ میں گواہی
دیتا ہوں تو وہی دجال ہے (جسکی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو دی ہی یعنی تو خدا نہیں جیسا کہ
تیرا دعویٰ ہے بلکہ تو جھوٹا کذاب ہے) اور یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے کہ حق بات کہدی اور اسکی پروا نکی کہ انجام کیا
ہوگا؟ آجکل بعض لوگ جو علماء اور دیندار کہلاتے ہیں حق بات کہنا اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اُن سے
دنیوی ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کرکے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بدترین لوگ
ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی ہمکو خبر دیدی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آئیگا
جسمیں صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر ہو جائیگا شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر ہو جائیگا اپنے دین کو دنیا
کے سامان کے بدلہ بیچدیگا (یہ ضرور نہیں کہ اس سے بالکل ہی کافر ہو جائے بلکہ بعض تو بوجہ مداہنت کے فاسق
ہو جائیں گے اور فسق کو بھی کبھی زجراً کفر کہدیا جاتا ہے اور بعضے دنیا کی طمع میں اسلام سے مرتد ہی ہو جائینگے
اعاذنا اللہ من ذلک کلہ) اور یہاں جس شخص کا ذکر ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے لا تزال طائفۃ من
امتی علی الحق ظاھرۃ الی قیام الساعۃ لا یضرھم من خالفھم۔ میری امت میں کچھ لوگ حق پر
غلبہ کیساتھ جمے رہیں گے قیامت آنے تک اُن کو کسی مخالف کی مخالفت ضرر نہ دے گی، اور یہاں سے معلوم
ہوا کہ ایمان مدینہ والوں میں قوی رہیگا اگرچہ بعض میں کچھ گڑبڑ بھی ہو کیونکہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والا
مدینہ ہی کا آدمی ہوگا اگر اور کسی جگہ بھی دوسرا ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسکی بھی خبر سنا دیتے

قولہ و فیہ دلیل علی ان الخیریۃ ھی بقدر الایمان الی قولہ لاخبر بہ صلے اللہ علیہ وسلم

ف بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والے یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام
ہوں گے کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے فیخرج الیہ رجل ممن قد رأنی کہ دجال کے
پاس ایک شخص میرے دیکھنے والوں میں سے جائیگا، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں سے
بجز خضر علیہ السلام کے اور کوئی زندہ نہیں وہی اسوقت تک زندہ رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم خضر علیہ السلام
کا نام بلیا ابن ملکان ہے کنیت ابوالعباس ہے لقب خضر ہے بعض روایات میں ہے کہ جو اُن کا اور اُن کے باپ
کا نام اور اُن کی کنیت اور لقب معلوم کرے اسکا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ حدیث میں اُن لوگوں کیلئے تسلی ہے
جو اللہ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں اگرچہ سارا زمانہ اُن کا مخالف ہو ان کیلئے نصرت الٰہی کی بشارت ہے
کیونکہ جس چیز کی وجہ سے اس بزرگ کی نصرت کیگئی وہ علت یہاں بھی موجود ہے یعنی قوت ایمان اور اللہ کی

Marfat.com

رضا کے لئے حق کو ظاہر کرنا"،

(۲۲) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت قوت ایمان تنہا قدرت الٰہیہ پر بھروسہ کرتی ہے قانون حکمت کو کام میں نہیں لاتی گو دل میں قانون حکمت اور اثر قدرت دونوں کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ اس شخص نے قانون حکمت سے عدول کیا کہ ایسے کام کیلئے نکل کھڑا ہوا جو اسکی طاقت سے باہر تھا اور شریعت جو کہ قانون حکمت ہے اس سے منع کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور قدرت الٰہیہ کا مقتضی یہ ہے وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ اور وہ (ساحر کافر) خود کسی کو کچھ ضرر نہیں دے سکتے مگر اللہ کے حکم سے نیز اس کا مقتضی یہ بھی ہے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا کہدیجئے ہمکو وہی پیش آئیگا جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کردیا ہے، چنانچہ سب سے بڑی مصیبت قتل ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مارنا چاہا تو قتل سے اسکو کچھ ضرر نہ ہوا اور جب دوبارہ اسکے قتل کا ارادہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ ظاہر کرنے کیلئے دجال کو اس کے قتل سے روکدیا تاکہ سبکو معلوم ہوجائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، رہا یہ کہ پھر پہلی مرتبہ اسکو قتل پر قدرت کیوں دیگئی تو اسمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت عظیمہ کو ثابت کیا ہے کیونکہ اگر پہلی بار ہی قتل سے روکدیا جاتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ دجال نے اسکو دیکھا نہ تھا یا دیکھا تھا پھر اسکی نگاہ سے غائب ہوگیا اور کرامت اولیا میں شمار کرلیا جاتا (کہ یہ ولی اپنی کرامت سے غائب ہوگیا اگر غائب نہوتا دجال ضرور مار ڈالتا) مگر جس صورت سے اللہ تعالیٰ نے کرامت ظاہر کی وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے (کہ دجال کو ایک بار اسکے قتل پر قدرت دیدی اور دوبارہ قدرت نہ دی کہ وہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا)۔

قولہ وفیہ دلیل علی ان قوۃ الایمان عند الضرورۃ تعول علی القدرۃ بمجردھا الی قولہ وما اظہر اللہ عزوجل لہ من الکرامۃ ارفع واعظم"،

ف میں اوپر بتلا چکا ہوں کہ جب بدعت و منکر پر نکیر کرنے والا کوئی نہو اسوقت اپنے کو خطرہ میں ڈالکر بدعت پر انکار کرنا جائز نہ بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے جبکہ سکوت سے امت کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو پس یہ صورت اگرچہ ایک قانون حکمت کے خلاف تھی مگر دوسرے قانون حکمت کے موافق تھی حدیث میں ہے اعظم الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر بڑا جہاد حق بات کہدینا ہے ظالم بادشاہ کے سامنے" اسکو بڑا جہاد اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اسمیں جان کا خطرہ غالب ہے چنانچہ بکثرت علماء حق ایسے گذرے ہیں جنھوں نے سلاطین کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا اور جان دیدی کیونکہ اسمیں امت کو بدعت اور منکر سے بچانے کا فائدہ تھا گو مخاطب کو نفع نہ پہونچا ہو۔ جان کو ہلاکت میں ڈالنا وہاں منع ہے جہاں کوئی نفع مرتب نہو نہ مقابل کو کوئی ضرر پہونچے تو بے فائدہ جان کیوں دی،

Marfat.com

(۱۲۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان کی ساتھ فتنہ کچھ ضرر نہیں دیتا بلکہ فتنہ سے ایمان اور زیادہ مضبوط ہوجاتا ہے دیکھو اس شخص کو سخت ابتلا پیش آیا کہ قتل کیا گیا پھر زندہ کیا گیا مگر اس سے اسکی قوت ایمان (کم نہ ہوئی بلکہ) زیادہ ہی ہوئی کیونکہ پہلے تو اسکو (دجال کے جھوٹا ہونے کا علم الیقین تھا اب عین الیقین ہوگیا او عین الیقین علم الیقین سے اعلیٰ ہے جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب کہا گیا اولم تؤمن (کیا تمکو اس کا یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے) تو عرض کیا بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی کہ یقین کیوں نہوتا لیکن میرا طمینان قلب چاہتا ہوں (یعنی علم الیقین سے ترقی کرکے عین الیقین چاہتا ہوں وہ مشاہدہ ہی سے ہوگا) اسی لئے وہ درجہ خلت کے مستحق ہوئے اسمیں ایک دوسری حدیث کی بھی تائید ہے جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل پر فتنے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جس دل میں وہ پیوست ہوگئے اس میں سیاہ داغ پیدا کر دیتے ہیں اور جس دل میں پیوست نہ ہوئے اسمیں سفید (چمکتا ہوا) نشان پیدا کر دیتے ہیں جو ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے یہانتک کہ دل صاف (آئینہ کی طرح) ہوجاتا ہے پھر اسکو کوئی فتنہ اسکے بعد ضرر نہیں دیتا، چنانچہ یہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتا ہوا اللہ و رسول کے راستہ میں مجاہد بنکر نکلا تو اسکو قتل سے بھی کچھ ضرر نہ پہونچا بلکہ ایمان میں ترقی ہی ہوئی، اور دجال کی حالت سے واضح ہوجائیگا کہ اسکے خوارق عادات خود اسکی تکذیب کرینگے کیونکہ وہ اپنے آدمیوں سے کہیگا بتلاؤ اگر میں اس کو قتل کرکے پھر زندہ کردوں کیا پھر بھی میرے متعلق شک کروگے؟ (اس کا یہ سوال ہی بتلاتا ہے کہ وہ دعویٰ خدائی میں جھوٹا ہوگا) اگر اس کا دعویٰ خدائی سچا ہوتا تو لوگوں کے دلوں کو اپنی تصدیق پر خود مائل کر دیتا کیونکہ قلوب تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں (وہ جس طرح چاہیں ان کو پھیر سکتے ہیں) پس دجال کا لوگوں سے اپنی تصدیق طلب کرنا خود اسکی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور خدا کے حق میں کمزوری محال ہے (پھر بڑی کمزوری یہ ہوگی کہ وہ دوبارہ اس شخص کے قتل کا دعویٰ کریگا مگر قادر نہوگا اپنا سا منہ لیکر رہ جائیگا) ۔

قولہ وفیہ دلیل علی ان الفتنۃ لا تضر مع الایمان الی قولہ وھذا فی حق الربوبیۃ محال"

ف حضرت شارح نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کیلئے احیاء موتی کی کیفیت دیکھنا چاہی اسمیں کلام ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ بدون مشاہدۂ حسی کے عین الیقین حاصل نہیں ہوسکتا اور مشاہدہ سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو عین الیقین کا درجہ حاصل نہ تھا۔ اگر حضرت شارح کی مراد عین الیقین سے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں تو یہ مقدمہ مسلم ہے مگر اسکو علم الیقین کے مقابلہ میں لانا درست نہیں کہ اس سے معنی اصطلاحی کا شبہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم علم الیقین و عین الیقین دونوں سے کامیاب تھے جب اولیاء کاملین کو یہ دونوں درجے حاصل ہوتے ہیں انبیاء کا کسی ایک سے خالی ہونا کیونکر ممکن ہے ان کو وحی اور نبوت کے ساتھ ہی عین الیقین بمعنی اصطلاحی

حاصل ہو جاتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ بدون مشاہدۂ کیفیت کے دل کو ایک کیفیت پر قرار نہیں ہوتا بلکہ ذہن نقشے بناتا رہتا ہے جیسے ہمکو یقین کامل ہے کہ دنیا میں خانہ کعبہ موجود ہے مگر جب تک مشاہدہ نہ کر لیا جائے ذہن کو ایک صورت پر قرار نہیں ہوتا بلکہ مختلف صورتیں ذہن میں آتی رہتی ہیں کہ کعبہ ایسا ہے یا ایسا ہے دیکھنے کے بعد ایک صورت پر قرار ہو جاتا ہے کہ بس ایسا ہے اس کا نام اطمینان ہے اور لغۃً اسکو عین الیقین کہہ سکتے ہیں اصطلاحاً نہیں۔ اسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا تھا اور یہ مقاصد میں سے نہیں بدون اسکے بھی ایمان اور یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے جیسے ہمکو بدون دیکھے خانہ کعبہ کے وجود کا پورا یقین ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی طلب اسلیئے کی کہ اُن سے احیاء موتی میں نمرود نے مناظرہ کیا تھا اُن کو خیال ہوا کہ شاید پھر کوئی اس باب میں مناظرہ کرنے لگے تو میں اسکی کیفیت کا مشاہدہ کر لوں تاکہ مشاہدہ کے بعد قوت کی ساتھ گفتگو کر سکوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب مشاہدہ کے کلام میں وہ قوت اور شوکت ہوتی ہے جو غیر صاحب مشاہدہ کے کلام میں نہیں ہوتی جس نے حج کر لیا ہے وہ جس قوت اور شوکت کی ساتھ مسائل حج میں گفتگو کر سکتا ہے حج نہ کرنے والا نہیں کر سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس ہر شخص کو دنیا میں طلب اطمینان کی اجازت نہیں نہ ضرورت فالایمان بین الخوف والرجاء اطمینان تو آخرت ہی میں حاصل ہوگا ہاں طلب یقین لازم ہے اور اس کا ہر درجہ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ اولیاء کاملین اس کامیاب ہیں کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے لو انکشف الغطاء ما ازددت یقیناً اگر پردہ اٹھ جائے جب بھی میرے یقین میں زیادتی نہ ہوگی گو اطمینانی کیفیت ضرور پیدا ہوگی لیس الخبر کالمعاینۃ سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہی ہے مگر اس کا نام اطمینان ہے اولیاء کو یقین کامل بدون اسکے بھی حاصل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسمیں سب سے زیادہ کامیاب ہیں (سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ واللہ درہ من حکیم)

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ فتنہ سے ایمان قوی ہوتا ہے اسکی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ سچی محبت ہر حال میں بڑھتی ہے خواہ اسکی وجہ سے کتنی ہی تکلیف پہونچے اور سچی محبت ہی کا نام ایمان ہے والذین آمنوا اشد حبا للہ ط جس نے عشاق کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ تکالیف و محن سے عشق کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے ؎

نہ سازد عشق را کنج سلامت — خوشا رسوائی کوئے ملامت

عاشق کا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی ؎

ہاں بلا سے جان تو نکلے مگر نکلے نہ آہ — ہوشیار اے دل کہ وہ صبر آزما ہونیکو ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامت تفصیل کے ساتھ بیان فرما دی ہیں جب مومن کے سامنے وہ فتنے آتے ہیں جنکی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو اُس کے ایمان میں ترقی

Marfat.com

ہوتی ہے وہ ان کو دیکھکر بیساختہ پکار اٹھتا ہے لقد صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیشک سچا آمد رسول نے سچ فرمایا تھا جس وقت میں نے اپنے رسالہ العطر الوردی فی ذکر المسیح والمھدی میں یہ حدیث لکھی ہے یفشو العلم والتجارۃ کہ قیامت کے قریب قلم اور تجارت بہت پھیل جائے گی یعنی لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہوگا تجارتیں ترقی کرینگی۔ تو میں نہیں بیان کرسکتا کہ مجھ پر کیسی وجدی کیفیت طاری ہوئی واقعی حضور نے سچ فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ آجکل ہر قوم کو ترقی، تعلیم اور ترقی تجارت کی کسقدر فکر ہے گاؤں گاؤں میں اسکول کھولے جارہے ہیں، سلطنتوں کی بنیاد تجارت پر قائم ہورہی ہے۔ اسکی ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود اسقدر ترقی تعلیم کے علم ناپید ہے اور جہل ترقی پر ہے علامت قیامت میں حضور نے یہ بھی فرمایا ہے یقبض العلم ویکثر الجھل ویکثر الھرج یعنی القتل علم سمٹ جائیگا اور جہل غالب ہوگا اور گڑبڑ یعنی خون ریزی زیادہ ہوگی، سو واقعی اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کی تو ترقی ہے مگر علم کو تنزل ہے کیونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ تر محض دنیا اور مادی منفعت کیلئے ہے خداشناسی یا مذہب سے واقف ہونے کیلئے نہیں اور ایسے لکھنے پڑھنے کا نام علم نہیں بلکہ سراسر جہل ہے اسکی جسقدر ترقی ہوگی جہل ہی بڑھتا جائیگا علے کہ رہ بجز تنما بد جہالت ست۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح قلم کو جتنی ترقی ہورہی ہے اسیقدر دنیا میں فساد اور خون ریزی بڑھ رہی ہے یہ فساد کرنے والے ان پڑھ جاہل نہیں بلکہ تعلیمیافتہ گریجویٹ ہیں وہی کسانوں مزدوروں کو سبز باغ دکھلا دنیا میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھکر مومن کا ایمان پختہ ہوتا اور تصدیق رسول میں برابر ترقی ہوتی ہے کہ واقعی حضور نے جو کچھ فرمایا تھا کیسا ہوبہو پورا ہورہا ہے اللھم صل وسلم وبارک علی ھذا النبی الکریم افضل صلوٰۃ وازکی تسلیم والحمد للہ رب العلمین۔

(۲۲۲) حدیث میں قدرت الٰہی کا بھی بیان ہے کہ جس کیلئے گمراہی مقدر ہوچکی ہے اسکو عبرتیں اور نصیحتیں کچھ بھی نفع نہیں دیتیں۔ دیکھو دجال دعوی کرے گا کہ میرے خدا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں اس شخص کو مار کر پھر زندہ کردوں گا سو ایک دفعہ وہ ایسا کردیگا پھر (جب وہ شخص زندہ ہوکر کہے گا کہ اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ بصیرت کی ساتھ معلوم ہوگیا کہ تو دجال کذاب ہے) وہ دوبارہ اسے قتل کرنا چاہیگا مگر بدون کسی ظاہری سبب کے اس کے قتل پر قادر نہ ہوگا اب اس پر اور اس کے پیروں پر حق کو مان لینا لازم تھا کیونکہ اسکے دعوے اور دلیل کو باطل کرنے والی چیز کھلم کھلا سکے سامنے آگئی جس کا کوئی جواب ان کے پاس نہ ہوگا مگر بات یہ ہے کہ دلائل اور مواعظ سعادت کیساتھ ہی نفع دیتے ہیں اور فتنے اور امتحانات شقاوت کی ساتھ ہی ضرر پہونچاتے ہیں ہم اللہ عزوجل مالک عرش عظیم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شقاوت اور محرومی اور فتنوں اور آزمائشوں سے دونوں جہان میں بچائیں اور اپنے فضل سے دارین کی سعادت سے سرفراز فرمائیں اللہ کے

Marfat.com

سوا کوئی رب نہیں وصلی اللہ علی محمد وآلہ **قولہ** وفیہ دلیل علی اظہار قدرۃ اللہ عزوجل الی قولہ محمد وآلہ"

ف یہی وہ مقام ہے جس نے عارفین کو لرزا رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اسکی تقدیر میں کیا ہے گو ظاہ حال سے انجام کا پتہ لگ جاتا ہے مگر قطعی فیصلہ مرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا اسی لئے فرماتے ہیں ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را　　در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش　　ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند ؎
گہ رشک کند فرشتہ بر پاکئ ما　　گہ خندہ زند دیو ز ناپاکئ ما
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم　　احسنت برین چستی و چالاکئ ما

ہر شخص کو حسن خاتمہ کا اہتمام کرنا اور اسکے لئے دل سے دعا کرتا رہنا چاہیئے رزقنا اللہ وایاکم حسن الختام بحرمۃ النبی وآلہ واصحابہ الکرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الی یوم القیام۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۸۶ (حدیث حراستہ مکۃ والمدینۃ من الدجال)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دنیا کا) کوئی شہر ایسا نہیں جسمیں دجال نہ پہونچے بجز مکہ ومدینہ کے کہ ان کے راستوں میں سے کوئی راستہ ایسا نہوگا جس پر فرشتے صف باندھے ہوئے اُن کی حفاظت نہ کرتے ہوں پھر مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ آئیگا تو ہر کافر اور منافق (مدینہ سے نکلکر) دجال کی طرف چلا جائیگا"

شارح حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ دجال زمین کے تمام بلاد میں پہونچے گا بجز مکہ اور مدینہ کے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے ایک تو یہ اس میں دجال کے ظہور کی تحقیق ہے (کہ وہ ظاہر ہوگا اور تمام روئے زمین کا دورہ کریگا مکہ مدینہ کے پاس بھی پہونچے گا مگر فرشتے کھلم کھلا صف باندھے ہوئے ان دونوں مقدس شہروں کی حفاظت کرتے ہوں گے اسلئے اندر نہ پہونچ سکیگا مدینہ کو تین بار زلزلہ آئیگا کافر و منافق اس زلزلہ کو دجال کا تصرف سمجھیں گے اور اس کے پاس پہونچ جائیں گے اسی لئے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ مدینہ کی ایسی مثال ہے جیسے بھٹی کہ جس طرح اسمیں چاندی سونے کا میل کچیل نکل جاتا ہی اسی طرح مدینہ خبیثوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے (۲۲۴) ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت میں مکہ اور مدینہ[عـہ] دونوں برابر ہیں کیونکہ دجال تمام زمین کو

عـہ فقہا نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے امام مالک اور ان کے مقلدین مدینہ کو مکہ سے افضل فرماتے ہیں امام شافعی اور اُن کے مقلدین مکہ کو مدینہ سے افضل کہتے ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہی کہ جو زمین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے قبر شریف میں مس کئے (باقی آئندہ)

Marfat.com

پامال کریگا مگر ان دو مقدس شہروں میں نہ پہونچ سکے گا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اسکی تائید دوسری دلائل قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر مدینہ میں یہ خصوصیت ہے کہ وہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور مسجد مبارک ہے اور حضور نے وہاں قیام فرمایا ہے تو مکہ میں یہ خصوصیت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت مکہ میں ہوئی وہیں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے اور وہیں آپ کا قبلہ ہے اور نبوت کے بعد حضور کا قیام مکہ میں بھی مدینہ کے برابر ہی ہوا (بلکہ کچھ زیادہ) مشہور قول یہی ہے کیونکہ آپ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ[۱۳] سال قیام فرمایا اور مدینہ میں دس سال) پس آفتاب رسالت کا مطلع مکہ ہے اور مغرب مدینہ ہے **قولہ** وظاہر ہذا الحدیث یعطے التسویۃ بینہما فی الفضل الی قولہ ومغربہا بالمدینۃ »

ف ہر چند کہ یہ مسئلہ تصوف کا نہیں مگر صوفیہ نے اس سے بحث کی ہے اسلئے ترجمہ کر دیا گیا، اس باب میں ہمارے اکابر کا فیصلہ یہ ہے کہ جینا مکہ میں اچھا اور مرنا مدینہ میں اچھا کیونکہ مکہ میں اعمال صالحہ کا ثواب مدینہ سے زیادہ ہے کہ مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتی ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے پس زندگی مکہ کی افضل ہے اور جب قرب موت کا احساس ہونے لگے اسوقت مدینہ پہونچ جانا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے من استطاع منکم ان یموت بالمدینۃ فلیفعل ولما قال جس سے یہ ہو سکے کہ مدینہ میں اسکو موت آئے اسکو ایسا کرنا چاہئے » دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ پہلے وہ لوگ ہوں گے جو بقیع الغرقد (قبرستان مدینہ) میں مدفون ہیں پھر آپ مکہ والوں کا انتظار فرمائیں گے اور ان سب کو ساتھ لیکر میدان محشر میں تشریف لائیں گے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے وہ آپ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب ہوں گے اللّٰھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک صلے اللہ علیہ وسلم آمین

(۲۲۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ اس لعین (مردود دجال) کو خوارق عادات بہت دیجائیں گی جنمیں سے ایک تو یہی کہ وہ تمام روئے زمین کا دورہ کریگا حالانکہ (دعوی الوہیت کے بعد) اس کا قیام زمین میں صرف چالیس دن ہوگا اس سے زیادہ نہیں البتہ ان ایام میں پہلا دن سال بھر کے برابر ہوگا اور دوسرا مہینہ کی برابر اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور بقیہ ایام عام دنوں کے برابر چھوٹے بڑے ہوں گے۔ حضرات صحابہ نے سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان لمبے دنوں میں ہمیں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ نمازوں کیلئے وقت کا اندازہ کرلینا۔ دوسری خرق عادت پہلی حدیث میں گذر چکی ہے کہ وہ ایک

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہوئے ہیے وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے اور ابن عقیل حنبلی نے تو اسکو عرش و کرسی سے بھی افضل کہا ہے کذا فی الشرح مع الحاشیۃ ۱۲ عفی عنہ اس سے حضرات صحابہ کی فکر دین کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انھوں نے (بقیہ برصفحہ آئندہ)

Marfat.com

شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا ایک یہ کہ وہ زمین میں دانہ ڈالے گا تو اسی وقت اُگ بھی آئے گا پک بھی جائے گا کٹ بھی جائے گا۔ ایک یہ کہ اسکے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ ہوں گے ایک یہ کہ اسکے ساتھ جنت اور دوزخ کا نمونہ ہوگا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ جو اسکی جنت میں داخل ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا اور جو اسکے دوزخ میں داخل ہوگا وہ جنت میں ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ کسی سے کہے گا میرا کہنا مان لے وہ انکار کرے گا تو اس شخص کا مال دجال کے ساتھ ہولے گا اب وہ شخص بھی اپنے مال کی وجہ سے دجال کا پیرو ہو جائے گا غرض دجال کے کفر کا اور اسکی وجہ سے لوگوں کے کافر ہونے کا بڑا سبب یہ خوارق عادات ہی ہوں گے جو اس لعین کو دئے جائیں گے، اس کے ظہور سے پہلے سات سال ایسے گذریں گے جنمیں نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نازل ہوگا نہ زمین سے کوئی دانہ اُگے گا (مگر اُس وقت امام مہدی علیہ السلام موجود ہوں گے جنکی برکت سے مسلمان بھوکے نہ رہیں گے اُسوقت مسلمانوں کیلئے ذکر اللہ اور تسبیح غذا کا کام دے گی اُن کے نعرۂ تکبیر سے بڑے بڑے مستحکم قلعے ایک دم گر پڑیں گے دجال کے پاس تو شعبدے ہی ہونگے حضرت امام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی کرامات ہوں گی جن سے مسلمان کے دل مطمئن اور مضبوط ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر فرعون کیساتھ ایک موسیٰ اور ہر زہر کیساتھ تریاق بھی پیدا فرما دیتے ہیں تاکہ طالب حق گمراہی سے محفوظ رہیں اور جو خود ہی گمراہ ہونا چاہے اس کا کوئی علاج نہیں) اسی لئے اہل تحقیق اُن خوارق عادات پر نظر نہیں فرماتے جو اُن کے ہاتھوں سے ظاہر ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی زیادہ ہوں (کیونکہ خوارق عادات دجال سے بھی ظاہر ہونگی تو اُن پر نظر کرنا اور اُن کو مقبولیت کی علامت قرار دینا غلطی ہے جب تک ان خوارق کیساتھ کمال اتباع سنت اور تقویٰ اور محبت حق موجود نہو) بعض بزرگان دین تو ان خوارق سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کو اس سے معاف کیا جائے چنانچہ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آگیا جس سے پار ہونا بدون

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ان ایام کے متعلق دنیوی پریشانیوں کا حل دریافت نہیں کیا صرف دینی پریشانی کا حل دریافت کیا پھر یہ بھی نہ پوچھا کہ وقت کا انداز کیونکر کریں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اسوقت کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائیگی جس سے اندازہ آسان ہو جائے گا چنانچہ اسوقت گھڑی گھنٹے موجود ہیں گھڑی کے ذریعہ سے اوقات نماز کا پتہ چلتا رہیگا اور اسی سے ایام کی گنتی بھی رہے گی جس سے رمضان کا آنا معلوم ہوگا اس میں روزہ بھی گھڑی کے اندازہ سے رکھ لیا جائیگا ہاں یہ ضرور ہے کہ اسوقت مسلمانوں کو ایام کی شمار بڑے اہتمام سے کرنا ہوگی اور ہر مہینہ تیس دن کا شمار کرنا ہوگا اسی سے رمضان کا علم روزہ کیلئے اور ذی الحجہ کا علم حج کیلئے ہوگا اور ممکن ہے کہ اسوقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو علم اوقات کا کوئی اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ تبلا دیں وما ذلک علی اللہ بعزیز ۱۲

Marfat.com

کشتی کے دشوار تھا ان کے پاس کچھ تھا نہیں جو کشتی والے کا کرایہ دیدیتے یہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کروں دفعۃً ان کی نظر دریا پر پڑی کہ اسکے دونوں کنارے اسقدر قریب ہو گئے ہیں کہ ایک ہی قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا خداوندا اگر یہ کرامت ہی تو اسکو آخرت کیلئے میرے واسطے ذخیرہ کے طور پر محفوظ کر لیجئے اور اگر شیطان مردود کی طرف سے (کوئی شعبدہ) ہے تو اسکو مجھ سے دفع کر دیجئے۔ دریا فوراً جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا اور بزرگ نے اپنے کپڑوں میں سے ایک کپڑا کشتی والے کو دیا جسکے بعد (کرایہ دیکر) پار ہو گئے بزرگوں سے اس قسم کی حکایات بہت ہیں (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارق عادات سے خوش نہ ہوتے تھے بلکہ ڈرتے تھے) بس ان کو تو اپنے ایمان اور اعمال کی تحسین و تکمیل کا اہتمام تھا اور ان ہی کی برکات کی طلب تھی جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ کیلئے (اپنے اعمال میں) اخلاص (کا اہتمام) کرے حکمت کے چشمے اس کے دل سے زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں (یعنی اول اخلاص کی برکت سے دل میں علوم حکمت کا القا ہوتا ہے پھر اسکی زبان سے حکمت کی باتیں نکلنے لگتی ہیں یہ حدیث صوفیہ کی چلہ کشی کی اصل ہے) نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رقت (قلب) کو تین چیزوں میں طلب کرو۔ نماز میں تلاوت قرآن میں۔ ذکر اللہ میں اگر ان میں رقت پاؤ (تو خیر) ورنہ جان لو کہ دروازہ بند ہے (پس ایمان اور اعمال صالحہ کی یہ برکات تو مطلوب ہیں کرامات و خوارق عادات مطلوب نہیں اسی طرح اور جو حقوق (شرعیہ) ہیں (وہ اُن کا اہتمام کرتے ہیں) اُن ہی سے اُن کا حال درست ہوتا ہے

قولہ وفیہ دلیل علے کثرۃ ما یعطے ھذا اللعین من خرق العادۃ الی قولہ فبھا صلاح حالھم

ف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں میں رقت قلب کی طلب کا حکم دیا ہے مگر آجکل بعض مدعیانِ تصوف سماع اور قوالی میں رقت قلب کی تلاش کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اہل سماع کو نماز اور تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں رقت حاصل نہیں ہوتی اور جسکو ان سے رقت حاصل نہ ہو اس پر دروازہ بند ہے جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بزرگان دین نے جو سماع سنا ہے وہ آجکل کا سا سماع مزامیر کے ساتھ نہیں تھا اور جیسا بھی تھا بطور غذا کے نہ تھا بلکہ دوا کے طور پر تھا جب کسی پر قبض طاری ہوتا تھا اسوقت بطور علاج کے اسکو استعمال کرتے تھے۔ مگر آجکل لوگوں نے دوا کو غذا بنا لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نماز اور تلاوت و ذکر میں ان کو رقت و حلاوت نصیب نہیں ہوتی جو حدیث کے موافق محرومی کی علامت ہے۔

ف آجکل پنجاب میں ایک اور مدعی پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ دجال اکبر پیدا ہو چکا اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا اسمیں شک نہیں کہ مرزا قادیانی بھی دجالوں میں سے ایک تھا مگر دجال اکبر نہ تھا

Marfat.com

اُس میں دجال اکبر کی علامات موجود نہیں بڑی علامت تو یہ ہے کہ اُس کا ظہور زمانہ مہدی علیہ السلام میں ہوگا اور ابتک حضرت امام کا ظہور نہیں ہوا دوسری علامات وہ ہیں جو مختصراً اس مقام میں مذکور ہیں مگر پنجاب کے مدعی نے ان خوارق میں عجیب بے تکی تاویلیں کی ہیں اور بعض کے راویوں کو بیوقوف بنایا ہے مگر اُسکو اتنا شعور نہیں کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والے وہی لوگ تھے جو زمانہ نزول وحی میں موجود یا اُسی کے قریب تھے جس شخص کو فصاحت و بلاغت و اعجاز قرآن کی ہوا بھی نہ لگی ہو نہ قرآن وحدیث سے کافی ذوق ہو اُسکو فہم قرآن وحدیث کا دعوی جائز نہیں اگر اس طرح حدیثوں میں بے تکی تاویلیں کی جائیں گی اور راویان حدیث کو بیوقوف بنایا جائے گا تو ایسا شخص خود ستر دجالوں میں سے ایک دجال ہوگا۔ رہا یہ کہنا کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں تو قیامت کی علامات کا تمھاری عقل میں آنا ضرور نہیں صرف حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے قیامت کی کیفیت خود عقل میں نہیں آسکتی تو اُسکی علامات کا عقل میں آنا کیا ضرور ہے؟ اور ابتو سائنس نے بہت سی بعید از عقل باتوں کو قریب کر دیا ہے پہلے کسکی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ ریڈیو کے ذریعہ لندن کی تقریر ہندوستان میں سنی جاسکتی ہے مگر آج سب سن رہے ہیں پس انتظار کرو انشاءاللہ عنقریب وہ وقت بھی آجائیگا جب علامات قیامت سبکی سب تمھاری عقلوں سے قریب ہوجائیں گی، اس مدعی نے ایک کمال یہ کیا ہے کہ ظہور مہدی کا تو اقرار کیا ہے مگر نزول مسیح علیہ السلام سے انکار ہے حالانکہ سلف میں بعض ایسے لوگذرے ہیں جنھوں نے ظہور مہدی سے انکار کیا ہے اور حدیث ابن ماجہ لا مہدی الا عیسی کی وجہ سے مہدی اور مسیح کا مصداق عیسی علیہ السلام ہی کو قرار دیا ہے مگر ایسا کوئی نہیں ہوا جس نے نزول مسیح سے انکار کیا ہو، امت مسلمہ کا متفق علیہ قول یہی ہے کہ مہدی اور عیسی علیہ السلام الگ الگ دو شخصیتیں ہیں اور حدیث ابن ماجہ کو ضعیف کہا ہے جو احادیث صحیحہ متواترہ کو رد نہیں کر سکتی، عیسی علیہ السلام زمانہ مہدی میں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال اکبر کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے اسوقت چونکہ دجال کا مقابلہ ہوگا جسکے پاس خوارق عادات بہت کچھ ہوں گے اسلئے عیسی علیہ السلام سے بھی بہت خوارق عادات ظاہر ہوں گے پس یہ شبہ لغو ہے کہ عیسی علیہ السلام سے ایسے معجزات اپنی نبوت کے زمانہ میں تو ظاہر نہیں ہوئے اب زمانہ مجددیت میں کیوں ظاہر ہوں گے؟ جواب واضح ہے کہ اسوقت دجال اکبر کا مقابلہ ہوگا جسکی برابر اہل باطل میں کوئی بھی صاحب خوارق نہیں ہوا۔ ایک شبہ یہ کیا ہے کہ جب عیسی علیہ السلام کے سانس سے سارے کافر ہلاک ہوجائیں گے تو وہ تجدید دین کیلئے تبلیغ و اصلاح کسکی کریں گے؟ جواب یہ ہے کہ یہ خاصیت اُن کے سانس میں لشکر دجال سے مقابلہ کے وقت ہوگی کہ اُسکی ساتھ ٹڈی دل کافر ہوں گے اور ممکن ہے اُس کے پاس میدان جنگ میں چھوڑنے کیلئے گیس وغیرہ بھی ہوں اُن کے گیس کا

Marfat.com

جواب عیسیٰ علیہ السلام کا سانس دے گا اُن کا گیس تو دوست دشمن سب ہی کو ہلاک کرنے والا ہو گا مگر عیسیٰ علیہ السلام کا سانس صرف کافروں کو ہلاک کرے گا مسلمانوں کو قوت و فرحت بخشے گا اس طرح دجال کے قتل تک بہت سی کافر ہلاک اور بہت سے فرار ہو جائیں گے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا تو اسکے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی سانس سے کفار ہلاک نہ ہوں گے چنانچہ خروج یاجوج و ماجوج کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جائیں اگر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ خاصیت دائمی ہوتی تو اُن کو کوہ طور پر جانے کا حکم کیوں ہوتا؟ بلکہ یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے سانس سے یاجوج و ماجوج کو بھی ہلاک کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے سانس میں یہ خاصیت صرف اُسی ایک میدان میں ہو گی جہاں دجال سے مقابلہ ہو گا اسی طرح اُس نے اور بھی شبہات نکالے ہیں جنکا منشا محض قلت فہم اور قلت ایمان ہے جسکو اللہ کی قدرت پر پورا ایمان ہے وہ ایسے شبہات نہیں کر سکتا خوب سمجھ لو۔

(۲۲۵) یہاں سے معلوم ہوا کہ مکان کی حرمت ایمان کی ساتھ ہی نفع دیتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دجال کی طرف (مدینہ سے) ہر کافر اور منافق نکل کھڑا ہو گا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت مدینہ میں کفار اور منافق بھی ہوں گے حالانکہ اسوقت وہاں نفاق ظاہر نہیں نہ مدینہ میں کوئی کافر مقیم ہے نہ وہاں جا سکتا ہے تو اُسوقت عالم میں فساد بہت ہی زیادہ ہو گا کہ کفار و منافقین مدینہ میں آباد ہوں گے) حضور نے عاصی اور فاسق نہیں فرمایا بلکہ کافر و منافق فرمایا ہے تو یہ لوگ باوجود مدینہ میں رہنے کے فتنۂ دجال سے محفوظ نہ رہیں گے کیونکہ بدون ایمان کے حرمت مکان سے کچھ نفع نہیں ہوتا مدینہ کے مومن تو سب اُس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے خواہ متقی ہوں یا غیر متقی کیونکہ ایمان کیساتھ برکت مکان سے سبکو نفع ہوتا ہے) اسی لئے امام مالک نے اپنے ایک دوست کو لکھا (صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کو لکھا) تھا جبکہ انھوں نے بیت المقدس کی طرف جانے کا ارادہ کیا کہ زمین کسی کو پاک نہیں کرتی بلکہ انسان کو اُس کا عمل پاک کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اپنے لئے ایسی چیز کو تلاش کرو جو تمکو پاک کر دے خواہ حُسن علم ہو یا حسن عمل کیونکہ بخدا معاملہ بہت نازک ہے وفیہ دلیل علی ان حرمۃ البقع لاتنفع الا مع الایمان الی قولہ فالامر واللہ اخطر"

ف حضرت شارح کے زمانہ میں تو یہ بات کسی مسلمان کی عقل میں نہ آسکتی تھی کہ مدینہ میں کفار و منافقین بھی رہ سکتے ہیں مگر آجکل ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ امریکہ کی کمپنی کو حجاز کے معادن اور پٹرول کا ٹھیکہ دیدیا گیا ہے اور یہ لوگ بے تکلف مکہ مدینہ کے آس پاس موٹریں لئے پھرتے ہیں کیا عجب ہے کسی وقت اُن کو مدینہ میں مکان بنا کر رہنے کی بھی اجازت دیدی جائے، سلطان نجد و حجاز کا یہ فعل تمام مسلمانوں کے دلوں میں کانٹے

Marfat.com

کی طرح کھٹک رہا ہے کہ انھوں نے کفار کو اس قسم کا تعصب دیکر حجاز میں رہنے کا موقعہ کیوں دیا؟ اگر معادن کی تلاش ہی تو پہلے اپنے آدمیوں کو یورپ وامریکہ بھیجکر اس کام کی تعلیم دی ہوتی پھر ان تعلیمیافتہ مسلمانوں سے یہ کام لیا ہوتا مگر آجکل ہمارے سلاطین کو جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود تو سب کے سب دجال کے ساتھ ہوں گے وہ تو اسکو اپنا بادشاہ اور خدا کہیں گے ممکن ہے کہ کچھ نصاریٰ یہود کی عداوت کے سبب دجال کو نہ مانیں اور مسلمانوں سے یہ سنکر کہ مکہ اور مدینہ میں دجال نہ پہونچ سکیگا مدینہ میں پناہ لیں اور کچھ منافقانہ اسلام بھی لے آئیں مگر چونکہ دل میں ایمان نہ ہوگا اسلئے زلزلوں سے گھبرا کر دجال کے پاس پہونچ جائیں گے۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو محض قیام اجمیر یا پیران کلیر یا قیام چوک قلندری پر قناعت کیے ہوئے ہیں اعمال کا اہتمام نہیں کرتے نہ ایمان کی حفاظت کرتے ہیں .... ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ مکان مقدس سے اسی کو نفع ہوتا ہے جو اس کے تقدس کی رعایت کر کے اپنے ایمان اور اعمال کو مقدس کرنے کی کوشش کرے ورنہ قیام مدینہ بھی نفع نہیں دے سکتا۔"

(۲۲۶) یہاں سے معلوم ہوا کہ دعویٰ کی حقیقت امتحان ہی کے وقت کھلتی ہے۔ دجال کے قصہ میں دیکھو کہ بہت لوگ ایمان کی آڑ لیتے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں گے مگر دجال کے آنے پر یہ دعویٰ کچھ بھی نہ ٹھیرے گا ہاں جس کا ایمان واقعی (سچا) ہوگا اور ایمان کے مقتضٰے پر عمل بھی کرتا ہوگا وہ ثابت قدم رہے گا) اسی لیے جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کا ذکر فرمایا اور صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر یہ زمانہ ہمارے سامنے آجائے تو آپ اسوقت کیلئے ہمکو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا الجاء والی الایمان والاعمال الصلحٰت ایمان اور اعمال صالحہ کی پناہ حاصل کرو حالانکہ یہ حضرات سب مومن تھے پھر بھی ایمان واعمال صالحہ کی پناہ لینے کو فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہو اور اعمال صالحہ بھی ایمان کو قوت دینے والے ہیں کہ اسی سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ اور اس میں ہر شخص کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ کیونکہ کوئی زمانہ بھی دجالوں سے خالی نہیں ہوتا (حدیث میں ہے کہ میرے اور دجال اکبر کے درمیان کچھ اوپر ستر دجال ہوں گے) بس ہر شخص کو اپنی حالت میں نظر کرنا چاہیے مبادا وہ دجال کے متبعین میں سے ہو یا خود ہی ستر دجالوں میں ایک دجال ہو اور اس کی پہچان کا ایک ہی معیار ہے کہ اپنے کو کتاب وسنت کی میزان سے تول کر دیکھتا رہے اور کتاب وسنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کرتا رہے (سبحان اللہ کیا بات فرمائی ہے جس نے

ے ذکرہ الشارح فی شرح ہذا الحدیث ۱۲ ظ

دعویٰ کی حقیقت امتحان کے وقت کھلتی ہے

ہر شخص کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیے ... اپنا امتحان کتاب وسنت سے ... تفسیر سلف صالح

Marfat.com

ہر دجل و فریب کا رخنہ بند کر دیا کیونکہ بعض لوگ اپنی حالت کو کتاب و سنت کے موافق تو ظاہر کرتے ہیں مگر کتاب و سنت کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں اس طرح اپنے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور مخلوق کو بھی اگر کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کرکے اپنی حالت کو اس کے موافق نہ پائے (اور پھر بھی کمال کا مدعی ہو) تو یہ شخص مستدرج ہے اور اسکو پتہ بھی نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اسی معنی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا اپنا محاسبہ خود کرتے رہو اس سے پہلے کہ (قیامت میں) تم سے حساب لیا جائے اور (ہر وقت) ادب اور خوف کو اپنے اوپر لازم سمجھے کیونکہ بخدا معاملہ سنگین ہے اور آج ہم ایسے زمانہ میں ہیں جسمیں بھلائی کے نشان بدل گئے اور راستے مختلف ہو گئے ہیں بھلائی کی طرف بلانیوالے اور چلنے والے کم ہیں (زیادہ شر کی طرف بلانے والے اور شر کے راستہ پر چلنے والے ہیں) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لطف کی ساتھ ہماری دستگیری فرمائیں (آمین وصلی اللہ علی خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین) قولہ و فیہ دلیل

ف حق بات کو چھپایا نہیں جا سکتا ہر زمانہ میں صدی کے شروع پر اللہ تعالیٰ اس امت میں مجدد پیدا فرماتے ہیں جو دین کی اصلی صورت کو مسلمانوں کے سامنے واضح کر دیتے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں اور اہل قلوب کو اعتراف ہے کہ اس صدی کے مجدد حضرت حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ تھے پس مسلمانوں کو حضرت کی تالیفات و مواعظ و رسائل کا مطالعہ کرنا اور حق و باطل کو ان کے ارشادات سے معلوم کرنا چاہیئے، حضرت رح کے وہ خدام ابھی تک زندہ ہیں جنکے سامنے حضرت اقدس نے ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار فرمایا ہے کہ مسٹر گاندھی اس زمانہ کا دجال ہے اسی لئے حضرت رح کو کانگریس سے نفرت تھی اور اسکی شرکت سے مسلمانوں کو منع فرماتے تھے۔ اب بعض عقلمندوں کی کم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جواز شرکت کانگریس کیلئے حضرت مولانا گنگوہی رح کا وہ فتویٰ پیش کرتے ہیں جو (بہ تقدیر صحت نسبت کہ ہنوز اسی میں کلام ہے) ۱۸۸۶ء کا لکھا ہوا ہے جبکہ کانگریس میں گاندھی کا وجود بھی نہ تھا تو کیا خاک ہوتا۔ اور حضرت حکیم الامۃ نے شرکت کانگریس سے اسوقت منع فرمایا ہے جب مسٹر گاندھی کا نام کانگریس اور کانگریس کا نام گاندھی ہو گیا اور وہ مسٹر گاندھی سے مہاتما گاندھی بنگیا تھا اہل عقل سیاست داں طبقہ نے تجربہ کے بعد حضرت حکیم الامۃ رح کے ارشاد کے موافق کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ واقعی یہ شخص دجال ہے جس کا ظاہر صلح کل اور باطن دشمن اسلام ہے دل کی دشمنی چھپی نہیں رہتی کبھی نہ کبھی ظاہر

Marfat.com

ہو ہی جاتی ہے قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون ۰ زیادہ افسوس ان علماء پر ہے جو ابتک کانگریس کا دم چھلہ بنے ہوئے اور مسلمانوں کو اسکی ساتھ وابستہ رہنے کی تعلیم دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس کی اسلام دشمنی اب بالکل عیاں ہو چکی ہے واقعہ بہار وگڈھ مکتیشر میں اس نے اپنی دشمنی کا ایسا خونیں مظاہرہ کیا ہے جسکی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان نہیں مل سکتی مسلمانوں کو ان نام نہاد علماء کی باتوں میں نہ آنا چاہئے اور حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشاد گرامی کو مشعل راہ بنا کر اس دجال سے اور اسکی جماعت سے دور ہی رہنا چاہئے دوسرا دجال اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی تھا جو بہت سال ہوئے گذر چکا مگر اسکی جماعت باقی ہے مسلمانوں کو اس جماعت سے بھی دور رہنا اور اسکے دجل فریب سے بچنا رہنا چاہئے"

۸۷ (حدیث من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ تھے آپ نے فرمایا جو تم میں سے بیوی کے نان ونفقہ کا متحمل ہو اسکو نکاح کرنا چاہئے کہ وہ نگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا اور شرمگاہ کو زیادہ پاکدامن بناتا ہو اور جو اس کا متحمل نہو سکے وہ روزہ کو اپنے اوپر لازم کرے کہ وہ مادۂ شہوت کو کم کرنے والا ہے۔

تشریح ظاہر حدیث یہ ہے کہ اس میں نکاح کا امر ہو کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فلیتزوج فرمایا ہے جو امر کا صیغہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ مادۂ شہوت کو کم ور کم دیتا ہے اسی لئے دوسری روایت میں روزہ کا حکم جوانوں کیساتھ مخصوص ہو کیونکہ بوڑھوں میں یہ مادہ خود ہی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے اسکے تقاضے کو دفع کر سکتے ہیں، جوان آدمی اسکے تقاضے کو آسانی سے دفع نہیں کر سکتا تو اسکو روزہ کا حکم دیا گیا، اگرچہ وہ ہمت کرے تو بدون روزہ کے بھی یہ تقاضا دفع ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اغض للبصر واحصن للفرج فرمایا ہے کہ روزہ نگاہ اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا ہے یعنی حفاظت کا ایک درجہ بغیر اسکے بھی قدرت میں رہتا ہو، اسی لئے ہر شخص کو ہر حالت میں نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا شرعاً امر ہے خواہ اس میں کتنی ہی زیادہ شہوت ہو کیونکہ آنکھیں نیچی کر لینا اور شرمگاہ کو حرام سے بچانا قدرت سے باہر کسی وقت بھی نہیں اگرچہ جوان کو اسمیں بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ دین میں مضبوط نہو اس قدرت کو کام میں نہیں لا سکتا مگر مجاہدہ اور مشقت لازم آنے سے قدرت سے خارج ہونا لازم نہیں آتا یہ اور بات ہے کہ اسباب سہولت پر عمل کرنے کے بعد

Marfat.com

زیادہ آسانی ہوجاتی ہے اسی لئے جوانوں کو روزہ کا حکم کیا گیا ہے کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے اس مادہ کا تقاضا شدید نہیں رہتا (ھٰذا خلاصۃ ما ذکرہ الشارح ولله درہٗ)

(۲۲۷) یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اسباب سے کام لینے کا مامور ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حرارت (شہوت) دفع کرنے کیلئے سبب سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے کہ شادی کرلے اگر اسکی قدرت نہو تو روزہ رکھے، اسی طرح جو بھی نفع اور ضرر ہو انسان کو اسکے دفع یا تحصیل کے اسباب کو کام میں لانا چاہئے جس طرح بھی شریعت کے موافق اسے قدرت ہو، (یہ تو اس حدیث کا مدلول تھا) لیکن دوسری حدیث اس کے معارض (بھی) ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جوان ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اور عورتوں سے شادی کرنے کی قدرت نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ سنکر خاموش رہے تو انھوں نے کئی مرتبہ اسی بات کو دہرایا تیسری دفعہ میں آپ نے فرمایا جو کچھ تمکو پیش آنے والا ہے قلم (تقدیر) اسکو لکھکر خشک ہوچکا ہے اب چاہے اسی پر اکتفا کرو یا (پریشانی) بڑھاتے رہو، یہاں حضور نے ترک اسباب اور رضا بر قضا کا حکم فرمایا اور جس حدیث کی ہم شرح کررہے ہیں اسمیں اس حالت کے زوال کی تدبیر اور اسباب زوال میں کوشش کرنے کا حکم ہے، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابو ہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنکو اکثر فاقہ کی نوبت پیش آتی تھی اور حضرت ابو ہریرہ تو بھوک کی شدت سے بیہوش بھی ہوجاتے تھے پھر بھی ان کی حرارت شہوت کم نہوتی تھی اسلئے انکو روزہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ توکل اور رضا بر قضا کی تعلیم دی گئی (جواب کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک تدبیر نافع ہو تدبیر کرنے کا حکم ہے اور جب تدبیر بیکار ہوجائے اسوقت تقدیر پر راضی رہنے کا حکم ہے پس تعارض نہ رہا) چنانچہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کروں (یا باندھ کر توکل کروں) فرمایا اعقلھا وتوکل اسکو باندھ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو (اگر باندھنے کے بعد بھی کسی طرح بھاگ جائے (اور تلاش سے نہ ملے) تو اب تقدیر پر راضی رہو) غرض حضور نے اس حدیث میں تو حکم شریعت بیان فرمایا ہے اور ابو ہریرہ کے واقعہ میں حکم حقیقت بیان فرمایا ہے یعنی تسلیم و رضا،

پس انسان کو چاہئے کہ اسباب شرعیہ میں اپنی سعی کوشش پوری کرے جنکے اختیار کرنے پر عادۃ الہیہ یوں ہی جاری ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوتا یا ضرر دفع ہوجاتا ہے اسکے بعد اسباب پر نظر نکرے یہ نہ سمجھے کہ ان ہی سے نجات ہوگی بلکہ قضاء الٰہی کے سامنے گردن جھکا دے اور سمجھ لے کہ نجات محض فضل سے ہوگی اسکے عمل سے نہوگی جیسا ابراہیم علیہ السلام نے اول تو ایمان کی تحقیق میں پوری کوشش صرف کی

Marfat.com

(اپنی قوم کی کٹ حجتی کا پوری طرح جواب دیا) مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ (ساتھ ساتھ) یہ بھی فرمایا (ولا اخاف ما تشرکون بہ) الا ان یشاء ربی شیئا وسع ربی کل شیء علما میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں سے اصلا نہیں ڈرتا (یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) ہاں میرا پروردگار ہی کچھ چاہے (تو اور بات ہے) میرا رب ہر چیز کو اپنی وسعت علم سے محیط ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام مشیت پر بھروسہ کرنے والے تھے (اسباب پر نظر کرنے والے نہ تھے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے کہ شیطان ملعون آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا اے عیسیٰ تمہارا قول یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی سامنے آتا ہے (تقدیر کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا) تو اپنے کو اس پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو (جو مقدر میں ہے وہی سامنے آئیگا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آقا کو تو غلاموں کے امتحان کا حق ہے مگر غلام کو آقا کے امتحان کا حق نہیں اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا آپ لوگ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دیتا ہے وہی رزق کو بند کرتا ہے پھر آپ کی اس تدبیر اور محنت سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں بات تو وہی ہے جو لوگ کہتے ہیں، یہ فرما کر پھر اپنے شغل میں لگ گئے (مطلب یہ تھا کہ ہماری تدبیر اور عمل کے بعد بھی وہی ملے گا جو مقدر میں ہے مگر جب تک تدبیر سے نفع کی امید ہو تدبیر کرنا چاہیے کہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ اسباب اور تدبیر کے پردہ میں تقدیر کو ظاہر کیا جاتا ہے جب تدبیر بیکار ہو جائے اسوقت تسلیم و رضا کے ساتھ تقدیر پر قانع ہونا چاہیے) انبیا علیہم السلام اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے جو اس سے باہر ہوا وہ راستہ سے بھٹک گیا جب وہ یہ سمجھیگا کہ میرا عمل سبب نجات ہے تباہ ہو جائے گا کیونکہ وہ قدرت (الٰہی) کو پابند کر رہا ہے (جیسا معتزلہ کا قول ہے کہ نیک عمل پر ثواب دینا اور گناہوں پر سزا دینا خدا تعالیٰ پر لازم ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو مقید اور پابند کرنا چاہتے ہیں) اور یہ (صریح) گمراہی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ پہونچائے گا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ اور نہ آپ کو؟ فرمایا مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم مجھے ڈھانپ لے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں من یضلل اللہ فلا ھادی لہ جسکو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں جب اللہ تعالیٰ یہ چاہیں کہ کسی (نیک) عمل کرنے والے کا خاتمہ شقاوت پر ہو اور وہ گمراہوں میں داخل ہو تو اسکے خلاف پھر کسے قدرت ہے؟ جیسے بلعم بن باعورا[عـ۵] وغیرہ (کا حشر ہوا) اللہ کے حکم کو رد کرنے والا

عـ۵ بہت سے مفسرین ابن جریر اور قرطبی و سیوطی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ یہ شخص اسم اعظم کا عالم تھا جس سے دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے کچھ مانگا جائے تو سوال پورا ہوتا ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام پر (اور ایک روایت میں ہے یوشع علیہ السلام پر) بد دعا کرنا چاہی تو اسم اعظم سلب کر لیا گیا نعوذ باللہ من الحور بعد الکور و من الجهل بعد العلم ۱۲ منہ

کوئی نہیں وہ جو چاہیں کریں ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں (مگر اس سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اسکو اپنی تقدیر کا علم نہیں اسکو جن اعمال کا مکلف کیا گیا ہے وہ اسکی قدرت سے باہر نہیں جن اعمال سے اس کا خاتمہ اچھا ہوسکتا ہے وہ بھی قدرت میں ہیں اور جنسے خاتمہ برا ہوتا ہے وہ بھی قدرت میں ہیں۔ اگر کسی کا خاتمہ برا ہوتا ہے وہ اپنے قصد و اختیار سے ایسے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے جنکو خاتمہ خراب کرنے میں دخل ہے جیسے بلعم بن باعورا نے رسول وقت کے مقابلہ میں اسم اعظم سے بددعا کرنے کا قصد کیا جس میں وہ ہرگز مجبور نہ تھا اسکے انجام کو جانتا تھا اسی لئے بار بار اپنی قوم کی درخواست کو رد کرتا رہا بالآخر بیوی کے بہکانے سے اس پر آمادہ ہوا جس کا نتیجہ بد سامنے آگیا کہ اسم اعظم کیساتھ ایمان بھی سلب ہوگیا نعوذ باللہ من ذلک اسی طرح ابلیس نے قصداً سجدۂ آدم سے انکار کیا اور اپنے انکار کی منطقی وجہ بھی بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں وہ مٹی سے بنائے گئے ہیں آگ سے بنایا گیا ہوں اور اس انکار کے نتیجہ سے بھی وہ واقف تھا مگر تکبر و غرور سے جان بوجھکر شقاوت کو اپنے سر لیا چنانچہ کسی نے اسکی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

در لوح بدنوشتہ کہ ملعون شود یکے — بردم گمان بہر کس و بر خود گماں نبود

آدم زخاک بود و من از نور پاک او — گفتم منم یگانہ و او خود یگانہ بود

پھر جو شخص اپنے عمل کو موجب نجات سمجھے گا وہ یقیناً اپنے کو نیک سمجھے گا اور یہ نری گمراہی ہے کیونکہ وہ اپنا تزکیہ کرتا ہے (اپنی حالت کو اچھا سمجھتا ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی اپنی تعریف خود مت کرو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ متقی کون ہے، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذمہ کسی کا تزکیہ نکرو۔ (یعنی یہ نہ کہو کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول اور مقرب ہے تمکو اسکی کیا خبر ہاں جنکے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی ہے اُن کا تزکیہ کر سکتے ہو) اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو صحابہ نے اسکی تعریف کی (کہ اے فلاں تجکو جنت مبارک ہو تجکو خدا کا قرب مبارک ہو۔ اسوقت آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ذمہ کسی کا تزکیہ نکرو) پھر فرمایا ہاں یوں کہو (کہ میرا گمان یہ ہے کہ اللہ نے تجکو مقام قرب عطا فرمایا ہوگا میرے خیال میں تو شہادت سے کامیاب ہوا ہے مثلاً) اور یہ حدیث اُس حدیث کے معارض نہیں جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا رأیتم الرجل یواظب المسجد فاشھدوا لہ بالایمان جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کو لگا لپٹا رہتا ہے تو اس کے متعلق مومن ہونے کی شہادت دو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت تمہارے سامنے ہے اسکی شہادت دو۔ رہا باطن اور انجام کا حال تو اسکو تم کیا جانو۔ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی جسکو چاہیں گے اپنے فضل سے اچھا کردیں گے اور جسکو چاہیں گے اپنے عدل سے عذاب

Marfat.com

دیں گے حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے وما ادری ما یفعل بی ولا بکم مجھے کیا خبر کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا؟ (آیت میں معاملۂ آخرت مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا آخرت میں کامیاب ہونا یقینی ہے جس کا علم خود انبیاء کو بھی یقین کیساتھ ہوتا ہے بلکہ مراد دنیوی معاملہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں مجھے غلبہ ہوگا یا تمکو اور مجھے غلبہ ہوگا تو جلدی ہوگا یا دیر میں اور مکہ میں رہتے ہوئے ہوگا یا باہر جاکر ہوگا وغیرہ وغیرہ) نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسئل عما یفعل اللہ تعالیٰ سے اُن کے افعال کے متعلق کوئی بازپرس کرنے والا نہیں۔ اس آیت کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور بڑے بڑے اعمال والے اخلاص والے اس آیت کے خوف سے پست ہوگئے پس نجات اللہ کے فضل وکرم ہی پر موقوف ہے عمل یا کثرت عمل پر مدار نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ عمل سے مومن کو بشارت (اور خوشی) ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد کی توفیق دی ہے چنانچہ ارشاد ہے فسنیسرہ للیسریٰ (جو شخص نیک اعمال ایمان کیساتھ بجالاتا ہے) ہم اُسکو آسان راستہ کی (یعنی حصول جنت کی) توفیق دیتے ہیں نیز ارشاد ہے وسنیسرہ للعسریٰ اور (جو شخص برے اعمال کرتا اور اچھی بات کو جھٹلاتا ہے یعنی کفر اختیار کرتا ہے) ہم اُسکو مصیبت کے راستہ کی (یعنی دخول جہنم کی) توفیق دیتے ہیں تو جس شخص کو نیک اعمال کی توفیق ہو رہی ہے اُسکو خوشی ہوتی ہے اور اللہ کے فضل کی قوی امید ہو جاتی ہے جو اس آیت میں مذکور ہے، حق تعالیٰ شانہ اُن لوگوں کا ذکر فرماکر جنکو نیک اعمال کی توفیق دیگئی ہے ارشاد فرماتے ہیں اولئک یرجون رحمۃ اللہ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں جسمیں رجا کو اُن لوگوں کا حصہ قرار دیا گیا ہے جن میں اعمال مذکورہ موجود ہوں اور یہ اوصاف اُن ہی کے ہیں جنکو اعمال جنت کی توفیق دیگئی ہے۔ اور جس شخص کیلئے اہل شقاوت کے اعمال آسان کردیئے گئے اُسکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُسے جہنم کی طرف آہستہ آہستہ لیجایا رہا ہے اُس پر لازم ہے کہ اس راستہ سے جلدی ہٹے اپنے رب کی طرف رجوع کرے توبہ استغفار کی کثرت کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے امید ہے کہ وہ اسکو قبول فرمالیں اور شقاوت کے راستہ سے ہٹا دیں گے اور اپنے فضل وکرم سے نیک اعمال کی توفیق دیدیں گے۔

اس تقریر سے دونوں حدیثیں جمع ہوگئیں (اور کوئی تعارض باقی نہ رہا) مطلب یہ ہے کہ اسباب سے کام لینا چاہیئے مگر اُن پر بھروسہ نکیا جائے اعمال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر نظر رکھے جس سے اُن اعمال کی توفیق ہوئی اور ساتھ ساتھ تکالیف کے دفع اور نعمت کے تمام وکامل ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا ودعا واستغاثہ بھی کرتا رہے اور تقدیر الٰہی کے سامنے گردن تسلیم خم کئے رہے خیر ہو یا شر شیریں ہو یا تلخ (سب پر راضی رہے) لیکن یہاں تسلیم ورضا میں (ایک) قید لگانے کی ضرورت ہے (وہ یہ کہ

Marfat.com

تکوینیات میں تو خیر و شر دونوں سے راضی رہے اور تشریعیات میں نیک اعمال سے خوش اور گناہوں سے رنجیدہ ہونا چاہیئے) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن تسرہ حسناتہ وتسوءہ سیئاتہ ترمومن کو اپنی نیکیوں سے خوشی ہوتی ہے اور گناہوں سے رنج ہوتا ہے (مگر یہ رنج اپنے سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو گناہ ہونے پر مجبور تو نہیں کیا ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار سے گناہ کرتا ہے اور جس سے بلا ارادہ کسی کی زبردستی سے یا اپنی بھول چوک سے گناہ ہو جائے وہ معاف ہے کما فی الحدیث رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ) پس مومن (تکوینیات میں) ہمیشہ قضا و قدر کے سامنے گردن جھکائے جو کچھ بھی پیش آئے اس پر راضی رہتا ہے اور جس حالت میں اللہ تعالیٰ ٹھہرا دیں اس کے سوا کا طالب نہیں ہوتا نہ اسکو بدلنا چاہتا ہے یہانتک کہ حق تعالیٰ خود ہی اسکو بدلدیں۔ ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ تم نے یہ درجہ کیسے پایا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مقام پر پہونچا دیا میں نے اس سے منتقل ہونا پسند نکیا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے اس سے (آگے) منتقل کر دیا، اسی حقیقت پر نظر کر کے کامیاب ہونے والے کامیاب ہو گئے اور نفع حاصل کرنے والے سود مند ہو گئے۔ پھر (یہ بھی ضروری ہے کہ) ہمیشہ اپنی حالت کا تفقد رکھے (اس پر نظر کرتا رہے کہ) اگر کسی معصیت یا بدعت میں اسکو مبتلا کر دیا گیا ہو تو اس سے راضی نہو کیونکہ مومن کی علامت یہ ہے کہ اسکو گناہ یا بدعت سے خوشی نہو اسوقت اسکو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا چاہیئے اور اس راستہ سے ہٹنا چاہیئے جس پر چل رہا ہے اور پوری کوشش کیساتھ اس سے خلاصی پانے کی تدبیر کرے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کیلئے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ولا یرضی لعبادہ الکفر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے کفر کو پسند نہیں کرتے (اور ہر معصیت و مخالفت کفر ہی کی شاخ ہے اسکو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے) اور جس چیز کو آقا اپنے بندہ کیلئے پسند نہیں کرتا بندہ بھی اسکو اپنے لئے پسند نہیں کرسکتا" **قولہ** وفی ھذا دلیل علی ان المرأ مامور بعمل الاسباب الی قولہ فلا یرضاہ العبد لنفسہ"

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں وہ اعتقاد تقدیر کی وجہ سے تدبیر سے کام نہیں لیتے ان کو معلوم ہونا چاہیئے "کہ اسلام نے اعتقاد تقدیر کیساتھ تدبیر کا بھی حکم دیا ہے اب جو لوگ تدبیر کو چھوڑتے ہیں اپنی جہالت کیوجہ سے چھوڑتے ہیں اسلام کی یہ تعلیم نہیں مسئلہ تقدیر پر سب سے زیادہ پختہ اعتقاد حضرات صحابہ کا تھا پھر کیا کسی نے ان کی برابر بلند ہمت کوئی قوم دیکھی ہے یا ان سے بڑھ کر مدبر اور منتظم کوئی جماعت بھی دیکھی گئی ہے؟ عقیدہ تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت تدبیر کارگر نہو اسباب بیکار ہو جائیں تو انسان پریشانی سے بدحواس نہو یہ سمجھکر تسلی کر لے کہ مقدر یہی تھا اسی طرح کامیابی کے بعد تکبر و غرور میں مبتلا نہو بلکہ اس کامیابی کو اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ سمجھے انسان کی حالت ہیں

Marfat.com

اعتدال یوں ہی پیدا ہو سکتا ہے"

ف یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کریں گے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیاری ہے جبری نہیں اور وعدہ کر لینے سے ان کی قدرت سلب نہیں ہو گئی اگر وہ کسی نیک کو عذاب کرنا چاہیں یا بد کو بخشنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے باز پرس کر سکے یہی شان قدرت ہے جسکے سامنے جملہ انبیاء و اولیاء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں گو اُن کو اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کو بلا وجہ عذاب نہ کریں گے لیکن کسی نے اُن کو مجبور بھی نہیں کیا نہ کر سکتا ہے یہی حقیقت ہے اس مسئلہ کی جسکو امکان کذب کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے یہ عنوان اچھا نہیں مگر معنون بالکل صحیح ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا مجبور اور پابند ہونا لازم آئے گا جو شان الوہیت کے منافی اور لا یسئل عما یفعل کے خلاف ہے، اسی شان بے نیازی نے اچھے اچھوں کے پتے پانی کر دیئے ہیں جس پر جسقدر عظمت شان منکشف ہوتی ہے اسیقدر لرزاں ترساں رہتا ہے ؎

مقرباں را بیش بود حیرانی "

(۲۲۸) بیان سے معلوم ہوا کہ عالم پر واجب ہے کہ سوال سے پہلے ہی تعلیم کر دے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اُن کے سوال سے پہلے ہی بتلا دیا کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے، لیکن اسکے معارض اعرابی کی مشہور حدیث ہے جسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکی طلب سے پہلے تعلیم نہیں دی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مخاطب کی حالت میں نظر کیجائے اگر یہ معلوم ہو کہ وہ بات نہ مانیگا یا اسوقت تو مان لیگا پھر چھوڑ دیگا یا بھول جائیگا تو اُسکی تعلیم لازم نہیں جب تک وہ خود سوال نہ کرے جیسا حضور نے اعرابی کیساتھ کیا اور اگر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے کہا جائیگا قبول کریگا اسکو سوال سے پہلے ہی تعلیم کر دی جائے جیسا اس حدیث میں مذکور ہے **قولہ** وفیہ دلیل علی ان العالم یجب علیہ ان یعلم قبل السوال الی قولہ کما فعل النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی ھذا الحدیث" سوال سے پہلے تعلیم کا ضروری ہونا اور نہ ہونا

ف یہ تو صحیح ہے کہ تعلیم کا قبل از سوال واجب ہونا یا نہ ہونا مخاطب کی حالت اور موقعہ و مقام پر موقوف ہے، مگر یہ دعویٰ مشکل ہے کہ حضور نے اعرابی کو قبل از سوال اسلئے تعلیم نہیں دی کہ اُس کے قبول نہ کرنے یا چھوڑ دینے کا اندیشہ تھا کیونکہ اعرابی صحابی تھا اور صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ حضور کی بات کو قبول نہ کریں یا سُنکر چھوڑ دیں فان الصحابۃ کلھم عدول" ظاہر یہ ہے کہ جب اُس نے نماز خود شروع کر دی تو تعلیم کا یہ وقت نہ تھا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو شخص بدون سوال کے عمل شروع کرتا ہے وہ اُسکا طریقہ جانتا ہے مگر حضور اُسکی نماز کو دیکھتے رہے جب اُس نے بدون تعدیل ارکان کے نماز پڑھی حضور نے

Marfat.com

اس کا انتظار کیا۔۔۔۔۔۔۔ کہ نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں آسے تو تعلیم کیجائے تاکہ سبکو معلوم ہو جائے کہ بدون تعدیل ارکان کے نماز ناقص ہوتی ہے چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور سلام کیا تو آپنے فرمایا ارجع فصل فانک لم تصل واپس جاؤ نماز پھر پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، حضور نے، اس مختصر اشارہ پر اکتفا کیا تاکہ وہ خود سمجھے کہ میں نے کیا غلطی کی جب دو تین دفعہ نماز کا اعادہ کرکے بھی وہ اپنی غلطی کو نہ سمجھا تو اس نے دریافت کیا کہ مجھے بتلایا جائے اسوقت آپنے تفصیل سے بتلایا کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہئے اس واقعہ میں اجمالی تعلیم تو اس کے سوال سے پہلے ہی کردیگئی تھی تفصیلی تعلیم طلب کے بعد ہوئی کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل زیادہ مؤثر ہوتی ہے تعلیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اولاً اجمالی تعلیم ہو پھر تفصیلی تاکہ اجمال سے مخاطب خود سمجھنے کی کوشش کرے"

چونکہ نماز ایسا عمل ہے جو رات دن میں پانچ دفعہ فرض ہے اس کے طریقہ سے ناواقف ہونا معمولی بات نہیں بہت سخت بات تھی اسلئے پہلی بار تفصیل کی حاجت نہیں سمجھی گئی بلکہ اجمال پر اکتفا کیا گیا کہ ایسے عمل کی کوتاہی کو ادنی اشارہ سے انسان سمجھ سکتا ہے جب تین دفعہ کے اشارہ سے بھی وہ نہ سمجھا اسوقت تفصیل کیساتھ تعلیم دیگئی اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں ذکر ہے جسکی ہم شرح کر رہے ہیں وہ نماز کی برابر کثیر الوقوع نہیں نہ ہر شخص کو اسکی حاجت اسلئے اسکو پہلی ہی بار تفصیل سے بیان کردیا گیا، ھذا ما عندی والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

(۲۲۹) یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے تمام افعال میں نظر کرکے اس عمل کی طرف سبقت کرنا چاہئے جسکو قرب میں زیادہ دخل ہو ادنی کو چھوڑ دینا چاہئے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (جوانوں کو) اول نکاح کا حکم دیا ہے جو ثواب و قرب میں روزہ سے بڑھا ہوا ہے، پہلے روزہ کا حکم نہیں دیا جب تک بیوی کے نان ونفقہ کی طاقت مفقود نہو کیونکہ نکاح میں بڑا ثواب ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تناکحوا تناسلوا باھی بکم الامم یوم القیمۃ نکاح کرو نسل کو بڑھاؤ میں قیامت کے دن تمہاری (کثرت) سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا (کہ میری امت سب سے زیادہ ہے) اگر نکاح اس نیت سے ہو (کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت بڑھے گی اور آپ خوش ہوں گے) تو اسکی فضیلت میں کیا شبہ ہے؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت نہیں کہ عورتوں سے الگ رہا جائے، اگر عورتوں سے الگ رہنے (اور نکاح نہ کرنے) میں فضیلت ہوتی تو شریعت اسلام میں اس کا ضرور حکم ہوتا کیونکہ جملہ ادیان سماویہ میں اسلام ہی سب سے بہتر دین ہے (جب اسلام میں رہبانیت نہیں تو معلوم ہوا کہ نکاح ہی افضل ہے) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں

Marfat.com

حالانکہ مجھے اُن کی حاجت نہیں اور اُن سے ہمبستر بھی ہوتا ہوں حالانکہ مجھے اُن کی شہوت نہیں لوگوں نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا محض اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی بچہ پیدا کر دیں جس سے قیامت کے دن محمد صلے اللہ علیہ وسلم دوسری امتوں پر فخر کریں (اور جب اس نیت سے ہمبستری کیجائیگی تو وہ شہوت بھی پیدا ہو جائے گی جس پر ہمبستری موقوف ہے مگر وہ شہوت حیوانی نہوگی بلکہ انسانی اور روحانی ہوگی) بہر حال چونکہ نکاح کو دوسرے اعمال (مستحبہ) پر فضیلت ہے اسلئے حضور نے اسکو پہلے بیان کیا اور روزہ پر مقدم فرمایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان اُسی عمل کا مکلف ہے جس پر اُسے قدرت ہو اور تعمیل کر سکے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو جو نکاح پر قادر نہوں روزہ کا حکم دیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کی تدبیر کرے اور جس طرح بھی ہو اُسکی کوشش کرے کیونکہ نکاح افضل ہے بلکہ آپنے اس صورت میں صرف روزہ کا حکم دیا ہے **قولہ** وفیہ دلیل علیٰ ان المرأ اموران بنظر فی کل فعالہ ما ھو اقرب الی ربہ الی قولہ و الی امرہ بالصوم۔

ف ایک عالم نے خوب فرمایا کہ ہمارے اعمال صالحہ میں کوئی عمل ایسا نہیں جس پر دل کو یہ اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس سے خوش ہوں گے کیونکہ ہر عمل میں اخلاص کے کم ہونے یا نہونے کا شبہ اور نفس کی آمیزش کا احتمال رہتا ہے، بس نکاح ہی ایک ایسا عمل ہے جسکے بعد اولاد نصیب ہو جائے تو دل کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے، اسی لئے محققین صوفیہ کو نکاح کا ہمیشہ اہتمام رہا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ مسلمانوں کا سلسلہ پیدائش زیادہ ہو اور اولاد مسلمان اور سچی مسلمان ہو اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان خود بھی نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کریں اور اپنی اولاد کو بھی پابند بنائیں۔

ف بیوی سے ہمبستری میں یہ نیت تو بڑے درجہ کے لوگوں کا حصہ ہے اگر یہ نیت نہو بلکہ قضاء شہوت ہی کی نیت ہو پھر بھی معرفت کو ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے عجز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اپنے عجز کے مشاہدہ سے ہی معرفت بڑھتی ہے (قالہ سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ)۔

ف فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو بدون نکاح کے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس پر نکاح واجب ہے جبکہ نان و نفقہ کی قدرت ہو اور جسکو یہ اندیشہ نہو اُس کے بارہ میں اختلاف ہے کہ اُسکو نوافل میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا افضل ہے حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے گو اُس کیوجہ سے نوافل طاعات میں کمی ہو جائے اور شافعیہ کے نزدیک نوافل طاعات میں مشغول ہونا نکاح سے افضل ہے مگر یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جیسا حضرت شارح کی تقریر سے ظاہر ہے۔

Marfat.com

(۲۳۰) یہاں سے معلوم ہوا کہ اعمال (مستحبہ) کی فضیلت (نفس) عمل پر نظر کر کے نہیں بلکہ عامل کی جہت سے ہوتی ہے دیکھو جسکو نکاح کی قدرت نہو اُسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا امر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اُسی عمل کا امر فرماتے ہیں جو اُسکے حق میں زیادہ موجب قرب ہو اور اس شخص کے حق میں روزہ کا افضل ہونا بالکل ظاہر ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ جب وہ افلاس کی وجہ سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو روزہ اُسکے مقصود میں معین ہو گا روزہ میں کچھ خرچ بھی نہیں اور بادہ شہوت اس سے کم ہو جاتا ہے اب وہ سکون خاطر کے ساتھ وساوس (شہوانیہ) سے نجات پاکر دل سے آخرت کے کاموں میں مشغول ہو گا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا اور یہی مطلوب ہے، اور اگر اُسکو اس حالت میں) نکاح کا حکم کیا جاتا تو پریشانی میں پڑجاتا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہو سکتا کیونکہ وہ کمانے اور روپیہ جمع کرنے میں مشغول ہو گا حالانکہ مفلس ہے اور افلاس کی حالت میں روپیہ جمع کرنے کی تدبیر کرنا آسان کام نہیں تو وساوس کی کثرت ہو گی اُس کا دل دنیا ہی کے بکھیڑوں میں الجھ جائیگا اور آخرت کی تدبیر سے کورا ہو جائیگا، غرض شارع علیہ السلام نے جن اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں افضل اور مفضول کو اُسوقت دیکھا جائیگا جب دونوں پر قدرت ہو اور اگر کسی عمل پر قدرت نہو تو جس پر جسکو قدرت ہے اُسکے حق میں وہی افضل ہو گا چنانچہ جو شخص نکاح پر قادر نہو اسکے لئے روزہ افضل ہے اور جو نکاح پر قادر ہو (روزہ پر قادر نہو) اُسکے لئے نکاح افضل ہے (اور جو دونوں پر قادر ہو اسکے حق میں نکاح افضل ہے) اسی طرح تمام افعال میں غور کرنا چاہئے خواہ دنیوی اعمال ہوں یا اخروی، اور اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو تمام اعمال (مباحہ) میں کوئی عمل بھی دنیوی نظر نہ آئیگا اگر اُس میں نیت اچھی ہو بیش برین نیست کہ وہ خالص دنیا کمانے کا شغل ہو گا تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ شخص صاحب عیال ہے یا مجرد، اگر مجرد ہے اور نیت یہ ہے کہ شغل معاش سے اللہ تعالےٰ کی طاعت میں مدد لیگا تو اسمیں بھی بڑا ثواب ملیگا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من بات تعبانا من طلب الحلال بات مغفورا لہ جو شخص حلال روزی کمانے کی وجہ سے رات کو تھکا ماندہ رہے وہ بخشا بخشایا رات گذارے گا، اب سوچو کہ شب قدر کا انتظار سال بھر مغفرت ہی کی امید پر تو کیا جاتا ہے اور وہ اس شخص کو طلب حلال کے شغل سے حاصل ہو جاتی ہے تو یقیناً یہ عمل آخرت کا ہوا (دنیا کا کام نہوا کیونکہ جس عمل سے مغفرت حاصل ہو وہ آخرت ہی کا کام ہے) اور اگر صاحب عیال ہے تو اسکو تو مجرد آدمی سے بھی زیادہ بھلائی (اور ثواب) ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ بال بچوں کیلئے مشقت برداشت کیجائے (طبرانی اور ابو نعیم نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے ان من الذنوب ذنوبا لا یکفرھا الصلاۃ

Marfat.com

ولا الصوم ولا الحج ویکفرھا الھم فی طلب المعیشۃ، گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جنکا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے ان کا کفارہ طلب معاش کی فکر سے ہوتا ہے) بشرطیکہ طلب معاش شریعت کے موافق (جائز طریقہ سے) ہو، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں کہ بعضے گناہ ایسے بھی ہیں جن کا کفارہ نہ وقوف عرفہ سے ہوتا ہے نہ قیام لیلۃ القدر سے نہ کسی اور عمل سے (بجز فکر معاش کے) کیونکہ آپ نے نفی اور استثناء کے ساتھ کلام فرمایا ہے (جو حصر کیلئے ہی) جس سے بجز مستثنٰے کے اور سب کی نفی ہو رہی ہے (یہ گفتگو ان الفاظ کی بنا پر ہے جو حضرت شارح نے روایت کئے ہیں، مگر طبرانی اور ابو نعیم کے الفاظ میں تو صاف تصریح ہے کہ ان کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے) ثواب (مومن کے) سب کام آخرت ہی کیلئے ہو گئے دنیا کیلئے نہ رہے جبکہ ان شروط کی رعایت کیجائے جن کا اوپر ذکر ہوا (کہ اعمال دنیویہ شریعت کے موافق ہوں اور ان میں نیت صحیح ہو کہ دنیا کا کام اسلئے کیا جائے کہ اس سے دین میں مدد ملتی ہے) اس حقیقت پر نظر کر کے اور نیت کو درست کر کے ہی صوفیہ کرام بزرگی کے درجہ کو پہونچ گئے اور (دوسروں سے) ممتاز ہو گئے، بلند درجات اور فضیلت میں سبقت لیگئے، اگرچہ (ظاہر میں) وہ اور دوسرے لوگ اعمال میں برابر نظر آتے ہیں مگر ان کی ہر حرکت اللہ کیلئے اور اللہ کے حکم کے) ساتھ ہوتی ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ جو بات بھی زبان سے نکالتے ہیں قرب الٰہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جنپر ہم نے اشارہ کیا ہے، ان کے واقعات اس پر شاہد ہیں چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شدت قحط کی وجہ سے لوگوں کو استسقاء کی ضرورت ہوئی تو ان کے پاس ایک دوست کا پیغام آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر خاص وسیلہ سے دعا کریں شاید مخلوق پر رحمت ہو جائے پیغام لانے والے نے دیکھا کہ یہ حضرت اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول ہیں رات کو گھر آتے ہیں اور دن کو کاروبار میں لگ جاتے ہیں اس کو تعجب ہوا کہ جو شخص دنیوی کاروبار میں مشغول ہے وہ اس لائق کہاں کہ اس سے بارش کیلئے دعا کرائی جائے۔ یہ شخص تین دن ان کے پاس رہا پھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو پیغام کا جواب لینا چاہا فرمایا میرے دوست سے کہدینا کہ اگر تمکو یہ معلوم ہو کہ میرا کوئی سانس بھی اللہ (کی یاد) کے بغیر نکلتا ہے تو میں اسی وقت اپنے کو جان سے مار ڈالوں گا،

اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ یہ تھا مگر عام لوگ ان کی حالت دیکھکر یہ گمان کرتے تھے کہ بس دنیا میں منہمک ہیں، حالانکہ وہ دنیا سے الگ تھے دل دنیا کے خیالات سے فارغ تھا، ان کا جسم مخلوق کے ساتھ تھا اور روح و قلب اللہ کی ساتھ، اور اسکی تمامتر بنیاد وہی نیت تھی اور نیت کی درستی اور نیت پر جما رہنا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اور دوسرے لوگ ثواب وغیرہ میں برابر ہی ہوتے (مگر تصحیح نیت نے دونوں میں

Marfat.com

زمین آسمان کا فرق کر دیا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات وانما بکل امرء مانوی یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اسکی نیت ہوتی ہے اس حقیقت کی وجہ سے یہ حضرات حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق بن گئے وتری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر مر السحاب صنع اللہ الذی اتقن کل شیئ اور تم (قیامت میں) پہاڑوں کو دیکھکر یہ گمان کروگے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہوں گے، یہ کام ہے اُس خدا کا جس نے ہر چیز کو اچھی طرح بنایا ہے،، اسی طرح عامی شخص ان بزرگوں کو دنیوی کاروبار میں مشغول یا اس سے محبت کی باتیں کرتے ہوئے اور اندرونی و بیرونی معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھکر یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمہ تن اسکے ساتھ ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں بلکہ صرف اُن کا جسم اسکی ساتھ ہے اور قلب و روح ملکوت کی سیر میں مشغول ہیں، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور دل لگی کرتے ہوئے بہت مقامات طے کر لیتے ہیں جو اللہ نے اُن کے واسطے مقرر فرمائے ہیں۔ مگر یہ بات اہل ہمت اور اصحاب تمکین کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے حالات میں پختہ ہو چکے ہیں جس نے اُن کی عقل و فہم کے پردے اٹھا دیئے ہیں اب وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان سے کہنا چاہتے ہیں پھر اسکی تعمیل پر سبقت کرتے ہیں یہی ہیں جنکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث (باطنی) سے پورا حصہ ملا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (کی یہی شان تھی چنانچہ آپ) کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مازاغ البصر وما طغےٰ آپ کی نگاہ نہ (مقصد سے) مائل ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی، اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تنام عینای ولا ینام قلبی (نیند کی وجہ سے) میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نیند میں بھی غافل نہ ہوتے تھے، اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرماتے جن پر مطلع فرمایا ہے (یعنی ملکوت و جنت وغیرہ) تو آپ کو یہ چیزیں (اللہ تعالیٰ سے) غافل نہ کرنے پاتیں نہ آداب عبودیت (و بندگی) سے ہٹا سکتیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیبیوں بچوں سے مزاح بھی فرماتے اُن کا دل بہلاتے دلجوئی فرماتے اُن کی ساتھ ملکر اُن کے کاموں میں حصہ بھی لیتے تھے مگر آپ کا باطن سیر ملکوت میں مشغول ہوتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ پہونچانا چاہتے، ان بزرگوں نے جن کا ذکر ابھی ہوا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حالت سے پورا حصہ لیا تھا مگر حضور کے مقام خاص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی (بس اتباع کی برکت سے اس مقام کی تجلی اور فیض کا ورود اُن پر ہوتا ہے) چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مراقبہ میں ان کی روح مقام قاب قوسین تک پہونچ گئی تو ایک آواز سنائی دی کہ اس مقام پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو پہونچایا گیا تھا جہاں تمہاری روح کو پہونچایا گیا ہے اور زبان حال پکار رہی تھی

Marfat.com

کہ تابع اور متبوع میں وہی فرق ہے جو اتباع کی وجہ سے تابع اور متبوع میں ہوا کرتا ہے (کہ تابع تو صرف روح وقلب کے ذریعہ اس مقام کی سیر کرسکتا ہے وہاں قرار نہیں پاسکتا اور سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے اس مقام پر پہونچے اور آپ کو رسوخ وثبات حاصل ہوا) اسی کے مشابہ یہ واقعہ ہو کہ ایک دفعہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ مسجد میں سو رہے تھے اور اُن کا ایک مرید کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا ایک بزرگ نے جو وہاں موجود تھے دو شیطانوں کو مسجد سے باہر دیکھا کہ ایک دوسرے سے کہرہا ہے مسجد میں چلو تاکہ اس نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالیں دوسرے نے کہا مجھے اس سونے والے کا سانس جلائے ڈالتا ہے، دیکھو اُس نے اس نمازی کی پروا نہیں کی بلکہ حضرت ابراہیم کے سانس کے خوف سے مسجد میں نہ آسکا کہ وہ اسکو پھونکدیگا۔ اس کا سبب اس کے سوا کیا تھا کہ یہ حضرات ہر حالت اور ہر وقت میں حضور الٰہی سے کامیاب ہوتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے واسطہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمکو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم نہ فرمائیں اور جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہو ہمیں بھی عطا فرمائیں آمین وفی هٰذا دلیل علی ان الفضیلۃ فی الاعمال لا تنظر من جهتها الا من جهۃ عاملها الی قوله وان هین علینا بما من به علیهم،

ف یہ تحقیق آب زر سے لکھنے کے قابل ہو کہ کسی عمل کو افضل یا مفضول اُسوقت کہا جائیگا جب دونوں پر قدرت ہو ورنہ جس پر قدرت ہو وہی افضل ہو۔ بہت لوگ اہل سلوک میں سے اس کو نہیں جانتے اور پریشان ہوتے ہیں یا بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں مثلاً اپنے کو شیخ کی طرح متوکل بہ ترک اسباب بنانا چاہتے ہیں اور یہ اُن کی قدرت سے باہر ہے تو پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے ہمیں باطنی دولت نصیب ہوئی وہ اسی کو باطنی دولت سمجھتے ہیں کہ ترک اسباب کرکے بیٹھ جائے، یا شیخ کے صحاب میں جسکو تارک اسباب نہیں دیکھتے اس سے بدگمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ تصحیح نیت کیساتھ اعمال دنیویہ مباحہ بھی دین ہو جاتے ہیں جسکو وہ دنیا میں مشغول دیکھتے ہیں کیا عجب ہے اُس نے نیت کو درست کرکے ان اعمال دنیویہ کو دین بنالیا ہو اور اس کا تجربہ پاس رہ کر ہی ہو سکتا ہے دور رہ کر نہیں ہو سکتا پس جب تک پاس رہ کر کسی کا طالب دنیا ہونا محقق نہو بدگمانی جائز نہیں۔

ف یہ حدیث اہل حرفہ واہل اسباب کیلئے بڑی بشارت ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جنکا کفارہ نہ نماز سے ہو سکتا ہے نہ حج سے نہ روزہ سے اُن کا کفارہ طلب معاش کی فکر ہی سے ہوتا ہے، بشرطیکہ حرفہ اور شغل معاش شریعت کے موافق جائز ہو۔

ف ہر حالت اور ہر زمانہ میں حضور حق سے کامیاب ہونے کا طریقہ کثرت ذکر قلبی و شغل پاس انفاس ہے اس شغل میں رسوخ کے بعد سوتے ہوئے بھی سانس سے ذکر ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ اس کا شیخ متبع سنت اور خود بھی

Marfat.com

پابندِ ذکر ہو۔ ورنہ محض مشق ہی مشق ہوگی ذکرِ حقیقی حاصل نہ ہوگا
(۲۳۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ نظر (بد) کا سبب قوتِ شہوتِ جماع ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ نگاہ کو پست کرنے والا ہے (اور ظاہر ہے کہ نکاح سے قوت شہوت بھی معتدل ہوجاتی ہے اسی سے نگاہ پست ہوجاتی ہے) اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وزنا العین النظر والفرج یصدق ذلک او یکذبہ آنکھ کا زنا نظر (بد) ہے اور شرمگاہ اسکی تصدیق کردیتی ہے یا تکذیب (یعنی اگر نظر کا منشا فرج ہے تو وہ زنا میں شمار ہے ورنہ نہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مقدمات زنا کے ہیں اگر اسکے بعد فرج سے زنا ہوگیا تو یہ مقدمات واقعی زنا کے مقدمات تھے (اور اگر فرج سے زنا نہ ہوا بلکہ خوف خدا سے بچ گیا تو یہ مقدمات بھی معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ مانع صرف خوف خدا ہو کوئی حسی مانع نہو) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگاہ کا پست کرنا آیت قرآنی سے مامور ہے تو جو شخص اسکی حفاظت پر قادر نہوا سکو وہ اسباب اختیار کرنا چاہئیں جنسے یہ قدرت حاصل ہوجائے، اس جگہ ایک سوال ہے وہ یہ کہ نگاہ کی حفاظت ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے (نکاح یا روزہ) اسکے سوا اور کوئی طریقہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اور طریقوں سے بھی ہوسکتی ہے مگر یہ دلو اعلیٰ درجہ کے ذریعہ ہیں مثلاً کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو کسی کو بھی نہ دیکھ سکے گا یا شدت خوف کا غلبہ ہو یا سخت تکلیف نفس کو دیجائے تو اس سے بھی نگاہ کی حفاظت ہوجاتی ہے امام سفیان ثوری رحمہ سے منقول ہے کہ جب اُن کے دل میں غیر حق کا خطرہ آتا وہ اپنے آپ کو ایک لکڑی سے مارتے تھے بعض دفعہ ایک دن میں کئی کئی لکڑیاں اپنے اوپر توڑ ڈالتے تھے، اسکے سوا اور بھی طریقے ہوسکتے ہیں مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے طریقے ہمکو بتلا دیئے جو سب سے اعلیٰ اور آسان ہیں تو حدیث میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ ہے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں) ہمنے اس بات پر اسلئے تنبیہ کردی کہ شاید کوئی شخص ان دو طریقوں سے عاجز ہو یا دونوں پر عمل کرکے بھی اسکو حفاظت نگاہ میں کامیابی نہو تو وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے حدیث پر عمل کرلیا (پھر بھی نگاہ محفوظ نہیں ہوئی تو) میرے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں اب وہ اپنے نفس کو آزاد چھوڑ دے (اور یہ تاویل کرے کہ نگاہ کی حفاظت میری قدرت سے باہر ہے میں اس کا مکلف نہیں رہا) یہ ہرگز جائز نہیں (اگر کسی کو ان دو طریقوں سے کامیابی نہو یا ان دونوں پر عمل نہ کرسکے کہ نہ نکاح پر قدرت ہو نہ روزہ کی طاقت ہو تو وہ اور طریقوں سے نفس کا علاج کرے اسکو مہمل اور آزاد نہ چھوڑے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکم الٰہی کے بجالانے کا سامان کرنا چاہیے وہ اس کا مامور ہے (اور مثال کے طور پر دو طریقے بتلا دیئے یہ مطلب نہیں کہ جو ان دونوں پر قادر نہو یا ان سے کامیابی نہو تو وہ حکم الٰہی کا مکلف نہیں رہا) **قولہ** وفیہ دلیل علی ان الموجب للنظر ھی قوۃ

Marfat.com

شہوۃ الجماع الی قولہ وانما ھذا منہ صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ علی التسبب فی توفیۃ ما امر بہا العبد"۔

ف سبحان اللہ! بڑی قیمتی تحقیق ہے ورنہ اہل ظاہر تو عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حفاظت نگاہ ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے اگر ان سے کامیابی نہ ہو تو انسان معذور ہے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے بعض دفعہ یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ ہر نگاہ بد کے بعد نفس کو مالی یا بدنی سزا دیجائے اور نفس سے کہدیا جائے کہ جب نظر بد کا ارتکاب کریگا یہی سزا دیجائیگی۔ بدنی سزا تو یہ ہے کہ ہر نظر بد کے بعد بیس رکعت نفل پڑھی جائیں اور مالی سزا یہ ہے کہ آٹھ آنہ یا ایک روپیہ یا جتنی مقدار سے نفس پر گرانی ہو صدقہ کر دیا جائے جب ہر نگاہ بد پر نفس کو یہ سزا دیجائے گی چند روز میں درست ہو جائیگا۔

(۲۳۲) روزہ اور نکاح اس مرض کا علاج بھی ہے اور فی نفسہ طاعت بھی ہے تو جس شخص کو اس پر قدرت ہو کہ طاعت کے ذریعہ علاج کر سکے یہ سب سے اچھا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے داووا مرضاکم بالصدقۃ وادفعوا البلاء بالصدقۃ اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو بلا کو صدقہ سے ٹالو۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حفاظت کا حکم ان ہی دو اعضا کے ساتھ خاص نہیں (نگاہ اور شرمگاہ) بلکہ تمام اعضا کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو پر اسلیئے تنبیہ فرمادی ہے کہ جس کے یہ دو عضو محفوظ اور مستقیم ہو جاتے ہیں تو غالب یہ ہے کہ بقیہ اعضا بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور جسکے یہ دو عضو محفوظ نہوں اسکے بقیہ اعضا کا محفوظ ہونا ممکن نہیں" **قولہ** وفیہ فائدۃ اخرے انہ دواء وھو فی نفسہ قربۃ الی قولہ فلا یمکن استقامۃ باقی الجوارح"۔

۸۸۔ حدیث توقیت السحور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ نماز کیلئے کھڑے ہو گئے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا (وقفہ) تھا فرمایا بقدر پچاس آیت (پڑھنے) کے (یعنی تقریباً چار منٹ)

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ سحری آخر وقت میں کھانا سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سحری کھانا اور فجر کے طلوع ہونے میں بقدر پچاس آیت پڑھنے کے وقفہ ہوا جسکی مقدار چار یا پانچ منٹ سے زیادہ نہیں تو ثابت ہوا کہ حضور نے بالکل صبح کے قریب سحری کھائی تھی) حضور کے اس فعل میں حکمت یہ تھی کہ

Marfat.com

آپ ہمیشہ امت پر آسانی کرنا چاہتے تھے چنانچہ خود سحری کھانا بھی امت پر لطف ہی تھا اگر آپ سحری نہ کھاتے تو اہل فضل آپ کی اتباع میں کبھی سحری نہ کھاتے اور بعض کو اس سے مشقت لاحق ہوتی کیونکہ ہر شخص بدون سحری کے روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا، پھر حضور کا صبح کے قریب سحری کھانا یہ مزید لطف ہے کیونکہ رات کے درمیان میں سحری کھانے سے امت کو ایک دوسری پریشانی ہوتی وہ یہ کہ عادۃً کھانے کے بعد نیند کا غلبہ ہوتا ہے ہر شخص کو کھانے کے بعد بیدار رہنا آسان نہیں اور کھانا کھاتے ہی سو رہنا بدن کیلئے مضر ہے، کیونکہ اس سے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں جس سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اور اگر رات کے درمیان سحری کھا کر صبح تک بیدار رہے تو بڑا مجاہدہ کرنا پڑے گا کیونکہ کھانے پینے کے بعد نیند کا تقاضا ہوتا ہے اب اگر یہ صبح تک بیدار رہا تو عبادت کے وقت یعنی صبح کی نماز میں نیند کا غلبہ ہوگا (جس سے نماز میں حضور قلب نہ ہو سکے گا) اور زیادہ تو یہ ہوگا کہ رات کے بیچ میں سحری کھانے والے پر نیند ہی غالب ہوگی اور یہ صبح کی نماز سے رہ جائیگا کہ (یا تو) جماعت فوت ہوگی اور تنہا وقت مستحب کے بعد نماز پڑھے گا (یا آفتاب طلوع ہونے کے بعد نماز قضا پڑھے گا) اور اگر آدھی رات کے بعد جاگتا رہا تو نماز صبح میں حضور قلب حاصل نہ ہوگا ان وجوہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سحری کو صبح کے قریب تک مؤخر فرمایا کہ اسوقت سحری کھانے سے نماز صبح فوت نہ ہوگی،، کیونکہ اب سحری اور نماز میں اتنا ہی وقفہ ہوگا کہ آدمی نماز کیلئے تیاری کر لے اس صورت میں صبح کی نماز حضور قلب سے ادا ہوگی کیونکہ کھانے کے بعد نیند کا غلبہ فوراً نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوتا ہے جبکہ بخارات معدہ سے دماغ کی طرف چڑھنے لگیں اور اب اتنا وقفہ نہ ہوگا (دوسرے کھانے کے بعد بخارات کا صعود چلنے پھرنے سے موقوف ہو جاتا ہے تو جب سحری کے بعد فوراً استنجا اور وضو اور مسجد میں جانے کیلئے چلنا پھرنا ہوگا دماغ بخارات سے محفوظ رہے گا) پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد دن نکل آئیگا تو انسان اپنی ضروریات اور وظائف وغیرہ میں لگ کر نیند سے بچا رہے گا جس سے عمر بڑھتی ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وھوالذی یتوفاکم باللیل وہی ہے جو تمکو رات میں وفات دیتا ہے اس میں نیند کو وفات کہا گیا ہے تو نیند کا کم ہونا عمر میں زیادتی کا سبب ہے، (بشرطیکہ مقدار صحت سے کم نہ ہو) اور عاقل آدمی عمر کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے چاہے ایک سانس ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تاجر کو اسوقت تک لوگ تاجر نہیں کہتے جب تک وہ راس المال کی حفاظت نہ کرے اور تجارت کے طریقہ سے واقف نہ ہو اور حقیقی تاجر مؤمن ہی ہے کیونکہ وہ باقی رہنے والے فائدہ کیلئے تجارت کرتا ہے اور دنیا کے تاجر فنا ہونے والے نفع کیلئے تجارت کرتے ہیں اور مؤمن کا راس المال عمر ہے تو اسکو حفاظت عمر کی بہت ضرورت ہے کہ اسی طرح وہ زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے تو مؤمن زیادہ سونے اور غفلت کا شکار ہونے سے بہت بچتا ہے اور جب اس سے بچے گا تو اعمال صالحہ بجا لائے

Marfat.com

کی طرف سبقت کریگا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ یہی لوگ اصلی تاجر ہیں فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم (تؤمنون باللّٰہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللّٰہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنات تجری من تحتھا الانھار ومساکن طیبۃ فی جنات عدن ذلک الفوز العظیم)

اے ایمان والو! کیا میں تمکو ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ (سنو!) وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ (تجارت) تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اگر تم سمجھو (کیونکہ اس سے) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور اچھے گھروں گے ہمیشہ رہنے والے باغوں میں یہی بڑی کامیابی)۔

اور یقیناً جو شخص جنت سے کامیاب ہوگیا جہنم سے نجات پاگیا اور عزیز غفار کی طرف سے اسکو مغفرت حاصل ہوگئی وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! جو میرے ساتھ تجارت کرے وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے، تو جو شخص اپنی بیداری میں غفلتوں سے احتراز نکرے وہ سونے والے کی برابر ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت۔

جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے۔

تو آپ نے غافل کو مردہ سے تشبیہ دی ہے اگرچہ وہ بیدار ہی ہو کیونکہ اس کا وقت اللہ کی عبادت سے خالی جارہا ہے راس المال برباد ہورہا ہے اور اسکو پتہ بھی نہیں یہانتک کہ جب عمر ختم ہوجائے گی اسوقت چونکے گا اور کہے گا ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا مجھے دنیا میں واپس کردو تاکہ میں کچھ نیک کام کرلوں۔ تو جواب دیا جائیگا ہرگز نہیں، اور جو شخص رات کے پہلے حصہ میں ضرورت کی وجہ سے سوتا ہی جس سے انسان کو چارہ نہیں اسکی نیند عبادت ہوا اور سراسر خیر ہے، اس کا سونا اور نماز پڑھنا اور ذکر کرنا ثواب میں ایک ہی درجہ پر ہے جس پر حضرت معاذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلیل ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم دینے اور احکام اسلام کے موافق فیصلہ کرنے کیلئے (یمن کی طرف) بھیجا تھا دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہوگئے پھر ایک (دن کسی) مقام پر جمع ہوئے تو ایک نے دوسرے کا حال پوچھا ابو موسیٰ اشعری رضی نے فرمایا کہ میں تو (رات بھر) کھڑے بیٹھے اور ٹہلتے ہوئے اور لیٹ کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں بالکل نہیں سوتا۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں تو رات کے پہلے حصہ میں سوتا ہوں پچھلے حصہ میں اٹھتا ہوں اور سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا جاگنے اور نماز پڑھنے میں

Marfat.com

جب دونوں حضرات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ کے سامنے ہر اک نے اپنا اپنا طریقہ بیان کیا حضور نے ابو موسیٰ اشعری رضہ سے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ فقیہ ہیں یعنی حضرت معاذ رضہ، اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی کو زیادہ فقیہ اسی وقت فرما سکتے ہیں جبکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسند اور زیادہ موجب قرب ہو یہ تو اس نیند کا حکم ہے جو ضرورت بشریہ کی وجہ سے ہو جس سے چارہ نہیں اسلئے سوا جو نیند ہے وہ عمر کو نقصان پہونچانے والی ہے، اب سمجھ میں آگیا ہوگا اسوقت (یعنی صبح کے قریب) سحری کھانے میں بہت بڑی خوبی ہے دوسرے اسوقت سحری کھانے سے دن کو روزہ رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے کیونکہ صبح کے وقت معدہ غذا سے پر ہوگا، کھانے کا تقاضا دن کے آخری حصہ میں ہوگا جبکہ افطار کا وقت قریب ہوگا سو تھوڑی دیر کا انتظار آسان ہے دشوار نہیں یہ شخص دن بھر عبادات میں حضور قلب سے کامیاب ہوگا کھانے پینے کے وسوسے اور اشتہار اور تمنا سے محفوظ ہوگا، بخلاف اس کے جو سحری نہیں کھاتا یا رات کے درمیان میں کھاتا ہے وہ تو دن بھر مشقت اور مجاہدۂ نفس میں مشغول رہتا ہی کیونکہ صبح کو اس کا معدہ خالی ہوتا ہے اور بھوکے آدمی کو کھانے کی خواہش بار بار ستاتی ہے اور شیطان کو وسوسے ڈالنے کا بھی زیادہ موقعہ ملتا ہے اور بعض پر صفرا غالب ہو جاتا ہے تو بیہوشی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ صفراوی مزاج کو بھوک کا تحمل نہیں ہوتا تو اسکو رمضان میں روزہ افطار کرنے کی نوبت آجاتی ہے (غرض سحری کھانے سے روزہ میں مدد ملتی ہے اور وسوسے دور ہو جاتے ہیں) اور اسی حقیقت کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔

من رأى منكم امرأة تعجبه فليأت اهله فان الذى معها مثل الذى معها او كما قال۔

اگر کوئی کسی اجنبی عورت کو اچانک) دیکھ لے اور وہ اسکو پسند آجائے تو اسی وقت اپنی بیوی کے پاس پہونچ جائے (اور اس سے ہمبستری کرے) کیونکہ اسکے پاس بھی ویسی ہی چیز ہے جیسی اس کے پاس ہے

کیونکہ اجنبی عورت کو دیکھکر شہوت کو جوش ہوتا ہے جو اس کو دل میں گناہ کے وسوسے ڈالتی ہے اب اگر یہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے تو وہ جوش فرو ہو جائیگا اگرچہ وہ اجنبی عورت حسن و جمال میں اسکی بیوی سے زیادہ ہی ہو پھر بھی بیوی سے ہمبستری کے بعد نفس میں وہ ہیجان نہ رہے گا جو پہلے تھا اور تھوڑا سا جو رہے گا اسکو آسانی سے دفع کر سکے گا، اسی طرح صبح کے قریب سحری کھانے سے اسکو غذا کی زیادہ خواہش دن بھر نہ ہوگی اور تھوڑی سی ہوگی تو اسکو آسانی سے دفع کر سکے گا اور اگر سحری نہ کھائے گا تو وہ حال ہوگا جو اوپر بیان کیا گیا اور یہ بڑا نقصان ہے خصوصاً رمضان میں جسکی فضیلت معلوم ہے (اس ناقص حالت سے بچنا چاہیے) انسان کو رمضان میں سکون خاطر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

دل سے متوجہ ہونا چاہیئے مبادا اس کا ایک دن ضائع ہو جائے جسکی مانند دوسرا دن میسر نہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کے ساتھ سحری کھانا آپ کی تواضع پر دلیل ہے کیونکہ آپ کی جو شان رفیع ہے معلوم ہے مگر پھر بھی آپ تواضعاً صحابہ کی ساتھ کھانا کھاتے تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔

(**تنبیہ**) شرح حدیث کا مضمون عجیب تھا اسلئے پورا ترجمہ کر دیا گیا اگر غور کیا جائیگا تو اہمیں تصوف کے بہت سے مسائل پر تنبیہ معلوم ہوگی۔ میں نے حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کو اسی حدیث کے موافق عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت بالکل صبح کے قریب طلوع فجر سے چار پانچ منٹ پہلے سحری سے فارغ ہوتے تھے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سحری کھانے کے بعد فوراً نماز کیلئے کھڑے ہوگئے بظاہر اس سے صبح کی نماز مراد ہے تہجد مراد نہیں کیونکہ راوی حدیث بتلاتے ہیں کہ سحری سے فراغت اور صبح کی اذان میں چار پانچ منٹ کا وقفہ تھا اور یقیناً حضور کا تہجد اس سے بہت طویل ہوتا تھا خصوصاً رمضان میں تو آپ بہت زیادہ مجاہدہ فرماتے تھے، پس میرے نزدیک رمضان میں حنفیہ کو نماز فجر اس حدیث کے موافق غلس میں پڑھنی چاہیئے اسفار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ رمضان میں اسفار کرنے سے سحری کے بعد لوگ سو جائیں گے اور صبح کی نماز باجماعت فوت ہوگی، اور سحری آخر وقت میں کھانے سے سب نمازی صبح کی اذان کے وقت بیدار ہونگے تو اذان کے بعد جلدی نماز پڑھنے سے کسی کی نماز باجماعت فوت نہ ہوگی۔ میرے خیال میں احادیث غلس اور احادیث اسفار میں تطبیق کی بہترین صورت یہ ہے کہ احادیث غلس کو رمضان پر اور احادیث اسفار کو غیر رمضان پر محمول کیا جائے، کیونکہ غیر رمضان میں اسفار کے افضل ہونے کی جو علت بیان کیجاتی ہے کہ اس میں تکثیر جماعت ہے وہ علت رمضان میں اسفار پر صادق نہیں آتی بلکہ غلس پر صادق آتی ہے جیسا اوپر بتلا دیا گیا ہے"

(۲۴۴) حضرات صحابہ کا زمانہ کی مقدار کو پچاس آیتوں (کی تلاوت) سے اندازہ کرنا یہ بتلاتا ہے کہ ان حضرات کے اوقات عبادات ہی میں مستغرق تھے اگر (تلاوت قرآن اور) عبادت کے سوا کوئی اور عادت ان پر غالب ہوتی تو اسی سے زمانہ کا اندازہ بتلاتے مگر چونکہ ان کے اوقات انواع واقسام کی عبادات میں گھرے ہوئے تھے ان کے دلوں کو اسی سے لگاؤ تھا تو انہوں نے تلاوت قرآن سے وقت کی مقدار بتلائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات ہمیشہ عبادات ہی میں رہتے تھے اگر وہ کسی اور شغل میں بھی مشغول ہوتے تو دل عبادت ہی میں انکا ہوا رہتا تھا اس شغل سے نہیں، قاعدہ یہی ہے کہ جو شغل انسان پر غالب ہوتا ہے جس سے دل کا

Marfat.com

لگا ہوتا ہے زمانہ کی مقدار کا اُسی سے اندازہ کرتا ہے کہ یہی اُسکو آسان ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن نہیں پڑھتے اگر اُن کے سامنے زمانہ کا اندازہ قرارت قرآن سے بیان کیا جائے اُن کو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ اس سے کچھ بھی اندازہ نہ کر سکیں گے۔ ہر شخص سے اُسکی سمجھ کے موافق ہی گفتگو کیجاتی ہے تاکہ اُسکو فائدہ پہونچ سکے سب سے ایک طرح کا معاملہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ طریقہ غلط ہے مثلاً اگر ہمکو یہ معلوم ہو کہ مخاطب درزی کا کام کرتا ہے یا بڑھئی ہے تو اُس سے یہ کہا جائیگا کہ جتنی دیر میں تم فلاں کپڑا (کرتہ یا ٹوپی) سی لیتے ہو یا جتنی دیر میں تم اتنی مقدار لکڑی چیر لیتے ہو (اتنی دیر میں یہ واقعہ ہو گیا) یا اگر وہ کپڑا بننے والا ہے تو اُس سے کہا جائیگا کہ جتنی دیر میں تم اتنا کپڑا بُن لیتے ہو (اتنی دیر میں یہ کام ہوا) اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں لوگوں پر عبادت غالب تھی تو وہ کسی کام کے وقت کا اندازہ اسی سے بتلاتے تھے کہ اتنی آیت پڑھنے یا اتنی رکعتیں پڑھنے کی مقدار وقفہ ہوا) **قولہ** وتقدیرھم الزمان بخمسین آیۃ فیہ دلیل علی ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم کانت اوقاتھم مستغرقۃ فی التعبد الی قولہ تنبیہ کذا ان کان قراءۃ۔

ف بات تو ظاہر ہے مگر اس لفظ سے کہ حضور کی سحری اور اذان میں بقدر پچاس آیتوں کی تلاوت کے وقفہ تھا اس مسئلہ کی طرف ذہن کا منتقل ہونا صوفیہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے علماء ظاہر کو یہ استنباطات دشوار ہیں وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ع ۸۹ (حدیث من افطر یوما فی رمضان من غیر عذر)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں ایک دن بلا عذر اور بدون مرض کے روزہ نہ رکھے اُسکی قضا زمانہ بھر کے روزہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص رمضان میں عمداً بلا عذر کے افطار کرے اسکے گناہ کا کفارہ کچھ نہیں کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ اُسکی تلافی سارے زمانہ کے روزوں سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھدے، اور ظاہر ہے کہ عمر بھر کا روزہ تو بڑی قضا ہے اس سے بڑھ کر قضا کیا ہوگی جب یہ بھی اس ایک دن کی تلافی نہ کر سکا تو اور کفارے کیا فائدہ دینگے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر کھانے پینے سے اگر رمضان کا روزہ افطار کیا جائے جماع سے نہیں تو) اس پر کفارہ ہے یا نہیں۔ امام شافعی

Marfat.com

رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں، اور یہ حدیث اُن کے قول کی مؤید ہے، مگر وہ قضا کو واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث اُن کی اس بات کو رد کر رہی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں لم یقضہ صیام الدھر کہ ساری عمر کے روزے اُسکی قضا نہیں کر سکتے، پھر ایک دن کی قضا سے کیا ہوگا؟ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ (اور قضا) واجب ہے انھوں نے اس افطار کو جماع سے افطار پر قیاس کیا۔ اور اُس میں شارع علیہ السلام نے تصریحاً کفارہ کو واجب فرمایا ہے تو کھانے (پینے) میں بدرجۂ اولیٰ کفارہ ہونا چاہئے اور ظاہر یہ ہے واللہ اعلم کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کو نہیں پہنچی اگر پہنچی ہوتی تو ضرور اسی کو اپنا مذہب بناتے یا اس میں کچھ تاویل فرماتے جب ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پایا تو غالب گمان یہی ہے کہ اُن کو حدیث نہیں پہونچی بالخصوص امام مالکؒ کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ بہت سی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں اور عمل متواتر کی وجہ سے اُن پر عمل نہیں کرتے تو اس حدیث کا نقل کرنا اُن پر بہت زیادہ ضروری تھا کیونکہ یہ اُن کے مذہب کے معارض اور خلاف ہے (پس غالب یہی کہ حدیث اُن کو نہیں پہونچی) اور ظاہر قیاس یہ چاہتا ہے کہ رمضان میں عمداً بلا عذر افطار کرنے کا کفارہ نہ ہو جیسے یمین غموس کا (یعنی جھوٹی قسم کا جو زمانہ ماضی کے متعلق قصداً جان بوجھکر کھائی جائے) کفارہ نہیں ہے اور یہ حدیث اس قیاس کی مؤید ہے۔ مگر راوی کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن مسعود کا یہی قول ہے، بتلاتا ہے کہ اُن کے سوا بقیہ صحابہ کا یہ قول نہیں اگر کسی اور کا قول بھی حدیث کے موافق ہوتا تو راوی صرف اُن کا نام تنہا نہ لیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی سبکو معلوم تھی مگر اس کے ظاہر پر بجز ابن مسعود کے اور کسی نے عمل نہیں کیا اُن کو دوسری حدیث کی ترجیح واضح ہوگئی تھی (جسمیں جماع کیساتھ افطار کرنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے) تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ائمہ فقہا کو بھی پہونچی ہوگی مگر انھوں نے کسی مصلحت سے اسکو روایت نہیں کیا نہ اس پر کچھ کلام کیا یا تو اسلئے کہ یہ حدیث متروک العمل ہے (کہ صحابہ میں سے بجز ایک صحابی کے کسی نے بھی اس کے ظاہری مفہوم پر عمل نہیں کیا) یا اور کوئی وجہ ہو اور ممکن ہے اُن کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ صیام الدہر اس دن کی فضیلت کی قضا نہیں کر سکتا، زمانہ بھر کے روزہ سے اس دن کی فضیلت جو فوت ہوگئی ہے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ کفارہ (اور قضا) سے گناہ معاف ہو جائیگا مگر اس خسارہ کی تلافی نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام میں جو فضیلت رکھدی ہو بندہ اُسکی جگہ اس کے بدلہ میں کتنا ہی کام کرے گو اُس کا ثواب کتنا ہی زیادہ ہو وہ خاص فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی مثلاً کوئی شخص قربانی کے دن میں قربانی نہ کرے اور

Marfat.com

ہزار درہم یا ہزار دینار اسکے بدلہ میں صدقہ کرے تو اس سے کہا جائیگا کہ قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب تمکو
حاصل نہیں ہوا اگرچہ تم نے ہزار دینار صدقہ کرنے میں قربانی کے عوض کا قصد کیا مگر اس عوض سے قربانی
کا ثواب حاصل نہو گا اور اگر تم ایک دینار سے ایک بکری خرید کر ذبح کر دیتے وہ اُن ہزار دینار کے صدقہ سے
افضل تھی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن میں انسان کا کوئی عمل بھی قربانی
سے افضل نہیں ،، اور تم (اپنی رائے سے) اس چیز کو فضیلت دینا چاہتے ہو جس کو شارع علیہ السلام نے فضیلت
نہیں دی سو یہ معاملہ تمہارے خیال کے موافق نہیں ایسا کبھی نہو گا کہ تم اپنی رائے سے شارع کی بتلائی ہوئی فضیلت
کے مقابل دوسری شی میں فضیلت ثابت کر سکو) اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ مسافر کو سفر میں روزہ کی ترغیب
دیا کرتے تھے اگرچہ شرعاً اس کو افطار جائز ہے اور امام مالک بھی اسکو جائز فرماتے ہیں مگر وہ یہ بھی فرماتے ہیں
کہ ایام رمضان کی فضیلت دوسرے ایام میں نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے غالباً اسی حدیث پر نظر کر کے ایسا
فرمایا ہے اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے ،،

ف یہاں سے اُس فتنہ کا حال معلوم ہو گیا ہو گا جو ایک زمانہ میں ہندوستان میں برپا ہوا تھا کہ بعض علماء نے
سلطنت ترکی کی امداد کیلئے فتویٰ دیدیا تھا کہ اس سال مسلمانان ہند قربانی موقوف کر کے اسکی رقم سلطنت
ترکی کو بھیجدیں۔ ان لوگوں نے صدقہ کو قربانی کا قائم مقام قرار دیا مگر علماے اکابر نے اسکی سخت مخالفت کی اور فرمایا
کہ اپنی رائے سے کسی عمل کو قربانی کا قائم مقام بنانا غلط ہے۔ الحمد للہ ہمارے اکابر کے علوم سلف صالح کے
علوم سے موافق ہیں یہی حضرات ہیں جنکے متعلق حدیث میں وارد ہے لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین
علی الحق میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور غالب رہے گی ،،

(۳۴۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں سب سے افضل اتباع ہے زیادہ مشقت میں فضیلت نہیں دیکھو
عمر بھر روزہ رکھنا بہت مشقت طلب ہے مگر وہ رمضان کے ایک روزہ کے بھی برابر نہیں اور وہ جو ایک حدیث
میں آیا ہے افضل الاعمال احمزہا اوا شقہا کہ اعمال میں زیادہ افضل وہ ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو یہ اس مقام
پر ہے جہاں عمل کے ہر پہلو میں اتباع (سنت) موجود ہو جیسے رمضان کے سفر میں روزہ رکھنا اور افطار کرنا
دونوں میں اتباع سنت ہے مگر روزہ رکھنا زیادہ شاق ہے تو وہی افضل ہے اور جہاں کسی عمل کے (ایک پہلو میں اتباع
ہو دوسرے میں اتباع نہو گو مشقت زیادہ ہو وہاں اتباع ہی افضل ہے جیسے ساری رات جاگ کر نماز پڑھنا اور
رات کے پہلے حصہ میں سونا پچھلے حصہ میں اُٹھکر نماز پڑھنا۔ یہاں دوسری صورت افضل ہے کیونکہ اسی میں اتباع
سنت ہے پہلی صورت میں گو مشقت زیادہ ہے مگر افضل نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تمام رات

Marfat.com

جاگنا ثابت نہیں فافہم) اسمیں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ عارف کی طاعت تو حکم کی تعمیل ہے اور جاہل کی طاعت شہوت (کے تابع) ہے (مطلب یہ ہے کہ عارف صرف تعمیل حکم کیلئے عبادت کرتا ہے کسی کیفیت یا کرامت وکشف بالذات باطنی کیلئے نہیں کرتا اور جاہل تعمیل حکم کے سوا دوسری اغراض کیلئے بھی عبادت کرتا ہے اس لئے جب کوئی کیفیت اور لذت نہو ذکر وشغل وغیرہ چھوڑ دیتا ہے) دیکھو شہوت ہی تو روزہ میں عمداً کھانے پر برانگیختہ کرتی ہے (تو جاہل شہوت نفس کا اتباع کرکے روزہ توڑ دیتا ہے) پھر اس کے بدلہ میں کفارہ دیتا ہے جو نفس پر شاق ہے اور عارف کو تعمیل حکم (کا اہتمام) ادب کے التزام پر برانگیختہ کرتا ہے کہ حکم کو پوری طرح بجالانا چاہئے اس کا اور کچھ مقصود نہیں۔ **قولہ** وفیہ دلیل علی ان افضل العبادات هو الاتباع الی قولہ علی التزام الادب فی توفیۃ الامر لا غیر،،

ف یہی وہ بات ہے جسکے فقدان سے اہل سلوک پریشان ہوتے ہیں بہت لوگ اوراد وظائف سے دنیوی اغراض یا باطنی کیفیات کے طالب ہوتے ہیں جب وہ حاصل نہیں ہوتیں سب کام چھوڑ بیٹھتے ہیں یہ لوگ اصل حقیقت سے جاہل ہیں عارف وہ ہے جو صرف تعمیل حکم کیلئے کام کرے اور کوئی غرض نہو اسی کا نام اخلاص ہے اور صاحب خلاص کبھی ناکام نہیں ہوتا ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین،،

(۲۳۵) یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقیع مخالفت (یعنی صریح گناہ) کرنے والا گو اسمیں کتنی ہی فضیلت موجود ہو اُس نقصان کی تلافی نہیں کرسکتا جو معصیت سے ہوچکا ہے اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے۔ اسکی دلیل حضور کا یہ قول ہے وان صامہ (اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے) کیونکہ ظاہر ہے کہ عمر بھر روزہ رکھنے والا تو بہ ضرور کرے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ذمہ توبہ ہے اور ایک دن کا روزہ۔ غرض یہ توبہ اور ایک دن کا یا عمر بھر کا روزہ بہت سے بہت عذاب (اور گناہ) کو دفع کرسکتا ہے۔ لیکن گناہ سے بچنے کا جو نفع تھا وہ حاصل نہوگا (اور اس گناہ سے جو نقصان ہو چکا ہے اسکی تلافی نہ ہو سکے گی) ہاں حق تعالی کا فضل ہوجائے تو اور بات ہے ورنہ ظاہر (قانون) پر وہ نفع نہیں لوٹ سکتا،، اور یہ حدیث میں آیا ہے التوبۃ تجب ما قبلہا کہ توبہ پہلی حالت کو ختم کردیتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گناہ اور عذاب کو توبہ ختم کردیتی ہے یہ مطلب نہیں کہ گناہ سے جو خیر فوت ہوچکی ہے اسکی تلافی ہوجائے گی۔ اسی لئے اصحاب معاملات (یعنی صوفیہ کرام

ع یہ قید اس لئے لگا دی تاکہ خطاء اجتہادی سے احتراز ہو جائے نیز ان گناہوں سے بھی جن کا گناہ ہونا مختلف فیہ ہے قطعی نہیں کہ صورت اول میں تو نقصان ہی نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں نقصان ہوتا ہے مگر اسکی تلافی اعمال صالحہ سے ہو جاتی ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وان الحسنات یذہبن السیئات ۱۲ ظ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مولی کے دروازہ پر عمر بھر کھڑا رہے اور ایک ساعت غفلت کر جاوے تو اس ایک ساعت میں جو خیر اس سے فوت ہو گئی وہ اُس سے بڑھ کر ہے جو عمر بھر میں اس نے حاصل کی کیونکہ ممکن ہے وہ ساعت نفحہ الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت) کی ساعت ہو اور جس سے یہ عنایت فوت ہو جائے دوسری اسکے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اسکو دوسری ساعت لطف بھی نصیب ہو جائے کیونکہ جو ساعت عنایت فوت ہو گئی اُس سے تو حصہ نہ ملا۔ واویلتاہ من تخلف عن باب مولاہ اُس شخص کی بڑی مصیبت ہے جو اپنے مولی کے دروازہ سے ہٹ گیا **قولہ** وفیہ دلیل علی ان ما یقع من المخالفۃ حقیقۃ الی قولہ من تخلف عن مولاہ۔

ف مگر ایک حدیث میں آیا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ اور قرآن میں ہے الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات ط مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرنے لگا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ پھر احادیث میں توبہ اور اسلام کا ایک ہی درجہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح اسلام سے کفر و شرک سابق کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اسی طرح توبہ سے گناہ کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ وہ لوگ جو پہلے کفر و شرک میں مبتلا تھے بعد میں ایمان لائے اُن لوگوں سے بڑھ جاتے ہیں جنھوں نے کبھی کفر و شرک نہیں کیا، چنانچہ بالاجماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرات حسنین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں حالانکہ ان حضرات نے کسی وقت بھی کفر و شرک نہیں کیا اور حضرت عمر بعد شرک کے اسلام لائے ہیں، اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص گناہ سے توبہ کر کے اتنے بلند درجہ پر پہونچ جائے جہاں وہ لوگ نہیں پہونچ سکے جنھوں نے کبھی گناہ نہیں کیا ۵

رندہا گرفت گوردو پاک نیست تو بماں لے آنکہ جز تو پاک نیست

اسمیں شک نہیں کہ یہ بھی فی نفسہ ایک بڑی فضیلت ہے کہ انسان سے عمر بھر گناہ کا ارتکاب بالکل نہو مگر یہ لازم نہیں کہ گناہ کر کے توبہ کرنے والا اُس سے پیچھے ہی رہے آگے نہ بڑھ سکے، حضرات صحابہ میں بعض وہ بھی ہیں جن سے زنا اور شرب خمر کا ارتکاب ہوا ہے مگر توبہ کے بعد وہ اُس مقام پر ہیں جہاں کوئی ولی اور غوث و قطب نہیں پہونچ سکتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان اُس نقصان کی تلافی خود نہیں کر سکتا جو معصیت سے اسکو پہونچ چکا ہے لیکن توبہ خالصہ کے بعد اللہ تعالیٰ تلافی فرما دیتے اور ایسے بلند مقام پر پہونچا دیتے ہیں جہاں اس گناہ سے پہلے نہیں پہونچا تھا پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان کے ایام کی برابر دوسرے ایام نہیں ہیں رمضان کے ایک دن کا روزہ بلا عذر کے عمداً توڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ انسان عمر بھر کے روزوں سے بھی اُسکی تلافی نہیں کر سکتا، رہا یہ

۵ [illegible]

Marfat.com

توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس نقصان کی تلافی کر دیتا ہے یا نہیں یہ حدیث اس سے ساکت ہے اور دوسری نصوص امید دلاتی ہیں واللہ اعلم نزلا من غفور الرحیم و انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء والسلام۔

۹۰ حدیث وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ بثلاثۃ اعمال من البر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کاموں کی وصیت کی فرمائی ہے۔ ہر مہینہ میں تین روزہ نفل رکھنا اور چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا اور سونے سے پہلے وتر پڑھنا

شرح ظاہر حدیث ہر مہینہ تین روزہ رکھنے اور چاشت کی دو رکعت پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی وصیت فرمائی ہے اور جس بات کی آپ وصیت فرمائیں اسمیں تاکیدی امر ہوتا ہے رہا یہ سوال کہ حضور نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کیساتھ یہ وصیت کیوں فرمائی حضرات شیخین وغیرہ خلفاء راشدین کو کیوں نہ فرمائی؟ تو بات یہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین کو وصیت کی ضرورت نہ تھی وہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل اور آپ کے بعد نبوت کے کام کو سنبھالنے والے تھے اور جن کا یہ درجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو وہ تو اس قابل ہیں کہ لوگ اُن سے وصیت حاصل کریں اُن کو کسی وصیت کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم آپ کے راستہ پر (سیدھے) چلنے والے اور قرب الٰہی کے اسباب کی طرف سبقت کرنے والے تھے چنانچہ ارشاد ہے یبتغون الی ربہم الوسیلۃ ایہم اقرب وہ اپنے رب کی طرف ذریعۂ قرب کے طالب رہتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہو وہ ہر دم حکم کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے مثلاً یہ حضرات چاشت کی رکعتیں نہیں پڑھتے تھے مگر وہ اسوقت مسلمانوں کی خدمت اور اُن کی مصالح پر نظر کرنے میں مشغول رہتے تھے اسکے علاوہ اور بھی بہت باتیں ہیں جو اُن کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱۲۳۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو اسکی حالت کے مناسب وصیت فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک شخص کو اُسکی درخواست کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ والدین کی خدمت کیا کرو۔ ایک شخص کو یہ وصیت فرمائی کہ نماز یہ سمجھکر پڑھا کرو کہ بس یہ آخری نماز ہے (شاید اسکے بعد پھر نماز کی مہلت نہ ملے اور موت آجائے) اور لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اُس سے امید قطع کر دو (کسی سے کچھ توقع نہ رکھو) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا وہ بہت اچھے آدمی ہیں اگر رات کو اٹھا کریں (یعنی تہجد کی پابندی کریں) اور بہت واقعات ہیں جن میں حضور نے ہر شخص کو اُس کے مناسب حال وصیت فرمائی ہے چنانچہ ایک شخص نے وصیت کی درخواست

(ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب وصیت فرمائی)

Marfat.com

کی تو فرمایا غصہ نہ کیا کرو) اسی طرح حضرت ابوہریرہ کو ان کی حالت کے مناسب وصیت فرمائی کیونکہ وہ عبادت کیلئے (سارے کام چھوڑ کر) یکسو ہو چکے تھے تو آپ نے ان کو ایسے اعمال کی وصیت کی جو عابدین کا ہمیشہ سے شعار ہیں (یعنی نماز نفل اور روزہ اور تہجد کا اہتمام) مگر ان کاموں میں آپ نے کم سے کم درجہ کی وصیت فرمائی۔ اگر آپ زیادہ کی وصیت فرماتے تو وہ اسی کا التزام کرتے جیسا اس وصیت کا التزام کر لیا تھا چنانچہ ایک روایت میں ان کا یہ قول وارد ہے کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے میں ان کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ سے ملجاؤں پھر ان تین باتوں کا ذکر فرمایا جو یہاں مذکور ہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کیجاتی وہ اس کا بھی التزام کرتے پھر شاید کسی وقت مشقت ہوتی اسلئے حضور نے اعمال کی انواع کو بیان فرما دیا جو ان کیلئے زیادہ موجب قرب ہیں اور زیادہ کو ان کی ہمت و قدرت پر چھوڑ دیا آپ نے کم سے کم درجہ بتلا دیا زیادہ سے سکوت فرمایا (رہا یہ کہ ہر شخص کیلئے قرب کا ذریعہ مختلف کیوں ہے؟ سب کیلئے ایک ہی راستہ کیوں نہیں تو) بات یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں سب کی حالت یکساں نہیں ہے ایک شخص کیلئے عبادت میں مشغول ہونا مناسب ہوتا ہے دوسرے کیلئے علماء کی صحبت میں رہ کر پڑھنا پڑھانا بہتر ہوتا ہے کسی کیلئے سفر کرنا اور جہاد کرنا اولیٰ ہے وغیرہ وغیرہ جس کو علم سے مناسبت ہو اسکے حق میں شغل علم ہی بہتر ہے کیونکہ علم تمام اعمال سے افضل ہے جیسا شارع علیہ السلام کے ارشادات سے معلوم ہو چکا ہے۔ تو اس کے لئے عبادت میں مشغول ہو کر شغل علمی کو چھوڑ دینا موجب نقصان ہے خصوصًا اس زمانہ میں تو جسکو علم سے مناسبت اور اہلیت حاصل ہو اس پر علم میں مشغول ہونا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دین میں بدعتیں داخل ہونے لگیں دین پر آفت آجائے گی اسوقت معالم دین کو مضبوط پکڑ لو اور اللہ سے رزق طلب کرو، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ معالم دین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا حلال و حرام (بیان کرنے) کی مجلسیں تو اس زمانہ میں علم (شرعی) تمام اعمال سے زیادہ موجب قرب الٰہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ (جسکو علم سے مناسبت ہو اس پر) اسی میں مشغول ہونا واجب ہے دلیل بھی حدیث ہے جو ہم نے بیان کی، ہاں جس شخص میں علم کی اہلیت نہو اسکو عبادت میں مشغول ہونے کا امر کیا جائیگا کیونکہ امید ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہو کر اپنے کو بھی نفع دے اور دوسرے بھی اسکی دعا سے نفع حاصل کریں۔ اسی طرح تمام اعمال میں غور کیا جائے جس شخص کے مناسب جو عمل ہو اسے دوسرے اعمال پر مقدم کیا جائے، نفس عمل کی فضیلت کو نہ دیکھا جائے بلکہ عمل کرنے والے کی حالت کو دیکھنا چاہئے (ثواب کے کام تو بہت ہیں جس عمل کے بھی ثواب کو دیکھو وہی اپنی طرف کھینچتا ہے مگر تمام مستحبات و فضائل کا

احاطہ دشوار ہے اسلئے عمل کرنے والے کی حالت کے مناسب کسی عمل کو ترجیح دیجائے گی) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک ہی عمل کی وصیت نہیں کی بلکہ ہر ایک کیلئے جدا عمل تجویز فرماتے تھے جسکی اسمیں (زیادہ) اہلیت تھی (اور مطلب یہ ہوتا تھا کہ اعمال مستحبہ اور فضائل میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جائے یہ مطلب نہ تھا کہ اسکے سوا اور اعمال مستحبہ کو بالکل نہ کیا جائے) رہا یہ کہ حضور نے ان اعمال میں اول درجہ کی وصیت کیوں کی (زیادہ کی کیوں نہ کی؟) تو اسکی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اگر زیادہ کی وصیت کیجاتی تو اندیشہ تھا کہ وہ اس کا التزام کر لیتے (اور کسی وقت دشواری پیش آتی اسلئے زیادہ کو ان کی ہمت اور قدرت پر چھوڑ دیا گیا) دوسرے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہی تھی کہ تاکید تو اول درجہ ہی کی فرماتے پھر زیادہ کی ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کیساتھ قیام کرے (یعنی عشا کے بعد دو رکعتوں میں ان کو پڑھ لیا کرے) تو یہ اُسے کافی ہیں پھر اسکے بعد زیادہ کی ترغیب دی اور ہر اک مقدار کا الگ الگ ثواب بیان کیا یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا کہ جو شخص ہزار آیتیں قیام لیل میں پڑھے اس کا لقب آسمانوں میں مقنطر ہوگا (یعنی بڑا خزانہ والا) اور رات کے آخری تہائی حصہ کی بہت فضیلت بتلائی (تاکہ لوگ قیام لیل پر ہی اکتفا نکریں جو عشا کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے بلکہ تہجد کا اہتمام کریں جس کا بہترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے) اور خود آپ رات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا (ظلمت سنۃ من احیی الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم ۱۲) اسی طرح آپ نے اس وصیت میں عمل کیا (چاشت کی) دو رکعتوں کی وصیت فرمائی پھر خود آٹھ رکعتیں پڑھیں ایک روایت میں بارہ رکعت بھی وارد ہے اور فرمایا جو شخص چاشت کے وقت بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اُسکے لئے جنت میں عالیشان محل تیار کر دیں گے۔ اس طرز عمل کا منشا امت پر شفقت اور مہربانی تھی کہ مبادا وصیت کے التزام میں مشقت لاحق ہو ہاں بدون وصیت کے آپ زیادہ عمل کی ترغیب دیا کرتے اور ثواب بیان کیا کرتے تھے، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے استقیموا ولن تحصوا (استقامت کیساتھ کام کئے جاؤ تم سے سب اعمال کا ہرگز احاطہ نہو سکے گا) واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ (اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے) مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ پر جمے رہو اُن کو گنتی سے یا تخمینہ سے محدود نکرو بلکہ جسقدر بھی ہو سکے زیادہ کام کرو، زیادہ کی رغبت کرو اور جو معنی کیا جائے کہ یہ تفسیر حدیث کی صحیح نہیں حدیث میں ولا تحصوا ہوتا تو یہ معنی بن سکتے تھے مگر آپ دیکھ

وصیت تو اول درجہ کی فرمانا اور ترغیب زیادہ کی فرمانا

Marfat.com

رہے ہیں کہ اسمیں ولن تحصوا وارد ہوا ہے اس کا مطلب یہی ہے جو حضرتِ من القوسین ترجمہ میں واضح کر دیا ہے کہ استقامت کیسا تھ کام کئے جاؤ تم سب اعمال کا احاطہ ہرگز نہ ہو سکے گا یعنی فرائض و واجبات کے بعد اعمال مستحبہ میں اعتدال سے کام لو اتنا عمل کرو جسکو ہمیشہ نبا سکو کہ یہی استقامت ہے حدیث میں تکثیر عمل کا امر نہیں ہے بلکہ استقامت اور مداومت کا امر ہے) مفسرین نے ولا اقسم بالنفس اللوامۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ (یہاں قیامت کا ذکر ہے اور نفس لوامہ سے قیامت میں اپنے کو ملامت کرنے والا نفس مراد ہے اور) قیامت میں ہر شخص ہی اپنے کو ملامت کرے گا خواہ مومن ہو یا کافر کیونکہ کافر جب کفر کا عذاب دیکھے گا اپنے کو ملامت کریگا کہ میں مومن کیوں نہوا اور مومن گنہگار گناہوں کی سزا دیکھکر اپنے کو ملامت کریگا کہ میں نے دنیا میں یہ اعمال کیوں کئے تھے اور مومن نیکوکار نیک اعمال کا ثواب دیکھکر اپنے کو ملامت کریگا کہ میں نے زیادہ کام کیوں نکیا تاکہ ثواب زیادہ ملتا (اگر زیادہ عمل کرنے کا طریقہ استقامت اور مداومت ہی ہے طاقت سے زیادہ اتنا کام کرنا جسپر دوام نہ ہو سکے تعطل کا سبب ہو جاتا ہے اور تھوڑا کام بقدر ہمت ہمیشہ ہوتا رہے تو آخر میں اسکی مقدار بہت ہو جاتی ہے۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا ۱۲) قولہ وایضا فقد کان علیہ السلام یعرف لکل شخص بحسب ما یقتضیہ حالہ الی قولہ حتی یکون لہ الثواب اکثر"

ف محققین مشائخ کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو ایک لاٹھی نہیں ہانکتے ہر شخص کو اسکے مناسب حال کام بتلاتے ہیں اگر طالب کو شیخ پر اعتماد ہے وہ اسکے بتلائے ہوئے کام پر دلجمعی سے مداومت کرلیتا اور سمجھ لیتا ہے کہ میری کامیابی کا یہی راستہ ہے کتابیں دیکھنے سے جو مختلف اعمال کی طرف دل چلتا تھا کہ یہ کروں یا وہ کروں یا سب کروں تو کیسے کروں اس الجھن سے اسکو نجات ملجاتی ہے اور حصول قرب میں دلجمعی کی بڑی ضرورت ہے، اور طریق میں اتباع شیخ پر اسی لئے زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اسکی تعلیم سے الجھن دور ہو جاتی اور جمعیت قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ شیخ محقق متبع سنت ہو ورنہ الجھن دور نہ ہوگی بلکہ پریشانی بڑھے گی ؎

کار مرداں روشنی و گرمی است ‏ ‏ ‏ ‏ کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

روشنی سے مراد طمانینت و نورانیت قلب ہے اور گرمی سے محبت و عشق یہ دولت مرداں کامل ہی کے پاس ملتی ہے۔

ف حضرت شارح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی کیلئے طریق عبادت اور شعار عابدین کو اختیار فرمایا تھا مگر میرا خیال یہ ہے کہ حضور نے ان کیلئے طریق علم

کو اختیار فرمایا تھا اُن کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو سننا اور یاد کرنا تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے زیادہ روایت حدیث کرنے والا صحابہ میں کوئی نہیں مگر اسکی ساتھ ہی حضور نے یہ بھی بتلا دیا کہ علمی شغل والوں کو کسی قدر عبادت نافلہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے صرف فرائض و واجبات و سنن پر ہی کفایت نکرنا چاہیئے اسی لئے چاشت کی دو رکعتیں بتلائیں اور ہر مہینہ میں تین روزے اور یہ کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں ۔ وتر سے مراد صرف نماز وتر نہیں بلکہ تہجد مع الوتر ہے کیونکہ تنہا وتر پر حضور نے کبھی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اُس سے پہلے یا پیچھے کچھ نوافل بھی ہوتی نہیں، صحابہ عام طور پر وتر کا اطلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے ملکر سب ہی وتر ہو جاتی ہے ، چونکہ حضرت ابو ہریرہ عشاء کے بعد دن بھر کی سنی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جسکی وجہ سے دیر میں سونا ہوتا تھا اسلئے حضور نے اُن کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو ۔ پس اہل علم کو ان وصیتوں پر پابندی سے کاربند ہونا چاہیئے کہ اس سے زیادہ کی اُن کو فرصت نہیں مل سکتی واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲) اس حدیث میں امام مالکؒ (اور امام ابو حنیفہؒ) کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتی (اگر اس سے کم ہو سکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر اُسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپ نے کم سے کم مقدار یہاں بتلائی مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روزہ نفل بالاجماع تین سے کم ہو سکتا ہے اور یہاں تین سے کم نہیں بتلایا گیا تو ماننا پڑے گا کہ حضور نے قلت کے ساتھ فضیلت پر بھی نظر فرمائی ہے اور جو لوگ ایک رکعت نفل کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دو کی افضلیت کے قائل ہیں)

(۷۳۴) یہاں ایک اور بھی عجیب بات ہے جس پر عاقل کو اچھی طرح غور کرنا چاہیئے وہ یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا کا کوئی سامان نہ تھا نہ وہ دنیا کمانے میں مشغول تھے (بلکہ اصحاب صفہ میں شامل تھے جن کا مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا آپ کی باتوں کو سننا اور علم حاصل کرنا تھا) تو اُن سے عمل قلیل کا مطالبہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے دنیا کے قلیل حصہ پر ہی قناعت کی تھی ۔ یہی سے صوفیہ نے یہ قاعدہ اختیار کیا کہ جو شخص سب سے یکسو ہو کر اُن کے یہاں آپڑے وہ اُس کی یکسوئی اور انقطاع ہی پر قناعت کرتے ہیں اور تھوڑا سا کام بتلا دیتے ہیں اور جو دنیوی اسباب میں مبتلا ہو اسکو بہت کام بتلاتے اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرنے کی تاکید کرتے ہیں یہانتک کہ جو شخص معمول سے زیادہ کھاتا ہو اُسے رات کو زیادہ بیدار رہنے کا امر کرتے ہیں ، جس کا سبب یہی ہے جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ، کیونکہ جو شخص عبادت کیلئے اپنے کو فارغ کر لیتا ہے اس کا دل دنیا کمانے کے فکر سے خالی ہوتا ہے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انسان سے اسی چیز کا مطالبہ ہے کہ اکثر اوقات میں اسکو حضور حق حاصل رہے ، چنانچہ ایک بزرگ سے ہاتف (غیب) نے کہا ، گھر کو خالی کر دو تاکہ اس کا

Marfat.com

مالک اُس میں رہے" مطلب یہ کہ اپنے دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرو اسی وقت خالق (جل و علا) اس میں رہے گا (یعنی حضورِ حق اُسی وقت قلب کو حاصل ہوگا) اور جب قلب میں خالق کے سوا کوئی نہ ہو تو یہی غایت مطلوب ہے یہی غنیمت کبریٰ ہے، بخلاف اس کے جو اسباب میں مشغول ہوتا ہے اُس کا دل کسب معاش میں ضرور مشغول ہوگا خواہ تھوڑی ہی دیر کیلئے ہو اسی لئے اسکو اعمال صالحہ کی کثرت کا حکم کیا جاتا ہے یہی حال اُس کا ہے جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے کیونکہ اُس کا بدن عبادت میں سستی کرتا ہے وہ پیٹ بھر کر آرام کرنا چاہتا ہے تو اسکو اسکی ضد کا حکم دیا جاتا ہے کہ شب بیداری زیادہ کرے تاکہ کھانے کا ثقل دور ہو جائے اور عبادت میں نشاط حاصل ہو کیونکہ دل کی حالت یہ ہے کہ ہاتھ پیروں سے جو کام کیا جاتا ہے اسی کی طرف اُس کا میلان زیادہ ہوتا ہے، اور صوفیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دل کی تعمیر کا اہتمام کرتے ہیں تو جو لوگ اسباب میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو زیادہ عبادت بتلاتے ہیں تاکہ کسب معاش کے شغل سے عبادت بڑھ جائے اور قلب کا میلان اعمال صالحہ کی طرف زیادہ ہو جبکہ ہاتھ پیروں سے عبادت زیادہ کیجائے گی دل کا میلان بھی اسکی طرف زیادہ ہوگا اور جو شخص عبادت کیلئے فارغ ہو چکا اسکو شغل اسباب سے کچھ واسطہ نہ ہوگا (تو اسکو زیادہ اعمال کی ضرورت نہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو صبح کے قریب سوتا ہوا پایا فرمایا اے شخص کھڑا ہو جا کہ عابدین تجھ سے آگے بڑھ گئے، اُس نے کہا اے روح اللہ مجھے (اسی حال میں) چھوڑ دیجئے کیونکہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کر رہا ہوں جو سب سے زیادہ اسکو محبوب ہے پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اُس نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہو چکا ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سو رہ تو عابدین سے بھی بڑھ گیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی قلب و بدن دونوں کو راحت دیتی ہے اسمیں بھی اس مضمون پر اشارہ ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ قلب کو راحت دینے کا مطلب یہ ہے کہ زاہد کے دل کو اسباب دنیا میں فکر و تدبیر سے راحت ملتی ہے اور جب دل اس سے خالی ہوگا (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آباد ہو جائیگا۔ کیونکہ دل (کسی خیال سے) خالی کبھی نہ ہوگا ایک نہ ایک خیال ضرور اس میں ہوگا (خواہ دُنیا کا یا آخرت کا) ایک نہ ہوگا تو دوسرا ضرور ہوگا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں کا خیال ساتھ ساتھ ہو مگر ایسا نادر ہے **قولہ** وقیہ معنی رائق الی قولہ لکن ذلک النادر

ف یہاں سے ناظرین کو مقصد تصوف معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس طریق کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ "دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو" یہی وہ نسبت صوفیہ ہے جسکو غنیمت کبریٰ کہا جاتا ہے جملہ اذکار و اشغال و نوافل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن اگر یہ مقصد اتباع سنت کیسا تھ حاصل ہو تو نسبت مقبولہ منورہ ہے بدعات کے ذریعہ حاصل ہو تو نسبت غیر مقبولہ مظلمہ ہے ○

Marfat.com

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک ہی جام جہاں نما نہیں

ف جو لوگ مشائخ کی خدمت میں دنیا کے افکار سے فارغ ہو کر جا پڑتے ہیں اُن کو زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی صحبت شیخ کی برکت ہی سے یہ نسبت اُن کو جلد حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ صحبت سے مقصود خلوص قلب کے ساتھ صرف یہی ہو کہ تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے۔ کوئی دنیوی مقصد حصول جاہ وغیرہ نہ ہو۔ زہد فی الدنیا یعنی دنیا کی محبت سے دل کا خالی ہو جانا تصوف کا پہلا قدم ہے اگر یہ حاصل نہیں تو صحبت شیخ نافع نہیں۔

(۲۴۸) یہاں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھوک اور فاقہ کو اپنے اختیار سے پسند کیا۔ اسباب (معاش میں اشتغال کو) ترک کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ پڑے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے۔ اللہ کیلئے بھوک اور فاقہ پر صابر ہو گئے یہاں تک کہ بعض دفعہ بھوک کی شدت سے بیہوش ہو جاتے اور کسی کو اُن کے حال کی خبر نہ ہوتی، اس حالت میں اُن کو (ایک گونہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہت حاصل تھی کیونکہ حضور نے بھی غنا پر فقر کو ترجیح دی تھی اور آپ بعض دفعہ بھوک کی شدت میں اپنے پیٹ پر تین تین پتھر باندھتے تھے (تاکہ کمر سیدھی رہے اور کسی کو فاقہ کی خبر نہ ہو) اور فرماتے تھے الا رب مکرم نفسہ وھولھا مھین سنو بعض آدمی اپنے نفس کا اکرام کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اُسکو ذلیل کرتا ہے او کما قال علیہ السلام (غالباً مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ فقر و افلاس کے وقت لوگوں سے سوال کر کے اپنی بھوک پیاس بجھا کر نفس کی خواہش کو پورا کرتے ہیں جو بظاہر نفس کا اکرام ہے مگر واقع میں اُسکو ذلیل کرنا ہے) غرض چونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جم کر رہ پڑے تھے اور اُسی حالت کو اختیار کئے ہوئے تھے جو حضور نے اپنے واسطے اختیار کی تھی اسلئے حضور نے خصوصیت کیساتھ اُن کو یہ وصیت کی۔ اور اسی بنا پر ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے بس دیکھ لو تم کس سے دوستی کر رہے ہو۔ (اسلئے) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا آپ سے مشابہت حاصل کی تو اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دوستی (اور محبت) کا دعوے کرنیکا حق حاصل ہو گیا۔ یہ اشکال نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا کیونکہ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ابو ہریرہ کو اپنا خلیل بنایا تھا مگر آپ کے خلیل نہ بنانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو بھی حضور سے تعلق خلت نہ ہو کیونکہ خلت کیلئے یہ لازم نہیں کہ اعلیٰ بھی ادنیٰ کو خلیل بنائے بلکہ کبھی یہ تعلق طرفین سے ہوتا ہے کبھی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے کہ

Marfat.com

ادنیٰ کو اعلیٰ سے خلت ہو (گو اعلیٰ کو ادنیٰ سے نہو) خلت کی شرط وہی ہے جو اوپر بیان کیگئی کہ انسان اپنے خلیل کے طریقہ پر ہو اور یہ شرط حضرت ابوہریرہ میں موجود تھی تو اُن کو دعویٰ خلت جائز تھا **قولہ** وفیہ معنی آخر الیٰ

قولہ فساغ لہ ادعاء الخلۃ لاجل ذلک،،

ف خلیل کا ترجمہ عام طور سے دوست کیا جاتا ہے حالانکہ خلیل وہ ہے جسکی محبت سویدا قلب میں جاگزین ہو پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے تھا ویسے محبت کا تعلق خلفاء راشدین اہل بیت حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی ازواج مطہرات خصوصًا حضرت عائشہ صدیقہ کیساتھ بہت تھا لیکن یہ سب محبتیں اطراف قلب میں تھیں قلب کے اندر اللہ کے سوا کچھ نہ تھا ۵

عذل العواذل حول قلبی التائہ وہوی الاحبۃ منہ فی سودائہٖ ۱۲ مترجم

(۲۳۹) اب یہ بات باقی رہی کہ حضور نے (اعمال مستحبہ) میں اُن کو چاشت کی دو رکعت اور ہر مہینہ میں تین روزے اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت پر کیوں اکتفا کیا تو چاشت کی دو رکعت تو اسلئے کہ اس سے کم ممکن نہیں آپنے اول درجہ پر کفایت کی۔ اور ہر ماہ میں تین روزے اسلئے کہ یہی اول درجہ ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے اور مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں تو انسان کو چاہئے کہ ہر مہینہ میں (کم از کم) تین روزے رکھ لے تاکہ پورے مہینہ کے روزوں کا ثواب ملجائے اور یہ شخص صائم الدہر کے حکم میں ہو جائے (اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد رمضان کے علاوہ گیارہ مہینے ہیں کیونکہ رمضان میں تو پورے مہینہ کے روزے فرض ہیں اور یہاں فرائض کی وصیت مقصود نہیں بلکہ فرائض واجبات و سنن کے علاوہ چند مستحبات کی وصیت مطلوب ہے) رہا سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ اُن کو اعمال میں سبقت کی تاکید فرمارہے ہیں مبادا موت آجائے (اور کام رہ جائے) کیونکہ اگر وتر کے بغیر سوگئے تو شاید سوتے ہی میں رات کو موت آجائے .... (نیند بھی ایک قسم کی موت ہی) تو وتر کا ثواب رہ جائیگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپنے سونے سے پہلے وتر کی وصیت اسلئے کی ہے کہ وتر قضا نہو جائے مبادا صبح تک آنکھ نہ کھلے اور صبح کے بعد وتر پڑھا جائے حالانکہ وتر کا رات میں پڑھنا افضل (اور حنفیہ کے نزدیک واجب) ہے تو جواب میں کہا جائیگا کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے رفع القلم عن ثلاث فذکر النائم حتی یستیقظ کہ تین شخصوں سے قلم مرفوع ہو چکا ہے جن میں سے ایک سونے والا ہے یہانتک کہ بیدار ہو۔ تو اگر نیند کی وجہ سے وتر قضا ہو جائے کچھ گناہ نہوگا (اور صبح کے بعد وتر پڑھنے سے وہی ثواب

۵ بشرطیکہ اس نے جاگنے کا اہتمام بھی کیا ہو ۱۲ ظ

Marfat.com

ہوگا جو رات میں پڑھنے سے ہوتا) بلکہ علت یہی ہو کہ شاید موت آجائے اور وتر بالکل ہی فوت ہوجائے اسکی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضور سے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا صل صلٰوۃ مودع نماز اس طرح پڑھو جیسے دنیا کو الوداع کہنے والا پڑھتا ہے آپ نے اس شخص کو قصر امل کی ترغیب دی کہ زندگی کی بھی امید نہ باندھو بلکہ یہ بات پیش نظر رکھو شاید یہیں نفس واپسیں ہو اسی حقیقت پر متنبہ کرنے کیلئے آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو سونے سے پہلے وتر کی وصیت فرمائی کہ یہ امید نہ باندھو کہ صبح تک زندہ رہو گے اسکی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے پوچھا کیف اصبحت تم نے کس حال میں صبح کی، انھوں نے کہا اصبحت مؤمنا حقا کہ میں نے سچے مؤمن کی طرح صبح کی، حضور نے فرمایا ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو تمھارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (بیان کرو) کہا یا رسول اللہ میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا ہے شاید دوسرا قدم نہ اٹھا سکوں (اور موت آجائے) اور گویا قیامت میرے سامنے کھڑی ہے ہر امت کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف پکارا جارہا ہے جنتی جنت میں راحت کررہے ہیں دوزخی دوزخ میں عذاب دیئے جارہے ہیں حضور نے فرمایا هنیئا لك العلم تمکو یہ علم مبارک ہو۔ قولہ لکن لعی بحث الی قولہ هنیئا لك العلم

(۲۴۰) انہی احادیث کے معنی اور مقتضا پر نظر کرکے حضرات صوفیہ کے یہاں اپنی ذات کیلئے کوئی وقت نہیں رہا بلکہ اُن کی عمریں ہمیشہ قسم قسم کی عبادات میں مشغول رہ کر ختم ہوتی ہیں کیونکہ ان کو (عمل کے) فوت ہوجانے اور موت آجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے، اسلئے وہ اعمال کی طرف سبقت کرتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید یہی عمل آخری عمل ہو، اس لیئے دوسرے جب اُن کی عبادات کو سنتے ہیں انکو بڑا تعجب ہوتا ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی قدرت سے اتنی عبادت باہر ہے، اور اگر یہ مسکین اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے جو اُن کے پیش نظر ہے تو ان کے پاس بھی ویسے ہی اعمال ہوتے جیسے صوفیہ کے پاس ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جسکو ہر سانس پر یہ گمان ہو کہ شاید یہی آخری سانس ہو تو یقیناً اسکو غفلت نہیں ہوسکتی جبتک کہ یہ حال قائم و دائم ہے ان کو حیرت اسلئے ہوتی ہے کہ یہ لوگ طول امل کی وجہ سے دنیا کی تدبیر اور کسب معاش میں مشغول ہیں ایسا شخص اگرچہ کتنی ہی قوت اور تمکین والا ہو ضرور اپنے رب سے کسی قدر غافل ہوکر اپنے کاموں کی تدبیر کریگا کیونکہ طول امل کا قطعی تقاضا ہے، اور حضرت صوفیہ کی حالت اسکی ضد ہے وہ تو جب کوئی لباس پہنتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری لباس ہو جسکو لیکر قبر میں جائیں جب کوئی لقمہ کھاتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری رزق ہے جو دنیا میں اُن کیلئے مقدر کیا گیا ہو جس شخص کا یہ حال ہو اگرچہ وہ

صوفیہ کے یہاں اپنی ذات کیلئے کوئی وقت نہیں ان کا تمام وقت عبادت میں گذرتا ہے

Marfat.com

سب سے زیادہ کمزور ہو غفلت اور سستی اس کے پاس نہیں آسکتی۔ اسی لئے ان حبیبوں کے بارہ میں کہا گیا ہے الوقت سیف وقت ایک تلوار ہے (جو کاٹ کرتی رہتی ہے اس کا وار خالی نہیں جاتا یا تمہارے واسطے وار کریگا اگر اسکو نیکی میں گذار دیا۔ یا تمہارے اوپر وار کرے گا اگر معصیت یا غفلت میں گذار دیا) مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی ہر ساعت پر نظر رکھو کہ اسوقت تم پر کیا لازم ہے اسکو بجا لاؤ اور وقت کو عمل میں گذارو تاکہ عمل سے پہلے دفعۃً موت نہ آجائے یا (اگر ایسا نہ کیا تو) تاخیر کی وجہ سے وقت تمکو کاٹ دیگا اگر موت نہ بھی آئی کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں انسان کی عمر کا جو دن بھی گذرتا ہے اسکی جگہ دوسرا دن نہیں لے سکتا اور گئے وقت کو لوٹانا بھی ممکن نہیں۔ اب اگر وقت اس حال میں گذرا کہ تم نے اس میں کوئی نیک عمل کرلیا ہے تو کامیابی ہے اور اگر نیک عمل سے خالی گذر گیا تو خسارہ ہے اسکی جگہ دوسرا وقت نہیں لے سکتا۔ احمق اور مسکین وہ ہے جو اپنے اوقات کو امروز و فردا میں گذارتا ہے کہ آج کام کروں گا آج نہیں تو کل کرونگا اور اس ٹال مٹول کے ساتھ بھی وہ اپنے کو صاحب فلاح سمجھتا ہے حالانکہ وہ (سراسر) خسارہ میں ہے کیا جس دن میں وہ پچھلی کوتاہی کی تلافی کرنا چاہتا ہے اگر (اس میں اور پہلے میں) دونوں میں برابر عمل ہوتا تو زیادہ بہتر اور کامیابی کا سبب نہ ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی ہے کہ اے داؤد! تمکو لعل اور سوف اور الی، عمل سے نہ روک دے، (کہ امید ہے کل تک یہ کام ہو جائیگا عنقریب ایسا کروں گا فلاں دن تک ضرور یہ کام کرلوں گا وغیرہ وغیرہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اور یہ آخری کلام ہے جو ان کی زبان سے نکلا۔ اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو کل کو پائیگا یا نہ پائیگا۔ اگر پالیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں نیا رزق دیگا اور اگر نہ پایا تو ایسے دن کی فکر سے کیا فائدہ جسکو تم نہیں پاسکتے۔

شارع علیہ السلام کے ارشادات اور بزرگان سلف کے اقوال و افعال اس معنی میں بکثرت وارد ہیں پس جسکو فلاح (اور کامیابی) و ترقی مطلوب ہو وہ ان احادیث و اقوال میں غور کرتا رہے جنکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور ان پر عمل کرتا رہے اسکے بعد ترقی اور کمال میں اللہ پر بھروسہ رکھے اسکی طرف عاجزانہ متوجہ رہے انشاء اللہ مطلوب تک پہونچ جائیگا۔ **قوله ولاجل النظر الى معنى هذه الاحاديث الى قوله يصل عند ذلك انشاء الله الى المرغوب** ـ

(۴۱۴) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل برکت کی صحبت (حاصل ہونے) پر فخر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان سے نسبت (اور تعلق) بھی حاصل ہو جائے خواہ کسی درجہ میں ہو (بدون نسبت اور تعلق خاص کے نری صحبت سے کچھ نہیں ہوتا) اور فخر بھی شکر کی نیت سے ہو۔ مباہات اور رفعت (اور تکبر) کی بنا پر نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ

Marfat.com

صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ذکر النعم شکر نعمتوں کا تذکرہ بھی شکر ہے، یہ اس سے مفہوم ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اوصانی خلیلی مجھے میرے خلیل نے وصیت کی (جس میں حضور کی ساتھ اپنی خلت ومحبت کو ثابت کرکے صحبت رسول پر فخر کا اظہار ہے)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے اور اہل فضل کے درمیان کوئی رشتہ (اور تعلق) ثابت کرسکتا ہے اور اُن کی طرف اس تعلق سے اپنی نسبت بھی کرسکتا ہو اگرچہ اُنھوں نے اسکے لیے اس تعلق کا نام نہ لیا ہو کیونکہ ابوہریرہؓ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کہا حالانکہ حضور نے اپنی ذات مقدسہ سے تمام انسانوں کی خلت کی نفی کردی ہے (چنانچہ اوپر یہ حدیث گذرچکی کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا جس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا آپ کا کوئی خلیل نہیں) اور کہا گیا ہے ؎
ان التشبہ بالکرام فلاح۔ بزرگوں کی ساتھ مشابہت حاصل کرنا بھی فلاح ہے **قولہ وفیہ** انہ یجوز الافتخار بصحبۃ المبارکین الی قولہ فلاح۔

ف شاید کسی کے دل میں اس مقام پر یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث میں تو آیا ہے ان لنفسک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ صوفیہ کے یہاں اپنے نفس کیلئے کوئی وقت نہیں جس ساعت میں نفس کا حق ادا کیا جائیگا وہ تو نفس کا وقت ہوگا، جواب یہ ہے کہ وہ نفس کا حق بھی اس نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا حق واجب کیا ہے تو یہ بھی نفس کا وقت نہوا بلکہ حکم الٰہی کی تعمیل کا وقت ہوا جو عین عبادت ہے اسی طرح بیوی بچوں کا حق بھی اسی نیت سے ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا حق واجب کیا ہے۔ تجارت اور ملازمت اور زراعت بھی اسی نیت سے کرتے ہیں کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال روزی حاصل کرنا بھی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو اُن کا یہ وقت بھی حکم الٰہی کی تعمیل میں گذرتا ہے جو کہ عبادت ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کو زیادہ خسارہ نیت سے غفلت کی بنا پر ہوتا ہے اگر وہ تمام مباحات میں اپنی نیت کو درست رکھے تو اُس کے سارے اوقات عبادت میں مشغول ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ مباحات کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں دین سے تعلق ہوتا ہے۔

۱۹۱ (حدیث الا ھر یترک اذا لم یسم علیہ من الصید)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنے (شکاری) کتے کو چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ کہتا ہوں پھر اُسکی ساتھ شکار پر دوسرا کتا پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہی اور مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کس نے شکار کو پکڑا ہے فرمایا

Marfat.com

(اس شکار کو) نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے کو بسم اللہ کیساتھ چھوڑا ہے دوسرے پر تو بسم اللہ نہیں کہی۔

شارح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ شکار پر بسم اللہ کہنا واجب ہے اگر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شکار کے کھانے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جب صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں کس کتے نے شکار کو پکڑا تو آپ نے باوجود شک کے اُن کو اس شکار کے چھوڑ دینے کا حکم دیا (اور کھانے سے منع فرمایا) تو جس پر بالیقین بسم اللہ نہیں کہی گئی بلکہ عمداً بسم اللہ کو ترک کیا گیا ہو اُس کا حرام ہونا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا،

ف یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جس شکار یا جانور پر بسم اللہ ترک کر دیگئی اُس کا کھانا جائز نہیں، امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بسم اللہ ہر مسلمان کے دل میں ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے اور جس ذبیحہ پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اُس کا حرام ہونا قرآن میں منصوص ہے ولا تاکلو مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق اور یہ حدیث صحیح بھی اسکی حرمت کو بتلا رہی ہے اسلئے اس بات میں حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب قوی ہے۔

ف اس حدیث سے شارح نے کوئی مسئلہ تصوف کا استنباط نہیں کیا میرے خیال میں وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسباب معاش کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں کیونکہ صحابہ سے بڑھ کر متوکل کون ہوگا اور اکثر صحابہ نے اسباب معاش کو اختیار کیا ہے سب حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح تارک اسباب نہ تھے پس جو لوگ اسباب معاش میں مشغول ہوں ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا

۹۲ حدیث النھی عن الصرف لا یدا بید

حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع صرف کو دریافت کیا (بیع صرف چاندی سونے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں) حضور نے فرمایا اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر ادھار ہو تو درست نہیں"

شارح ظاہر حدیث سے بیع صرف کا جواز معلوم ہوا جبکہ ہاتھ در ہاتھ ہو اور ممانعت معلوم ہوئی جبکہ ادھار ہو چاہے تھوڑی ہی دیر کا ادھار ہو چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اگر (بیع صرف میں) ایک شخص تم سے اتنی مہلت مانگے کہ گھر کے اندر جا کر چیز لے آئے تو اتنی مہلت بھی نہ دو۔ (بلکہ مجلس بیع ہی میں تبادلہ ہو جانا چاہیئے)

ف شارح نے یہاں بھی کوئی مسئلہ تصوف کا استنباط نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس سے بھی مقصود

Marfat.com

وہی ہے کہ اسباب معاش میں مشغول ہونا خلاف توکل اور خلاف ولایت نہیں کیونکہ یہ دونوں صحابی چاندی سونے کا کاروبار کرتے تھے اور حضور نے اُن کو منع نہیں کیا۔ اور صحابہ سے بڑھ کر متوکل اور صاحب ولایت کون ہو سکتا ہے؟

۹۳ (حدیث الحث علی العمل و فضل عمل الید)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے اس شخص سے بہتر (حلال) کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتا ہو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتے تھے (وہ لوہے کی زرہ بہت عمدہ بناتے تھے جو لڑائی کے وقت فوجی پہنتے ہیں اور اسی کو بیچ کر اپنا گذر کرتے تھے باوجود عظیم الشان سلطنت کے شاہی خزانہ سے کچھ نہ لیتے تھے وہ سب کا سب رعایا پر خرچ ہوتا تھا ۱۲ مترجم)

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بہترین غذا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کے عمل سے کماتا ہے اور اسی کے ضمن میں کسب پر ترغیب بھی ہے جسکی چند شرطیں ہیں (جو آگے بیان ہونگی)

(۲۴۴) اس خیریت (اور بہتری) سے کیا مراد ہے؟ اور یہ فضیلت مؤمن و کافر سب کو عام ہے یا مومن کے ساتھ خاص ہے؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف داؤد علیہ السلام کی مثال کیوں بیان فرمائی حالانکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اگر بہتری کی علّت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے والا دوسروں سے مستغنی ہوتا ہے اور کسب کی وجہ سے کسی پر اس کا بار نہیں ہوتا کیونکہ (مثل مشہور ہے کہ) جسکی طرف تمکو احتیاج ہو وہ تمھارا امیر ہے اور جس سے تم مستغنی ہو تم اُس کے سردار ہو اگر خیر ہونے کا یہ مطلب ہے تو اسمیں مؤمن اور کافر سب داخل ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اسمیں کسب کی ترغیب بھی ہے درست ہے لیکن اسکے لئے چند شرطیں ہیں، ایک یہ کہ ذریعۂ کسب شرعاً جائز ہو، دوسرے یہ کہ اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہو کیونکہ بعض دفعہ ذریعۂ کسب تو جائز ہوتا ہے مگر عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے (مثلاً سنار کا پیشہ شرعاً جائز ہے مگر عمل کے وقت سنار خالص سونے میں کھوٹ ملانے لگے تو اس کا عمل شریعت کے خلاف ہوگا اسی طرح درزی کے پیشہ کو اور ہر پیشہ کو سمجھ لیا جائے ۱۲)۔

اور اگر خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذریعۂ معاش میں کام کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اسکی خیر متعدی ہوتی ہے (کہ دوسروں کی بھی مدد کرتا ہے غریبوں محتاجوں پر صدقہ کرتا ہے) جیسا ایک حدیث میں ہے عن ثابت

اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت اور افضل ہے

Marfat.com

تعبانا من طلب الحلال بات مغفورا لہ واصبح واللہ راض عنہ جو شخص کسب حلال سے تھک کر رات گذارے اسکی مغفرت ہو جاتی ہے اور صبح کو اس حال میں اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ فضیلت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہوگی اور مسلمانوں کو کسب معاش پر ترغیب دینے کا مطلب ہے کہ شریعت کے موافق کمانے کا ذریعہ اختیار کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا یہ مطلب ہو کہ پیشہ ور کا رزق بواسطہ اسکے عمل کے غیب سے آتا ہے۔ یہ بات اسی پیشہ کیساتھ خاص ہے جو ہاتھ سے کیا جاتا ہو دوسرے اسباب کسب اس میں داخل نہوں گے اسی وجہ سے داؤد علیہ السلام کی مثال بیان کیگئی دوسرے انبیاء کی نہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ صنعت (وحرفت) اللہ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جس سے صاحب صنعت خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس صورت میں یہ حدیث تعلیم صنعت کی ترغیب دے رہی ہے کہ یہ بھی سنت ہے، اسمیں کچھ عار نہیں کیونکہ جس کام کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے کیا ہو اس میں عار نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کی علت یہ ہو کہ ہاتھ سے پیشہ کرنے میں اللہ کا کوئی حق واجب نہیں ہوتا۔ دوسرے اسباب معاش میں حق اللہ واجب ہوتا ہے جو کبھی پورا ادا ہو جاتا ہے اور کبھی قصداً یا بلا قصد کچھ ادا ہونے سے رہ جاتا ہے۔ تو اور اسباب معاش میں زکوٰۃ اور دیگر حقوق واجب ہوتے ہیں اور احتمال رہتا ہے کہ وہ ادا ہوے یا نہیں، اور ہاتھ سے جو پیسے کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے موافق کام کیا جائے تو اس میں کوئی حق اللہ یقینی طریقہ پر واجب نہیں ہوتا (تو اس میں کوتاہی کا بھی احتمال نہیں) اور جسمیں کوتاہی کا احتمال نہو وہ اس سے بہتر ہے جسمیں احتمال ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کی صنعت وحرفت میں دوسرے ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہوتی ہے پھر یہ برکت کبھی حسی ہوتی ہے کبھی معنوی۔ برکت حسیہ تو یہ ہے کہ کھانے میں تھوڑی مقدار زیادہ مقدار کے قائم مقام ہو جائے اور برکت معنویہ یہ ہے کہ اس کھانے سے قوت ونشاط دوسرے کھانوں سے زیادہ حاصل ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاش کیلئے کوئی ذریعہ اختیار کرنا سنت ہے، اسمیں سنت کا اتباع ہے کیونکہ اس میں حکمت (الٰہیہ) کا ایک نشان ہے اسی لئے جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا دیئے گئے لوگوں نے ان کو تلاش کیا تو بازار میں تجارت کرتے ہوئے ملے لوگوں نے کہا کہ خلیفہ ہونے کے بعد بھی تجارت؟ فرمایا تو کیا میں اپنے اہل وعیال کے ذریعہ معاش کو چھوڑ دوں؟ (اس کے بعد ان کی تنخواہ بیت المال

Marfat.com

سے مقرر کیگئی جو آجکل کے حساب سے سوا سو روپیہ ماہوار کے قریب تھی)۔

اس بنا پر مطلقاً اسباب معاش کا اختیار کرنا باعث برکت ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو خواہ صنعت ہو یا زراعت یا تجارت وغیرہ سب ہی میں برکت ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اس دنیا کی آبادی کا ارادہ کیا ہے (حکمت الٰہیہ کا یہی تقاضا ہے کہ لوگ اسباب کے ذریعہ معاش طلب کریں بغیر اسباب کے شاذو نادر ہی کسی کو روزی ملتی ہے) اسی لئے میرے ایک شیخ جو زہد و علم دونوں کے جامع تھے درس و تدریس سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ سے اپنے باغ میں کام کرتے تھے، بعض دفعہ تدریس کیساتھ مجاہدہ (دریاضت) بھی کرتے پھر بھی زیادہ سے کام کرنا نہ چھوڑتے اور فرماتے تھے کہ دوسروں نے بویا تھا ہم نے کھایا ہم بوئیں گے تو دوسرے کھائیں گے تاکہ اللہ کی حکمت ظاہر ہو۔ جسوقت اُن کا باغ تیار ہو گیا انتقال فرما گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

اب ہم اُن اعتراضات کو بیان کرتے ہیں جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اور اُن کا جواب بھی دیں گے۔ اوپر کہا گیا ہے کہ کسب معاش کے ذریعہ لوگوں سے استغنا ہو جاتا ہے اس پر قرآن و حدیث سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔ قرآن کی تو یہ آیت ہے رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وہ ایسے لوگ ہیں جنکو تجارت اور بیع اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔ اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت اور اہل صفہ کی حالت وارد ہے (کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا بلکہ تارک اسباب تھے اور یہی حالت اہل صفہ کی تھی) اور حضور نے اہل صفہ کو اُن کے حال پر قائم رہنے دیا بلکہ بعض دفعہ اُن کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ قرآن کی آیت کا تو یہ جواب ہے (کہ اُس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ تجارت اور بیع و شراء نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے) کہ یہ کام اُن کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے وہ بدن سے کسب معاش کرتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ میں ایک درزی کی یہ عادت تھی کہ اذان کے وقت اگر کپڑے میں سوئی ہوتی اُسکو نکالتا نہ تھا اور نکال چکتا تو پھر کپڑے میں نہ لگاتا بلکہ فوراً کھڑا ہو جاتا اور فرض ادا کرنے چلا جاتا۔ اسی طرح لوہار کی یہ حالت تھی کہ اگر ہتھوڑا اٹھا لیتا اور اذان کی آواز کان میں آجاتی تو اسکو لوہے پر نہ مارتا بلکہ ہاتھ سے پھینک دیتا اور اگر مار چکنے کے بعد اذان سنتا تو پھر نہ اٹھاتا بلکہ فوراً عمل آخرت (نماز وغیرہ) کیلئے کھڑا ہو جاتا، یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ سے (شریعت کو) مطلوب یہ ہے کہ اُس کا دل اسی کیساتھ وابستہ رہے جسکے پاس جانے والا اور پہونچنے والا ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں کسب معاش وغیرہ میں لگے ہوں، مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ اقریقہ میں

Marfat.com

ایک گھاس کھودنے والا حماموں کیلئے گھاس لاتا تھا اور وہ اپنے وقت کے بڑے اولیا میں سے تھا صبح کی نماز سے فارغ ہوکر دوپہر کے قریب تک یہ کام کرتا پھر وہ کپڑے (جن میں گھاس کھودتا) اتار دیتا اور حمام میں جاکر غسل کرتا دوسرے کپڑے پہنتا اور جو کچھ مزدوری ملتی اسمیں سے تھوڑی مقدار اپنے واسطے رکھکر فقرا، عابدین اور مساکین کو باقی رقم تقسیم کردیتا خود دن بھر روزہ رکھتا اور مغرب کے وقت اس قلیل مقدار سے افطار کرتا جو اپنے واسطے رکھ لی تھی۔ یہ شخص صاحب احوال رفیعہ تھا اسکو بڑے بڑے بزرگ ہی پہچانتے تھے کیونکہ وہ اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل صفہ کی حالت سے جو اعتراض کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے بڑھ کر ہے آپ کے نفس کو دنیا کی طرف اصلا توجہ نہ تھی (توجسکی یہ حالت ہو اس کیلئے حضور کی طرح تارک اسباب ہونا ہی بہتر ہے لیکن) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (دوسروں کے ساتھ) نرمی کرنا ہے کیونکہ بعض بلکہ اکثر لوگ ضعیف ہیں (وہ حضور کی اس حالت کا اتباع نہیں کرسکتے تو ان کیلئے آپ نے اسباب معاش کو اختیار کرنا مشروع کیا) جیسا مجذوم کے بارہ میں (دوسروں کو تو آپ نے یہ فرمایا فرمن المجذوم کما تفر من الاسد۔ کوڑھی سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔ اور خود آپ نے مجذوم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا اور یہ دعا پڑھی بسم اللہ قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا، اللہ کے نام سے کھاتا ہوں کہدو کہ ہمکو ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوا اس کے جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کی ہے تو آپ نے (دوسروں کیلئے) آسان اور سہل طریقہ مشروع فرمایا کیونکہ حق تعالی کا ارشاد ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج اللہ نے تمھارے اوپر دین میں ذرا بھی تنگی نہیں کی اور اپنی حالت (اور عمل سے اہل قوت کیلئے (جنکے دل تعلق مع اللہ سے مضبوط ہو چکے ہیں) اعلی درجہ کے اختیار کرنے کا اشارہ بھی فرمادیا۔ مثلاً مجذوم ہی کے مسئلہ میں دو راستے ہیں جس کا نفس ضعیف ہو اسکو سنت کا اتباع کرکے مجذوم سے بھاگنا چاہیئے اس میں اسپر کوئی گناہ نہوگا اور اگر نفس قوی ہو تو اس سے ملے اور اسکی ساتھ کھائے اور اسمیں وہ آپ کے حال کا متبع ہوگا، چونکہ اہل صفہ نے (اور ان کے بعد صوفیہ نے) بلند حالت کو اختیار کیا (وہ حضور کی طرح تارک اسباب ہوگئے اور توکل کا اعلی درجہ لیلیا) تو حضور ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ کسب معاش (کے ذرائع و اسباب اختیار کرنے) میں ثواب ہے اس پر ایک حدیث سے (بظاہر) اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے لو انکم توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً و تروح بطاناً اگر تم اللہ پر پوری طرح توکل کرتے جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تعالی تمکو اس طرح روزی دیتے جس طرح پرندوں کو روزی دیتے ہیں کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں (جس سے

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا اعلیٰ درجہ ترک اسباب ہے اور جب اعلیٰ درجہ یہ ہے تو ثواب بھی اسی میں زیادہ ہے کیونکہ اعمال میں فضیلت ثواب ہی کی قلت و کثرت سے ہے) جواب یہ ہے کہ دونوں میں (کچھ تعارض نہیں تطبیق یہ ہے کہ جسکو توکل حقیقی حاصل ہو (اس کیلئے ترک اسباب ہی افضل ہے) اور توکل حقیقی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کا دل کسی مخلوق سے وابستہ نہو اور اگر اسکو کسی کے ہاتھ سے کوئی خیر حاصل ہو تو اس کا دل اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ رہے کسی دوسرے سے نہو۔ اور جو چیز بغیر انتظار نفس کے اس کے پاس آئے اول شریعت پر اسکو جانچے اگر شریعت کے لحاظ سے درست ہو تو پھر طریقت کی رُو سے دیکھے اگر اُس پر بھی ٹھیک اترے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اسکو بہترین صورت کی ہدایت کریں کہ اسکو لے یا چھوڑ دے (یہ ہدیہ قبول کرے یا نہ کرے) جب اُسکو بہترین صورت کی توفیق ہو جائے تو اگر لینے میں خیر ہو لے لے اور اسی شان سے لے (کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کیساتھ وابستہ ہو) اسکے بعد اسکی ضرورت ہے (کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے) کہ اسکو اچھی جگہ صرف کرنے کی توفیق ہو اور تمام حالات میں کسی کے ساتھ دل کو تعلق نہو۔ ویکون ذلک بمعرفۃ غیرہ فی التصرف فی ذلک بما یزیدہ الی اللہ قربا وفی حالہ حسنا (اس عبارت کے ترجمہ و مطلب میں شرح صدر نہیں ہوا) پھر اس تمام معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا مشاہدہ کرے اور اتباع سنت کی بنا پر اس شخص (کے احسان کا بدلہ دے اگر یہ نہو سکے تو اُس) کیلئے دعا کرے جسکو حق تعالیٰ نے اسکے لئے مسخر کیا (اور اسکے ہاتھ سے خیر پہونچائی) ہے اور دعا (وغیرہ) بھی محض اتباع امر کیلئے ہو اس سے زیادہ کچھ نہو حدیث میں ہے من اولٰی الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تجدوا فادعوا اللہ لہ حتی تعلموا انکم قد کافأتم (جو شخص تم پر کوئی احسان کرے اس کا بدلہ دو اگر یہ نہو سکے تو اللہ سے اس کیلئے دعا کرو یہانتک کہ دل گواہی دیدے کہ تم نے اس کا بدلہ کر دیا) نیز ایک حدیث میں دعا کی حد بھی بتلا دی گئی کہ جب تم نے احسان کرنے والے سے یہ کہدیا جزاک اللہ خیرا۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ تو تم نے اُسکی تعریف میں مبالغہ کر دیا،

اور اگر (اس شخص کو کسی کے ذریعہ سے خیر نہیں پہونچی بلکہ) یہ اُن لوگوں میں سے ہے جنکو خرق عادت (اور کرامت) کے طور پر (بلا واسطہ غیبی) فتوحات پہونچتی ہیں اُسکو چاہیئے کہ ان فتوحات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر شکر کی ساتھ لے اور اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھے ادب کو ملحوظ رکھے اور اپنے دل کو اس کرامت سے وابستہ نکرے اگرچہ وہ کرامت ربانی ہو (اللہ ہی کی طرف سے ہو اس کے تصرف کو اسمیں اصلاً دخل نہو پھر بھی اُسپر توجہ نکرے) کیونکہ یہ بھی شغل خاطر کا سبب ہوگا، نیز تصرف کے وقت اپنی احتیاج کو پیش نظر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اُسکو ایسی جگہ خرچ کرنے کی ہدایت فرمائیں جو اُسکی مرضی کے موافق ہو اور اپنے حال کو چھپائے رکھے کسی سے (غیبی فتوحات کا) تذکرہ نکرے مگر یہ کہ اُسکو اظہار کا حکم ہو تو حکم کے موافق ظاہر کرے

Marfat.com

اور (کوئی دریافت کرے تو) فتوحات کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ بھی منجملہ نعمتوں کے (بڑی نعمت) ہے (اور نعمت کا انکار مناسب نہیں کہ ناشکری ہے) اور اگر کوئی دریافت نہ کرے تو اس کا تذکرہ نہ کرے اور جب کوئی دریافت کرے تو صراحۃً خبر نہ کرے سوا اس کے جس سے (صراحۃً) ذکر کرنے کا حکم کیا گیا ہو کیونکہ یہ (غیبی فتوحات) قدرت کے اسرار میں سے ہیں اور جو شخص اسرار قدرت کو بغیر اجازت اور ضرورت کے ظاہر کرتا ہے وہ بہت کم اسکے پاس رہتی ہیں اور بہت کم باقی رہتی ہیں، ضرورت کی صورت یہ ہے کہ اظہار پر مجبور ہو جائے چھپانے پر قادر نہ ہو مجھ سے ایک ثقہ نے بیان کیا کہ ایک معلم کے اہل وعیال بہت تھے اور اسکے پیشہ کی آمدنی کافی نہ تھی (پڑھنے والے بچے جو کچھ لاتے وہ اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا) اس کا ایک بھائی بڑا مالدار تھا مگر وہ اسکی خدمت نہ کرتا تھا اور اس نے بھی بھائی سے یا اور کسی سے اپنا حال ظاہر نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے خرق عادت (یعنی کرامت کے طور پر یہ صورت جاری کر دی کہ روزانہ جب وہ مکتب کھولتا بچوں کے آنے سے پہلے اپنی دوات میں اتنی رقم موجود پاتا جو اس دن کیلئے کافی ہوتی اس طرح اسکی حالت درست ہو گئی (تنگی اور افلاس سے نجات مل گئی) ایک مدت اسی حال میں گذر گئی تو اسکے بھائی کو تعجب ہوا کہ مکتب کی آمدنی تو اسکو کافی نہ ہوتی تھی (پھر یہ خوش حالی کہاں سے آئی) بالآخر اس نے دریافت کیا کہ تیری آمدنی کہاں سے ہونے لگی تو اس نے اس سے ساری حقیقت بیان کر دی اسکے بعد یہ فتوحات بند ہو گئیں، (یہ تو اس کا حکم ہے جس کا توکل قوی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں وہ حدیث وارد ہے لو انکم توکلتم علی اللہ حق توکلہ الخ) اور جسکا توکل ضعیف ہو اسکو اسباب معاش کا اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔ اسمیں حکمت یہ ہے کہ جس کا توکل قوی ہے اس کا ایمان قوی ہے وہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے بندگی پر جما رہتا اور کسی وقت بھی (اللہ تعالیٰ پر (اور اسکی تقدیر پر) اعتراض نہیں کرتا نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھاتا ہے۔ اور جس کا توکل ضعیف ہے اس کا ایمان ضعیف ہے اس کا دل (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے خوش نہیں رہتا گو زبان سے کچھ نہ کہے اسکا نفس ادھر ادھر نظر رکھتا ہے بعض چیزوں کی تمنا بھی کرتا ہے اور کبھی بعض باتوں پر (دل میں) اعتراض بھی آتا ہے (گو عمداً نہ ہو وسوسہ ہی کے طور پر ہو) اور یہ عین ہلاکت ہی تو اسکے لئے اسباب میں مشغول ہونا ہی رحمت ہے کیونکہ اس کا دل اسباب میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے اگر اسکی مراد کے پورا ہونے میں کچھ نقصان بھی ہوا تو اسکو یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح کام کرے جس سے امید بر آئے (نقصان کو اپنی تدبیر کے ناقص ہونے کی طرف منسوب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا) اس صورت میں اسکے لئے بھلائی کی امید کیجا سکتی ہے کیونکہ اس نے اپنے مولیٰ کے خوف کو اپنے نفس کی تجویز پر مقدم کیا ہے (جبکہ شریعت کی پابندی کے ساتھ اسباب معاش میں کام کر رہا ہے خلاف شریعت سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے)

Marfat.com

اور اگر یہ ذریعہ معاش اس نیت سے اختیار کیا ہو کہ اس سے طاعت میں مدد ملے گا تو اس صورت میں خیر زیادہ ہوجائیگی اور اپنے صدق یقین کی بنا پر اسکے دل میں تواضع وانکسار پیدا ہوگا اور (سمجھے گا کہ میں تو دنیا دار ہوں) یقین والے مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں تو اس کا ثواب بڑھتا رہے گا (کم نہ ہوگا) اور خبردار دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ میں ان لوگوں سے افضل ہوں جو اپنے مولیٰ کے ساتھ سچا معاملہ رکھتے اور اس کے وعدہ کو جو رزق کی ضمانت میں کیا ہے سچا سمجھتے اور اسکی عبادت میں جس کا حکم دیا گیا ہے اسباب معاش کو چھوڑ کر مشغول ہوگئے ہیں (کہ یہ تو اپاہج ہیں تدبیر کو چھوڑ کر تقدیر پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں دوسروں کے محتاج ہیں ہم دوسروں کے محتاج نہیں بلکہ اپنا بھی خرچ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں اگر ایسا خیال دل میں لایا گیا تو) یہ بدترین حالت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی (اپنے منہ سے) اپنی تعریف نہ کرو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ متقی کون ہے؟ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے مناسب حال صورت پر نظر کرنا چاہئے (سب کو ایک لاٹھی نہ ہانکنا چاہئے) اسی کو فقہ حال کہتے ہیں اسی سے نفع زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر لوگوں پر ضعف ہی غالب ہے تو حکم وہی دیا گیا جو اکثر کے مناسب حال ہو۔ قولہ والکلام علیہ من وجوہ منہا ما معنی ھذا الخیریۃ الی قولہ جاء الحکم علی الاغلب من حکم الناس۔

ف (البتہ حضور نے خود اپنے لئے اعلیٰ حال کو اختیار فرمایا کہ ترک اسباب کی ساتھ توکل کیا۔ یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو صوفیہ تارکین اسباب پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام میں رہبانیت داخل کردی حالانکہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ترک اسباب معاش کا نام رہبانیت ہے تو وہ بتلائیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کون سا ذریعہ معاش اختیار فرمایا تھا؟ اگر آپ کا ذریعہ معاش کچھ نہ تھا بجز اللہ پر توکل کرنے کے تو گویا سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام میں رہبانیت کو داخل فرمایا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ رہبانیت نہیں بلکہ نکاح نہ کرنے اور اہل وعیال نہ رکھنے کا نام رہبانیت ہے تو صوفیہ نے یہ طریقہ کب اختیار کیا ہے؟ جسقدر صوفیہ تارکین اسباب ہوئے ہیں سب بیوی بچوں والے تھے رہا یہ اعتراض کہ صوفیہ متوکلین دوسروں کے سہارے پر رہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صوفیہ کو نہیں دیکھا۔ مکاروں کو دیکھا ہوگا جو تصوف کا جھوٹا دعوے کرنے والے ہیں۔ تو ایسے مکار ہر جماعت کے اندر موجود ہیں، علماء میں بھی اور علماء و طلباء اور فارغین اور اساتذہ میں بھی۔ امراء وروساء اور وزراء میں بھی، سلاطین وخلفاء میں بھی۔ اگر ان مکاروں کی وجہ سے کسی جماعت کو بدنام کیا جاسکتا ہے تو کوئی جماعت بھی اچھی نہیں کہی جاسکتی اور اس کا عین حماقت ہونا ظاہر ہے، جس نے سچے صوفیہ کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حضرات دوسروں کے سہارے پر نہیں ہوتے بلکہ سلاطین وامراء سے زیادہ

Marfat.com

ستغنی ہوتے ہیں بڑے بڑے ہدایا کو جو شریعت اور طریقت کی کسوٹی پر پورے نہ اتریں ٹھکرا دیتے اور واپس کر دیتے ہیں، ہزاروں لاکھوں روپیوں کا واپس کر دینا کچھ آسان کام نہیں جو علما ریا روشن خیال لوگ صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں اگر اُن کے سامنے بڑی بڑی رقمیں پیش کیجائیں تو کسی نہ کسی تاویل سے فوراً قبول کر لیں گو وہ ہدیہ شریعت کے خلاف ہی کیوں نہو ۱۲ مترجم۔

ف کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں صاحب کرامت کے قصد و ارادہ اور تصرف کو اصلا دخل نہو یہ ربانی ہے ایک وہ جس میں اسکے ارادہ و تصرف کو دخل ہو وہ روحانی ہے، مگر تصرف بدون اذن الٰہی کے نکرنا چاہیئے کہ خلاف توحید اور خلاف کمال معرفت ہے، اور جسکو آجکل دست غیب کہا جاتا ہے وہ کرامت میں داخل نہیں نہ وہ ربانی ہے نہ روحانی بلکہ شیطانی ہے کیونکہ اُس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی عمل یا نقش کے ذریعہ سے جنات کو تابع کیا جاتا اور اُن سے روپیہ منگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنات خوشی سے تابع نہیں ہوتے بلکہ جبر و قہر سے تابع ہوتے ہیں اور بغیر حق تعالیٰ کے حکم کے کسی پر جبر و قہر کرنا جائز نہیں پس عاملوں کا اپنے اس عمل تسخیر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر پر قیاس کرنا غلط ہے کہ وہاں جنات کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے تابع کیا تھا تمکو کس نے اجازت دی کہ اس طرح اُن کو تابع بناؤ واللّٰہم الا ان یکون الجن کافرا من المحاربین فیجوز تسخیرہ کما یجوز تسخیر الکافر الحربی من الانس لم ارہ صریحا ولکنہ مقتضی القواعد ولا یجوز اخذ الخراج منہ الا بعد التیقن بانہ لا یاخذہ من اموال المسلمین ولا من اموال اہل الذمۃ فافہم ۱۲ مترجم۔

اوپر کہا گیا ہے کہ صنعت و حرفت کے بہتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ یہ شخص بواسطہ صنعت کے غیب سے روزی لیتا ہے، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ وارد ہوگا کہ انھوں نے آسمان سے مائدہ (خوان) نازل کرنے کی دعا کی تھی اور یہ بلا واسطہ غیب سے روزی تھی (اگر یہ صورت افضل نہوتی عیسیٰ علیہ السلام اسکے لیے کیوں دعا کرتے جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا از خود نہیں کی بلکہ اپنی قوم کی درخواست پر کی تھی جو انھوں نے بطور معجزہ تصدیق رسول کے واسطے کی تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صورت افضل تھی) نیز یہ واقعہ بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے حضرت علی بھی آپ کے پاس آپہونچے پوچھا تمکو اسوقت گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہا بھوک کی وجہ سے نکلا ہوں حسن اور حسین بھی بھوک سے رو رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرمایا جس چیز نے تمکو گھر سے نکالا اُس نے مجھے نکالا ہے (میں بھی بھوکا ہوں) پھر آپ کے پاس چند صحابہ اور بھی آئے وہ بھی بھوک کی شکایت

Marfat.com

کھڑے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ دیکھو اُس کھجور کے درخت کے پاس جاؤ اور یہ زمانہ کھجور آنے کا نہ تھا (موسم ختم ہو چکا تھا) اور اُس سے کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تازہ کھجور ہمکو دو اسی وقت کھجور پر تازہ پھل آگیا اور حضرت علی رضؓ (بہت مقدار) کھجور (کی) لائے جو سب حضرات نے کھائی اور ہر شخص اپنے گھر والوں کے واسطے بھی بقدر کفایت بلکہ کچھ زیادہ لیگیا (جواب یہ ہے کہ یہ بھی بطور معجزہ کے ہوا جو کبھی کبھی ہوتا تھا ہمیشہ نہ ہوتا تھا دوسرا) جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کے قصہ سے ظاہر ہوگا کہ یہ دونوں حضرات جب باہم ملے اور ساتھ ساتھ چلے جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تو (بعض روایات میں ہے کہ) دونوں کو بھوک لگی تو اُن کے پاس (غیب سے) بکری کا بچہ آیا جس کا آدھا حصہ تو بھنا ہوا تھا اور آدھا حصہ کچا گوشت تھا، موسیٰ علیہ السلام نے بھنا ہوا گوشت کھانا چاہا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ آپکے طریق کے مناسب نہیں کیونکہ آپ اسباب سے کام لیتے ہیں اور میرا طریقہ تفویض ہے (میں تارک اسباب ہوں) تو آپ جائیے لکڑیاں جمع کیجئے آگ جلائیے اور کچے گوشت کو بھون کر کھائیے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور خضر علیہ السلام نے بھنا ہوا کھایا (یہ روایت نظر سے نہیں گذری اور غالبا ضعیف ہے قرآن میں جو قصہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں حضرات ایک بستی میں پہونچے اور بستی والوں سے ضیافت کا کھانا طلب کیا انھوں نے مہمانداری سے انکار کیا وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی بوسیدہ کھڑی تھی جو گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اُس پر ہاتھ پھیر دیا تو سیدھی ہو گئی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے اس پر مزدوری لے سکتے تھے۔ ایسے بیہودہ لوگوں کی دیوار کو مفت سیدھا کرنا کیا ضرور تھا اور اگر یہ روایت تسلیم کر لیجائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ ترک اسباب افضل نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے کیونکہ اول طریقہ خضر ہے اور دوم طریق موسیٰ علیہ السلام اور یقیناً موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل واعلیٰ ہیں تو اُن کا طریقہ بھی افضل ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم) اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں کسی صورت کی فضیلت عام نہیں فضیلت تو اسی میں ہے جو شریعت نے مشروع کیا ہے۔ کیونکہ یہ حالت رفیعہ (یعنی بلاواسطہ غیبی فتوحات) جسکو حاصل ہوتی ہے بعض دفعہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسکی شرطیں پوری کردی ہیں حالانکہ اُس نے سب شرطیں پوری نہیں کیں اب اگر کسی وقت اسکو کوئی ناگوار صورت پیش آتی ہے اللہ تعالیٰ پر (الزام اور) تہمت رکھتا ہے (گو عمداً نہ ہو بطور وسوسہ ہی کے ہو) اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے یا مراد پوری ہو گئی تو دھوکہ میں پڑ جاتا ہے (اپنے کو ولی اور قطب و غوث سمجھنے لگتا ہے) اور یہ بھی بڑا خطرناک حال ہے پس ایسے لوگوں کیلئے صنعت و حرفت ہی افضل ہے کہ اس طریق میں سلامتی زیادہ ہے جیسا نماز کے بارہ میں حضور کا ارشاد ہے

Marfat.com

کہ انسان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے سوائے فرض نماز کے (کہ وہ مسجد میں افضل ہے) کیونکہ گھر کی نماز میں ریا وغیرہ کی آمیزش سے سلامتی زیادہ ہے اور سلامتی کا طریق ہی افضل ہے اگرچہ دوسرے طریق کا فائدہ بڑا ہے مگر اس فائدہ کیساتھ خطرات بھی لگے ہوئے ہیں جن سے بہت کم لوگ بچکر نکلتے ہیں، اسی لئے بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سلامتی کے برابر کسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ مقامات عالیہ کیلئے دوسرے حضرات ہیں جو ان ہی کیلئے پیدا کئے گئے اور ان ہی کے موافق عمل کرتے ہیں (خلاصہ یہ کہ اولیاء کاملین کیلئے جن کا ایمان اور توکل قوی ہو ترک اسباب افضل ہے اور ناقصین کیلئے اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے اور بعض دفعہ اولیاء کاملین بھی خطرات سے سلامتی کیلئے اسباب کو اختیار کرتے ہیں جیسا اکثر صحابہ کے حالات سے ظاہر ہے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام خطرات سے محفوظ ہیں اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بعض انبیاء تارک اسباب تھے ۱۲ مترجم)

اوپر کہا گیا ہے کہ صنعت و حرفت میں کوئی حق اللہ متعین نہیں اسلئے وہ دوسرے اسباب معاش سے جن میں حق اللہ واجب ہے افضل ہے کیونکہ احتمال ہے کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں کچھ کمی رہ گئی ہو اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ دوسرے اسباب معاش میں بھی کوتاہی کا احتمال نہیں رہتا جیسا ایک تاجر کی حکایت ہے کہ وہ سمندر میں (مال تجارت لیکر) جا رہا تھا کہ جہاز ٹوٹ گیا یہ بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ پانی سے باہر آیا تو ایک شخص نے کہا آؤ اس آبادی میں چلیں جو یہاں سے قریب (نظر آرہی) ہے کہا میں تو (کنارہ سے) نہ ہٹوں گا جب تک میرا مال باہر نہ آئے ساتھی نے اسکو بیوقوف بنایا (کہ بھلا سمندر کے اندر سے بھی کہیں مال خود بخود باہر آیا ہے) پھر وہ اسکی ساتھ کچھ دیر تک کنارہ پر بیٹھا رہا کہ دفعۃً سمندر کی موجوں نے ایک گٹھری باہر پھینکی دیکھا تو اس پر اسکا نام لکھا ہوا تھا اسی طرح ایک ایک کرکے اس کا تمام سامان باہر آگیا سمندر میں کچھ بھی نہ رہا تو ساتھی نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ ہے جو تمام مسافروں میں سے تجھے ہی اس کرامت کیساتھ خاص کیا، کہا اللہ نے مجھے جو بھی حکم دیا میں اس کو بجالایا پھر مجھ سے وہ چیز کیونکر لے سکتا ہے جو مجھے عطا فرما چکا حالانکہ اس نے مجھے اپنے احکام بجالانے کی توفیق عطا فرمائی ہے ایسا تو نہیں ہو سکتا جواب یہ ہے کہ (دیگر اسباب معاش میں) ایسی صورت شاذ و نادر ہے اور حکم غالب حال پر مبنی ہوتا ہے (غالب حال یہی ہے کہ صنعت و حرفت میں کوتاہی کا احتمال نہیں اور دوسرے اسباب معاش میں کوتاہی کا احتمال رہتا ہے) جیسا بعض اہل صنعت بھی اپنے پیشہ میں خیانت کرتے ہیں جس سے وہ بدترین پیشہ ہو جاتا ہے مگر صنعت و حرفت میں ایسا شاذ و نادر ہے اور اگر کوئی کھوٹ ملاتا بھی ہے تو چھپا نہیں رہتا جیسا دوسرے ذرائع معاش میں چھپا رہتا ہے کیونکہ اموال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے سوا دوسرے حقوق بھی ہیں جیسے بیع میں خیر خواہی واجب ہے، دھوکہ بازی اور خیانت سے احتراز لازم ہے

Marfat.com

اور بہت سی باتیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں جنکو بہت سے تجار جانتے ہی نہیں اُن پر عمل تو کیا کریں گے اسی لئے صنعت وحرفت اُن سے بہتر ہے کہ اسمیں ایک یہی احتمال ہے کہ صنعت میں کاریگری کا حق پورا نکرے اگر ایسا کریگا تو اس کا عیب ظاہر ہو جائیگا جو پسند نکرے گا رد کردیگا۔ اسی لئے ایک عالم باعمل زیتون کے تیل کا کاروبار کرتے تھے بعض نے پوچھا تو خود ہی فرمایا کہ میں نے یہ کاروبار اسلئے اختیار کیا کہ اس میں نفس کو دھوکہ دینے کا موقع نہیں ملتا اگر ایک مٹکے میں عمدہ تیل ہو اور اسمیں تھوڑا سا خراب تیل ملا دیا جائے تو سارا مٹکا خراب ہو جاتا ہے بخلاف اور چیزوں کے کہ اُن میں دھوکہ چل جاتا ہے جب میں نے دیکھا کہ زیتون کے تیل میں دھوکہ نہیں چل سکتا اور اس سے مال میں نقصان ہو جاتا ہے تو میں نے اسی کا کاروبار اختیار کیا کیونکہ اہل توفیق نفس کے غوائل (اور شرارت) سے بیفکر نہیں رہتے اگرچہ اُن کے نفوس بابرکت (اور پاکیزہ) ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (یوسف علیہ السلام کی طرف سے) ارشاد فرمایا ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا کیونکہ نفس تو (اپنی فطرت سے) برائی کا حکم دینے والا ہے ہاں جس پر میرا پروردگار رحمت نازل فرمائے (وہ اسکی شرارت سے بچا رہتا ہے) اور یہ کہا ہے کہ صنعت وحرفت کی روزی میں دیگر ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہے تو اگر یہ بات قیاسی نہیں محض نقلی ہے جسکی علت معلوم نہیں تو بحث کی ضرورت نہیں اور اگر علت یہ ہے کہ اسمیں حکمت الٰہی کا اظہار ہے تو یہاں وہی گفتگو ہے جو اوپر گذر چکی اور اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر دیا گیا۔

پہلے کہا گیا ہے کہ اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت (انبیاء) ہے اسکے اختیار کرنے میں سنت کا اتباع ہے کیونکہ شریعت نے اسباب معاش اختیار کرنے ہی کو بتلایا ہے تاکہ کسی کو یہ گمان پیدا نہو کہ کسب معاش کی ساتھ عبادت نہیں ہو سکتی۔ شریعت نے اسی قسم کے خیالات کو باطل کرنے کیلئے صنعت وحرفت (اور دیگر اسباب معاش) کی ترغیب دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ عابد بننا ترک اسباب پر موقوف نہیں اگر عابد بننے کیلئے ترک اسباب ضروری ہوتا تو کوئی نبی بھی سبب معاش اختیار نکرتا اور بالاتفاق انبیاء علیہم السلام سب سے بڑھ کر عابد تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی علت کو دور کرنے کیلئے داؤد علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی (کہ بالاتفاق وہ بہت بڑے عابد تھے اُن کے عابد ہونے پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے اس پر وہ اسباب معاش میں بھی مشغول تھے بادشاہت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے)۔

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ عالم جب احکام بیان کرے تو اپنے قول کو واضح دلائل شرعیہ سے مؤید کر دے اگرچہ اسکے علم و معرفت میں کسی کو شک بھی نہو کیونکہ اس سے نفوس (سامعین) پر بات زیادہ

Marfat.com

واضح ہوجاتی اور احکام کو پختگی حاصل ہوتی ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صنعت و حرفت کی فضیلت بیان کر کے داؤد علیہ السلام کی حالت کو بطور حجت کے پیش فرمایا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام منسوخ نہیں ہوئے وہ ہماری شریعت میں داخل ہیں (جبکہ اللہ و رسول نے اُن کو بلا انکار کے بیان فرمایا ہو محض توراۃ و انجیل میں مذکور ہونا کافی نہیں کیونکہ اُن میں تحریف ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی بات کے مذکور ہونے سے اطمینان ہوجائیگا کہ اس حکم میں تحریف نہیں ہوئی)۔

یہ حدیث اُن لوگوں پر جو اسبابِ معاش میں مشغول ہیں حجت ہے کہ وہ اس شغل کی وجہ سے عبادت چھوڑنے کا بہانہ نہ کریں جیسا بہت لوگوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا گیا ہے کہ شغل معاش عبادت سے مانع ہے، اور قرآن کی یہ آیت ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ (ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں سب کے بیویاں بھی تھیں اور بچے) عیالداروں پر حجت ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اہل و عیال اور ان کیلئے کسب معاش عبادت سے اور کسب میں تقویٰ کی رعایت سے مانع ہے بعض لوگوں کو جب نصیحت کیجاتی اور عبادت کی ترغیب دیجاتی ہے صاف کہدیتے ہیں کہ اگر تمہارے بھی بال بچے ہوتے تو تم بھی اس قسم کی باتیں نہ کرتے اور نہ تم ویسے ہوتے جیسے اب ہو (بلکہ ہم جیسے ہی ہوتے) ان لوگوں کی حجتیں اس آیت سے ختم ہوگئیں کیونکہ (انبیاء علیہم السلام جو سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر عابد تھے عیالدار ہی تھے تو اب کسی کو بہانہ کرنیکا کیا موقع ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو نمونہ بنا کر ہی تو بھیجا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ صاحب رسولوں کی کیا بات ہے اُن کی ریس کون کرسکتا ہے، اگر رسول اللہ کی ریس نہ کیجائے گی تو پھر کس کی ریس کیجائے گی؟ کیا خدا نے اُن کو فضول ہی بھیجا ہے؟ ہرگز نہیں اُن کو اسی لئے بھیجا ہے تاکہ مخلوق کے سامنے ایک نمونہ ہو جس کے موافق اپنے کو بنانے کی کوشش کریں وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ) اس تقریر کے بعد (نصوص و احادیث میں) کوئی تعارض باقی نہیں رہا ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم سب کیلئے عام نہیں بلکہ ہر شخص کی حالت کے مناسب جدا حکم ہے نکاح ہی کو لیلو کہ نہ ہر شخص کیلئے ترک نکاح سنت ہے نہ ہر ایک کیلئے نکاح کرنا سنت ہے، جب تک قدرت نہ ہو اور اُس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مدد اور جمعیت قلب حاصل نہ ہو (اگر کسی کو بیوی کے نان و نفقہ اور مہر پر قدرت نہ ہو اور نکاح سے عبادت میں جمعیت قلب حاصل ہونے کی امید نہ ہو بلکہ پریشانی کا خطرہ ہو اُس کیلئے نکاح سنت نہیں بلکہ کثرت سے روزہ رکھنا سنت ہے تاکہ شہوت قابو میں رہے)

چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مجھے یہ پسند نہیں کہ مسجد کے دروازہ پر میری دکان ہو جس

Marfat.com

میں تجارت کرنے) سے جماعت کی نماز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے ایک دینار کا نفع ہو جسے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا کروں میں اس حالت کو فقر سے بہتر نہیں سمجھتا، یہی فقہ حال ہے کہ ہر شخص کو اس کے حال کے مناسب کام بتلایا جاسکے) تو ممکن ہے ان صحابی کو لوگوں سے اختلاط کرنے میں جمعیۃ قلب حاصل نہ ہوتی ہو یہ خاص دولت اختلاط میں فوت ہو جاتی ہو اگرچہ (دکان کرنے اور صدقہ کرنے سے) نفع متعدی حاصل ہو جائے کیونکہ نفع خاص مقدم ہے جیسے جان بچانا پہلے اپنی لازم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما اپنی جان کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہیں اس کے بعد دوسروں کی جان بچانا فرض ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ (اور جس نے ایک جان کو بچایا گویا اس نے تمام آدمیوں کو زندہ کر دیا) تمکو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کے بچانے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا قصد کرو جہاد کے سوا کسی وقت اسکی اجازت نہیں اگر ایسا کروگے گنہگار ہوگے، (البتہ جہاد میں یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بچانے کیلئے تم دشمن کے مقابلہ میں آگے بڑھ جاؤ یا دوسروں کی پیاس بجھانے کیلئے خود پانی نہ پیو پیاسے رہو اور ان کی جان بچاؤ جیسا بعض صحابہ سے منقول ہے) یہی حکم نفقہ کا ہے کہ پہلے تم اپنے نفقہ کے مکلف ہو پھر بیٹے کے پھر زوجہ کے، اگر تمھارے پاس ایک روٹی ہو تو تم پر کسی کا نفقہ واجب نہیں اگر دو روٹیاں ہوں تو اہل و عیال میں سے ایک کا نفقہ لازم ہوگا جن میں مقدم وہ ہے جس کا نفقہ (نص سے) ثابت ہے کہ تمھارے اختیار سے ساقط نہیں ہو سکتا یعنی اولاد پھر زوجہ کا لازم ہوگا، پھر جس قدر عیال زیادہ ہوں اسی ترتیب پر اہم کو مقدم کیا جائیگا (غرض انسان کو سب سے پہلے اپنی خاص حالت کا لحاظ ضروری ہے اپنی تکمیل و اصلاح کے بعد دوسروں کی فکر جائز ہے نفع لازم نفع متعدی سے مقدم ہے حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ دوسروں کی اشرفیوں کی حفاظت میں اپنی گٹھری کو ضائع نہ کر دینا انکا یہی مطلب تھا کہ اپنی تکمیل کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہئے) پس اگر کوئی شخص صنعت (و حرفت) اور اسباب معاش میں مشغول رہ کر جمعیت قلب حاصل نہ کر سکتا ہو اور یہ خاص حال اسے اس طرح میسر نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب ہوگی، ہمارا مطلب یہ ہے کہ قدرت کی ساتھ ترک اسباب کا طریقہ اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کی ساتھ شغل معاش کو بھی جمع کرے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الٰہی حاصل کرنے میں اسکے لئے زیادہ بہتر ہو۔ اگر قدرت ہی نہ ہو تو اس وقت اسکے حق میں شغل معاش کا اختیار کرنا ممنوع ہوگا میں نے دیکھا ہے کہ شیخ جلیل ابو العباس بن عجلان کی خدمت میں ایک عابد حاضر ہوا جسکے اہل و عیال بہت تھے جنکے لئے وہ کچھ شغل معاش بھی کرتا تھا جو اسکے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہ خود بھی کمزور تھا (کہ شغل معاش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا) عیال کثیر تھی جنکی وجہ سے تشویش بھی زیادہ تھی تو شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ نے جو علم اور حال دونوں طریق کے جامع تھے اس سے فرمایا کہ تمکو شغل معاش کا اختیار کرنا حرام ہے بس تم علم ہی میں مشغول رہو

Marfat.com

تم اور تمہارے اہل و عیال اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا پھر تو اُسکی یہ حالت ہوئی کہ مہینہ میں دو اردب
گیہوں کا آٹا اُس کے گھر میں خرچ ہوتا تھا اور اسوقت ایک قفیز گیہوں کی قیمت دس دینار رہا اس سے بھی زیادہ
تھی اسکے علاوہ کپڑے وغیرہ کا اور اہل و عیال کا اور بھی خرچ تھا (سب غیب سے پورا ہوتا اور) وہ کسی سے کچھ نہ
مانگتا علم و عبادت ہی میں مشغول رہتا تھا، یہ فقہ حال ہے جسکو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان بزرگ جیسا ہو
(کہ کس کیلئے کونسا طریق مناسب ہے چنانچہ) ایک درویش نے علماء وقت کے سامنے ایک فتوی پیش کیا (جسکا
مضمون یہ تھا) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اُس درویش کے بارہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اُسپر
شغل معاش کا اختیار کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ افتونا یرحمکم اللہ۔ تمام علماء نے اس کے جواب سے پہلو تہی
کی صرف ایک فقیہ نے جواب دیا جسکو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا تھا اُس با برکت بزرگ نے لکھا
اگر یہ شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے جسمیں کسی وقت فتور نہیں آتا تو اسپر شغل معاش کا
اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کسی وقت اسمیں فتور بھی ہوتا ہو تو کسب معاش واجب ہے، اس جواب کی خوبی میں
غور کرو کیسا عجیب جواب ہے، اسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے ان اللہ
تکفل برزق طالب العلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سمجھو اسمیں ایک راز ہے جسکو
وہی سمجھ سکتا ہے جس کا فتوی ان بزرگ جیسا ہو جن کا اوپر ذکر ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ساری مخلوق
کے رزق کا ذمہ لیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا زمین میں
جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزی اللہ کے ذمہ ہے، نیز ارشاد ہے لا نسألك رزقا نحن نرزقك والعاقبۃ
للتقوی (اے مخاطب! ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم خود تجکو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تقوی کا
ہے) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا رب اجعل ھذا البلد امنا وارزق اہلہ
الآیہ اے پروردگار اس شہر کو پر امن بنا دے اور اسکے باشندوں میں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے
اسکو ہر قسم کے پھل و غلے مرحمت فرما۔ تو حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ومن کفر فامتعہ قلیلا الآیۃ کہ میں
تو کافروں کو بھی (دنیا کی) قلیل مدت تک راحت و آرام دوں گا پھر انکو زبردستی جہنم کے عذاب میں داخل کرونگا
جب اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کی روزی کا ذمہ لیا ہے تو وہ کونسی صورت ہے جسکی طالب علم (دین) کیلئے
اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کفالت فرمائی ہے ؟ اگرچہ ہم اشارۃً اسکو بتلا چکے ہیں لیکن حالت کا مقتضی یہ ہے کہ اسکو
دوبارہ تفصیل سے بیان کر دیا جائے، تو سنو! کہ جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا اور بندوں کیلئے مقدر
فرمایا ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو سبب کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جسکو بندہ سبب ہی سے حاصل کر سکتا ہے اور
ایک وہ جو بلا سبب کے حاصل ہوتا ہے جیسے کسی نے کوئی چیز ہبہ کر دی (یا ہدیہ کر دی) یا میراث میں مال (یا جائداد)

Marfat.com

مکان وغیرہ) مل گیا پھر ہبہ کی بھی مختلف قسمیں ہیں (کبھی کوئی تعلق قرابت کی وجہ سے کچھ دیتا ہے کبھی دوستی
یا محبت وعقیدت سے ہدیہ دیتا ہے) اور ہم نہیں جانتے کہ کسکو سبب سے رزق حاصل ہوگا اور کس کو بلا سبب،
تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اسکو بتلادیا اذا ابتدع فی الدین بدعۃ تکید
الدین فعلیکم بمعالم الدین واطلبوا من اللہ الرزق قالوا وما معالم الدین قال مجالس
الحلال والحرام، جب دین میں بدعت داخل ہو جائے دین پر آفت آجائے گی تو (اسوقت) دین کے
نشانات کو چمٹے رہو اور روزی اللہ سے طلب کرو صحابہ نے عرض کیا دین کے نشانات کیا ہیں؟ فرمایا حلال
وحرام کی مجلسیں (جہاں احکام شرعیہ کا تذکرہ ہوتا ہو) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رزق کیلئے کسب معاش میں
مشغول ہونا تمکو طلب علم سے نہ روکے ورنہ دین بدعات وجہل کی وجہ سے مٹ جائیگا اسوقت علم (دین)
میں مشغول رہو (پڑھتے پڑھاتے رہو) اور اللہ تمکو رزق دیگا جب وہ عالم جس نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے
(یعنی علم دین) آخرت کے اسباب میں مشغول ہے کہ اسباب آخرت میں سب سے بڑا وسیلہ علم ہے جبکہ وہ اللہ
کیلئے (اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات واحکام سے متعلق) ہو اور قاعدہ کے موافق ہو (بے قاعدہ نہو) تو اللہ
تعالیٰ اسکے لئے بلا واسطہ اسباب کے رزق کو آسان کر دیتے ہیں اور اسکو مخلوق میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں بناتے
(بلکہ مخلوق اسکی محتاج ہوتی ہے) اس سے صاحب علم کا رزق بہت آسان ہو جاتا ہے اگر وہ آخرت کا طالب ہو اور
قاعدہ کے موافق شغل علم میں لگا ہوا ہو کیونکہ یہ شخص اپنے تمام اوقات اور پوری عمر کو علم میں مشغول کر دیتا ہے
تو اللہ تعالیٰ اسکو طلب رزق اور اسباب معاش کی فکر سے مستغنی کر دیتے ہیں، اور اس قسم کی احادیث پر قلت
اعتماد کی وجہ سے ہی بعض علماء اور طلبہ پریشانی میں مبتلا ہیں ان کی عمریں خسارہ میں ہیں نہ وہ دنیا کے رہے نہ آخرت
کے ہوئے، ہم اللہ جل جلالہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمکو اپنی سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کی سعادت توفیق دے
اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں **قولہ** واما الاعتراض علی الوجہ الثالث الذی للخیریۃ فیہ لکونہ یاخذ
من الغیب بواسطۃ الصنعۃ الی قولہ لا رب سواہ "
ف کاش ہمارے زمانہ کے علماء اور طلبہ ان احادیث پر وثوق واعتماد کرکے اہل دنیا سے مستغنی اور اللہ پر متوکل ہو جائیں
تو ان کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد سے مدارس ہندوستان کی حالت ناگفتہ بہ ہے
آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے، حضرات علماء مدارس کو ان احادیث پر اعتماد کرنا اور اپنے دلوں میں خلوص پیدا کرنا چاہئے اگر وہ
خالصاً لوجہ اللہ خدمت دینی میں مشغول رہیں گے اللہ تعالیٰ غیب سے ان کی امداد فرمائیں گے، ادھر مسلمانان ہندوستان
اور پاکستان کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ہندوستان میں اسلام کی بقا کا دارومدار مدارس اسلامیہ عربیہ کی بقا پر ہے اگر یہ
مدارس مٹ گئے تو اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ ہے، خدارا سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ان مدارس کی خدمت پر توجہ

Marfat.com

کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں بازپرس کا اندیشہ ہے، حکومت پاکستان کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر مدارس ہندوستان کی امداد اسلامی ریاستوں کے وظائف سے ہوتی تھی جواب غالباً بند ہوگئے ہیں تو ان وظائف کو حکومت پاکستان جاری کردے اور مدارس کو مٹنے نہ دے تاکہ اسلام ہندوستان میں فنا نہو فافھم واللہ یتولی ھداک "

(نمبر ۲۴۳) اس حدیث کا فائدہ یہ بھی ہے کہ کسب معاش اور عبادت دونوں کیلئے شریعت کا علم ضروری ہے بغیر اسکے نہ کسب معاش درست ہے نہ عبادت جسمیں علم کی صلاحیت ہو وہ عالم بننے کی کوشش کرے اور جسمیں اسکی صلاحیت نہو وہ احکام شرعیہ (مطالعہ کتب اور) علماء کی صحبت میں رہکر اُن سے دریافت کرکے معلوم کرے اور اُن کا اتباع کرے بشرطیکہ وہ علماء واقعی علماء ہوں محض دعوی ہی دعویٰ نہو کیونکہ دعوے سے بہت لوگ تباہ ہوگئے اور اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو بھی برباد کیا جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (کہ آخر زمانہ میں) بہت لوگ جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے جو اُن کی بات مانیگا اُسکو جہنم میں جھونکدیں گے، بعض لوگ علوم میں کمال کا دعوے کرتے ہیں حالانکہ وہ علوم ان کے حق میں بھی اور ان کے متبعین کے حق میں بھی وبال ہی ہیں کیونکہ اُن کے علوم کی بنیاد طلب دنیا اور طلب جاہ پر ہے (یہی اُن کا اصلی مقصد ہے) اور اس حالت میں بجز علم لفظی کے حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور جسکو علم حقیقی حاصل نہ ہو وہ شریعت کے مقاصد و مطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا اسلئے وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے) اور یہی اصلی خسارہ ہے اور بڑی بدنصیبی۔ اللہ تعالی ہمکو اپنے فضل و کرم سے اتباع سنت بلکہ تمام سنتوں کے اتباع کی توفیق دیں اور خسارہ سے بچائیں ایک بابرکت بزرگ نے فرمایا ہے ؎ تحب دنیا وتحب اخری حبیبان فی القلب لا یجتمعان دنیا سے بھی محبت کرتے ہو اور آخرت کی محبت بھی چاہتے ہو دو محبوب ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے (ایک فارسی شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ؎ ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ٭ ایں خیال ست ومحال است وجنوں)

قولہ وفائدۃ ھذا الحدیث انہ لا یصح کسب ولا تعبد الا بمعرفۃ السنۃ الی قولہ فی القلب لا یجتمعان

ف آجکل علم کے مدعی بہت پیدا ہوگئے ہیں اسی طرح تصوف کا دعوی کرنے والے بھی بہت ہیں اور ان مدعیوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے، عوام پر لازم ہے کہ جس طرح وہ اچھے طبیب اور ڈاکٹر کو علاج کے واسطے تلاش کرتے ہیں اور ہر مدعی کا علاج نہیں کرتے اسی طرح سچے علماء اور صوفیہ کو تلاش کریں، سچا عالم وہ ہے جو باعمل متبع سنت ہو باقاعدہ محقق علماء سے علم حاصل کیا ہو۔ دنیا کا حریص نہو مولود اور وعظ کہکر روپیہ نہ لیتا ہو روپیہ لیکر فتویٰ نہ دیتا ہو اور سچا صوفی وہ ہے جسکی تعلیم اور صحبت سے اللہ کی یاد دل میں جم جاتی ہو دل کو سکون و اطمینان ہوتا ہو بقدر ضرورت علم شریعت اُسے حاصل ہو متبع سنت ہو اور کسی محقق صوفی کی خدمت میں مدت تک رہا ہو صوفیہ زمانہ

Marfat.com

اُسکی ولایت کو تسلیم کرتے ہوں یعنی وہ صوفیہ جنکو کسی وجہ سے اسکی ساتھ حسد نہیں جا ہیے مانتے ہوں اور اسکی طرف زیادہ تر دینداروں کا رجوع ہو دنیا داروں کا رجوع زیادہ نہو خوب سمجھ لو کہ محض کسی مرشد کی سند اور دستار ملجانیسے آدمی عالم نہیں بنجاتا نہ چند جاہلوں کو مرید کرنے اور شعبدے دکھلانے سے صوفی ہوجاتا ہے علم اور تصوف کی علامات وہ ہیں جو اوپر بیان کیگئیں جو اس معیار پر پورا نہ اترے اس سے دور رہنا چاہیئے والسلام۔

۹۴ حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع مشتری (دونوں) کو اختیار ہے جب تک وہ متفرق نہوں پس اگر دونوں نے سچائی سے معاملہ کیا اور (مبیع وثمن کی اصلی حالت کو) بیان کردیا تو انکی بیع (وشراء) میں برکت دیجائیگی اور اگر (اصلی حالت کو) چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی برکت مٹا دیجائیگی،

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بائع ومشتری دونوں کو افتراق سے پہلے اختیار ہے اور برکت سچائی کیساتھ ہے خیانت اور جھوٹ سے برکت جاتی رہتی ہے، یہاں افتراق سے کیا مراد ہے؟ بات چیت سے (فارغ ہونا اور ایجاب وقبول تمام کرنا) یا بدن سے الگ الگ ہوجانا (کہ مجلس بدل جائے تو اختیار نہ رہےگا مجلس نہ بدلنے سے پہلے دونوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ بیع کو باقی رکھے یا فسخ کردے) کیونکہ لفظ افتراق کتاب اللہ میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے، افتراق بالابدان تو اس آیت میں ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ اگر میاں بی بی الگ ہوجائیں گے اللہ تعالی ہر ایک کو اپنی وسعت (رزق) سے غنی کردیگا۔ اور افتراق بالاقوال اس آیت میں ہے ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات ۳ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو الگ الگ راستہ پر ہوگئے اور واضح احکام آنے کے بعد اختلاف کرنے لگے (یہ افتراق جسمانی نہ تھا بلکہ عقاید وخیالات کا اختلاف تھا چنانچہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افترقت بنوا اسرائیل علی اثنین وسبعین فرقۃ وستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ" بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں متفرق ہوگئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی، علماء میں اختلاف ہے کہ حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا میں افتراق بالابدان مراد ہے یا بالاقوال؟ امام شافعی اور انکے متبعین پہلے کے قائل ہیں اور امام مالک اور اُن کے متبعین افتراق بالاقوال کے قائل ہیں (امام ابوحنیفہ بھی امام مالک کے موافق ہیں) اور یہی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی کی ایک حدیث میں ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک باغ فروخت کیا جو حضرت عثمان رض کے گاؤں میں تھا (یا انکی زمین کے پاس تھا) عبداللہ بن عمر چاہتے تھے

Marfat.com

بیع پختہ ہو جائے تو وہ (یعنی وقت ایجاب و قبول کرتے ہی) کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ بھی اسی حدیث کے ایک راوی ہیں حضرت عثمان نے فرمایا کرتے (مجلس سے اٹھکر) بیع کو تمام کرنا چاہا ہے یہ سنت نہیں ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ (یا تو حدیث میں) افتراق بالابدان مراد ہی نہیں یا وہ) منسوخ ہو چکا ہے۔ اور یہ بیع و شرا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوئی تھی پھر عبد اللہ بن عمر نے حضرت عثمان کے قول کیطرف رجوع کیا (اور سمجھ گئے کہ بیع ایجاب و قبول ہی تمام ہو جاتی ہے مجلس سے جدا ہونے کی ضرورت نہیں) اور امام مالک نے فرمایا ہے جب دو حدیثیں (ظاہر میں مختلف ہوں اور دونوں صحیح ہوں اور ثابت ہو جائے کہ خلفاء (راشدین) نے یا ان میں سے کسی ایک نے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو یہ اسکے منسوخ ہونے کی دلیل ہے، اور جب ایک حدیث میں دو معنی کا احتمال ہو اور کسی خلیفہ (راشد) نے ایک معنی کے ساقط ہونے کی تصریح کر دی ہو تو بدرجہ اولی وہی معنی مراد ہونگے جو خلفاء نے یا کسی ایک خلیفہ نے سمجھے ہیں بعض علماء زمانہ نے امام شافعی رح کی حمایت میں حضرت عثمان کی اس حدیث کا انکار کیا ہے (یعنی اسکو صحیح نہیں مانا) حالانکہ جس نے اسکو نقل کیا ہے اسکے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے جسمیں کچھ شبہ نہیں وہ ابو الولید بن رشد الجد ہیں جو البیان والتفصیل کے مصنف ہیں انھوں نے اس حدیث کو مقدمات میں ذکر کیا ہے جو فقہ میں (انکی مشہور کتاب) ہے،

ف اگرچہ یہ مسئلہ تصوف کا نہ تھا مگر فقہ کا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جسمیں بڑا اختلاف ہے اور طرفین سے بکثرت دلائل پیش کیے جاتے ہیں اسلئے میں نے اسکا ترجمہ کر دیا کہ علماء کے کام کی بات ہے ۱۲ مترجم۔

(۲۴۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ (مسلمان کو) دنیا بھی بغیر آخرت کے نہیں ملتی دیکھو بائع و مشتری کو برکت سچائی سے حاصل ہوتی ہے جو اعمال آخرت میں سے ہے جسمیں انسان کو ثواب ملتا ہے بلکہ یہ تو ایمان کی کامل ترصفت ہے (مومن جھوٹا نہیں ہوتا) اسی لیے اہل تحقیق (یعنی محقق علماء و صوفیہ) نے فرمایا ہے من صدق و صدق قرب لا محالۃ (جو اپنے قول و فعل میں سچائی کا پابند ہو وہ لامحالہ قرب خداوندی حاصل کریگا) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسکو واضح طور سے بیان فرمایا ہے لا ینال ما عند اللہ الا بطاعۃ اللہ اللہ کے پاس جو چیز ہے (یعنی خیر و برکت) وہ بغیر اللہ کی اطاعت کے حاصل نہیں کیجا سکتی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی نحوست سے دنیا و آخرت دونوں کی خیر جاتی رہتی ہے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر وہ (عیب کو) چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو بیع کی برکت مٹا دیجائیگی، جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور (عیب کو) چھپانا خیانت ہے وہ بھی بڑا گناہ ہے حدیث میں ہے، من غشنا فلیس منا جس نے ہمسے خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں اور جھوٹے بولنے والے کے متعلق ایک حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ اسکی باچھیں لوہے کے کانٹے سے چیری جائینگی قیامت تک اسکی ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہیگا۔ تو دنیا کا بھی خسارہ ہوا کیونکہ جب مال میں برکت نہوئی تو وہ ضائع ہو گیا اور آخرت

Marfat.com

کا بھی خسارہ ہوا کہ عذاب کا مستحق ہو گیا اور اہل توفیق دنیا و آخرت دونوں میں سود مند ہیں چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپکے پاس سقدر مال کیونکر آیا (وہ بڑے تاجر اور بڑے مالدار تھے) فرمایا میں نے تجارت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا نہ (مال کا) عیب چھپایا نہ ادھار بیچا نہ نفع کو رد کیا چاہے کتنا ہی (قلیل) ہو چنانچہ انکا ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے بہت سے اونٹ خرید لئے تو لوگوں نے کہا (یہ مال اچھا نہیں) آپ کو نفع میں صرف نکیلیں ملیں گی (جن سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے) آپ نے اتنے ہی نفع پر اونٹوں کو بیچدیا جب خریدار اونٹ خرید کر چلا گیا اب اسکو رسی کی تلاش ہوئی جس کی نکیلیں بنائے تو (اتفاق سے) اسکو رسی نہ ملی وہ پھر حضرت عبدالرحمٰن کے پاس واپس آیا اور نکیلیں (جو ان کے پاس نفع میں رہ گئی تھیں) بہت مال دیکر خرید لیں (اس طرح ان کو ردی مال میں بھی بہت نفع مل گیا) **قولہ فیہ دلیل علی ان لا تحصل الدنیا الا بالآخرۃ الی قولہ بجملتہ مال**۔

ف مسلمان تاجروں کو ان اصول پر عمل کرنا چاہیئے جو عبدالرحمٰن بن عوف صحابی نے بیان فرمائے ہیں کہ ترقی تجارت اور برکت کی بنیاد ان ہی پر ہے، آجکل اکثر تجار زیادہ نفع کے انتظار میں رہتے ہیں یہ بہت بری بات ہے جس سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ برکت اسی میں ہے کہ مال کو جلد نکالدو اور زیادہ نفع کا انتظار نہ کرو پھر دوسرا مال جلدی خریدو اور اسکو بھی تھوڑے سے نفع پر نکالدو پھر اور مال خریدو مال کا مدت تک روکنا اچھا نہیں۔ ذخیرہ اندوزی کا آجکل عام مرض ہے لوگ ایک روپیہ کے مال پر دس گنا نفع چاہتے ہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجود کثرت پیداوار کے ملک میں سخت گرانی ہے اور عام طور سے سب پریشان ہیں خریدار گرانی سے اور تجار ٹیکسوں کی بھرمار سے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔

(۴۳۵) کیا یہ حکم بیع ہی کیساتھ خاص ہے (جس میں مال کا مبادلہ مال سے ہوتا ہے) یا ہر معاملہ کو عام ہے جس پر بیع کا اطلاق آتا ہو اگرچہ اس میں مال کا مبادلہ نہو) ظاہر لفظ کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہر معاملہ کیلئے اس کو عام کہا جائے کہ سب میں ان عیوب سے پرہیز کیا جائے جو معاملہ کو بگاڑنے والے یا برکت کو برباد کرنے والے ہیں اور ان خوبیوں میں رغبت کیجائے جو برکت کی موجب ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (بیع و شراء کا اطلاق ایک اور جگہ بھی کیا ہے) فرمایا ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے عوض کہ ان کے واسطے جنت ہے وہ اللہ کی راستہ میں قتال کریں پھر قتل کریں اور قتل کئے جائیں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو جو شخص اس بیع میں سچا (اور ثابت قدم) رہے۔ حق کو نہ چھپائے اللہ اور رسول پر جھوٹ نہ لگائے نہ احکام دین میں گڑبڑ کرے کہ بدعت ایجاد کر کے اسکو دین بتلانے لگے۔ اور اللہ اور رسول کیساتھ سچائی کا معاملہ رکھے جیسا واجب ہے اور احکام الٰہیہ کو قواعد شرعیہ کے موافق بیان کرے اور اللہ کے بارہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرے اسکی بیع میں برکت دیجائیگی مگر اس بیع میں ایک زیادتی ہے جو پہلی میں نہیں دونوں جگہ ثمن اور بیع میں جو برکت ہوتی ہے

فائدہ: [illegible]

Marfat.com

وہ تو بندہ ہی کیلئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ ہمیشہ سے مستغنی ہیں دوسری بیع بھی ہماری ہی واسطے تجارت ہے چنانچہ ارشاد ہے ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون کیا میں تمکو ایسی تجارت بتلادوں جو دردناک عذاب سے تمکو نجات دے (وہ یہ) کہ تم اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اور خسارہ بھی دونوں پر عائد ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اس دوسری تجارت کو خسارہ سے بچانے کا زیادہ اہتمام کیا جائے کیونکہ اس کا نفع اور خسارہ دائمی ہے اور دنیوی تجارت کا نفع اور خسارہ چند روزہ ہے) چنانچہ حضرات انصار نے جسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو دریافت کیا اگر ہم اس بیعت کو پورا کریں تو ہمارے لئے کیا ہے؟ فرمایا جنت ہے صحابہ نے عرض کیا ہم راضی ہیں اور اس بیعت کو (پورا کریں گے) توڑیں گے نہیں۔ پھر ان حضرات نے بیعت کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ان کیلئے وفاء عہد کی شہادت دی کہ حقیقت ایمان ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقا اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں انھوں نے جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجروں کو) جگہ دی اور (دین کی) نصرت کی یہی سچے مؤمن ہیں۔ لھم مغفرۃ ورزق کریم ان کیلئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی) اسی لئے اہل توفیق نے اپنے لئے ایک ہی فکر کو اختیار کر لیا (یعنی فکر آخرت) اور ادھر ادھر التفات نکیا تو وہ کامیاب اور سودمند ہو گئے کسی نے (خوب) کہا ہے ۵ لما رأیت القوم قد ساروا وخلفوا + متقلا مثلی ولم یعرجوا

جهدت فی النوح والبکا لعلی الحق	من بعدهم توبۃ تجدنی من حیث عرجوا
واستأنف بیعۃ لعلی مثلهم لا اخلف	وحادی نوقی بقول وعدك یا مولای لا یخلف
انا الضعیف ببابکم وهو خیر موقف وقفوا	فاحملوا الضعیف ببابکم فیحیا تکرما لغیرکم لا اقف

جب میں نے قوم کو دیکھا کہ (آگے) بڑھ گئی اور مجھ جیسے بوجھل کو پیچھے چھوڑ گئی اور تیزی کیساتھ چلی گئی۔ تو میں نے خوب گریہ وزاری کی کہ شاید ان کے بعد مجھے توبہ نصیب ہو جائے جو اس مقام تک پہونچا دے جہاں وہ پہونچے ہیں اور بیعت کی تجدید کی تاکہ میں بھی ان کی طرح (آگے بڑھ جاؤں) پیچھے نہ رہوں اور میری ناقہ کا چلانیوالا کہہ رہا تھا اے میرے مولا! تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا تمہارے دروازہ پر میں کمزور مسکین کھڑا ہوں اور یہی سب سے اچھی جگہ کھڑے ہونیکی ہے تو اس کمزور کو بھی اٹھالو جو تمہارے دروازہ پر (ہے) تمہاری زندگی کی قسم میں تمہارے سوا کسی پر توجہ نہ کروں گا قولہ ھل یقتصر ھذا علی ھذا البیع الی قولہ لا یغیرکم اقف

ف مطلب تو ظاہر ہے مگر یہ معلوم نہوا کہ یہ اشعار کس بحر میں ہیں اور یہ اشعار ہیں یا نثر مقفی مگر بزرگوں کے کلام میں اس چیز کے دیکھنے کی ضرورت نہیں معنی اور مطلب کو دیکھنا چاہئے ۵ قافیہ اندیشم و دلدار من + گویدم مندیش جز دیدار من واللہ اعلم مترجم

ف مشائخ طریق سے جو بیعت کیجاتی ہے وہ بھی تجارت آخرت میں داخل ہے جس میں مرید کیطرف سے اپنی نفس کو شیخ کے حوالہ کیا جاتا ہے اور شیخ اسکے عوض میں اسکو اپنی باطنی دولت یعنی نسبت مع اللہ عطا کرتا ہے وہاں بھی دونوں کو سچائی سے معاملہ کرنا

Marfat.com

واجب ہے۔ مرید کو اپنے نفس کے عیوب اور امراض صاف صاف بیان کرنا چاہئیں ۔ ما حال دل را با یار گفتیم + نتواں نہفتن درد از طبیباں ۔ اور شیخ کو اگر مرید سے مناسبت نہ ہو اور اس سے فائدہ کی امید نہ ہو تو صاف کہدے کہ تمہارا حصہ میرے یہاں نہیں تم کسی دوسرے شیخ سے رجوع کرو مرید کو اگر شیخ سے کسی وقت اعتقاد نہ رہے تو اسکو بھی ادب کیساتھ اس سے علیحدہ ہو جانا چاہئے دھوکہ نہ دے۔

۱۹۵ (حدیث جواز اخذ الزوجۃ ما یکفیہا من مال زوجہا اذا کان شحیحا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ کی والدہ ہندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل مرد ہے تو اگر میں انکے مال میں سے چھپا کر کچھ لیلوں تو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟ فرمایا تم اور تمہاری اولاد اتنا لیلو جو عام عادت کیموافق تمہیں کافی ہو جائے۔"

تنا ﷺ ظاہر حدیث یہ ہے کہ جس شخص پر کسی کا حق ہو اور وہ نہ دیتا ہو تو اسکی غیبت میں اسکے مال سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اسکی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے کہ جنس حق سے ہی لینا جائز ہے یا غیر جنس سے بھی لیسکتے ہیں (اسکو کتب فقہ سے معلوم کرلیا جائے)

(۱۴۴۲) حضرت ہندہ کے اس قول سے کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے، معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے ضرورت کے وقت (مدعا علیہ کی) غیبت کرنا جائز ہے اور وہ حقیقت میں غیبت نہیں کیونکہ اس سے دوسرے کی تنقیص (یا عیب جوئی) کا قصد نہیں ہوتا بلکہ حقیقت حال اور بیان واقعہ کا قصد ہوتا ہے (تاکہ حاکم واقعہ کی تفصیل و حقیقت سے واقف ہو کر فیصلہ کرے) اور حضرت ہندہ نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت میں غیبت نہیں تھی بلکہ عادت عرب کے موافق ابوسفیان کی مدح تھی کیونکہ انکے یہاں اپنے اہل وعیال کیساتھ انسان اسلئے بخل کرتا تھا کہ اسکو مہمانوں کی خاطر تواضع کا اہتمام زیادہ ہوتا تھا جس سے اہل وعیال کو تنگی پیش آتی تھی تو یہ ایسا لفظ ہے جس کا باطن ظاہر کے خلاف تھا ظاہر میں مذمت تھی مگر حقیقت میں بڑی مدح تھی کہ وہ بہت مہمان نواز ہیں مہمانوں کی خاطر تواضع میں اتنا خرچ کر دیتے ہیں کہ گھر والوں کو تنگی سے پریشانی ہوتی ہے) قولہ ظاہر اللفظ یعطی جواز الغیبۃ عند الحاکم الی قولہ فھی لفظ ظاہرہا باطنہا خلاف

ف: علامہ ابن ابی جمرہ نے عجیب بات کہی ہے جو واقع میں صحیح ہے کیونکہ اہل عرب کے یہاں سردار میں چار اوصاف کا ہونا اور ان میں دوسروں سے ممتاز ہونا شرط تھا، نجابت، سخاوت، فصاحت، شجاعت اور ابوسفیان سردار مکہ تھے تو وہ بخیل کیسے ہو سکتے تھے اگر وہ بخیل ہوتے تو سردار نہیں بن سکتے تھے پس یقیناً ہندہ کا مطلب یہی تھا جو علامہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کی وجہ سے گھر والوں کو تنگی دیتے تھے حضور نے اُن کو اجازت دیدی کہ قاعدہ کے موافق جیسے اپنے حقوق وصول کر سکتی ہے حق سے زیادہ نہیں پس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں ہو سکتا کہ ضرورت کے وقت حاکم کے سامنے مدعی علیہ کی غیبت جائز ہے، اسکے لئے دوسرے دلائل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا یحب اللہ الجہر بالسوء

Marfat.com

من القول الا من ظلم۔ اللہ تعالیٰ بُری بات کا اعلان پسند نہیں کرتا مگر جو مظلوم ہو (وہ ظالم کی برائی کر سکتا اور اس کے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے)۔

۹۶/ حدیث النہی عن التصویر

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی صورت (جاندار کی) بنا دے تو اللہ تعالیٰ اسکو عذاب دیں گے یہانتک کہ اسمیں روح پھونک دے اور وہ اسمیں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکتا۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص (جاندار کی) تصویر بنا دیگا اسکو ہمیشہ عذاب ہوتا رہیگا اور ظاہر لفظ سے واضح ہو رہا ہے کہ مراد جاندار کی تصویر ہے کیونکہ روح پھونکنے کا مطالبہ اسی میں ہو سکتا ہے اور (عبد اللہ بن عباس اور) عبد اللہ بن عمر سے اسکی تصریح بھی منقول ہے کہ بے جان کی تصویر جائز ہے جیسے درخت اور مکانات وغیرہ کی واللہ اعلم۔

ف فوٹو لینا بھی تصویر بنانے کے حکم میں ہے، بعض علماء مصر و ہندوستان نے اسکو تصویر میں داخل نہیں کیا کیونکہ نقش ہاتھ سے بنائی جاتی ہے اور فوٹو کیمرہ کے آئینہ سے لیا جاتا ہے مگر طریق کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلجاتی اگر پہلے زمانہ میں شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اور آجکل مشین سے کشید کی جانے لگی تو حکم نہیں بدلیگا کیونکہ حقیقت دونوں جگہ متحد ہے اسی طرح فوٹو اور تصویر کو سمجھنا چاہیے۔

ف ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ تصویر بنانے والے کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہیگا مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اللہ تعالیٰ اسکو تو معاف نہ کریں گے کہ اُن کی ساتھ دوسرے کو شریک کیا جاوے اور اسکے سوا (اور گناہوں) کو جسے چاہیں گے معاف کردیں گے،، اسکے معارض ہے کیونکہ یہ گناہ شرک و کفر سے کم ہے تو وہ بھی مشیت کے تحت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرما دیں گے۔ اور یہ وعید ویسی ہی ہے جیسی عمداً مسلمان کو قتل کرنے کی وعید ہے فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ کہ اسکی سزا جہنم ہے جسمیں ہمیشہ رہیگا اور اُس پر اللہ کا غضب ہے، اہل سنت نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اسکی سزا تو یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہیں مگر آخر میں ارحم الراحمین کی شفاعت سے یہ لوگ جنت میں پہونچ جائیں گے جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کرلی رسولوں اور نبیوں نے بھی شفاعت کرلی اب ارحم الراحمین کی شفاعت رہ گئی پھر اللہ تعالیٰ (دو تین بار) جہنم میں سے مٹھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالیں گے جنکو قرآن (کے قانون) نے جہنم میں محبوس کر رکھا تھا۔ اور قانون قرآن دو قسم کے لوگوں کو جہنم میں محبوس کریگا ایک تو کفار کو دوسرے اُن گنہگاروں کو جنکے بارہ میں

Marfat.com

عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کی مغفرت نہ کیجائے تو کفار کی تو مغفرت نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرما چکے ہیں کہ یہ لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہیں آیات و احادیث اسکے متعلق بکثرت وارد ہیں اور امت کا اجماع بھی اس پر منعقد ہو چکا ہے اب دوسری ہی جماعت رہ گئی جنکو رحمت الٰہیہ سے حصہ ملیگا اور مراحم خسروانہ سے انکو جنت میں پہنچا دیا جائیگا یہ ایسی توجیہ ہے جس سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا علامہ ابن ابی جمرہ نے اسی مضمون کو شرح میں بیان فرمایا ہے مگر چونکہ مسئلہ تصوف کا نہ تھا اسلیئے فوائد میں داخل کیا گیا کہ علماء کے کام کی بات ہے ۔"

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں علماء بعض اسلامی فرقوں کی تکفیر کا فتویٰ دینا چاہتے تھے اور مولانا اُن کے اقوال کی تاویل فرما رہے تھے علماء اس تاویل میں کلام کر رہے تھے خوب دیر تک بحث ہوتی رہی تو فرمایا کہ تم لوگ کس خیال میں ہو خدا کی قسم قیامت میں جب رحمت کو جوش ہوگا بہت سے ایسوں کو بخشدینگے جنکو ملائکہ اور انبیاء نے بھی کافر سمجھکر جہنم میں چھوڑ دیا ہوگا اُن کا ایمان اسقدر ضعیف تھا کہ ملائکہ و انبیاء و رسل اور سید الرسل صلی اللہ علیہم وسلم بھی اسکو نہ پہچان سکیں گے تو جن کے ایمان کو وہ نہ پہچان سکے تم تو اُن کو قطعی کافر کہوگے اسلیئے تم جن لوگوں کی تکفیر کرنا چاہتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ اُن کی مغفرت ہو رہی ہے ہاں انتظام شریعت کیلیئے انکو دھمکانیکے طور پر کفر کا فتویٰ دیدو تو مضائقہ نہیں مگر واقع میں کافر نہ سمجھو سمعتہ من سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ "

(۲۴۷) اسمیں صوفیہ کے اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ وہ دعوے کو برا سمجھتے ہیں گو سچا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ اندیشہ (ہر وقت) ہے کہ مدعی کے اندر کچھ نقص ہو جسکی اُسے خبر نہ ہو تو دعویٰ اُسکی محرومی کا سبب ہوگا ۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تصویر بنانے والوں سے کہا جائیگا اسمیں روح پھونکو اور وہ کبھی روح نہ پھونک سکیں دوسری حدیث میں ہے کہ اُن سے کہا جائیگا تم نے جو صورت بنائی تھی اسکو زندہ کرو یعنی اُن سے مطالبہ کیا جائیگا کہ اپنے دعوے کو پورا کرو ۔ وہ اسکو پورا نہ کر سکیں گے تو جھوٹے دعوے پر عذاب دیا جائیگا کیونکہ جب انھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی تصویر بنائی تو زبان حال سے اپنے خالق ہونیکا دعویٰ کیا اُن سے کہا جائیگا کہ پورا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس تصویر میں جان بھی ڈالدو ورنہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو جسکی سزا دردناک عذاب ہے ، حدیث سے صدر اول (صحابہ و تابعین) کے طریق کی بھی تائید ہوتی ہے اور یہی حق ہے کہ وہ حضرات انسان کے حال کو دیکھتے تھے اقوال کو نہ دیکھتے تھے ، دیکھو تصویر بنانے والا زبان سے تو اپنے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا مگر اُس کا عمل (زبان حال سے) اس دعوے کو بتلا رہا ہے تو اسکی بات کا لحاظ نہیں کیا گیا اگرچہ وہ عمر بھر یہ کہتا ہے کہ یہ حقیقی تصویر نہیں

دعویٰ برا ہے گو سچا ہی کیوں نہ ہو

Marfat.com

(محض دیکھنے کی تصویر ہی) اس بات سے اس کو کچھ نفع ہوگا بلکہ زبان حال سے جو دعویٰ ظاہر ہو رہا تھا اس پر مواخذہ کیا جائیگا، اس تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو اللہ والوں سے ملنا چاہے وہ انکا اتباع کرتا ہے اپنی طرف سے (رسم) ایجاد نکرے وہیں پہونچ جائیگا جہاں وہ پہونچے ہیں اگرچہ دعویٰ نہ کرے اور اگر دعویٰ کرتا رہا اور اتباع نکیا اسکو خسارہ اور ذلت نصیب ہوگی۔ اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جو اس چیز کا دعوے کرے جو اس میں نہیں ہے امتحان کے وقت رسوا ہو جاتا ہے کسی نے (خوب) کہا ہے ۔ نفسك على الدعوى فحاسبها + ولا تدع ذالك فتضيعها جب تمہارا نفس کوئی دعوی کرے اسکا محاسبہ کرو اور دعوی کرکے اپنے کو برباد نکرو وقولہ فیہ دلیل لطریق اهل الصوفة في ذمهم الدعوى الى قولہ فتضيعها"

۹۷ (حدیث جواز اخذ الاجر علی کتاب اللہ عزوجل)

حضرت (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں پر تم معاوضہ لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اسکی مستحق کتاب اللہ ہے۔

شارح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ (کی تعلیم) پر اجرت لینا جائز ہے اور وہ سب سے زیادہ حلال ہے، اسکے معارض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ قرآن پڑھایا اس نے اسکو ایک کمان ہدیہ میں دی کہ اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ جہاد کرنا۔ اس شخص نے جسکو ہدیہ دیا گیا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا یہ دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے یا فرمایا دو ٹکڑے ہیں، اس حدیث سے بظاہر (کتاب اللہ کی تعلیم پر معاوضہ لینے کی) ممانعت معلوم ہوتی ہے اسی لیئے علما میں اختلاف ہوگیا بعض تو اس حدیث کی وجہ سے جسکی ہم شرح کر رہے ہیں مطلقاً جواز کے قائل ہوگئے اور بعض علماء دوسری حدیث کی وجہ سے مطلقاً ممانعت کے قائل ہوگئے۔ اور بعض نے دونوں کو جمع کر دیا کہ بعض حالات میں جواز کے اور بعض حالات میں ممانعت کے قائل ہوئے ہیں) یا امام مالک کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو عمل فرض ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں اور جو فرض نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے مثلاً کوئی شخص سورہ فاتحہ سیکھنا چاہے اس سے اجرت لینا جائز نہیں جبکہ وہ بالغ ہو کیونکہ سورہ فاتحہ کا سیکھنا اس پر فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں (تو اس کا سکھلانا بھی فرض کفایہ ہے) اور فاتحہ کے سوا کچھ اور بھی پڑھنا چاہے تو اس سے اجرت لینا جائز ہے اسی پر تمام احکام دین کو سمجھ لو کہ جو عمل اسوقت طالب کے ذمہ فرض ہو اسپر مطلوب کو اجرت لینا جائز نہیں اور جو (اسوقت) فرض نہیں اسمیں اختیار ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز میں دین کا بڑا فائدہ ہے جسکی حقیقت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں یا وہ (علماء و فقہاء) جنپر اس حقیقت کا کچھ حصہ منکشف ہوگیا ہے کیونکہ اجرت تعلیم قرآن کے جواز سے قرآن کی تعلیم مسلمانوں میں

Marfat.com

پھیل جائیگی اگر یہ اجرت جائز نہوتی تو کوئی شاذ و نادر ہی پڑھاتا کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بچوں کی تعلیم کی مشقت (اور انکی تربیت کی مصیبت) کو بلا معاوضہ برداشت کرسکیں پھر اسکو بھی تو انسانی ضرورتیں در پیش ہیں (اُن سب کو بالائے طاق رکھکر) تعلیم قرآن کی پابندی ہر شخص سے نہیں ہوسکتی، دیکھو باوجود اجرت لینے اور اسکے علاوہ مزید احسان کے بھی تم کسی کو تعلیم کا حق ادا کرتا ہوا نہ پاؤ گے سوا اُن کے جو اہل توفیق (اور صاحب دل) ہیں اب اگر تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کو حرام کردیا جاتا تو کون تعلیم دیتا اور اس طرح یقیناً قرآن کی اشاعت بلاد اسلام میں بند ہوجاتی) غرض شریعت میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو اصول قواعد کی رُو سے ممنوع ہیں مگر کسی منفعت کی وجہ سے اُن کو جائز کردیا گیا ہے حالانکہ وہ منفعت اس سے بدرجہا کم درجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور وسعت ہے، ماجعل علیکم فی الدین من حرج اللہ نے تمہارے اوپر دین میں ذرا تنگی نہیں کی، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حد سے زیادہ اُمت کے خیرخواہ ہیں کیونکہ حضور نے یہ حکم اور اس جیسے بہت سے احکام از خود بیان فرمائے ہیں کسی کے پوچھنے پر نہیں اللہ تعالیٰ حضور کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اُسکی اُمت کی طرف سے دیگئی ہو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسکی تصریح بھی فرمائی ہے لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم بیشک تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول آئے ہیں جن پر تمہاری پریشانی شاق ہے اور وہ تم پر (یعنی تمہاری راحت) پر حریص ہیں مسلمانوں پر بہت مہربان ہمدردی کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ کے شکر کی ہمکو توفیق دیں اور اسکو ہم پر کامل کردیں۔ آمین۔

ف اس حدیث میں بظاہر تصوف کا کوئی مسئلہ نہیں مگر بہت سے اہل اللہ قرآن کی تعلیم اور بچوں کی تربیت کی تادیب میں مشغول تھے اور بچوں کے والدین اُن کی خدمت کرتے تھے یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا تو غالباً شارح کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی طالب طریق کو ترک اسباب دشوار ہو تو وہ قرآن اور حدیث اور علم دین پڑھانے کا شغل اختیار کرلے کہ اسکی آمدنی سب سے زیادہ حلال ہے واللہ تعالیٰ اعلم، اور اہل علم کیلئے تو اس سے بہتر کوئی شغل ہے ہی نہیں، خصوصاً اس زمانہ میں کہ لوگوں کو علم دین کی طرف توجہ بہت کم ہے اگر علماء وطلبہ دوسرے مشاغل اختیار کریں گے تو دین کے مٹ جانیکا اندیشہ ہے اُن کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ سلسلہ تعلیم و درس برابر جاری رہے کہ اسی سے دین کی بقا ہے والسلام

۹۸ حدیث جواز الرقی والاجر علیہا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کسی سفر میں گئی اور عرب کے ایک قبیلہ کی بستی میں ٹھہری اُن سے مہمانی کا حق طلب کیا انھوں نے مہمانداری سے انکار کیا تو اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا انھوں نے ہر قسم کی کوشش کی (تاکہ وہ اچھا ہوجائے) کسی تدبیر سے

Marfat.com

نفع نہوا تو ایک نے کہا ذرا ان لوگوں کے پاس بھی تو جاؤ جو ہماری بستی میں اترے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو (جس سے سانپ کا زہر اتر جائے) چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا اے صاحبو ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے ہم نے ہر قسم کی تدبیر کرلی مگر اُسے کسی چیز سے فائدہ نہوا تو کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے ؟

ایک صحابی نے کہا ہاں بخدا میں جھاڑنا جانتا ہوں لیکن بخدا تم سے ہمنے مہمانی کا حق طلب کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا اب جب تک تم کچھ معاوضہ نہ دو میں نہیں جھاڑوں گا تو انھوں نے بکریوں کے ایک گلہ پر صلح کی (کہ تکو یہ گلہ بکریوں کا دیا جائیگا) وہ صحابی گئے اور اس پر دم کرنے اور تھتکارنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین (سورۃ فاتحہ اخیر تک) پڑھنے لگے وہ تو ایسا ہو گیا جیسے اونٹ کو رسی سے کھولدیا جائے بے تکلف چلنے پھرنے لگا بیماری کا ذرا بھی اثر نرہا بستی والوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جو ٹھہرا تھا وہ ان کے حوالہ کیا صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ اس کو تقسیم کرلو جھاڑ پھونک کرنے والے نے کہا ابھی ایسا نکرو پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کریں پھر دیکھیں آپ کیا فرماتے ہیں (اگر اسکو جائز قرار دیا تقسیم کرلیں گے ناجائز قرار دیا تو واپس کر دینگے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے واقعہ بیان کیا حضور نے فرمایا تمہیں کس نے بتلایا کہ سورہ فاتحہ سے جھاڑ پھونک بھی ہو سکتی ہے پھر فرمایا تم نے ٹھیک کیا اس معاوضہ کو تقسیم کرلو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے "

فائدہ ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جھاڑ پھونک پر معاوضہ لینا جائز ہے بشرطیکہ اللہ کی کتاب سے جھاڑ پھونک کیجائے، اب سوال یہ ہے کہ کلام اللہ کے سوا اور کسی چیز سے بھی جھاڑ پھونک جائز ہے؟ اس حدیث میں تو اس پر دلالت نہیں مگر دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسکے علاوہ اور بھی پاکیزہ کلام دم کیا کرتے تھے جیسے اللھم انت الشافی لاشفاء الا شفاءک یا رب العلمین اللھم اشف شفاء لا یغادر سقما اور اس جیسی اور بھی دعائیں ہیں۔ کتاب اللہ اور اسمار الٰہی اور پاکیزہ کلام کے سوا دیگر کلمات سے جھاڑ پھونک کی ممانعت بھی آتی ہے نیز اہل کتاب کی جھاڑ پھونک سے بھی منع کیا گیا ہے، اسی لئے علماء نے تعویذ کی اُن انگوٹھیوں سے منع کیا ہے جنمیں عبرانی الفاظ منقوش ہوتے ہیں جنکے معنی معلوم نہیں ایسے ہی ہر وہ زبان جس کے معنی معلوم نہوں اسکا تعویذ پہننا ممنوع ہے کیونکہ ممکن ہے اسکے معنی میں شرعًا کوئی خرابی ہو تو تعویذ پہننے والا گناہ میں مبتلا ہوگا (جھاڑ پھونک اور تعویذات پر معاوضہ لینا چند شرائط کیساتھ جائز ہے ایک یہ کہ اس شخص نے باقاعدہ اس فن کو حاصل کیا ہو محض کتابیں دیکھکر تعویذ نہ لکھتا ہو دوسرے اسکو تجربہ بھی ہو کہ اس سے نفع ہوتا ہے تیسرے معاوضہ صاف طور سے طے کیا جائے زکوۃ کہکر نہ لیا جائے جیسا عام طور سے رواج ہے بقیہ شرائط علامہ کے کلام میں مذکور ہیں ۱۲ مترجم)۔

Marfat.com

(۲۴۸) حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو رزق تمہارے واسطے مقدر ہو چکا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا وہ تمکو ملکر رہیگا خواہ روکنے والا چاہے یا نہ چاہے دیکھو صحابہ نے جب بستی والوں سے ضیافت طلب کی اور انھوں نے انکار کیا تو سانپ نے (سردار کو) ڈس لیا اور اس طرح وہ رزق جو مقدر تھا صحابہ کے پاس پہونچ کر رہا، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد کمزور کو جلدی پہونچتی ہے دیکھو جب بستی والوں نے اپنی قوت کی بنا پر اس جماعت کو قلیل اور کمزور سمجھکر ضیافت سے انکار کیا تو اللہ کی مدد (سانپ کے) ڈسنے کی صورت میں بہت جلد پہونچ گئی، حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ عادت (الٰہی) کا بدلنا بھی عذاب ہے دیکھو جب بستی والوں نے صحابہ کی ضیافت سے انکار کیا جو اون کا حق تھا تو ان کی وہ تمام تدابیر ناکام ہو گئیں جن سے سانپ کے ڈسنے کا علاج کیا کرتے اور اچھے ہو جاتے تھے (ان تدابیر کے متعلق عادت الٰہیہ جو اب تک تھی وہ اس نازیبا حرکت کی وجہ سے بدل گئی) یہانتک کہ انھوں نے وہ حق ادا کیا جسکو روک لیا تھا (تو پھر خدا نے مریض کو شفا دیدی) ایک حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے اذا ابغض اللّٰہ قوما امطر صیفھم وصحی شتاءھم جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں گرمی کے زمانہ میں ان پر بارش نازل کرتے ہیں اور سردی میں آسمان کو صاف کردیتے ہیں (کہ بارش کا ایک قطرہ نازل نہیں ہوتا یہ تو ان ممالک کے واسطے ہے جنکو سردی میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور جنکو گرمی اور برسات میں ضرورت ہوتی ہے ان پر جب اللہ کا غضب ہوتا ہے گرمی اور برسات میں بارش بند کرکے جاڑوں میں برسات کردیتے ہیں) غرض عادۃ اللہ کا بدلنا غضب کی نشانی ہے، اسی لئے اہل سلوک جب اپنی کسی حالت محمودہ میں تغیر پاتے ہیں جسکے عادی تھے فوراً گریہ وزاری اور التجا میں مشغول ہو جاتے اور نفس کی پوشیدہ شرارتوں میں غور کرتے یہانتک کہ اس کوتاہی کا پتہ لگا لیتے جہاں سے یہ تغیر آیا ہے تو اسکی تلافی کرتے اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک خود وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حکمت پر بھی اشارہ ہے کہ بستی والوں میں سے عذاب اسی پر آیا جسکا جرم سنگین تھا کیونکہ ضیافت سے انکار کرنے میں سردار قبیلہ اصل تھا عرب کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے سردار کے اشارہ پر چلتے ہیں جب وہ اس حرکت میں اصل تھا تو عذاب بھی اسی پر آیا (کہ سانپ نے اسی کو ڈسا) سزا جرم کے موافق دی گئی، قولہ فیہ اشارۃ الی انہ ما قدر لک من الرزق لا یمنعہ عنک مانع الی قولہ جزاء وفاقا،

ف ان سب فوائد پر صوفیہ کرام کا عمل سب سے زیادہ ہے ان میں جو مقتدا اور مشائخ ہیں وہ دوسروں سے زیادہ ڈرتے اور غور اہل نفس پر نظر رکھتے ہیں کیونکہ ان کی کوتاہیوں کا دوسروں پر اثر پڑتا ہے اور غیب سے ان کو زیادہ تنبیہ ہوتی ہے اسی طرح نقد پر پر اور نصرۃ الٰہیہ کے جلد آنے پر ان کو زیادہ بھروسہ ہوتا ہے کہ بھی حضرات ہر زمانہ میں صحابہ کے نمونے ہیں

Marfat.com

فافہمو واللہ یتولی ھداک۔

(۲۴۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل فضل دینداروں کو جب حق کی ہدایت کیجاتی ہے (فوراً) اسکو قبول کر لیتے ہیں عزت نفس (اور تکبر ونخوت) ان پر غلبہ نہیں کرتی۔ دیکھو جھاڑ پھونک کرنے والے نے جب صحابہ سے کہا کہ ابھی تقسیم نکرو جبتک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہونچ جاؤ سب نے اسکی بات مان لی اور بحث نہیں کی، **قولہ** فیہ دلیل علی ان اھل الدین والفضل اذا ارشد والی الحق قبلوہ الی قولہ ولم یحاجوا،

ف حق بات کو فوراً مان لینا تصوف کے مقاصد میں داخل ہے صوفیہ کو سب سے زیادہ اس کا اہتمام ہے وہ علماء ظاہر کی طرح بحث وتکرار نہیں کرتے۔

(۲۵۰) فیہاں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ محبوب کی توجہ عاشق کے جذبات محبت کو ابھارتی اور اسکے دل میں مسرت کی لہریں دوڑا دیتی ہے۔ دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے حضور کے اصحاب کی مدد کی (ان کے حال پر توجہ فرمائی) تو حضور کو ہنسی آگئی اور فرمایا اس مال میں میرا بھی حصہ لگاؤ (حالانکہ آپ جانتے تھے کہ صحابہ خود ہی ایسے موقع پر آپ کو ہدیہ پیش کرتے ہیں مگر) نصرت خداوندی پر اپنی مسرت وفرحت ظاہر کرنے کیلئے آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرا بھی حصہ لگاؤ تاکہ وہ بھی خوش ہوں اور اللہ کی مدد پر مسرت وطرب کا اظہار کریں **قولہ** وھنا اشارۃ وھی عطف الحبیب یھیج قلب المحب ویفرحہ ویطربہ ویضحکہ الی قولہ اظہار الذلک لانہ مما یؤنسھم ویسرھم، وفیہ تقدیم وتاخیر،

(۲۵۱) حدیث میں اہل قلوب کیلئے ایک خاص اشارہ ہے کہ بستی والوں نے اپنے سردار کیلئے ہر ممکن کوشش کی صرف اسلئے کہ اسکے بدن کو راحت ملجائے جو خود بھی فنا ہونے والا ہے اور یہ جہان بھی فنا ہونیوالا ہے (جسکی یہ بدن پیداوار ہے) تو اس شخص کی ہمت کا کیا حال ہونا چاہئے جو غیر فانی عالم کیلئے کوشش کر رہا ہو جسکی نعمتیں فنا نہ ہوں گی اور اس میں رہنے والا بھی نہ کمزور ہوگا نہ پرانا ہوگا (ہمیشہ جوان ہی رہیگا) تو جہاں زیادہ چستی اور رغبت کی ضرورت ہو وہیں سستی اور کمزوری ہو (بڑے تعجب کی بات ہے) اہل قلوب کو آخرت کیلئے دنیا داروں سے زیادہ کام کرنا چاہئے وہ لوگ دنیا ہی فانی سردار کیلئے ہر وقت مرتے کھپتے رہتے ہیں طالبان آخرت کو ان سے کم نہ رہنا چاہئے اور جس طرح اہل دنیا اپنے سرداروں کی خدمت جان ودل سے کرتے اور ان کی راحت کا اہتمام کرتے ہیں طالبان آخرت کو اپنے مشائخ کیلئے ان سے زیادہ کرنا چاہئے) ایک مشہور بزرگ کو لوگوں نے کثرت مجاہدہ (وریاضت) پر ملامت کی تو فرمایا مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو کیونکہ میرے سامنے ایک سخت گھاٹی ہے جس سے وہی گھوڑے پار ہو سکتے ہیں جو دبلی پتلی کمر والے ہیں، ایک بزرگ کا ارشاد ہے

Marfat.com

بالجد خذ لا بالکسل فان امامک عقابا شدای عقاب"

ہمت اور کوشش سے کام کرو سستی سے نہیں کیونکہ تمہارے سامنے عذاب بھی ہے اور کیسا عذاب؟ (جس سے بچنے کیلئے کام کرنے کی ضرورت ہے سستی اور غفلت کیساتھ اُس سے نہیں بچ سکتے) **قولہ** دفی الحدیث اشارۃ لاھل القلوب الیٰ قولہ ای عقاب"

ف اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں یہ تو تصوف وسلوک کا پہلا قدم ہے کہ آخرت کو دنیا سے معظم ومقدم سمجھے والسلام

۹۹ (حدیث لاحمی الا للہ ولرسولہ)

صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمی کسی کیلئے نہیں بجز اللہ کے اور اُس کے رسول کے۔

شارح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حمی سب کی سب اللہ اور رسول کیلئے ہے، اب رہا یہ کہ حمی سے کیا مراد ہے؟ اور وہ بطریق وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے؟ اور کون اُس کا ذمہ دار ہے؟ اسکی شرطیں کیا ہیں؟ سو اسکو معلوم کرنا چاہئے پس سنو! کہ حمی کے پانچ معنی (لغت میں) ہیں ایک تو روک ٹوک کرنا بعض امور سے روکنا اور بعض کی اجازت دینا یہ تو احکام کا مقرر کرنا ہے۔ تو جسے اللہ نے روکنے کا حق دیا ہے وہ روک سکتا ہے اور جسکو یہ حق نہیں دیا وہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الحکم الا للہ حکم (اور حکومت) صرف اللہ کیلئے ہے۔ دوسرے معنی عزت اور شوکت ہیں چنانچہ فرمایا ہے وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین عزت تو اللہ ہی کیلئے ہے اور اسکے رسول کیلئے اور مومنین کیلئے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بالایمان اعتززنا ہم صرف ایمان کی وجہ سے معزز ہوئے ہیں۔ حمی کے ایک معنی حفاظت اور بچاؤ کے ہیں، تو جو شخص اپنی حفاظت اور بچاؤ کا طالب ہو اسکو حقیقی حفاظت اور بچاؤ اللہ اور رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے اتباع اور تعمیل احکام سے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کریگا اور اللہ کی مدد سے مراد اُس کے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب ہے اور سنت رسول کی پیروی کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی نیز ارشاد ہے یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین اے نبی تمکو اللہ کافی ہے اور وہ مومنین جو آپ کے متبع ہیں"

حمی کے ایک معنی تعصب (اور حمیت) اور مدافعت بھی ہیں جیسے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے بارہ میں دریافت کیا کہ بعض لوگ محض حمیت کی بنا پر قتال کرتے ہیں، جیسا عرب کی عادت تھی

Marfat.com

(کہ اپنے قبیلہ کی طرفداری میں دوسرے قبائل سے لڑتے تھے جس کا منشا بجز قومی تعصب اور حمیت کے کچھ نہ تھا) اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حمیت اور تعصب صرف اللہ اور رسول کیلئے ہونا چاہیئے چنانچہ ارشاد ہے کونوا انصار اللہ تم اللہ کے مددگار بنجاؤ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اگر شریعت کے موافق ایک دوسرے کی مدد کریں وہ بھی اللہ ہی کیلئے ہے جیسا حدیث میں آیا ہے انصر اخاک ظالما او مظلوما اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد تو ظاہر ہے کہ اللہ ہی کیلئے ہے۔ اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسکو اللہ کیلئے ظلم سے روکدو۔ یہ بھی اللہ کی مدد ہے (کیونکہ اسمیں حکم شرعی کی تعمیل ہے) اور اللہ کی مدد سے یہی مراد ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو) حمی کے ایک معنی تقدیر اور قسمت کے ہیں، تو حقیقت میں صاحب نصیب وہی ہے جسکو اللہ اور اسکا رسول اپنی پناہ میں لیلے چنانچہ ارشاد ہے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا کہہ دیجئے ہمکو ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوا اسکے جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کردی ہے۔ تو جسکو اللہ اور رسول نے اپنی پناہ میں لیلیا اس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا اور دوسروں کی پناہ کوئی چیز نہیں اور اگر اتفاقاً کسی کی حمایت سے نفع بھی ہو جائے تو وہ ختم ہونیوالی ہے اور اللہ کی حمایت منقطع نہیں ہو سکتی، (پس یہاں ان معانی میں سے کوئی ایک مراد ہے یا) ہو سکتا ہے کہ سب ہی مراد ہوں اور یہی زیادہ ظاہر ہے جس جگہ ان معانی میں سے کسی ایک کا تحقق ہو وہاں اصل استحقاق اللہ اور رسول کیلئے ہے (ان ہی کی حمی اصل حمی ہے) چنانچہ اسی قبیل سے حق تعالیٰ کا یہ قول ہے من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا جو کوئی عزت چاہتا ہو تو عزت سب کی سب اللہ کیلئے ہے و للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون عزت اللہ کیلئے اور رسول کیلئے اور مومنین کیلئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے اس حدیث کے مناسب اسی کے معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے ان اللہ اذھب عنکم عبادۃ الجاھلیۃ وافتخارھا بالآباء انما ھو مؤمن تقی او فاجر شقی سنو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور نسب پر فخر کرنے کو دور کردیا (بس اب دو ہی قسم کے آدمی ہیں) یا مومن متقی ہے یا فاجر بدبخت نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی (اس کے مناسب) ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز (و مکرم) وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو تو اس ربیہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ جاہلیت والے جو کچھ کرتے تھے خواہ نسب پر فخر ہو یا کسی کی حمایت یا قومی عصبیت اور نئے نئے احکام (و قوانین) بنانا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا اور کسی کو پناہ دینا یا اپنی حفاظت کرنا اسکے علاوہ دیگر امور جنمیں نفس کے حظوظ (اور لذات) تھے اسلام نے ان میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھا بجز اسکے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔ جو شخص بغیر کتاب اللہ

Marfat.com

اور سنت رسول کی اتباع کے ان امور کو اختیار کرے اُس نے طریقہ جاہلیت اختیار کیا اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت میں ہو گا ثلاثۃ یبغضہم اللہ عد فیہم من استن فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ، تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے ان میں سے ایک وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ رائج کرے۔ اور یہ حکم خاص و عام قریب و بعید سب کے لئے عام ہے جسکی تائید حق تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے، قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم الاٰیۃ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی اور بیبیاں اور خاندان اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جسکے مندا ہونے کا تمکو اندیشہ ہے اور وہ گھربار جو تمکو پسند ہیں اللہ سے اور رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (دوسرا) حکم بھیجیں، اسمیں عوام اور خواص سب شریک ہیں (سبکو حکم الٰہی کا اپنی تجویز پر مقدم کرنا واجب ہے)۔

(۲۵۲) خواص کیلئے (اس حدیث میں) ایک خاص بات ہے اور وہ خواطر (کی نگہداشت) ہے کیونکہ خواطر نفس کی چار قسمیں ہیں ربانی۔ ملکوتی۔ نفسانی۔ شیطانی ان میں دو کی تو حمایت کیجائیگی یعنی خاطر ربانی اور ملکوتی کی اور دوسرے جنگ کی جائیگی یعنی نفسانی اور شیطانی سے (پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دل میں جو باتیں تقاضے کیساتھ آتی ہیں اور ان کو اصطلاح صوفیہ میں خاطر کہا جاتا ہے اُن میں سے حمایت صرف ان کی ہوگی جو اللہ و رسول کیساتھ تعلق رکھتے ہوں اور جن خواطر کو اللہ و رسول سے علاقہ نہو بلکہ محض نفسانی تقاضا یا شیطانی دھوکہ ہو ان کی حمایت نہیں کیجا سکتی بلکہ اُن کو روکنا چاہئے) اس طرح یہ شخص اس جماعت میں شامل ہوگا جسکے متعلق ارشاد ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اُنکو ہم اپنے راستوں پر ڈالدیتے (اور مقصود تک پہونچا دیتے) ہیں یہ تو منتہی کیلئے ہے جو خواطر میں تمیز کر سکتا ہے اور مبتدی پر جب کوئی خاطر وارد ہو اُسے چاہئے کہ قرآن (و حدیث) پر اُسے پیش کرے اُسوقت اُسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ خاطر کس قسم میں داخل ہے تو کتاب و سنت کے موافق عمل کرے، حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان فصاحت (و بلاغت) پر بھی دلالت ہے کہ ایک لفظ میں آپ نے شریعت و حقیقت کے تمام احکام کو جمع کر دیا (صلی اللہ علیہ علی ہذا النبی الکریم افضل صلوٰۃ و ازکی تسلیم)، قولہ ویختص اھل الخصوص بامر وھو الخواطر الی قولہ جمعت احکام الشریعۃ والحقیقۃ، کلھا بجز فی لبعض المسائل المتعلقۃ بالفقہ خواطر میں صرف ربانی اور ملکوتی کی حمایت کیجائیگی

ف علامہ ابن ابی جمرہ نے اس مقام پر حمیٰ کے سب معنی بیان فرمائے مگر جو معنی فقہاء کے یہاں مشہور ہیں اُسکو چھوڑ دیا۔ فقہاء نے حمیٰ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ کسی زمین کی خود رو گھاس کو روکدیا جائے کہ اس میں دوسروں کے جانور نہ چریں صرف سردار اور زمینداری کے جانور چرا کریں حدیث نے اس رواج کو باطل کیا ہے کہ زمین کی خود رو گھاس سب کے لئے مباح ہے کسی کو اُس کو روکنے کا حق نہیں صرف اللہ اور رسول کو حق ہے خلیفہ

Marfat.com

کو بھی اپنے ذاتی جانوروں کیلئے کسی زمین کی گھاس روکنے کا حق نہیں صرف بیت المال کے جانوروں کیلئے روکنے کا حق ہے کہ اسمیں دراصل سب مسلمانوں کا فائدہ ہے جیسا حضرت عمر نے بیت المال کے اونٹ گھوڑوں کیلئے بعض دیہات کی زمین مخصوص کردی تھی کہ اسمیں بیت المال کے جانوروں کے سوا دوسروں کے جانور نہ چریں۔ پس لا حمی الا للہ ورسولہ کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیزیں سب کے لئے مباح ہیں اُن کو اپنے لئے کوئی نہیں روک سکتا ہاں خلیفۂ اسلام بیت المال کیلئے روک سکتا ہے کیونکہ بیت المال کو اللہ اور رسول سے تعلق ہے اسکی منفعت عام مسلمانوں کی منفعت ہے کسی خاص کی منفعت نہیں، اگر بیت المال کیلئے کسی زمین کی گھاس وغیرہ کو نہ روکا جائے تو جہاد کے اونٹ گھوڑے پرورش نہیں پاسکتے اور جہاد کا موقوف ہوجانا مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہے، دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جسکے پاس اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو کسی قوم کا کمزور ہونا دوسروں کو اپنے ہضم کرنے کی دعوت دینا ہے جیسے بکری کی کمزوری بھیڑیئے کو اسپر حملہ کرنیکی دعوت دیتی ہے خوب سمجھ لو۔

۱۱۳ (حدیث من لم یشرک باللہ دخل الجنۃ)

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ تھا جب آپ نے جبل احد کو دیکھا فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بنجائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اسمیں سے ایک دینار بھی رہے سوا اس دینار کے جسے قرض (ادا کرنے) کے واسطے رکھ چھوڑوں پھر فرمایا زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں مگر وہ جو مال کو اس طرف اور اس طرف (خرچ) کرتا ہے ابو شہاب (راوی حدیث) نے (اسوقت) اپنے سامنے اور دائیں بائیں اشارہ کیا (حضور نے فرمایا) اور ایسے لوگ کم ہیں (زیادہ وہی ہیں جو سانپ بنکر مال پر سانپ کی طرح جم جاتے ہیں غریبوں کو نہیں دیتے) پھر فرمایا اے ابو ذر! جب تک میں نہ آؤں تم اسی جگہ رہنا اور (یہ فرماکر) آپ کچھ دور آگے بڑھ گئے میں نے ایک (عجیبی) آواز سنی تو حضور کے پاس پہونچنے کا ارادہ کیا پھر مجھے آپ کی بات یاد آگئی کہ تم اسی جگہ رہنا اسلئے میں اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا) جب آپ واپس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (یہ کیا چیز تھی) جو میں نے سنی یا یہ کیسی آواز تھی جو میں نے سنی (راوی کو شک ہے کہ ان دو لفظوں میں سے کونسا لفظ صحابی نے کہا ہے) فرمایا کیا تم نے بھی (آواز) سنی ہے میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک (خدائی) نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اگرچہ اس نے ایسے ویسے (گناہ کے) کام کئے ہوں فرمایا ہاں (اگرچہ اسنے ایسے ہی کام کئے ہوں)۔

Marfat.com

شرح: ظاہر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص اسلام پر مریگا جنت میں پہنچ جائیگا اگرچہ اس نے کیسے ہی کام کئے ہوں اب رہا یہ سوال کہ جنت میں پہنچ جانیکا مطلب یہ ہے کہ اُس کو اصلا عذاب نہ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور جائیگا اگرچہ عذاب بھی دیا جائے؟ تو جواب یہ ہے کہ ایک حدیث نے اسکو صاف کردیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان دو طرح کا ہے ایک وہ جسکا صاحب جہنم میں (اصلا) نہ جائیگا دوسرا وہ جسکا صاحب جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیگا، یہ دوسرا ایمان وہ ہے جسکے ساتھ گناہ بھی ہوں اور پہلا ایمان وہ ہے جو احکام کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کیساتھ ہو محدثین اس معنی میں بہت ہیں۔ اور اہل توفیق گناہوں سے صرف اسلئے ڈرتے ہیں کہ گنہگار کی حالت بدل جائیگا اندیشہ رہتا ہے (کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان سلب ہو جائے) کیونکہ گناہ کفر کے قاصد ہیں (جیسے نیک اعمال ایمان کے قاصد ہیں یعنی نیکیوں کا سلسلہ ایمان سے ....

وابستہ ہے اور گناہوں کا رشتہ کفر سے ملا ہوا ہے)

(۲۵۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ چلتے پھرتے مباحات میں نظر کرنا جائز ہے دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کو دیکھا اگر آپ چلتے ہوئے زمین کی عجائبات پر نظر نہ ڈالتے (بلکہ نگاہ نیچی کرکے چلا کرتے) تو احد پہاڑ کو یہ دیکھ سکتے ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دوسروں کی طرح نہیں تھی، آپ کی ہر نظر عبادت تھی کیونکہ وہ عبرت حاصل کرنیکے لئے ہوتی تھی اور جب اس نیت سے نظر ڈالی جائے تو کتاب و سنت کے بیان سے وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کتاب اللہ میں ہے اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے عجائبات (قدرت) میں نظر نہیں کی (جو اللہ تعالیٰ کی توحید و عظمت ان پر منکشف ہو جاتی اس سے معلوم ہوا کہ اس نیت سے زمین و آسمان کی طرف نظر کرنا شرعاً مطلوب ہے) نیز ارشاد ہے ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک اور (عقلمند لوگ) زمین و آسمان کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار تو نے اسکو بیکار نہیں بنایا تو اس سے پاک ہے، اور حدیث میں ہے اللھم اجعل نظری عبرۃ اے اللہ میری نظر کو (مفید) عبرت بنا، رہی یہ بات کہ حضور کی نظر عبرت حاصل کرنیکے لئے تھی اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ نے جبل احد کو دیکھکر ایک قاعدہ شرعیہ بیان فرمایا (بلکہ چند قواعد) اگر یہ نظر عبرت کیلئے نہ ہوتی تو کلام کا رنگ دوسرا ہوتا کیونکہ ہر کلام فکر کا نتیجہ ہے فکر کلام کا مقدمہ ہے اور مقدمہ کے موافق ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے (جب یہاں نتیجہ فکر اعلیٰ درجہ کا ہے تو یقیناً آپ کی نظر بھی اعلیٰ درجہ کی تھی) حضور نے اس مقام پر جو قاعدہ شرعیہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خیر کی (یعنی مال کی) تمنا جائز ہے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اشیاء میں انقلاب ہو سکتا ہے (پہاڑ سونا بن سکتا ہے آخر سونا چاندی پہاڑ ہی میں تو پیدا ہوتا ہے یہی کسی جگہ سونا بنجاتی ہے کسی جگہ چاندی کسی جگہ یاقوت و زمرد وغیرہ وغیرہ) تیسرے یہ کہ قرض لینا جائز ہے اور تین دن یا اس سے کم رت تک دنیا کا

عجائبات پر نظر ڈالنا عبادت ہے

Marfat.com

پاس رہنا دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں اور جو رقم قرض ادا کرنے کیلئے رکھی جائے وہ بھی دنیا جمع کرنے میں داخل نہیں جبتک تین دن سے زیادہ عرصہ تک رہے اور دنیا کو واسطے حاصل کرنا کہ آخرت کے کاموں میں صرف کیجائے دنیا (داری) غرض حدیث میں بڑی ہدایت ہے یہ سب فوائد حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوئے میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بنجائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اسمیں سے ایک دینار بھی رہے سوا اس دینار کے جسے قرض کے واسطے رکھ چھوڑوں، اگر کوئی یہ کہے کہ حضور نے مال کی تو تمنا نہیں کی بلکہ اسکی نفی کی ہے تو کہا جائے گا کہ حضور نے تین دن سے زیادہ رکھنے کی نفی کی ہے تمنا کی نفی نہیں کی جو لوگ معانی کلام کو سمجھتے ہیں وہ اس سے مطلقاً تمنا کی نفی نہیں سمجھ سکتے (کیونکہ جب کلام میں کوئی قید ہو حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے نہ مقید کیطرف، علماء بلاغت نے اسکی تصریح کی ہے) حدیث سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض کم کرنا چاہیے (زیادہ نہ چاہیے) کیونکہ حضور نے قرض ادا کرنے کیلئے ایک دینار رکھ چھوڑنے کا ذکر فرمایا ایسا لفظ نہیں فرمایا جو قلیل و کثیر سبکو شامل ہو جب آپ نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جو قلیل ہی کو شامل ہے اور لفظ عام اختیار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپکا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ قرض زیادہ نہ کرنا چاہیے) کسی نے کہا ہے اقلل من الدین تعش حرا (اپنے ذمہ) قرض کم کرو آزاد جیوگے (زیادہ قرض کروگے تو آزادی میں خلل پڑیگا) اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ زیادہ مال والے ہی زیادہ کمی والے ہیں۔ اسمیں چند احتمالات ہیں، ایک یہ کہ ایسے لوگ (حساب و کتاب و عذاب سے) خلاصی پانیوالے کم ہیں کیونکہ ان کے ذمہ حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور (حقوق کی وجہ سے) مناقشات (بازپرس وغیرہ) زیادہ ہونگے اسی لئے کہا گیا ہے حلالہا حساب و حرامہا عذاب دنیا کا حلال حصہ حساب میں مبتلا کرتا ہے اور حرام عذاب (میں گرفتار کرتا) ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نیکیاں کم ہونگی اگرچہ وہ نیک کام زیادہ بھی کریں مطالبات کی کثرت سے نیکیاں کم ہو جائیں گی کیونکہ میل جول اور لین دین میں ناجائز باتوں اور ممنوعات کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے جنکی اسکو خبر بھی نہیں ہوتی،، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو (نیک اعمال کی) توفیق کم ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو مال عبادات سے اور نجات کے راستہ پر چلنے سے مانع ہو جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب معانی مراد ہوں اسی لئے حضور نے اسکے بعد فرمایا مگر وہ جو مال کو اس طرف اور اس طرف خرچ کرتا رہے (یعنی ہر طرف جہاں محتاج نظر آئیں یا ضرورت معلوم ہو خرچ کرنے میں دریغ نکرے ایسا شخص البتہ حساب و کتاب اور مطالبے سے خلاصی پائیگا اسکی نیکیاں بھی کم نہ ہونگی اسکو نیک اعمال کی توفیق بھی زیادہ رہے گی کیونکہ اس کا دل حب مال سے پاک ہوگا اور اعمال خیر سے مال مانع نہیں ہوتا بلکہ اسکی محبت مانع ہوتی ہے) قولہ فیہ دلیل علی جواز النظر فی المباحات الی قولہ ومن اجل ھذا اعقبہ بقولہ علیہ السلام الا من قال بالمال ھکذا وھکذا،،

(۲۵۴) حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت کا ادب یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے بغیر اطلاع کی ! نہ ہو دیکھو رسول اللہ صحابہ

Marfat.com

علیہ وسلم ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہکر منہ چھیر کر چلے گئے کہ اسی جگہ پر رہنا بغیر طلبی کے ادھر نہیں آنا) **قولہ فیہ دلیل**
علی ان من ادب صحبۃ ان لا یخلوا الصاحب الی قولہ مکانک حتی اٰتیک ۔

ف شیخ نے آداب صحبت میں اسکی تصریح کی ہے اور یہ مسئلہ آداب معاشرت میں سے ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے ساتھی سے الگ
ہوجانا اسکو پریشانی میں ڈالتا ہے ” اور مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہونچے ۔

(۲۵۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاشق بدگمان ہوتا ہے (عشق است و ہزار بدگمانی) دیکھو جب رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم ابوذر سے کچھ دور آگے بڑھ گئے اور انھوں نے (اجنبی) آواز سنی تو اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر (خطرہ
کا) اندیشہ ہوا اور چاہا کہ فوراً آپ کے پاس پہونچیں مگر آپ کا حکم یاد کر کے رک گئے اور اس سے معلوم ہوا کہ احکام کی بجا
آوری سب سے بڑی طاعت ہے کیونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ یہ سمجھکر اپنی جگہ پر جمے رہے کہ حکم کی تعمیل سب سے زیادہ مقدم ہے
انھوں نے تعمیل حکم کو اپنے اس جذبہ پر ترجیح دی جو محبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ اجنبی آواز سنتے ہی حضور کے پاس
پہنچیں) یہ عارفین کا مقام ہے کہ اُن کی طاعت بجا آوری حکم کیلئے ہے اپنی خواہش سے نہیں اور جاہل کی حالت اسکے
برعکس ہے کہ وہ (اپنی خواہش کے موافق طاعات بجا لاتا ہے اتباع حکم کی پابندی نہیں کرتا) **قولہ فیہ دلیل علی ان المحب**
بسوء الظن مولع الی قولہ والجاھل بضد ذلک ”

(۲۵۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں تحقیق کی ضرورت ہو وہاں بغیر تحقیق حال کے احکام (شرعیہ) بیان کئے جائیں
اگرچہ واقعہ معلوم بھی ہو دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے اُن کے اس کہنے کے بعد کہ یہ کیا آواز تھی جو میں نے
سنی پھر دریافت فرمایا کیا تم نے یہ آواز سنی ؟ انھوں نے کہا ہاں اسکے بعد آپ نے بتلایا کہ یہ آواز جبریل کی تھی وہ مجھ سے
یہ کہہ گئے ہیں ۔ آپ کا دوبارہ پوچھنا حالانکہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابوذر نے آواز سنی ہے اس بات کو بتلا رہا ہے
کہ احکام الٰہیہ کا اہتمام کرنا چاہیے اور تقریر احکام کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہئے ، اسوقت جبریل نے جو کچھ کہا تھا
وہ احکام الٰہیہ میں سے ایک (عظیم الشان) حکم تھا تو حضور نے اُسکو سرسری طور سے بیان نہیں کیا بلکہ اہتمام اور تحقیق
کیساتھ بیان فرمایا **قولہ فیہ دلیل علی ان الاحکام لا تذکر الا بعد التثبیت الی قولہ ارشاد الی الاھتمام
بامر الاحکام**

(۲۵۷) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جسکو چاہتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں (فرشتوں
کی آواز وغیرہ) سنا دیتے ہیں اور جسکو چاہتے ہیں سننے سے روک دیتے ہیں دیکھو بہت احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم پر صحابہ کے درمیان (بیٹھے ہوئے) وحی نازل ہوتی تھی پھر فرشتہ چلا جاتا اور صحابہ میں سے کوئی بھی کچھ نہ سنتا اور ابو
ذر رضی اللہ عنہا کو دور سے آواز سنا دیگئی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں **قولہ فیہ دلیل علی عظیم**

عاشق کی بدگمانی معاف ہے اور حکم کی بجا آوری سب سے بڑی طاعت ہے

بدون تحقیق حال کے احکام نہ بتانے چاہئیں

اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے

Marfat.com

قدرۃ القادر الی قولہ لیعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیرؐ

ف یہی تصوف کا بڑا مسئلہ ہے اگرچہ متکلمین بھی اسکو بیان کرتے ہیں اور یہ مسئلہ عقائد میں داخل ہے مگر اس کا پورا انکشاف صوفیہ کرام ہی کو نصیب ہے، اسی لئے وہ نصوص میں تاویل کم کرتے ہیں اگرچہ بظاہر عقل سے بعید ہوں کیونکہ وہ قدرت خداوندی سے کسی چیز کو بعید نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ ہمکو بھی بزرگوں کی اس دولت سے حصہ عطا فرمائیں آمین۔

الحمدللہ آج بروز شنبہ ۱۰ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ کو رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس کا دوسرا حصہ اُن التزامات کیساتھ جو دیباچہ حصہ اول میں مذکور ہیں تمام ہوا۔ حالانکہ اسوقت اسکی کچھ امید نہ تھی کیونکہ ۹ ماہ کی مسلسل علالت نے مجھے تصنیف وتالیف سے روکدیا تھا رمضان سے پہلے ضعف زیادہ تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ رمضان میں روزہ و تراویح کی وجہ سے ضعف اور بڑھ جائیگا مگر الحمدللہ کہ رمضان و اعمال رمضان کی برکت سے صحت پہلے سے اچھی ہوگئی اور شوال میں اس قابل ہوگیا کہ ترجمہ حصہ دوم پورا کر دوں،

بہجۃ النفوس کے حصہ اول و دوم میں کل سنو حدیثیں ہیں اور دیباچہ مصنف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نے بخاری کی تین سنو حدیثوں کی شرح کی ہے، عزیزی مولوی محمد ادریس صاحب کاندہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ محدث و مفسر دارالعلوم دیوبند سے معلوم ہوا کہ بہجۃ النفوس کے دو حصے اور بھی طبع ہوگئے ہیں جو اُن کے پاس پہونچ گئے ہیں، مگر میرے پاس ابتک نہیں پہونچے، اگر وہ دو حصے بھی مل گئے اور صحت وطاقت اور توفیق نے یاوری کی تو انشاء اللہ ان کا ترجمہ بھی اسی طرز پر ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ورنہ اسی قدر پر کفایت ہے اور کیا عجب ہے کہ کوئی اور صاحب دل بقیہ جلدوں کا ترجمہ اسی طرز پر مجھ سے اچھا کر دیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید الانبیاء والرسل و اصحاب واہل بیت کرام کے طفیل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اس خدمت کو قبول فرمائیں اور میرے اور جملہ احباب و اصحاب و برادران اسلام کیلئے اسکو نافع بنائیں اور میرے لئے یہ کتاب ذخیرۂ اور ذریعہ نجات بنائے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ناشکری ہوگی اگر برادر مہربان مولوی شبیر علی صاحب تھانوی سلمہ کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انہوں نے بہت محنت واہتمام اور صرف زر کثیر سے اس کتاب کو طبع کرایا اللہ تعالیٰ تمام دعاؤں کو اسکے حق میں قبول فرمائیں اور اُن کو جزائے خیر عطا فرمائیں سہ

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم

Marfat.com

(تمت بالخیر)

والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدالکائنات واشرف المخلوقات سیدنا محمد وعلی آلہ و اصحابہ وذریتہ واہل بیتہ وازواجہ الطیبات الطاہرات وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

احقر ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا اللہ عنہ

۱۰ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۶ اگست سنہ ۱۹۴۹ عیسوی

بمقام ڈھاکہ مشرقی پاکستان

(مطبوعہ رئیس پریس موتی لائن کراچی)

Marfat.com

رحمۃ القدوس

ترجمہ شرح بخاری

بہجۃ النفوس

یعنی بخاری شریف کی ایک سو احادیث کی مکمّل اور مستند شرح

معہ استنباط مسائل فقہ و تصوّف و سلوک و فوائد عجیبہ

جس کو حضرت حکیم الامّت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے حکم سے

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی نے نہایت محنت و جانکاہی کیساتھ

اردو زبان میں منتقل فرمایا ہے

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

قیمت کامل دو جلد ۹ روپیے

Marfat.com